رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۰۹

ادب اردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول ڈاک

छोटे बच्चों के लिये

डोंगरे का बालामृत

چھوٹے بچوں کی طاقت بڑھانے والی دوا ڈونگرے کا بالامرت

یہ ڈونگرے کا بالامرت مدہور (میٹھا) ہونے کی وجہ سے چھوٹے بچے بہت خوشی سے پیتے ہین یہ دوا بچون کو مضبوط طاقتور بنانے مین بلکتا ثابت
ہوئی ہے چھوٹے بچون کی کھانسی، بخار، بدہضمی، بیچیش، وغیرہ امراض جو اکثر ناطاقتی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین وہ اس دوا کے استعمال
سے رفع ہوجاتے ہین۔ اور اس سے بچون کا بدن تھوڑے ہی عرصہ مین گوشت سے بھر کر فربہ وزن دار بنتا ہے اور رنگ بہت جلد تکمیل
ہو کر جسم مین طاقت بڑھتی ہے۔ جن لڑکون کو دودھ ہضم نہین ہوتا اُن کو دودھ مین بالامرت ملا کر دیا جائے تو وہ اچھی طرح ہضم ہوتا ہے۔
قیمت فی شیشی ۱۲ محصول ڈاک ۴ تین شیشی کی قیمت ۲ محصول ڈاک ۱۰

کے۔ ٹی۔ ڈونگرے کمپنی لمیٹڈ سے واڑی گرگام ممبئی



اگر

آپ اپنے لڑکے اور لڑکیون کو تندرست رکھنا چاہتے ہون تو

لال شربت

پلا وین کلیجہ کی کمزوری دکھانسی و لاغری کو دور کرنا چاہتے ہو تو

لال شربت

پلاؤ پیدائش کے وقت سے ہوشیار ہونے تک دوا یکسان فائدہ کرتی ہے پینے مین شیرین اور رنگ سُرخ ہونے کی وجہ سے بڑے خواہش سے پیتے ہین۔

آپ بھی اپنے بچے کو استعمال کرا کے آزمائش کریجیے

قیمت بارہ آنہ ۱۲ فی شیشی محصول ڈاک ۴ چار آنہ

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

العصر

جنوری ۱۹۱۷ء

جلد ۶ — نمبر ۱

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) نواب نصیر حسین خان صاحب خیال (۲) نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے (۳) مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر (۴) حضرت امیر مینائی (۵) آنریبل [illegible] (۶) منشی پراگ نرائن صاحب بھارگو مرحوم (۷) دعائے معصوم

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) اس کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ڈاک و ششماہی صہ مع محصول ہے۔ اس میں کمی ناممکن ہے۔

(۳) نمونہ کے لیے ۱۰ آنا چاہیے مفت نہیں ملے گا۔

(۴) خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے ورنہ حساب نہیں۔

(۵) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضروری سمجھنا چاہیے۔

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

(۷) ترسیل زر و درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیے۔

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ و ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلے کے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کئے جائیں۔

(۹) العصر میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا تاہم مضامین ہی لیے جائیں گے۔

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے معقول معاوضہ بھی نذر کیا جائیگا مگر اسمیں اور تحمیل مضامین کی تخصیص ہے۔

ان لوگوں کو غیبی امداد دیجیے

ہماری آتنک نگرہ گولیاں اُن مریضوں کے حق میں جو جسمانی اور دماغی اور اعصابی قوت کو کھو کر زندگی سے مایوس ہوگئے ہوں غیبی امداد ہیں ہر قسم کے ضعف کو دور کر کے از سر نو نوجوان بنا دینا ان گولیوں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۳۲ گولیاں عہ علاوہ محصول ڈاک۔

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی و آرام کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے اگر تندرستی حاصل نہیں تو ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے پس اگر آپ تندرستی کے بھیدوں سے واقف ہونا اور ہمیشہ طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہیں تو ہماری کتاب **کام شاستر** مفت بلا قیمت منگا کر مطالعہ کیجیے جو گجراتی ناگری تامل مرہٹی تلنگو بنگالی انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں میں موجود ہے۔

پتہ:۔ ویدیا شاستری منی شنکر گووند جی شہر جام نگر کاٹھیا واڑ

روزنامہ ہمدم لکھنؤ

جو ظاہری شان اور باطنی خوبیوں دونوں کے اعتبار سے اردو زبان کے بہترین روزنامہ کا لقب حاصل کر چکا ہے جنگ کی خبریں [illegible] سے پہلے پہنچانا اس کی ممتاز خصوصیت ہے۔ کم از کم نمونہ ضرور منگا لیجیے۔

منیجر روزنامہ ہمدم

نمبر ۲۷ - لاٹوش روڈ لکھنؤ

رسالہ دار العلوم فیض آباد

رسالہ دار العلوم زبان اردو کا خاص حامی ہے اسکو زبان میں فروغ حاصل ہے۔ اس میں اخلاقی تاریخی تمدنی علمی اور سائنٹفک مضامین اور تحقیقی و حرفتی اور دیگر چھوٹے چھوٹے رسالوں کے [illegible] شائع ہوتے ہیں۔ **دار العلوم** کے دلچسپ ہر دلعزیز ہونے کا ثبوت ان مضامین سے بخوبی مل سکتا ہے جن کے مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں نمونہ طلب فرما کر دیکھیے صرف چار آنہ کا خرچ ہے قیمت سالانہ تین روپیہ۔

المشتہر منیجر رسالہ دار العلوم فیض آباد (اودھ)

العصر جلد چہارم و پنجم بابت ۱۹۱۶ء

العصر کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد کا کوئی پرچہ اب دفتر میں نہیں رہا بمشکل سے چوتھی اور پانچویں جلد کے چند سیٹ مرتب کیے گئے ہیں جن حضرات کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمالیں ورنہ یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ جلد چہارم میں ۵۰ مضامین نظم و نثر اور [illegible] رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویریں ہیں جلد پنجم میں تقریباً ستر مضامین نظم و نثر اٹھارہ ہاف ٹون عکسی تصویریں ہیں قیمت علاوہ [illegible] جلد چہارم [illegible] جلد پنجم [illegible] دونوں جلدیں ایک ساتھ [illegible] العصر [illegible] محصول [illegible]

المشتہر:۔ منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ

کم خرچ بالانشین اسکو کہتے ہیں!

اردو لٹریچر کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ رسالہ **تاج** ضرور ملاحظہ فرمائیے جو جنوری ۱۹۱۶ء سے جاری ہوا ہے آپ یقیناً اسکو دیکھ کر خوش ہونگے اور خریدار [illegible] سالانہ قیمت صرف [illegible] معہ محصول۔ نمونہ کے لیے دو آنہ کے ٹکٹ ارسال کیجیے مفت ہرگز نہ دیا جائے گا۔

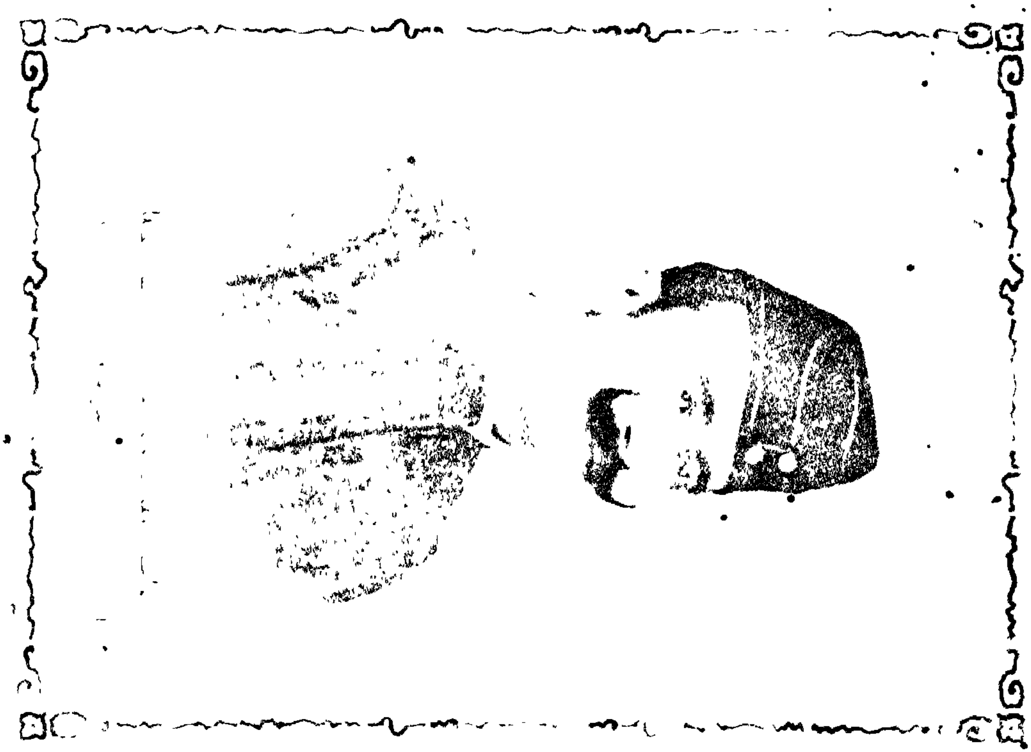
المشتہر منیجر رسالہ تاج کالی کمان حیدرآباد (دکن)

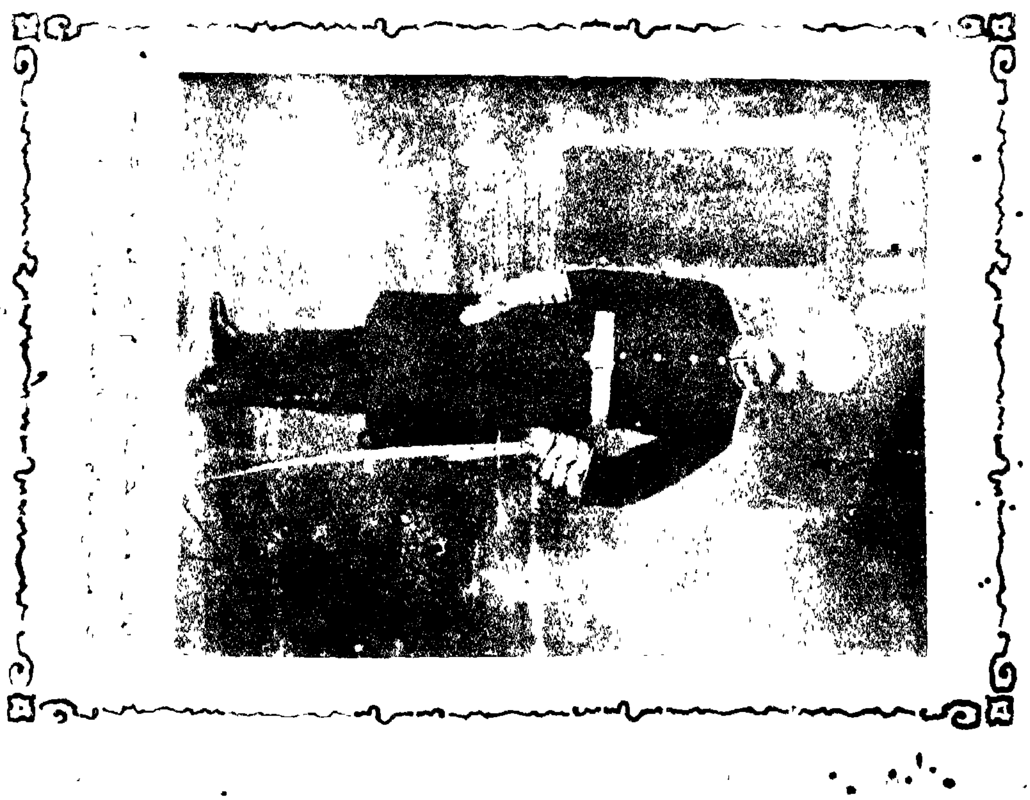
نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسیٰ نہ لاسکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردے میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں اخلاقی تمدنی ادبی معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارہ ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح مطلع سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی بولتی جاگتی تصویروں کا جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں تماشا دیکھیں۔ قیمت کچھ بھی نہیں [illegible] بیٹھے بیٹھے نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے نمونہ [illegible] کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ





العصر

تقریر

عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا صدر انجمن استقبالیہ

حضرات وخواتین!

مجلس استقبالیہ کی صدرنشینی کے اعزاز کو جو میرے واسطے وجہ افتخار ہوا اور میری علمی تہیدستی کے باوجود مجھے دیا گیا ہی مین نے بشکرگزاری قبول کیا تھا اور آج بھی مسرت و نازش کے ساتھ اہلِ لکھنؤ کی جانب سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہون۔ علم سے وہ ارادت مندی اور وہ خالص محبت جس نے آپ صاحبون کو دور دراز فاصلون سے لاکر یہان مجتمع کیا۔ بے شبہ ایسا قابل قدر جذبہ ہی کہ زیادہ پُرشکوہ محفلین بھی جس کی محتاج ہین۔ مین امید کرتا ہون کہ یہ جذبہ جو بغیر تفریقِ مذہب و ملت، ہندوستان کی مُلکی اور علمی کوششِ اصلاح پر مبنی ہی روز افزون ترقی کرتا رہے گا۔

انجمن ترقی اردو | قبل اسکے کہ مین کچھ اور عرض کرون مناسب ہوگا کہ انجمن ترقی اُردو کی نہایت مختصر سرگذشت آپ کے سامنے اعادہ کر دی جائے کیونکہ ہر چند یہ مضمون پامال ہی پھر بھی ہمارے سلسلۂ بیان کی ابتدا اُسی سے ہونی چاہیئے۔

یہ انجمن قایم ہوتے ہی یکے بعد دیگرے اپنے سچے حامی اہلِ علم و فضل مین مشہور اور محسنین قوم مولانا شبلی مرحوم، مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی اور مولوی عزیز مرزا مرحوم کے آغوشِ محبت مین پرورش پاتی رہی۔ باین ہمہ قوم کی بے التفاتی کا اُسے ہمیشہ شکوہ رہا اور جیسا کہ ہمارے لائق سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب کی مشرح رپورٹون بابت سنین ۱۹۱۳ و ۱۴ و ۱۵ء کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی تقریباً

دس برس اُسکی حالت اُمید و بیم نے سب کو متردد رکھا مگر ان مشکلات
مین بھی اُن صاحبون نے جو اِسکے قیام کے بانی تھے ہمت نہ ہاری اور
خصوصاً گذشتہ تین سال مین نہایت سرگرمی اور استقلال کے ساتھ اُسکی
بقا و استحکام کی ہمارے موجودہ سکرٹری اور اُن کے بعض احباب برابر
کوشش کرتے رہے۔ اُن کی پُراثر اور دل سوز تحریرون اور تقریرون کا
آخر کچھ نہ کچھ ثمرہ بھی مل گیا اور سرکار نظام، ریاست بھوپال اور بعض دیگر
باثروت حضرات نے اُسکی سرپرستی منظور فرما کر اُسے دوبارہ زندگی عطا کی۔

قومیت کی تعلیم اور زبان | یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا مین کوئی قوم نامور اور کامیاب
نہین ہو سکتی جب تک کہ اُس کا ہر فرد قومی خودداری کو اپنی جان سے
زیادہ عزیز نہ رکھے۔ خودداری کا یہ احساس یا اُسکی حفاظت صرف صحیح
تعلیم پر منحصر ہے۔ اور ہم مین یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ اپنی قومی ضروریات
کے لحاظ سے جن کو ہم ہی سمجھ سکتے ہین اس تعلیم کے وسائل تلاش کرین
اس وقت افسوس ہے کہ جنگ یورپ نے دنیا کو ایسا ہلا رکھا ہے کہ ہم اطمینان
کے ساتھ اپنے قومی فوائد کی طرف متوجہ نہین ہو سکتے مگر تاہم ہم شکر گزار
ہین کہ اِس زمانہ رستخیز مین برطانیہ عظمی کے طفیل امن و امان سے ہم آج
جمع ہین اور اپنے اسباب ترقی پر غور کر رہے ہین۔ انہی اسباب مین سب سے
اہم شے جس پر ہندو مسلمانونکی دنیوی ترقی کا انحصار ہے زبان ہے،
حکیم ارسطو نے قومیت کی تعریف مین ایک زبان کا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔
قومی اغراض کی تکمیل کے واسطے اگر ایک زبان نہو گی تو ہمخیالی ایک
طرف مبادلہ خیالات مین بھی سخت دشواریان پیش آئین گی۔ اور جبکہ
ہندو مسلمانون کو بہ حیثیت ایک ہی قوم کے حدود ہندوستان مین رہنا
ہے تو اُن کے لیے ناگزیر ہے کہ ایکدلی اور یکجہتی کے ساتھ اُن شرائط
کی پابندی کرین جو قوم کی تعریف مین داخل ہین یعنی زبان ایک ہو
خیالات ایک ہون، حالات تاریخی مین اتحاد ہو، آئین و قوانین ایک ہون
مذہب ایک ہو وغیرہ وغیرہ۔ اب سوائے مذہب کے اور کسی شرط مین ایسا
اختلاف نہین ہے جو اصلاح پذیر نہو سکے۔ گو زبان کے متعلق بعض
متنازعون نے بظاہر مسلمانون کو اُردو کا خاص حامی بنا رکھا ہے مگر وہ
کون ہندو یا مسلمان ہو گا جو اُردو کے ہندوستانی یا مُلکی زبان ہونے
سے انکار کرے۔ مسلمان اُسے اپنے قدیم وطن ایران توران یا عرب
و عراق سے لے کر نہین آئے تھے۔ وہ ہندوستان ہی مین پیدا
ہوئی اور اہل ہند کی، ہندو ہون یا مسلمان، گود مین اُس نے
نشو و نما پایا۔ اور آج ہندوستان کے مختلف حصون مین اگرچہ
دوسری زبانین بولی جاتی ہین مگر اُردو ہی ایسی زبان ہے جو تمام
ملک پر حاوی ہے۔ اِس کا جاننے والا ہر حصۂ ملک مین بآسانی
سفر یا بود و باش اختیار کر سکتا ہے۔ جہان پنجابی، بنگالی،
دکنی غرض ہر صوبے اور علاقے کے آدمی جمع ہون گے وہان سوائے
اُردو کے اور کسی مُلکی زبان مین مبادلۂ خیالات غیر ممکن ہو گا۔ اُسکے
علاوہ اپنی بناوٹ اور قواعد کے اعتبار سے تمام ہندوستان
مین اُردو ہی ایسی زبان ہے جو بہ آسانی دوسری زبانون کے
الفاظ قبول کر لیتی ہے اور جس مین علمی زبان بننے کی سب سے زیادہ
صلاحیت موجود ہے۔

اس موقع پر مجھے یہ اظہار تاسف کیے بغیر نہین رہا جاتا کہ
گو آجکل قوم پرستی اور وطنیت کا ہنگامہ بڑھ گیا ہے اور ہماری
سیاسی مجالس نے آزادی و خود مختاری کے مطالبون کا شور مچا رکھا
ہے لیکن ابھی تک اِس مسئلہ پر اُنھون نے کوئی التفات نہین کی کہ
اگر ہمین عام اور تمام اہل وطن کو ایک قومی حکومت کے دائرے مین لانا ہو گا
تو اس متحدہ قومیت کی تہ بنیاد کون سی زبان ہو گی؟ اور افسوس
ہے کہ روز افزون اختلافات کو جو ترقی تعلیم اور دعوی روشن خیالی
کے باوجود بدنصیبی سے تعصب نے زبان کے معاملے مین پیدا کر دیا
ہے، مٹانے کی کیا سبیل نکلے گی؟!

قومی اتحاد کا حقیقی وسیلہ خوشی کی بات ہو کہ اس جلسے مین ہندو مسلمان دونون قومین شریک ہین اور یہ اُن کی بے تعصبی کا نہین بلکہ ملک اور قوم کی سچی بہی خواہی اور راست روی کا ثبوت ہو کیونکہ اگر نصاب معقولیت سکھانے والی تعلیم پاکر بھی ہم تعصب کی خوفناک بلا سے آزاد نہو سکے یا اُس بے گناہ زبان کی مخالفت کرتے رہے جس نے ملکی اتحاد کے راستے پر چلایا اور ہمین درحقیقت ایک قوم بنانا چاہا تھا، تو میرے خیال مین پھر نیشنل کانگرس ہو یا مسلم لیگ کسی کی وقعت بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہوگی۔ ایسے ہمدردانِ وطن سے تو کہین زیادہ قابل ستائش اور قابل فخر ملک پرست شاید وہ مسلمان تھے جنھون نے زمانۂ حکومت مین اپنی قومی زبانین عربی، ترکی، فارسی ترک کر دین اور ہندوستانی، اُردو کو اپنی مادری زبان بنالیا تھا پس حامیانِ لیگ و کانگرس اگر وہ کیمیا دلی کے شاگرد نہین ہین اور بے ثبات پولٹیکل اتحاد کے بجائے واقعی اہل ہند کے دلون کو اِسطرح متحد کرنا چاہتے ہین کہ مادر وطن کے تمام فرزند، ہندو ہون یا مسلمان پارسی ہون یا عیسائی، سب مین قومیت کی سچی روح پیدا ہو جائے اور اُن کی ہندوستانیت دنیا مین ممتاز و نمایان ہو کر چمکے ——— تو اُن کو سب سے پہلے اپنی زبان کی بقا و استحکام کی کوشش اور اِس قسم کی جملہ ضروریات جو کسی فرقے سے تعلق نہین رکھتین بلکہ قومِ ہند پر حاوی ہین اُن کے مُہیا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے مثلاً ایک مرکزی دارالعلوم (یونیورسٹی) یا مقامی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر ابتدائی درس گاہون کا قیام جن مین تمام علم و فن کی تعلیم ملکی زبان مین ہوا کرے۔ یہ اہم امور جن پر میری رائے مین ہندوستان کی فلاح و بہبود کا انحصار ہو نہایت اطمینان کے ساتھ غور و فکر کے محتاج ہین۔ اور اگرچہ ایسی تجاویز کا عملی صورت مین آنا ابھی تک خواب و خیال معلوم ہوتا ہو لیکن اس وقت ہندوستانی علم ادب کو درجہ کمال پر پہنچانے کی خواہش ہی بذات خود اہل ہند کی بیداری اور بہتر مستقبل کی بڑی حوصلہ افزا دلیل روشن ہوگی کیونکہ سب جانتے ہین کہ اس دور جدید مین قومون کی ساری عظمت و امتیاز کا سرچشمہ اُن کا علم ادب ہوتا ہو۔

علم ادب کی منزلت دارا و سکندر کی تلوارون کا اور تیموری یلغارون کا زمانہ گذر چکا، اب جس قوم کو اعزاز و سربلندی کی آرزو ہو وہ روسو اور والٹیر کی زبان پیدا کرے کہ اِنھین حقیر و نازک آلون نے عالمِ انسانیت مین انقلاب اُٹھائے اور سرزمین یورپ پر وہ ہنگامۂ رستخیز برپا کیا تھا کہ جس مین گردن فرازون کے سر اور بڑے بڑے شہنشاہون کے تاج پتّون کی طرح اُڑتے پھرے۔ اِس مین خلاف عادت یا جادوگری کی کوئی بات نہ تھی: جب تک افعالِ انسانی پر عقل و دماغ کی حکومت رہیگی اور دماغ اُس علم کی جو وہ حاصل کرے ماتحتی کرے گا ——— اور ہمیشہ یہی ہوگا اُسوقت تک کچھ بھی شبہ نہین کہ ہر مصنف کی تحریر ایک ایسے دریا کی مثال ہوگی جس کے دامن مین بجلی کی ہزارون طاقتین پنہان ہون۔

جلسہ کا مقصود مجھے تسلیم ہو کہ اسوقت ملک مین عام بے حسی اور علم سے عبرتناک بدشوقی پھیلی ہوئی ہو اور ایسے ناساعد حالات مین بڑی بڑی امیدین باندھنا یا بار بار اہل مغرب کی ولولہ انگیز نظیرین پیش کرنا بظاہر جنگلون مین رہ کر شہرون کے ذکر سے دل بہلانا ہو لیکن گو ہندوستان کی قدیم داستانِ عظمت کو بھلا دیا جائے تاہم اُس کے مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہین ہو۔ آج بھی یہ سرزمین وہی سنگ مرمر اُگلتی ہو جس سے روضۂ تاج محل بنا تھا۔ ان کان کن صناع اور سب سے زیادہ ضرورت اُسی دل کی ہو جو شاہجہان کے سینے مین تھا، پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری کانفرنس کا مقصد اگرچہ بنیادی مگر بالکل ابتدائی رکھا گیا ہو اور اس اجتماع کا جس کی آپ صاحبون نے عزت بڑھا دی ہو مدعا اسی قدر ہو کہ ملک مین ترقی علم ادب کا سچا شوق اور احساس پیدا کرے کہ اُس کے بہانے

علمی کام کرنے والون کے حوصلے بڑھ جائین اور انجمن ترقی اردو اپنی کوششون کو جہان تک ممکن ہو زیادہ وسعت دے سکے۔ اب خواہ اس مین ہمین کامیابی ہو یا ناکامی، بے شبہ خود یہ مقصد نہایت امید افزا اور مبارک ہے۔

اس تحریک کے محرک ہمین اسکے لیے اہل لکھنو اور کلکتے کے بعض محبِ وطن دوست حضرات کا ممنون ہونا چاہیے جنھون نے انجمن ترقی اُردو کو اپنی پُرانی چار دیواری سے قدم باہر نکالنے پر آمادہ کیا اور موجودہ جلسے کی بنیاد ڈالی۔ تعلیم یافتہ طبقے اور اخبارات نے بھی عام طور پر اِس تحریک کو پسند کیا مگر ہمین یہ فراموش نہ ہونا چاہیے کہ اس تمام احساس و گرمجوشی کی تہ مین انجمن ترقی اُردو کے لائق سکریٹری مولوی عبد الحق صاحب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ شاید کسی راہب مزاج فلسفی کا قول ہے کہ "سب سے بلند آواز کا نام خاموشی ہے"! مین اپنے فاضل دوست کو دل سے مبارکباد کہتا ہون کہ اس بظاہر جمع ضدین قول کی انھون نے اپنے کام سے عملی تصدیق کر دکھائی۔ چند سال سے جس خلوص و شوق کے ساتھ وہ انجمن ترقی اُردو کا انصرام کرتے رہے زیادہ تر اُسی نے بہی خواہان ملک کو زبان کی طرف متوجہ کیا اور بالواسطہ اِس خیال کو قوت بخشی کہ ترقی اُردو کے حلقے کو بہت زیادہ پھیلانے کی ضرورت اور نیز گنجائش ہے۔ ضرورت کے متعلق تو کسی کو انکار ہو ہی نہین سکتا تھا کہ اگر اپنی زبان کو زمانۂ جدید کے مطابق علمی زبان بنانا منظور ہے تو ابھی اس کے لیے ہر شخص سمجھتا ہے کہ کیسے بڑے ساز و سامان، محنت و اہتمام کی احتیاج ہے۔ اور غریب انجمن ترقی اُردو نے تو گویا اس سفر ہزار منزل کا پہلا مرحلہ بھی طے نہین کیا لیکن ہمیشہ ایک نازک اور حقیر پودے کو دیکھا تنا آور درخت کا تصور ہوتا ہے اور اِس اعتبار سے گو کہ مایۂ انجمن کا کام خود نہایت محدود اور ناکافی ہو اُس کا ایک منتظم اور با اصول حالت پر آجانا ہی بڑی بات ہے اور یقیناً اُسی نے ہندوستان کی عام ہوائے بیداری سے تقویت پا کر ہماری امنگ اور ہمارے منصوبون کو یہ تازگی دی ہے۔

اس جلسے کی ضرورت بہرحال موجودہ تحریک جس طرح ہو، عالمِ فکر و قول کی منزل سے گزر آئی اور آج اُس منشا کو پیش نظر رکھ کر جس کا مین نے اوپر ذکر کیا، یہ جلسہ، خدا اُسے برکت و استقامت دے، ہمارا سرآغاز عمل ہے۔ بے شبہ ملکی علم ادب کے بہی خواہون نے اپنی اپنی جگہ اس کے وسائلِ ترقی پر غور فرمایا ہوگا لیکن ان سب صاحبون کے واسطے مبادلۂ خیالات اور بحث و گفتگو کی ایک مرکزی مجلس کا قیام بنفسہ نہایت ضروری اور مفید ہے کیونکہ اس نصب العین کا مطلب اون مین ہونا کہ ہمین اپنے علم ادب کو درجۂ کمال پر پہنچانا ہے کسی طرح کافی اور سودمند نہین ہو سکتا خصوصاً اگر ہم جمہور اہل وطن کو اپنا شریک خیال بنانا چاہتے ہین تو اس سے بہت کچھ زیادہ کہنا سننا پڑے گا۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی جو جو شرطین ہین وہ سب تفصیل کے ساتھ سمجھنی اور سمجھانی ہون گی تاکہ راستے کی طوالت اور نیز وہ سامان جو ہمین کرنے ہین، نگاہ مین آجائین، اہل ملک ان سے واقف ہون اور کام کرنے والے اُسی کے مطابق اپنا نصاب عمل تیار کرین۔

ادبِ اُردو کی صحیح حالت سمجھنے مین دشواری کسی علم ادب کا ذکر درمیان مین آتے ہی خواہ اُسے ترقی دینے کا کوئی منصوبہ زیر بحث ہو یا نہو بالطبع یہ جستجو ہوتی ہے کہ اُسکی موجودہ حالت کیا ہے۔ اس مین کس قسم کا ذخیرہ کافی اور کون سا ناکافی ہے۔ اس مین کیا کوتاہی اور کیا کیا نقص ہین اور اس کے کون سے پہلو قوی یا کمزور ہین؟ کتنی کمی کی بات ہے کہ اُردو کے بارے مین اِس پہلے ہی سوال کا ہم کوئی قابل اطمینان جواب نہین دے سکتے۔ زمانے کے اعتبار سے ہمارا علم ادب شاید دنیا مین سب سے کمسن نکلے گا۔ باین ہمہ اس مین جو کچھ کام ہو چکا ہے بُری بھلی جسقدر کتابین مختلف مضامین پر تحریر کی جا چکی ہین اُنکا ہمین

صحت کے ساتھ کوئی اندازہ نہیں۔ مجموعی طور پر ایک یہ بات کہ دنیا کی ہماری زبان میں جدید علوم مغربی بہت کم آئے ہیں، یا شعر و شاعری اور علوم دینی کی کتابیں بہ کثرت لکھی گئی ہیں" کوئی قابلِ تشفی جواب نہیں ہے۔ اُس میں اضافہ و افزایش ایک طرف یہ ہمارے علم ادب کی کیسی کس مپرسی اور پریشان حالی کی دلیل ہے کہ وہ بزرگ تک جو اپنا مشغلۂ زندگی علم کی خدمت گزاری کو سمجھتے ہیں زبان اُردو کی مصنفات و مطبوعات سے کما حقہٗ واقف نہیں؟ مانا کہ زبانِ اُردو بہت پھیلی ہوئی زبان ہے اور اسکے مصنفین اور خادم برِ اعظم ہندستان کے دور دراز گوشوں میں چھپے پڑے ہیں جہاں دوسری مقامی بولیوں کا عام رواج اُسطرف ہمارے خیال کو بھی جانے نہیں دیتا۔ مگر یہ عذر کسی طرح لایق قبول نہیں بلکہ اُس سے اُلٹی ہماری ایک خاص کمزوری ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دعوےٰ کرتے وقت تو ہماری چشمِ تصور کے سامنے کشمیر سے میسور تک اُردو کا پھریرا اُڑتا نظر آتا ہے پر جب زیادہ ٹٹولا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویہ زبان ہندوستان کے تمام متمدن مقامات میں بولی اور سمجھی جاتی ہے مگر اسے علمی حیثیت پنجاب و صوبہ جات متحدہ یا بالائی بہار اور حیدرآباد کے علاقوں کے سوا کسی جگہ بھی حاصل نہیں۔

... لیکن بحث کے اِس پہلو پر زیادہ زور دینا غیر مفید ہوگا میرا اصلی مدعا صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آج جب کہ ہم اُردو کی توسیع و بہتری کی تدبیریں ڈھونڈھنے پر آمادہ ہوے ہیں، قدرتی طور پر ہمارا پہلا کام اپنے موجودہ ذخیرے کی پوری پوری جانچ پرتال کرلینا ہے اور اِس غرض کے لیے نہایت ضروری بلکہ ناگزیر ہے کہ وسیع پیمانے پر ایک مرکزی کتب خانہ اُردو قائم کیا جائے۔

مرکزی کتب خانہ کی ناگزیری — کتب خانہ کی منزلت اور خصوصاً اِس زمانے میں جو فروغ اُسے ہوا ہے، اِس کا بیان تحصیل حاصل ہوگا۔ سب جانتے ہیں کہ متمدن ممالک میں ترقیِ علم و تہذیب کی سب سے نمایاں علامت صمہ

کتب خانوں کی کثرت سمجھی جاتی ہے اور اِن ملکوں کے ساتھ دوڑ میں ہمیں برابری کا خیال گویا دیسی رتھ کو انگریزی انجن کے ہم رفتار چلانے کی سعی ہے لیکن مذکورۂ بالا تحریک سے خاص مقصد تو صرف اتنا ہے کہ اہل تلاش کو آسانی سے اُردو علم ادب کی حالت کا صحیح اندازہ ہو سکے اور بے شبہ جتنا زیادہ وسیع یہ کتب خانہ ہوگا اُسی قدر اپنے ادب کے متعلق ہماری معلومات زیادہ قابلِ اطمینان اور کامل ہونگی۔ اِس تحریک کی جسارت مجھے اس وجہ سے اور ہوئی کہ غریب اُردو ابھی ایسی پرمایہ نہیں ہے جس کی تمام کتابیں جمع کرنے میں کوئی بہت بڑا صرف برداشت کرنا پڑے گا یا جس کے انتظام میں زیادہ دشواریاں پیش آئیں گی۔ ایڈیٹر صاحب البشیر نے محض سعیِ ذاتی کے بھروسے پر اِس کام کا بیڑا اُٹھایا اور غالباً اُردو کتابوں کا معقول ذخیرہ اِٹاوے میں فراہم کر چکے ہیں۔ پس میرے نزدیک صرف چند فیاض محبانِ قوم کی شرکت مذکورہ تجویز کا عملی سر انجام کر سکتی ہے جس کا فیض ہمیشہ جاری رہیگا اور جسے عجب نہیں کہ آنے والا زمانہ اُردو علمِ ادب کی سب سے بڑی خدمت تسلیم کرے۔ حکیم ارسطو اور فرانسیسی علماے قاموس (انسائیکلوپیڈسٹس) کی شہرتِ جلیلہ محتاجِ ذکر نہیں۔ بنی نوع انسان کے ان برگزیدہ محسنوں کا بڑا کارنامہ علوم کی جمع و ترتیب تھا۔ ہمارا مرکزی کتب خانہ دوسرے پیرایے میں اسی قسم کی ایک کوشش ہوگا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ وہ زبان جس کی کتابیں یہاں فراہم کی جائیں گی علمی ترقی کے جدید معیار سے بہت کم رُتبہ اور بے بضاعت زبان ہے۔ البتہ ہمارا مقصودِ اولی حاصل ہو جائے گا اور جو کچھ اُردو میں ہو چکا ہے وہ ہمارے سامنے ہوگا تو آیندہ کام کا نقشہ تیار کرنے میں بہت آسانی ہوگی اور انفرادی طور پر بھی، جب کوئی صاحب کسی مضمون پر قلم اُٹھائیں گے تو اُس کے متعلق اُردو میں جو کچھ کتابیں ہونگی اُس سے انھیں آگاہی ہو جائے گی۔

اُردو کی ضروریات | غرض اپنے علم ادب کی راہ میں ہمارا پہلا سامان ترقی کتب خانہ کا قیام ہے جسکے بعد دیگر علمی ضروریات زیر بحث آتی ہیں۔ ان ضروریات کا صحیح اندازہ کرنا یقیناً مجھے دشوار ہوتا اگر اصل یہ ہے کہ اور زبانوں کے مقابلے میں ہماری زبان اس درجہ تہی دست و بے سامان ہے کہ ایک ہی نظر میں اس کے نقص دکھائی دے جاتے ہیں اور جس طرح کسی حبشی کو شکایت تھی کہ اُس کی سیاہ تابی کو لوگ نام دھرتے ہیں اور فراخ پیشانی، کتابی چہرہ خوبصورت دانتوں کی کوئی داد نہیں دیتا شاید اسی طرح اگر خوبیاں ہیں تو وہ بھی ہماری عام اور زیادہ برائیوں میں چھپ کے غائب ہو گئی ہیں۔ واقعی جسے بیسویں صدی عیسوی کی علمی ترقیوں سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس رنج دہ کمی کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا جو کہ فی الحال جدید علوم طبیعی ہی کے نہونے سے ہماری زبان کے لیے موجب شرم و عار ہے۔ تمدن و معاشرت میں نئی نئی سہولتیں قابل ذکر نہ سہی، خود انسانی عقل و دماغ کو بند توہم سے جس طاقت عظمیٰ نے نجات دلائی ہے وہ یہی علوم تو ہیں۔ مگر اس ملک کے علم ادب میں ان کا کیا درجہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بہتر ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے۔ کیونکہ اگر ان معدود اور محدود کوششوں کو پیش بھی کیا گیا جو اس بارے میں بعض بہی خواہان وطن نے کی ہیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے اُلٹا اُن کوششوں کی بے سروپائی کا راز فاش ہو جائے گا۔

یہ عذر کہ ان جدید علوم کی ہمارے ملک میں مانگ نہیں ظاہر کرتا ہے کہ گویا لکھنے والے موجود ہیں، پڑھنے والے میسر نہیں آتے۔ مجھے اس کے ماننے میں تامل ہے۔ اہل قلم کی قلت دوسری بات ہے ورنہ مانگ کیے سے پیدا ہوتی ہے اور ہر چند ہمارے ہاں علم سے عبرتناک بیگانگی پھیلی ہوئی ہے پھر بھی اس بات کا موقع ہے کہ بیہودہ اور فضول افسانوں کے بجائے ملک میں علمی رسالوں کی بہتات ہو۔ ہاں شرط یہ ہے کہ یہ تحریریں ایسی غیر مانوس اور ادق نہ بنا دی جائیں کہ جن کے پڑھنے سے دل گھبرا اٹھے۔ مانا کہ یہ علوم ہماری زبان میں نئے ہوں گے مگر باتیں تو وہی ہیں جو ہمارے بھی مشاہدے اور تجربے میں آتی رہتی ہیں۔ اُن کا باترتیب و مفصل بیان باعث وحشت کیوں ہو؟ دل پسند کیوں نہ ہو؟ پنجاب یونیورسٹی کی ابتدائی اُردو کتابوں میں، جن میں اب کچھ ترمیم و تبدیلی کر دی گئی ہے، حیوانات، نباتات اور جمادات پر اکثر مضمون نہایت مفید و دلچسپ پڑھائے جاتے تھے اسی طرح ان علموں کی اگر سادہ اور دلنشین پیرائے میں کتابیں شایع کی جائیں اور مغربیت کے بجائے طرز خیال دیسی لباس میں ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عام طور پر مقبول و مطبوع نہ ہوں۔

علوم نظری کے میدان میں زمانہ حال کے مطابق اُردو میں کچھ نہ کچھ کام کیا جا چکا ہے نئی مولفات و تراجم میں بعض مشہور اور زیادہ تر کتابیں گمنام بھی ہو گئی ہیں اور ہمارا اس بارے میں ذریعہ معلومات ایسا نامعتبر ہے کم سے کم میں اُس کے متعلق کوئی قطعی رائے نہیں دیتا۔ لیکن دنیا کی اُن چیدہ اور مستند (کلاسکل) قدیم کتابوں کا، جن کے مطالعہ بغیر آدمی کا علم ناقص مانا جاتا ہے، زبان اُردو میں موجود نہونا، درحقیقت ایسی کمی اور بدنصیبی ہے کہ اُسپر جتنا تاسف کیا جائے کم ہوگا۔ میں تمام اہل علم سے اور خاص کر انجمن ترقی اُردو کے فاضل سکرٹری صاحب سے بمنت درخواست کرتا ہوں کہ وہ جہاں تک ہوسکے اس نقص کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اگر ملک میں ایسے نامور معلموں کی تعلیم پھیلانے کا کوئی وسیلہ نہ نکلا تو اہل ہند سے جن کے زوال نے پہلے ہی انھیں دنیا کی ایک ذلیل قوم بنا دیا ہے کسی روشن خیالی اور حوصلہ مندی کی توقع نہیں ہوسکتی۔

فروغ و ترقی تو اُسکے بہت بعد کی منزلیں ہیں۔

اُردو جرائد | کتابوں سے دوسرے درجہ پر زبان کی اشاعت و خدمت کا

ذریعہ اخبارات و رسائل ہین۔ یہ چیز ہم نے اہلِ مغرب سے لی تھی مگر عجیب بات ہو کہ اس ملک مین جرائد زیادہ تر اُن لوگون کے قبضے مین رہے جو مغربی تعلیم سے نہ خود مستفیض ہوے نہ جدید تعلیم یافتہ لوگون سے کام لینے کی صلاحیت رکھتے تھے غنیمت ہو کہ پچھلے چند سال مین ایک امید افزا تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔ انگریزی تعلیم یافتہ اپنی دیسی زبان مین اخبار نویسی پر ملتفت ہوے ہین اور ہمارے اخبارون مین کہین کہین نئی زندگی کے آثار نظر آنے لگے ہین لیکن ابھی تک یہ کام بہت اصلاح و ترقی کا محتاج ہو اور اگرچہ ہماری تحریک کو سیاسی معاملات سے کوئی علاقہ نہین، تاہم ادبی حیثیت سے ضرور ہو کہ انجمن ترقی اُردو میدانِ ادب کے اِس اہم حصے کو نظر انداز نہ کرے اور جن جن طریقون سے ممکن ہو اعلےٰ رتبہ کی اخبار نویسی، اور ساتھ ہی اخبار بینی کا، ذوقِ صحیح پیدا کرنا، بھی اپنے مقاصد مین داخل سمجھے۔

ترقی اُردو کی شاخین | اسی منشا یعنی اشاعتِ زبان کے متعلق ایک ضروری منشا ملک کے مختلف حصون اور شہرون مین انجمن ترقی اُردو کی شاخون کا قیام ہو بعض بہی خواہانِ اُردو کی توجہ اور نیز مولوی عبد الحق صاحب کی کوشش سے یہ کام شروع ہو گیا ہو لیکن جہانتک مجھ کو معلوم ہو ابھی صرف چند مقامات مین شاخین بنائی جا سکی ہین اور اُن کے فرائض و مقاصد کا بھی کوئی فیصلہ نہین ہوا ہو کہ انھین کس طریق پر اور کیا کیا کام کرنے چاہئین۔ میرے خیال مین ہر شاخ کا ایک فرض یعنی اپنے مقام پر اُردو تصانیف کو مقبول و متعارف کرنا ہو تاکہ تعلیم یافتہ لوگ ملکی علم ادب کی قدر جانین اور اسکی سرپرستی پر آمادہ ہون۔ اس کے علاوہ یہ شاخین عام جلسون کا انتظام کیا کرین جن مین مختلف مضامین پر صاف و سلیس اُردو مین تقریرین کی جائین۔ اور اس ذریعے سے لوگون مین شایستہ زبان کی اشاعت کے سوا پاکیزہ اور علمی خیالات بھی پھیلائے جا سکین اور تقریر کی تعلیمی حیثیت اہلِ وطن کو فائدہ پہنچائے۔ اِسی طرح مقامی انجمن اگرچہ مستقل مصنف یا ادیب پیدا کرنے کی ذمہ داری نہین لے سکتی، یہ ممکن ہو کہ وہ انعامی مضامین بذریعۂ اشتہار لکھواتی رہے اور اُردو انشا پردازی نیز علمی تحریرون کا اپنے اپنے حلقے مین شوق بڑھائے اور آخر مین عمدہ اہلِ قلم تیار کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ ثابت ہو۔

یہ دونون صورتین ایسی ہین جن مین روپے اور وقت کا بہت کم صرف اٹھانا ہو گا اور اگر زبان کے جوشیلے حامی مل کر اس کام کو بھی خوبی و استقلال کے ساتھ نہ چلا سکین تو ہمین اپنی کامیابی سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ البتہ کتب خانے قائم کرنے کا سوال ذرا زیادہ غور طلب ہو۔ کیونکہ اُردو زبان کی منتخب کتابین جمع کر لینا خواہ اتنا دشوار نہ ہو، ایک کتب خانے کی خاطر خواہ نگرانی اور مصارف دائر کا بند و بست اُس وقت تک آسان نہین معلوم ہوتا جبتک کہ بعض صاحبانِ ثروت اس کی اعانت کا ذمہ نہ لے لین۔ بہ این ہمہ انجمن ترقی اُردو کو اس معاملے مین برابر اپنی شاخون سے سلسلہ جنبانی رکھنی چاہیے اور ممکن ہو تو اس کوشش مین اُن کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

یونیورسٹیون مین اُردو کی خبر گیری | اِن مرحلون سے گزر کر اب مین آپ صاحبون کی توجہ دو زیادہ اہم تجاویز کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہون جنمین سے پہلی، یونیورسٹیون مین زبانِ اُردو کی خبر گیری ہو۔ اِس وقت تک سرکاری یونیورسٹیون مین ہندوستانی السنہ کو بہت کم رتبہ دیا گیا ہو۔ خصوصاً اُردو جن صوبون کی سرکاری زبان مانی جاتی ہو وہان بھی مڈل اور حد سے حد انٹرنس مدارس کے آگے اُس کی کوئی پرسش نہین ہوتی۔ دیسی زبانون کے ذریعے تعلیم کا خواب تو خدا معلوم کب ہندوستان مین پورا ہو گا، لیکن اِس وقت جو اُن کے ساتھ بے اعتنائی سلوک ہو۔ اور کچھ عجب نہین کہ انگریزی تعلیم یافتہ جماعت مین اپنی جماعت سے جو نا واقفیت اور بے توجہی پائی جاتی ہو اُس کا ایک بڑا سبب یہی ہو

کہ ہمارے علوم ادب کو تعلیم کے اونچے مدارج میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اسکے علاوہ یونیورسٹیوں میں جو اردو کتب نصاب مقرر ہیں اُن میں کہیں مضامین کے اعتبار سے کہیں انشا پردازی کے لحاظ سے بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اب تک یہ نصاب بالعموم انگریز افسروں کی نگرانی میں منتخب اور جاری کیے جاتے ہیں اور یہ طریقہ اس امر کا سخت محتاج ہے کہ ہماری ادبی انجمن ترقی اردو افسران مذکور کی نظر میں اپنا اعتبار قائم کرے اور اپنے صلاح و مشورے سے انکے کام میں مدد و معاون ہو۔ اخباری یا انفرادی نکتہ چینی سے اس معاملے میں کوئی نمایاں فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں بھی کامیابی کا یقین اتحاد و اجتماع پر منحصر رہا ہے۔ اور اسی سلسلے میں مجھے اپنی دوسری تجویز کا خیال آیا جس سے میری مراد اردو اکیڈمی کا قیام ہے۔

اردو اکیڈمی: یہاں اکیڈمی سے میرا مدعا ایک ایسی علمی جماعت ہے جو ملکی تصانیف و مطبوعات پر غیر سرکاری مگر با اثر نگرانی رکھے اور جو ذوق صحیح پیدا کرنے کی غرض سے اُس فنِ تنقید کی اردو میں بنا ڈالے کہ جس سے ہمارا علم ادب قریب قریب بالکل ناآشنا رہا ہے۔ درسی کتابوں کے متعلق یونیورسٹیوں سے بحث و مکاتبت بھی اسی جماعت کے تحت میں دی جا سکتی ہے لیکن اس کا خاص کام زبانِ اردو کی علمی اور نئی کتابوں پر اپنی مستند رائے کا اظہار ہونا چاہیئے۔ اب تک ہمارے ہاں دستور ہے کہ کسی کتاب کی تقریظ یا قطعہ تاریخ لکھنے میں اُسکی نہایت نارو امبالغے کے ساتھ تعریفیں کی جاتی ہیں۔ دوسری صورت جسکا آج کل تنقید کے نام سے رواج بڑھتا جاتا ہے یہ ہے کہ یا تو بغیر دیکھے بھالے کسی کتاب پر چند سطریں لکھ کر اس بوجھ سے سبکدوش ہو گئے اور یا کسی تصنیف یا خود مصنف سے ناراض ہوئے تو اُسکی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں کو بڑی قبیح غلطیاں ثابت کرنے میں ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے۔ ایک اور غلط فہمی جس میں ہماری زبان کے بعض ہوا خواہ مبتلا ہیں یہ ہے کہ کتاب کے مضمون سے کوئی بحث نہ ہو اور سارا زورِ تنقید عبارت کے الفاظ، محاورات اور روزمرہ کی خردہ بینی میں صرف کیا جائے اور اگر غریب لکھنے والے کے قلم سے دو چار ایسے الفاظ نکل گئے ہیں جو کسی مشہور اُستاد کے دیوان میں نہیں ملتے تو پھر وہ کتاب اس قابل نہیں کہ پڑھی جائے۔ کیونکہ اُس سے زبان خراب ہونے کا مہلک اندیشہ ہے!

غنیمت ہے کہ یہ بیماری اب ملک میں کم ہوتی جاتی ہے اور زبان کے متعلق بہت سے ناگوار مباحثے بھی اسی گوشۂ تاریکی میں سمٹ رہے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ مگر ان کلمات سے امید ہے کہ میرے منشا کا کسی حد تک آپ حضرات کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں اُس لباس کو جس میں کوئی مصنف اپنے خیالات پیش کرے زیادہ قابل لحاظ نہیں سمجھتا۔ بلکہ جس قسم کی اکیڈمی تجویز کرنے کی میں نے جسارت کی ہے اُسکا مقصود اصلی خیالات کی پرکھ ہوگا۔ ہر کتاب کا ایک مجموعی اثر (خواہ مصنف کا وہ منشا ہو یا نہ ہو) پڑھنے والوں کے دل پر مرتب ہوتا ہے۔ اِسی اثر کو سمجھنا اور سمجھانا اور پھر اُس کے عیب و صواب پر رائے زنی کرنا، صحیح معنوں میں تنقید ہے اور اس کا مطلب خود اُن کو کچھ سکھانا اور مشورہ دینا ہے، جو دنیا کو بذریعہ تصنیف کچھ سکھانے کے دعویدار ہیں۔ اسکی اہل صاحبانِ علم و فضل کی ایک منتخب جماعت ہی ہو سکتی ہے کہ جو "تعلیم المصنفین" کا یہ مفید و اہم کام اپنے ذمے لے اور اردو اکیڈمی کے نام سے ہمارے علم ادب کی مستند اور مستعد رہنما ہو۔ اور گو بعض مصنفین پر اس جماعتِ علما کی باوزن رائیں بظاہر زیادہ بار گراں ہوں گی لیکن کم سے کم آنے والے اہل قلم اور آنے والی کتابیں اسکی تعلیم سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اسی طرح مجھے پورا یقین ہے کہ چند ہی سال میں آپ کی اکیڈمی مصنفات اردو کی علمی حیثیت کو بدرجہا بہتر بنا سکے گی اور ہمارے ملکی علم ادب پر اُس کا



مولانا مولوی محمد [illegible] صاحب [illegible]

وسیع اور نمایان اثر پڑے گا جو شاید کئی کالجون کی تعلیم سے بھی نہ پڑ سکتا!-

حضرات - اگرچہ مضمون کی منزلت اور ہمہ گیری کا تقاضا تھا کہ اس پر بہت کچھ کہا جائے، مگر اب ہم سب جناب صدر نشین کا پر مغز ایڈرس سننے کے مشتاق ہین - لہذا مین اپنی تقریر کو ختم کرتا ہون اور اراکین استقبالی مجلس کی طرف سے پھر اُس زحمت کا جو آپنے گوارا فرمائی ہی شکریہ ادا کرتا ہون - فقط

(ہندوؤن کا تعلق اُردو سے)

مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کا وہ مضمون جو اُردو کانفرنس لکھنؤ کے دوسرے اجلاس مین پڑھا گیا

حضرات! - علم الالسنہ یعنی فیلالوجی نے دنیا مین عجیب عجیب کرشمے دکھائے ہین - اُس عہد کے واقعات نظر کے سامنے کر دیے جبکہ سلف کو بعد والی نسلونکی اطلاع کے لیے اپنے کارنامون کے زندہ رکھنے کی کوئی تدبیر نہین معلوم تھی - نوع انسان کے بچپن کے سفرون اور آغاز شعور انسانی مین آدمیون کی نقل و حرکت اور سیر و سیاحت کے حالات ہمین اسی زندگی بخش فن سے معلوم ہوے - ہمارے مجہول العہد بزرگون کے نقش قدم جو قدیم الایام کی جلاوطنیون اور صحرانوردیون سے صفحۂ زمین مین جابجا بن گئے تھے انھین ہم نے اس جدید علمی عینک کی مدد سے دیکھ لیا - اور اُسی کی مدد سے روز بروز بعید سے بعید اور گہرے سے گہرے واقعات کا انکشاف ہوتا جاتا ہی -

مگر سب سے بڑی برکت و نعمت وہ انکشافات ہین جو اس عینک کے ذریعے سے ہمین خود اپنی زبان کے اندر نظر آگئے ہین - ہماری زبان سچ پوچھیے تو ایشیا کی اُس سراپا عظمت قوم کے تفرق و اتصال کی زندہ تاریخ ہی جس کی شاخین نکلین پھیلین چھوٹین ملین پٹین بڑھین - لڑین - ٹکرائین - اور پھر ایک ہوگئین -

اسی علم الالسنہ کے طفیل مین فی الحال یہ ایک طے شدہ تاریخی مسئلہ ہی کہ قدیم الایام مین تمدن انسانی کا سب سے ممتاز اور عظیم الشان درخت جو تاریخ مین آریہ کے نام سے مشہور ہی وسط ایشیا کے ایک مردم خیز خطے مین پھلا پھولا - اور جب اُسکی ایک ابتدائی قلم اُس سے کاٹ کے ارض مغرب اور یونان و روم کی سوادین نصب ہو چکی تو اور زیادہ پھیلا اور اُس کی دو زبردست شاخین اِدھر اُدھر بڑھنے اور پھیلنے لگین - یہان تک کہ ایک مشرق کی طرف بڑھ کے ہندوستان پر سایہ افگن ہوئی اور دوسری مغرب مین پھیل کے مملکت عجم کی بہار بن گئی - اِن دونون شاخون نے یہان تک فروغ پایا کہ قدیم درخت کا اصلی تنہ فنا ہو کے صفحۂ ہستی سے غائب ہوگیا - اور اُن دونون ممتاز و سرسبز شاخون نے ہندوستان و ایران کی زمینون مین اپنے لیے نئے تنے پیدا کر لیے - اب مقامی آب و ہوا کے اثر نے اُن کو ایک دوسرے سے جُدا اور مختلف خصوصیات سے متصف کرنا شروع کیا - اور دونون مین جدا جدا خصائص و تشخصات پیدا ہوگئے -

آریہ قوم کی اِن دو شاخون کے ایک ہونے اور اُس کے بعد پھر ملنے کی سچی تاریخ ہماری اُردو زبان ہی - مسلمانون کا ہندوستان مین آنا در اصل ہزار ہا سال کی مفارقت کے بعد اُن دو نون شاخون کا ہم آغوش ہونا تھا -

کہا جاتا ہی کہ مسلمان عرب سے آئے اور وہ آریہ قوم سے نہین بلکہ

باغ عالم کے ایک دوسرے درخت کی شاخ ہین جو بنی سام کا درخت کہلاتا ہے اور شجر آریہ سے پہلے دنیا مین سرسبز ہو چکا تھا۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے تاجران عرب ظہور اسلام سے پہلے بھی جنوبی ہند کے مشرقی و مغربی سواحل پر آ آکے بستے رہے۔ اور اُس کے بعد بھی اُنکے آنے اور توطن اختیار کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ جب پہلی صدی ہجری مین مسلمانون نے ملک سندھ کو فتح کر لیا تو کثرت سے عربی خاندان آ آکے سندھ کچھ کاٹھیاوار اور گجرات مین سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ فی الحقیقت عربون اور بنی سام کا آنا تھا۔

لیکن مسلمانون کا وہ آنا جس نے ہندوستان پر گہرا تمدنی اثر ڈالا جس سے ہندوستان کی موجودہ معاشرت بنی اور اُسکی موجودہ زبان پیدا ہوئی اُس کا آغاز سچ پوچھیے تو محمود غزنوی کے حملون سے ہوا۔ یہ عربون کا آنا نہ تھا بلکہ ایرانیون اور فارسیون کا آنا تھا جو در اصل اُسی قدیم آریہ شاخ کے پھل پھول تھے۔ محمود غزنوی خاص عجمی نژاد اور آل ساسان کی نسل سے تھا۔ اور اُس کی فوج مین علی العموم وہی لوگ تھے جو ایرانی تھے یا تورانی جن کو ایرانی اپنا ہم نسب اور ہم جد بتاتے تھے۔ غزنویون کے بعد غوری سلاطین اسلام کا عہد شروع ہوا۔ وہ بھی گو مذہباً مسلمان تھے لیکن بلحاظ انساب تورانی تھے۔ پھر غلامون کا عہد آیا اور وہ بھی تورانی تھے۔ چند روز کے لیے سیدون کا کمزور زمانہ رہا اور پھر حکومت عجمی الاصل خاندانون کے ہاتھ مین آ گئی۔ لودھی تغلق اور مغل یہ سب تورانی اور اہل عجم کے بنی عم تھے۔ بہرحال ہندوستان مین مسلمانون کا جو متمدن دربار قائم ہوا اور جس نے ہندوستان کی سوسائٹی کو اپنے رنگ مین رنگا وہ سامی نہین آریہ دربار تھا۔ اور اس مین مطلق شک و شبہ نہین کیا جا سکتا کہ اگرچہ یہ لوگ دین اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے عربون کی عزت کرتے اور عربی معاشرت کے دلدادہ تھے مگر بذات خود آرین تھے اور اُن کا آنا آریہ قوم کی دو شاخون کا باہم ملنا تھا۔

فی الحال کوشش کی جاتی ہے کہ پرانا رشتہ زندہ کر کے یورپ والون کو اہل ہند کا بھائی بند ثابت کیا جائے۔ اور مسلمان ایک غیر قوم بتلائے جائین جسکو آریہ قوم سے کوئی لگاؤ نہین حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جن مسلمانون نے ہندوستان پر حکومت کی اور اُس مین اپنا جدید دربار قائم کیا وہ بنی سام نہین آریہ تھے۔ عربی نہین فارسی بولتے ہوے ہندوستان مین آئے تھے۔ اہل ہند سے بمقابل اہل یورپ کے زیادہ قریب کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس کے ماننے مین ہمین عذر نہین کہ ایران کے آریون کو ہندوستان مین آنے سے پہلے عربی اثر نے مغشوش کر دیا تھا لیکن ایرانیون سے زیادہ یورپ کے آریون کو کلٹ ہن گاتھ ونڈال تاتاری قومین مغشوش کر چکی تھین۔ بہرحال اس مین ذرا بھی شک نہین کیا جا سکتا کہ اہل یورپ کے بہ نسبت یہ عجمی فاتح ہندوون کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے۔

لیکن سامی و آریہ دونون نسلون کے تازہ وارد مسلمانون نے گو کہ پہلون کی زبان عربی اور دوسرون کی فارسی تھی اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی یہان کی زبان کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ اور اس ملک کی زبان کو نہایت ہی سرگرمی اور ذوق و شوق سے حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اہل عرب سنہ ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء مین وارد سندھ ہوے تھے۔ اور پرانا عربی مورخ بلاذری لکھتا ہے کہ اُسکے اٹھائیس ہی سال بعد یعنی ولید بن یزید کے عہد مین اہل سندھ عربی بولنا درکنار اس زبان کی تعلیم مین ترقی کرنے لگے تھے۔ چند ہی روز مین عربی زبان کے متعدد نثار و شعرا نے یہان تک نمود حاصل کر لی کہ اُن کے اشعار بلاد عجم و عرب مین مشہور ہوے۔ اور اُن کا نام ارض عرب کی علمی صحبتون مین عزت سے لیا جانے لگا۔ چنانچہ اُس عہد کا ایک شاعر لسان عرب جس کا لقب ہی سندھی تھا آج تک مشہور ہے۔ اُس کے ساتھ یہ بھی پتہ لگتا ہے

کو متوطن سندھ عربوں نے بھی سندھی زبان ذوق و شوق سے سیکھنا شروع کر دی تھی۔

اِس کے تھوڑے دنوں بعد عربوں کا انہماک ہندوستان کی زبانوں میں یہاں تک بڑھا کہ سندھی زبان کے عربی نژاد شاعر پیدا ہونے لگے جن کا کمال یہاں کی مہذب صحبتوں اور معزز درباروں میں بہت مقبول تھا۔ اس زمانے کا ایک مشہور سیاح بزرگ بن شہریار ناخدا جس کا سفرنامہ دار السلطنت روس میں چھپا ہے لکھتا ہے کہ ۲۷۰ھ (۸۸۳ء) میں کسی ہندو راجہ نے مسلمان حاکم سندھ کو لکھا "مجھے مسلمانوں کے عقائد سے مطلع فرمایئے"۔ سندھ کے فرمانروا نے یہاں کے ایک ماہر السنہ ہند شاعر کو بلا کے حکم دیا کہ آپ عقائد اسلامیہ کو سندھی زبان میں لکھ دیں۔ وہ ہندوستان کی کئی زبانیں جانتا تھا۔ اور سب میں شعر کہتا تھا۔ اُس راجہ کی زبان میں ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ نظم لکھی جس میں شریعت اسلامیہ کے کل اصول و عقائد مدون کر دیے تھے۔ اِس نظم کو سب نے پسند کیا۔ اور جب وہ راجہ کے پاس پہنچی تو شاعر کی تاد اسلامی کی بیحد داد دی۔ اُس کا مشتاق ہوا۔ اور حاکم سندھ کو لکھا اس شاعر کو آپ میرے پاس بھیج دیں۔ وہ شاعر گیا۔ جس سے راجہ نے قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کرایا اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔

اس کے بعد جب قدیم سیاحان عرب اصطخری یا ابن حوقل بشاری اور مسعودی وغیرہ سندھ میں آئے ہیں اُن کے بیانوں سے یہ نتیجہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سندھ میں ہندو مسلمانوں کا میل جول اِس قدر بڑھ گیا تھا کہ ہندو عربی معاشرت سے اِس قدر متاثر نہیں ہوئے تھے جس قدر خود عرب ہندوستانی معاشرت سے متاثر ہو گئے تھے عربوں نے یہاں کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ یہاں کی عورتوں سے نکاح کر لیے تھے۔ یہاں کی زبان بولتے تھے۔ اکثر یہیں کے ناموں اور لقبوں کو اختیار کرتے تھے۔ اور یہیں کے رسم و رواج کے پابند تھے۔

لیکن یہ ایک داستان کہن تھی جسے لوگوں نے بھلا دیا۔ اور جن لوگوں نے تحقیق و تدقیق سے تاریخوں کے ورق نہیں اُلٹے اُنھیں اِس کا یقین بھی مشکل سے آتا ہے۔ مگر یہ کسی قدر سچ بھی ہے کیونکہ ہماری موجودہ معاشرت کو ہندو مسلمانوں کے اُس میل جول سے بہت کم تعلق ہے۔ ہماری معاشرت کی بنیاد اُس وقت پڑی جب کوہ سلیمان کی گھاٹیوں سے نکل کے ترکی و ایرانی مسلمان ہندوستان میں آئے۔ اور جب سنسکرت آمیز ہندی اور عربی آلود فارسی زبانیں ملیں۔ اور گرم و سرد پانیوں کے ملنے سے یہ نہایت ہی خوشگوار سمویا ہوا پانی بنا جس سے ہماری اُردو زبان مراد ہے۔

اِن آریہ سب مسلمانوں کے آنے کا آغاز بظاہر محمود غزنوی کے حملوں سے نظر آتا ہے مگر دراصل ابو ریحان بیرونی کی علمی کوششوں سے ہوا جس کے وطن میں اگرچہ بڑا اختلاف ہے مگر میرے خیال میں سندھ کے فنا شدہ شہر بیرون یا نیرون کا رہنے والا اور اُس ہندی آمیز اسلامی تمدن کی آخری یادگار تھا جو حسب بیان متذکرۂ بالا سندھ میں قایم ہو گئی تھی۔ اُس نے عربی و سنسکرت دونوں زبانوں میں کمال پیدا کیا۔ ہندوستان کے اندرونی شہروں اور ہندوؤں کی قدیم علمی درس گاہوں میں طالب علمی کی۔ ہندوؤں کے علوم عربی میں اور عربوں کے علوم سنسکرت میں منتقل کیے اور برسوں اُن شہروں میں رہ کے جہاں اسلام کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہاں کی مروجہ زبانیں سیکھیں اور ایک ایسا عجیب و غریب شخص بن گیا کہ آج تک مغرب کی علمی دنیا میں حیرت و ادب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اُسی عہد سے وابستہ فارسی کا مشہور شاعر مسعود سعد سلمان ہے جس کی نسبت تذکرۂ مجمع الفصحا میں لکھا ہے کہ "سہ دیوان بود تازی و ہندی و پارسی"۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں "تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ ہندی

زبان میں اُس نے ایک دیوان لکھا تھا۔ اُس کا خاندان اگرچہ ملک عجم سے آیا تھا مگر وہ خود لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے زبان ہندی کا اتنا بڑا زبان دان ہو گیا کہ اس کثرت سے وطنی زبان میں شعر کہتا تھا کہ اُن کا ایک مستقل دیوان مدوّن ہو گیا۔

یہ غزنویوں کے عہد اولین کا ایک نامور مسلمان شاعر تھا۔ اس کے چند ہی روز بعد مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری کے عہد میں ہندوستان کے مشہور ہندی شاعر چند کوی نے پرتھی راج راسا لکھی تو اُس کے کلام میں کثرت سے فارسی عربی الفاظ موجود تھے۔

یوں تو دو قوموں کے ملتے ہی باہم مبادلۂ الفاظ شروع ہو جاتا ہے۔ مگر اس لین دین کی حقیقی منڈیاں دو ہوا کرتی ہیں۔ اول بازار جہاں ضروری اشیا کے خرید و فروخت کے ساتھ لفظوں کا سودا بھی ہونے لگتا ہے۔ اور دوسری نغمہ و سرود کی صحبتیں۔ خصوصاً جب ایک قوم کی محفل میں دوسری قوم کے مغنی آئیں اور اپنی زبان کے گیت دلکش نغموں میں سنائیں۔ عوام پر بازار کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور خواص یعنی امیروں۔ دولت مندوں۔ اور معزز لوگوں پر عیش و طرب کی صحبتیں زیادہ اثر ڈالتی ہیں۔ عام مسلمانوں کے لیے بازاروں میں الفاظ کے لین دین کی تجارت تو اُسی دن کھل گئی تھی جس دن مسلمان ہندوستان میں آئے تھے۔ مگر بزم طرب کی محفلیں اُس وقت گرم ہو گئیں جب مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے دربار میں ہندو مغنیوں کو جگہ دی اور ملکی طائفے نوکر رکھے۔ ساتھ ہی مشائخ صوفیہ نے اِدھر توجہ کی۔ اور موسیقی کے روکنے کے لیے مسلمانوں کے دروازوں پر جو مذہبی پہرہ تھا وہ اُٹھ گیا۔ علما نے اِس سے اختلاف کیا۔ مگر قاضی حمید الدین ناگوری نے سلطان شمس الدین التمش کو اپنی ایک کرامت دکھا کے علما کے فتووں کے خلاف اور محفل سماع کا ایسا گرویدہ کر دیا کہ مشائخ کی محفلوں میں طبل و سرود کا نغمہ گونجنے لگا۔

شمس الدین التمش نے عربی و عجمی نژاد مشائخ کا شوق پورا کرنے کے لیے غالباً ایرانی مغنیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی ہو گی مگر اُس کا بیٹا فیروز شاہ گانے کا ایسا دلدادہ ہوا کہ بڑے بڑے گویے دور دور سے آکے اُس کی محفل نشاط میں جمع ہو گئے۔ اور ہر شہر اور ہر قصبے سے گانے ناچنے والی عورتوں نے دہلی میں آکے بسنا شروع کر دیا۔ جن میں سے بعض چوٹی کے صاحب کمال مطربوں اور مغنیوں کو اُس کے دربار میں خاص جگہ مل گئی۔ فیروز شاہ کے بعد یہ سلسلہ برابر بڑھنا شروع ہو گیا۔ معز الدین کیقباد، جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی دولت مغلیہ سے پیشتر کے دو پرانے تاجداران ہند ہیں جن کو موسیقی کا بہت شوق تھا۔ اور اُن کے شوق نے دہلی میں خصوصاً اور سارے ہندوستان میں عموماً ہزارہا مطرب و مغنی پیدا کر دیے۔

ابن بطوطہ کو دہلی اور دولت آباد دونوں شہروں میں طرب آباد نام کے محلے نظر آئے جن میں صرف ڈوم ڈھاڑیوں کی آبادی تھی۔ اور یہی نہیں کہ اُن میں فقط ہندو مغنی آباد تھے بلکہ ہندو مسلمان دونوں تھے۔ مسلمان بھی معمولی مسلمان نہیں بلکہ دیندار اور پابند شرع گویے جن کی وجہ سے اُن محلوں میں مسجدیں تھیں۔ خوب آباد تھیں۔ انہیں پنجوقتہ نماز ہوتی۔ اور رمضان میں جماعت سے تراویح پڑھی جاتی۔ شاہی درباروں میں عموماً ارباب نشاط کے داروغہ یا چودھری مسلمان تھے۔ جو اکثر ایرانی الاصل ہوتے۔ اِن دو عنصروں کے ملنے سے فن موسیقی کے مسائل میں باہمی رد و بدل اور داد و ستد کے اصول کا جاری ہونا یقینی ہے۔ مگر اسی سلسلے میں موسیقی سے زیادہ اِس لین دین کے عمل کا الفاظ میں جاری ہو جانا لازمی تھا۔ ہندوستان کے گویے مسلمان اُمرا کے خوش کرنے کے لیے فارسی نغموں اور فارسی زبان کے گیتوں کو سیکھتے ہوں گے۔ اور ساتھ ہی مسلمان سلاطین و امرا اُن کی وطنی چیزیں

بڑے ذوق وشوق سے سنتے ہوں گے۔ موسیقی کے ذریعے سے زبانوں اور اُن کے الفاظ کا یہ رد و بدل شمالی ہند ہی میں نہیں جنوب میں بھی بڑی وسعت کے ساتھ اُسی زمانے میں جاری ہو گیا تھا۔ اور ابو ریحان بیرونی اور مسعود و سعد سلمان کے ایسے علما و شعرا نے علمی محفلوں میں فارس و ہند کے مذاقوں کے ملانے کی جو کوشش کی تھی وہ ارباب نشاط کے ذریعے سے اخلاقی و معاشرتی محفلوں میں بڑے زور و شور کے ساتھ جاری ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بازاروں میں عام لوگ دونوں جداگانہ تمدنوں کے ملانے اور ایک کو دوسرے سے قریب کر کے ایک کر دینے کے لیے جو نئے نئے نمونے پیدا کرتے وہ ارباب نشاط کی معرفت امرا اور دولتمندوں کی مہذب محفلوں میں پہنچ کے پسند کیے جاتے۔ اور اُسکے بعد جب شعرا و اہل علم کی صحبت میں پہنچتے تو اُنھیں سند صحت و قبولیت مل جاتی۔

چند ہی روز میں یہ علمی تجارت اور زیادہ ترقی کر گئی۔ کشمیر کے حکمران سلطان زین العابدین نے جو فارسی کے علاوہ ہندی اور تبتی زبانوں میں بھی پورا دخل رکھتا تھا اکثر عربی و فارسی کتابوں کا ترجمہ ہندی میں اور بہت سی ہندی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں کرایا۔ اور سب سے پہلے اُسی کے حکم سے مہابھارت و راج ترنگی (قدیم تاریخ کشمیر) کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔

اُسی قریب زمانے میں امیر خسرو کے اشعار مشہور ہوئے جنھوں نے دہلی میں نشو و نما پایا تھا۔ وہ شاعری کے علاوہ موسیقی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ اور ہندی نژاد ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی ہر چیز کو پسند کرتے تھے۔ انھیں ہندوستان کی زبان، ہندوستان کی معاشرت ہندوستان کا موسیقی۔ ہندوستان کا مذہب۔ غرض یہاں کی ہر چیز پسند تھی۔ اور انھوں نے ہر چیز میں باہمی اتحاد اور ربط و ضبط کی کوشش کی۔ یہی نہیں کیا کہ فارسی و ہندی دونوں زبانوں میں کمال پیدا کر کے سخن آفرینی کی۔ بلکہ اُنھوں نے دونوں جگہ کے علوم و فنون کے ساتھ دونوں زبانوں کو بھی ملایا۔ اور فارسی و ہندی الفاظ کو باہم مربوط کر کے اس میں نئے نئے جوڑ پیوند لگانا شروع کیے۔ ایک منظوم کتاب میں عربی فارسی اور ہندی کے ہم معنی اور مترادف الفاظ جمع کر دیے۔ جو خالق باری کہلاتی ہے۔ اور اگلے نصاب تعلیم میں داخل تھی۔ اس کتاب میں مختلف لفظوں کو ایک سلسلے میں منظوم کر دینا ہی گویا خود اُن کو باہم ملانا اور جوڑنا تھا۔

اس کے بعد ہندوؤں نے فارسی پڑھ کے سلطنت کے دفاتر فارسی میں ملازمت شروع کی۔ اور اُسی کے مقابل بعض سلطنتوں نے اپنے دفتروں کو خالص ہندوستان کی وطنی زبان میں رکھا۔ اور مسلمان ملازمت کے لیے یہاں کی وطنی زبان علمی حیثیت سے سیکھنے لگے۔

یہ تمام باتیں صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ ان دنوں مسلمانوں اور ہندوؤں میں یہاں میل جول اور ربط و ضبط کس قدر بڑھ گیا تھا۔ اور اس ربط و ضبط اور اتفاق و یک جہتی کا پھل جو قیامت تک ہمارے گزشتہ اتحاد کو نہ بھولنے دے گا۔ وہ ہماری اُردو زبان ہے۔ اُس کا بننا در اصل اُس مبارک عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے جب ہم دونوں میں دوستی کے درجے سے بڑھ کے عزیز داری و قرابت کا رشتہ خوب مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا تھا۔

ہر چیز کی تولید کے لیے والدین کی ضرورت ہے اور جس شخص یا جس چیز کی اصلیت کا پتہ لگانا ہو تو ہمیں اُس کے حقیقی ماں باپ کو ڈھونڈھنا چاہیے۔ اُردو کے ماں باپ ہمیں ذرا شک نہیں کہ بھاشا اور فارسی ہیں جو اُس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبانیں تھیں۔ بھاشا وہ اصلی زمین ہے جس میں یہ پودا اُگا۔ اور جس کی آب و ہوا میں اُس کا نشو و نما ہوا۔ مقابل اُسکے فارسی کو اس زبان کی ولادت میں باپ کی حیثیت حاصل ہے

جس نے تخم ریزی کی۔ اور زمین ہند کے بطن میں ایک نئے بچے کے لیے حیاتی مادہ پیدا کر دیا۔ جن لوگوں نے مسئلۂ تولید میں غور کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہر بچے میں جس قدر زیادہ اثر ماں کا ہوتا ہے باپ کا نہیں ہوتا۔ اُس کا سارا جسم تمام اعضا۔ گوشت پوست۔ رگ پے سب ماں کے ہوتے ہیں ایک خاص کی طرح پدری نطفے کے امتزاج سے اُس میں بعض پدری خصائل و عادات مخفی و مستتر رہا کرتے ہیں۔ جو اکثر ثبوت دے دیا کرتے ہیں کہ کس باپ کا بچہ ہے۔ اور اسی بنا پر مشہور ہے کہ

"الولد سرٌ لابیہ"

یہ دونوں اثر اُردو زبان میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ اصلی ڈھانچہ۔ نظام نحوی۔ اصول اشتقاق سب خالص ہندی اور بھاشا کے ہیں۔ فارسی و عربی الفاظ عزیز و پسندیدہ مہمانوں کی طرح آ کے اس طرح مل گئے کہ یک جان دو قالب ہو گئے ہیں۔ آخر زمانے میں بہت سی فارسی کی بندشیں بھی پوری پوری ترجمہ کر کے زبان میں شامل کر لی گئی تھیں بلکہ بعض شعرائے دہلی نے یہاں تک کیا کہ اُن فارسی بندشوں کو انھیں فارسی ترکیب سے اُردو میں نقل کر لیا۔ لیکن غور سے دیکھیے تو وہ بندشیں بالکل بے ربط ہیں۔ اور اسی وجہ سے زبان میں کبھی نہ شامل ہو سکیں۔ انشاء اللہ خاں۔ اور مظہر جانجاناں کی جو گفتگو مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آب حیات میں نقل کی ہے اُسے پڑھ کے حیرت ہوتی ہے کہ اُن دونوں فارسی لفظوں کے ساتھ فارسی بندشوں کو بھی لوگ کس بے احتیاطی سے گفتگو میں شامل کر دیتے تھے۔ سید انشا کہتے ہیں "ابتدائے سن تمیز سے تا اوائل ریعان اور اوائل ریعان سے الی الآن اشتیاق مالا یطاق تقبیل عتبۂ عالیہ بحدے تھا کہ سلک تحریر و تقریر میں منتظم ہو سکے"۔ مرزا صاحب جواب دیتے ہیں "اپنے تئیں کون بھی بہ عہد طفلی سے تھیں ایسے اشخاص کے ساتھ موانست اور مجالست رہا کی ہے"۔ اِس قسم کی چند بندشیں مرزا غالب کے بعض اشعار میں بھی ہیں لیکن اُن دنوں لوگوں کی زبان سے ایسی ترکیبیں محض اسی وجہ سے نکل جاتی تھیں کہ درباری زبان فارسی تھی۔ فارسی شعر و سخن اور ایرانی ادب کی مہذب صحبتوں میں زیادہ قدر تھی۔ فارسی دانی کا اظہار بات کرنے والے کی علمی قابلیت کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگوں کو اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے شوق میں اِس کا خیال نہ رہتا کہ فارسی کے استعمال میں ہم کہاں تک بے احتیاطی کر رہے ہیں بعینہ جس طرح آج کل اکثر انگریزی داں حضرات انگریزی لفظوں اور جملوں کے استعمال میں بے احتیاطی کیا کرتے ہیں۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ فارسی کا دور ختم ہوتے ہی اُس قسم کی تمام بندشیں زبان سے نکل گئیں۔ اور چھن چھنا کے وہ زبان باقی رہ گئی جس کا ماخذ چاہیے کہیں سے ہو مگر اب اُردو ہے اور خالص اُردو۔

میں خیال کرتا ہوں یہ اصول معلوم ہونے کے بعد کہ اُردو کا اصلی ڈھانچہ ہندوستانی ہے۔ اور اُس میں فارسی و عربی الفاظ کا نقطہ نما من پڑ گیا ہے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اُردو میں ہندی و سنسکرت۔ فارسی و عربی کو کس حد تک کتنا اور کس قسم کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اُردو کے ساتھ مذکورۂ بالا زبانوں کا رشتہ معلوم ہو جانے کے بعد یہ مسئلہ بہت با اصول طریقے سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس کی بندشوں نحوی ترکیبوں ترتیب الفاظ۔ افعال کی گردانوں صفات و روابط کے استعمال اور ضمائر و صفات سے کام لینے میں دخل دینا خاص سنسکرت و بھاشا کا حق ہے۔ اس میں اگر عربی زبان دخل دے تو وہ زبان کو بنا سکے گی نہیں بلکہ بگاڑ دے گی۔ اِس لیے کہ اُردو کا اصلی ڈھانچہ بھاشا و سنسکرت سے ماخوذ اور انھیں کا بنایا ہوا اور بالکل آرین اصول کا ہے۔ فارسی کو اس میں دخل دینے کا کسی قدر حق ہو سکتا تھا۔ اِس لیے کہ وہ بھی آرین زبان ہے۔ مگر اِس کا کیا علاج کہ اُردو کا اشتقاق اور اُس کی نحوی ترکیبیں بالکل بھاشا کے مطابق ہیں۔ رہی عربی اُسے تو اس میں دخل دینے کا مطلق حق

ہی نہیں ہے۔ بمقابل اسکے عربی کو ترتیب و اصول نحوی چھوڑ کے صرف یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ذخیرۂ الفاظ میں سے اُردو کو نئے نئے الفاظ دے۔ اس لیے کہ تولید زبان میں اُس کا جو بہلا حصہ من پڑا تھا اُس نے اُردو کی بندشوں میں عربی الفاظ کو مہمان عزیز اور مانوس بنا دیا ہے اور جسطرح ہر باپ کو حق ہے کہ اپنے فرزند کو اپنے علمی و ادبی فنون سکھائے اسی طرح عربی کو حق ہے کہ اُردو کے لیے نئی اصطلاحیں مہیا کرے اُسکے ذخیرے میں اپنے الفاظ سے وسعت و متانت پیدا کرے۔ اور دنیا کو دکھلائے کہ یہ بچہ اگرچہ ہندی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہے گر میرا فرزند ہے۔

آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ اُردو میں زبردستی چاہے جس زبان کے اسم لیے جائیں مگر ربط نہیں کھاتے اِس کے فطری اوزان سے باہر ہوتے ہیں اور عربی الفاظ اس میں آتے ہی اُس کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور یہ امتیاز کرنا دشوار ہوتا ہے کہ وہ خالص اُردو لفظ ہیں یا عربی سے لیے ہوے۔ اِس لیے جس طرح عربی و فارسی کے لیے یہ ناجائز ہے کہ اُردو کی نحوی ترکیبوں اور بندشوں میں دخل دیں۔ اسی طرح بھاشا اور سنسکرت کے لیے ناجائز ہے کہ اِس زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں نئے غیر مانوس الفاظ داخل کریں جو اُس کے فطری اوزان اور تلفظ و نوعیت کے خلاف ہیں۔

لیکن دونوں کے حدود مقرر کر دینے کے بعد میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ زبان اُردو کا ڈھانچا دراصل سنسکرت اور بھاشا کا بنایا ہوا ہے اس لیے یہ زبان خالص آرین زبان ہے۔ اور عربی و فارسی نے فقط اُسے اپنے خوبصورت الفاظ کا زیور و لباس پہنا دیا ہے اِس بنا پر منت و ناز سے میری رائے ہے کہ جو لوگ اُردو نحو و صرف مرتب کرتے ہیں: عربی قواعد زبان سے مدد لیتے ہیں سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ عربی کے قواعد ہماری زبان میں ہرگز پورے نہیں اُتر سکتے۔

نحو و صرف کی اصلی عمارت افعال کی بحث پر قائم ہوا کرتی ہے۔ عربی اور میرا خیال ہے کہ تمام سامی زبانوں میں فعلوں کا اشتقاق بغیر کسی دوسرے فعل کے ملائے فقط ایک حرف کے چڑھانے گھٹانے یا حرکتوں کے بدل دینے سے ہو جاتا ہے بخلاف اسکے آریہ زبانوں میں بغیر کسی دوسرے فعل یا لفظ کے ملائے پورا اشتقاق نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح نحو اُردو کے صدہا مسائل ہیں جن کے بیان کرنے کا وقت نہیں ہے مگر وہ سب ثابت کرتے ہیں کہ اُردو آرین زبان ہے۔ سامی نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اِس زبان کو جو اُنس اور جیسا اتحاد بھاشا اور سنسکرت سے ہے فارسی و عربی سے نہیں۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اُردو سے اگرچہ ہندو مسلمان دونوں کو قریبی تعلق ہے اور دونوں اُس کے پیدا کرنے والے ہیں مگر ہندوؤں کا تعلق زیادہ مضبوط اور بہت بڑھا ہوا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ اولاد کے ساتھ جو محبت ماں کو ہوتی ہے باپ کو نہیں ہو سکتی۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ اپنی ماں کے اِس فرزند کے ساتھ ہندوؤں کو بمقابل مسلمانوں کے زیادہ محبت ہونی چاہیے جو اُسکے علاتی بھائی ہیں مگر بخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر ہندو احباب نے اس کی طرف سے بے پروا ہو کے سرد مہری اختیار کر لی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اِس میں ہمارا بھی قصور ہے جب ہندوؤں نے ہندی کے درست کرنے اور ترقی دینے کی کوشش شروع کی تو ہم نے ہندی کو اُردو کی ایک رقیب زبان خیال کر کے یہ غلط دعویٰ کیا کہ اُردو ہماری زبان ہے اور ہندوؤں کی نسبت یہ لے قائم کر لی ہے کہ انھیں اُردو سے اور اُردو کو اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اُردو کا جسقدر حق ہندوؤں پر ہے اور جیسی بہت انھیں اِس کے ساتھ ہونی چاہیے وہ بہ نسبت ہمارے تعلقات کے بہت زیادہ ہے لیکن ہمارے اِس غلط دعوے کا یہ نتیجہ ہوا کہ نو عمر ہندوؤں نے اور زیادہ

گرمجوشی نے اُردو کی مخالفت شروع کردی اور یہ مسئلہ متعصبانہ طریقے پر روز بروز زیادہ ناگوار صورت پیدا کرتا گیا مگر مین کبھی اس کو باور نہ کرون گا کہ ذی فہم اور متین و سنجیدہ ہندو حضرات ایک گھڑی کے لیے بھی اِس بات کو جائز رکھتے ہون گے کہ اُردو کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ اُنھین اُردو کا وزن ہم سے زیادہ ہونا چاہیئے اور یقیناً اِس بات کو وہ کبھی گوارا نہ کرین گے کہ جس زبان نے پنڈت دیا شنکر نسیم اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ایسے صاحب کمال سخن سنج پیدا کیے جس مین ہزارون نہین لاکھون ہندو شعرا و ادیب سخن آفرینی کے جوہر دکھا چکے ہین۔ اُسے ہمارے ہندو دوست دشمن کی نظر سے دیکھتے ہون گے۔

اب وقت ہی کہ ہندو اور مسلمان اِس اپنی پیدا کی ہوئی زبان کے سر پر اتفاق یک جہتی سے اپنا شفقت کا ہاتھ رکھین۔ اور ہماری حماقتون سے جو غلط فہمیان پیدا ہوگئی ہین اُن کو دور کرین۔ دونون مل کے اِس خوبصورت بچے کی پرورش کرین۔ جو اُنکے اگلے اتحاد کی زندہ برکت ہو اور اُنھین کے آغوش مین کھیل کے ترقی کے درجے کو پہنچا ہو۔

بس اسی تمنا و آرزو پر مین آپ حضرات کی سمع خراشی موقوف کرتا ہون لیکن آخر مین اتنا کہے بغیر نہین رہ سکتا کہ اگر آپ اُردو زبان کے سچے ہمدرد ہین تو ہندو مسلمانون مین اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ ورنہ وہی انجام ہوگا جو مان باپ کی باہمی لڑائی اور جھگڑے فساد سے اُن کے بچون کا ہوا کرتا ہی۔

(فنِ تقریر)

۴

ترتیب و طرزِ تقریر

ضروریاتِ مدنی طریقِ معاشرت اور فکرِ معاد کے اعتبار سے انسان کو اپنی زندگی مین مختلف مواقع پر فصاحت کی ضرورت ہوتی ہی اس سے پیشتر کہ ہم تقریر کی ترتیب وغیرہ کا مفصل طور پر ذکر کرین ناظرین کو بتانا واجب ہی کہ کہان کہان اور کس کس قسم کی بات چیت کی ضرورت لاحق ہوا کرتی ہی۔

مقابلہ | وعظ یا اپدیش اور تقریرِ عام مین بہت فرق ہی بہت سے پادری اور مبلغین کو نت نئے مضامین ہاتھ لگتے ہین۔ واعظ کو ہمیشہ ایک ہی مضمون پر گفتگو کرنی پڑتی ہی واعظون کے لیے ازبس ضروری ہی کہ اُن کے بیانات بہت سنجیدہ اور قلبی جوش سے پُر ہون۔ مغزِ تقریر جسقدر مشخص ہوگی اسی قدر مؤثر ہوگا مگر جسقدر اُس پر کہا جاسکے وہ سب ایک ہی موقع پر کہہ ڈالنا ٹھیک نہین ہی جتنا کہا جائے دلچسپ الفاظ مین کہا جائے چونکہ وعظ کا مقصد ترغیب سے ہوتا ہی اِس لیے اُس کے الفاظ مین کشش اور دلائل مین معقولیت اور اُس کے مزاج مین ہر درجہ کا تقویٰ ہونا لازم ہی وعظ مین اس بات کا خیال رہے کہ بہت طویل نہ ہوجائے ورنہ سامعین دق ہوکر نفور ہونے لگین گے۔

عدالت | وکیل کا کام یہ ہی کہ اپنے دلائل سے جوری یا ثالثون کو اپنی طرف مائل کرے اور جج کو اپنی صداقت کا یقین دلادے۔ یہ بات لفاظی اور لغاتِ ادق سے کبھی حاصل نہین ہوسکتی۔ اسواسطے اُسکو ایسی گفتگو کرنی چاہیے جو اُس کے سامعین مین سے جاہل سے جاہل آدمی بھی سمجھ سکے۔ جو کچھ کہا جائے نہایت سہولت اور خندہ پیشانی سے ہر بات سے ظاہر ہو کہ ہمین اپنے مؤکلین کے مقدمہ پر پورا وثوق ہی جب وکیل کسی جج سے مخاطب ہو تو بازاری گفتگو نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس صورت مین سامعین خاطر خواہ اہلِ خرد اور تعلیم یافتہ ہوتے ہین۔ اگر یہان حضرات وکلا اپنی ساری فصاحت ختم کردین تو کچھ عیب نہین ہی ـــــ

بال سخن تا نہ بینی ز پیش   نہ بیہودہ گفتن مبر قدر خویش

مجامع مشیران سلطنت | ان تقریروں میں فصاحت کی بڑی بھاری ضرورت ہے مگر نمود و نمائش کے الفاظ کی بھرتی ناواجب ہے ان میں رفاہ عام اور آسائشِ خلق کے اصول کا لحاظ ازبس ضروری ہے۔ ذاتی خصومتوں اور مذہبی تعصبات کو بالائے طاق رکھکر منصفانہ گفتگو کرنا شرافت اور انسانیت ہے۔ ہر ملک کے واضعین کو اسے دستور العمل ٹھہرانا مصلحت ہے۔

تقریر عام | زبان عام فہم ہو۔ "داناؤں کی طور پر غور کرو اور عوام کی طرح بولو"۔ استعارات سے لوگ بے شک مائل ہو جاتے ہیں مگر زیادہ رنگین بیانی سے عوام میں ہنسی ہوتی ہے۔ ایسی تقریروں میں دلائل کی کمی بھی ہو تو مضائقہ نہیں مگر سامعین کے باطنی خیالات سے ہمیشہ خطاب ہو۔ عوام کے سامنے گفتگو کرنے کے لیے ظرافت و خوش طبعی کی چاٹ بھی درکار ہے۔ اس کے بغیر رنگ نہیں جمتا اور جہاں اسکے ذریعے سے ایک بار ہوا بندھی خواہ بے سرو پا بک دیا جائے فوراً اثر ہو جاتا ہے۔

بزم کی تقریریں | یہ وہ ہیں جن سے دعوتوں اور محافلِ رقص و سرود اور احباب کی سیر سپاٹوں میں کام پڑتا ہے۔ ان میں مبالغہ اور خوشامد کی خوب بھرمار ہوتی ہے "جس کا کھایئے اُس کا گایئے"۔ خوشامدانہ گفتگو اور پُر تکلف بیانات میں سنجیدگی اور صداقت ظاہر کرنا مشکل ہے۔ ان تقریروں میں زندہ دلی اور رنگینی خوب لطف دکھاتی ہے۔

چونکہ اب ناظرین تقریر کے مختلف مواقع اور مقرر کے طبعی اور غیر طبعی اوصاف سے بخوبی واقف ہیں لہٰذا اب تقریر کی ترتیب اور طرز و طریق کا حال لکھتے ہیں۔

ربط | تقریر میں اوّل سے آخر تک ایک ربط ہونا چاہیئے غیر مربوط فقرات سے مطلب مفقود ہو جاتا ہے۔ ماہرینِ فنِ تقریر اس بات میں متفق اللفظ ہیں کہ بیان مسلسل ہو۔ مقرر کا مدعا مرکز ہونا چاہیئے جس کے گرد جملہ دلائل اور جمیع فقرات چکر کھائیں۔ مضمون میں بھرتی نہو۔ تقریر اس قدر مرصع ہو کہ ایک لفظ کے حذف ہو جانے سے بے لطف ہو جائے یہ کیا کہ "نہ تال کی نہ سم کی نہ سُر کی" "حویلی علی نقی خان بہادر کی"۔ اس عیب سے ابتدا ہی میں بچنا چاہیئے۔ ورنہ جب ایک دفعہ گرفتارِ بلا ہوگئے۔ پھر یہ نکایت داخل عادت ہو جاتا ہے۔

ترتیب | تقریر کی ترتیب بالکل صاف اور غیر پیچیدہ ہو۔ سب جملے مناسب موقع پر رکھے جائیں۔ بالکل بیچ تقریر کرنے والے کو اُس مسافر غریب الوطن سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو شب تار میں صحرائے بیابانی ہو ٹٹول ٹٹول کر چلتا ہو اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہو ؎

حسرت یہ اُس مسافرِ بیکس کی روئیے   تھک کر کے بیٹھ جائے جو منزل کے سامنے

الغرض مرتب اور مشخص بیان ایک سیدھی سڑک کے مانند ہے جس پر فرلانگ اور میل کے پتھر نصب ہوں جس وقت چاہو معلوم ہو سکتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے مسافر بلا خطر اطمینان کے ساتھ آس پاس کی چیزوں کی بہار دیکھتا چلا جاتا ہے ؎

چل چال وہ کہ فرق نہ رفتار میں آئے   کہہ بات وہ کہ نقص نہ گفتار میں آئے

طرز | طرزِ گفتگو سامعین اور متکلم کے وتیرہ اور تقریر کی مراد کے موافق ہونا چاہیئے۔ بناوٹ نام کو نہو۔ جو مقرر گھر سے تیار ہو کر آئے ہوں انھیں اثنائے تقریر میں ذرا خاموشی ظاہر کرنی ہوتی ہے ورنہ اُن کی تیاری کا بھید کھل جائے اور سب اثر مٹی ہو جائے۔ وطلی صاحب کا قول ہے کہ طرزِ گفتگو میں تین باتوں کا خیال رکھنا ضرور ہے اوّل سریع الفہم ہو۔ حکیم ارسطو فرماتے ہیں کہ جسقدر کوئی تقریر بطی الفہم ہوگی اُسی قدر اُس کا مطلب فوت ہو جائے گا۔ مقرر اپنے سامعین کے علم و فضل پر غور کر لے اگر سامعین عالم نہوں تو نہایت توضیح و تشریح سے گفتگو کرنی ہوگی۔ خیالات کو بار بار دُھرانا ہوگا۔ دُھرانے میں اس بات کا خیال رہے کہ پیرائے مختلف ہوں۔

جہاں سامعین خواندہ اور شائستہ ہوں وہاں تقریر بھی عالمانہ ہونی چاہیے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں سے بھی سلاست حاصل ہوتی ہے یہ نہیں کہ ع مبتدا یاں ہو خبر نکلے نصیر آبادیں۔

دوم گفتگو پر جوش ہو۔ دلائل دلوں پر نقش ہو جائیں تخیل کو تحریک ہو۔ تقریر کا پُر جوش ہونا پسندِ الفاظ تعدادِ الفاظ ترتیبِ الفاظ پر منحصر ہے۔ یہ علم بیان سے متعلق ہے۔

سوم لطافت بھی شرط ہے۔ جو فقرات عام زبان میں کریہہ اور رکیک ہیں اور شایانِ شانِ مضمون نہیں اُن سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جہاں تھوڑے سے جوش کی امید میں بہت سی نفاست اور لطافت کا خون ہوتا ہو وہاں جوش کی پروانہ کرنا چاہیے۔ مقرر کا مطلب استعداد و استعطاف سے نہیں ہوتا اور نہ اُسے استہزا سے مقصد ہے بلکہ اُس کی غرض اپنے خیالات کے استطباع و استمالت سے ہے۔ تسخیر اور ترغیب کے لیے رنگینی کلام بھی کام میں آتی ہے مگر اتنی ہی جتنا دال میں نمک یعنی اگر اُسے نکال ڈالیں تو تقریر پھیکی ہو جائے بیان کی رنگینی جیتی خوبصورتی کی طرح ہونی چاہیے۔

کوئنٹلین صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری تقریر کی آراستگی سے مردانہ ہمت اور پاکیزگی کی بو آنا چاہیے۔ زنانہ بناؤ چناؤ حسن طبعی کے سامنے ہیچ ہے۔ استعارات سے بڑا بھاری اثر ہوتا ہے کسی عام بات کو استعارہ میں بیان کر دیجیے۔ سامعین جھٹ جوش میں آجائیں گے۔ استعارہ کالنقش فی الحجر ہو جاتا ہے اور اس کا مضمون حافظہ میں ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔ کوئی خاص لفظ مقرر کا تکیہ کلام نہ ہونا چاہیے "مجھ صاحب" "کیا نام" "خدا تمھارا بھلا کرے" "صاحب تمھیں کیسی معنے" "کیا کہتے ہیں" وغیرہ بہت سے فقرے ہیں جو بطور تکیہ کلام بولے جاتے ہیں ظرافت بھی تقریر کی چٹنی ہے خشک مضمون کے بیان کے لیے یہ ایک مفرح ہے۔ اس سے لوگوں کی توجہ بھی یکسو ہو جاتی ہے لیکن اعتدال ہر شے میں ضرور ہے۔ بالکل بھانڈ بن جانا سراسر حماقت ہے بعض اوقات مخالف کو خفیف کرنے کے لیے مسخرگی بھی بڑا کام کر جاتی ہے۔ خوش طبعی کو سب نے جائز قرار دیا ہے لیکن مسخرگی تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ مہذب گفتگو میں عالمانہ مذاق ہونا چاہیے خلاصہ مطلب یہ کہ گفتگو سلیس پُر جوش آراستہ ظرافت آمیز ہو تو نہایت مناسب ہے۔ تقریر میں وقت کا بھی خیال رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ امیر حمزہ کی داستان چھیڑ دی جائے تقریریں بالعموم آدھ گھنٹہ سے لیکر چار گھنٹہ تک سننے میں آئی ہیں۔

۵

تقسیم تقریر

ڈاکٹر بلیر صاحب فرماتے ہیں کہ عمدہ اور مسلسل تقریر چھ اجزا پر مشتمل ہوتی ہے۔ اول تمہید۔ دوم دعویٰ۔ سوم تشریح۔ چہارم ثبوت۔ پنجم مرثیت۔ ششم نتیجہ۔ یہ تقسیم ہمیشہ جو معقول اور قدرتی ہے مگر موقع اور وقت کے لحاظ سے خاص خاص حالتوں میں بعض اجزا متغیر اور محذوف بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر سپہ سالار کو حکم دیا جائے کہ لڑائی جنگ میں توپخانہ کو میمنہ اور میسرہ کے مابین رکھو تو اُس کا فرض ہے کہ حکم کی پابندی کرے لیکن اگر کوئی ٹیلا یا جھیل سدِ راہ ہو تو اُسے مصلحتِ وقت اور موقع کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ یہ حکم عدولی نہ ہوگی یہی حال مقرر کا ہے۔ اب ہم اجزائے مذکورۃ الصدر کو جُدا جُدا بیان کرتے ہیں۔

تمہید "رویش ببین حالش مپرس" مضمون کی کیفیت عنوان ہی سے ٹپک پڑتی ہے۔ اسی طرح تمہید بھی تقریر کی خبر دیتی ہے۔ سامعین کی نیک نیتی کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لیے التماسیہ طور پر شروع کیا جائے۔ حاضرین کو متوجہ کرنے کی غرض سے مضمون زیر بحث کی عظمت و ندرت دکھائی جاتی ہے یا مضمونِ معلوم پر خاص طور سے بحث کرنے کا وعدہ

کیا جاتا ہے۔ اگر مضمون یا دلائل مستعملہ کی طرف سے لوگون کے دلون
مین شکوک موجود ہون تو اُنھین رفع کردینا ضرور ہے جس قسم کا
مضمون ہو تمہید مین طرزِ گفتگو بھی ویسی ہی ہونا چاہیے بعض اوقات
بے تامل یا تعجب انگیز فقرون سے خوب تمہید اُٹھتی ہے۔ اشلۂ الوئ غنچۂ امید
کشاہی، گلے از روضۂ جاوید بنا ہی، دنیا مین سب کی امیدین ہین
ہماری بھی امیدین ہین، "ہم اور جُب بے ہین بس رہ چکے"

نغان مین آہ مین فریاد مین شیون مین نالے مین
سنائین درد دل طاقت اگر ہو سننے والے مین

"اے اہل کے رہ نورد و میدان مکالمت کے مرد" تمہید مین
لانا گر ان بالکل نہو اور بہت ہی عمدے بھی نہ کیے جائین سیادہ تقریر
اُن کے ایفا مین قاصر رہے اور الٹی ہنسی ہو۔ پہلے تقریر کے اجزا کو
خوب سوچ کر مُرتب کرلینا چاہیے۔ بعد ازان کوئی پھبتی ہوئی تمہید
تلاش کرلی جائے۔ تقریر کے دیگر اجزا مین صحتِ الفاظ کی اتنی ضرورت
نہین جتنی کہ آغاز مین کیونکہ سامعین نفسِ مضمون سے ناآشنا ہونے کے
باعث ذرا زیادہ نکتہ چین ہوتے ہین لیکن بحرِ طویل مین گفتگو کرنے لگین
ع جو اپنچ بھر کا ہے مطلب تو ہاتھ بھر کی دعا۔ تمہید مین دوسرے اجزا
کی تفصیل نہونا چاہیے۔ تقریرِ عدالت کی تمہید مین بہت ہوشیاری کا
ہے ایسا نہو کہ طرفِ ثانی کو گرفت کا موقع ملجائے۔

بیانِ دعویٰ | بالکل صاف مکمل اور بے ساختہ ہو حتیٰ کہ سامعین کو
نفسِ مضمون کے حق مین کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ دعویٰ کی تفریق مین
یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم اِس دعوے کو کتنے حصّون مین تقسیم کرکے گفتگو کرینگے۔
بعض لبنا ہ تفریق پر صاد نہین کرتے۔ اُن کی رائے ہے کہ تفریق کی پیروی
سے تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مگر ڈاکٹر بلیر کا قول ہے کہ اول تو ہر تقریر مین
ورنہ وعظ مین تو ضرور اِس تفریق کا لحاظ رہے۔ تفریق زینہ کا کام دیتی ہے
جس کے ذریعے سے مُقرر اپنے مضمون کی چوٹی پر چڑھ جاتا ہے، ایک ایک

حصّہ ایک ایک قیام گاہ ہے جس سے متکلم اور مخاطب دونون کی تکان رفع
ہوتی رہتی ہے۔ تفریق کے لیے چند قواعد لکھے جاتے ہین۔

۱۔ حصص بذاتِ خود مشخص اور باخود ممتاز ہون۔ ایک دوسرے کے
جزو نہون۔

۲۔ دقائق اور مسائل سے پہلے سریع الفہم باتون یا مبادی الاصول
کا بیان کیا جائے۔

۳۔ تفریق کامل ہو یعنی مضمون کا کوئی پہلو رہ نہ جائے ورنہ
تفریق فعلِ عبث ہے۔

۴۔ حصّون کا بیان نہایت مختصر و سادہ اور صحیح الفاظ مین ہو ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۵۔ حصّون کی تعداد کثیر نہو اِس سے مضمون مبہم سا ہو جاتا ہے عموماً
تین سے پانچ تک حصّے کافی ہین۔

تشریح | تشریح کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ وکلا کو چاہیے کہ جب واقعات کا ذکر
کرین تو اپنے کسی لفظ سے جعل یا بناوٹ یا کسی واقعہ کا اخفا منظور ہونے
دین۔ اُن کے بیان سے صداقت کی بو آئے اور اُن کے اظہارات نفسِ مقدمہ
کے قدرتی نتائج معلوم ہون۔ واعظ کے واسطے لازم ہے کہ قبل گفتگو اپنے
مضمون پر خوب غور کرلے جس مسئلہ یا آیت پر تقریر منظور ہو اُس کے
تعلقات اور دیگر مقامات کی اُس سے مناسبت بغور و تعمق مطالعہ ہونی
چاہیے۔ تشریح کے لیے عام قاعدہ یہ ہے کہ لغویات اور زیادہ گوئی سے
بالکل مبرا ہو۔

ثبوت | پڑھے لکھے تو خیر اسکے بغیر بچے تک کچھ نہین مانتے دلائل اور
حجج اول تو منتخب اور قوی ہون، دوسرے اُن کی ترتیب عمدہ ہو، تیسرے
اُن کا پُر زور الفاظ مین بیان ہونا لازم ہے۔ ثبوت کے دو طریقے ہین۔
استقرا[1] اور استخراج۔ ان کا مفصل بیان علمِ منطق کے رسالون مین آئیگا۔
یہ ضرور نہین کہ بہت سی دلائل ہون، عمدہ اور چیدہ دو چار دلائل ہی

---

[1] اگر جزئیات سے کلیات کی جانب استدلال کرین تو استقرا (بقیہ صفحہ ۲۰)

سکانی ہین۔ پہلی اور آخری بالخصوص قوی ہونی چاہیین اگر دلائل عمدہ نہ ہون اور الگ الگ کمزور ہون تو بھی باہم مل کر کچھ نہ کچھ زور پیدا کرین گی۔

مراجعت | اپنے دعوے کو دلائل کے ذریعے سے پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے بعد سامعین کو نہایت پُرجوش الفاظ مین ڈھنگ پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ) وہ حصّہ ہے جس مین فصاحت کے جوہر کھلتے ہین۔ اس موقع پر مقرر کا ایک ایک اشارہ کارگر ہوتا ہے ع جنبش ابرو ہے یا کھو سکتا ہے۔ گرو گوبند سنگھ، خواجہ صاحب اجمیری، سوامی دیانند سرسوتی، بابو کیشب چندر سین اور پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری نے اس ہتھیار سے خوب کام لیا۔ تقریر کا آخری حصّہ اس کے لیے موزون ہے۔ تقریر کا بہاؤ بتدریج اس مین تبدیل ہو جائے ورنہ حاضرین چونک اُٹھین گے کہ کوئی شخص اُن کی ہمدردی یا خلوص قلبی کو چھیڑ رہا ہے اور مطلب فوت ہو جائے گا۔ جہان کسی امر کا یقین دلانا ہوتا ہے وہان زیادہ فصاحت کی چندان ضرورت نہین البتہ جہان مقصد ترغیب سے ہوتا ہے وہان اُسکے بارہ مین بعض اوقات تقریر سقدر پُرسوز ہوتی ہے کہ مقرر روتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن سر سید احمد خان کی طرح سچ مچ رونے لگنا افراط مین داخل ہے صرف آواز کا لہجہ سوگوار ہونا کافی ہے۔ یہ حصّہ بہت طویل بھی نہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان کے جذبات مشتعل ہو کر دیر پا نہین رہتے۔

نتیجہ | اگر تقریر کا اختتام اطمینان بخش نہو تو سب کوشش رائگان جائے گی۔ مگر اسکا کوئی خاص قاعدہ نہین دیا جا سکتا۔ اگر مضمون ماقبل مین دلائل کی بھرمار ہی ہو تو خیر مین اُن سب کا مختصر ذکر کر کے اپنے دعوے کو ثابت قرار دے کر خاموش ہو جانا چاہیے۔ اگر ہو سکے تو حصّۂ ہوسوم مراجعت ہی کو ایسے طور سے تجویز کیا جائے کہ اُس مین خاتمہ آجائے۔ خواہ کسی طرح سے ہو لیکن خاتمہ ایسا ہونا چاہیے کہ سامعین اُس کو قبل از وقت سمجھین۔ ہم پھر یاد دلاتے ہین کہ مقرر اپنے مدعائے خاص کو کبھی نظر انداز نہ کرے۔

(باقی آئندہ)

ایس ڈبلیو بٹلر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) (INDUCTION) ہے اور اگر کلیات سے بجانب جزئیات استدلال کیا جائے تو استخراج (DEDUCTION)

مقدمات	نتیجہ
مثال استقرا۔ زید مر گیا۔ بکر مر گیا۔ عمرو مر گیا۔	انسان فانی ہے۔
مثال استخراج۔ انسان فانی ہے۔ زید انسان ہے۔	زید فانی ہے۔



امیرالشعراء منشی امیر احمد صاحب
"امیر" مینائی (مرحوم)

حضرت امیر مینائی

طبقۂ شعرائے اُردو میں امیرؔ کا نام خاص طور پر عزت و عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور ذاتی قابلیت و استعداد علمی کے علاوہ اپنی بلند پایہ شاعری کی بدولت وہ اس عزت و عظمت کے بجا طور پر مستحق بھی ہیں۔ وہ ایک جامع خصوصیات بزرگ تھے، شاعر بھی تھے، عالم بھی، مذہبی تقدس و تورع کے اعتبار سے بھی اُن کی رفعت مسلّم ہے۔ اُن کی لیاقت علمانہ اجتہادی شان رکھتی تھی۔ اُردو زبان کے وہ کامل ترین ماہر تھے، فارسی، عربی اور دیگر علوم قدیمہ میں وہ پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سوائے ذوقؔ کے اور کوئی دوسرا اُردو شاعر اس مکمل حیثیت کا نظر نہیں آئے گا۔ محض شاعری کی حیثیت سے نظر کیجائے تو بھی آپ شہرت جاوید کے مالک اور علمی اور ادبی حلقوں میں نہایت درجہ معزز و ممتاز خیال کیے جاتے ہیں۔ آپ کا تعلق شاعرانہ حیثیت سے اُس دور سے ہے جو ناسخؔ و آتشؔ کے بعد لکھنؤ کی شہرت و عظمت کا ضامن و کفیل خیال کیا جا سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بدولت لکھنؤ کا جو نام روشن ہوا اور یہاں کی شاعری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا وہ آپ کے معاصرانہ بعد شاعروں میں سے کسی سے بھی نہیں ہو سکا۔ اگر اُردو شاعری کو ایک آسمان تصور کیا جائے تو امیرؔ یقیناً اُسکے آفتاب تھے؛ آپ کی ذات بابرکات سے اُردو شاعری کو چار چاند لگے اور اُس کی رفتار جس ڈھنگ سے متقدمین شعرائے لکھنؤ (آتشؔ کو مستثنےٰ کیا جا سکتا ہے) نے قائم کی تھی آپ نے اُس میں ضروری اصلاح کی گنجائش نکالی اور اُسے ایک ایسی شاہراہ پر لے آنے کی کوشش کی اور بہت بڑی حد تک کامیاب کوشش کی جو منزل مقصود پر ختم ہوتی ہے۔ آپ سے پیشتر لکھنؤ کا رنگ تغزل جیسا کچھ تھا اس کا اندازہ ناسخؔ، رندؔ، وزیرؔ، اسیرؔ کے دواوین دیکھنے سے ہو سکتا ہے لیکن اس جدت آمیز اصلاح کا سہرا حضرت امیرؔ مغفور کے سر بندھا۔ آپ نے اُس رنگ میں صداقت جذبات کی آمیزش کی۔ یہ کام آسان تھا یا دشوار لیکن پرانی ڈگر سے علیحدہ ہو کر طبیعت کے زور سے اپنے لیے ایک نئی راہ مستقیم کا پیدا کرنا، ہر حالت کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ خود بھی پہلے اُسی قدیم رنگ میں رنگے تھے جسکا ثبوت مراۃ الغیب کے صفحات سے ملتا ہے لیکن سخن یاب طبع رسا نے آخر انھیں بتا دیا کہ اس خاص حدود سخن کی حقیقت و وقعت کس قدر کم تھی۔ یہی ایک خصوصیت انھیں تمام شعرائے لکھنؤ سے ممتاز ثابت کرنے والی ہے اور اس اعتبار سے وہ ایک طرح سے ناسخؔ و آتشؔ پر بھی فوقیت رکھتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے جہاں زبان لکھنؤ کو دہلی کی تقلید سے آزادی دلوائی وہاں امیرؔ نے لکھنؤ کی شاخ تغزل میں صداقت و حقیقت کا گل سرسبد لگایا اور یہ بجائے خود کوئی معمولی خدمت نہ تھی۔ آپ کی شاعری کا درجہ فی نفسہ کیا ہے اور اُصولاً اسکی کیا منزلت ہونا چاہیئے اس کا جواب مفصل تبصرہ کا محتاج ہے لیکن اس سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مختصر حالات زندگی قلمبند کیے جائیں۔

امیر احمد نام تھا اور امیرؔ تخلص۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولوی کرم محمد صاحب تھا، جو علوم عربی و فارسی کے ایک متبحر عالم تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب قدوۃ السالکین حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر منتہی ہوتا ہے اسی اعتبار سے آپ مینائی مشہور ہوئے آپ کی تاریخ ولادت ۱۶ شعبان المعظم ۱۲۴۴ھ روز دوشنبہ، مولد شہر لکھنؤ ہے جس زمانہ میں اودھ کی زمام حکومت شاہ نصیر الدین حیدر کے ہاتھ میں تھی وہی آپ کا زمان پیدائش ہے۔

عربی و فارسی کی تعلیم ابتدا میں اپنے والد صاحب مرحوم سے حاصل کی اور بعد میں اسکی تکمیل بعض علمائے فرنگی محل اور دیگر فضلا سے کی جن کے منجملہ حاجی مفتی محمد سعد اللہ صاحب کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے۔ حاجی صاحب علوم مشرقیہ کے زبردست ماہر اور مفتی صدر الدین خاں مرحوم آزردہ دہلوی

کے خرمن علم کے خوشہ چینوں میں تھے، علوم متداولہ عربی و فارسی کے علاوہ حضرت امیر کو جفر و نجوم میں بھی اچھی دستگاہ تھی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ان علوم کی تحصیل بھی آپ نے باقاعدہ طور پر کی تھی۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امیر کا تعلق آخری حکمران اودھ، واجد علی شاہ کے دربار سے ہوگیا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہو کہ یہ سلسلہ حضرت امیر کی بدولت قائم ہوا، جو بزمرۂ مصاحبین شاہی مقرر اور فرازدلے وقت کی عنایات و توجہات کے مورد تھے ۱۲۷۴ھ میں جبکہ ایک طرف غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت ناشورش فرو ہو چکی تھی اور دوسری طرف حکمرانوں کی غیر معتدل طرز زندگی کی وجہ سے حکومت اودھ ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکی تھی، یہ رامپور آگئے۔ اس زمانہ میں اس ریاست کی گدی نواب یوسف علی خاں ناظم ایسے قدر شناس اور نقاد فن کی ذات سے رونق پارہی تھی، یہی وہ علم دوست رئیس تھا جسکی بروقت فیاضی نے غالب ایسے بے سروسامان کو آخری وقت سنبھالا اور اسی طرح اکثر اہل کمال فن کو اپنے یہاں بلا بلا کر انھیں فکر معاش سے فارغ البال کردیا۔ امیر کے ساتھ جو سلوک ہوا اُسکا مختصراً ذکر یوں کیا جاسکتا ہو کہ پہلے انھیں مفتی عدالت کا معزز و ممتاز عہدہ تفویض ہوا اور اسکے بعد مشورۂ سخن کی عزت بھی انکے حصہ میں آئی لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہو کہ نواب ناظم کے عہد میں جو کچھ بھی قدردانی امیر کی ہوئی وہ اُس قدر و منزلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتی۔ جو اُنھیں نواب کلب علی خاں مرحوم کے ہاتھوں نصیب ہوئی۔ نواب کی دلچسپی فن شعر کے ساتھ غیر معمولی تھی اور وہ اس باب میں اپنے گرامیقدر پیشرو (نواب ناظم) سے یقینی طور پر بہت آگے تھے۔ یہ انھیں کی پرسش و توجہ کا قدرتی نتیجہ تھا کہ نامی شعراء نے دور دور سے آکر اس علم دوست رئیس کے قدم لیے اور قدردانی فن وہنر کے لطف اُٹھانے لگے۔ داغ، جلال، امیر، تسلیم، حیا، بحر، قلق، منیر، عروج وغیرہ اسی قدردان بادشاہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے جب تک وہ زندہ رہا یہ لوگ فکر دنیاوی سے قطعاً بے فکر رہے۔

ان لوگوں کے دم قدم سے رامپور باکمال و ہنرور لوگوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اور قرطبہ و بغداد کی علمی قدردانیوں کا ایک ہلکا سا رنگ یہاں کے دربار میں بھی نظر آرہا تھا جس طرح انتزاع دہلی کے بعد لکھنؤ اہل فن کا مرجع بن گیا تھا اسی طرح لکھنؤ کے بعد اس خصوصیت کا مالک رامپور ہوا۔

نواب کلب علی خاں مرحوم کے تعلقات حضرت امیر مینائی کے ساتھ نہایت گہرے تھے اور جو واقعات کہ معتبر اور قابل وثوق ذرائع سے سننے میں آئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہو کہ توجہات شاہانہ کے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حقدار امیر تھے۔ انھیں نواب کے اُستاد کہلانے کا بھی فخر حاصل تھا اور یہ ایک خصوصیت ایسی تھی جو حضرت امیر کے حصہ میں آئی نواب بجائے خود عربی و فارسی اور اُن پر کامل دسترس رکھتے تھے اور شاعری سے اُنھیں ازلی مناسبت تھی۔ ان کا اپنی اُستادی کے لیے امیر کو منتخب کرنا ہی اور وہ بھی ایسے شعراء کے زمرہ سے جس میں ہر ایک اپنے فن میں کامل اور اپنے کمال میں یکتا تھا، یقیناً امیر کے لیے فخر و مباہات کا باعث ہوا ہوگا کہتے ہیں کہ نواب کے کلام کی درستی و اصلاح کا کام عجیب طور پر انجام پاتا تھا۔ جو بدار غزل لیکر آتا حضرت امیر اُسے دیکھکر ضروری اصلاح کے بعد واپس کرتے لیکن نواب اُسکو متواتر واپس کرتے کہ یہ لفظ یا مصرعہ اچھا نہیں بدل دیا جائے یا اس شعر کو اس ڈھنگ سے لکھا جائے۔ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا تھا کہ کوئی غزل سست نہیں رہنے پاتی تھی۔ اسکی تصدیق نواب کا کلام دیکھنے سے بھی ہوسکتی ہو حضرت امیر اپنے اس تاج و تخت شاگرد کی غزلیات کے درست کرنے میں غیر معمولی کاوش سے کام لیتے تھے اسی طرح لائق و قدرشناس شاگرد اپنے اُستاد کی غیر معمولی عزت و وقعت اور ناز برداری کرتا تھا غرض یہ زمانہ امیر کے عروج کا تھا لیکن نواب کلب علیخاں مغفور کی آنکھ بند ہوتے ہی ریاست کے اندرونی و بیرونی انتظامات میں ردوبدل ہوا اور سب سے پہلے شعراء کے نام متوسلین ریاست کی فہرست سے خارج کیے گئے یہی زمانہ تھا کہ جسکا منھ جدھر اُٹھا چلا گیا۔ یہیں سے داغ حیدرآباد پہنچے اور حضور مغفرت مکان

میر محبوب علی خان آصف کی دریادلی کے ہاتھوں وہ عروج پایا کہ آفتاب ماہتاب بنکر چمکے۔ حضرت امیر بھی تو رامپور ہی میں اور غالباً ریاست سے بھی آخر تک قطع تعلق نہیں ہوا تاہم یہ بات کہاں اُس کا عشر عشیر بھی تھا۔ یہ وقت آپکے لیے ایک طرح امتحان کا تھا کہ سالہا سال کے عیش و فارغ البالی کے بعد افکار و آلام میں مبتلا ہونا پڑا۔

سب سے بڑی وجہ فکر "امیر اللغات" کی تکمیل کا مرحلہ تھا جس کے لیے کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ آپکے مکتوبات کے سرسری مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ یہی ایک خیال تھا جس نے دل و دماغ پر قبضہ کر رکھا تھا، دن ہے تو اسی کی دُھن، رات ہے تو اُسی کا دھیان، اِسکے پیچھے وہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھول گئے تھے۔ اُنھیں ایک ایسے سخی کے لعل کی تلاش تھی جو اِس عظیم الشان علمی خدمت کے مصارف کا کفیل ہو سکے، نواب کلب علیخان مرحوم کا رشتہ زندگی اگر قایم رہتا تو یقیناً اُنکی اولوالعزمی اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتی لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ نواب کے انتقال کے بعد جنرل عظیم الدین خان ایسے ذی ہمم لوگون نے دست امداد بڑھانے مین دریغ نہین کیا لیکن اُس سے پیاس نہین بجھی۔ اس لغت کی ترتیب و تدوین کے علاوہ اشاعت کے لیے کثیر رقم کی ضرورت تھی اور دفتر وغیرہ کے متفرقہ اخراجات کے لیے مستقل سرمایہ چاہیے تھا جسکی تلاش مین امیر کی نظرین چارون طرف جاتی تھین لیکن سوائے زبانی مواعید کے کہین سے کچھ نہ ملا۔ یہی تحریک تھی جس نے حضور نظام سے استمداد دستگیری کے لیے آمادہ کیا ورنہ ذاتی ضروریات کی بنا پر شاید وہ ایسا کرنا پسند نہ کرتے۔

۱۳۱۰ھ مین جب نواب میر محبوب علی خان مرحوم و مغفور والی دکن بہ تقریب سفر کلکتہ تشریف لائے تو بمقام بنارس حضرت امیر مینائی رح کو شرف باریابی عطا ہوا اور الطاف خسروانہ سے سرفراز کیے گئے۔ اسی ملاقات کی یادگار آپکا وہ مسدس ہے جسکا ایک بند یہ ہے:—

یہ سخن ہے جو ہے روح سخن جان سخن مدح سلطان کی ہے کیون نہ ہو سلطان سخن
شان دربار کہتی ہے بڑھے شان سخن ہان سخنور یہی گہ ہے یہی میدان سخن
ہون سب اشعار رسیلے کہ بنارس یہ ہے
شستہ و جہت ہون ہو بیٹھ کر گنگا یہ ہے

اِس ملاقات کے نتائج مین حضرت امیر کا طبقہ تلامذہ غیر معمولی رنگ آمیزی کرتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ حضور نظام کی جانب سے امداد و اعانت کی توقع دلائی اور اُس کے لیے اُنھین حیدرآباد آنے کی ضرورت جتائی گئی تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت امیر مینائی نے رامپور سے قصد دکن کیا۔ اور ۱۰ جمادی الاول ۱۳۱۸ھ کو آپ مع خلف اوسط منشی لطیف احمد اختر و شاگرد ارشد حافظ جلیل حسن جلیل مانکپوری نزیل حیدرآباد ہوے۔ نواب مرزا خان فصیح الملک داغ دہلوی نے اپنے یہان ٹھہرایا۔ اُس زمانہ مین جناب داغ محلہ افضل گنج (محبوب گنج) مین رہتے تھے۔ اسی مکان مین حضرت امیر بھی فروکش رہے۔

اوپر ذکر آیا ہے کہ اس پیرانہ سالی مین یہ ساری تگ و تاز ذاتی منفعت کے خیال سے نہ تھی بلکہ حقیقت مین تکمیل و اشاعت "امیر اللغات" کا خیال مرکوز خاطر تھا۔ آپ کے مکتوبات سے اسکی بخوبی تشریح ہوتی ہے۔ ذیل کا اقتباس اُن کے ایک خط کا اِس معاملہ پر کافی روشنی ڈالیگا۔ فصیح الملک داغ مرحوم کو لکھتے ہین:—

> ہان ایک "امیر اللغات" کی تکمیل کا خیال کئی وجہون سے ہے۔ ایک تو یہ کہ جنرل صاحب مرحوم کے اصرار سے عہد عرش آشیانی مین بابت سے روپیہ قرض لیا اور وہ قرض بڑھتے بڑھتے حد سے بڑھگیا۔ اب اگر اسکو چھوڑ دون تو اُسکے ادا کی امید بھی ہاتھ سے جائے، دوسرے یہ کہ ملک مین کیسی بدنامی ہو، تیسرے ایک عمدہ سرمایہ معلومات لسانی کا ہو، چوتھے یہ جو خیال ہے کہ دین کی کتابین بھی اُردو مین ترجمہ ہوتی چلی جاتی ہین انھین بھی اُردو کا جامع لغت مدد دیگا۔ اگر ایسا ہو تو مجھے ثواب بھی ملیگا، ترک کرنے مین یہ ثواب بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔

الغرض ایسے ہی خیالات ہیں جو رسا سے التجا پر آمادہ کراتے ہیں۔ ریاست بھوپال سے قدردانی ہوئی اور میری حیثیت سے بڑھکر ہوئی، مگر یہ کام اتنا بڑا ہے کہ اسکے واسطے وہ مدد کافی نہیں، سب سے بڑی سرکار، اللہ رکھے، وہی سرکار آصفیہ ہے، وہاں سے لاکھوں کے واسطے نیا سے بھی ہوسکنا ممکن ہے، بات ٹھیک بن پڑے ......"

لیکن یہ کون کہ سکتا تھا کہ ہزاروں آرزوؤں اور امیدوں کے بعد جب سب سے بڑی سرکار سے کے سانی ہونے کے سامان ہوں گے تو اس کے بعد ہی اُس سے بھی بڑی سرکار میں حاضری کا وقت آجائے گا۔ آپ کی علالت مزاج کا سلسلہ ایک عرصہ سے قائم تھا جس بعول کی شکایت تھی جسکی وجہ سے آپ کو اکثر دقت تکالیف میں مبتلا رہنا پڑتا تھا حیدرآباد پہنچکر شکایت اور بڑھ گئی۔ علاج معالجہ بخوبی کیا گیا لیکن قدرت کا منشا کچھ اور تھا۔ انسان کا آخر وقت جب آجاتا ہے تو کوئی تدبیر نہیں چلتی بلکہ جو تدبیریں کی جاتی ہیں اُلٹی پڑتی ہیں۔ ہزاروں کوششوں کے باوجود مرض میں شدت ہوتی گئی اور بالآخر ۱۹۔ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو وہ وقت آگیا جس سے کسی ذی روح ہستی کو مفر نہیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۳ سال ۰۱ مہینے کی تھی جس میں سے کامل ۴۳ برس آپ رامپور میں مستقلاً قیام رہا۔

آپ کی زبردست شخصیت، ہردلعزیزی، ناموری ایسی نہ تھی کہ آپ کا حادثۂ انتقال معمولی واقعہ سمجھا جاتا۔ اس خبر سے تمام ہندوستان میں ایک کہرام مچگیا اور ایک عرصہ تک ملک کے اخبارات، علمی مجالس اور علمی حلقوں میں آپ کا ماتم منایا گیا۔ ذائقۂ مرگ سے ایک دن سبھوں کو کام آشنا ہونا ہے لیکن موت موت میں بھی فرق ہے۔ امیر کی موت ہندوستان کے ایک قابل تعظیم شاعر کی موت تھی، ایک خادم زبان کی موت تھی، ایک جید عالم کی موت تھی، ایک ایسے شخص کی موت تھی جو اردو کے لیے سرمایۂ ناز و افتخار تھا اور جسکی خالی جگہ پر ہونے کی امید عرصہ تک نہیں ہوسکتی پھر اس غریب الوطنی کی موت کا ایک حسرت خیز اور یاس انگیز پہلو بھی تھا یعنی یہ اس شعر کی دردآمیز تشریح تھی ؎

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

امیر اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اُن کے روشن کارنامے ابدالآباد تک اُن کے نام کو قائم رکھیں گے کسی نے سچ کہا ہے کہ مشاہیر مرتے نہیں۔ امیر بھی یقیناً زمرۂ مشاہیر میں تھے ان کی ظاہری موت نے اگرچہ اُنکے کارنامون پر مہرِ ختم لگا دی ہو لیکن جو کچھ قابل قدر کام وہ اپنی زندگی میں انجام دے گئے ہیں، ایک طرف اُنکی بقائے دوام کے لیے کافی ہیں اور دوسری جانب اخلاف کے لیے وہ مستقل طور پر ایک چشمۂ فیض کا کام دیتے رہیں گے۔

ذاتی خصائل و اوصاف کے اعتبار سے وہ صفات حسنہ کا ایک دلپذیر مجموعہ اور وضع قطع میں قدیم تہذیب و شائستگی کی ایک مکمل تصویر تھے۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی یا عمامہ، نیچا انگرکھا، جسپر کبھی صدری بھی پہن لیتے تھے، بڑی مہری کا پائجامہ، جو لکھنؤ کی خاص وضع سمجھی جاتی ہے، نورانی شکل، پاکیزہ صورت؛ اور محاسن ظاہری کے ساتھ اخلاقی خوبیاں بھی فطرت نے انمیں نہایت فیاضی سے ودیعت کی تھیں۔ نیک طینت، خلیق، ذی مروت، ہمدرد، متحمل، بردبار، پاکیزہ کردار، خوش گفتار، تہذیب کا یہ عالم کہ ہر ایک شخص کو یہاں تک کہ نوکروں سے بھی "آپ" کہکر خطاب کرتے تھے۔ احباب کے سچے قدرشناس، شاگردوں کے ساتھ بزرگانہ ہمدردی و الفت کا برتاؤ کرنے والے، اُن کے رنج و راحت کے شریک، اُنکی خوشی کو اپنی خوشی اور اُن کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے والے اس کا ثبوت آپکے خطوط سے ملتا ہے جن کے بعض اقتباسات بجگہ خالی ہونے سے بطور نمونہ کے درج کیے جاتے ہیں۔ حضرت ثاقب کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔

تحریر ثانی سے امتحان انگریزی درجۂ اول میں کامیاب ہونا معلوم ہوا اور ایسا ہی خوش ہوا کہ اپنی کامیابی کا مزہ ملا۔ حق تعالیٰ وہ دن لائے کہ مژدۂ صدر آمائی سننے میں آئے۔

ایک جگہ اور لکھتے ہین:-

"گرامی گوہرا۔ مجھے اسوقت آپکے والد ماجد کی رحلت کی خبر معلوم ہوئی اور کمال صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سوا اس داغ کا کوئی مرہم نہین۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو سایۂ رحمت مین جگہ دے۔"

حکیم برہم کو ایک خط مین کس محبت آمیز پیرایہ مین مخاطب فرمایا ہے:-

"پیارے برہم۔ تم میرے زخم جگر کے مرہم ہو۔ تمھاری لکھی ہوئی تحریر نسبت نمیر نے میرے پریشان دل کو جمعیت بخشی اور افکار و انتشار کی جماعت کو درہم برہم کردیا۔ خدا کرے تم ہمیشہ شاد و آباد اور تمھارے بدخواہ برباد رہین۔ تم نے بیشک مجھے اپنے دل سے بھلا دیا ہے کہ مجھے برسون یاد نہین کرتے ہو مگر اسپر بھی میرا بیت منزل دل تم کو نہین بھولا....."

کوثر خیرآبادی کو تحریر فرماتے ہین:-

"آپ کے قصد وطن سے بہت جی خوش ہوا۔ خداوند تعالیٰ آپ کو خیر و عافیت سے لائے۔ مین آرزو کرتا ہون کہ آپ وطن سے مجھ بیدار طلب کے دیکھنے کو رامپور بھی تشریف لائین۔ خدا کیلئے ایسا کیجیے کہ مین منتظر ہون....."

غالب کی طرح امیر کو بھی شاگردون کے ساتھ بے تکلفانہ باتین کرنے مین لطف آتا تھا۔ اُن کے ساتھ اگر ایک طرف اظہار الفت و ہمدردی ہوتا تھا تو دوسری طرف اپنا ذاتی دکھڑا رونے مین بھی انھین تامل نہ تھا۔ حضرت داغ و شہیر کے نام کے خطوط سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ احباب معاصر کے ساتھ اُن کا طرز عمل کیا تھا۔ غرض وہ محبت و خلوص کا ایک پتلا تھے۔ آج اُس بے غرضانہ ہمدردی کے جتانے والے تلاش کرنے پر بھی نہ ملین گے۔

حضرت کے مزاج مین ثقاہت و متانت کے ساتھ مہذب ظرافت و شوخ طبعی کا بھی ایک حصہ تھا، جیسا کہ بعض مکتوبات کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے۔ حکیم برہم کے نام کا ایک خط یون شروع ہوتا ہے:-

"پیارے برہم لکھ کر سوچتا رہا ہون کہ برہمی پیاری ہونے کی چیز کہان ہے کہ مین نے پیارے برہم القاب مین لکھا۔ پھر یون دل کو تسکین دیتا ہون کہ کسی کی برہمی بھی تو کسی کو مزا دیجاتی ہے۔ میرا مخاطب تو بہ عنایت الٰہی مجھپر مہربان ہے۔ ابتدا مین البتہ کسی قدر اس تخلص کو کام مین لایا تھا مگر جب دیکھا کہ اُس سے یہ کڑیان نہ اُٹھین گی تو اب رحم آگیا، مہربان ہوگیا۔"

محمد احسن اللہ خان ثاقب سے ایک جنیس طلب کی تھی جسکے متعلق ذیل کا منتخب حصہ خاص دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔ فرماتے ہین:-

"بھینس اگر ذرا بھی شریر ہوئی کہ گھر مین نیل گی کی یاد دودھ دھوانے مین آگ لائی تو مجھے ایسی کرنا مجبوری ضرور پڑے گا..... یہ امر کہ وحشت کرتی ہے یا نہین اور دودھ آسانی سے دھواتی ہے یا اُچکتی کودتی ہے اور آدمیون سے گھبراتی ہے اور سفید پوشون سے بھاگتی ہے یا نہین دو تین دن وہان اپنے سامنے امتحاناً دودھوا لینے اور لینے حضور مین دودھوا لینے مین معلوم ہوسکتا ہے.....

.....آپ خود غور فرمائین گے تو وہ عیوب جن پر صبر کرنا نہین ہوسکتا اور وہ معائب جن پر صبر کرنا آسان ہے ممتاز ہوسکتے ہین.....

.....مگر یہ کہ دودھنے کو میرے یہان بھی گھوسی آتا ہے یہ گمان نہو کہ مامائین دودھتی ہین۔ البتہ اور سب خدمتین شبانہ روز مامائین کرتی ہین، گھوسی دودھ کر چلا جاتا ہے۔"

ایک جگہ بیرنگ خط بھیجنے کی توجیہ نہایت دلچسپ پیرایہ مین یون فرمائی ہے:-

"اب کے بیرنگ خط بھیجنے کا قصور معاف ہو۔ ٹکٹ لگاکر بھیجا تھا وہ نہ پہنچا۔ اب کے جل کر بیرنگ لکھا ہے۔ خدانخواستہ یہ بھی نہ پہنچا تو رجسٹری کی نوبت آئے گی۔"

بذاتہ آپ نہایت انصاف پسند واقع ہوے تھے۔ اپنی غلطی کے تسلیم کرنے مین کبھی تامل نہین ہوا۔ نفسانیت و سخن پروری مزاج مین نام کو نہ تھی

انکسار کا یہ عالم تھا کہ طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ مذہباً آپ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، متورع و متشرع، رات کا ایک خاص حصّہ عبادت و طاعتِ الٰہی میں صرف ہوتا تھا، خاندان چشتیہ صابریہ میں حضرت قطب الارشاد امیر شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سے دستِ بیعت بھی تھے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ آپ ایک جامع حیثیات بزرگ تھے اور ایسے ہی مجموعۂ صفات انسانی سوسائٹی کے زیور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو ابد الآباد تک اپنے جوارِ رحمت میں رکھے۔

(باقی آئندہ)

سید محمد فاروق (شاہپوری)

راز و نیاز

اُنھیں سب کا عجز پسند ہے کہ وہ آپ ہیں سراپا ناز میں
ہمیں تمکنت میں ملا نہیں جو مزا ہے ذوقِ نیاز میں

تو نہ چھیڑ مجھکو اے چارہ گر تری دلدہی کو میں کیا کرون
مجھے مل رہا ہے بڑا مزا اِسی دردِ سوز و گداز میں

مرا دل رہینِ نیاز ہے اُسی ایک آئنہ ساز کا
کہ ہے جس کے جوہرِ فیض کا اثر اب بھی خاکِ حجاز میں

کہیں جانِ زار کی خیر ہو تمھیں ہمدموا یہ خبر نہیں
دلِ بے خبر تو اُلجھ گیا ہے کسی کی زُلفِ دراز میں

ہمیں کیا غرض ہے جو زاہدون کو بنائیں محرمِ رازِ ہم
کہ شریکِ حالِ بلا کشان تھے وہ سوز میں ہیں نہ ساز میں

مجھے اُن سے رحم کی آس ہے یہ مقامِ شکر و سپاس ہے
ہو جو ایک سجدہ خلوص کا مری عمر بھر کی نماز میں

نہ کھلی حقیقتِ زندگی جو کھلا تو صرف یہی کھلا
کہ سرود و سازِ شہود بھی ہے یہان پہ بند مجاز میں

ترا سِرِّ عشق ملا اگر تو ملا کتابِ مجید سے
مگر اِس پہ بھی یہ لگا و ٹین کہ چھپے ہوئے ہیں ہزار میں

تری دل لگی کے سوا کہاں ہے جہاں میں راحتِ زندگی
کہ کلیدِ عیشِ حیات ہے ترے عشق و حُسن کے راز میں

یہ جمالِ عقدہ کشائے دل ہے کہاں بتون کے نصیب میں
کہ رہِ عروج و کمال ہے ترے حُسنِ عشق نواز میں

دلِ دردمندِ حمید کو نہ ملے ناز و فخر میں چین کب
کہ تڑپ رہے ہیں ہزاروں دل ترے اشتیاقِ نیاز میں

قاضی حمید الدین احمد حمید

حکمت الٰہی

بندون کے حق مین رضاے حق حکمت پر مبنی ہوتی ہو اس لیے راضی برضا حکمت الٰہی کی شکر گزاری ہو۔ خدا نے دنیا کے رنج و غم اولیا کو دیے انبیا کو دیے جو اُسکے مقبول بندے تھے تو عام بندون مین سے جن کو رنج و غم دیتا ہو سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کو برگزیدہ بنانا چاہتا ہو اُس موہبت کبریٰ کا شکر کرنا چاہیے اور مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔ اللہ صابرون کا ساتھ دیتا ہو اور شاکرون کے شکر کو مشکور کرتا ہو۔ مَن کان للہ کان اللہ لہ۔ مولانا نے اس حدیث کا کیا خوب ترجمہ کیا ہو ع۔

چون از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

گشتن کے معنی پھرنا بھی ہین اور ہونا بھی۔ اس بیت کے معنی یہ ہوے کہ جب تو اُس سے (یعنی خدا سے) پھر گیا (تو سمجھ لے) ساری چیزین تجھ سے پھر گئین (اور) جب تو اُس کا ہو گیا تو ساری چیزین تیری ہو گئین۔"

خدا کی حکمت بندے کیا جانین۔ حضرت آدمؑ کو ماں باپ کے بغیر عالم وجود مین لایا۔ حضرت حواؑ کو اُسی نے ابو البشر کی پسلی سے ظاہر کیا۔ ایک کنواری بیت المقدس کی خادمہ بی بی مریمؑ کے بطن سے حضرت عیسیٰؑ کو بے پدر دنیا پر آشکارا کیا۔ آزر بت تراش کے صلب سے حضرت ابراہیمؑ کو پیدا کیا۔ اللہ ری شان جس امانت کو زمین و آسمان نہ اُٹھا سکے وہ ایک ظلوم و جہول انسان کے حوالہ کر دی اُسکی عجیب باتین ہین۔ کلام کے لیے پسند کیا تو ایسے کلیم کو جس کی زبان مین لکنت تھی۔ قوم عرب مین سے ایک ایسے بشر کو منتخب کیا جس کی شان مین خود ہی فرماتا ہو اَلَم یَجِدکَ یَتِیماً فَآوٰی وَوَجَدَکَ ضَالاًّ فَھَدٰی وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغنٰی پھر اُس بشر کو خیر البشر اور افضل الانبیا کیا۔ اپنا محبوب بنایا حضرت موسیٰ کو تو لن ترانی کا جواب ملا تھا مگر اس یتیم کو اس اُمی کو اس مفلس کو عرش پر بلا کر اپنی دولت جمال سے مالا مال کر دیا۔

اُس کی حکمت کیا سمجھ مین آئے۔ ایک ذرہ برابر دانے سے ایک عظیم الشان درخت بنا کر کھڑا کر دیا۔ پیڑ، شاخین، پتے، پھول، پھل اُس مین لگا دیے۔ دنیا کے بڑے بڑے پہاڑون مین سے ایک چھوٹے سے پہاڑ یعنی طور کو اپنا تجلی گاہ بنایا۔ ایک معمولی پہاڑ (کوہ جودی) پر خلاصہ دنیا آدم ثانی کی کشتی کو قائم کیا۔ شہد سی شیرین چیز مکھیون کے ذریعہ سے کھلائی۔ ہاتھی سے عظیم الجثہ جانور اور شیر سے ہیبت ناک درندہ کو چھوڑ کر مشک سی گران قیمت چیز ایک وحشی بزدل چرندہ کو عطا کی۔ پہاڑ سے زیادہ لعل و یاقوت کی کنکریون کو گران قدر بنایا۔ کوؤن کے سے نامبارک طائرون کو ظاہر کیا اور ہما سے سعید پرندہ کو مخفی کر دیا۔ وہ بے نیاز ہو انسان اور فرشتون کی خلقت اُسکے لیے موجب فخر نہین اور نہ موذون کی آفرینش سبب عار۔ اُس نے کبوتر کو پرندہ بنایا اور شیر کو درندہ۔ اُس کی ان حکمتون کو کون کیا جانے۔ وہ ظالم نہین اور ظالمون کو دوست رکھتا ہو۔

خدا ے راست مسلم بزرگواری و حلم ۔۔۔ گناہ بیند و نان برقراری دارد

لوگ جسکو قسمت کہتے ہین وہ اُسکی حکمت ہی تو ہو۔ وہ حکیم علی الاطلاق جسکو جس حالت مین رکھے چاہیے کہ وہ اُسی پر راضی رہے۔ صبر کرے شکر کرے قناعت کرے۔ توکل کرے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ پر کاربند ہو۔ اور اُس کے اوامر و نواہی پر عمل کرے۔ اور یہ سب کر کے مضمون اُفَوِّضُ اَمرِی اِلَی اللہ راضی برضا ہو جائے۔ پھر قدرت کا تماشا دیکھے۔ اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً۔

حکیم نوازش علی مست

تنقید کتب

بستان معرفت

یہ عجیب و مفید کتاب جسکا دوسرا نام "اسرار حقیقت" بھی ہی مولوی سعید احمد ناطق لکھنوی کی تصنیف ہی حضرت ناطق کا نام علمی دنیا مین بحیثیت ایک ناول نویس کے اجنبی نہین ہی۔ اسکے علاوہ آپ عرصہ تک حیدرآباد دکن کے اخبار "ملک و ملت" کی اڈیٹری بھی کر چکے ہین۔ گویا آپ کی علمی خدمات کا دائرہ کافی طور پر وسیع ہی لیکن شاید یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ علم تصوف مین بھی آپ کو دستگاہ و معرفت حاصل ہی۔ اس کا قابل قدر ثبوت کتاب مندرجہ عنوان سے مل سکتا ہی جسمین روحانی و باطنی معاملات کو آپنے نہایت شرح و بسط سے جداگانہ سرخیون کے تحت مین قلمبند کیا ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ روحانیات کا تعلق جسقدر عمل سے ہی اسقدر خارجی الفاظ و عبارات سے نہین ہی تاہم طالبان صادق کے لیے اس کتاب کے صفحات مین کارآمد معلومات کا کافی ذخیرہ موجود ہی۔

شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے لاتناہی اسرار و رموز آپنے حتی الوسع نہایت سہل الفہم انداز مین نہایت مفصل طور پر بیان کیے ہین اور مشہور و معروف خانوادون اور طریقون کے اصول و تعلیمات پر نہایت قابلیت سے روشنی ڈالی ہی۔ اگرچہ اردو مین بھی اب بہت سی کتابین اس قسم کے مضامین پر مل سکتی ہین لیکن حضرت ناطق کی اس کتاب مین جسقدر وافر معلومات مجتمع کی گئی ہین وہ بجائے خود مکمل ہی۔

ضرورت قانون شریعت، مفہوم و مقصود شریعت، منتہاے طریقت، تزکیہ نفس، اسرار حقیقت، حقیقت الحقائق، منتہاے حقیقت، عرفان ذات باری، عرفان ذات وجود، منتہاے عرفان، وہ عنوان ہین جن کے اندر نہایت باریک و بلیغ نکات باطنی حل کیے گئے ہین۔ اور ان کا مطالعہ عام دنیا دارون کے لیے بھی غیر فانی لذت روحی کا باعث ہو سکتا ہی۔ جو لوگ علم تصوف مین کسی قدر درک رکھتے ہین وہ "بستان معرفت" کی گل چینی سے اپنے دامن مراد کو پر کر سکتے ہین۔ اور منتہی کے لیے بھی اسکا مطالعہ صرف تحصیل حاصل نہین ہو سکتا۔

انداز بیان سلجھا ہوا اور عبارت آسان ہی اور دقیق سے دقیق مسئلہ بھی آسان طریقے پر بیان کیا گیا ہی۔ اور یہ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہی جسکی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہو سکتے ہین۔ تصوف کی اصطلاحات جہان کہین آئے ہین ان کی تشریح اس طرح کی گئی ہی کہ ان کے مطالب و مفہوم سمجھنے مین دقت نہین ہوتی۔ اس کتاب کی قیمت [illegible] ہی اور محمد حافظ خان صاحب تاجر کتب چوک لکھنؤ سے مل سکتی ہی۔ وہ نیز منیجر [illegible] پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی دستیاب ہو سکتی ہی۔

تشریح جسم انسانی

یہ رسالہ جسمین جسم انسانی کی تشریح اور [illegible] عضلات و اعضاے جسمانی کا مفصل بیان ہی مرزا آغا بار بیگ کی تالیف سے ہی اور محمد حافظ خان تاجر کتب چوک لکھنؤ نے شایع کیا ہی۔ ہڈیون، رباطات، احشا، اعضاے تناسل، عضلات، شرائین، عروق جاذبہ، دماغ وغیرہ کی تفصیل و تشریح بعض حالتون مین شرح و بسط سے کی گئی ہی اور حواس خمسہ کا بیان بھی آخر مین قلمبند کر دیا گیا ہی۔ زبان یون تو صاف اور بیان عام فہم ہی لیکن نام اور اصطلاحات جسقدر بھی ہین انگریزی ہین۔ اس لیے اردو دان طبقے کے لیے شاید یہ کتاب زیادہ مفید ثابت نہو سکے۔ نامون اور اصطلاحات کے ساتھ مترادف عربی و فارسی اصطلاحات وغیرہ لکھدی گئی ہین اور یہ بہت اچھا ہوا ہی لیکن اس خلط مبحث سے عجیب گنجلک پیدا ہو گئی ہی لیکن حضرت مولف اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔ تا وقتیکہ اردو اصطلاحات کا مجموعہ تیار نہو اور ان اصطلاحات علمیہ سے عوام و خواص ماہر نہو جائین یہ دقت یون ہی قائم رہے گی جراحون

کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور سود مند ہوگا۔ قیمت ۴ر میں مشتہر صاحب سے ملسکتی ہے نیز منرو اپبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی دستیاب ہوسکتی ہے۔

مخزن صنعت و حرفت

اس رسالہ کی تالیف و اشاعت کا سہرا علی الترتیب مرزا الہ یار بیگ اور محمد حافظ خان کے سر ہے۔ اس کا دوسرا نام "وسیلۂ حصول معاش" ایک حد تک موزونیت سے خالی نہیں کیونکہ اسمیں بہت سی آسان ترکیبیں مختلف اشیاء کی تیاری کی مندرج ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر ہر شخص معمولی طور پر روزانہ کچھ نہ کچھ پیدا کر سکتا ہے۔ اسیطرح بعض شعبدے اور چٹکلے ایسے بیان کیے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے یورپین اور ہندوستانی کمپنیاں ہزاروں روپیہ پیدا کرتی ہیں۔ آخر رسالہ میں بعض ادویہ بھی لکھدی گئی ہیں اور اگر یہ عطائی نسخے نہیں ہیں تو کیا تعجب ہے کہ لوگ ان کا ضرورتاً استعمال کرکے فائدہ اٹھا سکیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کئی نسخے اور ترکیبیں اسقدر مشکل و دشوار ہیں کہ عموماً اُن سے کوئی مستفید نہیں ہو سکتا، وہاں اکثر سہل الحصول بھی ہیں جن کی لاگت دو چار پیسے سے زیادہ نہیں لیکن اگر انھیں تیار کرکے سلیقہ کے ساتھ فروخت کیا جائے تو یقینی طور پر زیادہ آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ قیمت اس رسالہ کی آٹھ آنہ ہے۔ ملنے کا پتہ وہی ہے جو "تشریح جسمانی" کے تحت میں لکھا جا چکا ہے نیز منرو اپبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی دستیاب ہوسکتی ہے۔

اقبال دُلھن

مولوی بشیر الدین احمد کا نام نامی آج معرفی سے مستغنی ہے کیونکہ آپکے علمی کارناموں سے علم دوست طبقہ آج اچھی طرح واقف ہے اور خود العصر میں آپ کی کئی مفید تالیفات و تصنیفات پر تبصرہ لکھا جا چکا ہے۔

"اقبال دُلھن" آپ کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ گویا بنیاد تھی جس پر آپ کی دماغی مساعی حسنہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اسقدر عرصہ گذرنے پر نتائج کاوش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسوقت یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ بنیاد نہایت بااصول و مستحکم تھی۔ اقبال دُلھن جب اول اول شائع ہوئی اسیوقت رمز شناس نگاہوں نے تاڑ لیا تھا کہ مولوی بشیر الدین میں اپنے ذندہ جاوید باپ کے قابل جانشین ہونے کی صلاحیت موجود ہے اور اُسکا مزید ثبوت جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا، ملتا گیا۔ اقبال دُلھن کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اُسکا اندازہ اُس سے کسی قدر ہو سکتا ہے کہ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اور نسخہ زیر تنقید دوسرے ایڈیشن سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس کے آخر میں اکابر و مشاہیر و اخبارات و رسایل کے جو ریویوز و تقاریظ شامل ہیں اُن کے دیکھنے سے منکشف ہوتا ہے کہ مولوی بشیر الدین کی پہلی تصنیف کے متعلق عام و خاص میں اسقدر بلند رائے قائم کی گئی ہے۔

اقبال دُلھن ایک اخلاقی قصہ ہے جس کا ہیرو اقبال مرزا نمایاں شخصیت کا آدمی ہے۔ ماں باپ کا اکلوتا لڑکا ہے علیگڈہ میں تعلیم پاتا ہے صاحب ڈپٹی کمشنر کی عنایت سے سرکاری طور پر تکمیل تعلیم کے لیے ولایت بھیجا جاتا ہے۔ ولایت سے کامیاب واپس آکر شادی ہوتی ہے۔ عرصہ تک میاں بیوی نہایت محبت و اُلفت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اولاد نہونے کے سبب سے دوسرا خفیہ نکاح کیا جاتا ہے۔ دوسری بیوی سے اولاد ہوتی ہے۔ پہلی بیوی مصلحت اندیشی مدنظر رکھکر سوکن کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتی ہے اور اسکی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح رکھتی ہے۔ ان واقعات کا پیرایہ نہایت دلچسپ ہے اور درمیان درمیان میں بعض نہایت مفید معاشرتی و تمدنی مباحث آگئے ہیں جن پر مولوی صاحب نے اعتدال کے ساتھ رائے زنی کی ہے۔ مثلاً ولایت کی تعلیم پر بیگم صاحب کے خیالات نہایت قرین صداقت ہیں۔ اُسوقت تو اُسوقت آجکل بھی مستورات اپنی اولاد کا ولایت جانا ایک قیامت سمجھتی ہیں۔ "دُلھن کی تلاش" کے عنوان میں بعض دلچسپ باتیں معرض بحث میں آئی ہیں۔ انتخاب زوجہ کا مسئلہ نہایت اہم ہے لیکن ہندوستان کی معاشرت و رواج کی وجہ سے اسکا حل کچھ آسان نہیں۔ اقبال مرزا بے

جب پوچھا گیا کہ جس لڑکی سے اسکی نسبت کی گئی ہے اُسے منظور ہے یا نہیں تو اُس نے جو کچھ جواب دیا اُس کے معقول و لاجواب ہونے مین کلام نہین ہوسکتا کہتا ہے :—

لیکن مجھے صلاح و مشورہ لینے کی اس وجہ سے ضرورت نہین کہ جب ہم لوگون مین شادی کا طریقہ ایسا ٹھہرا ہے کہ دولہا دُلہن دونون ایک دوسرے سے اجنبی محض ہوتے ہین۔ اور پہلے کچھ بالائی باتین پوچھ گچھ کر ایک دوسرے کو چپکا دیتے ہین تو پھر آپ ذرا اپنے کہلانے کس بات پر قائم کی جائے...... لفرض محال اگر مجھے کسی نے اپنی لڑکی کی جھلک دکھا بھی دی تو اُس سے کیا ہوتا ہے، اس سے تو صرف صورت شکل کا ایک اندازہ ہوسکتا ہے سو یہ تصویر سے بھی ممکن ہے...... مین بہترین صورت اور خوش ترین سیرت کو پسند کرتا ہون...... جب صورت شکل کے یہ لالے پڑے ہین تو سیرت و عادت کا معلوم کرنا تو ناممکن ہے۔

غور کیجیے اسکے یہ فقرے کیا معنی رکھتے ہین :—

پس اس جھمیلے مین کیون پڑتے ہو، اُس ٹیڑھی ہوئی چھُری سے ذبح کرو جیسا آجتک ہوتا چلا آیا ہے ویسا ہی کرو میرے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت کیا ہے۔ مین ایسا کونسا سورما یا انوکھا آدمی ہون........

گویا اسکے خیال مین بھی یہ ایک نہ سلجھنے والی گُتھی تھی۔ افسوس ہے کہ اس مرحلہ دشوار کے طے کرنے کا کوئی آسان رستہ مولوی بشیر الدین صاحب نے بھی نہ بتایا۔

اسی طرح اور بہت سی مفید و سبق آموز باتین اپنی اپنی جگہ خاص دلچسپی کی چیز ہین۔ اصل قصہ کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان اُسلوبِ بیان نہایت دلپسند ہے۔ عبارت کی روانی گفتگو کی بے ساختگی مولوی نذیر احمد مرحوم و مغفور کی تصویر سامنے لاکھڑی کردیتی ہے۔ شادی و غمی کے مراسم کا بیان نہایت شرح و بسط سے کیا گیا ہے اور اُن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم و بیش یکسان ریت رسمین تمام ہندوستان مین رائج ہین، فروعی باتون مین کچھ فرق ہو تو ہو ورنہ اصل سب جگہ ایک ہی ہے۔ ان رسوم کے تباہ کن نتائج سے کون ناواقف ہے، اسکے باوجود کسقدر حیرت ہوتی ہے کہ اقبال مرزا ایسا تعلیم یافتہ اور اصلاح پسند شخص اُن کے برخلاف ایک لفظ منھ سے نہین نکالتا اور اُس کی شادی کے موقع پر تمام قابل ترک مراسم اُسطرح ادا ہوتے ہین گویا مذہبًا و اخلاقًا یہ قابل گرفت ہی نہین یقینًا یہ ایک اخلاقی کمزوری تھی، جس کی توجیہ سوائے اسکے اور کچھ نہین ہوسکتی کہ اقبال مرزا کی مان پرانے زمانہ کی عورت تھین اور اُن مراسم کا ترک کرنا اُن سے اُسیطرح ناممکن تھا، جسطرح سعادتمند اقبال مرزا کا اپنی مان کے خلاف کچھ کہنا سُننا۔

میان بیوی کے تعلقات پر مولوی بشیر الدین احمد نے جو کچھ لکھا ہے بہت خوب لکھا ہے اور اس قابل ہے کہ تاہل لوگ اُسکا ایک ایک لفظ آویزۂ گوش بنائین۔

دوسرا نکاح ضرور تًا کیا گیا تھا لیکن اسکا اثر جو کچھ پہلی بیوی پر ہوسکتا ہے، ظاہر ہے۔ "اقبال دُلہن" کا وہ سین کسی حد تک دردناک ہے جہان دکھایا ہے کہ "بڑی دلہن" پر اس خبر کے سننے سے کیا گذری۔ یہ مقام تاثیر و انشا پردازی کے اعتبار سے بھی پڑھنے کی چیز ہے :—

جسوقت بڑی دُلہن کو اسبات کا یقین کامل ہوگیا۔ اُن کے پانون تلے کی زمین نکل گئی، کلیجہ دھک سے ہوگیا ؎

تو سنبھالو مجھے درد جگری بڑھتا ہے   دل کنا دل طرف سینہ گری بڑھتا ہے

غش کھاکر کھڑے قد سے گر پڑین۔ لوگ دوڑے کسی نے پنکھے کی ہوا دی۔ کسی نے سرد پانی کا منھ پر چھینٹا دیا، چکنی مٹی اور لخلخہ سُنگھایا۔ جب کہین بڑی دیر مین ہوش آیا........ باوجودیکہ بڑی دُلہن بڑی صابر تھین مگر اسبات کا کچھ ایسا دھکا بیٹھا کہ اندر ہی اندر

کلیجہ نُچا جاتا ہو۔ اس غیبی گولے نے برابر دو ہفتہ تک بیہوش رہین۔ وہ دن اور آج کا دن ہم نے اُن کی وہ چونچالی خوش مزاجی اور چُہل کبھی دیکھی ہی نہیں نہ وہ صورت شکل رہی نہ وہ بات چیت ہمیشہ افسردہ خاطر رہنے لگین ؎

نہ وہ صورت نہ وہ سیرت تری ہائے کیا ہو گئی حالت تری
حیف حالت تری کمہلائی ہوئی ہائے صورت تری مرجھائی ہوئی
زردی چھائی ہوئی رخسار پر سرسون پھولی ہوئی رخساروں پر
ہر دم اک رنگ بدلتا ہو کیون شمع کی طرح سے جلتا ہے کیون

سچ پوچھیے تو اقبال مرزا سے زیادہ بڑی دلہن کا کیرکٹر نہایت نمایان ہو۔ غریب نے اس مصیبت پر آخر صبر کیا اور یہ سمجھکر کہ آخر جنم شوہر کے ساتھ کاٹنا ہو اُس نے طرز عمل سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی کہ گویا اقبال مرزا کے نکاح ثانی کا اثر و خیال اُسکے دل سے مٹ گیا ہو۔ بہرکیف کتاب محاسن سے لبریز ہو اور عقد ثانی کے جواز کے ساتھ اسکی مشکلات کو جس انداز سے واضح کیا گیا ہو وہ مولوی بشیرالدین احمد کا کام تھا۔ ہر شخص کیلیے اس کا مطالعہ دلچسپ ہوگا اور مستورات اسکو پڑھکر لاانتہا فوائد حاصل کر سکتی ہو۔ کوئی گھر جہان کتابون کی پہنچ ہو سکتی ہو "اقبال دلہن" سے خالی نرہنا چاہیے۔

حُسن معاشرت

اُردو لٹریچر مین اس قسم کی کتابون کی جو اپنے مضامین کے لحاظ سے مستورات کے ہاتھ تک پہنچنے کے قابل ہون بہت کمی ہو اور "حسن معاشرت" دوسری کتاب ہو جو "اقبال دلہن" کے بعد مولوی بشیرالدین احمد کے مساعی جمیلہ کی بدولت یہ کمی پورا کرنے کے لیے زیور طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوئی ہو۔ لٹریری خوبیون کے اعتبار سے یہ اقبال دلہن کی حقیقی بہن ہو اور معنوی محاسن مین بھی کسی پہلو سے گری ہوئی نہین ہو۔

اس افسانہ کو مولوی بشیرالدین احمد نے دو حصون مین تقسیم کیا ہو۔ پہلے حصہ مین نواب سلیمان قدر اور ان کی بیگم اُن کے صاحبزادے فرخندہ جمال اور فرخندہ جمال کی بدمزاج بیوی کا حال ہو جسمین دکھایا گیا ہے کہ لڑکیون کے تعلیم یافتہ ہونے کی کہان تک ضرورت ہو اور بے تربیت لڑکیان کس حد تک شوہر کے لیے ایک مصیبت ثابت ہوتی ہین۔ دوسرے حصہ مین یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہو کہ روشن خیال والدین کی اولاد کیسی روشن طبع ذکی اور تربیت یافتہ ہوتی ہو اور ان صفات کی بدولت وہ اپنے گھر کو جنت بنادیتی ہو۔ یہ حصہ نہایت غایت درجہ دلچسپ اور حقیقی معاشرتی زندگی کا ایک دلکش فوٹو ہو جو اسکے پڑھنے سے پیش نظر ہو جاتا ہو اور پڑھنے والا یقیناً اس امر کا متمنی ہوتا ہو کہ اُسکے گھر مین بھی یہی انتظام و تہذیب نظر آئے۔

فرخندہ جمال کی پہلی بیوی (لاڈلی بیگم) کی تصویر ایسے الفاظ مین کھینچی گئی ہو کہ اُس کے جہل و بے تمیزی پر سبھون کو افسوس ہوگا پھر اُس کا انجام نہایت عبرت ناک ہو۔ خاندانی نزاعات، باہمی تکرار، آپس کا نفاق، ساس بہو کی شکر رنجی، میان بیوی کی کلخپ یہ واقعات ہین جو اکثر گھرانون مین پیش آتے رہتے ہین اور اُن کا سمان صاف و شیرین اور ٹکسالی زبان مین "حسن معاشرت" کے صفحات مین نفاست کے ساتھ دکھایا گیا ہو۔ ان تمام واقعات کے پڑھنے سے احساس پذیر طبائع سبق حاصل کر سکتی ہین۔ اسکے بالمقابل معصومہ (دوسری بیوی) کے اخلاق و عادات کا جو نقشہ حصہ دوم مین کھینچا گیا ہو اور جس کی نسبت قابل مصنف فرماتے ہین کہ "آپ بیتی" ہو، خاص طور پر مؤثر ہو۔ گھر کی دیکھ بھال، بچون کا رکھ رکھاؤ، عام انتظام و نگرانی، شوہر کی ضروریات کا خیال، نفاست پسندی، کفایت شعاری، ان سب باتون کی تصویر دیکھنا چاہو تو معصومہ کے حالات مین پاؤگے۔ لاڈلی بیگم کے ہاتھون فرخندہ جمال نے جو کوفت اُٹھائی تھی اُسکی تلافی معصومہ کی بدولت ہوئی۔

ضرورت ہو کہ اس کتاب کو شریف گھرانون مین لڑکیون کو سبقاً سبقاً

پڑھا یا جانے معاشرت مغربی کے متعلق اسمین بہت سی قابل قدر نصیحتین جمع ہین۔ یہ دونون کتابین (اقبال دلہن و حسن معاشرت) علی الترتیب عہ و عمر قیمت (علاوہ محصول ڈاک) مین حضرت مصنف سے، دہلی، کھاری باؤلی کے پتہ پر یا سکرٹری منروا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے مل سکتی ہین۔ ان کی خریداری کی موکد سفارش کی جاتی ہی۔ کوئی گھر ان سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔

گیتانجلی

سر رابندر ناتھ ٹیگور ہندوستان کے اُن قابل قدر سپوتون مین ہین جن کے دوش بدوش کارنامون نے اور وطن کی عظمت کا سکہ اس گئی گذری حالت مین بھی ممالک غیر کے علمدوست حلقون مین بٹھا رکھا ہی آج کل اُن کی شہرت لاحدود ہی اور اُن کی نازک خیالی اور نغز گوئی سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو۔ اُن کی شاعری آج مسلمہ عظمت و شہرت کی مالک ہی اور عام مقبولیت اُنکے کلام اور پُرمغز کلام کی لونڈی بنی ہوئی ہی۔ اُنکی قابلیت کا لوہا ماننے والے آج یورپ مین ایک دو نہین ہزارون اور لاکھون کی تعداد مین موجود ہین۔ گیتانجلی آپ ہی کی پُرمغز کیفیت انگیز نظمون کا مجموعہ ہی۔ اور یہ وہ مجموعہ ہی جو ٹیگور نے پہلے بنگالی مین شائع کیا اور پھر اس کا انگریزی اڈیشن نکالا۔ بنگالی اُن کی مادری زبان تھی، اُس مین اُن کا سرسبز ہونا چندان تعجبات سے نہین ہوسکتا لیکن ان نظمون کا انگریزی ترجمہ بھی جو خود اُنھین کی دماغی محنت کا نتیجہ تھا کچھ کم مقبول نہین رہا یہی ترجمہ تھا جسکو دیکھکر یورپ حیرت مین آگیا اور اس حیرت کا قدرشناسانہ ثبوت عطائے نوبل پرائز سے ملتا ہی جو ۱۹۱۳ء مین اس مجموعہ کے لیے ٹیگور کو نذر کیا گیا اور ہندوستان کو اندازہ ہوا کہ فی الحقیقت ٹیگور کی شاعری کا پایہ کیا ہی۔

ہمارے یہان بوجہ فقدان علمی کے ساتھ ہی قدردانی کا مادہ جاتا رہا ہی اور یورپ کا اصول ع "متاع نیک ہر دکان کہ باشد" ہو رہا ہی اور یہ کتنی شرم کی بات ہی کہ ہم خود اپنی چیزون کی منزلت سے اُسوقت واقف ہوتے ہین جب یورپ والے ہمین بتاتے ہین۔ گیتانجلی نے بالآخر مقبولیت عامہ کیا "مقبولیت عالم" کا درجہ حاصل کیا اور آج مہذب و متمدن یورپ کی شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس مین اُس کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو۔ اردو زبان رہ گئی تھی سو اس کمی کو حضرت نیاز فتحپوری نے پورا کر دیا۔ اور نہایت خوبی سے۔

حضرت نیاز کی یہ دوسری علمی بلکہ عالمانہ سعی ہی جس پر العصر مین تنقیدی نگاہ ڈالنے کی نوبت آئی ہی۔ وہ ایک مشہور انشا پرداز اور نازک خیال شاعر ہین۔ اُنھون نے انگریزی اڈیشن کی امداد سے ٹیگور کے خیالات کو اردو کا جامہ پہنایا ہی لیکن نظم کا ترجمہ نثر مین کچھ زیادہ موزونیت نہین رکھتا۔ اور غالباً بحیثیت ایک کامیاب سخن سنج ہونے کے حضرت نیاز چاہتے تو نثر کی جگہ ترجمہ منظوم ہوسکتا تھا لیکن ایسا نہین کیا گیا اور یقیناً یہ ایک فروگذاشت ہی جس کی تلافی کی کوشش اگر کوئی اور اللہ کا بندہ کرے تو خوب ہوگا۔

حضرت نیاز کا ترجمہ مختصر تقطیع کی کتابی شکل مین نہایت نفاست و اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہی۔ محاسن ظاہری کی تکمیل مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا گیا۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی، جلدبندی سب اعلیٰ ہین۔ عمدہ کتابون کی ظاہری حیثیت کی درستی کم سے کم اس حد تک ضرور ہونا چاہیئے کہ مضامین کی دلکشی کے ساتھ دیدہ زیبی کی شان بھی اُنمین موجود ہو۔ "گیتانجلی" بلاشبہ ایسی ہی مطبوعات مین شمار کیے جانے کے قابل ہی۔ مصنف و مترجم کی تصاویر بھی کتاب کی زینت دوبالا کر رہی ہین۔ رہ گئے محاسن باطنی تو اُسکے لیے زیادہ کہنا تحصیل حاصل ہی۔ یہ ٹیگور کی طباعی، نکتہ سنجی، دقت شناسی، صحیح المذاقی اور جذبات روحانی کی زندہ تصاویر ہین اور مترجم نے ان کو حتی الامکان صحیح شکل مین پیش کرنے کی کوشش کی ہی۔ ترجمہ بجائے خود ایک فن ہی اور ایک عسیر التحصیل فن ہی۔ اُسکی دشوار گذار گھاٹیان طے کرنا ہر شخص کا کام نہین ہی لیکن

بہ حیثیت مجموعی حضرت نیاز کا ترجمہ نہایت عمدہ اور ایک حد تک با اصول ہے۔ یہ ضرور ہے کہ غیر مانوس الفاظ و ترکیبیں بھی کثرت سے بھری ہوئی ہیں اور یہ اُن کا عام رنگ ہے لیکن اس کے باوجود عبارت میں روانی اور بے ساختہ پن بھی ہے جس سے ترجمہ کی جگہ مستقل تصنیف ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

مقدمہ دلچسپ ہے لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے متعلق اُنکی رائے زنی جادۂ اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے اور اُسکا سبب یا تو یہ ہے کہ اُنھیں اِس طبقے کے بالغ نظر افراد سے واقفیت کا حقہ پیدا کرنے کا موقع نہیں ملا یا شاید اس قسم کے معاندانہ خیالات اُن کے کچھ اِس طرح دلنشین ہو گئے ہیں کہ اب نکالے بھی نکل نہیں سکتے۔ اور اُن کی وجہ سے وہ ان تعلیم یافتوں میں سوائے عیب کے ہنر کا نام نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح یورپ کی مادہ پرستی کے متعلق اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو ایک حد تک تسلیم کرنے کے بعد وہاں کی افراد کو روحانیات سے قطعاً بیزار ہونا مسلم نہیں ہو سکتا۔ از منۂ سابقہ کے علاوہ اب بھی وہاں ایسے قابل قدر نفوس موجود ہیں جن کی زندگی کے دن روحانیت اور اُس کے ما لہ و ما علیہ پر غور کرنے میں بسر ہوتے ہیں۔ رباعیات عمر خیام، دیوان حافظ وغیرہ کا ترجمہ اُنھیں لوگوں کی بدولت یورپین زبانوں میں ہوا ہے۔ سب سے بڑی چیز جو اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے مثنوی مولانا روم کی اشاعت ہے جو نئے اسلوب اور نئی ترتیب کے ساتھ وہاں شائع ہوئی ہے۔ ہندو ویدانت کے ساتھ جو ذوق و شوق وہاں کے علمی حلقوں میں آج سے بیسیوں برس پہلے ظاہر ہو چکا ہے وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ اس ایک امر متنازعہ فیہ سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو مقدمہ دلچسپی سے سر تا پا معمور ہے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور حضرت نیاز کی زبردست قوت نثاری کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے گیتانجلی کے محاسن صوری و معنوی اسقدر ہیں کہ اُس کی قیمت عہ بظاہر زیادہ معلوم ہونے کے باوجود کوئی چیز نہیں ہے۔ شائقین لطیف اینڈ کو۔ آگرہ سے درخواست خریداری کریں جو اُسکی اشاعت کنندہ اور اس لحاظ سے مستحق شکریہ ہیں۔ ہندوستانی پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی یہ کتاب مل سکتی ہے۔

صحیفۃ القوم

لسان القوم مولانا صفی لکھنوی اُن چند مغتنم نفوس میں ہیں جن کے وجود سے اُردو شاعری کا وقار موجودہ زمانہ میں قائم ہے۔ حج خفیفہ لکھنؤ میں سررشتہ داری کی خدمات آپ کے تفویض ہیں لیکن اس مصروفیت کے باوجود تھوڑا سا وقت شعر و شاعری کیلئے بھی نکل آتا ہے۔ آپ کا کلام نغز گوئی اور نازک خیالی کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ ہی قومی جذبات سے لبریز ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ "صحیفۃ القوم" جو آپ کی قومی نظموں کا مجموعہ ہے اُسکے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اِس مجموعہ میں آپ کی وہ تمام نظمیں شامل ہیں جو سنہ ۱۹۰۶ء سے اوایل سنہ ۱۹۱۶ء تک شیعہ کانفرنس و شیعہ کالج کے متعلق قلمبند ہوئی تھیں اور اُن کے دیکھنے سے آپ کی پختہ کلامی اور تاثیر سخن کا نقش پڑھنے والے کے دل پر گہرا پڑتا ہے۔ اِس قسم کی مستقل نظمیں جن میں قومی مد و جزر کا بیان ہو یا جن سے سامعین کے جذبات ہمدردی میں حرکت پیدا کرنا منظور ہو یا جو اپنے درد دل اور سرگذشت سنانے کا ذریعہ سمجھی جائیں ہر شخص کامیابی سے نہیں لکھ سکتا۔ اس کے لیے شاعر میں بذاتہ خاص خاص اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاعر جو اثر اپنے کلام سے سامعین میں پیدا کرنا چاہتا ہو پیشتر اُس سے خود بھی متاثر ہو چکا ہو۔ حضرت صفی کا ایک ایک شعر اُن کی اسی قسم کی کیفیت کا مظہر ہے۔ پھر اِس کیفیت کے ساتھ آپ کا خاص انداز بیان اور معنی آفرینی سونے میں سہاگے سے کم نہیں ہے۔ آغاز کتاب میں جو غزل حالیہ دی گئی ہے اُس کے یہ اشعار دیکھئے:—

ہم اپنا درد دل رو رو کے بیتابانہ کہتے ہیں ۔ اُنھی خوش ہیں وہ جو ہمیں دیوانہ کہتے ہیں
اسی شہر خموشاں میں جسے ویرانہ کہتے ہیں ۔ سنیں ذرے زبان حال سے افسانہ کہتے ہیں
نظر اُن پر نہیں ایسے قوم جو تیرے فدائی ہیں ۔ اِسے بھی ہم ترا اک زشت نادانہ کہتے ہیں

ایک نظم کا عنوان ہے "دلگداز" اسمیں فرقہ شیعہ کے عروج و زوال کا نقشہ اسطرح کھینچا گیا ہے کہ نظم اسم با مسمٰی ہو گئی ہے اُسکا نمونہ ملاحظہ ہو:-

ہاں ٹھہر اے گردش دوران ٹھہر ۔ دیکھ لینے دے پلٹ کر اک نظر
بحر ہستی اپنا دھارا پھیر دے ۔ سوئے مبدء رخ ہمارا پھیر دے
تھوڑی دیر آرام کر دم لے ذرا ۔ تھم کے یہ لینا بہت جلدی ہو گیا

. . . .

ہم وہی ہیں جھیلتے تھے سختیاں ۔ تھی جب اولاد اُمیہ حکمراں
سیکڑوں ہی گھر جلا ڈالے گئے ۔ زندہ ہم اکثر جلا ڈالے گئے
جب کوئی قصر ستم آرا بنا ۔ خون سے سادات کے گارا بنا

بنارس کے اجلاس شیعہ کانفرنس کے موقع پر جو مسدس پڑھا گیا اُس کے یہ دو ایک بند آپ کی خوش کلامی اور طباعی کا بہترین نمونہ کہے جا سکتے ہیں :-

اے بنارس ہمسرا دسر چشم بتاں ۔ دیکھ تیرا بتکدہ ہے کعبۂ ہندوستاں
خانہ باغ دارالایمان کا وہی سر رواں ۔ جا کے امروہہ جو کچھ نظر آگیا تھا آگہاں
آج تیری گود میں بیٹھا ہے لیکن مضمحل
پوچھ تو کیسا ہے اِس معصوم کا ننھا سا دل

یہ دماغ و دل کی کمزوری یہ اسکا بچپنا ۔ بے رخی تیمار داروں کی غضب کا سامنا
پھر بھی اس امید پر لائے ہیں جی جائے شفا ۔ راس آجائے اُسے شاید بنارس کی ہوا
جلوۂ صبح بنارس سے اگر مشہور ہو
جب میں جانوں دل سے بیمار کا سرور ہو

ہر لب دریائے گنگ اِک بہار آئی ہوئی ۔ کوثر آنا خانہ کی ہر سو چھاؤنی چھائی ہوئی
ہر طبیعت حسن کے منظر پہ لہرائی ہوئی ۔ لب پہ اک رنج تبسم نکہ سے شرمائی ہوئی

"ڈوب کر کیونکر نکلتے ہیں ستارے دیکھ لو
یہ تماشا آؤ گنگا کے کنارے دیکھ لو"

اجلاس پٹنہ میں جو گوہر فشانی فرمائی اُسکا دلپذیر نمونہ یہ ہے:-

قوم کچھ تجھکو زمانے کی خبر ہے کہ نہیں ۔ دل بے حس پہ ترے کوئی اثر ہے کہ نہیں
دردمندان محبت کی نہیں کچھ پرسش ۔ پاس دل ہے کہ نہیں تیرے جگر ہے کہ نہیں
ساری دنیا کی ترقی کا ہے عزت پہ مدار ۔ ہم میں قلت اسی عنصر کی مگر ہے کہ نہیں
قوم بالے میں پکر بے حس ترے بچھڑو دل ہیں ۔ قطرہ خون نہ سہی کوئی شرر ہے کہ نہیں

اسی طرح امداد بتائی و اجرائے شیعہ کالج پر طویل و مستقل نظمیں ہیں جو صداقت جذبات سے معمور ہیں اس مختصر میں اُن کا اقتباس ناممکن ہے۔ شروع میں منشی ممتاز حسین صاحب جونپوری کی طرف سے ایک جیب مقدمہ شامل ہے جسمیں مولانا صفی کے سوانح کے ساتھ آپ کے کلام پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

صحیفۃ القوم کی اشاعت سے جو مالی فائدہ ہوگا اُسے مولانا صفی نے شیعہ کالج لکھنؤ کے نذر کر دیا ہے۔ اور یہ ایثار و ہمدردی کی قابل تقلید مثال ہے۔ اُمید کرنا چاہیئے کہ عام مسلمان حضرات اور بالخصوص حضرات شیعہ اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیکر اپنے قومی تعلیمی کام میں مدد دیں گے۔ دیگر شائقین بھی بلا خیال اختلاف مذہب اِس مجموعہ سے ایک قادر الکلام و نکتہ سنج شاعر کے نتائج طبع کی بلند پائگی کا اندازہ کر سکتے اور اُس سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں اسکی قیمت ایک روپیہ اور ملنے کا پتہ "دفتر شیعہ کالج نیوز لکھنؤ" ہے۔ کاغذ و کتابت عمدہ اور تقطیع مختصر موزون۔

لذت زندگانی

چودھری دیبی پرشاد بلگرامی جنکی ادویہ کا اشتہار العصر میں شایع ہوتا رہتا ہے اِس مختصر رسالہ کے مصنف ہیں اور اسکی شان نزول یہ ہے کہ مستورات میں امراض رحمی کی کثرت اور اُسکے خطرناک نتائج دیکھ کر آپ نے یہ رسالہ ترتیب دیا کہ فطری شرم و حیا کے سبب سے اگر فرقۂ نسوان اپنی حالت کا

اظہار دوسرے پر نہ کرسکتا ہو تو اسکے مطالعہ سے وہ اپنی شکایت کی ماہیت اور اُس کا علاج دریافت کرسکتا ہے۔ چودھری صاحب نے اسمین ایام ماہواری کی شروعات میعاد، کثرت، قلت، بےقاعدگی، احتباس وغیرہ کی تشخیص مع علامات و اسباب و علاج بتائی ہے اگرچہ بتمامہ اس سے کما حقہ فائدہ نہ اٹھا سکینگی۔ تاہم رسالہ مین بعض مفید معلومات فراہم کی گئی ہین حمل اور اُسکے متعلقات پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اُس کا مطالعہ خالی از فایدہ نہ ہوگا قیمت ۲۰ مقرر ہے اور چودھری صاحب کے گنگا پرشاد روڈ لکھنؤ کے پتہ پر درخواست خریداری کرنا چاہیے۔

کلید اُردو

شاہ محمود عالم صاحب دربھنگوی نے مبتدیون کے لیے یہ مختصر رسالہ ترتیب دیا ہے اسمین حرف شناسی کے بعض قاعدے ایسے بتائے گئے ہین کہ اُنکی مدد سے چھوٹے چھوٹے جملون کا پڑھنا جلد آسکتا ہے شروع مین بعض ہدایتین بھی کی گئی ہین کہ لڑکون کی تعلیم مین کن کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً (خلاصۃً) لڑکون کو بزدل اور ڈرپوک بنانا چاہیے۔ پڑھانے مین مارنا اور ڈرانا نہ چاہیے؛ اسقدر آزادی دینی چاہیے کہ وہ بےباکانہ اپنا شک رفع کرسکین۔

یہ عمدہ اصول ہین اور اگر دیسی مکاتب مین ان پر عمل کیا جائے تو لڑکونکی دماغی نشو ونما مین کافی امداد مل سکتی ہے۔ اس رسالہ کی قیمت ۱/ ہے اور ملنے کا پتہ یہ ہے۔ قاسم علی خان (برکت اللہ خان) تاجر کتب نظیر آباد، لکھنؤ۔

"سیّد اسلم"

(رائے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب بھارگو)

نور نگاہ چشم تمنا سے اُٹھ گیا

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

آسمان علم و ہنر رائے بہادر آنریبل منشی پراگ نرائن بھارگو بھی اُن مشاہیر زمانہ بزرگون مین سے تھے جن کو دنیا باوجود اپنی نت نئی گردشون کے روز نہین پیدا کرسکتی وہ لوگ حیات جاودانی کے مستحق ہین جن کا نام نامی محبت و عزت سے لیا جاتا ہے۔ انتزاع سلطنت اودھ کے بعد شہر لکھنؤ پر جو آئے دن تازہ آفتین اور مصیبتین نازل ہوا کین کہ اہل و متاع و آبرو کے ساتھ اُنکا وطن عزیز بھی چھوٹنے کو تھا کہ یکایک ایک فرشتہ (منشی نولکشور صاحب مرحوم) پردہ غیب سے ظاہر ہوا اور ندا کی کہ "آؤ مین تمھین اپنے ظل عاطفت مین پناہ دونگا اور تمھاری بگڑی کو بناؤنگا" منشی صاحب مرحوم نے اپنے گرد اہل کمال کا مجمع ہی نہین اکٹھا کیا بلکہ اس گئے گزرے وقت مین بھی علم کی آبرو رکھ لی، انھین اہل کمال کی دعاؤن کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو وارث بھی ایسا عنایت فرمایا

مرحوم ایک ہی تھا جو دنیا سے اُٹھ گیا

جو گویا بطن مادری سے ملک و قوم کا درد ساتھ لایا تھا۔ اُنھون نے اپنی طویل زندگی مین کافی شہرت و نیکنامی حاصل کی۔ جو کارخانہ جات آپنے وراثت مین پائے تھے اُن کو اپنی خداداد لیاقت و قابلیت سے نہ صرف بدستور جاری رکھا۔ بلکہ اُن کو اور زیادہ ترقی دی۔ پبلک مفاد کے لیے اِن صوبجات مین جو تحریک ہوتی تھی اُنمین آپ کا عملی حصہ ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔ یون تو آپ کو سیاسی تمدنی تعلیمی اور حرفتی مسائل سے یکسان دلچسپی تھی مگر موخر الذکر صیغون مین آپ زیادہ منہمک نظر آتے تھے۔ اور حق یہ ہے کہ تعلیمی اور صنعتی صیغے ہی انسان کو زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہین بالخصوص ہندوستان ایسے ملک مین۔

رائے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب بھارگو نے اپنی والدہ مرحومہ کی یادگار مین دریائے گومتی (لکھنؤ) کے کنارے نہایت خوبصورت اور عالیشان گھاٹ اور مندر بنوایا ہے اور اسکے ساتھ ہی ایک پاٹ شالہ

بھی قائم کی جسمین نادار طلبا کو نہ صرف مفت تعلیم دیجاتی ہے بلکہ اُن کی رہائش اور طعام کا بھی معقول انتظام ہے۔ ہندو یونیورسٹی مین آپنے تیس ہزار کی بیش بہا رقم چندہ مین دی۔ آگرہ کالج اور بریلی کالج کے آپ ٹرسٹی تھے۔ آگرہ الورا اور لاہور کے بھارگو بورڈنگ ہوس محض آپ ہی کی وجہ سے ابتک قائم ہین صنعتی تعلیم مین آپکو نہایت دلچسپی تھی۔ ایک اسکیم آپکے زیر غور تھی کہ آپکے کارخانون کے ساتھ ایک اسکول کھولا جائے جسمین مزدورون کو مشین وغیرہ چلانے کی تعلیم دیجائے سنہ ۱۹۰۷ء مین حرفتی تعلیم کی جو کمیٹی گورنمنٹ نے قائم کی تھی آپ اسکے ممبر تھے۔ اس کمیٹی مین یہ طے پایا تھا کہ کانپور مین ایک ٹیکنالاجیکل انسٹی ٹیوٹ بہت جلد قائم کیا جائے۔ جب بہت عرصہ ہوا اور یہ انسٹی ٹیوشن قائم نہوا اور جنگ کی وجہ سے ملک کو عام طور پر یہ محسوس ہونے لگا کہ صنعت و حرفت کے بغیر ملک کو خوشحالی میسر نہین ہوسکتی اور اس ترقی کے لیے تعلیم کا ہونا ضروری ہے تو آپنے مقامی کونسل مین اسکے متعلق ایک رزولیوشن بھی پیش کیا، مگر حضور لفٹنٹ گورنر بہادر کی درخواست پر واپس لے لیا۔ رڑکی کالج کی نسبت آپ نے گورنمنٹ کو نہایت صائب رائے دی تھی جسکا اعتراف گورنمنٹ گزٹ مین عمدہ الفاظ مین کیا گیا۔ اسی راے کا اثر تھا جو رڑکی کالج کے آپ ممبر بنا دیے گئے۔ صوبجات ہذا کی صنعت و حرفت کی ترقی کی تدابیر سوچنے کے لیے سنہ ۱۹۱۴ء مین بورڈ آف انڈسٹریز قائم ہوا تو آپ بھی اُسکے ممبر ہوے۔ اُسی سال آپکو حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے اپنی کونسل کا ممبر نامزد فرمایا۔ اور سنہ ۱۹۱۶ء مین جدید کونسل مین تو آپ دوسری مرتبہ بھی ممبر انتخاب ہوے۔ پھر اپریل سنہ ۱۹۱۴ء مین صوبجات ہذا کی انڈسٹریل کانفرنس کے آپ پریسیڈنٹ مقرر ہوے۔ آپکا صدارتی اڈریس بہترین اڈریسون مین شمار کیے جانے کے قابل ہے۔ اسی سال آپ بارھوین انڈین انڈسٹریل کانفرنس کے استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین تھے مگر قضا و قدر کے معاملات مین کسکو دخل ہے۔ افسوس کہ آپنے چند دن پیشتر داعی اجل کو لبیک کہی۔ علاوہ اُسکے مرحوم کے سیکڑون رفاہ عام کے امور ایسے ہین جن سے ہزارہا بندگان خدا کو عظیم فائدے حاصل ہوے۔

آہ! کون جانتا تھا کہ ایسا ہمہ تن خیر جس کے دلمین ہر وقت ملک و قوم کا درد رہتا تھا ہم سے اتنی جلد چھین لیا جانے گا۔ ہم پراگ نرائن کے لیے نہین رو رہے ہین بلکہ لکھنؤ کی بیواؤن یتیمون اور کس مپرس طالب علمون کے حال زار پر نوحہ کنان ہین لکھنؤ کے پرانے رئیسون کی طرح ہزارہا بندگان خدا آپکے بھی دامن دولت سے وابستہ تھے۔ لاکھون روپیہ خیر خیرات مین آپ صرف فرماتے تھے سیکڑون شریف حاجتمندون کی آپ اسطرح خفیہ مدد کرتے تھے جس کی کسی کو خبر نہوتی تھی۔ حیف! آج اُنکے گھرون مین کہرام برپا ہے۔ سچ ہے کہ ایسے لوگ زندۂ جاوید ہین۔ موت اُنکے اجسام پر تو قبضہ کر لیتی ہے مگر اُنکے نیک نام کو جو جریدۂ عالم پر ثبت ہو چکا ہے ہرگز ہرگز نہین مٹا سکتی!

ناظرین! مرحوم کے ذاتی صفات اور ذاتی خوبیان ایسی تھین کہ جس شخص نے خواہ وہ انگریز ہو یا ہندوستانی ہو بنگالی ہو یا دکھنی ہندو ہو یا مسلمان آپ سے ایک مرتبہ ملاقات کر لی بس پھر اُن سے محبت ہو جاتی تھی۔ آپ کے دوستون کی تعداد بیشمار تھی۔ ہر شخص سے آپ کے تعلقات ایسے تھے کہ حقیقی بھائیون مین نہین ہوتے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپکے زمانۂ علالت مین چند ہی خود غرض احباب ہونگے جنھون نے آکر آپ کی کم و بیش خدمت کی ہو۔

ایک مرتبہ ایک ڈپارٹمنٹ کے افسر آپ کی خدمت مین گئے اور بیان کیا کہ فلان چپراسی نے ایسی حرکت کی ہے کہ وہ ڈسمس کر دیا جائے آپ بھی پہلے پہل بہت ناراض ہوے کہنے لگے کہ اُس نے ایک دفعہ ہم کو بھی دھوکا دیا اور ہم غور کر رہے تھے کہ اُسکو کیا سزا دی جائے پھر آپنے



ابو علی رائے بہادر منشی نواب اولین ساہو مرحوم

نہایت دھیمی آواز سے دریافت کیا کہ کیدن صاحب اُسکو تنخواہ کیا ملتی ہی۔ جواب ملا کہ پانچ روپیہ۔ آپنے فرمایا کہ آجکل جب ہر چیز اسقدر گران ہی ایک شخص جسکے پیچھے ایک کنبہ بھی ہو پانچ روپیہ ماہوار مین کیسے گذر کر سکتا ہی جب پیٹ نہین بھرتا بال بچے پریشان کرتے ہین تو انسان ہر کام کے لیے مجبور ہو جاتا ہی۔ میری رائے مین اُس کی تنخواہ اُتنی ہی کر دیجائے جتنی دیگر چپراسیون کی ہی یعنی سات روپیہ ماہوار اور چھ مہینے کے بعد رپورٹ بھیجیے کہ اُسکی عادتین درست ہوئین یا نہین۔ ناظرین یہ تعجب کی بات نہین ہی کہ اُسکی شکایت پھر مرحوم کے کان تک نہ پہنچی۔

اگر بار خاطر نہو تو ایک اور واقعہ بیان کیا جائے۔ ایک دفعہ ایک بڈھا مسلمان آپ کی خدمت مین حاضر ہوا آپ نے کہا کہ اب کی مرتبہ تو بہت مدت کے بعد آپ آئے ہین کیا آپ کچھ تیار کر کے بھی لائے۔ اُسنے تنزیب کی تین ٹوپیان پیش کین اور کہنے لگا کہ حضور اسکے تیار کرنے مین مصروف تھا اسی لیے حاضر نہو سکا۔ پوچھا اُن کی قیمت کیا ہی۔ اُسنے جواب دیا کہ حضور ایک دس روپیہ کی۔ ایک پندرہ کی اور ایک پچیس کی۔ آپ نے تینون ٹوپیان لے لین اور اُسکو ساٹھ روپیہ دلوا دیے بعد مین جب دریافت کیا گیا کہ کیا واقعی اتنی قیمت کی یہ ٹوپیان ہین تو آپنے جواب دیا کہ اِس شخص نے مطبع مین چالیس برس ملازمت کی ہی۔ اب اِسکو پنشن ملتی ہی۔ مگر اُس پنشن مین گزارہ نہین ہوتا۔ جب تکلیف مین ہوتا ہی تو یہ ہمارے پاس آتا ہی اور ہم سے کچھ لیجاتا ہی۔ ٹوپیون کا بہانا ہوتا ہی تاکہ اسکو یہ محسوس نہو کہ مین نے بلا محنت کے یہ روپیہ لیا اور ہمین یہ خیال نہو کہ ہم نے مفت روپیہ دیدیا۔ ناظرین اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جن سے آپ کی غربا پروری اور اپنے ملازمین کے ساتھ محبت کا اندازہ ہو سکتا ہی۔

آپ کو ہر کام کے کرنے مین ایک خوشی محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ جن اصحاب کو آپکے زمانۂ علالت مین دیکھنے کا موقع ملا ہی وہ اِس بیان کی تصدیق کر سکتے ہین کہ جسوقت ڈاکٹر آپ کے پھوڑون پر اپریشن کرتا تھا اُسوقت بھی آپ اپنی خوش مزاجی کو نہین چھوڑتے تھے۔ اُردو اور ہندی لٹریچر کی خدمت جو آپ کے مطبع نے آپ کے دوران عہد مین کی وہ مخفی نہین ہی۔ مشرقی اور ہندوستانی زبانون نے جتنی ترقی آپ کے زمانہ مین آپ کے مطبع کے ذریعہ سے کی اُسکی دوسری مثال نہین ملے گی۔

عدالت جودیشل کے فاضل جج کی تقریر کا یہ فقرہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہی کہ "مرحوم صوبجات ہی کے لیے نہین بلکہ اضلاع ہند کیلئے مفید ترین انسان تھے۔" مضمون کو ختم کرتے وقت ہماری دلی دعا ہی کہ مرحوم کے صاحبزادہ بلند اقبال کو خداوند عالم توفیق خیر عطا فرمائے اور اپنے باپ دادا کی طرح ناموری بخشے۔ اور اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنے کا شوق عطا فرمائے۔ آمین۔ عشقی

رباعی

جتنا بھی ملے تجھکو زمانہ شاکر ہو حق کا نشان نہو نشانہ شاکر
بیگانہ نہو گا ما سوا سے جب تک ہو گا نہ یگانے کا یگانہ شاکر

(لکھنؤ کا قومی ہفتہ)

ہفتہ کانگرس مین جو چہل پہل اور رونق اسال لکھنؤ مین رہی وہ بہت کم کسی شہر مین دیکھی گئی ہے۔ کانگرس کے علاوہ دیگر متعدد مختلف کانفرنسین انھین دنون مین اس تاریخی شہر مین منعقد ہوئین جن مین شرکت کی غرض سے ہر صوبہ کے تعلیم یافتہ طبقہ کے ممتاز ترین اصحاب دارالخلافہ اودھ مین مجتمع تھے' اور صوبجات متحدہ کے لوگ تو جوق جوق موجود تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف جلسون مین سے بعض کی مفصل اور بعض کی مختصر کیفیت ہدیۂ ناظرین کی جائے سب سے پہلے بالفعل ہم انھین کانفرنسون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جن سے ہمین بھی کسیقدر تعلق ہے۔

اُردو کانفرنس

اُردو کانفرنس جس کے انعقاد کی تدبیرین تین مہینے سے مسلسل جد وجہد ہو رہی تھی' بالآخر ۲۹ دسمبر کی صبح کو ٹھیک ۹ بجے قیصر باغ کی خوشنما بارہ دری مین منعقد ہوئی۔ بارہ دری مذکور کی آرائش کا اہتمام کارکنان آل انڈیا مسلم لیگ در عالیجناب سر راجہ صاحب محمود آباد کے ایماء کی نگرانی مین تھا اور اگرچہ اس سبب سے کہ لیگ کا سالانہ جلسہ ایک روز بعد سے شروع ہونے والا تھا تمام انتظامات مکمل نہ ہوئے تھے تاہم بارہ دری کی محرابون اور ستونون پر رنگین کاغذ کی پھول پتیان جس خوش سلیقگی کے ساتھ لگائی گئی تھین ان سے ایک خاص دل آویزی کی شان پیدا ہو گئی تھی۔ بارہ دری کے وسطی کمرے مین جانب مغرب ایک بلند و وسیع پلیٹ فارم (چبوترہ) متصلہ در نمایان خسرکلے جلسے کے واسطے بنایا گیا تھا جس پر کوچین اور گدے دار کرسیان رکھی ہوئی تھین۔ اس چبوترے کی پشت پر ایک دوسرا چبوترہ خاص اُردو کانفرنس مین شریک ہونے والی خواتین کے لیے تیار کیا گیا تھا جہان پردے کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ شاید اس سے پہلے کسی جلسہ مین نہین کیا گیا۔ اور اس حسن انتظام کے تمامتر ذمہ دار ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب (ایم اے ایل ایل ڈی بیرسٹرایٹ لا) تھے۔ وہ جیسے ہمہ مادری زبان کے پیارے نام سے موسوم کرتے ہون اسوقت تک پوری طرح ترقی پذیر نہین ہو سکتی جبتک عورتون ہماری ماؤن کو اس تحریک مین پوری دلچسپی نہو۔ اسی خیال کی بنا پر اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ طبقہ ذکور کے ساتھ ساتھ طبقہ اناث کی نمائندگی سے بھی اس جلسے کو بہرہ وافر حاصل رہے۔ اور اگرچہ خواتین کے پاس رقعات دعوت بہت ہی قلیل دیر مین پہنچے اور ایک حد تک انھین لکھنؤ ہی کی خواتین تک محدود رکھنا پڑا تاہم لکھنؤ اور مضافات لکھنؤ کی تقریباً پچیس تیس خواتین اُردو کانفرنس کے اجلاسون مین شریک ہوئین۔

۸ بجے سے بارہ دری مین مجمع ہونے لگا اور ۹ بجے سے پہلے پہلے وسطی کمرہ اور ڈائس کی سب کرسیان پُر ہو گئی تھین۔ ٹھیک ۹ بجے جناب نواب سید نصیر حسین صاحب خیال (رئیس عظیم آباد پٹنہ) رونق افروز ہوئے اور پرجوش نعرہ ہائے آفرین کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ جلسے مین ہر صوبے کے معزز اصحاب شریک تھے جن مین سے خاص خاص اصحاب کے نام یہ ہین:- عالی جناب سر راجہ صاحب جہانگیر آباد۔ آنریبل مسٹر محمد علی جناح۔ آنریبل مسٹر مظہر الحق۔ سید نبی اللہ صاحب۔ آنریبل مسٹر یعقوب حسن سیٹھ۔ سیفی الدولہ نواب علی حسن خان صاحب۔ شیخ شاہ حسین صاحب۔ مولوی نظام الدین حسن صاحب۔ مسٹر مارگولیتھ (جو یورپ کے مشہور عالم ہین اور آجکل ہندوستان کی سیاحت کر رہے ہین) آنریبل نواب۔ نواب علی چودھری صاحب۔ نواب آغا محمد شفیع خان صاحب۔ آنریبل میان فضل حسین صاحب۔ نواب سلطان علی خان صاحب۔ منشی احتشام علی صاحب۔ آنریبل مسٹر فضل الحق۔ مولانا آزاد سبحانی۔

پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب۔ مسٹر ممتاز حسین۔ حاجی سہی خان صاحب۔ نواب فتح علی خان صاحب قزلباش۔ سید حبیب اللہ صاحب مسز نائیڈو (انگریزی زبان کی شہرہ شاعرہ) وغیرہ۔

سب سے پہلے عالی جناب نواب ذو القدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لا صدر مجلس استقبالیہ نے اپنی نہایت ہی فصیح و بلیغ تقریر صدارت پڑھی جس کے مطبوعہ نسخے تمام حاضرین کو تقسیم کر دیے گئے تھے اور جو العصر کے اس نمبر میں تمام و کمال شائع کی جاتی ہے۔ اس خطبے میں خیر مقدم اور بعض رسمی تذکروں کے علاوہ مختصراً ان متعدد مباحث پر ایک سرسری بحث کی گئی تھی جو زبان اُردو کی توسیع و ترقی کے لیے تمام اہل ملک کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ صدارتی خطبہ ایسی سلیس اور فصیح عبارت میں لکھا گیا ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جناب نواب صاحب نے ادب اُردو کا ایک نہایت ہی پاکیزہ نمونہ پیش کیا ہے جو محض اپنی ادبی خوبیوں کی بنا پر اس قابل ہے کہ تمام اُردو خواں اصحاب اس سے لطف اندوز ہوں۔

نواب ذو القدر جنگ بہادر کی تقریر کے خاتمہ پر سید نبی اللہ صاحب (ایم اے ایل ایل ایم بیرسٹر ایٹ لا) لکھنؤ نے ایک مختصر تقریر میں تحریک صدارت کی اور لکھنؤ کے مشہور شاعر مولانا سید علی نقی صاحب صفی نے حسب ذیل شعر میں جو فی البدیہہ موزوں کیا گیا تھا اس تحریک کی تائید کی ؎

صفی کل ہم زبانوں سے یہی کہنا ہے ۔۔۔ تہ دل سے میں اس تحریک کی تائید کرتا ہوں

جس کے بعد نواب نصیر حسین صاحب خیال نے (جن کی صدارت کا پہلے سے اعلان ہو چکا تھا) کرسی صدارت کو زینت بخشی اور ایک مختصر تقریر میں اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کر کے اپنا صدارتی خطبہ پڑھنا شروع فرمایا۔ یہ خطبہ اگرچہ نہایت طولانی ہے مگر زبان اُردو کی قدیم تاریخ کے متعلق قیمتی معلومات کا ایسے ایک قابل قدر ذخیرہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ حقیقت میں یہ رسمی خطبہ نہ تھا بلکہ اگر اسے زبان اُردو کی ایک مستقل تاریخ کہا جائے تو بیجا نہیں۔ یہ العصر کی آئندہ اشاعت سے اس خطبہ کو باقساط شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ کوشش تھی کہ اسی نمبر سے اس کی اشاعت ہوتی مگر چند وجوہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ نواب صاحب نے خود ایک نسخہ تصحیح فرما کر ہمیں ارسال کیا ہے جس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں یقین ہے کہ جو حضرات اس خطبہ کو بالاستیعاب مطالعہ فرمائیں گے وہ بہت محظوظ ہوں گے۔

خطبۂ صدارت کے بعد ہز ہائنس نواب صاحب رامپور کا حسب ذیل تار پڑھ کر سنایا گیا۔ جو اُنھوں نے اُردو کانفرنس کے صدر نشین کے نام روانہ فرمایا تھا:-

اُردو کانفرنس کے اغراض و مقاصد نہایت قابل تحسین ہیں اور مجھے اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی (یعنی صدر جلسہ کی) رہنمائی میں جو کارروائی اس کو کامیاب بنانے کے متعلق کی جائے گی وہ بہت پسند کی جائے گی میں کانفرنس کی کامیابی کا دل سے خواہاں ہوں۔

اس کے بعد حسب ذیل تجاویز منجانب صدر پیش ہوئیں جو بہ اتفاق آرا و بکمال جوش منظور ہوئیں۔

(الف) یہ کانفرنس سید علی محمد عارف یادگار جناب امیر مینائی مرحوم اور مشہور محب وطن پنڈت کشن نرائن در المتخلص بہ آبر اور نواب سید محمد صاحب آزاد رئیس کلکتہ اور آنریبل منشی پراگ نرائن بھارگو رائے بہادر کی وفات پر اپنے دلی رنج و ملال کا اظہار کرتی ہے کہ بزرگان موصوف قوم کے مایۂ فخر اور زبان اُردو کے محسن و سرپرست تھے۔

(ب) یہ کانفرنس اس بیش قرار عطیہ کا کمال احسان مندی کے ساتھ شکریہ ادا کرتی ہے جو حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی علم پرور اور دریا دل سرکار نے پانچ ہزار روپے سالانہ کی صورت میں انجمن ترقی اُردو کو دینا منظور فرمایا ہے۔ اس برمحل امداد نے درحقیقت انجمن کی بنیادیں مستحکم کر دیں اور کام کرنے والوں کی ہمتیں اور حوصلے بڑھا دیے ہیں۔

(ج) ہر ہائنس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے اُن احسانات عظیم کا جو ممدوحہ نے اُردو علم و ادب اور خاص کر انجمن ترقی اُردو پر کیے ہیں

اعتراف کرنا یہ کانفرنس اپنا فرض سمجھتی ہے۔ علاوہ ادیگران قدر عطیون کے سرکار عالیہ نے ایک معقول سالانہ رقم حال مین انجمن ترقی اُردو کے واسطے عطا کی ہے جس کا یہ جلسہ شکریہ ادا کرتا ہے اور اس ضمن مین جناب ممدوحہ کی تصانیف اُردو پر جو حضور کے علمی ذوق کی سب سے نمایان دلیل ہین نہایت مسرت کے ساتھ خراج تحسین پیش کرنے کی جرأت کرتی ہے۔

بعد ازان مولوی عبد الحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے مختصراً انجمن ترقی اُردو کی گذشتہ کیفیت اور موجودہ کارروائیون اور پیش نظر تجویزون پر تقریر کر کے شرکائے کانفرنس کو انجمن کے اغراض ومقاصد پر توجہ دلائی اور اس معنی خیز جملے کو نہایت موثر لفظون مین بیان کر کے کہ "چندہ مانگنے والا دنیا مین سب سے بُرا سمجھا جاتا ہے لہذا مین چندہ نہین مانگنا چاہتا" اپنی تقریر کو ختم فرمایا۔

پھر مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک نہایت ہی فصیح مدلل اور پُر اثر تقریر فرما کر حسب ذیل تجویز جلسہ کے سامنے پیش کی:—

اس جلسہ کی رائے مین نہایت ضروری ہے کہ زبان اُردو کا ایک مرکزی کتب خانہ وسیع پیمانے پر قائم کیا جائے اور اُس کے آغاز کرنے کے لیے کم سے کم دس ہزار روپیہ نقد اور مصارف دائرہ کے واسطے معقول سالانہ رقم کا انتظام کیا جائے۔ یہ کام ایک منتخب جماعت کے سپرد ہو جو اس وقت سے سرمایہ کی فراہمی اور پھر کسی مناسب مقام پر کتب خانہ قائم کرے

اس تجویز کی تائید مختصراً مولانا آزاد سبحانی صاحب پروفیسر مرزا محمد ہادی بی۔ اے رُسوا اور خواجہ امیر احمد صاحب انصاری نے فرمائی اور تحریک باتفاق رائے منظور ہوئی۔

اس دوران مین چونکہ گیارہ بج چکے تھے اور کانگریس کے آخری جلسہ کی شرکت کے واسطے حاضرین جلسہ مین سے بعض اصحاب اُٹھنے لگے تھے لہذا مزید کارروائی ملتوی رکھی گئی اور اجلاس اول ختم کر کے اعلان کر دیا گیا کہ اجلاس ثانی دوسرے دن شام کو ۲ بجے سے ہوگا۔

—————

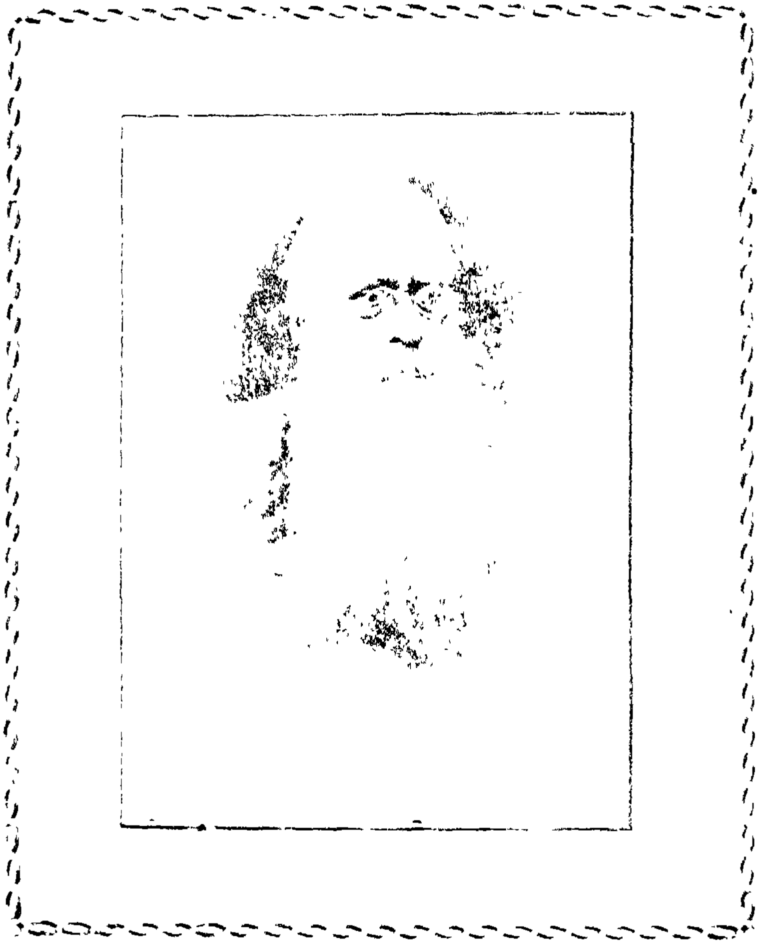
حسب قرار داد روز اول دوسرا اجلاس ٹھیک ۲ بجے شروع کر دیا گیا اس مجلس مین اگرچہ بعض وہ اصحاب شریک نہین تھے جو پہلے دن رونق افروز ہوے تھے لیکن مجمع پہلے دن سے بھی زیادہ تھا اور ہندو اصحاب کی تعداد اس مجمع مین یقیناً بڑھ گئی تھی۔ جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال کو ٦
تشریف لانے مین چونکہ کسی قدر توقف ہوا اس وجہ سے جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب کی صدارت مین کارروائی جلسہ شروع ہو گئی مگر دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ نواب صاحب تشریف لے آئے اور ان کی صدارت مین بقیہ کارروائی ہوتی رہی۔

پہلے انجمن ترقی اُردو کی شاخ بمبئی کے نمائندے مولوی حبیب الرحمن خان صاحب نے ایک تقریر کے ذریعے سے مندرجہ ذیل تحریک جلسے کے سامنے پیش کی:—

اُردو کانفرنس کا یہ اجلاس زور دیتا ہے کہ شہر احمد آباد کی جماعت تعلیم المعلمین اُردو (اُردو ٹریننگ کلاس) جو بمبئی گورنمنٹ نے تین سال سے بطور آزمائش جاری کی ہے آئندہ بہت جلد مستقل کر دی جائے۔

جس کی تائید جناب حاجی ریاض الدین صاحب نے فرمائی اور اپنی تقریر کے دوران مین حاجی صاحب نے مختصراً اُن کوششون کا بھی حوالہ دیا جو بمبئی مین اشاعت اُردو کے متعلق ہو رہی ہین۔

اسکے بعد جناب پروفیسر بی گھوشال صاحب ایم اے نے "ترقی زبان بذریعہ تراجم" پر اپنا قابل قدر مضمون پڑھنا شروع کیا جس مین اسلامی سلاطین کی علمی کوششون کا ایسی فیاضی کے ساتھ اعتراف کیا گیا تھا کہ ہر طرف سے اس بنگالی مسیحی مقرر کی انصاف پسندی اور رواداری پر تحسین و آفرین کی بارش ہو رہی تھی اور تمام اصحاب حتی کہ ہمارے محترم آنریبل مسٹر مظہر الحق



[illegible]

بھی اس بات پر سخت متحیر تھے کہ ایک بنگالی نژاد شخص کیونکر ایسی سلاست اور لہجے کی ملائمت کے ساتھ ایسا عالمانہ مضمون اُردو مین پڑھ سکتا ہے اور اسلامی علوم اور مسلمانون کی بینظیر علمی خدمات پر اس درجے کیسے حاوی ہو سکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ عموماً اس مضمون کو پڑھ کر اور خصوصاً پروفیسر صاحب کی زبان سے سُن کر کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ کسی غیر مسلم یا بنگالی شخص کا لکھا ہوا ہے۔ صاحب صدر جلسہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس مضمون کو وہ اپنے صرفہ سے طبع کرا کے ملک مین شایع فرمائین گے۔

اِس مضمون کے خاتمے پر خواجہ میر احمد صاحب انصاری بی اے نے ایک پُرزور اور مدلل تقریر کر کے حسب ذیل تحریک جلسے کے سامنے پیش کی:۔

"چونکہ اِس صوبے کی یونیورسٹی مین اہل ملک اور گورنمنٹ کی بار بار سفارش کے باوجود ابھی تک اِن صوبجات کی زبان کو کالج کے نصاب مین شامل نہین کیا گیا ہے، لہذا یہ جلسہ گورنمنٹ اور الہ آباد یونیورسٹی سے باصرار درخواست کرتا ہے کہ کالج کے نصاب مین اُردو کو ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے داخل کیا جائے۔"

تحریک مندرجۂ بالا کی تائید جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب بی اے (المتخلص بہ رسوا) نے نہایت دلچسپ تقریر کے ذریعے سے فرمائی جسمین اُنھون نے اِس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ یونیورسٹی کے امتحانات مین السنہ مشرقیہ کے جو پرچے ہوتے ہین اُن مین یہ ہدایت ہوتی ہے کہ ترجمے یا جواب مضمون انگریزی مین لکھے جائین، اور چونکہ مشرقی ادب کو انگریزی لباس پہنانا دشوار بلکہ محال ہے (یہان اُنھون نے فارسی سے انگریزی ترجمون کی بعض نہایت پُرلطف مثالین بیان کین جنھین سُن کر لوگ خوب ہنسے) اس وجہ سے یونیورسٹی کی اس ہدایت کا نتیجہ اول تو یہ ہوتا ہے کہ مشرقی علم ادب مین اُن طلبہ کو کوئی معقول دستگاہ نہین ہونے پاتی۔ دوسرے اُن کی ذہنی ترقی پر بوجہ اس کے کہ اس ذریعہ سے سمجھ کر یاد کرنے کے بجاے رٹنے کی ضرورت زیادہ ہو جاتی ہے نہایت خراب اور مضر اثر پڑتا ہے۔ مرزا صاحب موصوف کی پہلے یہ خواہش تھی کہ کانفرنس کی طرف سے جو رزولیوشن پیش ہو وہ صرف اسی ایک پہلو پر یونیورسٹی کو توجہ دلائے، مگر خواجہ امیر احمد صاحب کا رزولیوشن چونکہ زیادہ جامع تھا اس لیے اُنھون نے اسی کی تائید کے سلسلے مین اپنے خیالات کو بوضاحت ظاہر کرنے کے لیے موقع نکال لیا۔

ہان یہ تو لکھنے سے رہ ہی گیا کہ دوسرے جلسے کی کارروائی شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد کا مندرجۂ ذیل تار پڑھ کر سنایا گیا جو موصوف نے اپنے نظر بندی خانے (واقع رانچی) سے صدر اُردو کانفرنس کے نام بھیجا تھا:۔

مین تہ دل سے اس پہلی آزاد مجلس کو مبارکباد کہتا ہون جو قومی زبان کی ترقی کے لیے منعقد ہوئی ہے، اور خدا سے دعا کرتا ہون کہ وہ کانفرنس کے عزائم، رجحان کار، اور طریق عمل مین رفعت و وسعت فرمائے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے ایک بیش قیمت مضمون لکھا تھا جسکی سُرخی تھی "ہندو دون کا تعلق زبان اُردو سے"۔ صاحب موصوف نے جلسہ مین تقسیم کرنے کی غرض سے اس کو چھپوا بھی لیا تھا۔ اب مولانا نے اپنا پُرمغز مضمون پڑھنا شروع کیا، مگر صاحب موصوف کی آواز سارے مجمع تک نہین پہنچ سکتی تھی، لوگون کی خواہش ہوئی کہ مولانا کے بجاے کوئی دوسرے صاحب اسے پڑھین، چنانچہ جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے (سکرٹری انجمن ترقی اُردو) نے اس خدمت کو انجام دیا۔ افسوس ہے کہ وقت کم تھا اور ابھی کئی تحریکات باقی تھین اس وجہ سے مضمون تمام و کمال نہین [redacted] العصر کی موجودہ اشاعت مین یہ مضمون

بھی تمام وکمال شائع کیا جاتا ہو

ختم مضمون پر ایک صاحب نے جو غالباً فرنگی محل کے مدرسہ سے تعلق رکھتے ہین یہ اعلان کیا کہ مشہور شاعر مولانا آرضا فرنگی محلی نے اپنے دیوان کے پچاس نسخے انجمن ترقی اُردو کو عنایت فرمائے ہین۔

اسکے بعد مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے ایک مختصر تقریر کے ذریعہ سے حسب ذیل رزولیوشن جلسہ کی منظوری کے لیے پیش کیا۔

"یہ کانفرنس اُردو انسائیکلوپیڈیا تیار کیے جانے کی اُس تحریک کو جو لکھنؤ کے بعض ذی علم حضرات نے شروع کی ہو بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور تمام اہل وطن کو توجہ دلاتی ہو کہ وہ اس کار عظیم مین جہان تک ممکن ہو سعی و امداد کرین۔"

سید سجاد حیدر صاحب (پرائیوٹ سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد) اور سید سلیمان صاحب (جانشین علامہ شبلی) نے مختصراً اس رزولیوشن کی تائید فرمائی۔

یہ رزولیوشن ختم ہوا تو جناب سید سجاد حیدر صاحب (ایلدرم) نے حسب ذیل تحریک پیش کی:۔

یہ کانفرنس ترقی و اشاعت اُردو کے لیے نہایت ضروری سمجھتی ہو کہ بتدریج ہماری کتابین اور اخبارات ٹائپ (سیسے کے حروف) مین چھاپے جائین اور لوگون کو ٹائپ سے مانوس کیا جائے۔

سید صاحب موصوف جو ماشاءاللہ تعلیم جدید کے خوش ترین ثمرات مین سے ہین اور مغربی تہذیب و لوازم تہذیب کے دل شیفتہ ہیں اُنکی طرف سے اس قسم کی تجویز کا پیش ہونا چندان مضائقہ نہ رکھتا تھا مگر ستم یہ ہوا کہ انجمن ترقی اُردو کے لائق سکرٹری بھی اُن کے ہم آہنگ ہوگئے جنھین اب اُردو کتابون کے چھپوانے کا تلخ تجربہ ہوتا رہتا ہو اور اُنھون نے اُردو زبان کی اشاعت عام کے لیے اس کی ضرورت جتا کر اس تحریک کی تائید فرمائی۔ سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم نے اُن تجربات کی بنا پر جو لیتھو پریس کے متعلق اُنھین ایک اخبار نویس کی حیثیت مین اتنی مدت سے حاصل ہوئے ہین، اور نیز اُن عملی دشواریون کے سبب سے جن کا ہمدرد مرحوم کے سلسلہ مین اُن کو اور مسٹر محمد علی مالک و ایڈیٹر ہمدرد کو سامنا کرنا پڑا، اس تحریک کی مخالفت کی اور اِس مخالفت کی تائید مسٹر ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر نے کی۔

یہ مسئلہ حقیقتاً اسقدر اہم اور اتنے پہلو رکھتا ہو کہ اس قسم کی کانفرنسون مین اس کا پیش ہونا کچھ مفید نہین ہو سکتا کیونکہ اسمین ضرورت تھی اُن لوگون کی رایون کی جنھون نے سنگی چھاپہ اور ٹائپ کے چھاپون کے متعلق کافی تجربات حاصل کیے اور اس مسئلہ پر بحیثیت ایک ماہر فن کے غور کیا ہو جنھون نے خط نستعلیق کے محاسن و معائب پر اور اُس ایک بدنما خط سے بدلنے کے مفاد و مضرت پر گہری نظر ڈالی ہو جنھون نے اُس اثر کا صحیح اندازہ کرنے کی کوشش کی ہو جو مختلف قسم کے حروف کے مطالعہ سے انسان کی قوت باصرہ پر پڑتا ہو، اور جنھون نے اس مسئلہ کی تحقیق پر اپنے وقت عزیز کا کوئی گران قدر حصہ صرف کیا ہو کہ ٹائپ کے رواج سے اُن ملکون کو کیا اقتصادی منافع حاصل ہوے جن مین اُردو کی ہم مشرب و ہمرنگ زبانین رائج ہین۔

اس تحریک پر بہت سے اصحاب بحث کرنے کو تیار رہتے مگر وقت کہان تھا کہ کسی کی کچھ سُنی جاتی۔ لہذا بالآخر یہ طے کیا گیا کہ سردست اس مسئلہ کو ملتوی کیا جائے اور کسی اور موقع جلسے پر اس کی بحث اُٹھائی جائے۔

اُس کے بعد سید جالب نے حسب ذیل تحریک پیش کی:۔

یہ جلسہ قرار دیتا ہو کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان کی حیثیت مین زبان اُردو کی ترقی و تقویت کا کام تمام فرقہ ہاے آبادی کی اعانت سے سرانجام دینے کے قابل بنانے کے لیے انجمن ترقی اُردو کو جس پیمانہ تک وسعت دینے کی ضرورت ہو اُس کی تدابیر سوچنے اور عمل مین لانے کے لیے چند

مقتدر اصحاب کی ایک کمیٹی مامور کی جائے اور اس کو حسب ضرورت اپنی طاقت مین اضافہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔

پنڈت کشن پرشاد کول بی اے ایڈیٹر ہندوستانی نے اسکی تائید کرتے ہوے یہ صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ ہندوؤن سے اس بات کی توقع رکھنا نامناسب ہوگا کہ وہ انجمن ترقی اُردو مین اُسوقت تک پوری دلچسپی ظاہر کرین گے جب تک کہ وہ مسلمانون کی تعلیمی کانفرنس کا ایک شعبہ بنی ہوئی ہے - اور ہندوؤن کا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کیونکہ مسلمانون سے کون توقع رکھتا ہے کہ وہ ہندو سبھا کے کسی شعبے مین کبھی کوئی دلچسپی لے سکین گے۔

یہ تحریک بہ اتفاق رائے منظور ہوئی' اور رومین یہ بھی طے پاگیا کہ پنڈت کشن پرشاد کول ایڈیٹر ہندوستانی اس کمیٹی کے سکرٹری مقرر ہون

اس موقع پر کلکتہ کے ایک بزرگ نے جن کا نام نامی غالباً ملا صالح داؤد ہے اہل کلکتہ کی طرف سے کانفرنس کو آئندہ سال کلکتہ مین اجلاس کرنے کی دعوت دی۔ اُس کے بعد جناب مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے صاحب صدر جلسہ اور دیگر مہمانان کانفرنس کا شکریہ مناسب الفاظ مین ادا کیا اور جناب صدر نے آخری الفاظ مین یہ توقع ظاہر کی کہ آئندہ سال جب پھر اُردو کانفرنس کا انعقاد ہوگا تو ہم اس وقت سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکین گے۔

اب کہ ۹½ بج چکے تھے، صاحب صدر نے جلسہ کو برخاست کیا۔ اسکے بعد بعض اصحاب کی خواہش کی بنا پر تحریک کی گئی کہ بزم مشاعرہ قائم ہو چنانچہ بہ اتفاق مرزا محمد ہادی صاحب رسوا اس جلسہ کے صدر منتخب ہوئے۔ بزم مشاعرہ مین سب سے پہلے مولانا صفی نے اپنی وہ نظم سنائی جو فی الحقیقت اُنھون نے اُردو کانفرنس مین پڑھنے کے لیے لکھی تھی جسکا بوجہ قلت وقت منتظمین کانفرنس دوران اجلاس مین نہ دے سکے۔ اُس کے بعد مسٹر اطہر علی آزاد نے اپنی نظم "برق" کے چند بند سنائے۔ چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اور لوگ کھانا کھا کر نہین آسکے تھے، اس لیے بزم مشاعرہ جلد ختم کر دی گئی۔

اُردو پریس کانفرنس

یہ ثابت کرنے کے لیے کسی طویل بحث کی حاجت نہین کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو کے پریس کو اپنی تقویت و اصلاح کے لیے اپنے صیغہ کی ایک مستقل انجمن اور سالانہ جلسہ شوریٰ کی ضرورت ہے اور جبتک اپنے مشترکہ فوائد کی حفاظت مین وہ اس قسم کے اتحاد عمل کی صورت نہ پیدا کرے گا' اُن جلیل القدر فرائض کی ادائگی سے جو اہل ہند کی اصلاح و ترقی کے متعلق اُس پر عائد ہین ہرگز عہدہ برآنہ ہوسکے گا۔ اس لیے ملکی پریس کی کانفرنس درحقیقت ایک نہایت اہم ملکی تحریک ہے۔ جس سے ہندوستانی پبلک کو پوری دلچسپی لینی چاہیئے۔ اور محبان وطن کو حتی الامکان اس کی ترقی و کامیابی مین مدد دینی چاہیئے۔ وہ لوگ بڑے تنگ خیال و ناعاقبت اندیش ہین جو صرف ذاتی کدورتون یا شخصی کاوشون کی بنا پر ایسی ضروری تحریک کی وقعت گھٹائین یا اُسکی کامیابی کے راستہ مین رکاوٹین پیدا کرین۔ بہرحال اُردو پریس کانفرنس کا پہلا اجلاس جیسا بھی منعقد ہوا وہ یقیناً بہت کچھ ہمت افزا ہے' اور صرف کوئی ایسا مغرور و خود پرست شخص ہی اس کی وقعت گھٹانی چاہے گا جو تنگدلی کے باعث اپنے بھائیون کی کوششون مین مدد نہ پہنچائے' اور پھر اُن کی کوششون کو جو وہ ساری جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے کرتے ہین محض اس بنا پر نظر حقارت دیکھے کہ وہ خود انمین شریک نہ تھا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُردو پریس مین ایسے اشخاص کی تعداد بہت کم ہے اور تمام اراکین کی متفقہ سعی و کوشش جب مخلصانہ طریق پر عمل مین آئیگی تو انشاء اللہ اُن کی مخالفت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

اس کانفرنس کا پہلا اجلاس حسب قرارداد ۳۱- دسمبر کی شب کو گنگا پرشاد ورما لائبریری (نظیر آباد لکھنؤ) مین بصدارت منشی رام چھپال سنگھ

صاحب شیدا دہلوی ایڈیٹر "ہندوستان" لاہور منعقد ہوا۔ اور بنگال صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ، دہلی، پنجاب اور بمبئی کے اُردو اخبارات و رسالجات کے تقریباً ۵۰ قایم مقاموں نے اس میں حصّہ لیا اور تقریباً ۲۵ اُردو اخبارات و رسائل کے ایڈیٹروں نے ہر حصّۂ ملک سے تار و خطوط بھیج کر بوجہ ناگزیر شرکت سے مجبوری اور مقاصد کانفرنس کے ساتھ اپنی موافقت کا اظہار کیا۔ مسٹر موڈی سکرٹری انڈین پریس ایسوسی ایشن بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اول پنڈت کشن پرشاد کول صاحب ایڈیٹر ہندوستانی نے ایک تقریر میں عارضی کمیٹی لکھنؤ کی طرف سے بیرونی ڈیلیگیشنوں کا خیر مقدم کیا اور اُردو پریس کے لیے ایک کانفرنس کی ضرورت جتائی۔ پھر سید جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے اپنی تقریر میں موجودہ کانفرنس کے قیام اور عارضی کمیٹی لکھنؤ کی کارروائیوں کا بالاختصار ذکر کیا اور آخر میں مسٹر شیدا ایڈیٹر ہندوستان لاہور کے لیے صدارت کانفرنس کی تحریک پیش کی جو باتفاق آرا پاس ہوئی اور شیدا صاحب نے کرسی صدارت پر تشریف لا کر اپنا اڈریس پڑھا جو اگرچہ بہت تنگ وقت میں تیار کیا گیا تھا لیکن ادبی پہلو سے نہایت دلچسپ تھا اور اُردو پریس کی زار و نزار حالت پر توجہ دلاتے ہوئے اراکین پریس میں اتحاد عمل و امداد باہمی کی ضرورت جتاتا اور اُردو پریس ایسوسی ایشن کے لیے کئی مفید تجاویز پیش کرتا تھا ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ نمبر میں اس تقریر کو تمام و کمال درج کر سکیں۔ تقریر صدارت کے بعد حسب ذیل رزولیوشن باتفاق آرا پاس ہوئے :-

(۱) اس جلسے کے حاضرین جنمیں ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو کے متعدد اخبارات و رسالجات کے ایڈیٹران شامل ہیں جو مختلف فرقوں اور جماعتوں کے حقوق و فوائد کی نیابت و حفاظت کرنے والے ہیں اسکی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ اُردو پریس کے فوائد کی حفاظت کے لیے ایک اُردو پریس ایسوسی ایشن قائم کی جائے جسکا صدر مقام فی الحال لکھنؤ ہو جلسے کے تمام شرکا اس ایسوسی ایشن کی ممبری قبول کرتے ہیں۔ اور اپنی تعداد میں اضافہ کا اختیار رکھتے ہیں۔

محرک: سید جالب ایڈیٹر ہمدم مؤید: مسٹر شفاعت علی۔

(۲) اُردو پریس ایسوسی ایشن کا مقصد یہ ہوگا کہ ہندوستان کے اُردو پریس کو بذریعہ تمام آئینی وسائل کے جبریہ قوانین اور اُن کے عملدرآمد کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھے۔ اور قانون سازی کے اُردو پریس کی جائز آزادیوں میں رخنہ ڈالنے اور احکام انتظامی کے اخبار نویسوں و وقائع نگاروں اور اراکین پریس کے جائز کام میں خلل انداز ہونے سے اُن کی حفاظت کرے۔

محرک: مسٹر نذیر احمد علیگ ایڈیٹر سادات۔ مؤید منشی محمد صدیق حسن ایڈیٹر المورخ

(۳) اس انجمن کی ایک انتظامی کونسل ہوگی جسمیں مندرجہ ذیل عہدہ دار ہوں گے:

(۱) پریسیڈنٹ (۲) وائس پریسیڈنٹ ۲- (۳) سکرٹری ایک (۴) جوائنٹ سکرٹری ایک اور خزانچی ایک اور ہر صوبے سے مندرجہ ذیل تعداد اراکین لی جائے گی۔

پنجاب ۴۔ صوبہ متحدہ ۸۔ بہار ۲۔ بنگال ۲۔ بمبئی ۳۔ صوبہ دہلی و صوبۂ سرحدی۔ اجمیر و ممالک متوسط ایک ایک۔

محرک: منشی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ۔ مؤید سید حبیب الحسن صاحب ایڈیٹر شیعہ کالج نیوز

(۴) اراکین کونسل کی ایک کمیٹی انجمن و کونسل کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کی غرض سے بنائی جائے جو بعد ترتیب قواعد ممبران کونسل سے اگر ممکن ہو تو جلسہ طلب کر کے ورنہ بذریعۂ خط و کتابت منظوری لے اور بعد ازاں اُن کو چھپوا کر اراکین ایسوسی ایشن کو بھیجدے۔

محرک: قاری عباس حسین ایڈیٹر تمدن۔ مؤید پنڈت کشن پرشاد کول ایڈیٹر ہندوستانی۔

ترتیب قواعد وضوابط کی کمیٹی کے لیے حسب ذیل اصحاب منتخب ہوے۔
مولانا سید سلیمان صاحب ایڈیٹر معارف۔ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول
ایڈیٹر ہندوستانی۔ سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر ہمدم۔

(۵) اُردو پریس کانفرنس اس زمانہ مین جبکہ ایک مہیب عالمگیر جنگ
تین براعظمون مین برپا ہے اور سلطنت برطانیہ اپنی تمام طاقت وکوشش
حق وآزادی کی حمایت و حفاظت کے لیے خرچ کر رہی ہے آج برطانیہ کے
ساتھ جس کے زیر سایہ بہت سی اقوام جملہ حصص دنیا مین آزادی و آسائش
کی زندگی بسر کر رہی ہین اپنی گہری عقیدتمندی اور وفاداری کا اظہار
کرتی ہے اور اس ہولناک جنگ کو فتحمندانہ نتیجہ تک پہنچانے کے لیے اُردو
پریس کے ہر قسم کی امداد پر آمادہ ہونے کا یقین دلاتی ہے۔

تحریک منجانب صدارت۔

(۶) اُردو پریس کانفرنس قانون مطابع کی غیر آئینی نوعیت اور
اُس کی قطعاً غیر ضروری سخت گیریون کے خلاف اُردو اخبارات کے نمایندون
کے متفقہ محسوسات کا اظہار کرتی ہے اور حکومت کو باصرار تمام اس حقیقت
پر توجہ دلاتی ہے کہ موجودہ حالات مین قانون مطابع نہ صرف
غیر ضروری بلکہ حکومت و رعایا دونون کے لیے ازحد مضرت رسان ہے اور
اس کا جلد سے جلد منسوخ کیا جانا اہل ہند کی آیندہ ترقی اور نیز حکومت
کے مفاد کے لیے ازبس ضروری و لازمی ہے۔

محرک:۔ قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر صداقت کلکتہ۔ موید:۔ مسٹر
بانکے دیال ایڈیٹر جھنگ سیال لاہور۔

(۷)۔ الف۔ اُردو پریس کانفرنس کے اس جلسہ کی راے مین
اُردو پریس ایسوسی ایشن کو اخبارات کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک
مستقل سرمایہ قائم کرنا چاہیے جسکی فراہمی کے لیے تین صورتین اختیار کی
جائین۔ (۱) ایسوسی ایشن کی کل آمدنی کا دس فیصدی مستقل طور پر اسی
سرمایہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے (۲) ہر ممبر چندۂ ممبری کے علاوہ کوئی
رقم عطیہ کے طور پر اسی مد مین دیا کرے۔ (۳) تمام ان مقتدر و متمول
اصحاب سے جو اُردو اخبارات کی موجودہ حالت سے ہمدردی رکھتے ہین
حسب ضرورت مالی اعانت کی درخواست کی جائے۔

(ب) اس سرمایہ کو ایسوسی ایشن کے مقاصد کی کامیابی کے لیے
صرف کیا جائے اور اخبارات کے حقوق کی حفاظت کے لیے ملک مین تقریرون
اور تحریرون کے ذریعہ سے اس تحریک کو پھیلایا جائے۔

(ج) اس سرمایہ کے متعلق ضروری قواعد وضوابط بنانا بھی اسی کمیٹی
کے سپرد کیا جائے جو پریس ایسوسی ایشن کے قواعد مرتب کریگی اور بعد منظوری
کونسل اُنکو ایسوسی ایشن کے قواعد و ضوابط مین شامل کر دیا جائے۔

محرک:۔ چودھری غلام حیدر صاحب۔ موید:۔ سید ظفر احسن صاحب
قائم مقام رسالہ نظام المشائخ دہلی۔

(۸) اس کانفرنس کی یہ راے ہے کہ تمام اردو اخبارات اس بات کی
کوشش کرین کہ ایسے معاملات مین جن کا تعلق اُردو اخبارات یا مطابع
سے ہو خواہ بہ اغراض حفاظت حقوق خواہ بضرورت مدافعت باہم گر امداد
کرین۔ اور جہان تک پریس کا تعلق ہے بغیر ایسوسی ایشن کی اطلاع یا
مشاورت کے ایسی کوئی کارروائی نہ کرین جسکا اثر دوسرے کسی اخبار پر
مترشح ہوتا ہو۔ اور جہان کوئی ایسا مناقشہ پیدا ہو وہان اس ایسوسی ایشن
کے ذریعہ سے صفائی و مبادلۂ خیالات کیا جائے۔

محرک:۔ نواب عبید اللہ خان صاحب ایڈیٹر اسلامک میل بمبئی۔ موید: مولوی
صبغۃ اللہ صاحب شہید ایڈیٹر النظامیہ۔

(۹) اُردو پریس کانفرنس کا یہ جلسہ گورنمنٹ سے استدعا کرتا ہے
کہ اُردو پریس کو ہندوستان کی پبلک کا نمایندہ و ترجمان ہونے کی حیثیت سے
سرکاری کاغذات اور رپورٹون کی بہمرسانی و سرکاری اشتہارات کی اشاعت
اور دیگر معاملات کے متعلق اُن جملہ سہولتون اور رعایتون کا مستحق سمجھا جائے
جو عموماً اینگلو انڈین اخبارات کو اس وقت حاصل ہین۔

محرک:۔ سید جالب دہلوی ایڈیٹر روزانہ ہمدم مؤید:۔ شاکر ایڈیٹر العصر

(۱۰) اُردو پریس کانفرنس کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ اُردو پریس ایسوسی ایشن کی طرف سے اسوقت کم از کم تین قائم مقام انڈین پریس ایسوسی ایشن میں شرکت کے لیے بھیجے جائیں۔ اور فی الحال ایسے اشخاص اِس غرض سے منتخب کیے جائیں جو انڈین ایسوسی ایشن کا مقررہ چندہ ادا کر کے شرکت کے لیے تیار ہوں۔

محرک:۔ حاجی ریاض الدین احمد بریلوی قائم مقام اخبار مفید روزگار بمبئی

مؤید:۔ مولوی کرم اللہ خان صاحب ایڈیٹر الندوہ۔

(۱۱) اُردو پریس کانفرنس آنریبل منشی پراگ نرائن صاحب بھارگو رائے بہادر کی بوقت موت پر اپنے دلی رنج وملال کا اظہار کرتی ہے مرحوم صرف زبان اُردو کے محسن و سرپرست ہی نہ تھے بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے اُردو مطبع اور صوبہ ہذا کے سب سے پرانے روزانہ اردو اخبار اودھ اخبار کے مالک تھے یہ کانفرنس اُس نقصان کو بھی محسوس کرتی ہے جو آپکی وفات سے نہ صرف ہماری جماعت کو بلکہ ملک و قوم کو پہنچا ہے۔

محرک:۔ شاکر ایڈیٹر العصر۔ مؤید:۔ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول بی اے ایڈیٹر ہندوستانی۔

مندرجۂ ذیل اصحاب اُردو پریس ایسوسی ایشن کی طرف سے انڈین ایسوسی ایشن کی ممبری کے لیے منتخب کیے گئے:۔ قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر صداقت۔ جناب شیدا دہلوی ایڈیٹر ہندوستان لاہور۔ پنڈت کشن پرشاد کول ایڈیٹر ہندوستانی۔ سید جالب دہلوی۔ ایڈیٹر ہمدم اور رزولیوشن نمبر ۹ متعلقہ کونسل کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل عہدہ دار و اراکین کونسل منتخب ہوئے۔

پریسیڈنٹ قاضی عبدالغفار ایڈیٹر صداقت کلکتہ۔ وائس پریسیڈنٹان جناب شیدا دہلوی ایڈیٹر ہندوستان لاہور۔ سید جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم سکریٹری پنڈت کشن پرشاد کول ایڈیٹر ہندوستانی۔ جوائنٹ سکریٹری شاکر ایڈیٹر العصر۔ خزانچی مولوی اکرام اللہ خانصاحب ایڈیٹر الندوہ لکھنؤ

اراکین کونسل

پنجاب:۔ ایڈیٹران ہندوستان۔ میونسپل گزٹ جھنگ سیال پنجاب کسان۔ وکیل۔ العصر۔ ستارہ صبح۔

صوبجات متحدہ:۔ مساوات۔ ہندوستانی۔ نئی روشنی۔ ہمدم۔ اودھ اخبار دلگداز۔ البریہ۔ نیر اعظم۔

بنگال:۔ صداقت۔

بمبئی:۔ اسلامک میل۔ مفید روزگار۔

اجمیر:۔ صبح کل۔

دہلی:۔ دہلی گزٹ۔

آخر میں سید جالب صاحب نے ایک مختصر تقریر میں حاضرین کو نیا ایسوسی ایشن پر مبارکباد دیتے ہوئے سرگرمی سے کام کرنے اور باہم اتفاق و اتحاد قائم رکھنے پر توجہ دلائی اور صدر کے شکریہ پر جلسہ ۲ بجے شب کے برخاست ہوا بعد میں پتہ لگا کہ تعداد اصحاب جو شرکت پریس کانفرنس کا ارادہ رکھتے تھے اجلاس مسلم لیگ کی خلاف توقع طوالت کے باعث نہ آسکے۔

آل انڈیا پریس ایسوسی ایشن

آل انڈیا پریس ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس ۲۸ دسمبر کی شام کو بوجہ دیگر مصروفیتوں کے ملتوی ہونے کے بعد ۲۹ دسمبر کو چھ بجے شام کے کانگریس کے پنڈال میں مسٹر ہارنیمن ایڈیٹر بمبئی کرانیکل پریسیڈنٹ انڈین پریس ایسوسی ایشن کی صدارت سے منعقد کیا گیا چونکہ کانگریس کی سبجکٹ کمیٹی کا اجلاس اسوقت تک ختم نہیں ہوا تھا اس لیے بہت سے اراکین پریس ایسوسی ایشن میں شمولیت کا موقع نپا سکے تاہم ہر حصۂ ملک کے صاحبان اخبار و مطابع کی ایک معقول تعداد جلسہ میں شامل ہوئی

...مسٹر ہارنیمین کی سالانہ رپورٹ سنانے کے بعد اُسکو پاس کیا گیا۔ ...رپورٹ نسبتہً مختصر تھی اور اُس سے یہ معلوم کر کے افسوس ہوتا تھا کہ ...ہندوستان کے اراکین پریس قوانین کی سختی اور دیگر مشکلات کے شاکی ...ہونے کے باوجود اپنی ایسوسی ایشن کے کام مین دلچسپی نہین لیتے اور بعض صاحب کے ذمہ موعودہ عطایا چندہ کی بقایا چار سو روپیے سے زائد موجود ہی۔ ہندوستان کے اخبارون کو اکثر نادہند خریدارون کی شکایت رہتی ہی لیکن جب خود اہل اخبار اپنی ایسوسی ایشن کے متعلق نادہندی کی افسوسناک مثال قائم کرتے ہین تو اُن کی شکایت کا بیباک پر کیا اثر ہوسکتا ہی۔ بہرحال حاضرین جلسہ نے پریس ایسوسی ایشن کا کام زیادہ سرگرمی سے کیے جانے کی ضرورت جتائی اور صوبجات مین ماتحت ایسوسی ایشنین قائم کرنے اور اراکین پریس کو ممبر بنانے کے لیے مرکزی انجمن کی طرف سے کسی عہدہ دار کے دورہ کرنے کی تجویز ہوئی۔ بعد مین نئے سال کے لیے عہدہ دارون کا انتخاب عمل مین آیا اور مسٹر ہارنیمین دوبارہ پریسیڈنٹ اور مسٹر موڈی سکرٹری منتخب کیے گئے اسکے ساتھ ہی کونسل کے اراکین کا بھی انتخاب ہوا اور بنگال صوبجات متحدہ پنجاب بمبئی و مدراس کی طرف سے چھ چھ اور ممالک متوسط کی طرف سے تین صاحب منتخب کیے گئے۔ بہار کے لیے فی الحال صرف مسٹر سچیدانند سنہا ایڈیٹر ہندوستان ریویو کا انتخاب ہوا اور دیگر اراکین کا انتخاب ملتوی رکھا گیا۔ آخر مین ویسرائے کی خدمت مین جانے والے وفد کا ذکر آیا

سید جالب ایڈیٹر ہمدم۔ مسٹر کشن پرشاد کول ایڈیٹر ہندوستانی نے اُردو پریس کانفرنس کے آیندہ اجلاس لکھنؤ کے لیے جو ۳۰ دسمبر کی شام کو دفتر ہندوستانی مین منعقد ہونے والا تھا مسٹر ہارنیمین و مسٹر موڈی پریسیڈنٹ و سکرٹری مرکزی انڈین پریس ایسوسی ایشن کو دعوت دی اور اُنھون نے مہربانی سے شرکت کا وعدہ فرمایا پھر صدر کے شکریہ پر جلسہ ۵ بجے برخاست ہوا۔

انڈین انڈسٹریل کانفرنس

ملک کی حقیقی ضروریات اور باشندون کے اعلیٰ مفاد کو مدنظر رکھکر دیکھا جائے تو حرفتی کانفرنس کی اہمیت سیاسی و تمدنی مجالس سے کہین زیادہ ہی لیکن افسوس ہی کہ اس مرتبہ کانفرنس کو اسکے سالانہ سیشن لکھنؤ مین اول سے آخر تک چند در چند حادثات اسو اتفاقات کا سامنا رہا اور جس رونق و کامیابی کی امید تھی وہ حاصل نہونے پائی سب سے بڑا سانحہ روح فرسا جو حرفتی کانفرنس کی کامیابی مین یقیناً خلل انداز ہوا یہ تھا کہ لکھنؤ ہی کے نہین بلکہ صوبجات متحدہ کے سربرآوردہ حرفتی لیڈر اور انڈسٹریل کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے لائق صدر بابو گنگا پرشاد ورما ...نارائن عین اجلاس کانفرنس کے وقت یکایک کلکتہ مین انتقال فرما گئے اور بیرونی مہمانون کے خیر مقدم اور صوبہ اودھ کی حرفتی و کاروباری حیثیت کی تشریح کے متعلق جو قابلانہ تقریر اُنھون نے تیار کی تھی وہ اُنکی زبان سے ادا نہ ہوسکی اور اجلاس کانفرنس کو بارونق و کارآمد بنانے مین اُنکی زبردست شخصیت سے جن کوششون کی امید تھی وہ عمل مین نہ آنے پائین۔ دوسرے کانگرس کو حکومت خود اختیاری کے رزولیوشن کی بحث خلاف توقع طوالت پذیر ہوجانے کے باعث اپنی ایک زائد نشست ۳۰ دسمبر کو مقرر کرنی پڑی جس کی کارروائی بارہ بجے دوپہر کے قریب ختم ہوئی اور لوگ تین چار گھنٹہ برابر اجلاس کانگریس مین شریک رہنے کے بعد اسقدر تھک گئے کہ ۱½ بجے حرفتی کانفرنس کے اجلاس کی شرکت اُن کے لیے سخت دشوار ہوئی اور آل انڈیا مسلم لیگ کی پہلی نشست نے بھی جو ۲ بجے سے شروع ہونے والی تھی بہت سے ممتاز اشخاص کو اپنی طرف کھینچ لیا ایک اور سوء اتفاق یہ پیش آیا کہ آنریبل دیوان سیتاناتھ رائے صاحب پریسیڈنٹ انڈسٹریل کانفرنس کے مطبوعہ اڈریس کی بہت سی کاپیان ۲۹۔ دسمبر کی سہ پہر کو خدا جانے کس طرح کانگریس پنڈال کے باہر تقسیم کردی گئین اور اسطرح لوگون کو تقریر صدارت سننے کا کچھ اشتیاق

تی نہ رہا- خدا جانے یہ بے قاعدہ کارروائی کیون ہوئی اور تعجب ہو کہ دوسری طرف اخبارات کو ایڈریس پہلے سے بھیجکر اجلاس کے روز اسکی اشاعت کا موقع دینے پر توجہ نہین کی گئی اور پریسیڈنشل ایڈریس کا اردو ترجمہ شائع نہین کرایا گیا حالانکہ اسکی اشاعت ملکی زبان مین دیگر ایڈریسون سے کہین زیادہ ضروری تھی- اسیطرح کانفرنس کی سالانہ کارروائی کی رپورٹ بھی پہلے سے شائع نہین کی گئی جو ممبرون کو اُس پر غور کر کے سالانہ اجلاس مین کچھ مفید تجاویز پیش کرنے کا موقع ملتا چنانچہ مسٹر مہتا نے اس پر اعتراض کیا اور اجلاس مین اسکے متعلق خاص بحث ہوئی جس کے بعد گو رپورٹ منظور کر لی گئی لیکن امید ہے کہ آئندہ کے لیے کارکنان کانفرنس متنبہ ہو جائین گے- اجلاس نا وقت منعقد ہونے کے باعث کئی مفید و ضروری مضامین جو لائق صاحبان نے نہایت محنت سے لکھے تھے نہ پڑھے جا سکے- اور سر کیاشی بابو پراگ نرائن صاحب اور مسٹر جی سُبرامنی آئر آنجہانی کی وفات پر اظہار افسوس کیے جانے کے علاوہ صرف چار نئے رزولیوشن پاس ہوئے اور ایک رزولیوشن مین گذشتہ اجلاس حرفتی کانفرنس کے پچھلے رزولیوشنون کا نمبر ۳ سے نمبر ۱۳ تک سوائے نمبر ۷ و نمبر ۱۲ کے اعادہ کر دیا گیا ہے نئے رزولیوشنون مین پہلے کا جو سر وٹھل داس دامودر ٹھاکرسی نے پیش کیا اور مسٹر رنگا سوامی آئر کی طرف سے اس کی تائید ہوئی یہ مطلب تھا کہ ہندوستان کی جو ریلین ابھی تک سرکاری انتظام مین نہین ہین وہ بتدریج موقع ملنے پر لے لیجائین۔ دوسرے رزولیوشن کے ذریعہ سے اُن سوالات پر جو حرفتی کانفرنس سے پوچھے گئے ہین ایک یادداشت مرتب کرنے کے لیے جو ممبران کمیٹی مین مشتہر اور اسٹنڈنگ اجلاس کانفرنس مین منظور کیجائیگی پانچ صاحبان کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور آنریبل راجہ سیتا ناتھ رائے پریسیڈنٹ آنریبل مسٹر مدھولکر سکرٹری اور سر وٹھل داس دامودر ٹھاکرسی و آنریبل مسٹر منموہن داس رامجی و مسٹر ودیا ساگر پانڈیا ممبران قرار پائے- ایک اور رزولیوشن کے ذریعہ سے کانفرنس کے نظام اساسی پر ممبران کمیٹی کی رائین طلب کرنے کا وقت ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۱۶ع تک اور آخری مسودہ و رپورٹ شائع کرنے کا وقت ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ع تک قرار دیا گیا جس سے امید بندھتی ہے کہ نظام اساسی اگلے سالانہ اجلاس مین پیش اور منظور کیا جا سکے گا- آخری رزولیوشن مین نئے سال کے لیے کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے جو سکرٹریان کو مشورہ دیگی ایسے اصحاب صوبہ وار منتخب کیے گئے جو خود بڑی بڑی حرفتون کے مالک و مہتمم یا ملک کی حرفتی ضروریات سے واقف ہین آنریبل مسٹر مدھولکر و مسٹر منموہن داس رامجی اس کانفرنس کے جوائنٹ سکرٹریان اور مسٹر جے کے مہتا اسسٹنٹ سکرٹری منتخب ہوئے اور سکرٹریون کو اخراجات کے لیے ۵ ہزار روپیہ کی اپیل کرنے کا اختیار دیا گیا سب سے زیادہ مفید تجویز یہ پاس ہوئی کہ حرفتی کانفرنس کا صدر دفتر امراوتی کے دور افتادہ مقام کے بجائے بمبئی مین رکھا گیا جہان رہ کر وہ انشاء اللہ بہت سا مفید کام کر سکے گا اور خاص ماہرین کا مشورہ و امداد بھی اُسکو حاصل ہو سکے گی- اسمین کلام نہین کہ آنریبل مسٹر مدھولکر نے حرفتی کانفرنس کی ترقی و تقویت مین بہت کچھ قابل تحسین کام کیا ہے اور حرفتی ہندوستان اُن کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہین ہو سکتا لیکن اُنہی پر عالم ضعیفی مین سارے کام کا بار ڈالنا اور صرف اُنہی کی خاطر امراوتی مین کانفرنس کا صدر مقام رکھنا سراسر ناموزون تھا اور لکھنؤ کے اجلاس مین خواہ دوسرا کام کتنا ہی کم ہوا لیکن صدر مقام کی تبدیلی اور سکرٹری شپ مین دوسرے قابل و مستعد اصحاب کی شرکت سے ترقی کا ایک نیا باب کانفرنس کے لیے کھل گیا ہے-

تیئسوین آل انڈیا سوشل کانفرنس

۲۰ جنوری کو ۱۱ بجتے ہی لوگ جوق جوق پنڈال مین سوشل کانفرنس کی شرکت کے لیے آنے شروع ہو گئے- حسب رواج تحریک و تائید کے بعد بابو جوتی سروپ صاحب صدر جلسہ قرار پائے اس کے بعد پنڈت منوہر لال صاحب

زنشی نے اپنی مطبوعہ تحریر استقبالی کمیٹی کی جانب سے پڑھی جناب صدر نے نہایت مفصل خطبۂ صدارت پڑھا جس مین زیادہ تر ہندوؤن کے لیے معاشرتی اصلاحات کی تدابیر بتلائی گئی تھین آپنے فرمایا کہ سوشل کانفرنس کا کام مستقل طور پر ہونا چاہیئے اور اسکی پاس کردہ تجاویز پر عمل کرنے کے لیے ایک مجلس انتظامیہ قائم ہونی چاہیئے۔ زنانہ تعلیم پر آپنے بہت زور دیا لیکن وہ صرف گھریلو تعلیم کے حامی ہین یعنی کسب معاش کے لیے تعلیم دلانا نہین چاہتے۔ بسعر سنی کی شادی کے مضر اثرات پر ایک بسیط ریویو فرماکر آپ نے اسکے ترک کیے جانے کی خواہش کی۔ شادی بیوگان نہ کرنا بہت بڑی اخلاقی غلطی ہے جس کو جہانتک ہو سکے جلد ترک کر دینا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ پرانے زمانہ مین اسکی اجازت تھی چنانچہ ارجن نے امریکہ جاکر ایک بیوہ سے شادی کی تھی (خوب) اس قبیح رسم کی وجہ سے اسوقت ہندوستان مین ہر پانچ عورتون مین ایک بیوہ ہے۔ زمانہ قدیم مین ہندوستان مین پردہ کا قطعی رواج نہ تھا۔ چنانچہ سوئمبر (انتخاب شوہر) کی رسم اسکی شاہد ہے۔ ذات پات کا قطعی وجود نہ تھا بلکہ یہ جو چار فرقے (ورن) ہمارے یہان ہین اُنکی تفریق گُن (عمل) اور کرم (قسمت) کی بنا پر ہو۔ چھوت چھات کی پابندی آپ کے خیال مین ترقی کی راہ مین بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ راجسو یگ کی رسوم مین تمام ہندوستان ہی کیا بلکہ یورپ تک کے لوگ آکر شریک ہوتے تھے اور ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ شادی کے لیے ہمین مختلف ذاتون کیا بلکہ قومون سے اپنا جوڑا تلاش کرنا چاہیئے۔ آپ نے جہیز دینے اور بنگال اور بعض دیگر حصص ہند مین لڑکی کے والدین سے شادی کے قبل ایک رقم معین کر لینے کے رواج کی سخت مخالفت کی اور نعرہ ہائے تحسین کے شور مین بیٹھ گئے۔ اُسکے بعد کئی رزولیوشن پیش ہوئے جو حسب رواج تحریک و تائید کے بعد پاس کیے گئے۔ پردے کی مخالفت کا رزولیوشن مسز کمودنی بوس بی اے نے پیش کرتے ہوئے نہایت فصیح و بلیغ انگریزی

مین اُس کے بُرے نتائج پر بحث کی اور اُس کا سبب یہ بتلایا کہ اسلامی حکومت مین اُن لوگون کا دستور تھا کہ خوبصورت عورتون کو ہندوؤن سے چھین کر اپنے حرم مین داخل کر لیا کرتے تھے اور کچھ اُنکے اثرات کی وجہ سے ہندوؤن نے پردہ کی رسم کو اختیار کر لیا جو ہر طرح خلاف صحت ہے اسکی تائید مسز وشنو بی اے اور مسز برج لال نہرو نے کی عورتون کی تعلیم کے متعلق جو رزولیوشن تھا اس کو ہیمنت کماری چودھری بی اے نے پیش کیا اور مسز گوداوری نے اسکی تائید کی جلسہ مین اگرچہ محرکین کو صرف ۱۰ منٹ اور مویدین کو صرف ۵ منٹ کی اجازت دی گئی تھی مگر بعض اصحاب کی تقریرین اسقدر دلچسپ تھین کہ لوگون نے خود اُنکو اور موقع دلایا۔

بابو بچند پرشاد بوس پرنسپل شہتا وری پروفیسر سبرو نانیہ لا آئر مسٹر ہربرشاد سنگھ نے انگریزی مین اور بابو جوالا پرشاد صاحب نے اُردو مین اچھی اچھی تقریرین کین بعض اصحاب نے ہندی بولنے کی بے حد کوشش کی مگر صرف ۲ منٹ تک وہ غیر معروف الفاظ کے برتنے پر قادر رہے اور بعد مین پھر روزمرہ کی اُردو بولنے لگے چند اصحاب البتہ آخر تک اس کوشش مین کامیاب ہوئے گو زبان کی لکنت اور الفاظ سے بیگانگی خود اُن کے لب و لہجہ سے مترشح ہوتی تھی مگر ہم اپنے بھائیون کو اُن کی سعی کی داد دیتے ہین بیشک وہ جس بات کا ارادہ کر لیتے ہین اسپر استقلال سے عمل کرکے دکھلا بھی دیتے ہین، خواہ اُن کا روزمرہ اس زبان سے جسمین اُنھون نے تقریر کی کتنا ہی مختلف ہو مگر ہم اس امر کی تعریف کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ اُنھون نے ہندی کو اپنی زبان ثابت کرنے مین پورا پورا زور لگایا اور ایک حد تک اُسمین کامیاب بھی ہوگئے۔

انڈین نیشنل کانگرس

کانگرس کا یہ اجلاس ہر اعتبار سے بےنظیر تھا کیا بلحاظ حاضری اور کیا بلحاظ پریزیڈنشل ایڈریس اور کیا باعتبار دیگر تقریر کنندگان کی فصیح و

تقریروں اور ہندو مسلم اتحاد اور قومی جوش کے ایک قابل دید نظارہ تھا۔
کانگریس پنڈال ریلوے اسٹیشن سے تھوڑی دور پر بنایا گیا تھا۔ اسکے
گرد و نواح میں اور سڑک کے دونوں طرف بیشمار خیمے ڈیلیگیٹوں کی رہائش
کے لیے نصب تھے۔۔۔ ۲۶ والنٹیر ڈیلیگیٹوں کی آسائش اور جلسہ کے انتظام میں
مصروف تھے۔ استقبالیہ کمیٹی نے صرف ۹ ہزار نشستوں کا پنڈال میں
انتظام کیا یعنی حاضرین کی تعداد کا اس نے بالکل غلط اندازہ کیا تھا جسکا
نتیجہ یہ ہوا کہ تین روپیہ اور پانچ روپیہ والے وزیٹر ٹکٹ ۲۰ دسمبر کو ہی ختم ہوگئے
تھے اور دس روپیہ والے ۲۴ دسمبر کو۔ ۲۶ دسمبر کو کسی قیمت کا بھی ٹکٹ
ملنا محال تھا۔ لہذا ہزارہا آدمی کانگریس کا اجلاس دیکھنے سے محروم رہے
صبح دس بجے ہی سے پنڈال میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی بیشمار آدمیوں
کو کھڑا رہنا پڑا۔ پلیٹ فارم پر ممبران استقبالیہ کمیٹی اور سابق پریزیڈنٹان
و لیڈران کانگریس اور معزز مہمان متمکن تھے اور اسکے ایک طرف معزز
خواتین اور زنانہ ڈیلیگیٹ جن میں بنگال، بمبئی، مدراس کی تعلیم یافتہ
لیڈیز شامل تھیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اول روز کے اجلاس میں جسوقت
مسٹر موزمدار چند اراکین کانگریس کے ساتھ تشریف لائے تو کئی منٹوں تک
نعرہ ہائے چیئرز کا شور بلند رہا۔ مسٹر تلک، مسز اینی بیسنٹ اور آنریبل مسٹر
جناح، راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر گاندھی کی آمد پر بھی پرتپاک خیر مقدم ہوا
آنریبل پنڈت جگت نرائن پریزیڈنٹ استقبالیہ کمیٹی نے ڈیلیگیٹوں کا خیر مقدم
کرتے ہوئے قومی مسائل پر ریویو کیا۔ اسکے بعد آنریبل سریندر ناتھ بنرجی
کی تحریک اور آنریبل مسٹر مدھولکر اور مختلف صوبجات کے قائم مقاموں کی
تائید سے آنریبل مسٹر موزمدار صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ کانگریس کے خطبہ صدارت
کی ملک بھر میں تعریف ہوئی ہے۔ اس میں صاف الفاظ میں ہندوستانیوں
کی خواہشات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھا اور اعلیٰ درجہ
کی منطق سے کام لیا گیا ہے۔ فصاحت و بلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔
قبل ازیں کانگریس کے کسی جلاس میں ایسی تقریر نہیں ہوئی جس میں
سلف گورنمنٹ کے سوال پر اس تکمیل کے ساتھ ایسی بلاغت اور علمی اسپرٹ میں بحث
کی گئی ہو۔ دوسرے روز کے اجلاس میں اول روز سے بھی زیادہ اژدحام تھا جسوقت
مسلم لیگ کے صدر اور ارکان تشریف لائے تو حاضرین نے بڑا پرجوش خیر مقدم کیا۔
اسی روز سر جیمس مسٹن معہ لیڈی مسٹن صاحبہ تشریف لائے۔ تمام حاضرین نے نعرہ ہائے
چیئرز سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ہز آنر نے پریزیڈنٹ سے مصافحہ کیا اور انکے قریب
نشست اختیار کی۔ سر جیمس مسٹن کی موجودگی میں قانون اسلحہ کی منسوخی کا رزولیوشن
پیش ہوا اور اس پر بڑی موثر تقریریں ہوئیں۔ مسٹر دوارکا ناتھ ڈیلیگیٹ بہار کی اردو تقریر
جو ظرافت کا پہلو لیے ہوئے تھی نہایت دلچسپ تھی۔ قانون پریس کی منسوخی کا رزولیوشن
بھی اسی روز پیش ہوا اور اسکے متعلق مسٹر ہارنیمن ایڈیٹر بمبئی کرانیکل نے زبردست
تقریر کی۔

۲۹ دسمبر کا اجلاس کانگریس کی تاریخ میں ایک خاص دن تھا کیونکہ اس روز
سلف گورنمنٹ کا رزولیوشن پیش ہونے والا تھا لیکن بہت لوگ ٹکٹ نہ ملنے کی
وجہ سے مایوس رہے۔ ایک شخص نے ایک ڈیلیگیٹ سے تین روپیہ والا ٹکٹ ایک دن
کے لیے ستر روپیہ کو خرید لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی ایک رزولیوشن پر کانگریس میں آج تک
ایسے زبردست مقررین اور نامی گرامی اصحاب کو ایک ہی روز میں سننے کا
کا اتفاق نہیں میسر نہیں ہوا۔ سلف گورنمنٹ کا رزولیوشن آنریبل سریندر ناتھ
بنرجی نے پیش کیا۔ مسٹر تلک، مسز اینی بیسنٹ، مسٹر بپن چندر پال، راؤ بہادر مسٹر
مدھولکر، آنریبل مسٹر مظہر الحق، مسٹر حسن امام، مسز سروجنی نائیڈو اور کئی دیگر زبردست
مقرروں نے اسکی تائید کی۔ وہ لوگ جنھوں نے اس روز کا اجلاس دیکھا ہے اپنی
خوش قسمتی پر ناز کرتے ہیں۔ اسی اجلاس میں یہ مژدہ بھی سنایا گیا کہ کانگریس اور
لیگ دونوں کے اتفاق رائے سے مسلمانوں کی نیابت کا خاطر خواہ فیصلہ
ہوگیا ہے۔ صوبجات متحدہ میں مسلمانوں کی نیابت کا حق ۳۰ فیصدی تسلیم کیا گیا ہے اور
کوئی مسودہ یا تحریر جس سے مسلمان یا ہندو یا غیر مسلمان حاضر الوقت کونسل کی دو تہائی
مخالفت کریں گے اسکو کوئی غیر سرکاری ممبر کونسل میں پیش کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔
غرض ہندو مسلم اتحاد کی وجہ سے امسال کا اجلاس کانگریس کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی

امیر مینائی

اے جگت اُستادِ اقلیمِ سخن کے تاجدار
خاندانِ مصحفی کے جانشین یادگار

تجھ پہ صدقے ہو زباندانی سخن سنجی نثار
ناز تجھ پر ہند کو اُردو زبان کو افتخار

بادشاہِ کشورِ معنی امیر لکھنوی
تجھ سے روشن ہو گیا نام امیر لکھنوی

اے مہ اوجِ سخن مہرِ درخشانِ سخن
زیبِ ایوانِ سخن شمعِ شبستانِ سخن

زیبِ غلطانِ سخن لعلِ بدخشانِ سخن
ناظمِ ملکِ سخن روحِ سخن جانِ سخن

سحر ہے تیرا بیان اعجاز گویائی تری
شاعری کو کر گئی زندہ مسیحائی تری

خامہ جادو رقم تیرا مصورِ باکمال
چہرہ آرائے طلسمِ نادرِ نیرنگِ خیال

شاعری فن ساحرِ افسونگرِ سحرِ حلال
دلکشی بہزاد و مانی نقش بندِ خط و خال

شاہدِ حسنِ معانی کا سراپا دیکھ کر
تیرے آگے دنگ ہے نقاش نقشا دیکھکر

مثنوی قطعہ رباعی یا قصیدہ یا غزل
خوشنما خوش قطع خوش اسلوب حسبِ ہر محل

تازگی برجستگی میں اک سے اک ضرب المثل
بے عدیل و بے مثال و بے نظیر و بے بدل

سارے صناتِ سخن پر قدرتِ کامل تجھے
نکتہ سنجی میں یدِ طولیٰ فن حاصل تجھے

دلربا دلچسپ دلکش داستانِ حسن و عشق
پُر اثر پُر سوز درد آگین بیانِ حسن و عشق

دونوں دیوان ہیں ترے دو ترجمانِ حسن و عشق
ہر غزل ہر بیت ہر مصرع ہے جانِ حسن و عشق

شعر ہیں جو رنگ میں ڈوبے ہوئے تاثیر کے
ہیں وہ تیر ترکش غالب کے نشتر میر کے

رنگ تدرو درد و آہ و سرد و خشک گرم و سرد و سماں
نالہائے جانگداز و نغمہ ہائے دلنواز

شوخی و شرم و ادا و غمزہ و انداز و ناز
یعنی حسن و عشق کے سامان سب راز و نیاز

اک مرقع میں ترے یکتا ہزاروں صورتیں
اک صنمخانے میں تیرے لاکھوں پیاری مورتیں

تھا الگ دلی سے رنگِ شاعرانِ لکھنؤ
سادگی سے لائی رنگینی زبانِ لکھنؤ

مانتے ہیں سب مگر آتش کو جانِ لکھنؤ
تجکو زیبا ہے کہیں گر روحِ روانِ لکھنؤ

کون کہتا ہے فقط ہندوستان میں دھوم ہے
اب تری اُردو زبان کی اک جہاں میں دھوم ہے

بجھ گیا دہلی میں جب ایوانِ شاہی کا چراغ
شاعری گل ہونے والی تھی کہ جسکا نام داغ

لکھنؤ کو بھی دکھایا بخت بد نے سبز باغ
طوطی و بلبل ہوے گویا شکارِ بوم و زاغ

طائرِ خوش لہجہ چہکانے چمن سے جا کے دور
ہو گیا گلزار در بارِ رئیسِ رامپور

تیرے نغموں سے ہوا آباد صحنِ گلستان
رنگ پھر جمنے لگا پھولی پھلی اُردو زبان

مرحبا اے ہمصفیرِ بلبلِ ہندوستان
تو نے پایا خلعتِ اُستادیِ خانہ آشیان

مل گئے کیا کیا قلمرو نظم کی جاگیر میں
بج گئے ڈنکے دیارِ مصحفی و میر میں

سلحری ہے شاعری یا ہے عمل تسخیر کا
دل ہے قبضے میں اسی کے ہر جوان و پیر کا

جو ہے قائل جذبِ حسن و عشق کی تاثیر کا
اُسکے سینے کو بناتی ہے نشانہ تیر کا

ہے ہلالِ ذوق بیخود اسکے سوز و ساز پر
نغمۂ جان بخش پر آہنگ خوش انداز پر

کوئی انشا اور سودا کا کوئی دیوانہ ہے
مصحفی کا لب پہ افسون میر کا افسانہ ہے

ذوق و غالب کا کسی کے ہاتھ میں پیمانہ ہے
گرم کیا شعر و سخن کا جلسۂ رندانہ ہے

دورِ آخر میں شفق مدہوش صہبائے سخن
جامِ مینائی سے ہیں سب نوش بینائے سخن

شفق

غم آخرت

گذرے ایامِ جوانی جینے سے دل ہٹ گیا
قیدِ ہستی کب تک اے روحِ روان آزاد ہو

کس لیے ممنونِ بادی ہوں اعضائے ضعیف؟
شوق دہمت کے یہ معنی ہیں کہ خود برباد ہو

چاہیئے دنیا سے اُٹھنا لیکے دہ حسنِ عمل
غمکدے میں جسکے ماتم کے مبارکباد ہو

چھوڑنا سر کا عبث ہی جب نہ کوئی امنگ ہاتھ ہو کمزور تو کیون تیشۂ فرہاد ہو
جسقدر ٹنا تھا بستانِ تمنا مٹ چکا آخراب کیون ہاتھ ہو اور دامنِ صیاد ہو
کاروانِ عمر پہ پڑنا تھا شبخون پڑ چکا کیا نتیجہ ہکیون جرس کی شکل سے فریاد ہو
آنکھین کھلنا چاہیئین اب ہو چکا نشتر زن انمین کوئی دیدہ دریا کو رہا در زادہ ہو
رنج در احت ہمسے چھوٹے ہم زمانہ سے چھٹے کیا غرض غمگین کوئی ہو یا کوئی دلشاد ہو
اتنو یہ جی مین سمائی ہو اگر آجائے اس
گوشۂ عزلت ہو اور محشر خدا کی یاد ہو

محشر لکھنوی

خوشبو

اے بوے خوش ہاہا تو ہی عجب نعمت ہر جاندار کو ہی خلقی تری محبت
دل کا سُرور تو ہی تو روح کی ہی راحت پائی دماغ نے بھی تیرے سبب سے قوت
تیرے ہی دم قدم سے گل کی بندھی ہوا ہی
جو تو نہین تو خالی رنگت مین کیا دھرا ہی

بادِ صبا کا دامن پھولون سے ہی بسایا کلیون کو مُسکرایا غنچون کو بھی ہنسایا
ہر پھول اور پھل مین سندر ہے تیری مایا نیرنگیون مین تونے کیا رنگ ہی دکھایا
چمپا گلاب جوہی بیلے مین بٹ رہی ہی
کس کس ادا سے پیاری کایا پلٹ رہی ہی

تیرے سبب سے شہرت ہی چین کو ختن کو جلوہ دکھا کے تونے مجنون کیا ہرن کو
ممکن نہین کہ پالے کوئی تری پھبن کو سر پر اُٹھا لیا ہی بھونرے نے بھی چمن کو
بلبل کی گل پہ کب یہ نغمہ سرائیان ہین
سب تیری شورشین ہین تیری ہائیان ہین

تونے ہی عطر بن کر دل کو کیا مسخر کھنچ کھنچ کے عرق مین بھی تو ہی ہو رہی معطر
ایران کی تو یہ ہی تو بے گئی ہی نمبر یورپ سے بن کے آئی جب خوشنا لونڈر
دلدادگانِ اُلفت لاکھون کیے ہین پیدا
مغرب ہی تجھپہ عاشق مشرق ہی تیرا شیدا

ہر آدمی خوشان مین تیری ہی قدر ہی مردہ تنون مین تجھسے اک جان پڑ گئی ہی
گو حیات ظاہر سے یان ہر اک بری ہی فرط خوشی سے لیکن روحون کو بیخودی ہی
پھیلی ہی مرقدون پہ بو خوشگوار تیری
ہی حجلۂ عروسی مین کھلی بہار تیری

معشوق تجھپہ عاشق اس دلربا کے صدقے دیکھا نہین کسی نے تیری حیا کے صدقے
ہر رنگ مین ہی شاملِ حسنِ ادا کے صدقے قربان اس جفا کے ایسی وفا کے صدقے
گھر مین ہی سر بسجرا یہ دہ مین خود نما ہی
ملکر الگ تھلگ ہی آغوش مین جدا ہی

رستہ دکھا رہی ہی تو ہی فنا بقا کا کہتی ہی لغو سب ہی جھگڑا ریا سو اکیا
شادی ہو کیا حزا کی اندیشہ کیا سزا کا اپنی نفی جو کر لی اثبات ہی خدا کا
دنیا و آخرت مین بس ہست و بود وہ ہی
تابان جو ہمسے پوچھو اصل شہود وہ ہی

نتیجۂ طبع ... تابان

(زبانِ اُردو)

ہی جو مشہور زمانے مین زبانِ اُردو شکر صد شکر ترقی پہ ہی شانِ اُردو
اسکی تولید ہوئی شاہجہان کے گھر مین اسطرح کرتی ہی تاریخ بیانِ اُردو
راجدہانی ہی شہنشاہون کی دلّی اب تک فخر کی بات ہی شاہی ہی زبانِ اُردو
روزمرہ ہی جو دلی کے سخندانون کا ہی حقیقت مین یہی روحِ روانِ اُردو
باندیان ٹہل کیا کرتی تھین اس تخت کی واقعی لال حویلی ہی مکانِ اُردو
جانچ لیتے ہین پرکھ لیتے ہین جو ماہر ہین انکو معلوم ہی دو شہر ہین کانِ اُردو
میر و غالب تھے وہان آتش و ناسخ تھے یہان کیون نہ زندہ رہے پھر نام و نشانِ اُردو
چال ہی ڈھال ہی نوک سک ہی طرحداری ہی لاکھ مین ایک ہی معشوق زبانِ اُردو
تیر کی شکل ہین چلتے ہوے فقرے اسکے مثل ابروے حسینان ہی کمانِ اُردو
کیا فصاحت و بلاغت سے کہین کھانے امین لوگ کہتے ہین خریدار ہی خرانِ اُردو
گرم بازار ہی گاہک ہین ہزار دن اسکے چلتی رہتی ہی زمانے مین دکانِ اُردو
سب نے بانونکی ہی چکھیل مٹھائی امین ذائقہ بخش ہی شیرین ہی زبانِ اُردو
قیصر ہند نے لندن مین اسے سیکھا ہی کیون نہ لہرائے بلندی پہ نشانِ اُردو

... دہلی لکھنؤ ۱۲



مین بچپن ہی سے عادت ہے ملنساری کی میل رکھتی ہے زبانون سے زبان اردو
آفرین آفرین کہتے ہین سخن فہم خلیق تیری ہر نظم حقیقت مین ہے جان اردو

[illegible]

دعاے معصوم

اے مرے کارساز بے ہمتا اے مرے مالک، اے مرے آقا
دشت و گلزار کا ہے تو خالق سارے سنسار کا ہے تو خالق
اونچے اونچے پہاڑ اور جنگل چوڑی چکلی زمین اور چٹیل
سبز کھیت اور خوشنما میدان لہلہاتا ہے خوب سبزہ جہان
ندیان بہہ رہی ہین سب خاموش اور سمندر مین ہو رہا ہے خروش
کام ہین سب یہ تیری قدرت کے راز ہین سب یہ تیری حکمت کے

ہو گیا ہے پہاڑ خانہ خراب
باغ کو تو نے کر دیا شاداب

تتلیون کا ہے رنگ کیا اچھا تیری اک شان جن سے ہے پیدا
دل فریبی ہے جن کی لرزش مین آئے دنیا ہے حسن جنبش مین
ہے جو انداز تھرتھراہٹ کا اک نمونہ ہے مسکراہٹ کا
چوستی ہین کلی کلی کا رس نکہت نور بن گیا ہے نفس
تیری قدرت کی ہین یہ شیدائی تیری صنعت کی ہین تماشائی
تیرا حسن و جمال ہے ان مین تیرا پورا کمال ہے ان مین

زندگی مین ہین یہ بہار نور
اور مرنے پہ ہین غبار نور

چمن کا نکھار تجھ سے ہے اور نسیم بہار تجھ سے ہے
تو نے کھلائے کھلتے ہین رنگ جن مین ہزارون ملتے ہین
قدس سرور ہے انمین نور سے تیرے نور ہے انمین
دل فریب ہے ہر شگو انمین خوشبو ہے یا کہ خود ہے تو
بس پھول کو ہے رنگ نیا رنگ کے ساتھ ساتھ بو ہے جدا
ہے ہر اک رنگ سے ظہور ترا ہے ہر اک پنکھڑی مین نور ترا

رنگ پہ کیون نہ ہو نشاط گل
ہے خوشی تیری انبساط گل

ساری دنیا کا راج تجھ سے ہے میرے بچپن کی لاج تجھسے ہے
جب گرون مین سنبھالتا ہے تو کس محبت سے پالتا ہے تو
گھر ہے تیرا رگ گلو یا رب بڑھ کے مان باپ سے ہے تو یارب
تجھ سے ہے عیش کی فراوانی کرتا ہے میری تو نگہبانی
ہر طرف ہون مین دوڑتا پھرتا نہین ہرگز ہون مین کہین گرتا
تیری رحمت ہے جبکہ میرے ساتھ درد و دکھ مجھکو کیون لگائے ہاتھ

ہے خوشی کا سبب جو یاد تری
ہے ہر وقت مجھکو یاد تری

تیرے ہاتھون ہے زندگی میری ہے خوشی سے تری خوشی میری
کرلے مقبول یہ دعا اللہ میرا بچپن سدا رہے اللہ
ہے لڑکپن کی زندگی اچھی ہے شب و روز جس مین مجھکو خوشی
رنج و غم کا نہین ہے کچھ بھی نشان روز کے جھگڑون کا نہین ہے گمان
ہاے ہوے ولادت و اموات جن سے رہتی ہے تلخکام حیات
روز جھگڑے ہین زندگی کے لیے ہے بڑی مشکل آدمی کے لیے

رہے حاصل مسرت دائم
میرا بچپن یونہی رہے قائم

قیصر

نغمہ آبگیر

(ترجمہ نظم مسز سروجنی نائیڈو)

گھر تک تو بھری گگری سنبھلے گی یہ مشکل سے دل بیٹھا سا جاتا ہے اب دوری منزل سے
متوالی رہون کبتک ملاح کے گانے مین گھر جانا بھلا بیٹھی بہلایا جو مجھے دل نے
یہ رات کا سناٹا ڈھارین یہ نندونکی آواز سنی جاتی ہے چیخ کی شکل سے
رات آئی اندھیری اور الّو کی صدا آئی کالے نہ کہین نکلین ڈر ہے سم قاتل سے

قسمت سے نہین ہی جو چاند آج چراغ راہ جمنا کی یہ جبین بھی کیا کم ہی ساحل سے

اسماعت غربت مین اس رنج و مصیبت مین یارب تو بچا لینا موج لب ساحل سے

بھائی تو خفا ہونگی آنے مین لگی کیون دیر مان باپ کے دل کو بھی صبر آئیگا مشکل سے

رو رو کے خدا یا وہ مانگینگی دعا تجھ سے گھبرائین گے جمنا کے اندیشۂ باطل سے

بجلی جو چمکتی ہی مین بچکے کدھر جاؤن طوفان نظر آتا ہی اٹھتا لب ساحل سے

ہیبت کی تاریکی یا زاغ سیہ کے غول اُڑتے چلے آتے ہین جمنا پہ مقابل سے

یارب تری رحمت کا ہر وقت سہارا ہی

اور تو ہی چھڑانیوالا بندون کو ہر مشکل سے

(نجیب آبادی)

(تازہ غزلین)

۱۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر (خیرآبادی)

نیام ناز سے تیغ ادا نکلتی ہے ڈھلی کے بھیس مین گویا قضا نکلتی ہی

کرم مین بھی ترے شان جفا نکلتی ہی کہ ساتھ گالی کے منھ سے دعا نکلتی ہی

چھری لیے نگہ فتنہ زا نکلتی ہی کہ میرے قتل کو تیغ قضا نکلتی ہی

دم وصال جو ہوتا ہی شوخیونکا ہجوم تو منھ لپیٹ کے گھر سے حیا نکلتی ہی

مری وفا مین تصدق تری جفاؤن پر کہ ہر ستم مین نئی اک ادا نکلتی ہی

عجب مزہ ہی حسینونکی گالیان شکر ہمارے منھ سے ہمیشہ دعا نکلتی ہی

سر ورے سے جو وہ بیحجاب ہوتے ہین پسینہ بن کے بدن سے حیا نکلتی ہی

ترے بگاڑ پہ لاکھون بناؤ صدقے ہین کہ منھ چڑھانے مین بھی اک ادا نکلتی ہی

خبر نہین جگر و دل کو کس نے لوٹ لیا کہ ہائے ہائے کی منھ سے صدا نکلتی ہی

ہوائے عارض گلرنگ مین جو ہم تڑپا ہمارے پھولون سے بوئے وفا نکلتی ہی

شمیم زلف لگا لائے نہ مشک کی خوشبو حریم ناز سے بچکر صبا نکلتی ہی

حنائی ہاتھون سے یاریہ کیا ہی کس نے قتل کہ میرے خون سے بوئے حنا نکلتی ہی

یہ مسکراتی ہین کلیان کہ پھول ہنستے ہین نسیم صبح جو اٹھلا کے آ نکلتی ہی

وصال یار مین ہاتھون سے ناپ کر دیکھا شب فراق سے زلف دوتا نکلتی ہی

ہماری باندھی ہی تیغ دو دم نے مقتل مین کہ ان کی زد کو بچا کر قضا نکلتی ہی

جو گورے ہاتھون سے دل کے پھپھولے چھیلے ہین تمھارے پاؤن سے بیکر حنا نکلتی ہی

لگایا کس نے یہ بھرپور ہاتھ خنجر کا کہ واہ واہ کی دل سے صدا نکلتی ہی

ٹپک رہی ہین لہو بن کے حسرتین کوثر

کہ آرزوے دل مبتلا نکلتی ہی

۲۔ سید نظیر حسین صاحب نظیر

فرقت جانان مین گردن پر زیان ہو کوئی ہو کام چل جائیگا خنجر ہو سنان ہو کوئی ہو

بعد مردن یہ مخالف زندگی مین وہ عدو دونون دشمن ہین زمین ہو آسمان ہو کوئی ہو

ہجر مین ہر شے سے نفرت ہوگئی اب سوز دل پھونکدے خس گل ہو گلشن ہو مکان ہو کوئی ہو

دوست کوئی بھی گلستان مین نہین اے عصفیر گل ہو گلچین ہو صبا ہو باغبان ہو کوئی ہو

ہو عزیز دل نہ کچھ مطلب غیرون سے غرض اُس پہ بان ہین اپنا قدردان ہو کوئی ہو

بیخودی ہو بد حواسی غش ہو یا خواب عدم

درد ہجر یار مین راحت رسان ہو کوئی ہو

۳۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب (شاہ پوری)

وعدۂ وصل تو کس روز مری جان نہوا لیکن ایفا نہوا ہان نہوا ہان نہوا

کیا کہون حال مرا ہجر مین اے جان نہوا گریہ سامان نہوا اشک بدامان نہوا

سعی پیہم سے کبھی کچھ وصل کا سامان نہوا حل یہ مشکل نہوئی کار یہ آسان نہوا

خانہ ویرانی کا وحشت مین بھی سامان نہوا گھر کو حسرت ہی رہی کہ بیابان نہوا

ان کی کیا بات ہی اسد سلامت رکھے ابتک اس نوک پلک کا کوئی نسان نہوا

انتہا یاس کی دیکھو کہ مرے ارمان کو ہے یہ ارمان کہ مین غیر ارمان نہوا

کون شاکی نہوا دست جنون کا میرے تار دامن نہوا چاک گریبان نہوا

وصل مین دونو نظر ایک سی کیفیت تھی تم پشیمان ہو کیون مین تو پشیمان نہوا

اب خونابۂ دل ہی نہ جگر کے ٹکڑے کوئی سامان پئے دعوت مژگان نہوا

منتشر ہو کے نہ یکجا ہوئے پھر ہوش و حواس یعنی شیرازۂ اجزائے پریشان نہوا

آس ٹوٹی تھی تو کیون آپ ہی ہم مر گئے تجھسے تقدیر مگر چارۂ حرمان نہوا

جان دی اُنپہ کہ جس جان سے آپ عاری تھے ہم نے احسان بھی کیا تو بھی احسان نہوا



سرزمین دکن سے مقبولیت کی آواز

جاپان کی نرالی ایجاد۔ بوڑھی دنیا کو جوانی کی یاد

بانی شباب کی طرف سے ہندوستانی بڑھاپے کو پیغام دعوت

بڑھاپے پر جوانی کی دہشت

صبح کا ستارہ

بناس چٹھی مورخہ غرہ مہر ۱۳۲۵ف ازجناب مولانا مولوی رکن الدین صاحب مدظلہ العالی (۱۰ اگست ۱۹۱۶ء) رئیس سوکھا حوض۔ حیدر آباد دکن۔

مین نے آپ کی کمپنی کا خضاب ؛ (صبح کا ستارہ) استعمال کیا سبحان اللہ خضاب مذکور بہت عمدہ اور آسان ہے۔ رنگ بھی بہت اچھا آتا ہے اور بال بھی نرم رہتے ہین اور اضافہ یہ کہ جلد پر دھبّہ نہین پڑتا ہے جب سے آپکے خضاب کا استعمال کر رہا ہون دوسرے خضاب کا استعمال موقوف کر چکا ہون۔ (رکن الدین)



اب درد کی شکایت نہ کیجیے

فرمائیے آپ کو کیا تکلیف ہے ؟

درد سر، وجع المفاصل، درد اعصاب، درد کمر، دانتون کا درد، حلق پک گئے ہین، درد، کھانسی، زکام وغیرہ شکایات

امرت انجن (رجسٹری شدہ)

کے استعمال سے بالکل رفع ہوجاتی ہین۔

آر۔ آر۔ گنگولی اسکوائر سب جج درجۂ اول کرد تحریر فرماتے ہین : "مین نے بواسیر، درد سر، وجع المفاصل، کھانسی، زکام کے لیئے امرت انجن کو بےحد مفید پایا"۔ (مسٹر میکسول مینرز تحریر فرماتے ہین : "امرت انجن ہر قسم کے درد کے لیے بیحد نافع ہے!)

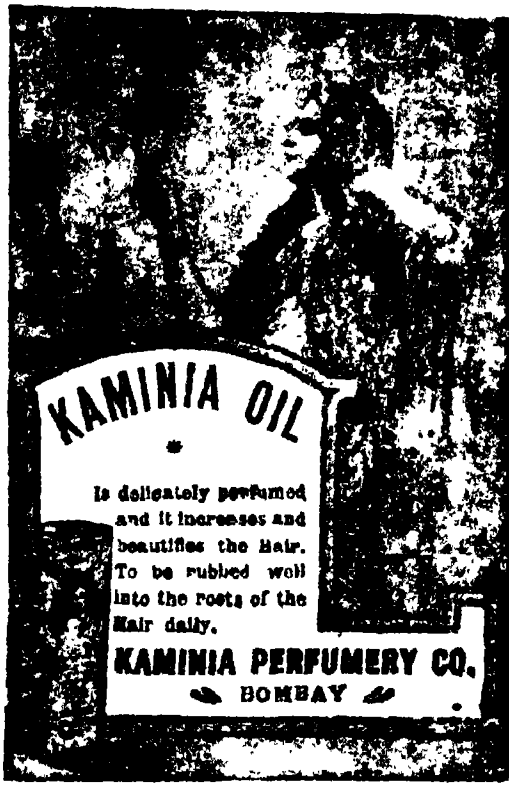
ہر جگہ دوافروشون کے ہان سے آٹھ آنے مین ایک شیشی دستیاب ہوسکتی ہے۔

امرت انجن ڈپو

نمبر ۱۱۹ فریئر روڈ بمبئی ——— نمبر ۱۰ تھمبو چیٹی سٹریٹ۔ مدراس

مرد عورت اور لڑکون کے لیئے سر مین لگانے کا خوشبودار تیل

(رجسٹری شدہ) **کامی نیا آئیل** (رجسٹری شدہ)



یہ تیل نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہے ہندوستان کے ہر ایک حصّہ مین سب اسی کا استعمال کرتے ہین کیونکہ یہ مفید اجزا سے مرکب ہے کامی نیا آئیل سر پر لگانے سے ٹھنڈک رہتی ہے اور اسی باعث طالبعلمون وکیلون بیرسٹرون اور دماغی کام کرنے والون اور جن کے سر مین درد رہتا ہو بہت مفید ہے کامی نیا آئیل سر کی ہر ایک قسم کی بیماریون کو دور کرتا ہے اور گرتے ہوے بالون کو بچاتا ہے اور بے وقت بال سفید ہونے نہین دیتا سر کے بال نرم سیاہ و چمکدار ہو جاتے ہین دماغ کی خشکی درد سر و کمزوری وغیرہ کو دور کرتا ہے بالون کو بڑھاتا ہے ضعف دماغ و زیادہ رنج و غم فکر کی وجہ سے بالون کی جڑین کمزور ہو جاتی ہین اور پھر بال ٹوٹ کر گرنے لگتے ہین اور یہ عارضہ اکثر بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی عورتون کو ہوتا ہے جس کے لئے کامی نیا آئیل نہایت مفید ہے نقلی تیل جو بازار مین لوگ فروخت کرتے ہین دماغ کو نقصان پہنچاتے ہین ایسا ضرر رسان تیل نہ خریدو بلکہ ہمیشہ ہمارا اصلی کامی نیا آئیل طلب کرو جس کی عمدگی کے لیے ہم کو میسور کی گذشتہ نمائش گاہ سے ایک سونے کا تمغا انعام ملا ہے۔ کامی نیا آئیل خریدتے وقت اگر کوئی دوکاندار آپ کو دوسرا تیل دے اور یہ کہے کہ اس سے سستا اور عمدہ ہے تو اس کی خریداری سے اجتناب کرو کیونکہ ایسا تیل فروخت کرنے والے زیادہ نفع کی لالچ سے خراب مال دینے کی کوشش کرتے ہین اس لئے جب خرید و کامی نیا آئیل کی سربند بوتل دیکھ لو۔ قیمت فی بوتل عمر وی پی خرچہ چار آنہ ۳ تین بوتل دو روپیہ دس آنہ وی پی خرچہ سات آنے۔

استعمال کرنے کی ترکیب - بال اور بالون کی جڑون کو ہر دوسرے تیسرے روز صاف کرکے اُن مین تیل کی مالش کی جائے۔

عطر آٹو دل بہار (رجسٹری شدہ) واقعی آپکے مزاج کے مطابق قدرتی پھولون کا کیمیاوی طریقہ سے جوہر نکالا گیا ہے خوشبو کی پائداری اور پاکیزگی مین لاثانی ہے اسکے چند قطرے اپنے رومال پر لگانے سے آپکے گرد مہکتے ہوے پھولون کا باغ ہونے کا ثبوت دین گے اچھی خوشبو کے طلبگار اسمین کفایت کا پہلو نہ تلاش کرین اور اسمین غیر شے کی آمیزش نہین ہے قیمت چھوٹی شیشی ۸ درمیانی ۱۲ بڑی عہ محصولڈاک علاوہ اسکی بڑھتی ہوئی فروخت دیکھ کر حریفین نے نقل بنانا شروع کی ہے

ہر ایک شیشی پر لفظ "آٹو دل بہار" رجسٹرڈ دیکھ کر خریدین۔

سول ایجنٹس انگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی جامع مسجد مارکیٹ بمبئی

لکھنؤ کے لیئے ایجنٹ - بسکار کمپنی - سوداگران و دوا سازان قیصر باغ - لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر لے ۶۰۹ فروری ۱۹۱۸ء

ادبِ اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول (جملہ حقوق محفوظ) قیمت فی پرچہ



लाल शरबत

العصر

فروری سنہ ۱۹۱۷ء

جلد ۶ — نمبر ۲

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) مہاراجہ گوالیار مع ولیعہد (۲) مہاراجہ صاحب (۳) سید کلب احمد صاحب مانی (۴) نظم

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں - ایسے حضرات سے گذارش ہو کہ ہر مہینے کے پرچے کے لیے اسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے - بعد کو پرچہ نہ باقی رہنے کی وجہ سے تعمیل ارشاد نہین ہو سکتی - اس اطلاع پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی -

منیجر العصر لکھنؤ

قواعد وضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہی

(۲) اس رسالہ کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہی اور ششماہی سے مع محصول ہی اس مین کمی ناممکن ہی -

(۳) نمونہ کے لیے ۸ر آنا چاہیے مفت نہین ملے سکا -

(۴) خط وکتابت کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہی ما بعد کا حساب نہین

(۵) خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیے -

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے -

(۷) ترسیل زر، درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت بنام منیجر رسالہ العصر نول کشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیے -

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیے کتابین تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بنام ایڈیٹر العصر لکھنؤ روانہ کیے جائین -

(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس کا کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا - تاہم مضامین بھی نہ لیے جائین گے -

(۱۰) اعلیٰ علمی وادبی مضامین کیلیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا - مگر اس مین دخیل مضامین کی تخصیص ہوگی -

چشمۂ صحت لاہور کی شہرۂ آفاق دوا

حیاتِ جاوید **رفیقِ بدن** حیاتِ جاوید

موٹا تازہ۔ قوی۔ بارعب۔ ذی وجاہت خوبصورت اور سرخ و سفید بنانیوالا ایک خاص مرکب

مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں مفید

مردوں اور عورتوں کی خاص پوشیدہ بیماریوں اور عام بدنی کمزوریوں کو دور کردینے والا اکسیر

اس مرکب میں یہ خاصیت ہے کہ سیروں دودھ اور کئی چھٹانک مکھن روزانہ ہضم کر لیتا ہے سینکڑوں لاغر، کمزور، نحیف اور مردہ صورت مریض اسے کھا کر موٹے تازہ۔ سرخ و سفید اور قوی الجسم بن چکے ہیں۔ اسے کھاؤ اور اس کے ساتھ دودھ اور مکھن خوب ہضم کرو۔

آج اپنا وزن کرلو۔ اور اسے ایک مہینہ کھانے کے بعد پھر تولو

دیکھو کہ کتنا وزن بڑھتا ہے۔ یہ دوا معدہ اور آنتوں کو خاص قوت دیتی ہے۔ اس لئے بھوک خوب لگاتی ہے اور قبض کی عادت کو بھی دور کرتی ہے۔ اس کے سوائے مقوی اعضائے رئیسہ ہے۔ دل جگر اور دماغ کو بھی طاقت دیتی ہے۔ اسلئے یہ ایک لاثانی شے ہے۔
مردوں اور عورتوں کے خاص اور پوشیدہ اعضاء اور مادہ تولید پر بھی اس کا خاص اثر ہوتا ہے نطفہ کو قابل اولاد بناتی ہے۔ جریان و احتلام کو دور کرتی ہے بیقاعدہ طوبتوں کے اخراج کو روکتی ہے

جوانی کی بے اعتدالیوں

سے جو خرابیاں ناعاقبت اندیشوں کے بدن میں پیدا ہو چکی ہوں۔ ان کے دور کرنے میں مسیحائی اثر رکھتی ہے سینکڑوں اس قسم کے بگڑے ہوئے مریض اس کے استعمال سے صحت یاب ہو چکے ہیں جو لوگ ایسے دن بیمار رہتے ہوں یا جن کو کوئی دوا انہیں اچھی صحت نہ بخش سکتی ہو۔ وہ اسے ضرور برتیں۔ اس سا سچا رفیق انہیں کہیں نہیں ملنے کا۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اسے جریان احتلام یا کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی ہی حالت میں استعمال کریں نہیں بلکہ اگر آپ کو اپنی حالت درست کرنی مطلوب ہو۔ اگر آپ تندرست صحیح سالم موٹا تازہ بننا چاہتے ہوں اگر آپکی خواہش ہے کہ آپ قابل رشک صحت حاصل کرنے کے بعد آئندہ بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں تو کم از کم ایک ڈبیہ ضرور استعمال کریں۔ یہ ہمیشہ کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ قیمت فی ڈبیہ پاؤ بھر دو روپے (دو عدد) علاوہ محصول (خوراک ۱ سے ۳ ماشہ تک حسب برداشت) اس کے بے شمار تصدیقی خطوط کا خلاصہ دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ رفیق بدن منگوا کر دیکھئے۔

ایجنٹوں کی سخت ضرورت ہے

رفیق بدن کی بکری اب چونکہ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے ہم لوگ کارکنان کارخانہ آسانی سے اسکے بھجوانے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ اہل کے خریداروں سے آنہ کا محصول ڈاک مفت میں برداشت کریں۔ بہذا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ کافی آبادی رکھنے والے شہروں میں اس کے خاص و عام ایجنٹ مقرر کئے جاویں۔ ہندوستان کے ہر ایسے قصبہ و شہر میں جس کی آبادی دس ہزار سے زیادہ ہو۔ ایجنٹوں کی اشد ضرورت ہے۔ ایجنٹوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ اور صحت بھی ہو سکتی ہے۔ جو شخص تھوڑی سی محنت سے کافی روپیہ ماہوار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہم سے قواعد ایجنسی منگوا کر دیکھے۔ مگر جلد۔

خط و کتابت کا پتہ۔ دفتر چشمۂ صحت۔ لاہور | دفتر کا پتہ۔ محلہ شاہ گنج نزد قلعہ گوجر سنگھ رفیق منزل لاہور



ہز ہائنیس مہاراجہ سر مادھو راو عالیجاہ بہادر والی ریاست گوالیار خلداللہ ملکہ

مع راجکمار جارج جیواجی راؤ عالیجاہ بہادر و راجکماری میری کملا راجہ صاحبہ

العصر

داستان اُردو

(یعنی خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس منعقدۂ لکھنؤ ۱۹۱۶ء)

مسٹر چیرمین - عزیزو اور میرے دوستو!

مین - واقعی تہ دل سے اپنی اس عزت افزائی پر آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ اتنی بڑی مجلس کا جہان سارے ہند کے منتخب و چیدہ حضرات بلا افتراق مذہب و ملت اپنے ایک مقصد کے انجام کی خاطر ایک ہی پلیٹ فارم پر آج نظر آتے اور اُس سے اپنی قومیت کا ثبوت دے رہے ہین مجھ سے شخص کو آپنے صدر منتخب کیا اور اپنے اُس مقصد کے متعلق میرے خیالات سننے کی بھی مجھ پر فرمائش کی حق یون ہو کہ آج کا جلسہ اور اِس جلسہ کی صدارت کوئی نہین نیوانڈیا کی تاریخ مین یہ پہلا موقع ہو کہ یہان کی یہ دو جماعتین (ہندو یا مسلمان) کسی ایک مقام پر یون ہنسی خوشی ساتھ کھڑی دکھائی دین - اور ان دونون مین اسطرح کی ملت و یکسوئی نظر آئے! اور خوش قسمت ہو وہ جس نے ایک ہی جلسہ مین اُنکو ساتھ مخاطب کیا اور بڑا خوش نصیب ہو وہ جسے بے مانگے ایسی نعمت حاصل ہو گئی!

میرے احباب اور خصوصاً میرے مخلص مولوی عبد الحق صاحب نے جس وقت آج کے عظیم الشان اور ایسے یادگار جلسہ کی صدارت کے لیے مجھ پر فرمائش کی تو مین اپنی ناسازی مزاج کے باعث ایسے شرف کو قبول کرنے مین بہت پس و پیش کر رہا اور اپنی حالت کو سوچ رہا کہ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ یہ وہ موقع ہو جہان اِس زمین کی بہترین پیداوار اور ہماری بھارت ماتا کی نادر یادگار اُردو کی خدمت ہمارے سپرد ہوگی تو پھر اپنی موجودہ حالت کو فراموش کر کے ایسی خدمت کو اصل مادر وطن کی خدمت سمجھا اور آج کی حاضری کو فرض خیال کر کے لبیک کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا؟

ہماری زبان زبان کا مسئلہ ہر ملک و قوم مین جملہ مسائل پر مقدم سمجھا گیا ہو لیکن ہماری زبان کو اِس ملک مین وہ بزرگی و اہمیت حاصل ہو جسکے سُلجھے اور سلجھائے بغیر ہماری ہر بازی ابتر ہو - اور یہی وہ ترمپ ہو جس کا ہاتھ آجانا کسی سلطنت کے جیت لینے کے برابر ہو! اور مین یقین کرتا ہون کہ اسی کو سوچ اور

سمجھ کر آج آپ لوگ اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جہاں کی زمین کو شاعری کے ساتھ خاص مناسبت رہی ہے۔ یہ وہی دیار ہے جہاں دلی کی تین بیٹیاں آئیں
ہود بیگم اور شمس النساء بیگم کے بعد اُردو بھی محمد شاہ کی وہ منھ بولی بیٹی تھی جو یہاں آکر پوجی گئی اور سر آنکھوں پر بسے جگہ دی گئی اور آتش داغ جس نے آخر جسکا
پایہ عرش اعظم سے ملا کر دنیا میں بلند نام کر دیا۔

جنگ و مفارقت

موجودہ جنگ مختلف قوموں اور مختلف زبانوں کی جنگ ہے اور برِ اعظم یورپ میں آج اگر کوئی ایک ہی زبان رائج اور دائر سائر
ہوتی تو تخیلات اس درجہ پراگندہ و منتشر نہ ہو جاتے۔ اور یہ مقاصد جو تخیلات کے زیر اثر رہتے بلکہ زیادہ تر انھیں کے تابع ہوا
کرتے ہیں اسطرح مختلف نہ ہوتے کہ ایسی ہولناک اور انسانی ہستی کو مٹا دینے والی جنگ یوں برپا اور اتنے عرصہ تک اسطرح قائم رہ جاتی۔ اس جنگ سے ہمیں
قطع نا واسطہ اور ہمارے لیے وہ بڑی سبق آموز ہے ہمارے بہادر بلا کسی شرط کے اس لڑائی میں شریک ہوئے اور اپنے شہنشاہ کے نام پر فدا ہونے چلے
گئے بیشکر کہ ہم مشرنیر وا اور وہ لیے فرانس سے سبکدوش ہوئے۔ ان بہادروں میں سے نوے فیصدی اسی زبان اور اسی اُردو کے بولنے اور سمجھنے والے
تھے۔ اُن کے الفاظ یورپ کے گاؤں گاؤں میں پھیلے اور اُن کے خون کے ساتھ وہاں کی زمین پر اپنا گہرا نقش بٹھا چکے ہیں۔ یورپ بھی اب ہماری قلمرو سے
باہر نہیں وہاں کے جریدہ پر بھی اس زبان کے حرف ثبت ہوئے اور ایک دوامی شہرت حاصل کر چکے۔ یہ مسافر وفاداری کا نام زندہ کر کے اور اپنی اُردو کو
اخیر منزل تک پہنچا کر آسودہ ہوئے مٹی کی چتا اور رودکنگ کے مزار میں آج وہ بےخبر سو رہے ہیں۔ آؤ اُن کے کارناموں کو سراہیں اور جس طرح
انھوں نے ہمیں عزت بخشی اسطرح ہم کھڑے ہو کر اسوقت اُن کے شکریہ و دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔

تازہ غم

اُردو نے ان چند ماہ کے اندر اپنے تین پیارے و سرپرست کھوئے ہیں۔ پہلے محمد عارف اُس گھر کے ایک رکن تھے جس گھر نے اس اُردو
کو پیدا کیا اور پروان چڑھایا۔ اس خاندان نے پورے دو سو برس تک یکے بعد دیگرے اس زبان کی پرورش و خدمت کی اور دنیا کی
تاریخ کسی اور زبان کا ایسا مسلسل قصہ پیش نہیں کر سکتی۔ عارف کی مفارقت معمولی مفارقت نہ تھی اس غم سے ابھی ہمیں فراغت نہ ہوئی تھی کہ پنڈت
بشن نرائن در بھی ہم سے چھین لئے گئے اور اُردو کے گھر سے یہ دوسرا جنازہ نکلا ایک کہرام مچ گیا۔ یہ ماتم ہو ہی رہا تھا کہ کلکتہ سے نواب سید محمد کی موت
کی خبر آئی اور ہمارا کلیجہ ٹوٹ گیا۔ یہ مجاہد بھی آپکی زبان کا پرانا خدمت گذار اور بنگالہ میں پچاس برس تک اُردو کا جھنڈا اٹکائے رہا۔ ہم ایشیائی فنائے روح
کے قائل نہیں بلکہ اُسے موجود و حاضر سمجھتے ہیں۔ آج کا جلسہ گو بظاہر ان تینوں مرحوم سے خالی نظر آتا ہو مگر اس زبان سے اُن کا پرانا شغف ہمیں یقین
دلاتا ہے کہ ان کی روحیں اسوقت یہاں موجود ہیں۔ اٹھو ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور اُن کی فاتحہ کے خاطر ساتھ ہاتھ اٹھاؤ۔

زبان سے بے پرواہی

موجودہ تعلیم کے نقائص میں سے بڑا نقص اپنی ذات سے منحرف و لا پرواہ ہو جانا شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بدیہات اور مشاہدات
میں سے ہے۔ اس تعلیم کی چھُری ہماری زبان کے گلے پر بھی پھری ہے۔ جو زبان خلیج فارس سے لے کر بنگال تک
اور پھر ہمالہ سے کیپ آف کومرن تک قبضہ کئے ہوئے اور اس جزیرہ نما کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو جس زبان کی قلمرو سے یہاں کا کوئی چپہ باہر
نہ ہو اور یہاں کے مختلف سکون پر بھی جس کی ضرب پڑی ہوئی ہو اُس سے بے پرواہ ہو جانا بدنصیبی اور خود اپنی شامت ہے۔ نئے لوگوں کا گلہ پرانا ہو چکا
جوانوں سے قطع نظر کر کے ہم کو اپنے بڑوں سے بھی اس کی شکایت ہے مثال میں ہم اپنے ایسے بزرگوں کو پیش کرتے ہیں جو اس زبان کے ہمیشہ پرستار رہے
اور جن کی سہو پر ہماری گرفت کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو مگر وہ ہم کو معاف کر دینے والوں میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگوار مرض ذیابیطس کے
متعلق اپنے تجربات بیان فرماتے اور ہدایات شائع کرتے ہیں۔ مگر کس زبان میں؟ فطرت نے جو زبان انھیں بخشی اُس میں نہیں بلکہ ایک کسبی زبان
میں! اور کیا اس سے یہ یقین کر لیا جائے کہ انگریزی دانوں کے سوا یہ منحوس مرض اور کہیں عام نہیں ہے؟ ہمارے ایک دوسرے بزرگوار ایک ہندی طبی
مدرسہ کے معائنہ و ملاحظہ کو تشریف لیجاتے ہیں خوش ہو کر اُسکے متعلق اپنی رائے تحریر فرماتے ہیں مگر کس قلم میں؟ جو قلم سیدھا نہیں بلکہ اُلٹا چلتا ہے؟
ایسی رفتار پر کیا یہ باور کر لیا جائے کہ اس اسکول کے پڑھنے والے رام و رحیم کے سوا کوئی ٹومسن اور مسٹر ڈکروز ہوں گے! ہماری شامت کا قصہ ابھی تمام

نہین ہوا۔ دوسرا لطیفہ سنو۔ جبکہ سر رابندر ناتھ ٹیگور (مشہور بنگالی شاعر) جیسا انکے سے غیر ملک مین جاکر اپنی زبان کے سوا کسی دوسری زبان
مین تقریر کرنے سے انکار کر چکا اور جبکہ کلکتہ پریسیڈنسی کالج کے اسٹرائک والی کمیٹی اس شرارت کا باعث استاد و شاگرد کی زبانون مین اختلاف
و مغائرت قرار دے چکی ہو ٹھیک اسی زمانہ مین علیگڈھ کالج سے جسکا بانی سرسید کا سا اُردو پرست ہوا اور جسکے موجودہ سکرٹری کا خاندان اِس
زبان پر ہمیشہ شیفتہ رہا ہو بد نصیب ٹرسٹیون کے نام فرمان جاری ہوتا ہو کہ وہان کے انگریزی پروفیسرون کے لیے اُردو کا سیکھنا بدستور لازمی باقی رہے
یا یہ فضول قید اٹھا دی جائے۔ صاحبو جبکہ ہمارے بزرگون کا یہ شیوہ ہو تو پھر کس منھ سے اُن کے خردون کی شکایت و حرف گیری کی جائے۔

اُردو کی ترقی ایک دو صدی نہین بلکہ آپکی زبان کا پورے چالیس صدیون کا قصہ ہے اور اسکی تدریجی ترقی کا حال ابھی چند منٹ مین آپکے
سامنے پیش ہونے والا ہو اور اُسے سُن کر اپنی تعلیم اور اپنے سیاسیات پر بھی غور کرنے کا آپ کو موقع ملے گا۔ کوئی زبان ہو
جبتک وہ سلطنت کی زبان اور کسی قوم کے تعلیمی ضروریات کو پورا نہ کرسکتی ہو اسکی بزرگی و اہمیت دیرپا نہین ہوسکتی۔ چار ہزار برس کی محنت اور ہزار
سال کی متفقہ کوشش کے بعد اس اُردو کو آپ پراکرت کے معمولی درجہ سے ترقی دیکر لینگواج کے رتبہ تک لا چکے ہین۔ اور اب آپ کا فرض یہ ہو کہ جہانتک
جلد ممکن ہو اپنی زبان کو نئے اور موجودہ ضروریات کے مطابق بنا ڈالیئے شاعرون کی واہ واہ اور مجلسون کی آہ آہ سے اب ہمارا کام نہین چل سکتا۔
اوس سے پیاس نہین بجھ سکتی۔ ہم کو کچھ اور کرنا اور اس زبان کو کچھ اور بنانا ہو۔ انجمن ترقی اُردو اپنے نئے اور کارگذار سکریٹری کے ہاتھ مین آکر بسطرف اقدام
کرچکی ہو اور مین نہایت مسرت سے اسوقت دیکھ رہا ہون کہ حامی زبان اُردو ایک دارالمصنفین کے قائم کرنے پر مستعد ہین۔ یہ نیک فال اور ہماری زبان
کو بلند درجہ دینے والی ہو جسکی فی الحال ضرورت آپڑی ہو لیکن ہم کو اپنے اصل گول اور اپنے نقطۂ نظر کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے۔ ہمارا وہ گول کیا ہو؟
ہمارا اصلی مقصود ہندیون کو انکی مادری زبان مین تعلیم دینا اور ایک ایسی اُردو یونیورسٹی کا قائم کرنا ہو جسکی تحریک آج سے پچاس برس قبل یعنی ۱۸۶۶ء
مین علیگڈھ سٹفک سوسائٹی اور برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی متفقہ کوشش سے عام ہو چکی اور گورنمنٹ تک جا چکی ہو اور جسکا حال ہمارے بیان کے
دوسرے حصہ مین آپ ابھی سُن لین گے۔ ان کوششون کے ساتھ ہمارا دوسرا فرض یہ ہو کہ اس زبان کی بنیاد جس زمین پر قائم کی گئی اُس زمین پر بدستور
ہمارا قبضہ باقی رہے۔ صاحبو دنیا جانتی ہو کہ اُردو بھاشا کی ایک ترقی یافتہ شکل ہو اور جبتک اس بھاشا کا علم نہو اس اردو کی اصلی صورت ہم کو نظر
نہین آسکتی۔ ہمارے فرائض مین سے تیسرا اہم فرض یہ ہو کہ اس زبان کے ذریعے اس ملک کا اصلی و صحیح کیرکٹر قائم و برقرار رکھا جائے۔ ہمارے ہیرو ز
سامنے لائے جائین اور ان کی لائق پرستش تصویر ہر وقت ہمارے پیش نظر رہے۔ صاحبو کارنامۂ انیس و رامائن کا فسانۂ نفیس ہماری ہر طرح کی تعلیم اور
ذہنی و دماغی ترقی کا وہ آلۂ زبردست ہو کہ جو کسی ملک مین اس آسانی کے ساتھ دستیاب نہین ہوسکتا۔ اور ہمارا کیرکٹر اور سکر داملاد بنا ڈشا کی اسٹڈی زمین جاکر
نہین بلکہ انہیں تلسی داس کے پُرانے کتب خانون کی سیر سے درست ہوسکتا ہو۔ ہمارا فرض اور بڑا فرض یہ ہو کہ ان دونون کو ہر زمانہ کے نئے فیشن کے مطابق
سجا کر دنیا کے سامنے پیش کرین اور اسطرح اپنے پُرانے سویلزیشن اور اپنی دماغی تہذیب کو آئینہ کر دکھائین ۔

گورنمنٹ اور ہماری زبان اس گورنمنٹ کے برکات اور اس کے عنایات مین سے بڑی عنایت اس زبان کی سرپرستی تھی جسکا مفصل حال
آگے آپ سُننے والے ہین۔ اور اب اس سے جس طرح کی مغائرت اور علیحدگی برتی جاتی ہو اور اس سے حاکم و محکوم کی دوری
بڑھتی جاتی ہو اس کی ہمین بڑی شکایت ہو۔ آپ کو اس ملک کا تجربہ یہان کی تاریخ اور ہمارا آئندہ بیان بتائے گا کہ اس زمین کی آب و ہوا کسی بیرونی
زبان کو پھیلنے پھولنے نہین دیتی۔ گزشتہ تجربون سے سبق لینے کی ضرورت ہو۔ خلاف فطرت امر چل نہین سکتا اور ۳۵ کروڑ مخلوق کوئی غیر زبان اختیار نہین
کرسکتی۔ اب اس پر غور کرنے اور زبان و تعلیمی پالسی پر نظر ثانی کا وقت آگیا ہو۔ انگریزی دن کے قدم یہان اسی زبان کے علم نے جما دیئے۔ ہمارا اُن کا رشتہ
بندھ چکا۔ ہمارے نیک و بد کا اثر اُن پر اور اُن کے نیک و بد کا اثر ہم پر پڑتا ہو اور پڑتا رہیگا۔ ملکی زبان جاننے کی ضرورت ڈیڑھ سو برس بعد بھی فوت نہوئی اور
ہزار سال بعد بھی فوت نہو گی۔ جو حکام ہماری زبان جانتے تھے انھین اس ملک نے یادگار یاد رکھا ہو اور جواب بھی ہمارے لٹریچر سے دلچسپی رکھتے ہیں

سے ہماری معاشرت کو سمجھ چکے ہیں وہ اپنے مقاموں پر ہمیشہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ مرحوم سر جان اوڈبرن (لفٹننٹ گورنر بنگال) اسی زبان دانی کی بدولت ہر دلعزیز و کامیاب بنے رہے۔

اور آج بھی سر جیمس مسٹن نہیں بلکہ ہمارے مِٹن صاحب اسی اُردو دانی کی وجہ سے ہمارے سرتاج ہو رہے ہیں۔

صاحبو! آپ کی بھاشا کو صرف برکاجیت اور رِشبھ جی ہی سے تعلق نہیں اور اس ترقی یافتہ بھاشا کو خالی شاہجہان ہی سے نسبت نہیں بلکہ آپ کی اس اُردو کو ملکہ مہربان وکٹوریہ کی زبان بننے کا بھی شرف حاصل ہو چکا ہے اور ان چار شاہنشاہوں کی زبان کا خیال اور اس کی غور و پرداخت اب اس گورنمنٹ کے ذمہ اور اُسکے فرائض میں سے ہے آپکو علم ہوگا کہ مختلف قوموں سے مزید ربط و اتحاد کی ضرورت و خواہش نے فی الحال لندن میں زبان دانی کی ایک اکیڈمی قائم کرا دی ہے۔ لارڈ کرزن اُس کے صدر اور ہمارے مخدوم ڈاکٹر راس کے سے زبان دان اردو دان اس انجمن کے سکرٹری منتخب مقرر ہوئے ہیں گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی اُسکی سرپرستی قبول کی اور خزانہ ہند سے قریب دو لاکھ روپیہ سالانہ اُسے دینا منظور کیا ہے۔ اطمینان و مسرت کی بات ہے کہ ہماری زبان سیکھنے کا ولایت میں بھی اب باقاعدہ انتظام ہو سکے گا۔ اور صاحبو چونکہ اس دو لاکھ میں آپ کا بڑا حصہ اور بونس شیر موجود ہے اس لحاظ سے امید ہے کہ اس اکیڈمی میں آپ کی آواز بھی شریک کی جائے۔ یہ نعمت غیر مترقبہ ہے اور اب اُس خوان کرم سے آپ کو بھی خاطر خواہ فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

اُردو حروف

جہاں میں فارسی حروف کا حامی ہوں اور اُردو کو اِن ہی حرفوں میں لکھے بغیر چارہ نہیں دیکھتا اور اُسے اِن دو قوموں ہندو و مسلمان کے ایثار و اتحاد کی ایک نظیر تسلیم کرتا ہوں وہاں میں اس کا مقر بھی ہوں کہ ہماری پُرانی طرز تحریر عیب سے خالی نہیں اور اسمیں اصلاح و ترمیم کی بڑی گنجائش ہے اور بغیر اسکے آپ کی زبان آسان و رواں نہیں بن سکتی۔ مجھے علم ہے کہ انجمن ترقی اُردو نے اس مسئلہ پر بھی نظر کی ہے لیکن ابتک جو کچھ ہوا اس سے بہت آگے اور جلد بڑھنے کی ضرورت ہے۔ صاحبو! خیر اِن میں آپ کو اپنے عزیز دوست یلدرم کی اِس تحریک کی طرف پھر متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو آج سے کئی سال قبل وہ ملک میں اس زبان کی ترقی کے متعلق پیش اور رعام کر چکے ہیں انھوں نے اسکی عہد کو یاد دلا کر ہم کو شرمایا اور کسی بت سیمیں سے نہیں ایک بت سربریدہ انٹرڈوس کر کے اس سے عقد اتحاد باندھنے کو اُردو کی اصل ترقی کا راز بتادیا تھا۔ اُن کا منتخب کردہ معشوق چھپا ہوا نہیں چھپا ہوا ہے۔ میں نے بھی اُسے پسند کیا اور اُس کی طرف ایک نظر کرنیکی آپسے بھی خواہش رکھتا ہوں۔

گذارش

صاحبو۔ رات تھوڑی اور سانگ بہت۔ اُردو کا فسانہ اور اتنا کم زمانہ۔ ایک نشست میں کیونکر دل خالی ہو۔ یہ تو صرف عرض حقیقت تھی زبان کا قصہ تو اب آگے آتا ہے وہ بھی گو مفصل نہیں مگر ایسی رواروی اور اختصار پر بھی دفتر ہو گیا۔ آپ جی لگا کر اسے بھی سُن لیں تو ایک مریض کی محنت سوارت اور اُس کی عزت افزائی ہو۔

بنام ایزد بخشاینده بخشایش گر مہربان دادگر!

عجائبات دنیا[۵۱] میں سے عجیب تر اس کا وہ حصہ اضی ہے جسے ہم آریاورت[۵۲] یا ملک ہند[۵۳] کہتے ہیں۔ اس زمین کی ہمیشہ سے یہ شان رہی کہ اس کا کوئی خطہ اور ٹکڑا کسی ایک قوم اور کسی ایک نسل سے کبھی بھرا ہوا نظر نہ آیا۔ سارے جہان کی بوقلمونی اور نیرنگی و رنگینی اسی ایک باغ کے اندر سمٹ کر چلی آئی۔ دور دراز زمینوں کے بیج لا لا کر یہاں ڈالے گئے

---

[۵۱] دساتیر کی بسم اللہ دیکھو۔ دساتیر ملا فیروز پارسی مطبوعہ ۱۸۱۸ء [۵۲] کرہ ارض [۵۳] آریہ۔ بزرگ۔ ورت۔ مسکن آریہ ورت = آریوں کی جگہ [۵۴] ہند اس ملک کو یہ لقب ایرانیوں نے بخشا وہ ادھر آئے تو پہلے سندھ سے سامنا ہوا۔ فارسی عموماً س کو ہ سے بدل دیتے ہیں اس لیے سندھ سے ہندھ ہوا ہ کثرت استعمال سے گری اور ہند ہو گیا۔ یہاں کے رہنے والوں کو ہندو اور ہندی (بلحاظ نسبتی) کہا اور یہاں کی زبان کو ہندی لقب بخشا ۔۱۲

ورسات سمندر پار کے تازہ قلم یہاں لگائے گئے۔ بھانت بھانت کے جانور اِس وحش خانہ اور رمنہ میں بولا اور چہکا۔ اُن کے زمزموں نے ہمالیہ کے کان کھڑے کر دیے اور ان آوازوں پر بے چین دل ادھر متوجہ ہو گئے۔ اِس باغ کی آب و ہوا نے اُسے ایسا سدا بہار بنا دیا کہ ساری دنیا آج تک اس پر مٹی ہوئی اور یہاں کی خاکِ سرمہ کشِ دیدۂ شوق بنی ہوئی ہے!

نو آرین مہاجرین اور اُن کی بھاکھا

یہ اسی زمین کی جان بخش و روح پرور آب و ہوا اور اسی باغ کی گوناگوں رنگینی اور قدرتی شادابی و زرخیزی کا اثر و کشش تھی کہ اُسکے اطراف کی ذی حس و زندہ قومیں اس طرف کھنچ آئیں اور اپنے مسکن و مقام کو چھوڑ چھوڑ کر یہاں کی خاک سے لپٹیں اور اس پر اپنی پیشانیاں رگڑنے لگیں!

ان خوش نصیب قوموں میں سے اوّل اوّل جن قوموں نے یہ شرف حاصل کیا وہ تین مختلف نسلوں کی یادگار تھیں جو اس باغ کے تین مشہور دروازوں سے سر جھکا کر یہاں داخل ہوئیں۔ اوّل تبتو برمن شمال و مشرق سے ہمالہ کی برفستانی چوٹیاں پھاندتے ہوئے ادھر آئے اور اب بھی اسکے دامن میں پھیلے ہوئے ہیں دوم۔ کولاریئین یہ بھی اُسی رستہ سے بنگالہ میں آ کودے اور پھر دکن کی طرف اُتر آئے جہاں اُنکے نشان ہنوز باقی ہیں سوم۔ دراویڈین۔ جو شمال و مغرب درہ بولان سے پنجاب میں آ نکلے اور پھر رفتہ رفتہ کنارِ سمندر کی ہوا کھاتے اور کترلاتے ہوئے انتہائی دکھن یعنی کیپ کومرن تک جا پہنچے اور وہاں پھیل گئے تاریخی امتیاز کے لیے انکا نام نون آرین (غیر از آرین) رکھا گیا اور وہ پردیسی یہاں آکر اپنے گھر کی طرح رہنے سہنے لگے۔

نون آرین قومیں اور صورتاً و سیرتاً ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ و مختلف تھے یہاں کے رسم و رواج، عادات و خصائل آپس میں ملتے ہوئے نہ تھے اور زبان و مذہب جن کے زور سے مختلف النسل قومیں ایک اور متحد ہو جاتی ہیں، کے سخت افتراق نے انھیں کبھی با قوت ہونے نہ دیا اس وجہ سے کسی غیر قوم کے حملہ کے وقت کوئی زور اور قوت نہ دکھا سکیں، اور آخر فنا یا بن باسی ہو کر دنیا کی نظروں سے غائب و راو جھل ہو گئیں۔

شروع شروع میں جیسا کہ قاعدہ ہے یہ قومیں اپنی دیسی و ملکی زبانیں (تبتی، پہاڑی، کولاری، ۱ تامل ہی) بولتی تھیں لیکن یہاں آ کر اُن کے اطوار و تہذیب کی طرح وہ زبانیں بھی بدلیں اور صاف ہوئیں اور وہی اُن کی مختلف ۲ بھاکھا، اور پراکرتیں ۳ کہلائیں یہ زبانیں کسی نہ کسی شکل میں ایک باقی ہیں اور گو وہ شاخ در شاخ ہو کر ٹوٹ ٹوٹ گئیں لیکن ایک ماہر علم لسانیات اب بھی اُس کی اصل بتا کر اُن کی جڑ بنیاد اور قومیت کی خبر دے سکتا ہے۔

آرین اور سنسکرت

یہ نون آرین ابھی اس باغ کی بہار دیکھ رہے تھے اور اِس زمین کی ہوا ہی کھا رہے تھے کہ وسط ایشیا کے پلیٹو سے ایک سورما قوم اُٹھی جس نے اپنے قوائے دماغی و طاقت جسمانی کی بدولت ماسوا قوت کی دیگر قوموں پر شرف پایا۔ ان میں کے ایک گروہ نے مغرب پر ہاتھ ڈالا اور دوسری جماعت نے اس باغ کی آرائش کا حال سُن کر ادھر قدم بڑھایا یہ نئی قوم جس نے خطۂ آریہ تا (ایران) سے سر نکالا اور اس لیے آرین لقب پایا تھا سطوت بڑھی ۴ اور پنجاب کو تسخیر کر کے وہاں ڈیرہ ڈالا اور پھر رفتہ رفتہ ایک اچھے حصّہ ہند پر قابض و متصرف ہو گئی۔

نون آرین جو زبانیں بولتے اور جن بھاکھا میں اظہار مطالب اور

---

۱ یہاں کے جنگلوں اور کوہستانوں میں جو قومیں مثل بھیل کول، ہینڈا اور سنتالی وغیرہ وغیرہ نظر آتی اور وہ خانہ بدوش جو اکثر جاڑوں میں دکھائی دیتے ہیں وہ یہاں کی پرانی قوموں کی نشانیاں اور یادگار ہیں ۲ دیکھو تاریخ ہند از سر جان اسٹریچی و تاریخ ہند و اہل ہند از ڈاکٹر ہنٹر اور تاریخ فرشتہ وغیرہ وغیرہ ۳ بھاکھا۔ بول۔ زبان ۴ پراکرت۔ عوام کی زبان ۵ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح۔

تبادلۂ خیالات کرتے تھے وہ مختلف تھیں اور جسطرح وہ ٹولی ٹولی اور گروہ گروہ ہو کر یہاں بسے اور آباد ہوئے اور تمدن و معاشرت میں ایک دوسرے سے بیگانہ و علیحدہ ہو گئے تھے اسیطرح اُن کی زبان کا شیرازہ بھی بکھرا اور خطہ خطہ کی پراکرتیں جُدا جُدا ہو کر اتحادِ زبان کا دور جاتا رہا تھا جسکی بدولت کسی گروہ کے تخیلات و مطالب میں یکسوئی و یک جہتی ہو جاتی اور پھر وہ جماعت ایک قوم بن جانے کا شرف حاصل کر لیتی ہے اسوجہ سے وہ کمزور پڑے اور ہندو آریوں کے آخر غلام بن گئے۔

بزرگ و پاک[۱] آرین نے جب ان ناپاک اور شودر[۲] نان آرین پر فتح پائی اور نچنت ہو کر بیٹھے تو اپنے فلسفہ و قانون و مذہب کی تدوین و ترتیب کے ساتھ ساتھ اپنی اُس زبان کی تکمیل و تہذیب کی طرف بھی جھکے جسے وہ اپنے دیس سے ساتھ لائے اور جسے اپنی جان کے برابر سمجھتے تھے۔ یہی زبان تھی جو ان کے اصل وطن میں ژند بولی اور ہند میں آکر سنسکرت سمجھی گئی۔

یہ مقدس[۳] زبان (سنسکرت) ان نئے حکمرانوں کی حکومت و اقتدار کیطرح بڑھی اور پھلی پھولی لیکن چونکہ ہمارے یہ مہاتما اپنے سے کم رتبہ انسان اور اپنے پرجا شودروں کے ناپاک منھ میں اپنی پاک زبان کا ڈالنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے اس وجہ سے وہ مختلف پراکرتیں جو ان نان ایرین کی زبانیں تھیں اور عرصہ سے یہاں جاری و ساری ہو رہی تھیں آزاد رہیں اور سانسکرت کی باندیاں نہ بن سکیں۔ عوام بدستور اپنی زبان کا مزا لیتے اور خوش اپنے ہی زبان کی چاشنی چکھتے رہے لیکن ضرورت کے قانون سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اور اس لیے گو حاکم و محکوم میں گہری چھوت رہی لیکن روزانہ کے کام کاج کی خاطر ایک نے دوسرے کی جانب ہاتھ بڑھا ہی دیا!

۱ آریہ بزرگ خاندانی۔

۲ شودر۔ نیچ ذات۔ گنوار۔ چاکر

۳ سنسکرت۔ مکمل۔ مقدس دیوتاؤں کی زبان۔

فارسیئین اور ژند[۱]

یہ حالت تقریباً چار سو برس تک قائم رہی۔ سنسکرت اپنے عروج و کمال پر پہنچ کر اپنے خالص ہونے کا دعویٰ بھی کر رہی تھی کہ ان مہاتما آرین کے دوسرے بھائیوں (فارسیوں) نے اس باغ کی بہار لوٹنا چاہی۔ دارا شاہِ فارس پنجاب کی طرف بڑھا[۲] اور اس ملک پر قبضہ کر کے اپنے زیرِ نگین کر لیا۔ یہ نئے حملہ آور امتداد اور دوری کے باعث اپنے دوسرے بھائیوں (ہندی آرین) کو بھول چکے اور اپنا فلسفہ و مذہب الگ قائم کر چکے تھے لیکن زبان وہ سخت جان ہے کہ قوموں اور ملکوں کے مٹ جانے پر بھی جلد نہیں مٹتی اور اسکی روح اور اسپرٹ عرصہ تک باقی رہتی ہے اسوجہ سے ان دونوں (فارسی آرین اور ہندی آرین) کی زبانیں جو ایک گھر کی بیٹیاں تھیں تغیرات کے بعد بھی پہچان لی گئیں اور ژند سنسکرت سے اور سنسکرت ژند سے پھر گلے ملنے، لپٹنے اور آپس میں شیر و شکر ہونے لگی۔

بُدھ مت اور پالی

زمانہ اب سوا سو برس اور آگے بڑھ آیا۔ اس عرصہ میں ہند و ایران کی دیرینہ دوئی دور ہو کر یکجہتی کا یہ تیار رستہ مکمل ہو چکا تھا اور سنسکرت اپنی دوسری بہن ژند کی طرح شائستگی و تہذیب کا جامہ پہن چکی اور عزت و افتخار کا خلعتِ فاخرہ پا چکی تھی کہ دفعتاً ملک میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہوا جس سے نہ صرف سلطنت اور ہندو دھرم ہی کو سخت دھچکا لگا بلکہ اُنکی مذہبی زبان سنسکرت نے بھی وہ جھٹکا کھایا کہ پھر پنپ نہ سکی اور جانبر[۳] نہ ہو سکی!

۱ ژند چقماق (چکمک پتھری) کا وہ حصہ جس کی ذرا اور رگڑ سے آگ نکلتی ہے۔ ایران کی وہ قدیم زبان جو مختلف پراکرتوں کی رگڑ سے شعلہ بن کر نکل آئی۔ اپنے بسیا میں وہ گویا پرکالۂ آتش تھی مگر یہاں (ہندستان) آکر وید پر چڑھی اور آخر دیوتاؤں کے منھ میں پڑ کر نور بنی اور پوجی گئی۔ ۲ تقریباً چھ سو سال قبل مسیح۔

۳ سنسکرت و ژند میں کچھ عجیب طرح کا تاریخی اتحاد چلا آتا ہے جسطرح یہاں بودھ نے سنسکرت کو مٹایا اُسی طرح وہاں (ایران) (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ ہو)

سنسکرت سلطنت و مذہب کی زبان تھی اور مذہب کی طرح غیر زبان کا مزا چکھنا بھی جھوت اور منع تھا سلطنت و رعایا کے مذہب و معاشرت کے اختلاف کے ساتھ ساتھ زبان کا فرق بھی ایسا حائل ہوا کہ حاکم و محکوم کے ادراک تخیلات اور خواہشات کسی طرح ایک نہ ہو سکے آخر (دونون مین) افتراق و نفاق کا بیج پڑ گیا عوام جن کی تعداد زیادہ غالب ہوا کرتی ہے آہستہ آہستہ اُبھر اور کسی انقلاب کو دل سے چاہتے رہے تھے کہ اُسی عظیم الشان راج (ہندو سلطنت) کی ایک شاخ سورج بنسی چھتریون کے گھر سے ایک چاند (سدھارتھ) طلوع ہوا جو بڑھ کر سری گوتم بدھ پکارا گیا۔

گوتم جی جہان کی خاک سے اُٹھے تھے وہان کی پراکرت (خطون یا پراکرتون سے ذرا جدا تھی۔ اُنھون (بدھ) نے اپنی دیس کی زبان اختیار کی اور عوام کے چوٹ کھائے ہوئے دلون کو یون ہاتھ مین لیکر اُن ہی کی بھاکھا مین اپنا وعظ شروع کیا۔ اسی (نئی (عاقل و فرزانہ) کی زبان نے پالی لقب پایا۔ یہ وہی بھاکھا تھی جس مین اُس (بودھ) نے ایک عالم وجد و سُرور مین (کاشی اور گیا جی کے جنگلون کے درمیان) اپنے ساتھیون اور چیلون کو پکارا اور کہا کہ "دھرم کرو، دھرم کرو، دھرم کا سنکھ پھونکو، دھرم کی ڈُنڈ بجاؤ"!!

اِن اچھوتے اور نادر فقرون پر غور کرو اور اب اُنھین پالی کہو یا پُرانی بھاشا لقب دو یا ڈھائی ہزار برس کی اُردو سمجھو اور آج کون ہے جو ان فقرون کے الفاظ اور مطالب کو نہین سمجھ سکتا اور اُسے فصیح اُردو نہین کہہ سکتا!

غرض یہ زبان (پالی) بُدھ مت کے ساتھ آگے بڑھی اور جہان اگلی سلطنت اور قدیم دھرم کا نشان محو ہوا وہان اُس پُرانی زبان سنسکرت کا نام بھی مٹ کر رہ گیا!

یونانی

بودھ مذہب کو پھیلے اور عروج پکڑے ہوئے اور پالی کا نام نکلے ہوئے ابھی پورے ڈھائی سو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ یونانیون نے دنیا مین سر اُٹھایا اور سکندر کی تلوار نے عالم مین خون کا مینھ برسایا۔ آریون کا قدیم ملک (ایران) اسی کے ہاتھون سے سر ہوا۔ وہان کی معاشرت و تمدن مین فرق ڈالتا اور ژند کو روندتا، پامال کرتا ہوا وہ یونانی سیلاب باغِ ہند کی طرف بڑھا اور سرحدی بند توڑتا ہوا پنجاب سے بھی آگے نکل آیا۔ اور گنگا و جمنا کے کنارے آلگا سکندر نے یہان اپنے اُردو کی چھاؤنی ڈال اپنے الفاظ کے لشکر کو بھی خیمہ زن کر دیا!

اسکے رخصت ہونے پر سلوکس اس کا سپہ سالار ادھر کی ہوا کھانے نکلا چندر گپت سے مڈبھیڑ ہوئی اور آخر اپنی ایک بیٹی دان کرکے لوٹ گیا یہان کی زبانون اور یونان کے میل اور آمیزش بلکہ اُس کے گھر کرنیکی یہ دلچسپ تاریخ ہے!

بُدھ مت اور پالی کا زوال اور ہندو دھرم و سنسکرت کا نیا جنم

بدھ مذہب کا منشا صرف اپنے مت کو پھیلانا تھا نہ کہ کسی خاص زبان کی ترویج و اشاعت۔ اُس نے اپنے دھرم کا سنکھ کسی ایک آلہ سے نہین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) ژند کو زرتشت (زردشت) نے خاک سیاہ کیا۔ یہان پالی لگے تھے وہان پاژند بکلی یہان پھر سنسکرت اُبھری یہان بھی اوستا نے ژند کو اُبھارا۔ یہان بھاشا اور پراکرت بھاشا کا دور دورہ ہوا اور وہان پہلوی نے اپنا علم نکالا۔ یہان بھی عربی فارسی نے بھاشا پر اپنا عمل کیا اور آخر اُردو کا جھنڈا اُڑ گیا۔ وہان بھی پہلوی پر عربی کا اثر پڑا۔ اور رفتہ رفتہ موجودہ فارسی کا پُتلا کھڑا ہو گیا! سلہ تقریباً ۵۰۰ سال قبل مسیح۔

سلہ گوتم بودھ کے جنم بھوم مین اختلاف ہے کوئی نیپال کی ترائی بتاتا ہے اور کوئی خاص مگدھ دیس (قدیم بہار) مگر یہ مسلم ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت بہار کی یونیورسٹی مین ہوئی اور راج گیر (بہار) مین تپشیا کی!

سلہ ۳۳۰ سال قبل مسیح سلہ اُردو بمعنی لشکر سلہ مشہور ہے کہ سلوکس نے چندر گپت کو بیٹی دی! سلہ پالی گھر سے نکل کر برما چین مین جا پہنچی سلہ مت یعنی دھرم۔ اصول۔

بلکہ اُن تمام آلون سے چھوٹکا جو اُسے آسانی سے ملتے گئے اس لیے جن جن خطون مین وہ (مذہب) پہنچا وہان کی پراکرت مین کوئی خاص تبدیلی نہو سکی پالی مذہبی زبان بن کر سکنڈری لینگواج کے طور پر مستعمل رہی اور اس مذہب کے اخراج کے ساتھ اُسے بھی دیس نکالا نصیب ہوا۔

سنسکرت کو عام نہ کرکے ہندو سلطنت اور ہندو دھرم کو جو نقصان پہنچا تھا، بودھ سلطنت اور بدھ مت نے افسوس کہ اس سے سبق نہ لیا پالی بھی عام نہو سکی اور اس لیے زنجیر اتحاد بغیر کسی مضبوط کڑی کے بودی کی بودی رہی اور اسکا ٹوٹنا اور بکھرنا لازمی تھا۔

یونانیون کے سخت حملے بدھشت سلطنت کی بنیاد کھوکھلی کر چکے تھے کہ جین مت نے بودھ مذہب کی عظیم الشان عمارت کو بھی ہلا ڈالا۔ ویدمت (ہندو ازم) کو پھر جاگنے کا موقع ملا۔ اس کی گرتی ہوئی لو اُٹھائی گئی۔ ہندو دھرم مین پھر جان آئی۔ اور سنسکرت نے بھی ساتھ ہی نیا جنم لیا!

جو مختلف پراکرتین یہان بولی جا رہی اور عام ہو رہی تھین وہ اس بیچ مین بہت زور پکڑ چکی اور بیرونی زبانون کی مدد اور کمک پر بہت آگے بڑھ چکی تھین اس لیے اب جو سنسکرت میدان مین آئی تو اُسے شہ زور رقیبون سے سامنا ہوا۔ بکرماجیت اور راجہ بھوج کے سے حوصلہ مندون نے اُسے اگلا سا عروج و اقبال دینے مین ہر چند بڑی کوششین کین لیکن اس کے درخت اقبال کو گھن لگ چکا تھا اور آخر وہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور اُن مختلف پراکرتون نے اس زمین مین جڑ پکڑ لی۔

تاتاری و ترکی

یونانیون کے بعد تاتاری اس باغ کو لوٹنے نکلے۔ پھر تورانی نکلے اور آخر ترکی دوڑے چنگیز و تیمور کی ترکی بھی تام ہوئی لیکن اُن کی زبانون کا دور دورہ جیسا کہ قاعدہ ہے تمام تر نہو سنسکرت ہو یا یہان کی اور بھاکھا ایسے زبردست اثر ان سے کیونکر بچتین اور آخر فارسی، یونانی اور ترکی بھی یہان گھر کرکے رہین اور یہان کی زبانون کا ایک جزو لاینفک ہو گئین!

اور آج بھی اگر کوئی ان زبانون کی تشریح کرنے بیٹھے تو اس کے جسم مین وہ غیر زبانین رگ اور پٹھون کی طرح اُبھری ہوئی نظر آئین گی۔

یہان کی مختلف بھاکھا

تون ایرین زبانون کا حال معلوم ہو چکا اور یہ بھی کھل چکا کہ یہان سنسکرت کے آنے کے وقت تک ان کی زبانین کیونکر صوبہ وار تقسیم در تقسیم ہو چکی تھین اور گو سنسکرت ان کو مٹا نہ سکی مگر پھر بھی اسکے اثر سے وہ ہمیشہ بگڑتی رہین اور صدیون کے انقلاب اور اُس غیر زبان (سنسکرت) کے میل سے اُنکی اگلی سی صورتین باقی نہ رہی تھین بیرونی اثر بھی ان پراکرتون پر پڑتا رہا اس لیے گو اصلی مادہ فنا نہ ہوا مگر اُن کی شکل و شمائل مین فرق آتا رہا[1]!

اسوقت تک اصلی ہندیون اور عام لوگون کی جو پراکرتین موجود تھین اُن مین سے پانچ زبانین ممتاز ہو رہی تھین اول مہاسٹری[2]۔ دوم سورسینی[3]۔ سوم مگدھی[4]۔ چہارم پیساچی[5]۔ اور پنجم ارد مگدھی[6]۔

ان پانچ مین سے سورسینی علاقہ برج (متھرا) کی بھاکھا تھی اور آگے چلکر

سلہ ۶۰۰ سال قبل مسیح سے لیکر ۱۰۰۰ عیسوی تک ۱۲

سلہ ۱ دیکھو تاریخ ہند از تھبرج سلہ ۲ دیکھو کیلاگ کی گرامر سلہ ۳ مہاراسٹر جنوب سے ہو اور موجودہ صوبہ سے ذرا نیچے ایک صوبہ تھا جہان کی بھاکھا مہاراشٹری کہلائی اور پھر بگڑ کر مرہٹی ہو گئی سلہ ۴ اصل سورسینی یا سرداسنی ہے سنسکرت مین سرو یا سردا کے معنی محیط کے ہین یعنی اس زبان (بھاشا) کا اتنا وسیع تھا کہ دو سالم ہند کو گھیرے ہوئے تھی سلہ ۵ مگدھی - گھدیس (قدیم بہار) بھاکھا جو کئی انقلابون کے بعد پالی بنی اور برج بھاشا مین جذب ہو گئی! سلہ ۶ پرانے نقشہ ہند (۸۰۰ء کے) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ سورسینی گدیس (قدیم بہار) کے پچھم سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو)

ں نے وہ نام نکالا کہ اپنی ہمعصر باقی چار زبانوں پر حکومت کرتی اور رو ہی یہاں کی لنگوا آفریکا (راشٹر بھاشا) بن کر رہی ۔ سنسکرت نے اسے لولیا اور اس بچہ کو اپنی زبان جیسا کر پالا نکالا اور یہی اس سنسکرت کا نام لیوا قائم مقام اور خلف الصدق بنی!

اسی زبان کے اکثر وہ شاعر و ادیب ملک میں پیدا ہوئے جن کی دماغی صلاحیت عام طور پر تسلیم ہوئی اور دیگر بھاکھا نے اس زبان کی قوت کے آگے سر جھکایا اور پذیرائی کی۔

برج کا سبزہ زار و مرغزار اپنی خوبی آب و ہوا اور مردم خیزی کے باعث شیراز سمجھا گیا ہے اور وسط ہند میں واقع ہونے کی جہت سے ہمیشہ مرکز بنا رہا ہے جو مختلف قومیں اس دیار ہند میں آئیں اور علاقوں سے زیادہ اس علاقہ کو ان سے واسطہ رہا۔ اس وجہ سے مختلف زبانوں کا اثر اور خطوں سے زیادہ اس علاقہ پر پڑا گیا۔ اور اس سبب سے یہاں کی زبان میں اتنی وسعت و سیری آگئی کہ دوسری طرف سے بے نیاز ہو کر اپنی ہمعصر زبانوں پر حکومت دکھانے لگی!

عرب جس وقت ادھر آئے اُس وقت یہی سورسینی یا برج بھاشا یہاں ملی جلی رہی اور تمام ملک میں جاری و ساری اور عام طور پر بولی اور سمجھی جا رہی تھی۔ اور یہاں کی لینگوا فرینکا، یا راشٹر بھاشا بنی ہوئی گویا ہمارا اُردو ہو رہی تھی!

عرب اور عربی

عرب اپنی آزادی و خود مختاری سے زیادہ اپنی زبان اور اپنے لٹریچر کے لیے مشہور رہے ہیں۔ اسی زبان آوری کے بل پر انھوں نے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) شروع ہو کر شمال میں ملتان و لاہور تک پہنچتا تھا مغرب میں دریائے سندھ سے ملا اور جنوب میں متھرا کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے اُجین تک پھیلا ہوا تھا۔

سے ۱ دیکھو ہمیس کی گرامر انسائکلوپیڈیا۔ سے ۲ برج اور سندھ دونوں ہم سایہ تھے اس قدرتی میل کا نتیجہ آگے معلوم ہوگا۔

سے ۳ راشٹر = ملک = راشٹر بھاشا = ملکی زبان۔

سے ۱ ساری دنیا کو عجم (گونگا) کہا۔ قدرت نے بھی ان کا ساتھ دیا اور جو کتاب انھیں عطا کی گئی اُسکا ادب بھی دنیا میں عدیم النظیر تسلیم ہوا عرب و ادب دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں لازم و ملزوم کی طرح دنیا کے ہر شعبہ اور گوشہ میں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں۔ اُن کے صحرائی بادیہ نشینوں سے لیکر شہری اور محلوں کے مکینوں نے اُن کے علما و جہلا نے اُن کے مردوں اور عورتوں نے اُنکے بڈھوں اور بچوں نے اُن کے امیروں اور غریبوں نے، اور اُن کے موالی و موالی (غلاموں) نے فطرت کے اس بڑے عطیہ یعنی جذبات شاعری کی ہمیشہ پرستش کی اور سفر میں حضر میں، خوشی میں اور رنج میں صلح کے میدان اور جنگ کے مصاف میں وہ انکی طبیعت ثانیہ بنی رہی ہے!

ایام جاہلیت و وحشت میں گو وہ غیروں اور غیر زبانوں سے رمتے اور صرف اپنی ہی زبان کو سراہتے رہے لیکن جب وہ [illegible]

آزاد اور [illegible]

اور اپنے الوانِ نعمت میں غیروں کو بھی شریک کر لیا سلمان [illegible]

غیر ملکی ہے جو کہیں کا غلام ہو کر عرب پہنچا اور سیدہ عرب پاس حاضر ہو کر

سے ۱ موالی۔ دیکھو امیر المومنین علی مرتضیٰ کے خطبات، گہر ریز اور آنحضرت کا مشہور دیوان علم و حکمت کے ساتھ جذبات شاعری اور زور کلام و زبان انسانی قدرت سے باہر معلوم ہوتا ہے حضرت سیدہ کی رحلت پر اُنکے فراق اور زمانہ کی شکایت میں ایک جگہ فرماتے ہیں سے ۲ کنا کزوج حمامۃ فی ایکۃ متمتعین بصحۃ و شبابی ۔ دخل الزمان بنا فرق بیننا ۔ ان الزمان مفرق الاحباب یعنی ہم دونوں کبوتر کے جوڑے (اس تشبیہ سے اپنی معصومیت دکھائی ہے) کی طرح اپنے گھر میں رہتے اور صحت و شباب (یہ دونوں زندگی کی بہترین نعمتیں ہیں) سے مالا مال ہوئے۔ مگر افسوس زمانہ نیرنگ نے بیچ میں آکود ا اور واقعی وہ احباب میں تفرقہ ڈالنے والا ہے سے ۳ موالی اُس گھر کے غلاموں تک نے فصاحت و بلاغت اور زور زبان و کلام کے دریا بہا دیے میں جنگ کربلا میں امام سید الساجدین کے غلام حبشی کا پر جوش رجز تاریخ میں یادگار چلا آتا ہے سے ۴ پڑھو سلمان فارسی کے حالات!!

آزادی ہی نہیں ہم بلا آقائے اعراب بن گیا۔ اور فارس کی شہزادی شاہزادۂ عرب کے محل میں کنیز ہو کر نہیں بلکہ ملکہ بنکر رہی!!

اور ان دونوں کے اعتبار و رسوخ سے عرب اور عربی نے دوسروں پر جو اثر ڈالا اور خود جسطرح متاثر ہوئے وہ ظاہر ہے۔

تازی و فارسی

ملکِ فارس اور جنگ نہاوند جب عربوں کے ہاتھوں سے سر ہوئی اسوقت وہاں فارسی حکومت کر رہی تھی۔ ایرانیوں کی سلطنت مٹی اور گو عرصہ تک دفتر کی زبان فاتحین ہی کے قبضہ میں رہی لیکن زبان آخر آخر تک مفتوح نہ ہو سکی۔ فارسیوں نے مذہب تک دیدیا مگر اپنی پیاری زبان کسی حال نہیں دی۔

خوش قسمتی سے ہارون و مامون سے قدر دان بھی اس زبان کو مل گئے اور یہ انھیں کی عربی فیاضی کا اثر تھا کہ ملک اپنی زبان بھولا

اور آخر الپ ارسلان کے عہد میں اور عمید الملک کے سے منشی کی وجہ سے فارسی پھر تازہ ہوئی لیکن چار سو سال کی میعاد جھیل کر اب جو یہ نکلی اور آزاد ہوئی تو اور ہی جامہ میں نظر آئی۔ اور یہ وہی زبان تھی جو ترکوں اور مغلوں کی بدولت پھر اس دیار میں آئی اور ہزاروں انقلاب کے بعد ملکہ فارس اور مہندی رانی کی سی بچھڑی ہوئی بہنوں میں پھر ملاپ شروع ہو گیا اور یوں ان دونوں کی وضعداری و شرافت کا سارے عالم میں ڈنکا بج گیا۔

پرانے تعلقات میں نیا پیوند

تغیرات و انقلاب کے آسمان نے کئی سو سال کا چکر لگایا مگر ہند و ایران کے تعلقات و کشش کی زمین بدستور قائم رہی۔ اس بیچ میں کبھی آفتاب مشرق مغرب میں پر چمکا اور کبھی ہلال مغرب افق مشرق پر نظر آیا۔ یوں ان دو ملکوں کا ستارہ ملا کیا اور نوشیروانی دور تک یہی گردش دکھائی دی۔ اور جبکہ رانی پشتاولی کے گھر کا چاند اور راید رکا آفتاب ایک ساسانی شہزادی کو اپنے برج منزل میں لے آیا تو اتحاد زبان کا ستارہ اور چمکا اور فارسی و ہندی کا قران السعدین شروع ہو گیا!

عرب ہند میں

عرب ایران سے فرصت پاکر اپنے ہمسوانا ملکوں کی طرف بڑھے فتح نہاوند سے ۱۰ برس بعد ہوا سے باغ ہند سرمیں سمائی قلعہ سراٹ یعنی

---

۱ حضرت شہربانو کا عقد امام حسینؑ سے ہوا شہربانو کے ساتھ انکی متعدد سہیلیاں اور لونڈیاں بھی قید ہو کر مدینہ آئی تھیں انمیں کا زیادہ حصہ اہلبیت نبوی کے ساتھ رہا اور اسی سے عربی، فارسی کا اتحاد معلوم ہو جاسکتا ہے ۲ تازی = عربی = ۳ ہ‍ ۲۱ ۶۴۲ء

۴ فارسی جسطرح یہاں برج بھاشا سنسکرت کے چشمہ سے نہا دھو کر نکلی اور نکھری اور آخر اسل رتماسی پاکر اُردو بنی۔ اسی طرح وہاں آتشکدہ ژند و پاژند سے (فارسی) شعلہ بنکر بھکی اور آخر عربی اصطلاع پاکر ٹھنڈی ہوئی ۵ ہارون رشید عرصہ تک فارس میں رہا اور فارسی اچھی طرح جانتا تھا۔ اسکی خاتون زبیدہ نے اپنے بیٹے امین کے مقتول ہونے پر اپنا جذبہ دل اسی فارسی میں نکالا تذکرہ نویسوں نے اسکے یہ شعر قلمبند کیے ہیں ؎

لعبانِ جہان جہان ناخوش بے تو + بغداد پریشان و مشوش بے تو + رفتی تو من ہب تو ماندم غربا دُ: تو در خاکی و من در آتش بے تو + جب خود بادشاہ بیگم نے اس زبان کو یوں سراہا تو پھر اتی لوگوں نے فارسی کو کہاں تک اپنا آلہ زبان نہ بنایا ہوگا ۶ مامون کی ماں ایرانی تھی اور اُس کی عمر کا ایک اچھا حصہ فارس و خراسان میں گذرا۔ فارسی کی ہمیشہ اُس نے قدر کی اور ابو العباس مروزی کے اس قصیدہ سے ؎ ای رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرق دین + گسترانیدہ بفضل وجود، در عالم بدین بدپر اُسے ہزار دینار انعام دیا۔ (دیکھو تذکرہ مجمع الفصحا از مرزا رضا قلی)

۱ ۵۲۱ھ میں سرکاری دفتر کی زبان پھر فارسی ہوگئی ۲ ۵۳۰ عربی نے فارسی پر جو اثر ڈالا اُس کے بیان کے لیے علیحدہ فصل و باب کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اسی (فارسی) زبان کے استخوان تھے کہ ہم صدیوں تک شکنجہ میں کسے رہنے پر بھی سالم نظر آئے اور عربی کا ہما اس کو کسی طرح نہ کھا سکا؟ ظاہری صورت میں بیشک فرق ہوا مگر اس کی سیرت و مزاج میں قابل تمیز تبدیلی نہ ہو سکی ۳ ۵۳۰ نوشیروان کی فوج ایک مرتبہ گجرات کی راجدھانی (ولبھی پور) تک بڑھ آئی تھی جنگ و صلح کے بعد تعلقات اور رشتے قائم ہو گئے ۴ نوشیرواں کی پوتی راجہ ایدر کو بیاہی گئی ۵ ۲۱ ۶ ۵۸ ۶ھ (خلافت علی مرتضیٰ)۔

ہند کھولا گیا اور پھر کابل پہنچکر وہ ملتان اُتر آئے اور وہان
ڈال دیے شمال و مغرب کے پہاڑ اُدھر اِس حمل سے گونج رہے
اِدھر اُنکی ایک جماعت دریاے سندھ عبور کرکے راجپوتانہ
ملتان مین گھس آئی۔ محمد علافی ایک عرب شہزادہ بھی اسی زمانہ مین
بیش سے علیحدہ ہوکر اپنے رفقا سمیت ادھر آیا اور ہندی بن کر
نے راجہ داہر سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ اِن دو پرانی
ن اور زبانون (ہندی و عربی) کا ملاپ قدرتاً قائم ہو رہا تھا
قاسم کی یلغار نے اِس رشتہ کو اور مضبوط و مستحکم کر دیا!

کچھ نئے تعلقات

راجہ داہر کی جنگ و شکست پُرانی تاریخِ ہند کا اخیر ورق اور
… کی وایرانی خون کا دیباچہ اور غیر اقوام سے نئے ارتباط
ق اور پائدار رشتے کے پیدا و قائم ہو جانے کا دیباچہ عنوان ہے۔
ملک مین ابتک باہر کی بیٹیان آتی تھین اور اپنی زبانین ساتھ لاتی
ہین۔ مگر اب ہوا الٹی اور ہند کی بیٹیان بھی باہر نکلین۔ اور اِس
تبادلہ کی بدولت زبانون کا سکہ دونون جگہ رائج ہونے اور
نے لگا۔

عربی اور ہندی

قاسم تین برس سندھ مین رہا اور اپنی ملک دانی کی بدولت
یہان پوجا گیا![۱]

اُس کے اکثر ساتھیون اور لشکریون نے یہان سکونت کی
اور گھر بنا کر رہے۔ اُس کے جانے پر عرب کا تانتا لگ گیا[۲] اور بازار سندھ
بازار عکاظ نظر آنے لگا۔ عرب فتح فارس سے بہت سبق سیکھ چکے تھے
اور نوواردین کو غیر ملک مین جو دشواریان عموماً پیش آیا کرتی ہین
اُس کا تجربہ رکھتے تھے۔ زبان کی دقتین سب وقتون پر ہمیشہ بالا ہوا
کرتی ہین۔ وہ اُسے بھی خوب جھیل چکے۔

اور جس ملک کو اُنھون نے ہمیشہ گونگا (عجم) کہا اُس کے آلۂ زبان
سے بھی آخر کام لے چکے تھے۔ یہان کی دقتین اُن کے لیے آسان
تھین۔ اُنھون نے بلا تعصب حقارت اپنی مفتوحہ زبان کی طرف ہاتھ
بڑھایا اور اُسے بھی پہلو مین لا بٹھایا! خوش قسمتی تھی سندھ کی کہ اُسے
عرب جیسے فراخ دل قدردان ملے!

جنھون نے محض اپنی زبان کا زور اور زنانہ قوت دکھانے اور
سر اپنے ہی ارگن (زبان) کو ذہنیت او قات ہوتے رہنے کی ہوس
مین کہین کی شہنا (زبان) کا کلیجہ نہ چھیدا!

---

[۱] راجہ داہر سے پہلے محمد علافی کا حال [۲] اخیر فرمانروا ے سندھ
…نے قاسم کے ہاتھ سے شکست پائی۔ [۳] ۹۱ھ[۴] سلوکس سپہ سالار
اسکندر کی بیٹی اور دختر ساسانیان یہان آئین۔ [۵] راجہ داہر کی
…نی لاڈی محمد قاسم کے عقد نکاح مین آئی۔ حاکم دیبل کی بیٹیان حجاج
میر وقت) کے پاس بھیجی گئین اور قلعۂ راور (الور) کے سر ہونے پر علاوہ
۳۰ ہزار لشکری قیدیون کے تیس ہندی شہزادیان اور راجہ داہر کی سگی
بھانجی جیسیہ بھی عراق لائی گئین اور ان جیسیہ کا نکاح عبداللہ ابن عباس
سے ہوا۔ اور پھر اسی رواج کی رو اور شہزادیان ہو رہا دیبی دیول
دیبی) خلیفۂ وقت کے محل مین داخل ہوئین! دیکھو (چچ نامہ و
تاریخ میر معصوم)

[۱] قاسم کی واپسی اہلِ ہند پر سخت شاق ہوئی۔ اُنھون نے غم و ماتم کیا اور آخر
(بطور یادگار) اُس کا بت بنا کر رکھا اور اُسکی پوجا کرتے رہے! دیکھو چچ نامہ
فتوح البلدان اور تاریخ میر معصوم) [۲] اہلِ عرب اپنے ملک کے باہر اپنی عورتون
کو نہین لیجا سکتے تھے اور نہ اُنھین غیر ممالک مین زراعت وغیرہ کا اختیار
تھا (دیکھو احکامات خلفا) اس وجہ سے جہان وہ جاتے مجبوراً وہان کی
عورتون سے تعلق پیدا کرتے اور جو زمینین اُنھین صلۂ جنگ مین ملتین
اس کا بندوبست وہ وہان کی رعایا ہی کے ساتھ کرتے۔ یہ دونون امور ایسے
تھین جن سے اہلِ ملک کے ساتھ اُن کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہتے تھے!
[۳] سولیزیشن اور کلچر کے معنی آج کیا کر رہے ہین؟ عجم کی نرم شیرین
زبان (فرنچ) مین کھینچکر اب یہان ایک کرخت نیلادی زبان جرمنی کھونسی گئی ہے!

وہ خود صاحب زبان اور ادب و لٹریچر کے مالک تھے اِس لیے
وہ دوسری زبانوں اور دوسرے لٹریچر کی قدر کر سکتے تھے وہ جانتے
تھے کہ کسی قوم کو الکن کر دینا اُس کی ہستی کو معدوم کر دینا ہے اور اِس لیے
اُن مین کوئی ایسا بیدرد پیدا نہ ہوا جس نے اپنی ہوم گورنمنٹ کو
کسی ڈسپیچ کے ذریعہ سے اُس قوم کی زبان کی تحقیر و تذلیل کی ہو!
انکی (عربی) زبان گو اُسوقت علوم و فنون کی نہر لبن[۱] بنی ہوئی تھی
مگر اُنھون نے محض اپنی آسانیون کی خاطر دوسرون کی گردنین اُدھر
نہ مجھکائین - وہ سمجھتے اور حق سمجھتے تھے کہ یہان کی زمین کے شکم مین
خود شہد و شیر کی نہرین موج مار رہی ہین - یہ ملک خود اپنے رُواۃ
(ٹریڈیشن) اور اپنا سولیزیشن رکھتا ہے اور اِسکا ادب و لٹریچر دنیا
مین ممتاز رہا ہے اِس لیے اسکی قدر کی اور ایک پُرانی قوم کے خون سے
اپنا ہاتھ رنگین نہونے دیا!

دوسری طرف ہندی بھی غیر اقوام اور غیر زبانون[۲] کے صدیون سے
عادی ہو رہے تھے - عربی نئی ہو مگر غیر زبانون کا پھیٹ اُن کی زبان
کے خمیر مین آچکا تھا - اُن کے کان بیرونی لب و لہجہ اور حروف کے
مختلف اصوات سے آشنا ہو چکے بلکہ اُن کے حلق و دندان تک اُن
آوازون کلمون اور شعبون کے مخارج بن چکے تھے - اِس کے علاوہ خو
اُن کے ملک مین کئی کئی زبانین اسوقت تک رائج تھین اور وہ انھین
بے تکلف سمجھتے اور بولتے بھی تھے - ایسے ہفت زبانون کے
لیے ایک عربی کیا مشکل تھی - انھون نے اُس کا بھی خیر مقدم کیا اور
اپنے گھر مین اُسے بھی جگہ دی!

وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ حکومت کسی پیچیدار متعارض سے ہماری
زبان مٹانا نہین چاہتی - وہ (حکومت) خود اِس طرف بڑھ رہی اور
ہماری اُس کی مشکل برابر کی ہے - انھین (اہلِ ہند) اِس کا بھی علم تھا
کہ ہمارے فاتحین کی زبان پہلے ایک ہی سمت رکھتی اور اب تو کلزم[۱]
بن رہی ہے اُس سے اپنے چشمہ کی سب تون کو ملانا اور بڑا کرنا چاہیے -
بے اطمینانیون اور غلط فہمیون کا راستہ کھلا نہ تھا دونون اپنے حدود
کو سمجھ کر آگے بڑھے اور کوئی تصادم نہوا - اور یون عربی و ہندی کی
آمیزش شروع ہو گئی!

یہ اُسی بے تکلفی و یک جہتی کا نتیجہ تھا کہ خلفائے عرب کے عظیم الشان
دربار تک یہان کے علما و فضلا حکیمون اور پنڈتون کی رسائی
ہوئی اور اہلِ ہند کا اتنا اعتبار و رسوخ بڑھا کہ ہارون رشید نے
کنکا ملک یا بالکیراج کو اپنے علاج کے لیے یہان سے طلب کیا اور
اُسے عزت و افتخار کی کرسی بخشی[۲]!

یہی وہ زمانہ ہے کہ عرب سیاح اِس ملک کی سیر کو آتے اور یہان سے
خوش خوش جاتے ہین مسعودی[۳] بھی ان ہی دنون مین ادھر آیا -
اور اس ملک اور اہلِ ملک کی تعریف کرتا ہوا واپس گیا - ابن حوقل[۴]
اُس کے بعد یہان کی سیر کو آتا اور ہندو مسلمانون کے رشتۂ اتحاد کو
خوشی کر حیرت کے ساتھ دیکھتا اور کہتا ہے کہ اِن دو قومون (ہندو مسلمان)
کے لباس، تمدن و معاشرت اور اُنکی رفتار و گفتار مین فرق و امتیاز مشکل
ہے - دونون ایک ہی زبان بولتے ہین!

سندہ و دیگر اضلاع مین عربی اور ہندی بولی جاتی اور ملتان مین

---

[۱] عربون کا قبضہ سندہ و ہند پر تین سو سال سے زیادہ رہا اور اسی مدت مین اپنے ادب و لٹریچر کو اُنھون نے باہر کے خزانون سے بھی مالا مال کر دیا تھا - [۲] یونانی، ترکی اور فارسی -

[۱] یہی زمانہ ہے کہ یونانی علوم و فنون بھی عربی مین لائے جا رہے ہین اور ہندوؤن کا فلسفہ اور اُن کا علم جوتش عرب مین پڑھا جا رہا اور ترجمہ ہو رہا ہے منکا اور صالح نے عہد ہارون مین اور مسکویہ ابن دہن نے زمانۂ مامون مین ہندی طب (ویدک) کے ترجمے کیے - عرب مین اسوقت چرک و سسرت کے طبی تالیفات عام ہو چکے تھے [۲] دیکھو طبری [۳] در عہد سلطان مسعود سنہ ۳۰۴ تا ۹۱۵ھ دیکھو مروج الذہب [۴] در زمانہ المطیع باللہ عباسی:

نی دفارسی عام ہی!!

برج بھاشا، سندھی اور یہاں کی دوسری پراکرتین

جغرافیہ قدیم کی رو سے سندھ و برج کا ڈانڈا ملا ہوا تھا اور سوجہ
ے دیگر صوبجات سے زیادہ اُن دونوں خطوں مین اختلاط و مراسم
تھے۔ مرغزار برج کی کونپل یون تو کہان نہین کوئی اور کسی دل کو اپنی
ہی طرف نہین کھینچا۔ گر سندھ کا یادین باغ تھا، وہان اسوقت
سبسے زیادہ اثر پڑا۔ وہ بلبل ہند (بھاشا) جو بلغ بلغ اور چمن چمن
کے پھول اپنی منقار مین لیے ہوے تھی جب اُڑ کر اُدھر پہنچی تو اپنے
گلدستہ کیلیے عربی کے گلِ سرسبد بھی اُس نے چُنے اور اپنے آشیانہ
مین سجا کر رکھے۔

سندھی ہو یا یہان کی اور پراکرتین وہ خود رَو تھین لا ابالی باغبانون
نے بھی اُنھین ہاتھ نہین لگایا اور نہ باہر کے چشمون نے اُنھین سینچا اسلیے
وہ مرجھا گئین اور بے برگ و بار رہین برخلاف اِس کے برج بھاشا، کاٹ
چھانٹ کر درست کی گئی اور پھلدار و میوہ دار بنی شعرا اور ادیبون
نے اُس کی آبیاری کی۔ وہ بڑھی پھلی پھولی اور ہر طرف چھا گئی اور اور
پراکرتون کے ساتھ سندھی بھی اُس سے دبی اور آخر اُسی کے زیرِ سایہ
رہنے لگی!

برج بھاشا اُردو بننے کے لیے تیار ہوتی ہی!

اس ملک ہند (راشٹر بھاشا) کے قلمرو مین اب عربی[۱] کا وسیع میلان
بھی آگیا تھا۔ زبان اور الفاظ بھی موسمی تغیرات کے تابع ہوتے ہین
اور جسطرح فصل بدلتی اور اشجار پرانے رخت اُتار کر نیا جوڑا پہنتے ہین
اسی طرح زبان اور لفظون کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہی فصل گذری رُت
بدلی اور زبان کے درختون نے بھی نئی کونپلین نکالین۔ ہماری بھاشا
کے چمن مین بھی ایسے بہت سے نو روز آئے کبھی اس کی کیاریونمین
اپنے ساگ پات[۲] کے ساتھ صرف سنسکرت ہی کے پھل پھول نظر آئے کبھی
یونانی و ترکی کے میوہ دار نے لٹکے اور کبھی انگورِ شیراز کے رس ٹپکے۔
ان کی بہار خزان پر تھی کہ عربی خُرمے زینتِ چمن ہونے لگے یہ بھی
تازہ میوہ تھا، صدیون تک جس کا مزا زبانون پر رہا اور اس کی
چاشنی مدتون قائم رہی!

مبصرین جانتے ہین کہ طفلِ زبان کی نشو و نما دنون مین نہین بلکہ
صدیون مین ہوا کرتی ہی یہی حال اپنی اس بھاشا کا بھی سمجھو ایک
وقت مین وہ معمولی پراکرت بنی ہوئی اپنی ہی گلی مین مست تھی زمانہ
کی ہوا نے وہ گدڑی اُتاری اور سر دستی اسکا خلعت بخشا مگر مدتون
اُسے باہر کی ہوا نہ مل سکی۔ صدیون بعد وہ آزاد ہوئی۔ ہری ہو کر گھر
سے نکلی جگہ جگہ اپنی گٹھری کھولی اور شہرون شہرون سے سوغاتین
لائی۔ خود اپنی گرہ مین کیا کچھ نہ تھا۔ دساور کے مال نے رئیس بنایا
اسی ریاست و امارت کے زمانہ مین عربی کے خزانے بھی ہاتھ لگے اور

---

۱ دیکھو نقشہ ہند ۳۲۲ءم و ۲۸۶ءم و آئین اکبری ۲ سنسکرت زبان
ترکی اور قدیم فارسی ۳ سندھی و گجراتی وغیرہ آجتک اج ہین مگر وہ پراکرتین
ہین زبان (لینگویج) کا درجہ نہین رکھتین جن اثرون سے شمال و مغرب
بلکہ پورب (گھدیس) تک کی پراکرتون مین انقلاب ہوگیا اور برج بھاشا بیچ مین
ہو کر آگے بڑھی اور ہر طرف چھائی اور پھر اُس نے اُردو کا لقب اختیار کیا
اسی طرح جنوبِ ہند کی مختلف پراکرتین کمزور اور ایک دوسرے مین جذب ہو کر اور
بیرونی اثرات سے دبکر ایک نئی شکل مین اُبھرین۔ اِس نئی صورت کا نام دکھنی پڑا اِسکی
ساخت و ترکیب بھاشا اور اُردو سے مختلف تھی اور آخیر مین وہ بھی اُردو مین ضم
ہو گئی موجودہ سندھی و گجراتی اسی دکھنی (یا جنوبی اُردو) کی ٹکڑے ہین۔ اس لیے
انھین کوئی مستقل زبان سمجھنا اور اُردو سے مختلف جاننا نادانی ہی۔

۱ عرب سندھ و نواح سندھ بلکہ تعلقات کی وجہ سے شمال و مغرب ہند
اور یورپ مین بھی تین سو برس سے زیادہ رہے اور اہلِ ہند ہزارون لاکھون
کی تعداد مین عراق و عرب مین آگئے۔ دونون کے سوطیر نشین اور زبانون کا
اثر ایک دوسرے پر کیونکر نہ پڑتا اور قانون فطرت سے کوئی قوم کل کیونکر سکتی ہی
۲ شروع مین معمولی پراکرت ہونیکی وجہ سے بھاشا کے چمن مین واقعی ساگ پات
کے سوا اور کیا تھا۔ یہ تو سنسکرت نے اُسے گود لیکر اِسکی قدر و قیمت بڑھائی۔

اب امیر کبیرین بیٹھی!

عربی نے بھاشا سے جو کچھ لیا وہ تو یہین کی ملک ٹھہرا۔ اور بھاشا نے عربی سے جو کچھ پایا وہ بھی اسی زمین کا حصّہ ہوا۔ اِسی صاف و جائز لین دین کی بدولت جس طرح سندھ خالص مین عربی و ہندی ایک ہو رہی تھی اسی طرح کچھ دنون بعد مغربی و شمالی ہند مین بھی ؎۲ دونون شیر و شکر دکھائی دینے لگین۔ اور یہ اسی اختلاط و اشتراک کا نتیجہ تھا کہ عام لوگون سے گذر کر عربی بھی ادیبون اور گویون ؎۳ کے شیرین دہنون سے ٹپکنے اور آخر دیوتا ؎۴ ذن کے پاک مُنھ سے بھی جھڑنے لگی!

صاحبو۔ اسی اختلاط کا نام کسی زبان کی ترقی و وُسعت اور مدارج طے کر کے کسی خاص بام تک اُس کا پہنچنا ہے۔ ہماری بھاشا کی یہی وہ تدریجی ترقی و وسعت تھی جس نے پردیسیون کو بھی بدیشی جا کر اپنا کر لیا۔ اور اِن کی بے تکلف زبانون سے آخر ایک نیا خطاب (اُردو) پا کر اُسے تسلیم کر لیا!

اِس ترقی یافتہ بھاشا (اُردو) کی تاریخ ترکون اور مغلون کے وقت سے نہین بلکہ اس سے کئی صدی پیشتر یعنی اصل عربون کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے!

اور اسی مبارک عہد سے ہماری بھاشا کا رجحان و میلان ایک خوشگوار انقلاب اور اُس ایوولیوشن کی طرف نظر آتا ہے جس کی تکمیل پر ایک دو نہین چند در چند اور مختلف قومون کے بکھرے ہوئے تار ایک رشتہ مین جُڑ کر مضبوط و مستحکم ہو گئے!!

(باقی آئندہ)

؎۱ بھاشا کی تعریف یہی ہے کہ اسمین یہان کے ہر خطہ اور قوم کے الفاظ و محاورات بہ کثرت موجود ہین۔ اور اسی وجہ سے اس ایک زبان کا جاننے والا اس وسیع برِّ اعظم مین ہر جگہ اپنا کام بآسانی نکال سکتا تھا۔ دوسری پراکرتین اس سے ہمیشہ دب جایا کرتین اور آخر اسی کا بول بالا ہوتا اور یہی تمام رائج رہتی۔ اس کی ملنساری نے جب باہر کے لفظون (عربی، فارسی، ترکی) کو بھی جذب کیا اور اسکا اُردو نام پڑا، تو اس اُردو کی بھی وہی حیثیت قرار پا گئی ؎۲ ظاہر ہے کہ عرب یہان مقیم ہو گئے تھے۔ یہان کے الفاظ اپنے ملک مین کیونکر لیجاتے۔ جو کچھ یہان انھون نے سیکھا وہ بھی یہین نذر کیا ؎۳ کوی سانسکرت و بھاشا مین شاعر کو کہتے ہین۔ ؎۴ پڑھو پُرانے مذہبی منتر۔ علمی کیتین اور اخلاقی کہاوتین!

جنابِ بانی۔ مولوی سید کلب احمد صاحب بانی کا نام دنیائے ادب مین محتاج تعارف نہین ہے۔ العصر مین آپ کی کئی دلکش نظمین شائع ہو چکی ہین۔ اسدفعہ ہم آپ کی تصویر شائع کرتے ہین، جو یقیناً دلچسپی کے ساتھ دیکھی جائے گی۔ آپ کا وطن قصبہ جائس ضلع رائے بریلی ہے جہان علمی خصوصیت اور نسبی شرافت کے اعتبار سے آپ کا خاندان ممتاز ترین حیثیت رکھتا ہے۔ علوم مشرقیہ تو گویا آپ کے ارث آبائی مین داخل ہین، اور علوم مغربیہ مین بھی جنابِ بانی معقول دستگاہ رکھتے ہین۔ شاعری کا ذوق آپ مین فطری ہے، اور ذوق بھی انتہا درجہ کا سلیم۔ شباب اور شاعری کا آغاز ساتھ ساتھ ہوا اور سن کے ساتھ ملکۂ شاعری بھی ترقی کرتا گیا۔ یہان تک کہ آپ کی عدیم النظیر خداداد ذہانت نکتہ رس اور عالی طبیعت اور ذوقِ پاکیزہ و سلیم نے آپ کی شاعری کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ کلام بلحاظ ادائے جذبات و علو خیال و طرز بندش نہایت بلند پایہ اور رنگ مین سب سے جدا ہے۔ آپ کی فلسفیانہ دلآویز نظمین اکثر رسائل مین شائع ہوتی رہی ہین۔ العصر کے اس نمبر مین بھی ایک نظم بعنوان "حسن و عشق" شائع ہوتی ہے جس کی خوبیان آپ کے حسنِ بیان بلند پروازی فکر، قوتِ استدلال و فیصلہ اور رفعت الکلام کی بین اور روشن دلیلین ہین۔ چند سال سے آپ کا قیام بسلسلۂ ملازمت دار الریاست بھوپال مین ہے۔ اور اگرچہ فرائض منصبی کی انجام دہی سے بہت کم فرصت ملتی ہے تاہم جب کبھی فکرِ سخن فرماتے ہین طبع رسا اپنے جوہرِ اصلی دکھائے بغیر نہین رہتی۔ حضرت بانی کی عمر اس وقت اکتیس ۳۱ سال کی ہے۔



مستر سعید بك احمد عادلی مادی (حاسی)

فن تقریر

۶

تقریر کی مختلف صورتین

تقریر کرنے کی چار مختلف صورتین ہین۔

۱۔ لکھے ہوے مضمون کو پڑھ کر سُنانا۔

۲۔ لکھ کر زبانی یاد کر لیا جائے اور بلا حوالجات تقریر کیجائے۔

۳۔ مضمون کا نقشہ دل مین باندھکر بیساختہ تقریر کرنا۔

۴۔ دوسرے اور تیسرے طریقے کو ملانا یعنی تحریری مضمون مین سے ضروری باتین ازبر کر لینا اور باقی کے لیے یادداشت پر بھروسہ رکھنا۔

طریق اول۔ یہ سب مین سہل ہی جب کسی علم پر مسلسل بحث کرنا یا سامعین کو تعلیم کرنا ہو تو اِس صورت کے اختیار کرنے مین ہرج نہین ورنہ عوام کے لیے یہ طریق موزون نہین ہی جس عبارت پر زور دینا ہو اُس کو تحت الخط کر لینا چاہیئے جب کوئی شخص اچھی طرح بول سکتا ہو تو پڑھ کر سُنانا لغو ہی خاص کر اگر مجمع مین کوئی مقرر بھی موجود ہو تو واہیات اثر ہوتا ہی۔ مبتدی کے لیے یہ طریقہ اچھا ہی مگر ساتھ ساتھ بولنے مین بھی مشق پیدا کرنی ضرور ہی۔

طریق ثانی۔ اس کی عادت سے کبھی کامیابی نہین ہوتی۔ ذرا کسی معاملہ مین بحث چھڑی اور حضرت مقرر کی قلعی کھل گئی بعض اوقات اِس قسم کے بولنے والے اثناے تقریر مین خود بھول جاتے ہین اور لوگ مذاق اُڑاتے ہین۔ تاہم مشق کے لیے یہ طریقہ بھی مفید ہی۔

طریق ثالث جو شخص بیساختہ گفتگو نہ کر سکے فی الحقیقت اس کو مقرر کہنا بیجا ہی۔ بیساختہ تقریر کرنے والے کا اثر عمدہ ہوتا ہی۔ حاضرین کو اُس کی قابلیت کا اقبال کرنا پڑتا ہی اور چونکہ سامعین اُس مین ایک قسم کی ترجیح عوام پر پاتے ہین اِس لیے سب کے سب طبعاً اُسکی طرف مائل ہو جاتے ہین۔ اِس طریقہ سے تقریر کرنے کے لیے قادرالکلام ہونا شرط ہی۔

طریق رابع۔ جو کچھ تحریری مضمون سے یاد کیا ہو اُس کے اظہار مین اس قدر احتیاط رہے کہ تیاری ظاہر نہو۔ اور باقی ماندہ تقریر سے خوب ربط رکھتا ہو۔

اب سامعین کے متعلق چند باتین بیان کرتے ہین بعض مقرر سامعین کو موم کی ناک یا بچون کا گروہ تصور کرکے تحقیر سے پیش آتے ہین یہ بڑی غلط فہمی ہی۔ بڑے مجمع کو عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ خواہ اُسمین جہلا ہی شریک ہون۔ اگر مخالفین کی کثرت ہو تو پس و پیش نہونا چاہیے طعن و تشنیع کی مطلق پروا نہو۔ اگر شور ہونے لگے تو بھی ہمت کو ہاتھ سے نہ دے۔ جرأت آخر سب کچھ پر غالب آجاتی ہی اسمین کلام نہین کہ قریب قریب سب مقررون پر جماعت کا رُعب چھا جاتا ہی بعض تجربہ کارون نے لکھا ہی کہ اگر مقرر مبتدی ہو اور جم غفیر کی موجودگی سے حواس باختہ ہونے لگین تو بجاے سرون کے اپنے سامنے ٹوپی چڑھے یا پگڑی بندھے بہت سے قالب رکھے ہوے فرض کر لے بیساختہ بولنے والون کی طبیعت بڑی جماعتون کے آگے تقریر کرنے سے خوب کُھلتی ہی۔ جیسے جیسے محنت کی داد ملتی ہی ویسے ویسے حوصلہ بڑھتا ہی۔ اِس بنا پر قیاس کیا گیا ہی کہ بے ساختہ بولنے والون سے ایک بڑے کمرہ مین قلیل التعداد گروہ کے آگے عمدہ تقریر کی چشمداشت کرنا چاہیئے ان کی طبیعت ہی مین جوش پیدا نہین ہوتا جب تک سامعین کی معقول جماعت اُن کے سامنے موجود نہ ہو!

۷

لب ولہجہ

• مقرر کتنا ہی عالم ہو، زبان خواہ مقراض کی طرح چلتی ہو۔ حافظ اڈیلسن صاحب کے نونو گرانٹ کو بات کرتا ہو لیکن اگر لب ولہجہ درست نہین تو کچھ بھی نہین۔ ایک لکھنوی سے کسی نے پوچھا کہ "سن شریف" جواب ملا "دو کم ستر" سائل نے کہا "ارسٹھ ہی فرمایا ہوتا" بولے "ذرا ثقیل لفظ ہی" میرانیس کا لب ولہجہ اور اُن کی زبان کی لطافت آج تک مشہور ہی مجلس کو آٹھ آٹھ آنسو رُلانا اور روتے مین ہنسانا اُنھین ایک کھیل تھا۔

آواز | تیر و ترکش سے اس قدر کام نہین نکلتا جس قدر عمدہ آواز سے ایسا نہو کہ بقول سعدیؒ "بغیام در گوش کن تا نشنوم یا درم بکشا تا بیرون روم" کے آواز سننے مین آئین۔ بہت سے لوگ جبلی خوش الحان ہوتے ہین مگر ہم بھی کوشش سے بھی آواز کو صاف اور درست کر سکتے ہین اگر آواز مین سوز اور رقت ہو تو کرختی اور ناہمواری کا عیب کسی قدر ڈھک جاتا ہی۔ خوش لہجہ آدمی عمدہ مقرر بن سکتے ہین۔ یہان چند اصول مختصراً بیان کرتے ہین:

۱۔ بولنے کے لیے عمدہ وقت وہ ہی جب کھانا کھائے ہوئے تین چار گھنٹہ ہو چکے ہون خالی یا بالکل پُر معدہ ہو کر گفتگو کرنا ممنوع ہی علی الصباح بولنا بھی خلاف ہی کیونکہ اُس وقت حلق رطوبات سے خالی نہین ہوتا۔

۲۔ بولنے کی مشق کرنے مین بچون کے لیے آدھ گھنٹہ اور جوانون کے واسطے ایک یا سوا گھنٹہ کافی ہی۔

۳۔ سیدھے کھڑے رہنا چاہیئے۔ سینہ تنا ہوا ہو۔ لب کشائی مین دقت نہو،

۴۔ آواز کو پُر زور بنانے کی ترکیب یہ ہی کہ ہوا کے رُخ کی طرف مُنھ کر کے دراز زور سے بولا کرین یا کسی چشمہ کے کنارے اونچی آواز سے کچھ پڑھا یا گایا کرین۔

۵۔ زکام سے بچنا چاہیئے۔ اس کی سہل ترکیب یہ ہی کہ ہر موسم مین صبح و شام چہل قدمی کیا کرین۔

۶۔ شراب تمباکو ترشی اور زیادہ گرم چیزون سے آواز بگڑ جاتی ہی کثرت سے پان چبانا بھی مضر ہی اس سے زبان موٹی ہو جاتی ہی اور تلفظ مین نقص آتا ہی۔

۷۔ دانتون کی حفاظت شرط ہی کیونکہ ان کے بغیر آواز درست نہین نکلتی

۸۔ گردن اور سینہ پر چست کپڑے نہون۔

۹۔ گانے کا شوق کرنے سے آواز بہت ترقی پاتی ہی۔ زبانی سرگم کی مشق کرنا بہت مفید ہی!

آواز کی درستی اور صفائی کے نسخے۔ دو ماشہ مرچ، ملیٹھی، باجی مصری اور مدھیان + کنٹھ مین یہ پانچون رہین تو کنٹھ کو کلا جان + مدھیان سے مراد پان کی جڑ۔ دو ماشہ وچ، کلیجن، باجی چوتھی ہوے گلوے شہد اور مرچ کو ملائے کنٹھ کو کلا ہوے کلیجن کا دوسرا نام خولنجان ہی۔ مرض سل ایسے علون سے لاحق نہین ہوتا جس مین یعنی پرانایام سے تنفس درست ہوتا ہی اور پھیپھڑون کو قوت حاصل ہوتی ہی۔ سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب "پنچ مہا یگ بدھی" مین اس کی پوری ترکیب مرقوم ہی!

لکنت | اس کا علاج بچپن مین آسان ہی جوانی مین مشکل سے جاتی ہی مقرر کے لیے سخت مضر ہی۔

انتشار | آواز سن بلوغ مین پھیل جاتی ہی بچپن ہی سے خیال رکھنا چاہیئے۔

بحت الصوت | خلاف عادت عرصہ تک تقریر کرنے سے یا خراب طور پر آواز نکالنے سے گلا بیٹھ جاتا ہی۔ بولنے کی عادت رکھیئے کہ جب موقع پڑے تو تکلیف نہو!

تنفس | جوان آدمی منٹ بھر مین تیرہ سے سولہ تک سانس لیتا ہی۔ اگر تقریر مین زور دروی ہو تو یہ تعداد کم ہو جاتی ہی لیکن حتی الوسع مقرر کو

اثنائے تقریر مین بھی اتنی ہی مرتبہ سانس لینا چاہیے جتنی مرتبہ آرام کی حالت مین۔ ناک سے سانس لینا چاہیے اور جہان وقفہ لازم ہو وہین دم بھی لیا جائے تنفس کو بس مین کرنے کی حکمت پرانایام سے بڑھ کر کوئی نہین۔

تلفظ | علما کے ساتھ صحبت رکھنے زبان دانون سے بات چیت کرنے شستہ بولنے والون کے درس سننے سے تلفظ صحیح ہو جاتا ہی۔ س کی جگہ ش یا ج کے بجائے ز بولنا سخت جہالت ہی نطَق کو نطق لحَہ کو لحمہ نغَمہ کو نغمہ خالَص کو خالص کہنا بھی اسی قبیل سے ہی۔ مقرر کو اِس سے حذر واجب ہی تشدید اور مد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

تجوید | اُردو کے سوا قریب قریب سب بانون مین اس کے قواعد پائے جاتے ہین۔ بولنے مین وقفہ اور دباؤ سے کام پڑتا ہی اور کہین آواز کو بلند یا پست کرنا ہوتا ہی۔ لفظون کے درمیان فقط اتنا وقفہ دیا جائے کہ جُدا جُدا سنائی پڑین اور وقفہ کامل صرف با معنی جُملہ یا کلام تام کے بعد ہو۔ دباؤ سے یہ مراد ہی کہ فقرہ کے کسی خاص حصہ یا لفظ پر آواز کا زور دیا جائے یا تو اِس غرض سے کہ حاضرین کی توجہ خاص اُس لفظ کی جانب زیادہ ہو یا اِس لیے کہ اِس دباؤ سے کوئی خاص معنی ادا کرنا منظور ہو۔ مؤخر الذکر کی مثال ذیل مین دیجاتی ہی۔ الفاظ تحت الخط پر زور ہی۔

ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی۔ یہ عام جملہ ہی۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی۔ شاید کسی کتاب مین ہو۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی۔ ممکن ہی خداپرستی کی ہو۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی۔ بلکہ مانعت ہی۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی۔ جسکے جی مین آئے بحث کرلے۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی؟ استفسار ہی۔
ویدمین بت پرستی کی اجازت نہین ہی! یہ تعجب کا نشان ہی۔

جملہ کے سب لفاظ پر زور دینا ٹھیک نہین آواز کی بلندی اور پستی مجمع اور مقام کے لحاظ سے ہو خاص خاص مضمون کو حسب موقع بالا یا پست کرنا مناسب ہی بعض آدمی اس قدر زود روی مین طاق ہوتے ہین کہ اسپیشل ٹرین کے انجن کو مات کرتے ہین بعضون کی تقریر ایسی سُست ہوتی ہی کہ گویا اپنے گھر مین چہل قدمی کر رہے ہین غرض میانہ روی اختیار کرے جہان دلائل اور تشریح سے کام ہو وہان آہستگی اور سہولت برتنا لازم ہی۔ جہان پُر جوش فقرے ہون وہان تیزی کو کام مین لاسکتے ہین۔ یہ سب باتین مقرر کے تجربہ اور مصلحت وقت پر موقوف ہین۔

۸

حرکات وسکنات

اگر ہمارے اشارون[1] مین سنجیدگی اور موزونیت نہ ہوگی تو ہماری عمدہ سے عمدہ تقریر بھی حاضرین پر خاطر خواہ اثر نہ کرسکے گی، جو اثر کھڑے ہو کر بولنے سے ہوتا ہی وہ بیٹھ کر کتھا سی بانچنے سے ہرگز پیدا نہین ہو سکتا۔ حرکات وسکنات سے بڑے آدمی کی سمجھ مین بھی بات آجاتی ہی لیکن ہاتھ پاؤن ہلانے مین بھدا پن اور بد تہذیبی نہ ہو بعض کا خیال ہی کہ مناسب موقع پر ہاتھ پاؤن ہلانے یا جسم کو حرکت دینے سے مقرر کی صحت بدنی کو فائدہ پہنچتا ہی۔

چہرہ | دل کی کیفیت چہرہ سے عیان ہو۔ اگر سوگوار معاملات کا ذکر ہی تو صورت سے بھی رنج ظاہر ہو۔ اگر کسی قسم کی برانگیختگی ہی تو چہرہ بھی تمتما اٹھے

[1] پادری ٹی جے اسکاٹ صاحب ڈی ڈی سابق پرنسپل مدرسہ علم الٰہی بریلی "ہدایت الواعظین" کے نوین باب مین فرماتے ہین کہ "حرکات سکنات کو نمائش کلام مین بڑا دخل ہی۔ یہ تفصیل بتانا غیر ممکن ہی کہ کس موقع پر کیسی حرکت چاہیے بلکہ ایسے امر کی تفصیل بھی عیب مین داخل ہی کیونکہ اگر کوئی بہمہ جہت اس پکار بند ہو جائے تو آخر کار نقال ہو جائے" پھر اسی باب مین آگے چلکر فرماتے ہین کہ "ان سب حرکات سے بچو جو بیکار یا نامناسب ہون"

لیکن مُنھ بنانا، ہونٹھ بسورنا، آنکھیں مٹکانا، منھ پھُلانا، ناک بھون چڑھانا وغیرہ عیوب سے ہمیشہ احتراز لازم ہو۔

آنکھیں | بولتے بولتے آنکھیں بند کرلینا یا جلد جلد جھپکانا داخل عیب ہو۔

گردن | گردن بالکل راست و استوار رہے شانون کو جھٹکنا ممنوع ہو اور گردن کو زیادہ اُٹھانا یا کھینچنا یا جھکانا بھی معیوب ہو۔

ہاتھ اور بازو | بلا کچھ کہے سُنے ہاتھ سے ہم مانگ لیتے ہیں شکریہ ادا کرتے ہیں وعدہ کرتے ہیں خوف جتاتے ہیں نفرت ظاہر کرتے ہیں منع کرتے ہیں تحسین و آفرین کا اظہار کرتے ہیں۔ بس ہاتھ اور بازو مقرر کی زبان ہیں۔

پاؤن | مقرر کو اس طور پر کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کا بوجھ زیادہ تر ایک پاؤن پر ہو۔ جب تکان معلوم ہو تو سہارا بدل لینا چاہیے مگر اس طریقے سے کہ ناگوار نہ ظاہر ہو نہ منھ سے کسی قسم کی آواز نکلے۔

حرکات بدنی چار طرح کی ہوتی ہیں:-

اوّل وہ جن سے کسی لفظ پر زور دینا منظور ہوتا ہو مثلاً کسی خاص لفظ کے ساتھ ہی انگلی اُٹھائیں میز پر ہاتھ سے ہلکی سی ضرب لگائیں یا پاؤن سے زمین پر ذرا سی ٹھوکر دیں یا آنکھوں کی کشادگی کو کام میں لائیں۔

دوسرے وہ جن سے فقط اشارہ مطلوب ہوتا ہو۔

تیسرے جن سے جوش کا اظہار ہو۔

چوتھے جن سے نقل کی جائے۔

اخیر میں یہ بتانا بھی ضرور ہو کہ مقرر کا لباس سیدھا سادہ ہو مجلس میں ننگے دھڑنگے یا لنگوٹ باندھ کر یا پھٹے کپڑے پہن کر تقریر کرنا بالکل نا واجب ہو۔ مگر حرکات اور لباس ایسے نہ ہون کہ لوگ مضمون کو چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ تقریر کا اختتام عمدہ طور سے ہو یکایک تقریر ختم کر دینا سامعین پر بُرا اثر پیدا کرتا ہو اور مناسب وقت ٹل جانے سے بھی کیا کرایا سب مٹی ہو جاتا ہو۔

سلہ "ہاتھوں کی حرکت وسیع ہو تنگ نہ محدود نہ ہو جب ہاتھ بڑھاؤ تو اتنا بڑھاؤ کہ بدزیب نہ ہو" (ہدایت الواعظین)

سلہ "آرام و کشادگی سے کھڑے ہونے کی عادت ڈالو مناسب انداز سے قدم ہٹا کر کھڑا ہونا چاہیے۔" (ہدایت الواعظین)

۹

ڈیبیٹنگ سوسائٹیز یعنی بحث کرنے کے جلسے

اُستادانِ فن کی رائے ہو کہ اِن جلسون سے بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ نوجوان مقرر کو نہ صرف بولنے میں مہارت ہوتی ہو بلکہ اُس کے سب عیب بھی چھوٹ جاتے ہیں۔ اول ہی سے بلند حوصلگی اور ہمت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہو۔ مشق بڑی چیز ہو۔ اِن جلسون میں بحث کے لیے عام مضامین رکھنا چاہیئے جن سے طلبہ پہلے ہی سے کسی قدر واقف ہون اور جن کے لیے محنت طلب تیاری کی ضرورت نہ ہو۔ اگر روزمرہ کی خواندگی کے متعلق مضامین مل جائیں تو بہتر ہو۔ شرکا کو اپنے اپنے خیالات کے موافق گفتگو کرنا چاہیئے۔

اب وہ قواعد بیان کیے جاتے ہیں جن کا اِن جلسون کے انتظام وغیرہ میں لحاظ رکھنا شرط ہو:-

ا۔ حاضرین میر مجلس کو منتخب کرلیں۔ بعد ازان سکرٹری گذشتہ جلسہ کی روئداد پڑھ کر سنائے میر مجلس حاضرین سے استمزاج کرنے کے بعد اُسکی تصدیق کرے پھر مقرر شدہ بولنے والے سے تقریر کی درخواست کرے۔ جب مقرر اور اس کا کوئی مؤید بول چکے تو ہر ایک شریک تقریر کرنے کا مجاز ہوگا۔ وقت مقررہ کے اختتام پر اصلی مقرر سے جواب دینے کی درخواست ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد میر مجلس مضمونِ زیر بحث کو بغرض استفسار حاضرین کے سامنے پیش کرے۔ حاضرین کی رائے خواہ نفی میں ہو خواہ اثبات میں ہاتھ اُٹھانے سے ظاہر ہو سکتی ہو آیندہ جلسہ کے واسطے مضمون

قرار پا کر جلسہ ختم ہو جانا چاہیے۔

۲۔ کسی شریک کو دوبارہ بولنے کی اجازت نہو فقط مقرر بطور جواب کے یا کوئی اور شریک بطور تشریح کے دوسری بار بول سکتا ہے۔

۳۔ تا وقتیکہ بحث ختم نہو میر مجلس تقریر نہ کرے نہ اپنی رائے ظاہر کرے۔ اِلّا اُس صورت مین کہ مضمون کی تائید و تردید مین آرا کا شمار برابر ہو۔ ایسی حالت مین اُسے رائے فیصل دینی ہوتی ہے۔

۴۔ کوئی سوال ملتوی بھی ہو سکتا ہے اِس صورت مین مجوز یا مُوید التوا ہکو از سر نو سوال پیش کرنے کا مجاز ہے۔

۵۔ عام جلسون مین ہر شریک کو دس منٹ کی اجازت ہوتی ہے اور مقرر شروع مین پندرہ یا بیس منٹ تک بولتا ہے۔

ان قواعد مین موقع اور ضرورت کے مطابق تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اگر کام زیادہ ہو تو میر مجلس اور سکرٹری اور خزانچی وغیرہ عہدہ داران کے نائب بھی مقرر کر لیے جاتے ہین۔ عہدہ دارون کا انتخاب عام جلسون مین کثرتِ رائے سے ہوتا ہے۔ میر مجلس کا کام یہ ہے کہ اختلافات دور کرے جھگڑے مٹائے، اور انجمن کو برہمی سے باز رکھے۔ کل شرکا اور بالخصوص نوجوانون کو چاہیے کہ ہمیشہ آداب مجلسی کو ملحوظ رکھین۔ گفتگو مین احتیاط درکار ہے۔ قطع کلام اور سخن پروری سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اب چند مفید فقرات دُجمل تحریر کیے جاتے ہین:۔

سامعین سے خطاب۔ اے حاضرین جلسہ ایہا السامعین اے دوستو۔ اے بزرگو اے بھائیو اے قوم کے بہی خواہو۔! صداقت کے قدر دانو۔ میدان معقولیت کے پہلوانو۔

اے راہ عمل کے رہ نوردو میدان بسالت کے مرد و
ہمت پہ نظر نہ کرنے والو غفلت پہ مدام مرنے والو
اے دوستو بھائیو عزیزو اے عاقلو اور باتمیزو
اے قوم کے حامیو شفیقو اصلاح کی راہ کے رفیقو

فروتنی اور خاکساری کا اظہار۔ سمع خراشی معاف ہو تو گذارش ہے۔ ناگوار خاطر اشرف نہو تو عرض ہے۔ طبع مبارک کے خلاف نہو تو التماس ہے۔ پاس مانع ہے مگر التجا ہے کہ۔ بزرگون کے سامنے زبان کھولنا حکمت بہ لقمان آموختن ہے لیکن گستاخی [illegible] بیشتر ہی گذارش کر چکا ہے۔ احقر کا حوصلہ نہین صاحب نے جب ارشاد فرمایا۔ ذرہ نوازی کا ممنون ہون اس قدر عنایت کا مستحق نہین ہون۔ ع کر ہملے تو را اکر د گستاخ۔ ع عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما۔

تاسف آمیز فقرے۔ نہایت سوگوار موقع ہے۔ عجیب بھیانک تصویر ہے۔ رنج کا مقام ہے۔ ملال کی جا ہے۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ [illegible] ع این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد [illegible] اچھا غم کا پہاڑ ٹوٹا۔ ہائے افسوس۔ وائے قسمت۔

انبساط کے فقرے۔ واہ کیا کہنے ہین۔ آخر ہمین تو مین پھولے نہین سماتے۔ اوہو ہو ہو کلیجا بلیون اُچھلتا ہے۔ کشت زعفران سینے پلتے ہین ؎

کدھر سے چل گئی ہوا خوشی کی کھل گئی کلی ہمارے جی کی

جوش دلانے کے لیے۔ جامۂ زنان بپوشید۔ کمر ہمت باندھیے۔ یہ نام اور یہ کام۔ ابلہ قدر خود بشناس ؎

دشمن دبائے آتے ہین گھیر و تھیٹے چلو منھ اب مقابلہ سے نہ پھیرو بڑھے چلو

تسکین کی غرض سے۔ لیکن آپ کے شایان شان نہین۔ ع صبر تلخ است و لیکن بر شیرین دارد۔ ع در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔ از خردان خطا و از بزرگان عطا۔ ع ربن منگر بر کرم خویش نگر ؎

زبان کھونے کا ہم پر بزبان کیا بد معاشی
کہ ہم نے اُس کے منھ مین خاک کی بڑی خاکساری

فقط۔ **ایس ڈبلیو ٹیلر**

اُردو پریس کانفرنس

منشی رام چھپال سنگھ صاحب شیدا (دہلوی) ایڈیٹر اخبار ہندوستانی کی تقریر صدارت

برادران ہم قلم و معاصرین محترم!

آپ کی محل شناسی قابل داد ہے کہ جبکہ تمام تعلیم یافتہ ہند کا عطر اس تاریخی شہر میں مہک رہا ہے یعنی جبکہ مادر ہند کے تقریباً تمام بہترین دماغ دار الخلافہ اودھ میں نہایت اہم اور متبرک مقاصد سے مجتمع ہیں آپنے اس بے نظیر موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

آج جو لوگ لکھنؤ میں اطراف و جوانب ہند سے فراہم ہوئے ہیں وہ ہندوستان میں برٹش عہد حکومت کے شجر بار دار کے نہایت شیرین پھل ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہندوستان کی تمام معدنی دولت سے زیادہ قیمتی ہیں۔ قصۂ مختصر یہ کہ اگر یہ لوگ نہوتے تو ہندوستان تخ و لولینڈ کے مشابہ ہوتا پس ایسے وقت میں جبکہ ہندوستانی قوم نے اپنے عمل ارتقا کی دوڑ میں نہایت لیر قدم اُٹھایا ہے بڑا ہی تعجب ہوتا اگر قومی مشینری کے سب سے ضروری پرزہ کے پیچ کو کسنے کی پروا نہ کی جاتی۔

صاحبان! میرا تو یہ عقیدہ ہے اور امید ہے کہ آپ بھی اس خیال میں میرے ہم نوا ہوں گے کہ تمام سوشل، پولٹیکل، اخلاقی اور اقتصادی اصلاحوں کی اصلی بنیاد ایک

آزاد اور زبردست پریس

ہے۔ خیالات ہی تو ہیں جو افراد یا اقوام کو چھوٹا یا بڑا بناتے ہیں خیالات جس قدر بلند اُسی قدر ارادے اعلیٰ اور جیسے ارادے ویسے ہی اعمال و افعال سرزد ہوا کرتے ہیں۔ اور جیسے افعال ویسے ہی ادنیٰ اور اعلیٰ حالتیں رونما ہوتی ہیں۔ اس لیے جس قوم کے خیالات اعلیٰ وہی قوم اعلیٰ اور افضل ہے۔ آپ پر مخفی نہیں کہ اچھے اور نفیس خیالات کی اشاعت کا بہترین اور کارگر ذریعہ پریس ہے پس پریس ایسا آزاد ہونا چاہیے جیسی ہوا۔ آپ پر بخوبی روشن ہے کہ ہندوستانی قوم کے خیالات جو نشو و نما پا رہے ہیں اور جو یقیناً ترقی اور بلندی کی طرف جا رہے ہیں یہ سب پریس کی کرشمہ سازی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ

اپنی طاقت کا احساس

پورے طور پر آپ کو ہے یا نہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو مخفی نہ رہیگا کہ اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ جماعت ملک کی آبادی کا نہایت جزوی عنصر ہے ان کے خیالات کی اشاعت و تائید و حمایت کا سہرا محض و نیکلر پریس کے سر ہے اُردو، ہندی، بنگالی، گجراتی، مرہٹی، تامل اخبارات کا گزر ان کروڑوں ہندوستانی ہاتھوں تک ہے جہاں انگریزی پریس کی رسائی نہیں ہے

اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲ کروڑ ہندوستانی اُردو زبان پڑھ سکتے ہیں خواہ آپ اس کا نام ہندی رکھ لیجئے یا اُردو اور ۹ کروڑ سمجھتے ہیں عموماً بڑے شہروں اور قصبات کے ایک ایک محلہ میں دو دو چار چار اور دیہات میں ایک گانوٴں کی کل آبادی کیلیے ایک ہی پرچہ کفایت کرتا ہے پس اُردو اخبارات کے خریدار اگر کروڑوں تک نہیں تو اس کے پڑھنے والے اور اُن سے واقعات کا علم اخذ کرنے والے کروڑوں سے کم تعداد میں نہیں ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ

اہل ہند کی وفاداری

پر نہ صرف تمام یورپ بلکہ اہل برطانیہ تک حیران ہیں کیونکہ باشندگان انگلینڈ نے تو اینگلو انڈین اخبارات کی وساطت سے ہمیشہ یہ سنا تھا کہ ہندوستان میں غداری اور بغاوت کی آگ شعلہ زن ہے اور یہ ملک انارکسٹوں اور بم بازوں کا مسکن ہے لیکن بخلاف اپنی توقعات کے

انھون نے دیکھا کہ جنگ شروع ہوتے ہی والیان ریاست سے لیکر ادنیٰ کاشتکار تک سلطنت کے لیے تن من دھن سے سینہ سپر ہو گئے تو اُن کے استعجاب کی کوئی حد نہ رہی لیکن یہ انتہائی جذبۂ وفاداری عامۃ الناس مین کس نے پیدا کیا؟ کیا انگلشمین اور سول ملٹری گزٹ نے کیا یا پونیر اور سٹیٹسمین اور مدراس میل نے نہین بلکہ ورنیکلر پریس نے لیکن ان قابل قدر خدمات کا صلہ اردو پریس کو یہ ملا ہی کہ وہ پہلے سے زیادہ مشتبہ نظر سے دیکھے جانے لگا۔ اور ان مین بعض کی ہستیان پریس ایکٹ کے تصدق ہو چکی ہین اس لیے نہین کہ ان مین مغویانہ مضامین درج ہوے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ اُن کے مالک حکام کی نظر مین ان نامعلوم افعال کے جن کا پبلک کو کچھ علم نہین مرتکب ہوے تھے یا ہونے والے تھے جو امن عامہ کے لیے خارج از راہ خیال کیے جا سکتے تھے۔

پریس ایکٹ

کی سختیون کے مسئلہ نے اس وقت ملک کی توجہ کو بڑے زور شور سے اپنی طرف متوجہ کیا ہی۔ ہماری تمام پولٹیکل پبلک باڈیز نے اس پر کھلے الفاظ مین عدم رائے کا اظہار کر دیا ہی۔ انڈین نیشنل کانگرس اور مسلم لیگ متفق الرائے ہین کہ یہ قانون جسقدر نامناسب ہی اُس سے بڑھ کر اُس کا عملدرآمد خلاف آزادی ہی۔ ملک کی اعلیٰ ترین جوڈیشل عدالتون نے اس قانون کو بے اصول قرار دیا ہی کلکتہ اور مدراس ہائیکورٹ کے چیف جسٹس صاحبان اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہین کہ یہ قانون صرف اصلی جرم کا انسداد نہین کرتا بلکہ اس قدر دور رس اور وسیع اور ہمہ گیر ہی کہ معصوم سے معصوم تحریرین اس کی رو سے قابل تعزیر ٹھہرائی جا سکتی ہین آپ صاحبان مین سے کوئی صاحب کوئی فقرہ لکھیے خواہ وہ کیسا ہی وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو لیکن اس عجیب قانون کی رو سے مین اُسے سڈیشن ثابت کر سکتا ہون مثلاً کوئی اخبار لکھے کہ ہم بڑے ادب کے ساتھ اپنی عادل گورنمنٹ سے یہ التجا کرتے ہین کہ ہندوستانیون کو فوج مین کمیشنڈ عہدے عطا کیے جائین تاکہ ہم ہندوستانی

جنگ یورپ مین اپنے سپاہیانہ جوہر پوری طرح پر دکھلا سکین پریس ایکٹ یہ کہتا ہی کہ اگر لفظاً یا معناً اشارتاً یا کنایتاً یا اور کسی طرح سے کوئی ایسا خیال ظاہر کیا جائے جس سے گورنمنٹ قائم کردہ از روے قانون کی اہانت یا تحقیر کا پہلو نکلتا ہو یا اُس کے خلاف نفرت کا جذبہ پھیلتا ہو تو وہ سڈیشن ہی اب کوئی ضرورت سے زیادہ ذی حس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کہہ سکتا ہی کہ چونکہ ہندوستانیون کے لیے کمیشنڈ عہدے مانگے گئے ہین جو ابتک نہین دیے جاتے لہذا اخبار نے یہ خیال پبلک کے سامنے پیش کیا ہے کہ گورنمنٹ ہندوستانیونکو کمیشنڈ عہدے فوج مین نہین دیتی اور یہ خیال گورنمنٹ کی غیر فیاضانہ پالیسی اور ہندوستانیون کے ساتھ اس پہلو مین انصاف نہ کرنے کی عملدرآمد کو یاد دلاتا ہی اور اس سے پبلک مین گورنمنٹ کے خلاف یا انصافی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہی لہذا اُس نے سڈیشن کا ارتکاب کیا ہی اور یہ بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیار مین ہی کہ وہ اس اخبار سے اسی ارتکاب جرم کے بہانہ سے ضمانت طلب کرے۔ فی الحقیقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات پریس کے متعلق اس قدر وسیع ہین کہ اُس کو وجہ تبلانے کی بھی ضرورت نہین۔ وہ وجہ صرف گورنمنٹ کو تبلادے گا۔ ایسا بھی عموماً ہوتا ہی کہ پرنٹر کے بدل جانے سے یا مکان پریس کے تبدیل کرنے پر ضمانتین طلب کر لی گئی ہین۔ اس کے معنی یہ ہین کہ اخبارات ہند کے پرنٹر خواہ خضر یا حضرت مسیح یا مہاراجہ بھرتری یا گوپی چند یا گورو گورکھ ناتھ جیسے زندہ جاوید بزرگو کے سوا ان لوگون مین سے نہونا چاہیئین جو لقمۂ اجل سے محفوظ نہین رہ سکتے۔ یا یہ کہ وہ عمر بھر کے لیے اسی پرنٹری کے کام کے لیے پابند رہین۔ زندگی کے دوسرے شعبون مین قدم رکھنے کی اُن کو ممانعت ہی۔ اور پریس ایسے مکانون مین ہونے چاہیئین جنھین زلزلہ گرا نہ سکے یا دور حوادث جن کی دیوارون کو نہ ہلا سکے۔ آگ جلا نہ سکے سیلاب اُن کو بہا نہ سکے اگر پلیگ یا ہیضہ پھیلے تو بھی مالکان پریس اس رقبہ سے کسی دوسرے محفوظ کوارٹر مین منتقل نہ ہو سکین ورنہ ضمانت داخل کرنے کا کھٹکا ہر دم موجود رہے۔

صاحبان! تمام دنیا مین اصول قانون یہ ہی کہ جب تک کسی شخص سے کوئی جرم سرزد نہوا ہو وہ معصوم اور بے گناہ سمجھا جاتا ہی لیکن ہمارا قانون پریس اس اصول کی بیخ و بُن پر بھی کلہاڑا رکھتا ہی یعنی آج ایک شخص ایک نیا پریس جاری کرتا ہی یا اخبار نکالنا چاہتا ہی تو بھی مجسٹریٹ کو اختیار ہی کہ اُس سے ضمانت طلب کرلے۔ ابھی اُس نے کاغذ پر ایک سطر نہین چھاپی ہی ابھی تک اُس نے کوئی اخبار نکال کر سڈیشن کا ارتکاب نہین کیا ہی لیکن یہ فرض کرلیا گیا ہی کہ وہ ضرور مرتکب جرم ہوگا۔ اور یہ فرض کرلینے کا اختیار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو حاصل ہی۔

جایز نکتہ چینی کی بندش

صاحبان جائز نکتہ چینی کا دروازہ اِس قانون نے بالکل بند کردیا ہی۔ آپ کی قلمون کو روک دیا گیا ہی۔ فرض کرلیجیے کہ کسی ضلع مین مقامی حکام کوئی غلطی کرتے مین کیونکہ وہ آخر فرشتے نہین ہوتے غلطی کا ہر وقت امکان ہی تو اُس غلطی کی تلافی کس طرح ہو کیونکہ کس اخبار مین یہ طاقت ہی کہ وہ اپنا فرض دیانت داری سے ادا کرکے اُن لوگون کے اعمال پر محاکمہ کرے جن کے اختیار مین ہی کہ ۵۰۰ سے لیکر ۱۰ ہزار تک کی ضمانت طلب کرلین یا اگر داخل ہی تو اُس کو ضبط کرلین پس اخبارات کا کام اب یہ رہ گیا ہی کہ تک تک دیدم دم نکشیدم۔ اور وقت بے وقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹون کی شان مین قصیدے لکھتے رہین اور اُن کے ہر فعل پر آمنا و صدقنا کے نعرے لگاتے رہین۔ ہر قانون مین جُرم کے لیئے نیت ایک نہایت ضروری عنصر ہی لیکن یہان نیت کو بھی بالائے طاق رکھدیا گیا ہی نیت آپکی کیسی ہی نیک ہو دس ہزار آرٹیکل آپنے جذبہ وفاداری سے لبریز لکھے ہون لیکن اگر ایک فقرہ کہین ایسا لکھا گیا ہی جسکے معنی کچھ اور بھی ہوسکتے ہین یا سرکاری مترجم نے جس کا ترجمہ کچھ اور کردیا ہے تو بھی آپ قانون کی زد مین آسکتے ہین چنانچہ ایسا بارہا ہوچکا ہی جس وقت دہلی مین جب وہ ناگوار واقعہ گزرا جس پر تمام ملک کو افسوس ہی یعنی کسی بدکردار نے ہندوستان کے سب سے نیک دل اور ہر دل عزیز وائسرائے کا قصد جان کیا تو لاہور کے اخبار جھنگ سیال نے اپنے جوش وفاداری کا اظہار کھلی چٹھی کے ذریعہ سے کیا اور اِس بدکردار کے نام جس سے اِس فعل کا ارتکاب ہوا تھا۔ اپیل کی کہ وہ مردون کی طرح اپنے تئین حوالہ پولیس کردے تاکہ تمام ہندوستانیون کے دامن سے یہ داغ دھل جائے لیکن اِس چٹھی مین ایک فقرہ ایسا تھا جس کو چغل خور لوگون نے ایسے معنی پہنا دیے جو چٹھی کے باقی تمام خیالات سے لگا نہین کھاتے تھے اور آپ یہ سُن کر حیران ہونگے کہ محض اِس فقرہ کی بنا پر اخبار مذکور کی ۲ ہزار کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ ایسا ہی ہندوستان کے ساتھ ہوا کہ ایک نہایت وفادارانہ ایڈیٹوریل آرٹیکل مین جس مین اہل ہند کو ترغیب دی گئی تھی کہ گورنمنٹ کے لیے اِس جنگ مین اپنی جانین نثار کرین چار لفظون کا ایک جملہ قابل اعتراض سمجھا گیا اور اُس پر گورنمنٹ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اخبار کو تنبیہ کی جائے۔ اور محض ایڈیٹر کے ۲۵ سالہ گذشتہ ریکارڈ کے خیال سے کوئی سخت اسٹیپ لینا مناسب نہین سمجھا گیا ورنہ عجب نہ تھا کہ ضمانت طلب کرلیجاتی یا مقدمہ چلایا جاتا۔ پس صاحبان جب تک یہ قانون موجود ہی ہندوستانی پریس اور خاصکر دیسی پریس اپنے فرائض کو پورے طور پر ہرگز ادا نہ کرسکے گا۔ اسمین محض اہالیان اخبارات ہی کو خطرہ نہین بلکہ آزادی تحریر کے نہونے سے گورنمنٹ رعایا کے دلی جذبات کے علم سے محروم رہتی ہی جن کا جاننا ارباب حل و عقد کے لیے نہایت ضروری ہی کیونکہ رعایا کی خواہشات اور خیالات سے ہر وقت باخبر رہنا اعلیٰ درجہ کے انتظام سلطنت کے لیے بیحد ضروری ہی۔

اندرونی اصلاح

صاحبان پریس ایکٹ کا منسوخ کرانا اُردو پریس کی ترقی کا صرف ایک پہلو ہی۔ اور یہ امر گورنمنٹ کے اختیار مین ہی کہ وہ ہماری اِس عاجزانہ درخواست کو شرف قبولیت بخشے لیکن اس کو چھوڑ کر پریس کی اصلاح بہت کچھ ہمارے ہاتھ مین ہی اور اِس کے لیے آپکو مل جلکر کام کرنے اور جد و جہد

دینے کی ضرورت ہے۔

سب سے اول یہ امر مین آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہون کہ ہندوستانی قوم مین باہمدگر مغائرت اور بیگانگی کے خیالات کا دور کرنا اُخوت اور حب الوطنی کے جذبات کو ترقی دینا محض آپ کی مساعی جمیلہ پر منحصر ہے۔ آپ دیکھ رہے ہین کہ دنیا کی ہوا کس طرف ہے۔ ہماری تمام قومی تحریکون کا عام میلان اتحاد اور یگانگت کی جانب مائل ہے آپنے ملاحظہ کیا کہ ابھی دو تین روز ہوئے نیشنل کانگرس اور مسلم لیگ نے ساتھ گورنمنٹ کے متعلق اتفاق رائے ظاہر کیا ہے۔ قانون اسلحہ قانون پریس ہندوستانیون کیلئے اعلیٰ فوجی مناصب کے لیے ملک کی دونون قومی مجلسون نے ایک ہی آواز بلند کی ہے۔ بہت سے معاملات مین ہندو اور مسلمان لیڈر ہمخیال ہوگئے ہین۔ جو جزوی اختلافات تھے وہ مٹ گئے ہین۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اب ہندوستانی تیس سال کے بعد صحیح معنی مین ایک قوم بن گئے ہین لہٰذا مین بڑے ادب کے ساتھ ہندو اور مسلمان اخبارات سے (اگرچہ یہ تفریق بھی فضول ہے کہ فلان اخبار ہندو اور فلان اخبار مسلمان ہے) گزارش کرتا ہون کہ اُن باتون سے آئندہ ہمیشہ احتراز کرین جو ان دو عظیم الشان قومون کو بجائے قریب لانے کے دور لے جائین۔ مین یہ نہین کہتا کہ اختلاف رائے نہ رہے۔ اختلاف تو باعث زینت ہے اختلاف تو ہمیشہ رہیگا لیکن مین صرف یہ کہتا ہون کہ مخالفت نہ رہے اس مسئلہ کے متعلق مین خیال کرتا ہون کہ اگر ایک اصول کے ہم سختی سے پابند ہوجائین تو کبھی اُلجھن پیدا نہ ہو اور وہ یہ کہ ایک دوسرے کے گزشتہ اور موجودہ بزرگون کا نام ہمیشہ ادب و احترام سے لیا جائے۔ ادب کو ہمیشہ ملحوظ رکھین بحث ہوتی رہے۔ مباحثے ہوتے رہین لیکن تہذیب اور متانت و شائستگی کو جو ہماری مشرقی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور جس پر ہم دونون قومونکو بجا طور پر ناز ہے کبھی ہاتھ سے نہ دیا جائے!

پریس بیورو

اُردو پریس کی بہتری کے لئے میرے خیال مین ایک تجویز ہے کہ ایک سررشتہ قائم کیا جائے جس کے ماتحت چند قابل مترجم بھی ہون اور وہ اُردو اخبارات کے مضامین کے خلاصے جو گورنمنٹ کی وفاداری سے مملو ہوتے ہین ہر ہفتہ ترجمہ کرکے ایک رپورٹ ہر صوبہ کی گورنمنٹ اور حکام اضلاع کے پاس بھیجا کرین کیونکہ ہم کو سب سے بڑی دقت یہ پیش ہے کہ اُردو پریس کا صرف تاریک پہلو حکام کے زیر نظر رہتا ہے اور انھین معلوم نہین ہوتا کہ اُردو پریس نے کہانتک گورنمنٹ کی خدمت کی ہے۔ اس محکمہ کا یہ بھی کام ہو کہ وہ اخبارات کو بھی وقتاً فوقتاً مشورہ دیتا رہے۔ اور گورنمنٹ جب کسی اخبار سے ضمانت طلب کرے یا ضبط کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے پریس بیورو سے اُن قابل اعتراض مضامین یا فقرات کا ترجمہ بھی کرالیا کرے تاکہ اُردو اخبارات ناکردہ گناہ مجرم نہ قرار دیے جایا کرین۔

اخبارات کی زندگی اور موت

کا سوال اب سامنے آگیا ہے۔ کاغذ کی گرانی نے اہالیان اخبارات کے حوصلے پست کردیے ہین اور اندیشہ بلکہ یقین ہے کہ کاغذ ابھی اور گران ہوگا۔ سیاہی اور دیگر سامان پریس کا نرخ بھی کہانتک پہنچ گیا ہے آپ پر مخفی نہین ہے۔ دوسری طرف اخبارات کی خریداری بہت کم ہوتی جاتی ہے۔ انگلینڈ اور بمبئی کے اخبارات اپنی قیمتین مضاعف کرچکے ہین اور مزید اضافہ قیمت کی فکر مین ہین۔ ان حالات مین اُردو اخبارات اگر باہمی قرارداد سے اپنی قیمتون مین اضافہ نہین کرین گے تو اُن کا زندہ رہنا محال ہے۔ لاہور مین جو اُردو اخبارات کا مرکز ہے تمام مالکان اخبارات اضافہ قیمت کے سوال پر متفق ہین۔ بجز ایک دو معاصرین کے جن کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ باقی تمام اخبارات مر جائین تب وہ تنہا میدان مین رہ جائین گے اور جو نقصان آجکل وہ اٹھا رہے ہین اُس سے سب کی کسر پوری کرلین گے!

دوسری اندرونی اصلاح

یہ ہوگی کہ آپ اُردو پریس مین آیندہ کام کرنے والے تیار کرین ۔ اس معاملہ مین ابتک بڑی تنگ خیالی سے کام لیا گیا ہی ۔ خود غرض لوگون نے نوجوانون کی جو اِس فیلڈ مین داخل ہونا چاہتے تھے کبھی حوصلہ افزائی نہین کی ۔ اس لیے ہر ایک اخبار کے دفتر مین دو دو چار چار گریجوایٹ یا انڈر گریجوایٹ بطور امیدوارون کے رکھے جائین علاوہ ازین جو مراعات اور سرپرستی اینگلو انڈین اخبارات کو حاصل ہین ۔ اُردو پریس اُن سے محروم ہی ۔ مثلاً ہر قسم کی رپورٹین اور سرکلرز اور پریس کمیونیک نیز ہر قسم کے سرکاری اشتہارات اُن کو دیے جاتے ہین لیکن تمام اُردو اخبارات کو نہین ۔ اس لیے ہمین گورنمنٹ سے یہ بھی گزارش کرنی ہی کہ اُردو پریس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جائے ۔ تاکہ انھین ضروری لوازم کا تجربہ حاصل ہو بلکہ اگر ممکن ہو تو انھین کچھ وظائف بھی دیے جائین کیونکہ سر دست اخبار نویسی کے لیے خاص کالج قائم کرنے مشکل ہین ۔

علاوہ ازین جہان تک ممکن ہو اخبارات کو شخصی ملکیت سے نکال کر مشترکہ سرمایہ کی کمپنیون کے زیر اہتمام لایا جائے کیونکہ شخصی انتظام چند شخصون کی زندگی اور تندرستی تک وابستہ رہتے ہین ۔ شخصی انتظامات مین ایک بڑا نقص یہ ہی کہ اکثر اخبارات ذاتی منافع کے سامنے دیگر تمام اغراض کو قربان کر دیتے ہین ۔ لاہور کے بعض پریسون مین عملۂ پریس و اخبارات کی تنخواہ دو دو ماہ تک تقسیم نہین کیجاتی ہین ۔ ایک پریس مین یہ دستور ہی کہ تنخواہ ۲۵ تاریخ کو دیجاتی ہے لیکن اُس وقت بھی دو پیسہ روپیہ کاٹ لیا جاتا ہے ۔ مین نے حساب لگایا ہی کہ یہ کٹوتی ۱۰۰ روپیہ سالانہ فیصدی سود کی شرح تک پہنچتی ہی ۔ سوال ہو سکتا ہی کہ جہان اس قسم کی سختیان ہین وہان لوگ کیون کام کرتے ہین بات یہ ہی کہ جو آدمی ایک دفعہ پھنس گئے اُن کا اُس جال سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہی ایک غریب کے لیے یہ مشکل ہی کہ وہ یہ قربانی کرسکے کہ ۲۵ روپیہ تنخواہ کا نقصان گوارا کرلے ۔ نہ اُن کے پاس عدالت دیوانی کے اخراجات اور مہینون تک آخری ڈگری حاصل کرنے کے لیے صبر ہوتا ہی ۔ ان حالات مین وہ غلامون کی سی زندگی بسر کرتے رہتے ہین ۔ اس لیے صاحبان عملہ اخبار و پریس کے لیے بھی کچھ قواعد بنانے چاہئین ۔ ان کی علالت اور ضعیفی اور مرگ مفاجات کی صورت مین ان کے اہل و عیال کی قابل رحم حالت کی بھی کچھ فکر کرنی چاہیے ۔ اگر پراویڈنٹ فنڈ قائم ہو جائے تو اُن کے لواحقین کے لیے ابر رحمت کا کام دے گا ۔

یادرفتگان

آج اِس جلسہ مین اُردو پریس کے کئی زبردست کارکن اصحاب ہمین یاد آئے بغیر نہین رہ سکتے ۔ آنریبل رائے بہادر گنگا پرشاد صاحب ورما اگر آج زندہ ہوتے تو اُن کی با اثر شخصیت اور اُن کے قیمتی مشورون سے اس جلسہ کو کس قدر تقویت حاصل ہوتی ۔ آنریبل رائے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب بھارگو مالک اودھ اخبار کی وفات حسرت آیات ایک ایسا تازہ زخم ہی جو ابھی اُردو پریس بھی نہین بھولا ۔ اس وقت آپ کا یہان موجود نہونا ہم سب نہایت حسرت کے ساتھ محسوس کر رہے ہین ۔

شکریہ

صاحبان ! طول کلامی سے خاکسار کو ہمیشہ سے نفرت ہی ۔ اس لیے آپ کو مطمئن رہنا چاہیے کہ مین زیادہ عرصہ آپ کی سمع خراشی نکرون گا ۔

آپ خیال کرتے ہون گے کہ مین نے ابتک اُس رسم کو ادا نہین کیا جو ہر جلسے کے صدر کا فرض اولین سمجھا گیا ہی ۔ اور اُس پر رواج کی مُہر لگی ہوئی ہی وہ یہ کہ کرسی صدارت کے لیے اپنی ناقابلیت کا اعتراف اور دوسرے ہی سانس مین عزت افزائی کا شکریہ ۔

مین بخوبی جانتا ہون کہ یہ عزت جو آپ نے دی ہی ، یہ میرے لیے ذاتی عزت نہین ہی بلکہ آپنے اُس اخبار کی خدمات کا جس سے خاکسار کا تعلق ہی نیز میری چوتھائی صدی کی طویل کوششون کا

جو اُردو پریس کا کام کرتے ہوئے مجھسے تھوڑی بہت بن پڑی ہو یہ صلہ عطا کیا ہو۔ کاش یہ بوجھ کسی بہتر اور قوی تر شانون پر رکھا جاتا لیکن فحوائے الامر فوق الادب مین نے تعمیل ارشاد سے گریز نہین کیا۔ اب آپ اپنے کام مین مصروف ہو جائین اور اُردو پریس کو زبردست اور آزاد اور زیادہ وقیع بنانے کی تدابیر پر غور کرین جس اغراض سے کہ یہ جلسہ منعقد کیا گیا ہو۔ آپ کو یہ بتلانا لقمان کو حکمت سکھانا ہو کہ ملک کی ہر قسم کی ترقی انگریزی اخبارات سے نہین ہوگی۔ بلکہ عام پولیٹیکل، شوشل اقتصادی، تعلیمی، زراعتی، صنعتی، حرفتی، جسمانی، روحانی ترقیان ہندوستانی پریس کے ذریعہ سے ہونگی۔

پس اُردو پریس کی اصلاح تمام اصلاحون کی اصلی بنیاد ہے۔ اِس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ غور کرین کہ اُردو پریس کسطرح ترقی کر سکتا ہو۔

نواب نصیر حسین خان صاحب خیالؔ

نواب خیالؔ قوم کے اُن منتخب اور برگزیدہ لوگون مین ہین جنکا نام دنیائے اُردو مین ہمیشہ عزت و احترام سے لیا جائے گا! اور ہندوستان کے اُن مشہور سپوتون مین ہین جن کی ذات سے ہماری بہت سی اُمیدین وابستہ ہین۔

نواب صاحب موصوف حسینی الحسنی سیّد پوترون کے رئیس اور ایک خاندانی بزرگوار ہین۔ آپ کے مورث اعلیٰ عرب سے ایران آئے۔ وہان اِس خاندان کو خاص عروج و وقار حاصل ہوا اور بالآخر قدرت و اختیار اتنا بڑھا، کہ سیّد حسین فیروزی شاہِ طہران ہوگئے اور اُن کے پوتے کبیر المشائخ گورنر ہرات رہے، اور دوسرے اراکین خاندان بھی مراتب اعلیٰ پر پہنچے، پھر اس خاندان نے ہندوستان کا رُخ کیا، اور اپنی عظمت و وجاہت ساتھ لایا، اور اسکے اکثر ممبر صوبہ داری اور وزارت کے درجہ تک پہنچے۔ مغلون کے عہد مین اس خاندان نے عدیم المثال ترقی کی، اور یہ اُسی قدیم وجاہت و بزرگی کا اثر تھا کہ قطب الملک نواب سیّد عبد اللہ خان، اور امیر الامرا نواب سیّد ... کے کسی زمانہ "بادشاہ گر" کہلائے اور عرصہ تک سلطنت انہی دو مشہور ... کے زور بازو سے چلتی رہی۔

امیر الامرا سید حسین علیخان شروع مین صوبہ دار بہار مقرر ہوئے اور عظیم آباد مین عرصہ تک رہے، یہ صوبہ اُن کی جاگیر مین تھا جب نواب صاحب ممدوح فرخ سیر کو ساتھ لیکر نکلے، اور اُسے بادشاہ بناکر وزیر ہوئے تو آنکی جاگیر اُن کے چھوٹے بھائی نواب زین الدین علی خان بہادر (نواب خیال کے پردادا) کے ہاتھ آئی، اور وہ بہار مین مقیم ہوگئے، اور اسطرح یہ خاندان دہلوی سے بہاری بن گیا۔ سادات بارہ کے زوال کے بعد اِس خاندان کا بھی شاید بہار مین زوال ہو جاتا، لیکن نواب علی وردی خان مہابت جنگ (صوبہ دار بنگالہ) کے تعلقات اور رشتہ داری سے اِس کا وہ اگلا عروج عرصہ تک قائم رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقت تک اِس خاندان کی عظمت و حشمت بدستور قائم و برقرار رہی۔

صوبہ بہار اپنی زرخیزی کے ساتھ ہمیشہ مردم خیز بھی بنا رہا ہو۔ دلّی جب مٹی تو عظیم آباد (پٹنہ) آباد تھا۔ دلّی کے باکمالون نے اسطرف کا رُخ کیا ... امیر الامرا کے خاندان نے دلّی والون کو اپنے یہان جگہ دیکر عظیم آباد مین شاہجہان آباد بنائے رکھا۔ ... اُردو کی نشو و نما دلی مین ہو چکی تھی۔ امیر الامرا اور اُن کا خاندان مرزا عبد القادر بیدل کا دلدادہ تھا مرزا اُردو کے حامی اور ...

سلطان العصر کی گذشتہ اشاعت مین نواب صاحب ممدوح کی تصویر شائع ہو چکی ہو (اڈیٹر)

نواب اُس کے سرپرست تھے۔ اِس ذریعہ سے یہ زبان بہار و عظیم آباد میں پھیلی، جسے بعد کو اسی خانوادہ کے ایک دوسرے بزرگ نواب علی وردی خان، مہابت جنگ (صوبہ دار بنگال و بہار) نے چمکایا، اور پھر مہاراجہ شتاب رائے نے اس کی وہ پرورش کی کہ آخر وہاں راسخ کا سا صاحبِ کمال پیدا ہوا، جس نے شعر و شاعری میں اپنا ایک الگ اسکول قائم کرکے زباندانی کا سکہ بٹھا دیا۔ نواب ہدایت علیخان اسد جنگ، (متخلص بہ ضمیر) اور اُن کے مشہور فرزند نواب غلام حسینخان (صاحب سیر المتاخرین) اسی گھرانے کے ایک رکن اور اُردو کے سرپرست اور مربیوں میں سے تھے۔

غرض نواب صاحب خیال کا خاندان امارت و وجاہت ذاتی کے ساتھ علم و ادب کے لیے بھی ہمیشہ مشہور و معروف رہا ہے اور آج سے نہیں، دو سو برس سے یہ اُردو کی پرورش و خدمت کر رہا ہے اور غالباً اسی کو یاد کرکے، اور بہار میں اس زبان کی پامالی کو دیکھ کر نواب صاحب نے اپنے اڈریس میں یہ گرم فقرہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔۔۔ "افسوس کہ امیر الامرا سید حسین علی خان کی جاگیر اور مہاراجہ شتاب رائے کی زمین ایسی شکارگاہ بنی"! واقعی اُن سے زیادہ اور کسی اس زبان کا ایسا درد ہو سکتا ہے۔!!

اِس خاندان کی دوسری شاخ پانی پت میں ہے جس کے مورثِ اعلیٰ شمس الدولہ نواب لطف اللہ خان بہادر صادق وزیر محمد شاہ تھے وہاں یہ خاندان نوابادون کے لقب سے مشہور ہے پانی پت کے خواجہ زادے اور نواب زادے ایک دادا کی اولاد ہیں عجیب سا لانہ کہ جسطرح بہار میں یہ خاندان امارت و ریاست کے ساتھ زبان اس کے لیے بھی مشہور رہا، اسیطرح پانی پت میں بھی دو سو برس سے ریاست اور علم و فضل دونوں کا مرکز دکھائی دیا، اور وہاں خواجہ حالی مرحوم اور یہاں خان بہادر شاد مدظلہ اس قدیم و مشہور خاندان کے ایسے بزرگ ہیں جنھیں زمانہ عرصہ تک یاد رکھے گا۔

غرض ایسے قدیم اور علم و فضل سے بھرے ہوئے خاندان میں آپ ۱۸۸۶ء میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ آپ کے گھر کا ادب قاعدہ اور آپ کے گھرانے کی تہذیب و زبان عام طور پر تسلیم ہے اور اس لیے اس کی تقلید کی جاتی ہے۔ اُسوقت کے اُمراء رؤسا کی طرح آپ کی تعلیم بھی شروع ہوئی، اور درسیات تمام کرکے انگریزی کی طرف مائل ہوئے، علم ادب اور زباندانی کا خاندانی شوق چونکہ کمسنی ہی سے تھا اور قدرت نے بھی اُسکے لیے موزون دل و دماغ عطا کیا تھا، اس وجہ سے قلم و قرطاس کے سوا کسی اور طرف مائل نہیں ہوئے اور ہوش سنبھالتے ہی مضمون نگاری کی جانب متوجہ دکھائی دیے۔ مشہور رسالہ "حسن" (حیدرآباد) میں اکثر آپکے مضامین فرضی ناموں سے نکا کیے، وہ پرچہ بند ہوا تو اس ادب و لٹریچر کے شوق و ذوق کی پیاس اور چشموں سے بجھائی گئی، اور جبکہ نوجوان رؤسا دوسرے دوسرے مشاغل میں پھنستے ہیں آپ نے ۱۹ برس کی نوخیز عمر میں (۱۹۰۶ء) عظیم آباد سے ایک رسالہ "ادیب" نکالا۔ اس کے ادب و لٹریچر کو دیکھ کر سر سید مرحوم اور مولوی عبد الحلیم شرر نے اُسوقت یہ رائے قائم کی تھی کہ اگر یہ رسالہ جاری رہا تو عظیم آباد اور صوبہ بہار دلی اور لکھنؤ کی تقلید سے آزاد ہو جائے گا۔

۱۸۹۹ء میں آپ کی شادی ہوئی اور اِس تعلق سے کلکتہ میں قیام ہوا تو "ادیب" کو بند کرنا پڑا۔ لیکن آپکے اشہب قلم کی رفتار کسی وقت میں سست نہ دکھائی دی۔ عادت کے مطابق فرضی ناموں سے مختلف اخبار و رسائل میں مضامین لکھے جو مقبول عام ہوتے رہے ۱۹۰۲ء ہی سا "سائنس" یا ایک مشہور و معروف مضمون "اصلاح" میں نام مذہب خیرات کے ... او رنگ میں ایک انقلاب سا ہو گیا، اور ایک عرصہ کے بعد غالباً یہ وہ مضمون تھا جس میں دوستوں کے اصرار سے آپنے نام کا اظہار کیا تھا، پھر ۱۹۱۰ء میں مولوی ظفر علی خان کی سخت فرمائش پر

"مرثیہ اور مرزا دبیر" پر ایک مبسوط مضمون دکن ریویو کے متعدد نمبرون مین شائع ہوا کیا، اور آپکے زور قلم اور تنقیدی نظر کی دنیا نے داد دی، اور اسی مضمون سے مرثیہ کی غرض و غایت سمجھ مین آئی۔ پھر ایک عجیب و لطیف مضمون "خالاؤن کا مارا آغا" ۱۹۱۳ء مین (ادیب الہ آباد) کے کئی نمبرون مین آپکے نام نامی سے شائع ہوا۔ یہ مضمون اور خصوصاً اُس کی تمہید، اُردو کی جان، اور حقیقتاً وہ لٹریچر ہے جس کی نظیر "ایڈیسن" اور "پکوک پیپرز" کے سوا کہین اور نہین مل سکتی۔ اُردو مین یہ بالکل نئی چیز تھی، اور اس سے نواب صاحب کی فارسی پر بھی وہ قدرت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانہ مین مفقود ہے! یہ قصہ اسطرح پڑھا گیا، کہ ہزارون کو ابتک اسکے فقرات یاد ہین۔ یہ مضمون اس لیے لکھا گیا تھا کہ دوسرے اس رنگ کو اور رشوخ کرین، مگر اس کا تتبع آسان نہ تھا، اور جہانتک مجھے علم ہے ابتک اس انداز مین کوئی قلم نہ اُٹھا سکا!

مجھے جہانتک غور کرنے کا موقع ملا، نواب صاحب جب کوئی چیز لکھتے ہین تو اُسے اپنا کر لیتے ہین، اور اُن کے قلم سے ہمیشہ کوئی نئی بات ہی نکلتی ہے جو مقبول عام ہو جاتی ہے۔ اُردو کانفرنس، صدارتی ایڈریس ہی دیکھیے کہ کس انداز و پرواز سے زمانہ کے سامنے پیش کیا کہ آئندہ اس مادہ مین جو کچھ بیان ہوگا، ہمیشہ اُسی کی تقلید کی جائے گی۔ اس خطبہ نے نہ صرف اُردو کی بھولی بسری داستان ہی کہ سنائی، اور موجودہ گردنکو پس و پیش ڈال دیا بلکہ مادرِ وطن کی دو ہزار سالہ تاریخ بھی بیان کر دی ہے جس سے ہمارے معلومات مین وسعت و ترقی ہوگئی۔ ہندو مسلم رفتہ کو بھی اسطرح سلجھا دیا کہ آجتک بڑے سے بڑے مقرر سے بھی نہو سکا۔ نہ کبھی کانگریس کا ایسا سیاسی ایڈریس سنایا گیا، اور نہ لیگ کے کسی صدر نے ایسا جامع و مانع بیان ہمارے سامنے پیش کیا۔ اُنکے معلومات کو دیکھیے، اُن کی تحقیقات پر نظر کیجیے، اور خطبہ کی اسپرٹ در پالیسی کو سمجھیے، اُسکے لٹریچر "زبان" اور اُس کے ادب و طرز ادا کو سراہیے۔ یہ ایڈریس ہر اعتبار سے ہماری قومیت کو مستحکم کرنے والا، اور ہماری زبان کو سویلائزڈ (مہذب) زبانون کے ہمرتبہ ثابت کرنے والا ہے۔

علمی و ادبی مشاغل کے ساتھ ساتھ نواب صاحب موصوف نے ایک حد تک دیگر قومی معاملات مین بھی حصّہ لیا ہے۔ ۱۹۰۶ء کے مشہور و معروف مسلم "ڈیپوٹیشن" مین جو بمقام شملہ لارڈ منٹو کی خدمت مین حاضر ہوا، وہ اسمین شریک اور اسکے سرگرم کارکن تھے، اور رزنامہ اسکیم مین شروع سے اخیر تک مشورہ دیتے اور کام کرتے رہے آپ مسلم لیگ کے بانیون مین نہ صرف شمار ہوتے بلکہ ابتک اُسکے سرگرم ممبر مین ۱۹۰۶ء مین آپنے مسلم لیگ کی شاخ بنگالے مین قائم کی، اور نواب شمس الہدیٰ کے ساتھ بحیثیت جوائنٹ سکریٹری عرصہ تک کام کرتے رہے۔ تعلیمی معاملات سے اُنھین خاص دلچسپی بلکہ شغف ہے۔ ۱۹۰۷ء مین ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر منتخب ہوے۔ تعلیمی کانفرنس (علیگڈھ) کی آواز بنگالہ مین زیادہ تر آپ ہی کی کوششون سے عام ہوئی۔ ۱۹۰۸ء مین علیگڈھ کالج کے آپ ٹرسٹی مقرر کیے گئے اور اس تعلیمی انسٹی ٹیوشن سے آپ کی دلچسپی کچھ چھپی ہوئی نہین ہے۔ مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ آپ کی عنایات اور مہربانیون کا ہمیشہ ممنون رہا ہے۔ طلبا کے ساتھ اُنھین خاص محبت ہے، اور ہمیشہ ان کی اُمداد پر تلے رہتے ہین۔

۱۸۹۹ء مین آپ کی شادی کلکتہ مین نواب انتظام الدولہ مرزا احمد بیگ (وزیر شاہ اودھ) کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے دو صاحبزادے ہوے، لیکن افسوس کہ وہ نونہال آٹھ آٹھ سال کی عمر پاکر مرجھا گئے، اور جب سے موصوف علمی دنیا سے الگ ہو کر گوشہ عافیت مین زندگی بسر کرنے لگے ہین۔ عرصہ سے اُن کی صحت بھی اچھی نہین رہتی، پٹنہ کو تو کبھی کا خیرباد کہا جا چکا ہے لیکن کلکتہ مین بھی اب برائے نام ہی قیام رہتا ہے۔ عموماً پہاڑون پر رہتے، اور وہان تنہائی مین علمی تحقیقات مین زندگی بسر کرتے ہین۔ فی الحال مرثیہ گویون کا ایک تذکرہ

مرتب کر رہے ہین۔ گارسن دی تاسی کا مشہور تذکرہ شعراے اُردو (ہسٹری دی لٹریچر ہندی) جو فرنچ زبان مین اور چار جلدون مین ہے۔ آپ اس کا اُردو ترجمہ کر رہے ہین۔ یہ کام سرعت سے جاری ہے۔ خدا کرے اُن کی صحت اتنی درست ہو جائے کہ یہ چیزین جلد پبلک کے ہاتھون تک پہنچین

العصر کے صفحات کو پیش نظر رکھتے ہوے مین اس مضمون کو تمام کرتا اور نواب صاحب کے لیے دعا کرتا ہون کہ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

محفوظ الحق احسن (عظیم آبادی)

سرابندرناتھ ٹیگور کی خیال آرائیان اُردو لباس مین

سرابندرناتھ ٹیگور کی جن نظمون کا ترجمہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے، وہ محض بچون کے متعلق لکھی گئی ہین۔ چھوٹے چھوٹے بچون کے حرکات و سکنات کا جو کچھ اثر ایک شاعر کے دل و دماغ پر پڑ سکتا ہے یہ نظمین اس کا صحیح عکس ہین۔ ممکن تھا کہ مین نظم کا نظم ہی مین ترجمہ کر دیتا مگر میرے نزدیک بجز قوافی کے غیر ضروری التزامات پر شاعر کے حقیقی جذبات کے کچھ حصہ کو ضرور قربان کر دینا پڑتا۔ اول تو ترجمہ ہی مین اصلی خیالات کا قائم رکھنا دقت طلب ہے۔ پھر اگر اُسے نظم کیا جائے تو رہا سہا لطف بھی جاتا رہے۔ خود سرابندرناتھ ٹیگور نے انھین نظمون کا ترجمہ انگریزی نثر مین کیا ہے۔ مین فی الحال محض چار نظمون کا ترجمہ العصر مین شائع ہونے کیلیے بھیج رہا ہون۔ اگر میری اس خدمت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو انشاء اللہ آئندہ متواتر یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

(افسر)

۱۔ گھر

مین یکہ و تنہا کھیت کی پتلی راہ پر چل رہا تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ آفتاب اپنے بقیہ طلائی زیور کو ایک بخیل کی طرح چھپا رہا تھا،

دن کی روشنی تاریکی کی گہرائیون مین ڈوب رہی تھی اور برہنہ زمین پر جس کی فصل کاٹ لی گئی تھی ایک خاموشی طاری تھی۔

پھر ایک بچہ کی تیز اور باریک آواز بلند ہوئی، وہ تاریکی مین بے پروائی سے گذرا، اور شام کے سکوت مین اپنی شیرین آواز کا اثر چھوڑ گیا۔

اس ویران زمین کے سرے پر ایک دوالے کھیت کے اطراف کیلیے اور چھالیہ کے پتلے اور بلند پودون مین، ناریل اور کٹہل کے گھنے اور سرسبز درختون کے سایہ مین چھپا ہوا اُس کا دیہاتی گھر تھا۔

مین اپنے راستہ پر تھوڑی دیر کے لیے تارون کی چھاؤن مین ٹھہر گیا

میرے سامنے تاریک زمین پھیلی ہوئی تھی جس پر ہر طرف بیشمار گہوارون اور مسہریون سے آراستہ کیے ہوے مکانات تھے، ماؤن کے دل تھے، شام کے چراغ تھے، اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو اس خوشی سے مسرور تھے جس کی قیمت کے مقابلہ مین تمام دنیا ہیچ ہے!

۲۔ مطلع

تم جانتے بھی ہو کہ بچے کی آنکھون سے کھلواڑیان کرنے والی نیند کہان سے آتی ہے؟

لوگون کا بیان ہے کہ پرستان مین ایک گانون ہے جس پر کرم شب تاب کی ہلکی ہلکی روشنی گھنے درختون کے سایہ مین ضیا افگن ہے اور وہان دلربائی کے پودے کی دو شرمیلی کلیان آویزان ہین۔ بس یہی وہ جگہ ہے جہان سے نیند بچے کی آنکھون کو بوسہ دینے آتی ہے۔

تمھین معلوم بھی ہے کہ بچے کے لبون پر لہرین لینے والا تبسم کہان پیدا ہوا تھا؟

لوگ کہتے ہین کہ نئے چاند کی ایک سنہری شعاع، رات کے پہلے حصہ مین بادل کے ایک ٹکڑے کے کنارے سے کھیلنے لگی، اور ایسی چھیڑ چھاڑ

سے شبنم میں دُھلی ہوئی صبح کے خوابوں میں تبسم کا پہلی مرتبہ ظہور ہوا
اور یہی وہ تبسم ہے جو ایک سوتے ہوئے بچے کی آنکھوں پر لہرایا کرتا ہے
تمھیں خبر بھی ہے کہ بچے کے اعضا میں جھلکنے والی پیاری پیاری
نزاکت آمیز شگفتگی کہاں چھپی ہوئی تھی؟
جبکہ ماں ایک نوجوان کنواری لڑکی تھی تو محبت کے راز کی
خاموش اور نازآفرین کیفیات اُسکے دل وجگر پر قبضہ کئے ہوئے تھیں
بس یہی وہ کیفیات ہیں جو اب حسن اور نزاکت آمیز شگفتگی بنکر بچے
کے اعضا میں جھلک رہی ہیں،

۳۔ بچہ کی روش

اگر بچہ خواہش کرتا تو وہ ذرا ہی سی دیر میں آسمانوں کی بلندیوں
تک پہنچ گیا ہوتا،
پھر یہ بھی کچھ بے نتیجہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے جُدا نہیں ہوتا۔
وہ ماں کی گود میں آرام کرنے کا خواہش مند ہے اور اُسکا نظروں
سے اوجھل ہو جانا بچہ سے برداشت نہیں ہوتا۔
بچہ بہت سے پرمغز الفاظ کی معنی خیزیوں سے واقف ہے
اگرچہ بہت ہی کم لوگ ایسے نکل سکیں گے جو ان الفاظ کو سمجھ لیں۔
پھر یہ بات بھی کچھ بے حاصل نہیں ہے کہ وہ کبھی بولنا نہیں چاہتا۔
جو کچھ وہ سیکھنا چاہتا ہے وہ ماں کے لبوں سے نکلے ہوئے ان
ہی کے الفاظ ہیں، اور یہی بات ہے جس نے اُسے ایسا بھولا بنا دیا ہے
بچے کے پاس طلا و لآلی کا ایک انبار تھا اور پھر بھی وہ دنیا میں
تہی دست آیا ہے!
پھر یہ بھی کچھ بیکار نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے بھیس میں آیا ہے،
یہ پیارا اور ننھا سا برہنہ بھکاری اس لیے بے بسی اور لاچاری
کا بہانہ کئے ہوئے ہے کہ وہ ماں کے خزینۂ محبت سے کچھ بھیک مانگ سکے۔
منے بچے ہلال کی چھوٹی سی سرزمین میں ہر اک بندش سے مطلقاً
آزاد تھا۔
پھر یہ بھی کچھ بے سود نہیں ہے کہ اس نے اپنی آزادی کو خیرباد کہا۔
وہ جانتا ہے کہ ماں کے دل والے محدود گوشہ میں غیر منتہی مسرت
کے لیے کافی جگہ ہے اور اُس کی پیاری گود میں گرفتار ہو کر دیو جانا
آزادی سے بدرجہا پرلطف ہے۔
بچہ رونے سے مطلقاً واقف نہ تھا کیونکہ وہ مقدس برکات کے
خطہ میں رہتا تھا،
پھر یہ بھی کچھ بے لطف نہیں ہے کہ اُس نے آنسو بہانے کو ترجیح دی ہے
اگرچہ وہ اپنے پیارے مکھڑے کی مسکراہٹ سے ماں کا محبت بھرا
دل کھینچ لیتا ہے۔ مگر اس پر بھی اُس کی آنسوؤں کا پیام لانے والی
سسکیاں معمولی تکالیف پر ترس اور پیار کے جذبات کو کیا ان متحرک
کر دیتی ہیں۔

۴۔ غیر محتاط نمود

پیارے بچے! آخر اس تیری مختصر سی عبا کو کس نے رنگ دیا ہے اور تیرے
خوشنما اعضا کو چھوٹی سی ٹکی اور سُرخ جلد میں کس نے چھپا رکھا ہے۔
تو صبح کے وقت آنگن میں کھیلنے کے لیے آیا ہے اور پھر ڈگمگاتے اور
لڑکھڑاتے ہوئے بھاگ دوڑ ہو رہی ہے۔
مگر یہ کس نے تیری عبا کو رنگین بنایا ہے،
اے میرے عزیز ترین شگوفۂ حیات! یہ آخر کیا چیز ہے جو تجھے ہنسا لے
دیتی ہے، ماں دہلیز پر کھڑی ہوئی تیرے حرکات پر مسکرا رہی ہے دونوں
ہاتھوں سے تالیاں بجاتی ہے۔ اس کی چوڑیوں سے جھنکار پیدا ہوتی ہے
اور اُس پر تو ایک چھوٹے سے گلہ بان کی طرح اپنے ہاتھ والی بانس کی
چھڑی سے کلیلاریاں کرتا ہے۔
مگر اے میرے عزیز ترین شگوفۂ حیات! یہ کیا چیز تجھے ہنسا رہی ہے
اے ننھے بھکاری! آخر تو ماں کے گلے میں باہیں ڈالکر کیا چیز مانگ رہا ہے

اے نوکھی ہستی! کیا مین دنیا کو ایک پھل کیطرح تیری گلاب کی پھول
ایسی ہتیلی پہ رکھنے کے لیے توڑ لون!
اے چھوٹے بھکاری! آخر تو کیا مانگ رہا ہے۔
ہوا ہنستی ہوئی تیری پازیب کے گھنگرؤن کی جھنکار لیے جاتی
ہے۔ آفتاب تیری پوشاک کو تک رہا ہے،
جس وقت تو ماں کی گود مین محوِ خواب ہوتا ہے تو آسمان تیری
نگہبانی کرتا ہے اور صبح آہستگی اور خاموشی سے تیرے بستر تک آکر تیری آنکھونکو
بوسہ دیتی ہے۔
نسیم مسکراتی ہوئی تیری پازیب کے گھنگرؤنکی جھنکار لیے جاتی ہے۔ عالمِ رویا کی
پری آسمانی شفق مین پرواز کرتی ہوئی تیری طرف کو آتی ہے،
تیرے ساتھ تمامی عالم تیری ماں کے دل مین موجود ہے۔

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

(جاپان کی حیرت انگیز تجارتی ترقی)

جاپان نے جہان دیگر ترقی کے صیغون مین نہایت سُرعت سے کامیابی حاصل کی ہے وہان صنعت و حرفت و تجارت مین بھی کمال کر دکھایا ہے۔ اگر انگلینڈ کی تجارت کو جرمن کی سستی اشیا نے ترک دی ہے تو جرمن کی تجارت کو جاپان کی سستی اور چمکیلی چیزون نے مات کر دیا ہے۔ اٹلی اور فرانس کے ریشمی نمونے جاپانی دیکھتے ہی فوراً اپنے کارخانون مین ویسا ہی مال مقابلةً چمکیلا اور سستا بنا لیتے ہین۔ ریشمی و روئی کے پارچہ جات، دیاسلائی، کاغذ، چٹائیان، صندوقچیان، تصاویر، کھلونے، سوئیان، گھڑیان، کمربند، بٹوے، بٹن وغیرہ اشیا نہایت نفاست و پاکیزگی سے تیار کرتے ہین اور لطف یہ کہ ان مین سے اکثر اشیا معمولی لکڑی، لوہے، مٹی اور گھاس سے بنائی جاتی ہین مثلاً گھاس کے فیتے، کاٹھ کے نوٹ پیپر، کاغذ کے کپڑے وغیرہ جن پر یورپین و امریکن مستورات فریفتہ ہوئی جاتی ہین۔

ایران، کابل، بلوچستان اور ہندوستان کی کناوزیکی نقل بہت عمدگی سے کی جاتی ہے جرمن و انگلینڈ کے سوتی اور فرانس و اٹلی کے مانند ریشمی پارچہ جات اس پاکیزگی سے تیار کیے جاتے ہین کہ آج دنیا کی مختلف منڈیون مین جاپانی مال کی سخت مانگ ہے۔ مگر ان خوبصورت اشیا کی موجودگی مین خود جاپانی نہایت بھدی رنگ کی چھینٹین اور موٹا کپڑا استعمال کرتے ہین پتلی اور خوبصورت ریشمی ململین صرف دیگر ممالک کے شائقین کے لیے نہین ہمین بلکہ عیاش ممالک سے زر کھینچنے کے لیے تیار کی جاتی ہین جاپان کی اس دور اندیشی و دانشمندی کو دیکھ کر انگلینڈ کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ :-

"جاپان نے یورپین تہذیب کا محض اوپر کا خول نہین لیا، بلکہ جاپانی مغربی اقوام کی طرح ایک تجارتی قوم، بنتی جاتی ہے انگلینڈ کو جاپان کی بری و بحری افواج سے کوئی خوف نہین ہے مگر اسے جاپان کی بڑھتی ہوئی تجارت سے غافل نہ رہنا چاہیے"

شہر کوبے سا گھانس کا کام یعنی گھاس کے ٹوکرے، بیگ، بکس، چٹائیان، چکین وغیرہ اوساکی عجوبہ اشیا، دیاسلائی، اور دیہات کے ریشمی کارخانے قابل دید ہین۔ اگر دیکھو تو بڑے بڑے مکان اور بڑی بڑی مشینین نظر نہین آئین گی، بلکہ چھوٹے چھوٹے جھونپڑون مین عورتیں کام کرتی ہین۔ خود موٹا کپڑا پہنتی ہین مگر امیرون کے لیے نفیس پارچہ مہیا کرتی ہین اُن سے زر کھینچتی ہین۔ وطن کو خوشحال بناتی ہین، اور دنیا کی تجارتی منڈیون کو سجاتی ہین گورنمنٹ نے بھی تمام بالمناسب دینی منظور کی ہے نہرین اور بجلی کی طاقت ایشیا کے انجسٹر اوساکا گھر گھر مہیا کی گئی ہین مفلس آدمی بنک سے پانچ روپیے کا ریشم قرض لے

اور بیچے چھوٹے سے چھوٹے پاکر گھٹے پر تھان تیار کرتا ہو۔ اور اُسے اُس بینک ہی میں یا کسی اجنبی کی دوکان میں چھ روپے پر بیچکر پانچ روپے کا ریشم اور خرید لاتا ہو اور ایک روپے سے گذر اوقات کرتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانے بھی موجود ہیں۔ مگر اُن کی تعداد بہت کم ہو۔

جاپان کی تیار کردہ اشیا میں سے بعض کا ذکر مع اعداد درآمد و برآمد یہاں درج کیا جاتا ہو۔ تاکہ اہل ہند غور کریں۔ کہ محض سودیشی سودیشی چلانے سے عوام سودیشی اشیا کے استعمال کرنے پر مستقل طور پر مائل نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ عملی طور پر دنیا کی منڈیوں میں مقابلہ سکتا اور خوبصورت مال تیار نہ کیا جائے۔

سوتی پارچہ جات | جاپان میں روئی امریکہ اور ہندوستان سے آتی ہو مگر اس روئی کے نفیس پارچہ جات تمام دنیا میں بھیجے جاتے ہیں امریکہ چین، برما، سیام، ملایا، اور افریقہ میں اس مال کی بڑی قدر ہوتی ہو۔ حبشہ اور ترکی سے بھی آرڈر آتے ہیں۔

انقلاب چین کے بعد جہاں امریکن سرمایہ داروں نے چینی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو۔ جاپان نے بھی چین میں نئی کوٹھیاں اور کارخانے کھولے ہیں اور چین کی تجارت پر قابو پانے کے لیے غور کر رہے ہیں سنہ ۱۹۱۲ء میں جاپانی اونی سوت ۱۲۰۰۰۲۰۶ روپے کا باہر بھیجا گیا ہو جسمیں زیادہ حصّہ چین نے خریدا ہو۔

دیاسلائی | جاپان میں ہر سال دیاسلائی کی مانگ باہر سے بہت زیادہ آرہی ہو۔ رنگون اور بمبئی میں سویڈن کی دیاسلائی کے مقابلے میں جاپانی دیاسلائی کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہو بمبئی کے کئی دیاسلائی کے بڑے بڑے سوداگروں نے اوساکا کی دیاسلائی کے کارخانوں کے مال کا ٹھیکہ لے لیا ہو۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ۶۶۰۰۰۰ روپے کی دیاسلائی باہر بھیجی گئی تھی جن میں سے بمبئی کو ۳۰۵۲۰۳ بکس اور کلکتہ کو ۱۷۶۴۴ بکس بھیجے گئے تھے اور اب تو ہندوستان میں ہر جگہ جاپانی دیاسلائی نظر آتی ہو

ریشم | جاپان کی سب سے مشہور تجارت ریشمی پارچہ جات کی ہو جو قریب قریب تمام دنیا میں کھپتے ہیں ہندوستانی تاجر جو جاپان میں مقیم ہیں وہ دو لاکھ روپے کے قریب ریشمی مال ہوا ہر صرف بمبئی کو بھیجتے ہیں۔ یہاں کے ہندوستانی تاجر رنگون کو تقریباً ۲۰ لاکھ روپے کا ریشمی مال سالانہ بھیجتے ہیں الغرض جاپان میں ہندوستانی تاجر برما، ہندوستان، عرب، افریقہ، چین، ملایا، اور دنیا کے دیگر حصّوں کو مختلف مال تقریباً ایک کروڑ روپے کی مالیت کا بھیجتے ہیں۔ علاوہ اِسکے دیگر یورپین کوٹھیاں بھی ہیں جاپانی براہ راست اپنی کمپنیوں اور ایجنسیوں کے ذریعے سے بھی مال بھیجتے ہیں۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں جاپان سے ہندوستان کو کل ۴۲۴۴۶۲۴۳ روپے کا مال بھیجا گیا اور ہندوستان سے جاپان کو خام اشیا ۵۹۹۹۹۶۹۹ روپے کی بھیجی گئیں سنہ ۱۹۱۲ء میں جاپان میں پہلی دفعہ ٹاٹا آئرن ورکس کا مال سے ۳۰۰۰ ٹن (ٹن = ۲۸ من) لوہا آیا۔ اور علاوہ لوہے کے ہندوستان سے جاپان کو چاول، ربڑ، روئی، بھیڑ کا چمڑہ، نیل، موم، تیل، سن وغیرہ اشیا آتی ہیں۔ اور جاپان سے ہند کو ریشمی و سوتی پارچہ جات، جابی تولیہ، دیاسلائی، لکڑی کے بکس، کوئلہ، کاغذ، موٹے چینی کے برتن اور دیگر چھوٹی چھوٹی اشیا بھیجی جاتی ہیں سنہ ۱۹۱۲ء میں صیغہ صنعت و حرفت کی طرف سے کئی محقق ہند کو بھیجے گئے تھے تاکہ ہندوستان کی منڈیوں کی دیکھ بھال کریں اور جرمن و انگریزی خصوصاً ٹلی کے ریشم کے مال کی کھپت کا اندازہ لگائیں ان کی رپورٹ سے مظہر ہو کہ ہند میں جاپانی مال کی کھپت روز افزوں ترقی پر ہو اور پہلے سے کئی گنا زیادہ گنجائش موجود ہو۔

دانتوں کے برش جاپانی بڑی بڑی چیزوں کی نسبت عام ضروریات کی چھوٹی چھوٹی اشیا کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۱۲ء میں جاپان نے ۳۰۷۰۰۰ روپے کے صرف دانتوں کے برش ممالک غیر کو بھیجے ہیں۔ نقشہ ملاحظہ ہو:-

امریکہ کو ۱۵۰۰۰۰ روپیہ کے

چین کو	۰۰۰۰۵۷	روپے کے
کنیڈا کو	۲۱۰۰۰۰	"
برطانیہ کلان کو	۱۳۰۰۰۰	
اسٹریلیا کو	۴۰۰۰۰	
ہندوستان کو	۹۰۰۰۰	
جرمن کو	۳۰۰۰۰	"

جاپان کے داتون کے برشون کا مقابلہ فرانس کے ساتھ ہی فرانس کے مال کے مقابلہ مین سستے اور خوبصورت برش بنانے کی خاص کوشش ہو رہی ہی۔ ہندوستان کے باشندے چونکہ مسواک زیادہ استعمال کرتے ہین اس لیے یہان اس مال کی درآمد مقابلۃً کم ہی۔

گھڑیون کی تجارت | جاپان مین گھڑیون کی تجارت صرف چند سال سے شروع ہوئی ہی۔ مگر اس مد مین بھی متواتر کوششین جاری ہین اسوقت تک یہ مال زیادہ تر چین و دیگر مشرقی ممالک تک محدود ہی چنانچہ سنہ ۱۹۱۱ء مین جاپان نے ۵۱۶۳۹۲ عدد گھڑیان اور کلاک القیمتی ۹۳۱۳۴۹ روپے کی باہر بھیجین۔

ٹین | جاپان سے ذیل کی رقوم کے صرف ٹین سنہ ۱۹۱۱ء مین ممالک غیر کو بھیجے گئے تھے:-

انگلینڈ کو	۹۹۴۱۰۷	روپے
جرمن کو	۵۹۹۰۰۰	"
فرانس کو	۲۶۱۹۸۳	"
ہندوستان کو	۲۱۳۶۹۳	"

بٹن دہات، سینگ اور لکڑی کے بنائے جاتے ہین اور بیرونی منڈیون مین یہ ایسے مقبول ہوتے ہین کہ یورپ کی تجارتی منڈیون مین آسٹریلیا کے بٹنون پر جاپانی بٹنون نے بباعث ظاہری عمدگی اور سستے پن کے فتح پائی ہی۔

گیس | جاپان مین ہر سال گیس کی کمپنیان ترقی کر رہی ہین۔ اسوقت اس ملک مین تمام ایسی کمپنیان ساٹھ سے زائد ہین۔ علاوہ اس کے تیس کمپنیان زیر تجویز ہین۔ سنہ ۱۹۱۲ء کے آخری نصف مین ٹوکیو، کیوٹو، اوساکا، ناگویا اور کوب کی گیس کمپنیون مین ۰۰۰،۰۰۶۹۹ روپے کا سرمایہ صرف ہوا ہی۔ اور ۰۰۱۴۲۶۱۲ کیوبک فٹ گیس مہیا کی گئی ہی۔

کھلونون کی تجارت | سنہ ۱۹۱۱ء مین جاپان سے ۰۰۰،۷۰۵ روپے کے کھلونے (گڑیان وغیرہ) باہر بھیجے گئے تھے مگر سنہ ۱۹۱۲ء مین ۲۹۹۰۰۰ روپے کے کھلونے باہر بھیجے گئے۔ جاپان کا اس مال کی تجارت کا مقابلہ جرمن سے ہی۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین جرمن سے ۰۰۰،۰۰۱ روپے کے اور جاپان سے ۰۰۰،۰۰۶ روپے کے کھلونے امریکہ مین آئے۔ جاپان جرمن کی طرح رنگ روپ مین خوبصورت کھلونے ابتک نہین بنا سکا۔ اس مال کی تجارت پر مزید غور و تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمیشن بیٹھا ہی جو دنیا کی منڈیون مین کھلونون کی جانچ پڑتال کرے گا۔

سائیکل موٹر | جاپان نے سائیکل اور موٹر کی، مین ابھی تک نمایان کامیابی حاصل نہین کی۔ مگر سنہ ۱۹۱۳ء مین تیس لاکھ روپے کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم ہوئی ہی۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین جاپان مین باہر سے ۰۰۰،۰۰۰،۵ روپے کے سائیکل و موٹر آئے یہ جاپانیون کو بہت شاق گذرا۔ اس کمپنی نے فیصلہ کیا ہی کہ وہ جاپانیون کو بیرونی اشیا سے روکنے کے لیے پہلے دو سال تک لاگت کی قیمت پر موٹر و سائیکل فروخت کرین گے۔ ہندوستان مین سنہ ۱۹۱۳ء مین تقریباً بیس کروڑ روپے کے سائیکل و موٹر باہر سے آئے مگر سرمایہ دار اپنی ملک کے روپے کی نکاسی پر ذرا بھی متوجہ نہین ہوتے زندہ و مردہ اقوام مین یہی تمیز ہوتی ہی۔

مین نے اوپر صرف چھوٹی چھوٹی اشیا کا تذکرہ کیا ہی۔ اسکے علاوہ سینکڑون چیزین باہر جاتی ہین۔ بیس سال کا عرصہ ہوا کہ جاپانی اخبار م برٹش کاغذ پر چھپتے تھے آج جاپان تمام ایشیا کے لیے کاغذ مہیا کرتا ہی۔



حافظ محمد معروف صاحب اوج اٹاوی

چینی کے برتن کروڑون روپیون کے باہر جاتے ہین جنپر اصول تجارت سے واقف جاپانی قدیم جاپانیون کے لمبے لمبے بالون اور تیز تلوارون ڈھالون کی تصاویر نقش کردیتے ہین اور پھر اُن برتنون کو مصالح سے بالکل میلا کردیتے ہین تاکہ وہ برتن پُرانے زمانے کی یادگار معلوم ہون پس دو آنے کا برتن دس روپے پر بطور عجوبہ" فروخت ہوتا ہے۔

گورنمنٹ نے بڑے بڑے شہرون مین ریشم گھر کھولے ہین۔ تمام دنیا کے ریشم کے کیڑون کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ مال کی جانچ کی جاتی ہے اور اسیطرح ہر سال نئے قوانین تجارت وضع کیے جاتے ہین۔

جہاز سازی کے بھی بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے ہین ۱۹۱۲ء مین ایک اٹھائیس ہزار ٹن کا بھاری جہاز تیار ہوا تھا مگر ابھی تک حسب ضروریات جاپانی باہر سے جہاز خریدتے ہین۔ ایک جاپانی کا قول ہے کہ جہازی تجارت و ساخت مین جو کام ہم نے دس سال پیشتر یورپ اور امریکہ سے سیکھا ہے اُسی کام مین آج ہم یورپ کو نئی باتین سکھاتے ہین۔

پچاس سال پہلے ٹوکیو نام چند مچھلی پکڑنے والون کا گھر تھا مگر آج دنیا کے مشہور بندرگاہون مین اس کا شمار ہے! ایک صدی پہلے امریکہ کے لوگ بھولے جاپانیون کو چاندی دیکر سونا حاصل کرتے تھے۔ مگر آج جاپانی امریکن اور تمام دنیا کے گھاس پھونس اور مٹی کے معاوضہ مین زر حاصل کرتے ہین۔

غیر ممالک کی اشیا پر محصول | کسی قوم کے عام لوگ کبھی اتنے وطن پرست نہین ہوسکتے کہ وہ وطن کی ہر بھدی اور مہنگی شے کو بدیشی اشیا پر ترجیح دین۔ اس کے لیے گورنمنٹ کی مدد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے پس گورنمنٹ جاپان نے تاجرون اور مہاجنون کے لیے نہ صرف معمولی زر وغیرہ کی ضروریات مہیا کی ہین بلکہ بدیشی اشیا کے روکنے کے لیے اُن پر بھاری محصول بھی عائد کردیا ہے، آٹا، گھی، دال، مصالحہ وغیرہ اشیا پر پچاس فیصدی محصول ہے۔ تمباکو پر تین سو ساٹھ روپیے فیصدی محصول ہے، حالانکہ ہندوستان مین ریشمی پارچہ جات پر صرف پانچ روپیے فیصدی محصول ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان مین بیرونی ممالک سے دھڑا دھڑ مال آرہا ہے مگر جاپان کے بازارون مین بیرونی ممالک کے لٹھے ململ، گرم کپڑے وغیرہ دیکھنے مین بھی نہین آتے ہر جاپانی بلکہ خود مرحوم شاہنشاہ میکاڈو جاپان کا گردا تمباکو استعمال کرتے تھے۔ البتہ جو چیزین جاپانیون کی ضروریات مین سے ہین مثلاً چاول، روئی، کتابین وغیرہ اُن پر صرف ایک روپیہ فیصدی محصول جنگی ہے۔

حامیان سودیشی سے گذارش | ہند کے حامیان سودیشی یاد رکھین کہ محض سودیشی چلانے سے ملک کے عام لوگ ہرگز بیرونی چمکیلے مال سے باز نہین رہ سکتے محض جوش جذبات کی باتین صرف قلیل عرصے تک قائم رہتی ہین البتہ ٹھوس اور عملی ترقی کے لیے عملی جاپانیونکی مثال کی پیروی لازم ہے یعنی :-

(۱) خالص عمدہ اشیا بنانا"

"وطن مین تھوڑے نفع پر بیچنا"

"سودیشی کے نام سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھانا"

"مغرب کے جدید تجارتی اصول سیکھنے کیلیے لائق طلبہ کو باہر بھیجنا" وغیرہ

رام چندر (از سیاٹل۔ امریکہ)

حافظ محمد یعقوب صاحب آفتاب (اگیادی) کی تصویر اُس شکرگذاری کے طور پر شائع کیجاتی ہے جو آپ کی قلمی اعانت سے العصر پر فرض ہے۔ آپ کے کلام سے ناظرین ہمیشہ محظوظ ہوتے ہین، اور امید ہے کہ آپ کی تصویر بھی دلچسپی کے ساتھ دیکھی جائے گی۔ حضرت آفتاب ہمارے قدیمی مہربان ہین۔ ادیب مرحوم کے وقت مین بھی ہمیشہ اُن سے قلمی امداد ملتی رہی ہے، اور اس سے بہت پہلے (سنہ ۱۹۰۲ء لغایت سنہ ۱۹۰۹ء) اخبار تحفۂ سرحد کے زمانۂ ادارت مین بھی وہ ہماری مدد کرتے رہے ہین۔ یقین ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا۔

(ایڈیٹر)

وطن پرست یوکی

(۱)

اقصائے مشرق کی خوشگوار صبح اور ماہ ستمبر کا آخری دن ہے۔ برگہائے سبز سنہری جامہ زیب تن کیے ہوے ہین اور جاپان کی آفتابی سرزمین کے خوش نصیب باشندے اپنے ملک کے دلچسپ و فرحت افزا مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے باغون اور چمنون کی سیر و تفریح مین مشغول ہین!

پرتاب نے اب اپنے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر دی ہے کیونکہ اسکی کوٹھی نظر کے سامنے ہے چند منٹ اور گزرنے پر وہ کوٹھی کے مختصر مگر دلفریب باغیچہ مین داخل ہوا جس کے پھول اُسے دیکھ کر خوشی کے مارے کھلے جاتے تھے۔

پرتاب کے لیے اِس جنت نشان چہار دیواری کے اندر محض جسمانی آرام و آسائش کا سامان ہی موجود نہ تھا، بلکہ اُسمین اُسکے دل کی تسکین، اُس کی امیدون کا مرکز، اور اُس کی آرزوؤن کا مقصد بھی جلوہ افروز تھا!

منقش چوبی برآمدہ سے گذر کر اور سفید پتھر کے چھوٹے سے چبوترے کو طے کرتا ہوا، وہ ایک خوبصورت اور آراستہ کمرے مین داخل ہوا کمرہ جاپانی طرز کے بہترین سامان آرائش سے مزین تھا ایک طرف جاپانی پیانو رکھا ہوا تھا رنگین لکڑی کی خوبصورت میز پر گلہائے رنگین کا گلدستہ تھا اوپر خوشی کے دیوتا کی تصویر تھی جو ایک چھوٹی سی ناؤ مین بیٹھا ہوا وقت کے دریا کو پار کر رہا تھا۔

کمرہ کے ایک گوشہ مین جو مندر کا کام دیتا تھا بزرگون کی یاد مین ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ہر جاپانی گھر مین اس قسم کے مندر خدائی برکتون کے نزول کا ذریعہ سمجھے جاتے ہین۔

کمرے کے جنوبی دروازہ سے پردہ اُٹھا اور جاپانی حسن کی ایک دیوی ہاتھ مین پھول لیے ہوے برآمد ہوئی۔

"پیارے ڈاناسان[۱] آج تمھین دیر کہان ہوگئی!

پرتاب اسوقت ڈاک دیکھنے مین مشغول تھا عجیب قسم کے جذبات کا اُس کے دل مین ہجوم تھا، بار بار اپنا ہونٹھ دانتون سے دباتا تھا۔ آخر کچھ ضبط و غور کے بعد بولا "یوکی! مہاراجہ نے یاد کیا ہے۔ وہ غلام کو اپنی حضوری مین دیکھنا چاہتے ہین"

یوکی کے چہرہ پر تفکر اور تشویش کے آثار نمایان ہوے پیرون کے نیچے سے زمین نکل گئی، سناٹا سا آگیا، بڑی کوشش کے بعد چند الفاظ زبان سے نکلے "نہین مین تمھین نہ جانے دونگی، تم اپنے مہاراجہ سے ملنے کے لیے مجھسے میرے مہاراج کو نہین چھین سکتے"

نہین۔ مین مہاراجہ سے ملنے کے لیے اپنی دل کی مہارانی اپنی پیاری یوکی کو ہرگز نہ چھوڑونگا"

پھر تمھارا جانا کیسے ممکن ہے؟"

"کیون؟ تم میرے ہمراہ چلوگی اور مین تمھارے ہمراہ پھر کون امر مانع ہوسکتا ہے؟"

"لیکن پرتاب! شاید تم جانتے نہین کہ مین تمھارے ساتھ نہین جاسکتی!

تم ہمیشہ کے لیے میری ہوچکی ہو، قدرت نے مجھے تمھارے لیے اور تمھین میرے لیے پیدا کیا ہے جبکہ تمھاری زندگی میری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے تو مین نہین سمجھتا کہ تم کیون اِس قسم کی باتین کرتی ہو۔

"پیارے ڈاناسان! میرے کنبے والے مجھے کسی دوسرے ملک مین

۱؎ جاپانی زبان مین خاوند کو کہتے ہین!

جانے کی اجازت نہ دیں گے۔"

تمھارے کنبے والے اس معاملہ میں خلل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں رکھتے!"

یوکی نے اپنے ہاتھ سے پرتاب کا مُنھ بند کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پرتاب کے مُنھ سے نکلے ہوے الفاظ اُس کے دل پر بار گذرے اور اُس کے ساتھ ہی اپنے اعزا و اقربا کے متعلق اُن کے حقوق کی وسعت کا خیال پیدا ہوا۔ "ہا۔ ایسا نہ کہنا، تم جانتے نہیں کہ ایک جاپانی لڑکی کو بزرگ خاندان کے حکم کی تعمیل ضروری ہو۔ یہ ہمارے یہاں کا رواج نہیں بلکہ ہمارا مذہب ہو!"

"دنیا کا کوئی خاندان اور دنیا کا کوئی مذہب کسی لڑکی کو اُس کے خاوند سے چھڑانے کی صلاح نہیں دے سکتا۔"

"تو شاید کوئی خاوند بھی اپنی بیوی کو بے قصور جلا وطن ہونے کے لیے مجبور نہیں کرے گا۔"

"یوکی! میں سوچتا ہوں کہ میری محبت کے مقابلے میں کسی کی اور محبت تھارے لیے دوسرے درجہ کی ہونی چاہیئے۔ بس اب ضد نہ کرو۔ سمندر پار چلنا ہی مناسب ہو تاکہ زندگی کا باقی حصہ چین و آرام سے گذر سکے۔"

"پیارے پرتاب! وطن کی محبت اور خاندانی عزت کا خیال مجھے ایسا نہ کرنے دیگا؟"

"یوکی! کیا تھیں مجھ سے محبت نہیں ہو؟"

"یہ دیوتاؤں کو اچھی طرح معلوم ہو۔"

"مجھے آج یاکیو مہاراج سے ملنا ہو، مقررہ وقت قریب آگیا ہو۔ اب میں جاتا ہوں، میری واپسی تک تم آئندہ زندگی کے خواب کی تعبیر نکال رکھو!"

۲

آفتاب اپنے آخری قدمیں یوکی کے دلفریب چہرہ کو کمرہ کے مغربی دروازوں سے جھانک رہا ہو وہ تشویش و تفکر کے اندھیرے میں کھوئی ہوئی ہو کیونکہ اُس کے گھر کا آفتاب بھی جدائی کی تاریکیوں میں چھپنے والا ہو۔

"یوکی تو کس خیال میں ہو؟ ہندی نفس پرستی پر جاپانی چچا کا خیر مقدم قربان کرتے ہوے تجھے لاج آنی چاہیئے!"

ندامت اور پریشانی نے یوکی کے نازک جسم سے پانی کا اخراج وصول کیا؛ خاندانی اعزاز اور بزرگانہ ادب نے ٹھوکے دیے۔ اور آخر یوکی اُٹھی، دونوں ہاتھ سینے پر رکھے زمین بوس ہوئی اور بولی کہ "لونڈی عمِ نامدار کی افزونیِ عزت و جاہ اور ترقی صحت کے لیے دعاگو ہو۔"

"یوکی! معلوم ہوتا ہے کہ اُس ہندی نوجوان سے تجھے بے حد اُنسیت ہو۔"

"میرے عزیز چچا! یہ معزز ہندی میرا اوتاسان ہو۔"

"لڑکی تو اُسے معزز بتاتی ہو! سُن، یہ وہ ذلیل اور بزدل شخص ہو جو تیری اور تیرے ساتھ تیرے تمام خاندان کی تباہی کا باعث ہوا!"

"میں ادب اور تعظیم سے اپنے عزیز چچا کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرنے کے لیے مجبور ہوں کہ ایک بیوی اپنے خاوند کے لیے ناگوار الفاظ کا استعمال پسند نہ کرے گی۔"

"خاموش! بھولی اور بیوقوف لڑکی خاموش، یہ ہندی جسے تو اپنے گھر کی رونق اور آبادی سمجھتی ہو تیرے تمام خاندان کی ذلیلتوں کا بانی ہو۔ سُن، ایک دن سیاہ بادل نے آفتاب کے روشن و منور چہرہ کو چھپا رکھا تھا، ہوا لوگوں کے دلوں کے بھید معلوم کرتی پھر رہی تھی کہ سمندر کے کنارے ہمارے جاہ و جلال کا امین، ہماری عزت و توقیر کا

ذریعہ اور ہماری دلی خواہشوں کا مجسم وجود سیر و تفریح کے لیے آیا۔ یہ ہندی بچہ بھی وہاں موجود تھا، اس نے اپنی جبلی خاصیت کے موافق کچھ نیش زنی کی۔ گستاخ اور چھچھورے لڑکے کا یہ فعل قدرتاً جاپانی بزرگ کو ناگوار گذرا، اور کچھ ملامت و تنبیہ کی گئی۔ آخر اس کینہ ور ہندی نے اُسی رات کو موقع پاکر ہمارے جاہ و جلال کا خاتمہ کر دیا۔"

"چچا! کیا میرے عزیز والد کا ذکر کرتے ہو؟"

جاپانی بزرگ کے متین اور سنجیدہ چہرے پر رنج و غصہ کے آثار نمایان ہوے اور آخر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اپنی بھتیجی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا "یوکی تیرے والد ہی نہیں بلکہ ہماری عزّ و وقار کا اس نامرد کے دستِ ظلم نے خاتمہ کر دیا۔"

۳

"نہیں، میرے عزیز چچا نہیں میں ایسا نہ کرون گی، پرتاب میرا ڈوانا سان ہے، میری زندگی اُس کی سلامتی پر منحصر ہے۔"

دن رخصت ہوتے وقت نورانیہ رات کے کان میں آہستگی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ تاریکی خلل انداز ہوئی، اور رات نے آزاد ہو کر اپنے اُس رہنما کی مدد سے جاپان کی سرزمین کو راحت و آرام کا مژدہ سنایا۔ آسمان سے تارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ یوکی آج پریشان خاطر ہے۔ آخر سکون و خاموشی کا پردہ ایک مرتبہ پھر اُٹھا۔ "یوکی کیا ہی اچھا ہوتا کہ تیرے بجائے لڑکا پیدا ہوا ہوتا۔ اُس کا ہاتھ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے کبھی نہ رُکتا، خیر دیوتا اُن کی مرضی، لیکن یوکی تو ایک جاپانی لڑکی ہے، جاپان تیرا وطن ہے، پھر ایک جاپانی کے وطن پرست ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے؟"

یوکی خیال کی گہرائیوں میں غرق تھی، ماہتاب کی ٹھنڈی اور نرم شعاعیں مشرقی دروازوں سے فرش پر پڑے ہوے ایک پھول پر پڑ رہی تھیں، یوکی نے اُسے پرتاب سمجھا اور خود کو اُس مرجھائے ہوے پھول سے مشابہ کیا، "مگر اے میرے پیارے، اور عزیز ماہتاب! تو محض تھوڑی مدت کا مہمان ہے، تو اس پھول کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تک رہا ہے، مگر پھول، اب یہ پھول نہیں ہے۔ اِس کی پتیاں کسی کے ظالم ہاتھوں نے توڑ ڈالیں"

"یوکی! تجھے کیا ہو گیا؟ یہ میں جانتا ہون کہ تو وطن فراموش نہیں ہو سکتی!"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میرا ڈوانا سان وہ شخص نہ ہو جس نے اپنے ہاتھ ایک بےگناہ جاپانی کے خون سے رنگے ہیں"

"یوکی ہم نے اچھی طرح تحقیق کر لیا ہے۔ یقیناً یہ وہی شخص ہے مگر سُن تو اپنے طور پر اس تمام معاملہ کا اُس سے ذکر کرنا اگر میرا بیان صحیح نکلے تو پھر تو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لیے آزاد ہے لیکن اگر تجھے ثابت ہو جائے کہ یہی شخص جو فی الحال تیرے نزدیک تیرے گھر کی آبادی کا ذریعہ ہے حقیقتاً تیرے خاندان بربادی کا موجب ہے تو پھر تجھے ایک دم کی مہلت لینے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے قومی اور ملکی فرض کو جس قدر جلد پورا کیا جائے بہتر ہے۔"

"ہان یقیناً۔ چچا جان! اب اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے میرا دم رُکتا ہے۔ خون جوش میں آتا ہے۔ بس کیجیے۔"

اسوقت یوکی کی زبان اُسکے دل و دماغ کی ترجمانی کر رہی تھی، "پرتاب، نہیں وہ ہرگز پرتاب نہ تھا، لیکن اگر ایسا ہی ہے تو دیوتاؤ! مجھ پر رحم کرو، تصدق! میری نظر کے سامنے سے اِن ڈراونی اور بھیانک صورتون کو ہٹا لے تخیل! اِنھیں دکھلا نہ دے، پرتاب! میرے پرتاب! میں کیسے تجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو سکتی ہون، مگر میں کیوں نہ پہلے اپنی ہی زندگی کا خاتمہ کر دون لیکن پھر وطن پرستی پر پانی پھر جائے گا، جاپان کی لڑکیون کی عزت و توقیر پر دھبہ آئے گا، ہان جدائی ہوگی، لیکن یہ جدائی چند منٹ کی جدائی ہے کیونکہ میں اپنے پیارے ڈوانا سان کا ساتھ

عدم میں بھی نہ چھوڑوں گی"

"یوکی! اب تفکر و تذبذب کا وقت نہیں ہے لے یہ شیشی لے اسکے چند قطرے اس فتنہ کو عمر بھر کے لیے گہری نیند سُلا دینے کے لیے کافی ہیں!"

۴

آج ٹوکیو کے مشہور خدا پرست "یاکیو" کے عبادت خانہ میں مہاتما بُدھ کا جنم دن منانے کے لیے جاپان کے عقیدت مند جمع ہوئے ہیں ہر ایک اپنی اپنی باری سے مقدس بزرگ کے روحانی دربار میں آسمانی برکتیں حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے' یاکیو کے متبرک اور عبادت گزار چہرہ پر انوار و تقدس کا گویا ظہور ہے ہر شخص دونوں ہاتھ باندھ کر اُس مطہر چہرے کے سامنے جھکتا اور چند جاپانی زبان کے الفاظ میں دبی زبان سے کچھ کہتا ہے اور پھر اُلٹے پاؤں واپس آجاتا ہے' یہ سلسلہ کچھ ہی دیر جاری رہنے پایا تھا کہ اس مجمع میں ایک مہیب غیر معمولی شور و غل بپا ہوا۔

ایک آواز "وہ ہندی نوجوان آتا ہے برکتوں والی سر زمین کا باشندہ' ضیا و نور والے خطہ کا رہنے والا"

دوسری آواز "ہٹو ایک طرف ہو جاؤ مجھے اس پاک ہستی کی پرستش کرنے دو' اس کے پاک قدموں کو بوسہ دینے دو۔ یہ قدم اس زمین پر رکھے گئے ہیں جس کا ذرہ ذرہ آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن و منور ہے"

تیسری آواز "خبردار! ابھی کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس متبرک ہستی کو اپنے ناپاک ہاتھ لگائے پہلے اُسے مہاراج یاکیو کے حضور میں ہو آنے دو"

آخر پرتاب ہاتھوں ہاتھ مقدس یاکیو کے حضور میں پہنچا دیا گیا،

پرتاب ہاتھ باندھ کر جھکا ہی تھا کہ ضعیف العمر بزرگ ایستادہ ہو گیا "آ، دیوتاؤں کے پیارے آ، تیرا وجود اُن عناصر کے اتصال سے تخلیق ہوا ہے جنمیں خدائی انوار مشتمل تھے تو نے اُس ہوا میں پرورش پائی ہے جس نے دنیا کی متبرک ترین ہستی کے نورانی گیسوؤں سے کھلواڑیاں کی ہیں تو نے وہ پانی پیا ہے جو ایک نور مجسم کا خدائی اثر اپنے اندر لیے ہوئے ہے آ کہ میری آنکھیں تیرے دیدار سے نورانی ہو گئیں، میں تجھے اپنے سینے سے لگاؤں گا۔ اور اس طرح حقیقی زندگی کے لطف سے محظوظ ہو جاؤں گا"

"مقدس بزرگ میں سنتا تھا کہ جاپان میں مہاتما بدھ کی حقانیت کا دور اسی طرح جاری ہے جس طرح اُس متبرک ہستی کے زمانے میں تھا مگر سچ یہ ہے کہ میں نے اس وقت کچھ سنے ہوئے سے بھی زیادہ پایا۔ ہاں اگر یہ بے ادبی نہیں ہے تو میں ایک ایسے وجود سے جو برکتوں کا سرچشمہ ہے بغلگیر ہونے کو اپنے لیے انتہائے فخر و عزت سمجھوں گا"

"میری خواہش ہے کہ میں کچھ اس مقدس اور مطہر سر زمین کے حالات تیری زبان سے سنوں جو تمام دنیا کی حقیقی تہذیب و شائستگی کا مرکز ہے مگر...... یہ کیا!...... پرتاب...... تیرا ستارہ گردش میں ہے...... رحم' دیوتاؤ رحم!...... پرتاب! اپنی حفاظت کر...... پرتاب! اپنی خبر لے...... مصیبتیں تجھ پر تاک لگائے ہوئے ہیں!"

"مہاراج! میں سمجھا نہیں' اگر تکلیف نہ ہو تو ذرا صاف صاف ارشاد فرمائیے"

"بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تیری عیش پرستیوں کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اس وقت میں تجھے جانے کی اجازت دیتا ہوں مگر احتیاط سے جا۔ تیرا وجود ہمارے لیے روحانی برکتوں کا باعث ہے اس پر آزار نہ آنے دے۔ جا میں دیوتاؤں سے تیرے لیے دعا کروں گا۔"

سورج کے پہرہ پر کہ تمام دن کی مسافت طے کیے ہوئے تھا خون

اور تشویش کے آثار نمایاں تھے؛ خونین چادر اُسکے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی، اور رات سراسیمہ اور پریشان پرتاب کے ہمراہ تیزی کے ساتھ راستہ طے کر رہی تھی،

۵

ہان تو پھر بات بڑھ گئی اور تنازعہ تک نوبت آپہنچی"

"صرف تنازعہ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہوا"

"یعنی"

"یعنی یہ کہ میرے دل پر اُس کی گفتگو سے سخت صدمہ ہوا، اور ایسا صدمہ ہوا کہ اُس کے ایک ملازم سے سازباز کی اور اس ترکیب سے اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا، لیکن......"

"لیکن کیا؟ خاموش کیون ہو گئے ہو، کہو"

"کہون کیا، مجھے بعد مین بڑا افسوس ہوا، کیونکہ یہ حرکت یقیناً ایک بزدلانہ حرکت تھی"

یوکی کی حالت ہر منٹ غیر ہوتی جاتی تھی۔ اُس کے بھولے چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا؛ عزیز باپ کی موت کا غم از سر نو تازہ ہو گیا؛ اس وقت اُس کے دماغ مین متعدد پریشان کن خیالات کا ہجوم تھا، "دیوتاؤ! مجھپر رحم کرو! آخر مجھے کیا ہو گیا ہے، مین اسقدر رنجک کیون رہی ہون، آج تو کہین سیر و تفریح کے لیے بھی نہین گئی، میرا دل اُچھل کیون رہا ہے، میرا پرتاب میری آنکھون کے سامنے ہے، پھر کیا چاہیے "میرا دل پرتاب کی محبت سے پُر ہے! لیکن وہین تک جہان تک کہ عشق و محبت کا تعلق ہے، لیکن یہ تعلق کچھ اس سے زیادہ وسیع ہے پھر، پھر کیا ہو سکتا ہے؟ اور ہان میرا وطن، میرا پیارا وطن۔ اے دل! سوچ لے خدا رحم! لیکن باپ میرے عزیز والد میرے پیارے والد، اب مین تمھین کہان پاؤن؟ اُف ظالم پرتاب..... انتقام... ہان ضرور، لیکن.....اے... پیارے پرتاب نہین! ہرگز نہین، مین کبھی تجھے دھوکا نہ دون گی، تو میرے دل کا مالک ہے! ہائے کیا بھولی اور پیاری صورت ہے اس پر ظلم... ہرگز نہین کیا مجال ہے کہ میرے پرتاب کا بال بھی بیکا ہو جائے! بس مین نے فیصلہ کر لیا، اچھا... لیکن چچا میرا کچھ نہ کر سکین گے، اور جاپان! ہان جاپان میری رگ رگ مین بسا ہوا ہے؛ مین اپنے پیارے وطن کی عزت پر حرف آنے دون گی، کسی غیر ملکی نوجوان کے ہاتھ سے ایک معزز جاپانی کا خون..... پرتاب اب تو بچکر کہین نہ جا سکے گا، یوکی وطن فراموش نہین ہے، وہ تجھسے بدلہ لے گی اور ضرور لے گی"

پرتاب اسوقت مدرسہ کے اس بچہ کی مانند جو اپنا سبق بھول گیا ہو، دانتون مین انگلی دبائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا؛ وہ یوکی کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھ کر اُس سے کئی مختلف سوالات کر چکا تھا، مگر اُنمین سے کسی ایک کا بھی جواب نہ مل سکا، وہ سوچتا تھا کہ مجھے اب وطن جانے کا ارادہ یقیناً ملتوی کر دینا چاہیے؛ میری یوکی اسی وجہ سے اسقدر پریشان ہے، نہین مین باہر کہین نہ جاؤن گا، بس میرے لیے میری یوکی ہی کافی ہے؛ وہان جا کر کیا کرون گا۔ یہ مجھے دل سے پیار کرتی ہے، اسکی محبت کی قدر کرنی چاہیے؛ وطن، وطن کو پھونک دو، میرے لیے اب وہان کوئی دلچسپی باقی نہین ہے؛ (زور سے) "پیاری یوکی آج تمھین کیا ہو گیا، آؤ ذرا باغیچہ مین ٹہل آئین"

"یہ کیسی بھولی باتین کرتا ہے؛ ہائے کیسے پیارے الفاظ ہین، پرتاب تجھے خدا نے مجسم حُسن بنا کر بھیجا ہے؛ تیری ایذا رسانی کا خیال! توبہ! دماغ غارت ہو جانے کے قابل ہے جسمین ایسا ناپاک خیال پیدا ہو، مگر اب جاپان مین تیرے ساتھ رہنا محال ہے جب مین تجھسے ایک منٹ کے لیے الگ نہین ہو سکتی تو پھر عمر بھر کے لیے کیسے جدائی برداشت کر سکون گی؛ ہان..... یہ ٹھیک ہے، مین بھی تیرے ہمراہ بھاگ چلون گی گرچہ مجھے اپنے پیارے وطن کو چھوڑ دینا ہو گا۔ چہل پہل، یہ گلی کوچے،

مجبت بھرے دل، پھر مجھے نصیب ہو سکیں گے؟ لیکن خیر مجھے جسکی ضرورت ہو وہ میرے پہلو میں ہوگا۔ بس اب میں نے قطعی فیصلہ کر لیا، کیسا خوش آئند خیال ہے، پرتاب ہمیشہ میرے پہلو میں ہوگا، مگر ان پر ہنسے ہوئے دھبے بھی کبھی اس کے دامن سے دھل نہ سکیں گے۔ ہائے پرتاب! یہ تو نے کیا کیا! اُف دل میں کسقدر درد ہوتا ہے۔ ہائے کاش اسوقت مجھ سے یہ کوئی کہدے کہ میرے عزیز والد کا قاتل پرتاب نہ تھا، جھوٹ ہی سہی مگر کوئی کہہ تو دے، میں فوراً بلا کسی قسم کا ثبوت طلب کیے ہوئے، یقین کر لونگی، مگر نہیں دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو غریب یوکی پر رحم کرے، پرتاب! میں تیرے ساتھ ہندوستان چلوں گی، مگر کیا میں اُس شخص کے لیے جس نے ایک جاپانی سترک کا خون بہایا، اپنے عزیز وطن کو چھوڑ دونگی! ہرگز نہیں، پرتاب تیرے وجود سے صرف جاپان ہی نہیں بلکہ دنیا کو خالی کرا دینے کی ضرورت ہے، اگر مجھ میں وطن کی ایک ذرہ برابر بھی محبت ہے، اگر میں نے جاپان میں جنم لیا ہے، اور اگر ایک باپ کا اپنی بیٹی پر کچھ حق ہو سکتا ہے تو بس پھر مجھے دیر نہیں کرنی چاہیئے"

۶

رات سکوت و خاموشی کا جامہ پہنے ہوئے خاموش کھڑی تھی تارے تاریکی کے گہرے پردوں سے مُنھ نکال کر جھانک رہے تھے، اور یوکی منتشر خیالات کے ہجوم میں بیٹھی ہوئی اپنے پیارے "دانا سان" کے لیے چا تیار کر رہی تھی "یہ جانتے تھے کہ صرف ایک ہی قطرہ چا کی ایک پیالی کے لیے کافی ہوگا اور پھر یہی قطرہ اُس زندگی کا خاتمہ کر دے گا جسے ہمیشہ میں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا ہے، میں یہ کیا کہتی ہوں . . . . ہائے میرے پیارے پرتاب . . . یوکی تو کمبخت ہے۔ تو بدنصیب ہے . . . خبردار، خبردار، لغزش نہونے پائے اے دل! بس! ہائے میں کیا کروں میں سمجھتی تھی کہ اب آنکھوں میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے، عزیز باپ کی موت مجھے عمر بھر تڑپانے کے لیے کافی تھی! پرتاب! یہ ظلم۔ اچھا ٹھہر! ہائے دیوتاؤ رحم! بس اے دل! ٹھہر اور وطن کی محبت کے لیے ٹھہر۔ اے آنکھ! دیکھ اور جاپان کی عزت کی طرف دیکھ۔ اے زبان! بول اور حق و صداقت کے لیے بول! اے ہاتھ! اُٹھ اور انتقام کے لیے اُٹھ!!"

وہ ادھر ہے! اسے قدم نہیں اُٹھتے اُف کیسا پیارا چہرہ ہے۔ نہیں مجھ سے کبھی نہ ہوگا! یوکی تجھے کیا ہو گیا؟ وطن کی عزت، باپ کی موت، جاپان کا حکم سب ایک طرف اور اس غیرملکی نوجوان کی نظر فریب صورت ایکطرف۔ لیکن صورت، کس کی صورت . . . . . یہ متفکر کیوں ہے؟ کہیں یہ سمجھ تو نہیں گیا، مگر نہیں وہ کیا جانے! اُسے تو گمان بھی نہ ہوگا کہ میں کیسے شخص کو دھوکا دے رہی ہوں! یوکی! اس پیالی کو پھینک دے میں اپنے بھولے بھالے پرتاب کو گلے لگاؤں گی! تعوذ! ایسا نہ کر، میرے عزیز والد کی پیاری شبیہ . . . . پرتاب سے انتقام . . . ہاں میں ضرور انتقام لوں گی۔

"یوکی! یہ آج تم اسقدر خیالات میں مستغرق کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں ایک بات سوچتی تھی لو تمھارے لیے چا لائی ہوں پی لو!"

"یہ بھی کوئی چا کا وقت ہے، فضول [illegible] آئیں"

"وقت کیوں نہیں ہے آخر روز [illegible] وقت پیا کرتے ہو"

"پیاری تم ہو کہاں؟ میں اسوقت کب چا پیا کرتا ہوں"

"تو پیو گے؟ میں اتنی محنت سے بنا کے لائی تھی۔ خیر اب تو میری خاطر سے پی ہی لو"

"بڑے شوق سے، یہ تو چا ہے، پیاری یوکی! میں تو تمھارے ہاتھ سے زہر کا پیالہ تک پینے کو تیار ہوں"

رات کی عملداری میں تاریکی پھیل رہی تھی، تارے حیرت و استعجاب سے تک رہے تھے، اور مایوس یوکی سے اُس کا پیارا پرتاب ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکا تھا۔ ؟!

امرناتھ آبر (دہلوی)

اُردوے مُعلّٰی

(یہ نظم اُردو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ کے اجلاس دوم میں پڑھی گئی تھی)

اپنے منھ سے کہہ رہی ہے صاف اُردو کی زبان   مولد و ماویٰ ہے میرا کشورِ ہندوستان
اُس کے افعال و روابط دے رہے ہیں خود نشان   کس طرح پیدا ہوئی کیونکر بڑھی پلکر یہان
روز افزون حسن کا ہر دور اک سیارہ ہے
ہند دبستان لکھنؤ دلی اگر گہوارہ ہے

مدتوں سرکار دہلی میں رہی یہ باریاب   اب تک اُردوے معلی ہے وہی شاہی خطاب
دور دورہ لکھنؤ میں بھی تھا قبل انقلاب   کر لیا تھا نکتہ سنجوں نے اسی کو انتخاب
ہر ادا شیرین مذاقِ پارسا و رند میں
اس کا طوطی بولتا تھا سبزہ زارِ ہند میں

تجربہ کی آنکھ سے دیکھا جو اس کو ہوشیار   کمپنی نے کر لیا اپنا شریکِ کاروبار
دفتروں میں محکموں میں بڑھ گیا عز و وقار   جم گیا چلتے ہوئے سکوں پہ نقشِ اعتبار
پھر تو یہ ہر دل عزیزی اک پہیلی ہو گئی
جب کوئن وکٹوریا کی یہ سہیلی ہو گئی

فارسی ہندی کی آمیزش سے ہے اسکا وجود   یادگارِ اتحادِ اہلِ اسلام و ہنود
دھوپ چھاؤں کے رنگ کی ہے یہ قبا ہست و بود   کارگاہِ ہند سے منسوب جسکا تار و پود
صنعتِ رنگین یا لباسِ عاریت باریک ہے
جامہ زیبی سے قدِ موزون پہ اسکے ٹھیک ہے

تھی یہ نو رفتہ رفتہ ماہِ کامل ہو گئی   شاعرانہ محفلوں میں شمعِ محفل ہو گئی
حسنِ فطرت کی ادا فہمی کے قابل ہو گئی   جب زبان کی تیز نشترِ رگِ دل ہو گئی
کیا قیامت ہے کہ دل پر کچھ اثر لیتے نہیں
ہو رہا ہے خون اسکا تم خبر لیتے نہیں

کھینچ دو اُٹھکر قواعد سے حصارِ عافیت   مل کے سب تیار کر دو جامع و مانع لغت
دیکھتے ہو آجکل جو ہو رہی ہے اسکی گت   اک عمارت ہے ہوا پر معلق جسکی چھت
اس طرح علمی ستونوں پر اسے قائم کرو
زلزلہ کیسا ہی سخت آئے مگر جنبش نہ ہو

ہر زبان کا لفظ کھپ جانے کی وسعت اس میں ہے   ہر لغت کے جذب کر لینے کی قوت اس میں ہے
برج بھاشا سے سُریلی طرز و لذت اس میں ہے   حالتِ قندِ پارسی کی بھی حلاوت اس میں ہے
راس ہے شیر و شکر اسکو نہیں کوئی خورش
دو زبانوں میں جو اس کی پائی ہے اس نے پرورش

ہیں دیارِ ہند میں جتنی زبانیں طبع زاد   قوتِ نشو و نما ان سب سے ہے اس میں ہی زیاد
فارسی تازی نہ ترکی یہ ہے اک ہندی نژاد   ہو کر اسکے بیخ کن کیوں بوتے ہیں تخمِ فساد
بیضرر عربی یونانی کے لغت کیوں ٹھونسیے
تازی و مازندرانی کی لغت کیوں ٹھونسیے

ہند اور اُردو میں دونوں ہم زبان و ہم وطن   نصف سے بھی کچھ سوا ملتا ہے اندازِ سخن
مختلف ہیں ہم نے یہ مانا نقوشِ پیرہن   ہے غلط فہمی جو سمجھیں آپ انھیں جز و بدن
گو بظاہر فرق ہے دونوں کے خط و خال میں
باطنی یکرنگیوں کی ہے جھلک افعال میں

ہے اگر ہندی کی نسبت روزمرہ اسکا صاف   پوچھ لو گوشِ سماعت سے نہ ہو گر اعتراف
مثلِ اُردو کے درست اسکا نہیں جب شین قاف   آپ ہی فرمایئے پھر کیا ہے وجہ اختلاف
کیوں نہ سمجھیں اہلِ دل اسکو زبانِ مشترک
ہے صفی ہر رنگ کے پھولوں کی اُردو میں مہک

صفی

مناظرۂ حسن و عشق

عالمِ اسباب میں جب سے نمودِ عشق ہے   دارِ امکان جب سے مبنی بر وجودِ عشق ہے
شعلۂ الفت کا جب سے رخ گلگون نقاب ہے   زلف جب سے نامِ پیچ و تابِ دودِ عشق ہے

جب سے اہلِ حسن کی گردن پہ ہے احسانِ عشق   حسن کے پیکر میں جب سے جلوہ گر ہے جانِ عشق
دیکھتے آئے ہیں اب تک اہلِ بینش متصل   بارگاہِ حسن میں جو کچھ رہی ہے شانِ عشق

یعنی جب کی حسن نے برپا کہین بزم شباب — اور ہوا عشقِ الم خو اتفاقاً باریاب
انکسار و عجز پر دیکھا ہی پھر کبر و غرور — التجاؤن پر ہنسے مین بے نیازانہ جواب

رات کا قصہ ہی دیکھا مین نے اک منظر عجیب — بزم مین اک سمت صدر آرا تھا اک عشرت نصیب
سامنے ساقی و مطرب شمع و گل جام و سبو — اور تھا پائین فرش اک بینوا بیکس غریب

کفر کو جسطرح دیجاتی ہی نسبت دین سے — بے اصولی کو مناسب جیسے ہی آئین سے
ہوتا ہی اول کو آخر سے علاقہ جسطرح — صدر کو بھی اک تعلق خاص ہی پائین سے

صدر بزم ناز کیا تھا ایک بامِ حسن تھا — جلوہ گر جس بام پر قائم مقامِ حسن تھا
بزم کے پائین مین تھا امن دلدادۂ عشق — سر بزانو جس جگہ شیدائے نامِ حسن تھا

تھی وہ محفل جسکا ہر گوشہ تجلی ریز تھا — ذرہ ذرہ فرحت افزا تھا نشاط انگیز تھا
گو اُدھر اک دل گرفتہ کا بدیر آہ تھی — اسطرف لیکن مغنی یون ترنم ریز تھا

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا — شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا
جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آج — یان رُدان مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

عشق جو بیٹھا ہوا تھا ایک گوشہ مین نڈھال — چونک اُٹھا سنتے ہی یہ یارتھا بل حسبِ حال
آسمان کو دیکھکر نالہ فلک فرسا کیا — حسن نے ڈالی نظر پھر ہو گیا محوِ خیال

عشق کا نالہ بہت ہی درد و پر تاثیر تھا — یا یہ کہیے شعر غالب تھا کلامِ میر تھا
حسن کا قلب اسطرف بیساختہ کھنچنے لگا — نالہ کیا، دل کی کشش کے واسطے زنجیر تھا

حسن نے آخر بلایا اسکو اپنے روبرو — اور یون پوچھا بتا اے دل جلے ہی کون تو

عشق نے دل تھام کر کی عرض با چشمِ پر آب — تیرا بندہ ہون ترا شیدا ہون [illegible]

بس یہ سننا تھا کہ چہرہ پر مسرت چھا گئی — دلکشی کچھ بڑھ گئی کچھ اور رونق آ گئی
جھک گئین آنکھین مگر جب بعد جھکنے کے اٹھین — شان وہ پیدا ہوئی ہر دل کو جو تڑپا گئی

مین نہین واقف مگر کہتے ہین دانایانِ راز — آنکھون ہی آنکھون مین ہوتے تھے جو راز و نیاز
یا بظاہر چار ہا تھا بیخودی کا جوش وان — دب گئے تھے شاید اُس سے نغمہ ہائے سوز و ساز

خامشی یونہی غرض کچھ دیر مستولی رہی — حسن کے نازک لبون کو آخرش جنبش ہوئی
مسکرا کر یون کیا اربابِ محفل سے خطاب — اللہ اللہ دیکھئے تو شوخ چشمی آپ کی

عشق سے پھر یون کہا دونگا بہت ذلت تجھے — میرا شیدا کیون ہی آخر مجھ سے کیا نسبت تجھے
بے اجازت بے طلب کیون آ گیا تو بزم مین — کھینچ لائی ہی یہان شاید تری شامت تجھے

کیا نہین معلوم تھا تجھکو یہ ہی دربارِ حسن — جلوہ گر ہین بزم کے پردے مین یان انوارِ حسن
حاجبِ درگاہ ہوتے ہین سلاطین سربکف — واجب التعظیم ہی اے بے ادب سرکارِ حسن

حسن کی وہ شان ہی جسکا نمائندہ نہین — حسن کا وہ تخت جس پر تمکنت فرما ہو نہین
تو بھی واقف ہوگا عالم پر تو روشن ہی یہ راز — یعنی ہر اہلِ نظر کی آنکھ کا تارا ہون مین

مرکزِ صد نغمۂ امید میرا ساز ہے — دل نواز اہلِ باطن میرا ہر انداز ہی
ہار امیری ہی برقِ خرمنِ صبر و قرار — فاتحِ ملکِ تحمل میری تیغِ ناز ہے

حکم تھا میرا جو کین فرہاد نے جانبازیان — میرے ایما سے تھین مجنون کی جنون پردازیان
پوچھ لے جا کر زلیخا سے زبانِ مصر سے — کیسی حیرت خیز تھین میری کرشمہ سازیان

اکبرِ اعظم کا وہ فرزند شہزادہ سلیم   میری شمشیرِ ادا نے دل کیا جسکا دو نیم
گو اُسے ہندوستان کا تختِ شاہی مل گیا   چین لیکن تب ملا جب مین ہُوئی اُسکا ندیم

مجھکو کہتا ہے جہان عالم پناہِ آرزو   میری بزمِ ناز ہے آماجگاہِ آرزو
مقصدِ اہلِ تمنا جلوہ آرائی مری   میرے عارض کی ضیا نورِ نگاہِ آرزو

عشق بولا۔ گو مجھے آتی نہین لاف و گزاف   لیکن اب میری زبان کھلتی ہے گستاخی معاف
اپنے ودونمین مجھے رہنے دیا ہوتا خموش   ہو رہے چھیڑا ہے تو سُن اے حسن مجھ سے صاف صاف

تو یہ کہتا ہے مجھے تجھ سے کوئی نسبت نہین   یہ وہ دعوی ہے ذرا بھی جس کی اصلیت نہین
یاد رکھ وابستہ میرے دم سے ہے تیری نمود   ورنہ تیری خودنمائی موجبِ شہرت نہین

بے طلب آنا ترا تجھپر گران گزرا اگر   مین ادب کے ساتھ خواہانِ معافی ہون مگر
مین نہون تو پھر تری ہستی کسے تسلیم ہو   تیرا جلوہ چاہتا ہے یہ کہ ہو میری نظر

واجب التعظیم ہے چاہے نہو یہ بارگاہ   ہے مجھے تو پاس حفظِ رتبۂ خالق گواہ
آہ لیکن تو نے مجھکو بے ادب ٹھہرا دیا   اک ذرا انصاف کر کفرانِ نعمت ہے گناہ

تو نمائندہ ہے عنوانِ حُسن کا بے اشتباہ   تجھ سے زیبندہ نہین تختِ حُسن اے نخوت پناہ
سب مجھے تسلیم لیکن یہ خبر بھی ہے تجھے   حسن کیا ہے؟ ایک جلوہ منظرِ اہلِ نگاہ

ہان یہ سچ ہے دیکھنے والو نہین تیرے بشتر   تجھ کو اپنی آنکھ کا تارا سمجھتے ہین مگر
اِس کا باعث ہے فقط اے حُسن میری دوستی   میری ماتحتِ ضیا ہے ایسے لوگون کی نظر

نغمۂ امید ملو جس سے تیرا ساز ہے   کچھ نہین ہے میری پیدا کی ہوئی آواز ہے

مجھ سے سُن ہے یک ادنیٰ تابعِ فرمان مرا   دل وہ دل جس پہ نازش کرکے مجھکو ناز ہو

مانتا ہون مین کہ تو ہے دشمنِ صبر و قرار   اور تسلیم و رضا پر میری فطرت کا مدار
"آنچہ دلکرد از فخر است آن ننگ منت"   ہو مبارک تجھ کو یہ دعوی نیاز و افتخار

وہ زمان مصر ہون یا مینوا فرہاد ہو   ہان زلیخا ہو کہ قیس خانمان برباد ہو
سب ترے پیرو تھے اے غافل و ورنہ تیرا لیا اثر   اُس بشر پر جو مری تقلید سے آزاد ہو

فرض کرلے تو کہ ہان تیرا ہی اصل تھا سلیم   مین نہ رکھتا گر اُسے راہِ طلب مین مستقیم
کیسے بن جاتی تری مہر النسا نورِ جہان   کیسے ہو جاتی وہ تاجِ ہند کا دُرِ یتیم

ہان مین تجھ کو اگر اے حسن شاہِ آرزو   آستانہ کو ترے سمجھین پناہِ آرزو
پھر بھی مجھ مین اور تجھ مین فرق ملتا ہے بہت   مین ہون خلاقِ تمنا مین ہون آرزو

سُن لیا اے حسن تو نے اپنی باتون کا جواب   چپ ہون اب مین اگر تو ہو گیا ہو لاجواب
ورنہ کہنے کو تو میرے دلمین باقی ہین ابھی   ایسے کچھ نکتے کہ جن کا ہو نہین سکتا جواب

اُس نے فرمایا کہ ہان اے عشق بہتر ہے سنا   رہ نہ جائے تاکہ تیرے دلمین کوئی حوصلا
عشق نے یہ سن کے پہلے حسن کو دیکھا بغور   پھر نہایت عجب کے عالم مین یہ کہنے لگا

حُسن تو جب سے کہ مین کیا ہون ترا رتبہ ہے کیا   عرض تو ہے مین ہون جوہر سن کہ تو مین کیمیا
مستقل مین عارضی تو مین حقیقت تو مجاز   جسم تو ہے روح مین۔ تجھ کو فنا مجھ کو بقا

اے صبا گلشن کو از گلہائے تر آباد نیست   عندلیبے کو کہ صرف نالہ و فریاد نیست
"شعلۂ بلبل کم نہ گردد گر رود گل از چمن   حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست".

[illegible]

حسن خود بین نے سنا ان عشق کے دعوے کو جب
چاند سا منہ تمتما اٹھا بڑھا غیظ و غضب
زلفین بل کھانے لگین غصے مین یون کہنے لگا
بس خموش اے عشق! بس ملحوظ رکھ حد ادب

کیا جہان مین مظہر آیات قدرت مین نہین
حور کے پیکر مین زینت بخش جنت مین نہین
صورت اختر مین کیا تو نے نہین دیکھا مجھے
جلوۂ پیغمبری مین حق کی رحمت مین نہین

سوچ اے نادان تیرے دل کی راحت کون ہے
ہو تری تسکین کا باعث وہ صورت کون ہے
میرا بندہ تو نے اپنے کو کہا تھا یا نہین
تو ہی اب بھی بتا شایان عزت کون ہے

بسکہ لا سکتا نہ تھا تاب نگاہ پر فسون
عشق تھا لرزان و خائف اشک ریزان سرنگون
آخر کار اُس نے اپنے حسن پر سر رکھ دیا
چھٹ گیا ہاتھون سے یعنے دامن صبر و سکون

حسن کی جانب سے ہوتے تھے سوالون پر سوال
عشق بالکل دم بخود تھا غرق بحر انفعال
امتثال امر کو پاس ادب پر فوق ہے
یہ خیال آیا تو فوراً کون ہو اصرار مقال

ہان ترا بندہ ہو نہین ہان تیرا رعب جمال
رہ گیا اے حسن ترجیح و تفوق کا سوال
اپنی عزت کی قسم ہے تجھکو یہ مجھ سے نہ پوچھ
بلکہ مانی کو حکم کر دان بہر انفصال

علم کامل گو نہین اُسکو ہماری ذات کا
پھر غنیمت ہے کہ ہے فی الجملہ ہم سے آشنا
اُس کی معلومات کے شاہد بھی دو موجود ہین
یعنے تیرا اسکار نامہ اور میرا فلسفا

جلوہ گاہ ناز مین مانی ہوا آخر طلب
بیٹھے اہل بزم سب تہ کر کے زانوے ادب
اور سر بحث حسن و عشق جاری ہو گئی
کر چکے دعوون پر اپنے اپنے استدلال جب

سُن کے دعوون کے دلائل تب یہ مانی نے کہا
مین لطیف اکبر آبادی سے کرون مشورا
ایک جلسہ مین ہوے پھر جمع مانی و لطیف
اور فکر و غور کرکے یون سنایا فیصلا

اپنے اپنے رنگ مین ہو لاجواب اے حسن و عشق
ضو دہ عالم ہے دونون کی جناب اے حسن و عشق
ہم خدا لگتی کہین گے کوئی خوش ہو یا خفا
دونون ہو تم ماہتاب و آفتاب اے حسن و عشق

عشق کی ہستی حقیقت مین بقاے حسن ہے
عشق کا طرز عمل عزت فزاے حسن ہے
پر تو خورشید سے روشن ہے جیسے ماہتاب
عشق یون ہی باعث نور و ضیاے حسن ہے

حسن جس کو اہل ظاہر کہتے ہین ناز آفرین
ناموافق فیصلہ سنکر ہوا چین بر جبین
اٹھ گیا دامن کشان ظالم عدالت گاہ سے
عشق چیخ اٹھا کہ قربان اداے دلنشین

روح تو وقت نظر آنکھون مین آئی بیقرار
آہ۔ اب کیا ہے کہ مین کر دون دل اوپر نثار
داستان عشق طولانی ہے قصہ مختصر
دیر تک بیکس یونہین کہتا رہا دیوانہ وار

اول اول شرح با تفصیل و ادا فسانہ را
آخر آخر ساز کردا این نغمۂ مستانہ را
جان نظارہ خراب از او زاندازہ بیش
بابوے مست ساقی پر دہد پیمانہ را

— راقم (جائسی)

داد شجاعت

تھا پاسدار عزم کہن لے ہمیر تو
جانبازی قدیم کی تھا اک نظیر تو
رکھتا تھا نطق تا دل غیرت پذیر تو
بہر غنیم شوخ ہوا سخت گیر تو

قربان تیری ہمت پر جوش آب کے
طفلی ہی مین عیان ہوئے جلوے شباب کے

ہان کیون نہو کہ خون جو تیرے بدن مین تھا
اُس کا وجود ہی دل خونین کفن مین تھا
وہ دل جو شاہزادہ اسلام کے تن مین تھا
جسکا شمار ایسے شہید وطن مین تھا

سلہ طفل انا تمیمی ۱۸

خلجی[1] سے جو لڑا تلفِ جور کے لیے
جان جس نے دی حفاظتِ چتوڑ کے لیے
اُس بانِ کے وہ دودھ کا بھی شرمانا نہ تھا — اِک خوک جس کے تیر نہیں کا نشانہ تھا
ہان مال و زر سے گرچہ تہی گنج خانہ تھا — جرأت کا اُسکے پاس مگر وہ خزانہ تھا
کی قدر جس کی دیکھ کے اُس نے چاہ سے
تیرا ادیو جو دستِ عدو سے ہوا تباہ سے
تیرا چچا ادیو بھی تھا جو گھر سے لا — جو بچ کے دستِ جور سے تھا کب خطر سے دور
جنگِ بہم میں رہ نہ سکا گو ضرر سے دور — پھر بھی تو یہ بلا نہوئی آہ ! سر سے دور
مضطر کیا جو دشمنِ شوریدہ کال نے
مانگی مدد تجھی سے غریب الدیال نے
پورے ہوئے تھے عمر کے بارہ ہی سال ابھی — اپنے چچا کی اسطرح کی تو نے دلدہی
مونجا سے جو وہ دستِ علٰو کو شکست دی — اور لاکے سر کو پائی یہ توقیر سرسری
بچون سے اپنے کرکے جدا تخت و تاج کو
بخشا تجھے خوشی سے اجیسی نے راج کو
وہ راج مالدیو کے تھا اختیار مین — مشغول تھا جو یون شہِ خلجی کے کار مین
فکرِ گرفت تھی جو دل جذبہ دار مین — اِک فتنہ آہ ! تو نے اُٹھایا دیار مین
تنگ آکے مالدیو نے بھیجا پیامِ عقد
بہرِ فراغ دخت سے تھا انتظامِ عقد
خوگر تھا تو مدام مہم سقیم کا — دل مین ترے تو خوف نہ تھا کچھ غنیم کا
مقصود تھا علاج بھی طبعِ الیم کا — تھا شوق دید لینے حصار قدیم کا
چتور تو اگرچہ گیا جان دیے ہوئے
لیکن پھر آخیر دلھن کو لیے ہوئے

یہ رنگ لائین شوق کی امیدواریان — اُس دید سے کچھ اور بڑھین بیقراریان
یاد آگئین عدو کی وہ سب سخت کاریان — اور اپنے خاندان کی وہ جان نثاریان
کچھ انتہا نہ آہ ترے خشم و غم کی تھی
ہان انتقام خیز تو یاد اُس ستم کی تھی
جلد آگیا وہ وقت بھی تغیرِ حال سے — اِک طفل کی ولادتِ فرخندہ فال سے
لکھا یہ مالدیو کو رانی نے چال سے — دیوی کی نذر ہو پسرِ نونہال سے
چتور کو وہ پاکے اجازت روان ہوئی
تحریکِ فرض حوصلہ افزائے جان ہوئی
اسوقت مالدیو کا گڈھ مین نہ تھا قیام — رانی لے جاکے فوج ستھی کی سطح برام
لکھا تجھے بھی جلد ہی یہ ماجرا تمام — اور تو ہوا وہین سے چتور تیز گام
پھر بھی تو بعدِ جنگ دیارِ وطن ملا
کن دقتون سے ثمرۂ رنج و محن ملا
محمود[5] تھا جو مندون فرمانروائے ملک — تو مالدیو نے یہ کہا ماجرائے ملک
برہم کن مزاج جو تھی یہ ہوائے ملک — چتور کو چلا وہ پئے اقتضائے ملک
سوئے مصافِ فوج غنی صف بصف بڑھی
امیدِ جانبی مین وہین سرکشی بڑھی
پھر اے ہمیر تیری بسالت عیان ہوئی — جانبازیون کی شان کفالت عیان ہوئی
ہان جوشِ غلبہ زا سے یہ حالت عیان ہوئی — فوجِ عدو مین صاف ازالت عیان ہوئی
تا بو کیا غنیم پہ تھا وہ قدیر تو
اور شاہ کو بھی لیگیا کرکے اسیر تو
تو بعدِ ختمِ جنگ مگر خشمگین نہ تھا — ناآشنائے درد تو قلب حزین نہ تھا
سر مین ترے جو ذرہ سرِ بغض و کین نہ تھا — دشمن پہ بھی خیالِ جفا کا کہین نہ تھا
واجب سزائے غصب جو تھی یہ سجا کیا
کچھ ملک لے کے شاہ کو تو نے رہا کیا

---

[1] علاء الدین خلجی [2] محاصرہ چتوڑ کے وقت قلعہ کے باہر بھیجا گیا تھا یہ بھی رہا۔ اجیسی کا لڑکا تھا۔ [3] ایک پہاڑی سردار کا نام [4] چتوڑ کا ... جس کو علاء الدین خلجی نے تسخیر چتوڑ کے بعد وہان مامور کیا تھا۔

[5] محمود خلجی ۱۲

یون اے ہمیر تجھ خطر جان پر لیا   دشوار تھا جو کام اُسے اپنے سر لیا
جو کر سکا نہ کوئی اُسے تو نے کر لیا   دشمن سے یعنی جیت کے پھر اپنا گھر لیا

تھی قدرت عمل یہ اطاعت ترے لیے
شایانِ شان تھی "داد شجاعت" ترے لیے

ترجمانِ وطن

فریاد دوشیزہ

ہائے یہ کسقدر عبرتناک منظر ہے کہ ایک بدبین نا عاقبت اندیش شخص نے اپنی دوشیزہ (کنواری) لڑکی کی شادی ایک پیر آسودہ کے ساتھ کر دی ہے اُسکی رخصت کا وقت قریب آگیا ہے وہ اپنے اُسی ظالم و سفاک باپ سے بے ادب ہو کر لب کشا نہیں ہے بلکہ ایک "ستم رسیدہ" دختر کی حیثیت سے سرگرم فریاد ہے اور بصد آہ و زاری کہہ رہی ہے کہ مجھے سامانِ جہیز میں جو زیورات وغیرہ دینا چاہتے ہو وہ نہ دو۔ ہان اُنکی جگہ حسب شادی اسباب خلش و کاوش ہی دو۔ اور کس حسرت و یاس و غضب بھرے لہجے میں اس منظر کے انجام بد کی ظاہر کرنے والی ہے اور اپنی اس بربادی و خواری کی نسبت مصلحانِ قوم سے گو اُسکی کوئی فغان تو نہیں ہے مگر ایک دردزا و جانگزا عرض ضرور ہے۔ اف اف! سامعین کا کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ ناظرین کی آنکھیں خون رو رہی ہیں۔ کہ حضرات مصلحان قوم جلد آئیں سنیں اور دیکھیں۔

اے پدر میں بے ادب ہو کر نہیں ہون لب کشا   ہون میں "دختِ ستم دیدہ" ہون سرگرم سخن
اے پدر جب میں تھی کمسن تب ہی ارمان تھے   میرا ہوگا بیاہ دل کی کلیان کھلینگی دہن
اک طرف میری جوانی ہوگی دوسری جانب   اک طرف دولہا کا ہوگا عنفوانِ بانکپن
دستہائے از محبت زوج کو لکھونگی مین   زوج لکھے گا مجھے آرام دل جان بدن
یہ مگر ارمان میرے ہو گئے سب خاک و خون   اب تو ہین اُنکی جگہ درد و قلق رنج و محن

بات یہ ہے میری شادی تھی کہ تیرے
برف پہ میری مرادون کا لگایا ہے چمن

ساٹھ پچپن کا ہے دولہا بندہ سولہ کی ہین   شام پیری سے لگی صبح جوانی کی لگن
چشم عبرت سے ذرا دیکھو کیا اندھیر کیا   دامن شمع سحر میں رکھی شمع ضو فگن
ہاتھ کیا پیلے کیے میرے میں پیلی پڑ گئی   جو کبھی گلنار تھا اب زعفرانی ہے بدن
حسب شادی ہی پدر دو مجھکو سامان جہیز   دو ردائے نشتر غم اپنا ڈھانکونگی بدن
بیاہ کا جوڑا نہ دو سوگ کا جوڑا مجھے   اور اُسی میں اے پدر رکھدو کسی کونے کفن
دو نہ ہیکل دو مجھکو بیڑی چمپاکلی   ڈال دو گردن میں میری ظلم کے طوق رسن
شانہ زلف پریشانی کا دو شانہ مجھے   آئینہ وہ دو کہ حسرت جسمین ہو حیرت فگن
دو مجھے ایسی نہالی جسمین کانٹے ہون لگے   سوئنگی جا کر اُسی پر تو یہ بخت خستہ تن
دو جو تم مجھکو حنا دو ساتھ ہی اُسکے خضاب   مرے شوہر کو خضاب میں کر دونگی پیش سن
پالکی سکھپال۔ ڈولی میں نہیں جاؤنگی میں   جاؤنگی بر میں اُنھین کے جو ہمالے میں نشین

یہ تو کہہ سکتی نہیں دختر فروشی تم نے کی
مفت کیون حق میں مرے تاکا گیا گہرا چلن

میں تمھاری لاڈلی تھی آنکھ کی پتلی تھی میں   تجھ سے بے مہری ہوئی پھر کیون ہے میرے سوار من
کچھ نہ تھی بدبینی و کوتاہ اندیشی اگر   پھر سبب کیا ہے کہ یون طعنون کے کھلوائے دہن
بحرِ عصیان میں جو مین ڈوبی پدر حسرت سے   ڈوب مرتے مجھکو لیکر میں بھی گنگ و جمن

پھر شادی اے پدر مفلس جوان ہی ڈھونڈتے
شوہر برنا کی ہوتی تو نوٹی میں دلہن

---

[1] یہ جو اعداد لکھے گئے ہین ان میں سال کا لفظ محذوف ہے مراد یہ ہے کہ ۶۰ یا ۵۵ سال کا دولہا ہے ۱۵ یا ۱۶ سال کی دلہن ہے۔ [2] ہنود میں رواج ہے کہ ایام شادی میں لڑکیوں کے ہاتھ روغن زرد اور ہلدی سے پیلے کر دیے جاتے ہین اسی اعتبار سے یہ محاورہ ہو گیا ہے کہ فلان دختر کے ہاتھ پیلے کر دیے یعنی اس کی شادی کر دی گئی۔ [3] ردا یعنی چادر۔ ہنود میں رواج ہے کہ سامان جہیز میں ردا اور بیاہ کا جوڑا اور چند زیورات ہیکل وغیرہ اور شانہ و آئینہ اور نہالی (توشک) اور حنا بھی دیتے ہین۔ [4] مخضب رنگین خضاب کردہ شدہ۔ [5] سن ایک سفید رنگ کی مشہور نبات ہے جو کہ موتیا سے مشابہ ہوتی ہے۔ اس لیے عموماً یہ محاورہ ہو گیا ہے کہ فلان شخص کے سر کے بال سن ہو گئے یعنی وہ بوڑھا ہو گیا ہے ۱۲ [6] فتن جمع فتنہ ۱۲ [7] نوٹی ہندی ہے یعنے عروس نو یعنے ہم پلہ شوہر برنا ۱۲

مردوزن کے تعلق جذبات مین تب لطف ہے　　ہو مزہ تاب کشش مین منتسب ہمن مردوزن
زوج وزوجہ متفق ہون غمی بھی ہو خوشی　　وہ پریشان ہون تو ہوانکی پریشان انجمن
ایک کے دلمین اگر پنہان ہو کوئی اضطراب　　ایک کی پردہ نشین دل بنے دلکی جلن
ایک ایسا ہو وہ باتین ہمن کہ جھڑتے پھول ہو ن　　ایک ایسا ہو جسکے باتون مین پھول ہون جسے دہن
پھول ملتے مجھکو ایسے کہان تقدیر تھی　　پھول بنوئنگی مگر جب خاک ہوگا کوئی تن

اے پدر بوڑھا تہی مانا کہ آسودہ سہی
اسکی دولت سے نہین مٹنی کی اُن میری کرھن

ہو چراغ صبح شوہر کیا رقم ہو شبچراغ[1]　　ہوتا ال عمر شوہر کیا ہو کندن کا بھون
ٹل کے بھی دو شیشہ ساعت کبھی ملتے نہین　　مین اُن ہی کی طرح ہون جو منقلب[2] دو تن بدن
ایسا گھر کیونکر نہ ہو جیسے ہمین ہو ان ایک دین　　ہو رگیک دو اردھا یست قسمت ہو دشمن
حنظل[3] زقوم[4] ہوگی ہر غذائے خوشگوار　　گھونٹ ہوگا زہر کا ہوگا نہین ساغر زدن[5]
آہ پھولونکی ہوا ہنجائیگی باد سموم　　ہر نسیم روح پرور ہوگی میری روح کن
روز روشن بھی مرا ہوجائیگا روز سیاہ　　تا ر ظلمت کا شب خلوت کو مین سمجھونگی کفن

ختم اب کرتی ہون اس فریاد کو جاتی ہون مین
آخری میرا اگر تم یاد رکھنا یہ سخن

خون دل خون جگر خون تمنا ہی کیا　　ہوگا ننگ نام اور ناموس کا خونی کفن
شرم کھو کر وہ گرایا تم نے آب شرم ہر　　جس سے دامن ہوگا تر ہو بیگا تر پیرہن
آتش جور و جفا اسدرجہ تو بھڑ کا چکے　　ہر یہ تاکید غلط ہرگز نہو شعلہ زدن[6]

---

[1] ہنود مین مردے کی جلی ہوئی ہڈیان جو روز سوم دیتے کو گنگا وغیرہ مین ڈالنے کے لیے بیٹتے ہین اُنھی ہڈیون کو پھول کہتے ہین [2] شبچراغ ایک وہ بیبا گوہر ہوتا ہر کہ جو شب کو مثل چراغ کے روشن ہوجاتا ہر [3] منقلب گردندہ ودوازگون شوندہ [4] حنظل ہندی اندرائن کا پھل نہایت تلخ ہوتا ہو اور کثیر السم ہو [5] زقوم اسکا اقات شدہ ہو اسکی ہندی تھوہڑ ہو سخت بدمزہ اور سمی ہوتا ہی موجب روایت اہل اسلام غذائے دوزخیان بھی ہے۔ [6] ساغر زدن بمعنی خوردن و نوشیدن ۱۲ [7] شعلہ زدن بمعنی سوختن ۱۲ —

بوئے کانٹے مین تو کانٹے ہی اُگینگے اے پدر　　غیر ممکن ہر اُگے گلبن اُگے نخل سمن[1]
ہر بدی کا بد نتیجہ اور نیکی کا ہر نیک　　رنگ لائے گا تمھارا خوب بے رنگ روش[2]

حضرت بریان نغان تھی وہ یہ میری عرض ہر
مصلحان قوم کی کیون اتنی چُپ ہر انجمن

کیا قیامت ہر کہ ابتک بھی نہین یہ پوچھتے　　زیر تیغ ظلم کیون مین کنوار یونکی تن بدن
تھی جو کھلنے کیلئے کیون انکو وہ دیتے ہین داغ　　تھے جو پھلنے کو وہ انکی کیون اُجاڑے ہین چمن
تھین کلون سے ملنے والی اُن سے کیون کانٹے ملے　　کیون بہار اُنکی بنی متاع خزان پر محن[3]

زندہ رہنا ہو کرے اصلاح دلقین ابھی وہ بریان
اور نہین تو مردہ کردیگی جو ہر مہر دہن

جہان آرا بیگم

تازہ غزلین

۱۔ ابو المعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خان صاحب سائل (دہلوی)

منصفی دیکھیے جب دی پس دشنام دعا　　وہ ہوئی خیر سے مستوجب الزام دعا
دیکھ تاثیر داثر کس کی دعا مین ہر دیکھ　　دینے والے تو ہزار دن ہین گل اندام دعا
آگ لگ جانے کا ڈر ہے ترے گھر مین صیاد　　کی اسیرون نے بھڑک کر جو تہ دام دعا
تم سلامت رہو شکل اپنی دکھا جاؤ مجھے　　لکھ دیا کرتا ہون در زمرۂ پیغام دعا
کیا خطا کی جو کہا دل نے بُتھر سا کڑا　　خوگر جور نے دی لائق اصنام دعا
مجھ مین اور غیر مین انصاف سے کہد و تم ہی　　کون دیتا ہر تمھین عوض دشنام دعا
محتسب جب سے ہوا معتقد پیر مغان　　رات دن دینے لگے اسکو مے آشام دعا
کلمۂ خیر سنون منھ سے تمھارے یا دشنام　　مین تجھے دیتا ہون ہنگام بہ ہنگام دعا
عشق مین اُلٹی سمجھ ہوتی ہر حیرت کیا ہر　　مین سمجھتا ہون اگر معنی دشنام دعا
بدل ساقی نے جو ہونٹون سے لگایا ساغر　　لب کی جا دینے لگا قلب مے آشام دعا
تم سے وابستہ ہر ارمان و تمنا و مراد　　حق سے کیون کرنے لگے بندۂ اصنام دعا

---

[1] سمن ایک گل سفید و خوشبو [2] رنگ یک وسیع معنی مین مستعمل ہر اس جگہ طرز و روش کے معنی مین ہر [3] اور محن معنی ہمراہ مین مراد ہر غفلت اور خود پسندی وغیرہ سے

شاہ خیر سگالی ہو مرا لفظ ردیف　　شعر مین دیکھیے ہر حاصل نزجام دعا

سیم و زر جیب مین سائل کے کہان اے ساقی
تجھ کو ملجائے گی ہان قیمت ہر جام دعا

۲۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر (خیرآبادی)

وہ پہلی سی محبت اب نہین ہے　　مری جان وہ عنایت اب نہین ہے
جنون وہ زور وحشت اب نہین ہے　　مری اگلی سی حالت اب نہین ہے
کہان ہین نوجوانی کی امنگین　　بڑھاپے مین وہ ہمت اب نہین ہے
جوانی نے انھین سانچے مین ڈھالا　　وہ بچپن کی شرارت اب نہین ہے
بڑھاپے مین سب رنگ جوانی　　وہ اگلی سی طبیعت اب نہین ہے
لحد مین کس مزے سے سو رہا ہون　　غم واندوہ و کلفت اب نہین ہے
مین اپنے زیست کے دن بھر رہا ہون　　خیال رنج و راحت اب نہین ہے
مٹے سب حوصلے ارمان دل کے　　تمنا شوق و حسرت اب نہین ہے

امنگین دل کی کوثر مٹ گئین سب
حسینون سے محبت اب نہین ہے

۳۔ سید الشعرا حضرت صمیم (بلند شہری)

دعا مین مین شب وعدہ جو تو سنگار کرے　　خدا وحید ترے حسن کی بہار کرے
الٰہی میری طرف بھی چلین نگاہ کے تیر　　یہ تیر میرے کلیجہ کے کوئی پار کرے
یہی جو وعدۂ فردا ہے تو سلام مرا　　حضور کون قیامت کا انتظار کرے
اٹھون نہ حشر سے وہ کشتۂ تغافل ہون　　زمین ہلے تو نہ جنبش مرا مزار کرے
انھین خدا کے لیے چھوڑ کر خودی بندے　　نہ بیخودی مین کوئی آرزوے دار کرے
اٹھائین کس کے کلیجہ سے ہجر کی چوٹین　　یہ کس کے دل سے کوئی اختیار کرے
نصیب تو ہو مرے سرکار حسن کے نواب　　صمیم کیون نہ ادا اونپہ جان نثار کرے

۴۔ سید علی رضا صاحب ماہر (لکھنوی)

بعد میرے گر کبھی ذکر وفا ہو جائیگا　　گوشۂ دل آپ کا ماتم سرا ہو جائے گا
سر تون کا ساتھ اگر قافلہ ہو جائیگا　　شور اس خلخال کا بانگ درا ہو جائے گا
تم اگر برہم ہوے مجھسے تو کیا ہو جائیگا　　دل اگر بگڑا تو پھر محشر بپا ہو جائے گا
ہر قدم پر چاہنے والون کے دل کھنچ آئین گے　　نقش الفت آپ کا یہ نقش پا ہو جائے گا
تھا نگاہ مہر مین بھی آہ زہریلا اثر　　کیا خبر تھی زخم دل کا پھوڑا ہو جائے گا
یہ حباب بحر سے ہر بار کہتی ہے ہوا　　سر اٹھائے گا اگر اتنا فنا ہو جائے گا
کہدو لیلیٰ سے نہ رونا قبر مجنون پر کبھی　　وہ اگر ترپا تو زخم دل ہرا ہو جائے گا
قطرہ ہاے اشک نے طوفان اٹھایا جسگھڑی　　ڈوبتی کشتی کا یہ دل ناخدا ہو جائے گا
اس لب معجز نما سے پھر نہ آئیگا کچھ　　دل جو میرا کشتۂ چشم حیا ہو جائے گا
چاہنے والے بہت ہین تیرا دل ہے آئنہ　　اسمین ظاہر آپ سب کا چھا برا ہو جائے گا
دیکھ لوگے گر سر محفل نگاہ مہر سے　　آپ کا بگڑے گا کیا میرا بھلا ہو جائے گا
یاد انکی گر شب فرقت مین لیگی چٹکیان　　رشتۂ جان یار کا بند قبا ہو جائے گا

بات بھی پوچھے گا اے ماہر کوئی خلق مین
ساز ہستی ایکدن جب بے صدا ہو جائیگا

۵۔ منشی صفدر علی صاحب صفدر (مرزاپوری)

غم نہ تھا ہوتے نہ ہوتے وہ مری تقدیر مین　　آہ مل جاتی کوئی ڈوبی ہوئی تاثیر مین
دل سے نکلی آہ گر ڈوبی ہوئی تاثیر مین　　آگ لگجائے گی او فرہاد جوے شیر مین
سیر گل کو آئے ہین کس شان سے ہم بیخودین　　ساتھ ہے زنجیر زندان پاؤن ہے زنجیر مین
رہرو راہ وفا قاتل کا رخ پاتے اگر　　آکے دم بھر بیٹھ جاتے سایۂ شمشیر مین
سرخ جتنے پھول تھے گلشن مین سب ہین سفید　　رنگ ان کا کھینچ کے آیا ہے کسی تصویر مین
داغہاے دل مین اب اگلی سی وہ گرمی کہان　　آگ لگجائے چراغ خانہ زنجیر مین
دونون پر خون اور دونون شوخ کچھ کھلتا نہین　　تیر تیرا دل مین ہے یا دل ہے میرا تیر مین
اب تو جو ہونا تھی رسوائی وہ سب کچھ ہوچکی　　آپ کی تقدیر مین تھی یا مری تقدیر مین
بن کے تیر خطا کرتی ہے جو دل کا شکار　　وہ نگاہ شوخ بھی ہے چشم آہو گیر مین
تیری الفت دشت غربت جوش وحشت دم بدم　　خامۂ قدرت نے کیا کچھ لکھدیا تقدیر مین
انقلاب دہر سے میرا کلیجا خون ہے　　جو لہو دل مین تھا وہ اب ہے تمھارے تیر مین
اس سے اچھا رنگ اب بہزاد لاسکتا نہین　　رنگ خون آرزو بھرئے مری تصویر مین

بات کیا ہے کیون حسین سُننے ہین آنے شوق سے
صفدر ؔ وارفتہ جادو ہے تری تقریر مین

۶۔ منشی محمد حسین صاحب محوی صدیقی (لکھنوی)

پھر تصور مین وہ صورت آگئی		آگئی پھر دل پر آفت آگئی
ڈھل گیا دن شام فرقت آگئی		غم نصیبون کی قیامت آگئی
قاتل عالم لقب رکھا تو ہے		اور جو مقتل مین نزاکت آگئی
محوِ آرائش ہوا وہ مست ناز		دل فدا کرنے کی ساعت آگئی
کس قدر بشاش ہے بیمارِ غم		موت کیا آئی مسرت آگئی
کھُل گیا سب رازِ خاموشی مرا		چُپ لگی ایسی کہ آفت آگئی
لو مزاجِ یار بھی برہم ہوا		فصلِ گل کیا آئی وحشت آگئی
کس قدر پُر درد تھا ذکرِ فراق		سُن کے کچھ اُن کو بھی رقت آگئی
ہو گیا جب غم سے محوی حال غیر
بیکسی ہمرِ عیادت آگئی

۷۔ حاجی حکیم محمد عاشق حسین خان صاحب ابو العلائی ہاتف

آہ کہتی ہے دل بت مین اثر پیدا کرون		تو دل یہ نالے کا ہے پتھر مین گھر پیدا کرون
دل مین اپنے عشق اُس بت کا اگر پیدا کرون		سختیان سہنے کو پتھر کا جگر پیدا کرون
دل پہ گل کھا کھا کے بن جاؤن گلستان بہار		رشک ہو لالے کو وہ داغِ جگر پیدا کرون
بخیہ گر وہ ڈھونڈھ لاؤن زخم جگر کے دسترس		نئے نئے درد دل وہ چارہ گر پیدا کرون
اخترِ قسمت کبھی پھر چمکیا دن اے پیر فلک		کوئی اک خورشید پیکر بام پر پیدا کرون
نقدِ جان و دل کو دون ہاتف اسیکی راہ مین
اپنے پیارے کی محبت اسقدر پیدا کرون

۸۔ منشی عبد الخالق صاحب خلیق (دہلوی)

کرے عشق وہ جس کو ہو زار رہنا		دل افگار، نا چار، بیمار رہنا
نتیجہ محبت کا ہے خوار رہنا		ہزار آفتون مین گرفتار رہنا
ذرا تم یہ اپنا تلون تو دیکھو		کبھی تو ر رہنا کبھی نار رہنا
اگر طور پر جاکے کچھ دیکھنا ہے		تو موسیٰ ذرا آپ ہوشیار رہنا
سگِ لیلے بن یادِ لیلے مین مجنون		شب و روز ہوشیار بیدار رہنا
یہان بھی اُسی کے ہوئے حضرتِ دل		وہان بھی اُسی کے طرفدار رہنا
قیامت بپا اب رہے گی جہان مین		اُنھین آگیا گرمِ رفتار رہنا
مجھے جان سے اب نہ بیزار کرتے		تمھارا یہ ہر دم کا بیزار رہنا
اس آہِ رسا کا ٹھکانا نہ تو دیکھو		کہ دل سے نکلنا فلک پار رہنا
کہا کس نے تھا تم سے اے حضرتِ دل		کہ یون مبتلا ہو کے نا چار رہنا
یہ نادان دل لیکے جاتے ہو گر تم		تو اس بے خبر سے خبردار رہنا
نگاہین تری تیر کیوں ہین کس سے		ستمگر یہ ہر دم کا خونخوار رہنا
کسی نرگسی چشم پر وہ ہو شیدا		کہ جس کو ہو منظور بیمار رہنا
وہ دُرد یدہ نظرین ہین ہر دل کے دیبے		ذرا اُن سے دل والو ہشیار رہنا
خدا اُن گناہون کو بخشے نہ بخشے
خلیق عفو کے تم طلبگار رہنا

۹۔ ابو البیان مولوی محمد رضا صاحب رضا صدیقی (الہ آبادی)

کھولدے پیرِ مغان میخانہ کا دروازہ آج		عید کا دن ہے پلا رندونکو بے اندازہ آج
تذکرے میرے جنون کے شہر مین مشہور ہین		ہر بیابان مین مری وحشت کا ہے آوازہ آج
خاطرِ افسردہ مین کیون یک بیک آئی اُمنگ		شاید آنے والی ہے کوئی نوید تازہ آج
دیکھ کر یہ میری بیتابی جوشِ انتظار		بن گیا ہے دیدۂ حسرت مرا دروازہ آج
کون میخانہ مین آیا ہے نیا توبہ فروش		کیون اٹھائی تمنے اے ساقی شرابِ تازہ آج
شیخ بھی ہے محتسب بھی رند بادہ نوش بھی		بن گیا دار القضا میخانہ کا دروازہ آج
پھر جوابِ نامہ اس ظالم نے لکھا دلشکن		پھر پریشان ہے کتابِ عقل کا شیرازہ آج
پھول رکھے ہین قفس کے سامنے صیاد نے		عندلیب زار کا زخمِ کہن ہے تازہ آج
اے رضا پھر ایک چلّو مے پہ توبہ توڑ دے
مستیون پر ہے خمارِ نشہ کا خمیازہ آج

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرہ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ۔ علوم طبعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر انیسوین صدی تک نے فتانی وقت عمل مین آتی رہی ہین مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہو کہ قدیم و جدید حکمانے ان علمی دریافتون اور ایجادون مین کیا کیا حصہ لیا نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہو مضامین کی وضاحت کیلئے صدہا تصویرین دی گئی ہین قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

عجیب و غریب صدی۔ دی ونڈر فل سنیچری ریڈر مصنفہ الفریڈرسل اس کا اردو ترجمہ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیے۔ اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی عیسوی مین حکمت نے ایجاد یا تحقیق سے ظاہر کی ہین۔ حرارت روشنی اور برق نے جو عجیب کام بری اور بحری دنیا مین کیے ہین وہ عالمانہ طور پر اس کتاب مین مندرج ہین۔ علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون اجرام فلکی علم الارض اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہین حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۹ر مجلد ۱۳ر

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہو جسمین چاند سورج ستارون سیارون دمدار تارون ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری انکی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت اثرات روشنی حرارت برودت و غیر معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین اگر زمین پر رہکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائین حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ر مجلد ۱۲ر

حیات شمع۔ جسمین شمع کی لو روشنی شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہین شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت کوئلہ کوئلہ کی گیس کاربونک ایسڈ ہیڈروجن نائٹروجن آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین قیمت ۶ر

پھولون کی کہانی۔ جسمین پھول کے اعضا افعال و خواص بناوٹ اصطلاحی نام درجہ بندی تولید شادی بیاہ کرنے کھانے پینے پہننے سونے وغیرہ کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہین قیمت ۸ر

مشرق کی نابود شدہ تہذیب۔ کتاب کیا ہو ایک عبرت کا دفتر ہو یا یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع جسمین یہان کی نہایت قدیم تمدن کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیقی حتی بابلی خالدی اسوری عرب ایرانی مصری یہودی وغیرہ کے وہ تمام دلچسپ و تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب و شائستگی کا مسلمہ معیار سمجھے جاتے ہین قیمت ۶ر

اصول للٹکس۔ تعریف نام سے ظاہر ہو جو لوگ پالٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین مناسب ہو کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین قیمت صرف ۱۲ر مجلد عمر

فلسفہ الوہیت یعنی سری بھاگوت گیتا مع ترجمہ و تشریح مولفہ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی حجم ۲۰۰ صفحات۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہین طبع چہارم۔ مجلد قیمت عہ

انپشدون کی تعلیم۔ اس کتاب مین انپشدون کا مذہب یعنی خدا انسان دنیا کی پیدائش قابلی اور انتہا انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت اور بندھ اور موکش کا بیان ہو قیمت عہ مجلد عہ

ویدون کی تعلیم انگریزی کی مشہور و معروف کتاب ٹیچنگ آف دی ویداز کا ترجمہ قیمت مجلد ۱۴ر

خدا کی ہستی۔ انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر اور مستند تصنیفات کا اخذ عبارت نہایت سلیس اور عام فہم قیمت مجلد ۱۲ر

حدیقۃ الاخلاق دی اکانومی آف ہیومن لائف کا اردو ترجمہ اس کتاب کی نصائح موتیون مین تولنے کے قابل ہین۔ تقریباً تمام مہذب زبانون مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہو ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہو۔ نوعمر لڑکون اور لڑکیون کے لیے یہ ایک اچھا انعام ہو قیمت ۱۲ر

حیات بعد الموت۔ یہ انگلستان کی نامور مصنفہ فلارنس میریٹ کی لاجواب

حیات دیراز نوڈیچ" (کیونی قانی نہین) کا فصیح ترجمہ ہی جسمین متنی خسرو عبدنا الحسنات
بہادر ڈپٹی کلکٹر نے داد فصاحت و دقیقہ سنجی دی ہی اور تعلیم یافتہ روشن خیالون
کے لیے سرمدی زندگی بخشنے والی غذا لے رہی ہی حجم ۶۰ صفحہ عہ مجلد عہ

ہوائی کرہ کے عجائبات - اس کتاب مین ہوا کی وہ پُراسرار باتین نہایت
دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہین جن کا جاننا نہایت ضروری ہی قیمت ۲ر

تاریخ مذہب - اس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور زمانۂ قدیم کے
مذاہب مثلاً بابل و اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے
مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہی قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

قدمائی حکمت - لارڈ بیکن کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشنٹس"
کا ترجمہ نہایت دلچسپ قابل مطالعہ ہی قیمت ۴ر

داستان مریخ - ستارہ مریخ کی نسبت اس وقت تک تحقیقات ہو چکی ہین انکو
اختصار کے ساتھ اس مین قلمبند کر دیا ہی قابل دید کتاب ہی قیمت ۱۰ر

مشاہیر عالم - دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ
درج ہی یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تعلیم بخش ہی اس کے مطالعہ سے نوجوانون
مین ہمت اور رفاہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸ر

طالبان حق - اس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی
(۱) سنیکا (۲) اپک ٹیٹس اور (۳) مارکس اریلیس کے حالات زندگی و
نصیحت آمیز اقوال درج ہین نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہی قیمت مجلد ۱۲ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین - اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات
درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے
باعث ترقی کر کے دولت مند ہو گیا۔ نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہی
قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عمہ

مصر کی کایا پلٹ - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب "میکنگ آف ماڈرن
ایجپٹ" کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب
ملنا دشوار ہی۔ حجم ۲۰۴ صفحہ قیمت مجلد عہ

سوانح عمری پیغمبر عالم - حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات
اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین اردو مین
بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے خاص تعریف و
قدردانی کے مستحق ہی کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمری نہایت محنت و قابلیت سے مختصر
لیکن جامع طور سے درج کیے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی
باقی نہین چھوڑا گیا کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے
ضخامت ۵۴۰ صفحہ قیمت عہ

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانح عمری اور سچے حالات حجم ۴۰۱
صفحہ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۳ر

بنت الرسول - سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کی مکمل لائف اس کتاب کو
حضرت شتاب اکبرآبادی نے لڑکیون اور مستورات کے لیے لکھا ہی
حجم ۹۶ صفحہ قیمت ۵ر

اکسیر سخن - مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتو سنگھار) کا اردو ترجمہ نظم
اس کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے
ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی مہاراجہ
سر کشن پرشاد بہادر بالقابہ کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہی اور آپکی
تصویر بھی شامل ہی نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی
کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہی یہ کتاب اس قابل ہی کہ
ہاتھون ہاتھ خریدی جائے بہت کم نسخے اب باقی ہین قیمت ۶ر

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے
مصنف ہین شروع سے آخر تک زبان کی شستگی خیالات کی پاکیزگی طرز ادا انتہا کا دلآویز
شوخی اور رنگینی ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہی فقرے چست لطیفے برجستہ باینہمہ
دلکشی جلیبانہ مذاق سے خالی نہین معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے
ہین ہیجان کیفیات جذبات مین سراپا ڈرامہ ڈوبا ہوا ہی قیمت ۸ر

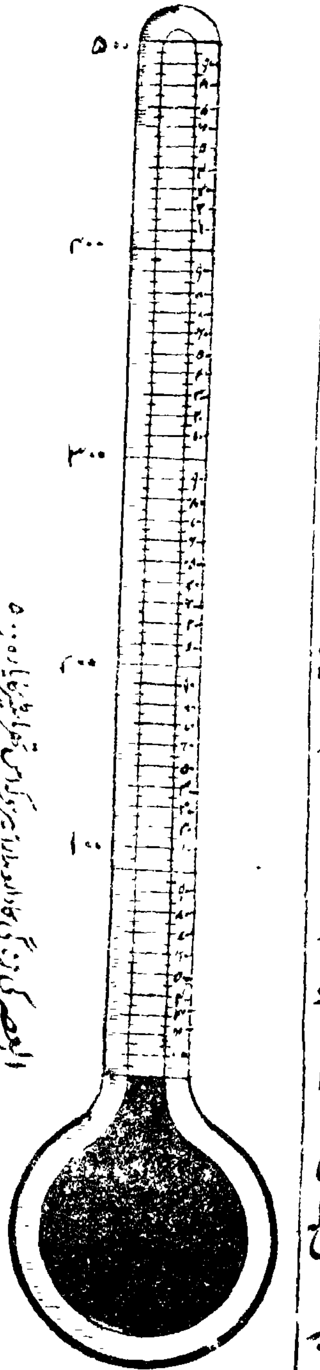
عالم خیال - حضرت شوق قدوائی کی ایک بے ضمانت بے بدل اردو نظم جو
پبلک سے سند قبول حاصل کر چکی ہی چار رنگون کے ساتھ چار عالمانہ
ریویو بھی شامل ہین نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے بھی ایک
دلچسپ مقدمہ لکھا ہی شروع مین ایک مجسم خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کی گئی
ہی جو اسی کے لیے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہی قیمت ۱۰ر

برکات سلطانی - یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند
جی سی ایس آئی جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر
حالات مع تذکرۂ تصانیف شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی
چسپان کی گئی ہی لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہی قیمت ۶ر

قدرشناسان العصر کی خدمت مین

اپیل

معزز معاونین العصر کی خدمت مین ہم ادب سے التماس کرتے ہین کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہین اور اس کو ملک اور قوم کے حق مین مفید تصور فرماتے ہین، تو آپ کا یہ ملکی اور قومی فرض ہے کہ اس کی توسیع اشاعت مین دل سے کوشش فرمائیے کیونکہ اس کی مالی حالت جب خطرے مین نہین رہیگی تو ہم اس کو مفید ترین اور اعلیٰ ترین درجے پر پہنچانے کی کوشش بآسانی کرسکین گے۔ ہم اپنے معزز خریدارون کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہین چاہتے کہ ہر خریدار اس کو اپنا فرض جان لے کہ وہ العصر کے لیے دو خریدار اور پیدا کریگا، اور جبتک یہ جدید خریدار پیدا نہو جائین اس فرض سے اپنے تئین سبکدوش خیال نکرے۔ ہم امید کرتے ہین کہ العصر کے معزز قدرشناس ہماری اس ناچیز درخواست پر تہِ دل سے توجہ مبذول فرمائین گے۔



ان گولیون کو غیبی امداد سمجھیے

ہماری آتنگ نگرہ گولیان اُن مریضون کے حق مین جو جسمانی اور دماغی اور اعصابی قوت کو کھو کر زندگی سے مایوس ہوگئے ہون غیبی امداد ہین ہر قسم کے ضعف کو دور کرکے ازسرِ نو جوان بنا دینا ان گولیون کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۳۲ گولیان عـــہ علاوہ محصول ڈاک۔

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی و آرام کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے اگر تندرستی حاصل نہین تو ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے۔ بس اگر آپ تندرستی کے بھیدون سے واقف ہونا اور ہمیشہ طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہین تو ہماری کتاب کام شاستر بے بلاقیمت منگا کر مطالعہ کیجیے، جو گجراتی، ناگری، تامل، مرہٹی، تلنگی، بنگالی، انگریزی وغیرہ مختلف زبانون مین موجود ہے۔

پتہ:- ویدیہ شاستری منی شنکر گووند جی۔ شہر جام نگر (کاٹھیاوار)

روزنامہ ہمدم لکھنؤ

جو ظاہری شان اور باطنی خوبیون دونون کے اعتبار سے اُردو زبان کے بہترین "روزنامہ" کا لقب حاصل کرچکا ہے۔ جنگ کی خبرین تمام اُردو ہمعصرون سے پہلے پہنچانا اس کی ممتاز خصوصیت ہے۔ کم از کم نمونہ ضرور منگائیے۔

منیجر روزنامہ ہمدم
نمبر ۲۷- لاٹوش روڈ لکھنؤ

رسالہ دار العلوم فیض آباد

رسالہ دار العلوم زبان اُردو کا خاص حامی ہے اسکو زبان مین فروغ کامل حاصل ہے۔ جس مین اخلاقی، تاریخی، مذہبی، علمی اور سائینٹفک مضامین اور صنعتی و حرفتی اور دیگر چھوٹے چھوٹے کارخانون کے اجرا کے طریقے وغیرہ شائع ہوتے ہین۔

دار العلوم کے دلچسپ ہر دلعزیز ہونے کا ثبوت اُن حضرات کے اسمائے گرامی سے ہوسکتا ہے جن کے مضامین اس مین شائع ہوتے ہین۔ نمونہ طلب فرما کر دیکھیے صرف چار آنہ کا خرچ ہے قیمت سالانہ تین روپے۔

المشتہر منیجر رسالہ دار العلوم فیض آباد (اودھ)

العصر جلد چہارم و پنجم بابت ۱۹۱۶ء

العصر کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد کا کوئی پرچہ اب دفتر مین نہین رہا بہت مشکل سے چوتھی اور پانچوین جلد کے چند سیٹ مرتب کیے گئے ہین جن حضرات کو شوق ہو فوراً طلب فرمالین ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ ملیگا جلد چہارم مین ۵۲ مضامین نظم و نثر اور ریشمی رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویرین اور جلد پنجم مین تقریباً ستر مضامین نظم و نثر اور اٹھارہ ہاف ٹون عکسی تصویرین ہین قیمت علاوہ محصول جلد چہارم عیـــہ جلد پنجم عـــہ اگر دونون جلدین ایک ساتھ خریدنے کی صورت مین عـــہ للعہ قیمت لیجائیگی محصول بذمہ خریدار ہوگا

المشتہر:- منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس، لکھنؤ۔

کم خرچ بالانشین اسکو کہتے ہین!

اُردو لٹریچر کی دلچسپیون کا ماہوار مجموعہ رسالہ تاج ضرور ملاحظہ فرمایئے جو جنوری ۱۹۱۶ء سے جاری ہوا ہے آپ یقیناً اسکو دیکھکر خوش ہونگے دو جزو کے رسالہ کی سالانہ قیمت صرف عـــہ اور وہ بھی مع محصول نمونہ کے لیے دو آنہ کے ٹکٹ ارسال کیجیے مفت ہرگز نہ دیگا۔

المشتہر منیجر رسالہ تاج۔ کالی کمان۔ حیدرآباد (دکن)

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسیٰؑ نہ لاسکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پڑھنے مین قدرت کی تجلیان مخفی ہین دنیائے علم کے تماشائی کہان ہین آنکھین کھولین اور اس جامِ جہان نما کی سیر کرین اخلاقی تمدنی ادبی معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتابِ عالمتاب کی طرح برج سے نکلتا ہے اور دنیا مین ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے اس نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھین اور علم کی جیتی جاگتی تصویرون کا جنکو ملک کے مشہور اہلِ قلم مختلف رنگون مین نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہین تماشا دیکھین۔ قیمت بھی کچھ نہین صرف تین روپے بھیجیے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہوسکتی ہے نمونہ ۵ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

مرد عورت اور لڑکون کے لیئے سر مین لگانے کا خوشبودار تیل

(رجسٹری شدہ) **کامی نیا آئیل** (رجسٹری شدہ)



یہ تیل نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہو ہندوستان کے ہر ایک حصہ مین سب اسی کا استعمال کرتے ہین کیونکہ یہ مفید اجزا سے مرکب ہو کامی نیا آئیل سر پر لگانے سے ٹھنڈک رہتی ہو اور اسی باعث طالبعلمون وکیلون بیرسٹرون اور دماغی کام کرنے والون اور جن کے سر مین درد رہتا ہو بہت مفید ہو کامی نیا آئیل سر کی ہر ایک قسم کی بیماریون کو دور کرتا ہو اور گرتے ہوے بالون کو بچاتا ہو بے وقت بال سفید ہونے نہین دیتا سر کے بال نرم سیاہ و چمکدار ہو جاتے ہین دماغ کی خشکی درد سر و کمزوری وغیرہ کو دور کرتا ہو بالون کو بڑھاتا ہو ضعف دماغ و زیادہ رنج و غم و فکر کی وجہ سے بالون کی جڑین کمزور ہو جاتی ہین اور پھر بال ٹوٹ کر گرنے لگتے ہین اور یہ عارضہ اکثر بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی عورتون کو ہوتا ہو اس لئے کامی نیا آئیل نہایت مفید ہو نقلی تیل جو بازار مین لوگ فروخت کرتے ہین دماغ کو نقصان پہنچاتے ہین ایسا نہ ہو سستا تیل خرید بیٹھین ہمیشہ ہمارا اصلی **کامی نیا آئیل** طلب کرو جس کی عمدگی کے لیے ہم کو میسور کی گذشتہ نمائش گاہ سے ایک سونے کا تمغا انعام ملا ہو کامی نیا آئیل خریدتے وقت اگر کوئی دوکاندار آپ کو دوسرا تیل دے اور یہ کہے کہ اس سے بہتر عمدہ ہو تو اس کی خریداری سے اجتناب کرو کیونکہ ہلکا تیل فروخت کرنے والے زیادہ نفع کی لالچ سے خراب مال دینے کی کوشش کرتے ہین اس لئے جسپر کامی نیا آئیل کی سربند بوتل دیکھ لو **قیمت** فی بوتل عہ روپی پی خرچہ چار آنہ ہر تین بوتل دو روپیہ دس آنہ وی پی خرچہ سات آنہ۔

استعمال کرنے کی ترکیب بال اور بالون کی جڑ دن کو ہر دوسرے تیسرے روز صاف کر کے اُن مین تیل کی مالش کی جائے۔

عطر آٹو دل بہار (رجسٹری شدہ) واقعی آپ کے مزاج کے مطابق قدرتی پھولون کا کیمیاوی طریقہ سے جوہر نکالا گیا ہو خوشبو کی پائداری اور پاکیزگی مین لاثانی ہو اسکے چند قطرے آپ رومال پر لگانے سے آپکے گرد مہکتے ہوے پھولون کا باغ ہونے کا ثبوت دین گے اچھی خوشبو کے طلبگار اسمین کفایت کا پہلو تلاش کرین اسمین غیر ملکی آمیزش نہین ہو قیمت چھوٹی شیشی ۸ روپیانی ۱۲ اور بڑی عار صندوق علاوہ اسکی بڑھتی ہوئی فروخت دیکھ کر حریفین نے نقل بنانا شروع کی ہو ہر ایک شیشی پر لفظ "آٹو دل بہار" رجسٹرڈ دیکھ کر خریدیئے۔

سول ایجنٹس انگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی جامع مسجد مارکیٹ بمبئی

لکھنؤ کے لئے ایجنٹ جے سرکار کمپنی سوداگران و دواساز ان قیصر باغ۔ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ۱۰۹ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مارچ ۱۹۱۷ء

ادبِ اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ
پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول ‏ ‏ ‏ ‏ (جملہ حقوق محفوظ) ‏ ‏ ‏ ‏ قیمت فی پرچہ ۷ر

العصر

جلد ۶ — مارچ سنہ ۱۹۱۷ع — نمبر ۳

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) دعا (۲) مسٹر جے آر رائے (۳) پرفیسر بی گھوشال ایم اے

اطلاع اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہین ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچہ کے لیے اسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دی جائے - بعد کو پرچہ نہ باقی رہنے کی وجہ سے تعمیل ارشاد نہین ہو سکتی اس اطلاع پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرنا چاہیئے ورنہ بعد کو قیمت لی جائے گی - منیجر العصر لکھنؤ -

قواعد وضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے
(۲) اس رسالہ کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے ۱۲ مع محصول ہے اسمین کمی ناممکن ہے -
(۳) نمونہ کے لیے ۸ آنہ آنا چاہیے مفت نہین ملے گا -
(۴) خط وکتابت کے لیے جوابی ٹکٹ آنا ضروری ہے ورنہ بعد کا حساب نہین
(۵) خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیے -
(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے -
(۷) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے -
(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیے کتابین تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر العصر لکھنؤ ارسال کیے جائین -
(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا، ناتمام مضامین بھی نہ لیے جائین گے -
(۱۰) اعلیٰ علمی وادبی مضامین کیلیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا، مگر اس مین دلچسپ مضامین کی تخصیص ہے -

سرمایۂ عمر چودھری دبی پرشاد بلگرامی

نام ادویات — قیمت — نام ادویات — قیمت

اکسیر جہاندین یا جہانگیر تین یوم
جبر وضعف دلالم ہوتا ہے چھٹانک
روح رنگ سفید سوزاک کہنہ
سالہاسال یا بگڑا ہوا مرد خواہ عورت
ہو نیز کل امراض رحم کو مفید شیشی
کلان ۔ ایضاً خورد
اکسیر دودھ عورت واسطے بچہ پانی
تھوڑی خوراک میں بکثرت ہوتا ہے
غزہ شاہی ۔ چہرہ سیاہ فام کو
گلفام کرے ۔ چھٹانک
ضیق النفس کہنہ رتی
ناسور کہنہ پیکٹ
اگر عادی مسہل ہوں نرم معدہ
پر بہال سوداوی ذریعہ بلغمی صفراوی
پیشاب بلغمی چند منٹ میں آجاتے
ہیں شیشی
عرق النساء ایک دن میں رفع ہو
ممسک حیض ۔ درطوبت بدنام
نہانی در جین
بلا تکلیف اعضا خشکی و درست کیے
عادت افیون رفع ہو جین
عرق النساء پادوری گون ہو
پیٹ میں گئی اسے رفع ہوا گون

عطر شاہی جس سے معمول ہو
ہو شیشی کلان (عکس) خورد
نارو بیڑی ڈبی
روغن گٹھیا شیشی
آتشک جس میں جز دیار ا
رسکپور وشنگرف اندر اثر وغیرہ
نہیں منھ تے دست نہیں آتے
بد پرہیزی اس کا پرہیز اچھا کرکے
ہو اوکھائی جاتے آتھ خوراک
بوئے ناخوش اندام نہانی چند
یوم میں جاتی رہتی تولہ
روغن گنج سر شیشی کلان
شیشی خورد
روغن حنا زیر شیشی کلان
شیشی خورد
کرایانی ڈبی اگر معدہ پائتہ دین
تے ۔ نات پہ مہال پڑیہ پیاد ۔
پیشاب حیض بند شدہ جاری
ہے بکس ڈبی
گولی عرق النساء اندر پیٹ کے
۔ ہوتے ہی رفع ہو ہر فی عدد
ٹکیہ رعلاوہ اسکے بہت سے
امراض کو مفید ہے بکس

کیونکہ جناب ممدوح اندر چالیس سال تمام تجربہ ادویات شہرہ آفاق ہو گیا ہے ۔ صرف
ضرورت یا ادویات ہیں نیز بعنیت آنے کٹ پر فہرست برچہ ترکیب طلب کر سکتے ہیں۔

چودھری دبی پرشاد بلگرامی گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال آدہ لکھنؤ

برکات عثمانیہ

المعروف بہ

مخزن ادویہ جدیدہ

یعنی

ڈاکٹری نئی ادویہ کا مبسوط مکمل مخزن

عالیجناب سید عبدالرزاق صاحب ایم ایس سی آئی (لندن) وممبر برٹش فارماسیوٹیکل کنفرنس نے سالہاسال کی محنت اور ڈاکٹری انگریزی کتب کے وسیع مطالعہ سے ایک بہترین مجموعہ برکات عثمانیہ المعروف بہ **مخزن ادویہ جدیدہ** تالیف کیا جس میں کیمیائی ۔ نباتی جمادی حیوانی اپیلنٹ ادویہ ساختہ حکماے یورپ اور اُن کے ترکیبی اجزا افعال وخواص طریق استعمال مقدار خوراک کا مفصل بیان ہے اور آخر میں ایک فرہنگ بطور ضمیمہ جس میں ڈاکٹری اصطلاحات کے ساتھ موقع بہ موقع یونانی طبی مترادفات سے صحیح تطبیق کی گئی ہے اور علاوہ ازین بعض کثیرالاستعمال ادویہ کی طبی تاریخ نہایت شرح وبسط کے ساتھ درج ہے غرض ادویہ جدیدہ کی ایک جامع ومانع بے نظیر اور اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہے اطبا یونانی اردو دان ڈاکٹر کمپونڈر وغیرہ سب کے لیے ازبس مفید ہے ادویات کے نام انگریزی حروف اور ان کا تلفظ اردو میں دیا گیا ہے اسماء ادویہ کی ترتیب دینے اور یعنی املا اردو حروف تہجی کے لحاظ سے لکھا گیا ہے بنظر سہولت اور استفادہ ناظرین کتاب ادویہ مندرجہ کی فہرست بلحاظ افعال وخواص شامل ہے طرز بیان سلیس آسان مطالب عام فہم بہرحال اسکی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں کاغذ دبیز عمدہ لکھائی چھپائی عمدہ تعداد صفحات (۱۲۵۰) باوجود ان تمام خوبیوں کے صرف نفع عوام الناس کے فوائد پر نظر رکھ کر قیمت بہت کم رکھی ہے یعنے بلا جلد (معہ) روپیہ سکہ کلدار اور مجلد (سے) روپیہ فرمائش کنندہ حضرات اپنا نام وپتہ صاف تحریر فرمائیں۔

محصول ڈاک ذمہ خریدار ہوگا

مینیجر سید عبدالرزاق ہیڈ کوچادر گھاٹ حیدرآباد دکن

کلیات شادان

یعنی راجۂ راجایان مہاراجہ چندو لال بہادر شادان مغفور وزیر اعظم دولت آصفیہ

کا اُردو مجموعۂ کلام مع تصاویر

کلیات کے شروع مین مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای دام اقبالہٗ نے ۲۴ صفحہ کا ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جسمین اپنے جد اعلیٰ کے مختصر حالات اور اُن کے کلام کی خصوصیات بیان کی گئی ہین مہاراجہ چندو لال بہادر ایک علمی درجہ رکھتے اور فارسی اور اردو کے شاعر تھے مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انکی توجہ سے ایک صدی اُدھر کی گویائی کا یہ عالی نمونہ زیور طبع سے آراستہ ہوا اس کلیات کا ایک ایک شعر عشق و محبت کا دفتر ہے اور طرفہ یہ ہے کہ تصوف کا رنگ اسقدر غالب ہے کہ انکی شاعری دیکھنے کے بعد مشکل سے کوئی کہہ سکیگا کہ وہ جوگی اور صوفی نہ تھے یا انکا مذہب تصلح کل نہ تھا زبان بھی مقابلۃً نہایت شستہ اور صاف ہے

غرض یہ کلیات اس قابل ہے کہ ہاتھون ہاتھ خریدا جائے!

تقطیع ۲۶×۲۰ ضخامت ۳۰۰ صفحات کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ —

قیمت بلا جلد عہ فی جلد ـ مجلد عمہ فی جلد

فرخندہ آفاق ترجمۂ عشرتکدۂ آفاق

یہ کتاب بھی راجۂ راجایان مہاراجہ چندو لال بہادر شادان مغفور وزیر اعظم دولت آصفیہ کی تصنیف کا نمونہ ہے جسکو راجہ راجیشور راؤ بہادر اصغر نے فارسی زبان سے نہایت قابلیت کے ساتھ سلیس اور عام فہم اُردو مین ترجمہ کیا ہے اس کتاب مین دلچسپ و سبق آموز حکایات اور نادر نکات کے تذکرے درج ہین جو قابل دید ہین —

حجم ۴۰ صفحات قیمت فی جلد آٹھ آنے مجلد بارہ آنے

(محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار ہوگا)

المشتہر

سکریٹری منشی اپلشنگ کمپنی منشی پریس لکھنؤ (اودھ)

پہلے درویش کے جنگی کارنامے

یعنی ان بڑی لڑائیون کا بیان جنمین خود حضور سرور کائنات شریک ہوے بالالتزام عنوان کے تحت مین نہایت موثر و دلکش تاریخی مضامین کا ایک قابل دید سلسلہ حضرت الامام خواجہ حسن نظامی صاحب نے میرٹھ کے ماہوار مذہبی و ادبی رسالہ راز و نیاز کے لیے لکھنا شروع کیا ہے اس دلگیر سلسلہ کا پہلا حصہ راز و نیاز کے نومبر و دسمبر معروف بہ درویش جنتری سنہ ۱۹۱۷ء مین شائع ہوا ہے جو حضرات اس اثر انداز تاریخی مضمون کے مطالعہ سے لطف اُٹھانا چاہتے ہین وہ صرف ۳۰ کے ٹکٹ بھیجکر ہم سے درویش جنتری سنہ ۱۹۱۷ء منگالین جس مین سال بھر کے لیے نہایت کارآمد اور مفید معلومات کے ساتھ معتبر اوقات ایک ہزار سے زیادہ بزرگان دین کے عرسون کی تاریخین حضرت جرجیس علیہ السلام کا عبرت آموز قصہ انبیاء السلف کی دلسوز حکایات فقہی مسائل — شرعی آداب اعمال و وظائف — مجرب علاج اسلامی اشتہارات و مسائل کی فہرست اور بہت سی کارآمد و دلچسپ باتین درج کی گئی ہین اور جس کی ایک ایک سطر پڑھنے کے قابل ہے — رسالہ راز و نیاز کے جس کی سالانہ قیمت عـہ ششماہی ۱۴ آنہ اور سہ ماہی ۸ آنہ ہے کے مستقل خریدارون کو درویش جنتری مفت دی جاتی ہے۔ بعض ۲ آنہ خرچ کرکے آپ درویش جنتری اور راز و نیاز کے دو پرچے خرید سکتے ہین۔

منیجر رسالہ راز و نیاز و درویش جنتری کمپ میرٹھ

انقلاب یورپ

یورپ کے جدید سیاسیات پر ایک حیرت خیز فرانسیسی ناول کا ترجمہ ہے جس کا ایک ایک ورق ایک ایک سطر ایک ایک لفظ پڑھنے والے کو دریائے فکر و تحیر مین ڈال دیتا ہے اس کے مترجم بابو روشن لال صاحب ہین۔ یہ ناول ہر ماہ ۴۰-۵۰ بڑے صفحون پر رسالہ ترجمان لاہور مین شائع ہو رہا ہے جسمین اسکے علاوہ ملک کے بہترین انشا پردازون کے مضامین بھی نکلتے ہین ناول کے بہت کم ابتدائی پرچے باقی ہین انھین بہت جلد چندہ سالانہ عـہ بھیجکر طلب کیجیئے شاید پھر کبھی آپ اس ناول کو مکمل نہ دیکھ سکین نمونہ کیلیئے ۵ کے ٹکٹ آنا ضروری ہین

لال برادرس نمبرے پارسنز روڈ، نولکھا، لاہور

آپ ایک پوسٹ کارڈ پر اپنا نام اور تاریخ پیدائش اور اگر تاریخ معلوم نہو تو تخمیناً عمر اور پوسٹ کارڈ لکھنے کی تاریخ اور وقت لکھکر بھیجدیجیے ہم آپ کو آئندہ بارہ ماہ

نوشتۂ تقدیر کے پیش آنے والے حالات و واقعات یعنی خوشی و غم کس ماہ مین کس تجارت سے نفع ہوگا۔ روزگار کے متعلق ترقی یا تبدیلی ہوگی علالت کیا اولاد ہوگی وغیرہ جملہ باتون کا خلاصہ دو ماہ مین بذریعہ ویلیو پی ایبل ارسال کردین گے، نامطابق ہونے پر قیمت بلاعذر واپس ہوگی۔ جنم پترہ وغیرہ بھی تیار کیا جاتا ہے فیس ۵ لغایت عـہ لاٹری گھوڑ دوڑ یا کسی اور قسم کی بازی لگانے سے پیشتر آپ ہم سے مشورہ کرین تو یقیناً نفع مین رہین گے فیس واجبی لی جائے گی۔

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

المشتہر: پروفیسر الیف۔ ای میرل، وکٹوریہ گنج لکھنؤ

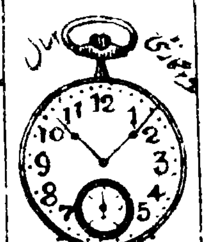
سب عمدہ حسب نشاء بکفایت مال منگانا ہو تو ہم سے طلب کیجیے جملہ فرمائش کی تعمیل ذریعہ وی پی کی جاوے گی خرچہ بذمہ خریدار ہوگا۔

وائٹ میٹل واچ



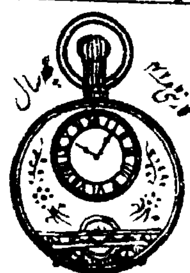
۲۹ بند کیس علیحدہ چابی جنبوا چال نہایت خوبصورت گارنٹی سہ سال قیمت پانچ روپیہ
۲۹ سنہری کیس چھ روپیہ
۲۹ حسینا نکلیس واچ نہایت فینسی کیس مانند اصلی سونے کے گھڑی کی چال بہت صحیح ٹائم دینے والی گارنٹی سہ سال
قیمت نو روپیہ وی پی خرچ ۶

جنٹلمین واچ



۲ بہت ہی پتلی نہایت خوبصورت صحیح ٹائم دینے والی کیس سیاہ یا سفید قیمت للعہ
۲ نہایت فینسی سنہری کیس سنہری ڈائل قیمت چھ روپیہ
۱۵ چاندی کی نہایت مضبوط جویلدار گارنٹی ۵ سال
۱۵ چاندی کی بند کیس لیور نکل جویل قسم اعلیٰ سولہ روپیہ

چاندی کی آٹھ روزہ واچ



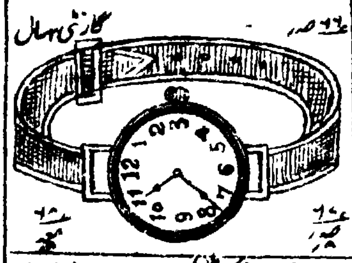
۴۲ اصلی چاندی کی لیورشن جویلدار نہایت مضبوط صحیح ٹائم دینے میں لاثانی قیمت دس روپیہ
۴۲ اصلی چاندی کے بند کیس گارنٹی چھ سال قیمت تیرہ روپیہ
۱۶ آٹھ روزہ چابی کی نکل کیس مگر ریڈیم ڈائل کی نہایت مضبوط قیمت گیارہ روپیہ
اور چاندی کی ۴۵ تیرہ روپیہ

نیو فیشن ریڈیم واچ



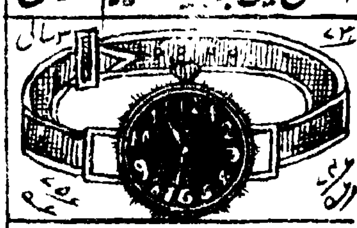
۴۹ اصلی چاندی لیورشین فل جویل نہایت ریڈیم ڈائل جو رات کو گھپ اندھیرے میں خود روشن ہو کر مانند دن کے ٹائم بتلاتی ہے قیمت سترہ روپیہ
۵ بہ صفت بالا مگر کیس نکل سو کا گارنٹی چھ سال عہ
۴۸ ریڈیم ڈائل سنہری کیس نہایت فینسی قیمت دس روپیہ

انگلش شیپ نیو پیٹنٹ رسٹ واچ



۴۶ مضبوط ٹھیک ٹائم دینے میں سعد جنیوا چال نہایت خوبصورت نکل کیس یا سیاہ کیس قیمت پانچ روپیہ
۴۶ بہ صفت مگر سنہری کیس قیمت عہ
۴۶ جویلدار فینسی ڈائل نکل کیس
۴۶ نہایت مضبوط فل جویل لیورشین مع سکنڈ قبضہ دار قسم عمدہ گارنٹی ۵ سال قیمت تیرہ روپیہ
۴۶ چاندی کی جنیوا چال گارنٹی سہ سال آٹھ روپیہ
۴۶ چاندی کی فل جویل قسم اعلیٰ پندرہ روپیہ
۴۶ گارنٹی سہ سال نو روپیہ

انگلش فیشن نیو پیٹنٹ ریڈیم رسٹ واچ



۳ مضبوط ٹھیک ٹائم دینے میں اعلیٰ رات کو گھپ اندھیرے میں سوئیاں وغیرہ خود روشن ہو کر مانند دن کے ٹائم دیتی ہے نکل کیس قیمت آٹھ روپیہ
نکل کیس لیور ظلین فل جویل مع سکنڈ قبضہ دار قسم اعلیٰ نہایت مضبوط گارنٹی ۵ سال قیمت
۵ جنیوا چال چاندی کی گارنٹی ۳ سال دس روپیہ
چاندی کی قسم اعلیٰ فل جویل نہایت مضبوط مع سکنڈ قبضہ دار گارنٹی چھ سال سترہ روپیہ
نمبر ۱، ۳، ۵، ۷، سب ریڈیم ڈائل کی نہایت الارم دار ٹائم پیس بڑے سائز کا قیمت نو روپیہ آٹھ آنے محصول ڈاک آٹھ آنے
الارم دار ٹائم پیس کرسٹل فل نہایت فینسی قیمت

بالیان جالیدار نیو فیشن داخل کٹ فی جوڑہ ۹، ۶، ۲
اور بالیان تین پھول فی جوڑہ ۹، دو پھول ۵، ایک پھول ۴
پتے جالیدار بناوٹ و نفاست میں سونے کے موافق اور سونے کا بھاری ملمع جاندار فی جوڑہ ۱۱، گھونگرو دار نو آنہ ۹
ایرن کانون کے اعلیٰ اعلیٰ طرز کے فی جوڑہ ۱۲، ۸
ماہی کرن پھول نہایت فینسی قابل استعمال فی جوڑہ عہ
نوٹ ہر ایک زیور پر بجلی کے ذریعہ سے سونا چڑھایا گیا ہے
عینکیں رنگین جاپانی آنکھوں پر لگانے سے ٹھنڈک آتی ہے بینائی میں قوت گرد و غبار سے محفوظ قابل قدر تحفہ ہے قسم اول آٹھ روپیہ
نمبر ۲ چھ روپیہ نمبر ۳ عہ نمبر ۴ للعہ نمبر ۵ چار روپیہ اوسط
میل غیرہ قسم دوم جالیدار جس کے گرد مین جالی لگی ہوئی ہے اور بہت ٹھنڈک پہنچانے والی ہیں نمبر آٹھ چار روپیہ نمبر ۹ عہ نمبر ۱۰ خرچہ بذمہ خریدار ہوگا
اصلی چاندی کے بٹن چاند تحفہ
الکہری زنجیر بناوٹ ٹنک ڈاغل کٹ فی
فینسی فی سٹ عہ اور سونے کا ملمع فی سٹ
اور مع اسٹڈ یعنی کفون کے
ہاتھوں کے انگریزی نیفن بالکل سونے کے موافق
مرصع نگ امیٹیشن جڑے ہوئے فیعدد ایک روپیہ آٹھ آنے

پہونچی جوڑہ نقشی دانہ کا سونے کا ملمع کیا ہوا نہایت نفیس بالکل اصلی کے موافق اور سچے نگ لاکھوں میں ملا ہوا۔ اسی دانہ کا قیمت للعہ، ۶۰ دانہ کا دو روپیہ آٹھ آنے
چالیس دانہ کا فی جوڑہ دو روپیہ کلائی کا پیمانہ آنا چاہیے!
چوڑے دستی بیحد خوشنما قابل استعمال زیور ہے سونے کا ملمع بہت دیر پا سچے نگ لاکھوں میں ملا ہوا فی جوڑہ ڈھائی روپیہ
چوڑیان ہاتھوں کی نہایت اعلیٰ اعلیٰ وضع کی بناوٹ و نفاست میں بالکل سونے کے موافق اور سونے کا دیر پا ملمع ہر ایک سٹ بارہ بارہ چوڑیوں کا قسم لہریدار بیل دار نقشی سادہ۔ داغل کٹ۔ صفت بیل وغیرہ قیمت فی سٹ دو روپیہ نوٹ: ہر ایک سٹ اپنی طرز کا نرالا ہے
کڑے ہاتھوں کے گول اور بیل دار کھنچے ہوئے مہو کے گھنڈیدار قسم اعلیٰ موافق سونے کے فی جوڑہ عہ و للعہ
چمپاکلی دانہ بادام کی وضع اور ہر ایک دانہ میں نقشی پڑا ہوا ہے اور سونے کا بھاری ملمع کیا ہوا ہے اور سچے نگ لاکھوں میں ملی ہوئی قیمت
گلوبند گھونگرو دار نقشی دانہ خشخاشی کی طرز کا نہایت فینسی بالکل سونے کے موافق ہے بھاری ملمع سے
گلوبند جالیدار نیو فیشن نہایت بےنظیر اپنی وضع کا نرالا قیمت دو روپیہ ....

المشتہر: مولوی محمد لطف اللہ خان جنرل مرچنٹ نمبر ۹۰ شہر دہلی عقب کالی مسجد



الحکمۃ

فلسفہ

اُردو رسالون مین اِس سے پہلے اس مبحث پر جس قدر مضامین راقم کی نظر سے گذرے وہ کچھ ایسے تھے کہ اُن سے فلسفہ کے مفہوم اور ماہیت پر گہری روشنی نہیں پڑتی۔ اس لیے ارادہ ہے کہ اس کی ابتدا اور نوعیت، اور حقیقی معانی پر شرح و بسط سے بحث کرکے اُسے بالکل صاف کردیا جائے، تاکہ جو لوگ بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کی ہمت نہین رکھتے یا اُنھین فرصت نہین ہے، وہ فلسفہ کے معانی اور مفہوم پر بآسانی عبور حاصل کرکے مستفید ہون۔

فلسفہ یونانی الاصل ہے، جو عربی میں داخل ہوکر پہلے فارسی اور پھر اُردو مین بھی آدھمکا۔ اسکے مترادف علم حکمت، علم موجودات، حقائق الاشیا، گیان بگیان، ات جوگ وغیرہ وغیرہ ہین۔ فلسفہ کا یونانی ماخذ "فِلوس" (PHILOS) اور "سوفیہ" (SOPHIA) ہے جس کے لغوی معنی "رشیدائے حکمت" ہین "فِلوس" بمعنی شائق اور "سوفیہ" بمعنی دانائی یا حکمت۔ لفظ "فلوسوفیہ" (Philosophia) کو پہلے پہل مشہور یونانی حکیم فیثا غورس نے استعمال کیا تھا۔ یوجانس لارشیس دیی زبان مین اس اصطلاح کا اپنے کو مخترع قرار دیتا ہے۔ مشہور یونانی مورخ ہیرداطوس اور نیز ایک اور یونانی مورخ طسی ڈاس (۴۷۱ ق م) نے لفظ "فلوسوفین" (Philosophien) استعمال کیا ہے جس کے معنی "تجسس علم" یا "تلاش حق" ہیں۔ مگر "رشیدائے حکمت" "فلوسوفوس" (Philosophos) سے درحقیقت جو مراد ہے اُس کا امتیاز پہلی مرتبہ افلاطون کی کتابون مین ملتا ہے۔ اس خیال کی رو سے "فلاسفر" وہ آدمی ہے جو حقائق الاشیا یا ہیولائے اول کی ماہیت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ "اسکی خلاف وہ آدمی ہے جو محض موجودات کی علت صوری یا ظاہری صورت کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا ہے۔" حکیم سے مراد بقول افلاطون وہ شخص ہے جو ازلی و ابدی اور غیر متغیر ہستی کی حقیقت سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے، اور واجب الوجود کی فطرت جاننے کے درپے رہتا ہے۔ مگر افلاطون دینی اور اخلاقی معنی مین لفظ فلسفہ استعمال کرتا ہے۔ اسلیے اس سے فلسفہ کی یہ تشریح پیدا ہوتی ہے

حقائق الاشیا کی ماہیت سمجھنے کی سعی کا نام حکمت ہے۔" مگر ہم موجودات کی حسی الاصل کس طرح جان سکتے ہیں' اور واجب الوجود کی اصلیت جاننے کے لیے کن طریقوں سے کام لینا چاہیے۔ اس کی بابت افلاطون خاموش ہے۔ اس نے منطق' اخلاقیات' طبیعیات' نفسانیات' نظریۂ علم' مابعد الطبیعیات وغیرہ کو نیم مذہبی ترکیب میں خلط ملط کر دیا ہے مگر ارسطو نے جو زمانۂ سلف کا سب سے بڑا ماہر فن مولا الحکیم یعنی قاموس متحرک تھا ماہیت اشیا کی تحقیقات کے طریقے وضع کیے اور ایسے طور پر تفریق کی کہ زمانۂ حال تک تسلیم ہوتی رہی۔ ارسطو کے بیان کے مطابق قدیم زمانہ کے فلاسفر علم موجودات (Cosmology) کے شائق تھے۔ اُن کی یہ کوشش تھی کہ مظاہر کے پس پشت موجود فی الذات کی حقیقت کو جانیں۔ سقراط اور افلاطون اس مسئلہ کا حل انسان کی اخلاقی اور ذہنی حالت سے بہم پہنچانے کی کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے اول الذکر نے علم اور آخر الذکر منطق اور اخلاقیات میں تفریق نہیں کرتا' مگر ارسطو نے اپنے استادوں کے طریقہ سے انحراف اختیار کر کے منطق نفسانیات' اخلاقیات' اور حسنات کو مختلف علوم قرار دیا جس کی علت آخری ان سوالات کا السابق قرار پایا۔ اس کے خیال کی رو سے ریاضی اور طبعی مسائل کی تحقیقات فلسفہ کے زیر اثر ہے۔ اس عالم اور اس کے خالق کے تعلقات فیما بین کی بحث بھی اسی کے سپرد ہوئی اور اُس کا نام علم موجودات معقولیہ قرار پایا۔ مگر بعد ازاں اُسے مابعد الطبیعیات کے احاطہ میں مقید کر دیا گیا پھر خاص علوم میں قطع و برید ہوئی اور "فلسفہ" اصول اولیہ کے نام سے مشہور ہوا اور علم ہستی (Ontology) کی صورت میں منتقل ہو گیا اس کی تین شاخیں نفسانیات' علم موجودات الطبیعیات' اور الٰہیات فطرت ہیں جن کا بڑا موضوع روح۔ دنیا اور خدا[۱۱] ہے۔

[۱۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانکہ گیارھواں ایڈیشن جلد ۲۱ صفحہ ۴۲۰

فیثاغورس نے فلسفہ کی تشریح یوں کی ہے: "موجودات باعتبار موجودات کے علم کا نام حکمت ہے۔ چاہے یہ مسائل انسان کی ہستی سے تعلق رکھتے ہوں یا خدا سے' ان کا علم حاصل کرنا فلسفہ کا کام ہے"۔ افلاطون کہتا ہے کہ "خدا اور انسان کی درمیانی مشابہت کو جہاں تک ہو سکے جاننے کی کوشش فلسفہ کا کام ہے"۔ ارسطو کی رائے یہ ہے کہ "فنون کا فن اور علوم کا علم حکمت[۱۲] ہے"۔

سر ولیم ہملٹن' اسکاٹ لینڈ کے مشہور فلاسفر کی رائے یہ ہے کہ زمانۂ قدیم اور جدید میں فلسفہ کی تشریح کی بہت کوشش کی گئی ہے۔ مگر تمام تشریحیں غیر معین اور بہت مبہم ہیں۔ اصل یہ ہے کہ فلسفہ کی تشریح قریب قریب ناممکن ہے۔ اس وجہ سے یہاں پر اُس نہایت پرانی اصطلاح کی جامع و مانع تشریح پیش کرنا دشوار ہے یہاں صرف بڑے بڑے علماء کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں جن سے فلسفہ کی اصلیت اور معانی کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

قدیم فلاسفروں کے سوانحی حالات کی کتاب میں دیوجانس لائرشیس لکھتا ہے کہ "بعض کہتے ہیں کہ فلسفی تحقیقات کی اختراع باربری[۱۳] قوموں میں ہوئی تھی۔ ایرانیوں میں مجوسی (آتش پرست پروہت) تھے؛ اور بابل اور اسوریہ میں کلدانی تھے (جو اجرام فلکی کی پوجا کرتے تھے اور نجوم کے ماہر تھے) ہندوستان میں سنیاسی اور جنگلوں میں رہنے والے رشی تھے۔ کیلٹ اور گال قوم میں ڈرو ڈ لوگ تھے فنشیا میں اوکس' اور تھریشیا میں زمول کس اور لبیہ میں اطلس تھا۔

[۱۲] ماخوذ از مابعد الطبیعیات حصہ دوم لیکچر از سر ولیم ہملٹن۔

[۱۳] اس لفظ سے مراد شمالی افریقہ کے لوگ ہیں۔ یونانی اپنے آپ کو سب سے افضل اور برتر سمجھتے تھے۔ اس لیے باقی تمام اقوام کو باربرس کہتے تھے۔ جس کے معنے وہ آدمی جس کی بولی سمجھ میں نہ آئے" لاطینی اور انگریزی میں اس سے مراد جنگلی اور غیر مہذب ہے۔

اہل مصر کے خیال کے رو سے نیلس کا بیٹا ولکن فلسفہ کا موجد تھا کیونکہ اس دیوتا کے پجاری وغیرہ "فلاسفر کہلاتے تھے"۔ آگے جاکر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "فلسفہ کے تین حصے ہین۔ طبیعیات، اخلاقیات، اور منطق یا علم مناظرہ۔ فلسفۂ فطرت دنیا اور محسوسات ما فیہا سے بحث کرتا ہے، اور فلسفۂ اخلاق انسان کی زندگی اور اُسکے تعلقات سے سروکار رکھتا ہے۔ علم مناظرہ فلسفۂ فطرت اور فلسفۂ اخلاق کے مسائل کی صحت ثابت کرنے کے دلائل اور طریقے بیان کرتا ہے۔ فلسفۂ فطرت کا ارفلاس کے زمانہ تک زور رہا۔ فلسفۂ اخلاق سقراط کے زمانہ مین زور رون پر تھا اور زینو کے بعد ایلیاطکی فرقہ کے حکما پیدا ہوے جو مناظرہ کے اُستاد سمجھے[1] جاتے تھے۔ اسلاف نے علوم کے ہر شعبہ مین اتنی ترقی نہین کی تھی اور نہ وہ حد بندی کی جہندی کرنے کے طریقون سے واقف تھے جیسا اس زمانہ کے عالم ہین۔ اس وجہ سے وہ تشریح کرنے کے طریقے سے بخوبی واقف ہی نہ تھے۔ ارسطو نے اوّل مرتبہ منطقیانہ تشریحات کو رائج کیا تھا۔ اس لیے اب اس زمانہ کے مشہور عالمون اور فلاسفرون کی آرا نقل کرنا مناسب ہے۔ جارج ہنری لوئیس مشہور مصنف تھا۔ اُس نے تاریخ فلسفہ لکھ کر اچھا نام پیدا کیا ہے۔ وہ فلسفہ کی بابت لکھتا ہے کہ "جو تصورات سائنس اور الٰہیات بہم پہنچاتی ہے ان کے انضباط اور تنظیم کے عمل کا نام فلسفہ ہے جیسے جزئیات کے وسیلہ سے حاصل کی ہوئی کلیات کو منضبط کرنے کے عمل کا نام سائنس ہے اسی طرح کلیات کی کلیات کے انضباط کا نام فلسفہ ہے۔ دوسرے لفظون مین اس کے معنی یہ ہین کہ سائنس تو علم بہم پہنچاتا ہے اور فلسفہ اُس کے اصول مرتب کرتا ہے ہر علم کا جداگانہ کام ہے ریاضیات فقط مقدار سے بحث کرتی ہے۔ طبیعیات اور کیمیات کا تعلق بے جان مادہ کے تغیرات سے ہے جاندار اشیا کے تبدلات کی غور و پرداخت علم الحیوٰۃ (بیالوجی) کا فرض ہے۔ اور سوشیالوجی علم المعاشرت کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ بنی آدم کے تعلقات باہمدگر اور نیز اُن کے تعلقات ماضی و مستقبل کی تحقیقات کرے۔ مگر فلسفہ کا کوئی خاص شعبہ علم نہین ہے۔ بلکہ تمام عالم تخیل اُس کے زیرنگین ہے۔ دیگر علوم کا فلسفہ سے وہی علاقہ ہے جو جغرافیہ کا ٹاپوگرافی (تذکرۂ طول البلاد) سے ہے تمام علوم اس کے نوکر ہین، اور اس کی خدمات انجام دیتے ہین بلکہ اُس کی غذا اور زیست کا کام دیتے ہین۔ فلسفہ علوم کی کمائی کو ضابطہ مین ڈھالتا اور ان کے حقائق کو اصول کے قالب مین ترتیب دیتا ہے۔ تھیالوجی تصورات دینیہ اور سائنس نظام عالم کے خیالات بہم پہنچاتا ہے۔ مگر فلسفہ ان دونون کے تصورات کو ایک دوسرے سے جدا کرتا اور ایک [illegible] بہم پہنچاتا ہے جس سے دنیا کی ابتدا اور انسان کی ہستی کے مقصد کی تشریح و توضیح ہوتی ہے۔

ٹامس ہابس کی رائے مین فلسفہ "تعلقات علتی کے علم کا نام ہے۔ ڈے کارٹ کے نزدیک "ممکن الادراک اشیا کے کامل علم کا نام فلسفہ ہے"، اور اس مقصد سے اُس نے ایک سب سے اعلےٰ اور آخری اصول معلوم کرنے کی ضرورت ظاہر کی جس سے علم کا ہر جز معقولیات سے استخراج ہوسکے۔ بڑے بڑے فلاسفر وولف کے خیال مین فلسفہ "ممکنات کے علم" کا نام ہے۔ کانٹ نے فلسفہ کی تشریح یہ کی ہے کہ تصورات سے استدلال کرکے جو علم حاصل کیا جائے فکٹ کے نزدیک فلسفہ "علم العلم" ہے۔ ہیگل نے فلسفہ کی تشریح کرتے ہوئے اُسے قادرِ علے الاطلاق کا علم" قرار دیا ہے۔ ہربارٹ کہتا ہے کہ تصورات کی ترتیب اور تشریح کا نام فلسفہ ہے۔ پاؤل زن لکھتا ہے کہ "تمام علوم کا لب لباب فلسفہ ہے۔ بینگ اور بیبیس کے خیال مین تجربات معنوی کے سائنس کا نام فلسفہ ہے۔ وونٹ کہتا ہے کہ "خاص علوم کے وسیلہ سے جو ہر قسم کے معلومات

[1] مقدمہ ملاحظہ ہو۔

حاصل کیے جاتے ہیں۔ انہیں ایک اصول اعظم کے تابع کرنے کے عمل کا نام فلسفہ ہے۔ جرمن فلاسفر یوربیب دیگ نے جو تشریح کی ہے وہ آجکل کے خیال کی مظہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلسفہ اصولیات کا علم ہے[51]۔ جرمن پروفیسر ڈیبر لکھتا ہے کہ کائنات کے جامع خیال کی جستجو اور تجسس یعنی موجودات کی جامع ومانع توضیح کی کوشش کا نام فلسفہ ہے۔ یہ علوم کا فقط خلاصہ ہی نہیں بلکہ ان کا اختتام اور تکمیل بھی ہے۔ یہ علم اعظم اور خصوصیت فن ہے جو سائنس خاص سے متفرق ہے ...... علوم بغیر فلسفہ جسم بغیر روح کے ہے"[52] پروفیسر چارلس ڈ بیرے لکھتے ہیں کہ "لفظ فلسفہ کا اطلاق محسوسات کے اصول اعلے کے علم پر ہوتا ہے" آنریبل پروفیسر ہربرٹ اینڈ لکھتے ہیں کہ "فلسفہ کا مقصد اولی علم ہے' اور یہ وہ علم ہے جس سے علوم اتحاد و یگانگت قبول کرکے ایک ضابطہ کی صورت میں عیاں[53] ہوتے ہیں" "دنیا کی حقیقی ماہیت کی باقاعدہ تحقیقات کا نام فلسفہ[54] ہے" ہربرٹ اسپنسر کی رائے نہایت وقعت کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کلیات کے اعلیٰ ترین علم کا نام فلسفہ ہے..... فلسفہ کامل منضبط علم کا نام[55] ہے" پروفیسر ولیم جیمز جو اس زمانہ کے نہایت مشہور فلاسفر سمجھے جاتے ہیں لکھتے ہیں کہ "لفظ فلسفہ زیادہ تر عالم گیر وسعت کے خیالات پر عائد ہوتا ہے۔ موجودات کے پس پشت کیا اصول ہیں جس سے ان کی تشریح کی جاتی ہے؟ انسان، حیوان، اور پتھر کے عناصر مشترکہ کیا ہیں؟ کائنات کے اندر انقلابات کیسے ہوتے ہیں! اور ان کا کیا حشر ہوگا؟ ہمیں اشیاء کا علم کس طرح ہوتا ہے؟ اور انسان کے کردار کے بڑے بڑے اصول کیا ہیں؟ یہ سب فلسفہ کے خاص مسائل سمجھے جاتے ہیں" "موجودات کا علم علل آخری کے وسیلہ سے جہاں تک عقل کی دسترس ہے حاصل کرنے کا نام فلسفہ[56] ہے" اب سب کے اخیر میں فرانس کے مشہور فلاسفر وکٹر کوزان' کے خیالات کا اقتباس بھی ضروری ہے جس سے ہمارا مفہوم بخوبی ظاہر ہو جائیگا: "فلسفہ قوت متفکرہ کی کامل نمو ہے۔ فلسفہ تصورات کی پوجا ہے۔ یہ تخیل کے ہر غیر خارجی عنصر اور صورت کی آخری فتح ہے۔ اور یہ ذہانت اور آزادی کی اعلےٰ ترین صورت ہے۔ فلسفہ تخیل کی سب سے بڑی ترقی اور سب سے بڑا استحقاق ہے۔ فلسفہ نور الانوار اور تمام سندوں میں سب سے بڑی سند[57] ہے۔ الغرض فلسفہ موجودات کے ادراک اور توضیح کے عمل کا نام ہے" پھر فٹ نوٹ ذیلی حاشیہ میں موسیو کوزان کہتا ہے کہ "کوئی ایسا فلاسفر نہیں ہے جس نے فلسفہ کی یہ تشریح نہ کی ہو کہ وہ سب سے بڑی سند اور نوروں کا نور ہے۔ افلاطون اسے شاہی علم" قرار دیتا ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ فلاسفر سے وہ آدمی مراد ہے جو سب باتوں سے واقف ہو اور سب مشکل مسائل کو سمجھتا ہو۔ علوم فلسفہ سے زیادہ ضروری تو ہیں مگر اسکے برابر عمدہ نہیں ہیں۔ فلسفہ جملہ علوم کا سرتاج ہے' سب پر حکمران ہے' اور ہر واقعہ کی علت سے بحث کرتا ہے۔ فلسفہ سب علوم سے بڑھ کر آزاد ہے یعنی کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ اپنا مقصد آپ ہی ہے"

امید ہے کہ ان مختلف فلسفی اقتباسات سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ فلسفہ کیا ہے؟ اور اسکی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟ فلسفہ کی ایسی جامع تشریح پیش کرنا جیسے اقلیدس یا ریاضیات کے کسی مسئلہ کی ہوسکتی ہے بہت مشکل ہے۔ ہر فلاسفر اپنے خیال کے مطابق اسکا مفہوم ادا کرتا ہے۔ عامیانہ معنے میں فلسفہ سے

---

۵۱ یہ تمام تشریحات کولپ کی "تمہید فلسفہ" ص۱۰۹-۱۱۱-۱۲ سے ماخوذ ہیں
۵۲ "تاریخ فلسفہ" ص۱-۲۔ ۵۳ "مسائل فلسفہ" ص۱۳۹
۵۴ "تاریخ فلسفہ" پروفیسر ویب ص۱
۵۵ "فرسٹ پرنسپلز" ص۱۰۲-۱۰۴
۵۶ "مسائل فلسفہ"
۵۷ "ہسٹری آف ماڈرن فلاسفی" ص۲۳-۲۴-۲۵ پہلی جلد



مسٹر جے آر رات ' جرنلسٹ ' لاھور

مراد دنیاوی معاملات کی معقول واقفیت ہے۔ نظر غائر سے کسی معاملہ کو دیکھنا بھی اسی کے تحت میں آتا ہے۔ فلسفہ لغوی طور پر یونان میں شروع ہوا جو ابتدا میں وہاں پر مشاہدۂ فطرت، تغیرات موجودات، اور انکی علت غائی کی تحقیقات سے وابستہ تھا۔ کچھ عرصہ تک طبیعیات اور طبعی مظاہر کی تفتیش اسکا بڑا مقصد رہا۔ پھر انسان اور اسکے تعلقات زمانی اور مکانی اور روزانہ زندگی کے کاروبار فلسفیانہ تجسس کا اہم بحث بنے ارسطو نے اسکی کھال اُتاری اور اسکے اجزا الگ الگ کرکے مظاہر قدرت کو مظاہر فطرت انسانی سے بالکل جدا قرار دیا اور ان ہر دو قسم کے مظاہر کی علت العلل کائنات کے پس پشت ہستی یعنی ارض و سما کے خالق اور یہ کہ اسکے تعلقات انسان اور دنیا کے ساتھ کیا ہیں؟ اُن کی تحقیقات مابعدالطبیعیات کے سپرد کی۔ بعد کے زمانوں میں جو علمی ترقیاں ہوئیں وہ اسی قاعدہ کی پابندی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ زمانۂ حال کے محققوں نے قدما کے راستہ پر چلنے سے انکار کیا اور فلسفہ اور سائنس کا دائرۂ عمل الگ الگ کردیا۔ لیکن جب اس لفظ سے مراد انسان کی عقلی قوت کا اپنے اردگرد اور اوپر نیچے کے واقعات اور اسباب کی طرف خصوصیت سے رجوع ہونا لیا جائے تو فلسفہ کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب انسان کے اندر سوچنے کی طاقت پیدا ہوئی۔ جب یہ کیفیت ہے تو انسان کی توجہ سب سے پہلے قدرتی واقعات کی طرف مائل ہوتی ہے۔ پھر اُن کے اسباب کی تحقیقات کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ فلاں قدرتی واقعہ کس وجہ سے ہوے؟ دونوں کے درمیان کیا رابطہ ہے؟ پھر ان دیدنی مظاہر قدرت کے سلسلہ کا غیر دیدنی اسباب سے کیا علاقہ ہے؟ پھر ان سب کا آخری سبب کیا ہے؟ اور عالم کے اندر جو مختلف انقلابات دیکھے جاتے ہیں یہ کیوں ہوتے ہیں؟ اور ان کا محرک اصلی کون قوت یا ہستی ہے؟ اسکے ساتھ میرا کیا واسطہ ہے؟ موجودات اور میرے درمیان کیا نسبت ہے؟ پھر ہم دونوں کا غیر وجود مطلق کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور ان تینوں کے باہم دگر کیا تعلقات ہیں؟ رفتہ رفتہ یہ سب سوالات فلسفہ کے موضوع قرار پائے۔ اسلیے تمام اسباب پر نظر ڈال کر فلسفہ کی مختصر تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ وجود مطلق اور اسکے تعلقات عالم و انسان اور پھر ان تینوں کے تعلقات باہم دگر کی تحقیقات، اور عالم اسباب کے مظاہر مرئی اور ان کے غیر مرئی محرکات کا علم حاصل کرنے کا نام حکمت یا فلسفہ ہے۔ اسکے ساتھ ہی اس علم کا طریقۂ تحقیقات اور عقل انسانی کی قوت مدرکہ اور ہمارے حاصل کردہ علم کی صحت اور کمالیت کا مسئلہ بھی اسی سے وابستہ ہے جو فلسفہ میں شامل ہے۔"

فلسفہ کے مسائل کیا ہیں اور انھیں وہ کس طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے؟ یہ بھی دلچسپ بحث ہے جس پر اس اہم بحث کو الوداع کہنے سے پیشتر بحث کرنا مناسب ہے۔ فلسفہ بعض خاص آدمیوں کا خواب نہیں ہے بلکہ فطرت انسانی کی ابتدائی ضرورت کی لازمی نمو ہے۔ تخیل انسان اور حیوان کے درمیان سب سے بڑا مابہ الامتیاز ہے۔ فلسفہ کا مبدأ انسان کی قوت متفکرہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکے یہ معنی ہیں کہ فلسفہ کے مسائل وہ تصورات ہیں۔ جو انسان کی زندگی پر حکمران ہیں۔ بقول کوزان "فلسفہ عقل کا بیٹا ہے" فطرت انسانی کی ضروریات یعنی بڑے بڑے تصورات (۱) سودمندی اور استفادہ کا خیال جو ریاضیات طبیعیات، صنعت و تجارت، اور اقتصادات کے متعلق کوششوں سے ظاہر ہے۔ (۲) عدل کا خیال جس کے سبب سے حکومت وجود میں آتی ہے تاکہ خود غرضوں کو راہ انصاف پر چلنے کو مجبور کرے۔ اسی سے علم اخلاق پیدا ہوا ہے۔ (۳) حسن کا خیال، انسان خوبصورت

چیزون کا طبعاً شیدا ہے۔ اس سے علم حُسن وجود مین آیا۔ (۴) خدا کا عقیدہ جو ہر ایک دل مین فطرتی ہے۔ یہ الٰہیات کا بانی ہوا ہے۔ اور (۵) ان خیالات مین سب سے اعلےٰ و بالا سچائی (سچ) کا خیال ہے جسے دوسرے لفظون مین ہستی و نیستی کا مسئلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ حق کیا ہے؟ وہ کونسی چیز ہے جسے زوال نہین اور جو ہمیشہ جون کی تون رہے گی؟ اس سے مابعدالطبیعیات کی عقل کو حیران کرنے والی اشیا معرض ہستی مین آئی ہین یا ان تصورات کو فلسفی طریقہ مین یون کہنا مناسب ہوگا کہ (۱) سب سے مقدم نظریۂ عالم کا جامع تصور ہے۔ اسکے لیے ضروری ہے کہ علوم موجودہ کے جتنے مختلف پہلو ہین اُن سب کو مدّنظر رکھا جائے یعنی عالم کی بابت کتنے قسم کے خیالات ہین؟ کن کن علوم کے سربراہون نے اُنھین قائم کیا ہے؟ اگرچہ اس سے اُن خیالات کی صحت کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ عالم کی بابت وسیع سے وسیع خیال قائم کیا جائے۔ اسکے علمی اور عملی دو پہلو ہین۔ کیونکہ تصور عالم ہماری زندگی پر ایک حد تک حکمران ہے۔ (۲) فلسفہ سائنس کے مقدمات کی حقیقت کا بھی کھوج لگاتا ہے۔ اس سے ظرف، زمان، سببیّت وغیرہ کے تصورات اور نیز سائنس کی تحقیقات کا طریقہ اور اُسکی مختلف صورتون پر بھی بحث لازم آتی ہے۔ فلسفہ تمام علوم کے واقعات جیسے کیمیات، علم الحیوٰۃ، تشریحات، افعال الاعضا، جغرافیات، ارضیات، فلکیات، طبیعیات، اقتصادات، ملکیات، (پالیٹکس)، علم المعاشرت، دینیات، تاریخ، لسانیات وغیرہ پر آزادانہ نظرثانی کرکے اُنکی صحت اور معقولیت کی بابت اپنا فیصلہ صادر کرے۔ (۳) طبقہ مین فلسفہ کا یہ کام ہے کہ خاص اور نئے علوم اور خاص تحقیقی علم کے لیے راستہ تیار کرے۔ مابعدالطبیعیات ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے علوم کے تسلسل مین بہت جگہ رخنے ہین جنھین پر توقف کرنا ضروری ہے۔ فلسفۂ تاریخ مین اس قسم کی کوتاہیان نہین ہین یا سائنس کے کئی شعبون مین ابھی تحقیقات کی بڑی گنجائش ہے اس وجہ سے فلسفہ کی تنقید سے یہ خامیان دور ہوکر علوم کا سلسلہ برابر قائم رہیگا —

اس حصۂ مضمون پر قدرے وضاحت سے بحث کرنے کی ضرورت ہے فلسفہ کے پُرانے مسائل کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) حقائق کی تحقیقات محسوسات یا عالم پر گہری نظر۔ (۲) اس سے کاسمولاجی (موجودات اور آفرینش) بیالوجی (علم الحیوٰۃ) یعنی جاندارون کی نسبت تحقیقات سائیکالوجی (علم النفس) یعنی انسان کی ذہنی اور اخلاقی کیفیتون کی غور پرداخت اور تھیالوجی (الٰہیات) یعنی خدا کو دنیا کا سبب اولین قرار دے کر اُسکی نسبت سوچ بچار کے مطالعہ اور تجسس کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ (۲) حقائق کے علاوہ ذہنی یا تخیلات کی تحقیقات بھی لازم آتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان اصولون پر غور کرنا ضروری ہے جن کی پابندی سے انسان کسی مسئلہ پر استدلال کرتا ہے۔ اس سے منطق اور علم استحسانات (ایس تھیٹکس) جس سے پسندیدہ چیزون کے حصول کے آدرش ابھار پاتے ہین، اور اخلاقیات کی تحقیقات جس سے اخلاقی قواعد کے مطابق ہماری کردار ہدایت پاتی ہے ضرور ٹھہرتی ہے۔ (۳) حقائق اور تخیلات کے درمیان ایک اور علم حائل ہے جو ایپسٹما لوجی کہلاتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ ہمارے خیالات کس حد تک حقائق کی اصلیت سے مطابقت کھاتے ہین۔ اس سے ظاہر ہوا کہ فلسفہ کے دو بڑے عالم ہین جنکی موجودات سے اسکا سروکار ہے۔ اول عالم محسوسات جو عالم اور انسان پر حاوی ہے۔ خدا کا ان دونون سے کیا تعلق ہے؟ اسکے بعد علم اور حقیقت (معلومہ) کے تعلق درمیانی کا علم ([illegible]) ہے (دوم) عالم خیال جس مین (۱) تخیل۔ (ب) اظہار منتہائے کمال اور (ج) کردار انسانی ہے۔

چونکہ انسان ہی ان تمام مسائل کے حل کرنے کے درپے رہتا ہے اس وجہ سے ابھی سے شروع کرنا چاہیے یعنی سب سے پہلے یہ مسئلہ ہے کہ انسان کو موجودات کا علم کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اس وجہ سے تعلم و حسیس اور تفعیل سے بحث لازم آتی ہے۔ بعدازاں ان تینون عمل کے قواعد پر غور کرنا مناسب ہے۔ علم کی قدر و قیمت پر بحث کرنے کے بعد ہم عالم انسان اور خدا کی ہستی پر غور کرنے کے قابل ہوجاتے ہین۔ اس لیے فلسفہ کے مسائل چار گروہون مین منقسم ہونے چاہئین۔

اول۔ ذات یا من ([illegible]) کی مختلف حالتون کی تحقیقات ہے۔ اس سے سایکالوجی کی ضرورت ہے۔ اور یہ تین بڑی کیفیتین ہین۔ (ا) شعور ادراکیہ۔ (ب) شعور جذباتیہ۔ (ج) شعور فعلیہ۔

دوم۔ اصولیات یا علوم قانونیہ۔ (۲) قانون تخیل۔ منطق (ب) علم حسنات۔ (ج) کردار اور ارادت (اخلاقیات)

سوم۔ عمل ادراکیہ کا معلومات سے کیا تعلق ہے؟ یہ ایپسٹمالوجی یعنے عالم اور معلوم کے متعلق باہمدگر کا مسئلہ ہے۔

چہارم۔ فلسفیانہ تحقیقات یا مابعدالطبیعیات۔ اسکے تحت مین تین وجودون کی ماہیت کے متعلق مسائل آئے ہین۔ (۱) دنیا۔ (۲) انسان۔ (۳) خدا۔

قصہ کوتاہ سایکالوجی، منطق، حسنات، اخلاقیات، ایپسٹمالوجی مابعدالطبیعیات، کاسمولوجی، فلسفہ ذہن، اور الٰہیات کے مسائل فلسفہ کے دائرۂ عمل مین آتے ہین۔ ان کی جداگانہ صورتون کو تفوقیت دینے اور اتحاد و انضباط کے شکنجے مین کسنے والا ہی فلسفہ ہے۔

فلسفہ کی ابتدا کی بابت افلاطون اور ارسطو کا یہ خیال ہے کہ تعجب یا حیرت سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ جب کوئی امر پیش آتا ہے جبتک اس کی توجیہ نہو جائے ذہن پریشان رہتا ہے اور ان اسباب اور اصولیات کی تفتیش کرنے مین مصروف رہتا ہے جو ایک واقعہ کے محرک اور موجب ہوتے ہین۔ غور و فکر اور تحقیقات حکمت کی ہستی کے بڑے رکن ہین۔ اور انسان کی قوت مدرکہ اور طاقت متفکرہ پر اس کا دارومدار ہے۔ منطقیانہ قاعدہ سے استدلال کرنا جس مین طریقۂ استقرا اور استخراج دونون شامل ہین۔ فلسفہ کا دستورالعمل ہے جس سے وہ نہایت مشکل مسائل پر بحث کرکے معقول حل ہم پہنچاتا ہے۔

سردست اس مقام پر اسی بحث سے رخصت لی جاتی ہے بشرط فرصت آئندہ فلسفہ کے عظیم مسائل پر بحث ہوگی۔ اس مضمون کا مقصد شائقین کو پیچیدہ بحثون کے لیے تیار کرنا ہے اسی وجہ سے قدرے تفصیل سے کام لیا گیا۔ کہ آئندہ کے لیے راستہ صاف ہوجائے۔

جے۔ آر۔ راے

رباعی

جب اٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے — پھر ہو گی جدا نہ سرگرانی سر سے

کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤن مارے سے انیس — جسوقت گذر جائیگا پانی سر سے

اہل اسلام کے علمی احسانات

…… وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کامون کو
جو یاد رکھنے کے قابل ہین بھلا دے - یا اُنکو نہ جانے - (سرسید مرحوم)

حضرات ! - موجودہ اقوام کے طرز معاشرت پر غور کرنے سے مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ اگر پانچ ہزار برس کی تاریخ عالم پر مسلسل نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ ایک قوم کی تاریخ دوسری قوم کی تاریخ سے وابستہ ہے اور تاریخ تماشاگاہ عالم پر گذشتہ واقعات کو بار بار مشاہدہ کے لیے پیش کرتی ہے -

اگر تاریخ اسلام مین اُن وجوہ پر غور کیا جائے جنکی بنا پر عرب کی شب تاریک روز روشن مین تبدیل ہوگئی اور آفتاب علم نصف النہار پر پہنچ گیا تو تاریخ تبلائیگی کہ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ خلفاء اسلام نے کتب خانون کی بنیاد ڈالی - فنون کے ہر شعبہ کی سرپرستی کی - یونانی عبرانی سُریانی، سنسکرت کی تصانیف کے ذخیرے جمع کیے اور اُن تصانیف کا عربی و فارسی زبان مین ترجمہ کیا -

ابتدا ہی مین مسلمانون کو اپنی فتوحات کی وجہ سے مختلف اقوام سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور جسقدر یہ تعلقات بڑھتے گئے اُسیقدر اُنکو دوسری قومون کے علوم و فنون اور خیالات سے زیادہ واقفیت ہوتی گئی - اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ قرون وسطیٰ مین مسلمانون نے دنیا کی تمام قومون کا علمی سرمایہ اپنی زبان مین منتقل کرلیا تھا - انہین وجوہ سے مسلمانون نے جس سرعت سے دولۃ الکبریٰ کے صوبون کو تھوڑی سی مدت مین زیر نگین کیا اُسی سرعت کے ساتھ فلسفہ اور سائنس کی مملکتون کو بھی مسخر کرلیا -

بنی اُمیہ

آغاز تراجم کتب یونانی | خلفاء بنی اُمیہ کے عہد سے تراجم علوم یونانی کی بنیاد پڑی - اول جو ترجمے ہوے انکا تعلق صرف علم طب سے تھا - پھر فلسفہ اور حکمت وغیرہ کی کتابون کا ترجمہ کیا گیا، اور چونکہ مسلمانون مین یہودی اور مسیحی اطبار کے سبب سے علوم یونانی کا رواج ہوا تھا اسلیے عہد اسلام مین ان علما اور حکما کی کمال عزت کی جاتی تھی اور اُن کا اقتدار بھی وزرا سے کہین زیادہ ہوتا تھا - نہ صرف یہی بلکہ تمام امورات معاشرت مین مسلمانون اور غیر اقوام کے حقوق مساوی تھے -

خالد بن یزید کے زمانہ مین کتب خانہ کی بنیاد ڈالی گئی جب خلیفہ کو صنعت و حرفت کا خیال آیا تو مصر کے فلاسفرون کو جمع کیا اور علم صنعت کی کتابون کا جو یونانی زبان مین تھین عربی زبان مین ترجمہ کرایا - ۱۳۲ھ مین سلطنت بنی امیہ کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس نے علم خلافت بلند کیا - دار السلطنت دمشق سے بغداد کو منتقل ہوا لیکن علماء نے جو سلسلۂ تراجم و تصانیف کا جاری کرسکھا تھا ویسا ہی ترقی کرتا رہا کہ آیندہ کامیابی کی ایک مستحکم بنیاد بن گئی -

آغاز تراجم کتب سنسکرت | خلیفہ منصور عباسی نے قیصر روم سے کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے - اسی قدردانی کے سبب دربار خلافت مین علماء و حکماء دور دراز ممالک سے آنے شروع ہوئے -

خالد برمکی وزیر سلطنت نے فارسی النسل ہونے کی وجہ سے خاص کر

---

۵ یہ اُس مضمون کا خلاصہ ہے جو مسٹر بی - گھوشال ایم - اے نے اُردو کانفرنس (منعقدہ لکھنؤ) کے اجلاس دوم مین پڑھا تھا - مکمل مضمون کتابی صورت مین شائع ہوگا (ایڈیٹر)

کتب ایرانی کا ترجمہ کرایا۔ اُسی زمانہ سے ہند و علما بھی بغداد کے دربار مین جمع ہونے شروع ہوئے۔ علاوہ تراجم کتب فلسفہ وطب واخلاق کے علم ریاضی نے بھی عہد منصور مین بہت کچھ ترقی کی۔ چنانچہ ہندوستان کے ایک مشہور ریاضی دان اور نامور پنڈت نے دربار منصور مین حاضر ہو کر کتاب سدہانت بطور نذر پیش کی جس کا ترجمہ دربار کے ایک عالم محمد بن ابراہیم فرازی نے کیا۔

خلیفہ ہارون الرشید عباسی • | خلیفہ ہارون الرشید عباسی کو جیسے ارباب کمال میسر ہوئے دوسرے خلفا کو نصیب نہین ہوئے

اس عہد مین سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی یہ وہ زمانہ تھا جب قیصر وکسریٰ کے بادشاہون کا سامان اسلامی شاہزادیون کے جہیز مین نکالا جاتا تھا۔ مگر ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد مین علمی فتوحات ہوئین۔ اس خلیفہ نے اُس عظیم الشان دار العلم کی بنیاد ڈالی جس کا نام بیت الحکمت تھا جو دو حصون پر منقسم تھا۔ ایک کتب خانہ کے لیے اور دوسرا غیر زبانون کے تراجم کے لیے۔

وزیر یحییٰ برمکی کے کتب خانہ مین مشہور خوش نویسون کی لکھی ہوئی عربی یونانی قبطی کالدی ہندی کتابین عموماً اور فارسی کتابین خصوصاً بکثرت موجود تھین[له]۔ اسی نے بڑے بڑے نامی پنڈتون اور حکماء کو دربار مین بلا کر کتب سنسکرت کے تراجم پر مامور کیا۔ چنانچہ ایک ہندی نے بھی جو خلیفہ کے دربار کا افسر الاطبا تھا چرک اور سسرت کا ترجمہ کیا۔

فن کاغذ سازی | حکومت عباسی کا دور شروع ہونے کے بعد اہل عرب نے کاغذ لکھنا شروع کیا۔ جب فضل بن یحییٰ برمکی نے کاغذ بنانے کا حکم دیا تو مسلمانون نے بغداد مصر شام وغیرہ مین اسکے کارخانے کھولے اسلیے اگر کاغذ بنانے کی صنعت کو فروغ دینے کا مسلمان دعویٰ کرین تو بجا ہے۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی | خلیفہ مامون الرشید عباسی کے علمی ذوق کی نسبت تاریخ شاہد ہے کہ یہ اسکی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ بغداد اسکے عہد زرین مین مرکز علوم وفنون بن گیا۔ مامون کی والدہ ایرانی نژاد تھین اور اُس کا اتالیق سلطنت عباسیہ کا چشم وچراغ وزیر السلطنۃ یحییٰ برمکی ایرانی تھا نیز خلیفہ کی عمر کا ایک بڑا حصہ فارس اور خراسان مین گذرا اسلیے اُس نے فارسی کی ہمیشہ قدر کی۔

فن تاریخ | اور چونکہ فن تاریخ سے مسلمانون کو زیادہ دلچسپی تھی اسلیے تاریخ اور فارسی لٹریچر کا جسقدر سرمایہ ایران مین دستیاب ہوسکا عربی زبان مین منتقل کیا گیا عربون نے ایرانی طرز معاشرت اختیار کی فارسی شاعری کی نئی بنیاد پڑی اور دنیا جانتی ہے کہ فن تاریخ کو مسلمانون نے کس عروج پر پہنچا دیا۔ آج یورپ باوجود ادعاے ہمہ دانی علامہ ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ کا متبع ہے۔

جو معاہدہ خلیفہ مامون نے یونانی فرمانروا میکائیل ثالث سے کیا تھا اس مین یہ بھی شرط تھی کہ قسطنطنیہ کا ایک کتب خانہ اُسکے حوالہ کر دیا جائے نیز خلیفہ کے کارکن دور دراز ممالک سے نادر قلمی کتابین جمع کرتے تھے۔ اس طور پر جو علمی خزانے خلیفہ المامون کے ہاتھ آئے اُن کا ترجمہ صرف زر کثیر عربی زبان مین کیا گیا۔ علاوہ اسکے بہت سے تراجم متمول اور علم دوست اشخاص کی علمی فیاضیون کے بدولت اُس زمانہ مین مرتب کیے گئے۔ چنانچہ ایک نسطوری طبیب نے اس قسم کا ایک سلسلہ بغداد مین قائم کر رکھا تھا۔ یہ شخص ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور دیگر مشاہیر یونان کی تصانیف کے تراجم شائع کرتا تھا۔

اس زمانہ مین کوئی وزیر کوئی امیر کوئی عالم ایسا نہ تھا جسکے گھر مین کتب خانہ موجود نہ ہو یا کتابون کے مہیا کرنے مین بے دریغ روپیہ صرف نہ کرتا ہو۔

[له] دیکھو کتاب البرامکہ مصنفہ مولوی عبد الرزاق کانپوری۔

مسلمانان سلف مین عموماً علمی ذوق

مسلمانان سلف مین عموماً علمی مذاق کا اندازہ ان تاریخی واقعات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔کہ بڑے بڑے اساتذہ کی مجالس املا مین چالیس بلکہ ستر اور کبھی سوا سوا لاکھ طلبا رکا ہجوم ہوتا تھا۔خیال فرمانے کی بات ہے کہ جس قوم کے افراد ایک ایک مجلس علمیہ مین سوا سوا لاکھ جمع ہوجائین اُس قوم کے سینے مین ذوق علمی کی آگ کیسی کچھ بھڑک رہی ہوگی[۱]

حضرات! یہ اعلےٰ درجہ کا علمی مذاق اُسوقت بھی بدستور قائم رہا جبکہ اختلافات اندرونی کی وجہ سے عربی سلطنت تین جداگانہ حصون مین تقسیم ہوگئی تھی۔بنی عباس ایشیا مین، بنی فاطمہ مصر مین اور بنی اُمیہ اندلس مین، جس طرح ایک دوسرے کے سیاسی رقیب تھے اُسی طرح علم وادب اور حکمت وانشا کی سرپرستی مین بھی اُنکی یہی کوشش تھی کہ ایک دوسرے پر فوق لیجائے۔

قاہرہ کے کتب خانہ فاطمیہ مین ایک لاکھ پچاس ہزار نسخے ایسے موجود تھے جن کا خط نہایت پاکیزہ اور جلدین نہایت خوشنما تھین اس کتب خانہ مین ایک شعبہ تراجم کے لیے مخصوص تھا۔

اندلس

خلفاے اندلس کی کتابون کی تعداد رفتہ رفتہ چھ لاکھ ہوگئی جس کی فہرست ہی چالیس جلدون پر مشتمل تھی۔اس شاہی کتب خانے کے علاوہ ستر کتب خانہ ایسے تھے جن مین ہر شخص جاکر اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرسکتا تھا۔یورپ مین کاغذ بنانے کی صنعت مسلمانان اندلس کی بدولت آئی۔قرطبہ مین عام دستور تھا کہ ہر امیر ایک جدا کتب خانہ قائم کرتا اور یہ کوشش کرتا تھا کہ اُسکے کتب خانے مین ایسے نادر نسخہ موجود ہون جن کی نظیر دوسرے کتب خانون مین نہ ملے۔یہی وہ شہر تھا جہان سے علم کی روشنی سارے یورپ مین پھیلی۔

یورپ مین علم جغرافیہ

عرب کا مشہور معروف جغرافی ابو عبداللہ وطن چھوڑکر قرطبہ مین آیا تھا اور اُسی نے وہ بے نظیر جغرافیہ لکھا جس کا لاطینی زبان مین ترجمہ ہوکر علم جغرافیہ یورپ کے ازمنہ متوسط مین پھیلا اور تین صدیون سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر قناعت کی۔

اسپین مین تعلیم نسوان اور مذہب کا ایک اہم پہلو

موجودہ طرز معاشرت مین عورتون کا جاہل رہنا سوسائٹی مین کچھ اچھی نظر سے نہین دیکھا جاتا۔شہنشاہ نپولین اعظم کا قول ہے کہ کسی قوم کو اعلیٰ درجہ کی ترقی دینے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اُس قوم کی ماؤن کو تعلیم یافتہ بنایا جائے۔فاتح یورپ کے صدیون قبل اسپین وایشیا کے عہد اسلام کا سب سے شاندار مہذب نظارہ اُس زمانہ کی تعلیم یافتہ عالی دماغ اور بلند حوصلہ خواتین اسلام کا علمی ذوق وشوق ہے۔

حضرات! یہ ایک امر مسلم ہے کہ عورتین تمدن کی بنیاد ہین اور ترقی تمدن کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عورتون اور مردون کے حقوق برابر قائم کیے جائین۔

سائنس[۲]

حضرات! یورپ کو آجکل سائنس کی علمی وعملی ترقیون پر بڑا فخر ہے۔ہان، شاید یورپ کی باریک بین نظر نے کسی رازِ سربستہ کو دریافت کرلیا ہو؟ شائد معماے حیات کے حل وعقدمین یورپ کامیاب ہوگیا ہو۔؟ ممکن ہے کہ ماہیت اشیا یورپ پر منکشف ہوگئی ہو۔یا یورپ کی عقل دوربین اور فہم نکتہ رس نے فلکیات کے مسائل کماحقہ دریافت کرلیے ہون۔کیا ایسے راز پر جس کی نسبت کہا گیا ہے۔

"کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت این معمارا"

مادی خیالات۔مادی سائنس اور فلسفہ کے مکاشفات کما لیہ کسی نوع کی روشنی ڈال سکتے ہین؟ ہرگز نہین!۔بلکہ اس تمام تر کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ سائنس نے ایک مدت کی کاہش وسرگردانی سے زمانہ کو

---

[۱] دیکھو کتاب "علماے سلف" مولفہ مولوی حبیب الرحمن خان شروانی مطبوعہ علیگڈھ۔

[۲] دیکھو کتاب "معارج الدین" مصنفہ مولوی نواب علی ایم۔اے پروفیسر بڑودہ کالج

دہریت اور الحاد کے گرداب مین ڈبو کر بجھایا۔ اور سمجھایا بھی تو کیا کہ "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد"

مسئلہ ارتقا | خود مسئلہ ارتقا کو لیجیے جو نظام سائنس کا آفتاب بن چکا ہے اور جسے ہم ڈارون کا اکتشاف جدید سمجھتے ہین -

حضرات! اس مسئلہ کی تعلیم مدارس اسلامی مین اُس وقت دیجاتی تھی جب یورپ اُس سے بالکل بیخبر تھا - اور ہم تو پھر بھی اُسکے محدود معنی لیتے ہین وہ ہم سے ایک قدم آگے بڑھے ہوے تھے اور جمادات تک کو اُسکے حیز عمل مین داخل سمجھتے تھے جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کو صوفیانہ پیرایہ مین منظوم کیا ہے -

آمدہ اول بہ اقلیم جماد	وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتے عمر کرد	وز جمادی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چون بہ حیوان اوفتاد	نامدش حال نباتی ہیچ یاد
جز ہمان میلے کہ دارد سوے آن	خاصہ در وقت بہار ضیمران
باز از حیوان سوے انسانیش	میکشد آن خالقے کہ دانیش
ہمچنین اقلیم تا اقلیم رفت	تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت
عقلہاے اولینش یاد نیست	ہم ازین عقلش تحول کردنی ست
تا رہد زین عقل پر حرص و طلب	صد ہزاران عقل بیند بوالعجب

اور یہ بات قابل غور ہے کہ باوجود اس خیال کے کہ الحادی اور مادی خیالات سائنس کے لوازمات سمجھے جاتے ہین اسپین کے مسلمانون پر ملحدانہ خیالات کا کوئی اثر نہین پڑا جس سے یورپ کے مصلحان تمدن کو موجودہ طرز معاشرت پر کوئی فخر نہین ہے" کیا یورپ کا یہ اخلاقی اور روحانی تنزل اس بات کی دلیل نہیں کہ علم کا غلط استعمال حجاب اکبر ہوجاتا ہے؟

یورپ مین علم طب | مسلمانون نے مسئلہ ارتقا کے علاوہ کیمیا کے بعض نہایت اہم اکتشافات دریافت کیے - مثلاً بارود جس سے یورپ کا فیوڈل سسٹم اڑ گیا - گندھک و شورہ کا تیزاب جس سے اُنھون نے مطب مین بھی کام لیا اور معدنیات کے کُشتہ جات یعنی رسائن کی بدولت تو اُنھین یورپ کی اُستادی کا فخر حاصل ہے چنانچہ یورپ کا پہلا طبی مدرسہ عربون نے اطالیہ کے ایک شہر مین قائم کیا اور یورپ نے پندرھوین صدی تک طب مین شیخ بوعلی سینا ہی کو مستند جانا -

یورپ مین علم ریاضی | علم ریاضی بھی سنسکرت سے ترجمہ ہوکر مسلمانون کی بدولت عربی زبان مین داخل ہوا اور یورپ نے عربون ہی سے حساب کے ہندسی طریقہ کو رواج دیا - جبر مقابلہ ہندوستان سے عرب مین گیا اور وہان جابر ایسے ریاضی دانون نے اُسے ترقی دی چنانچہ الجبرا کے نام ہی سے اسکے اشاعت کنندہ کا پتہ چلتا ہے -

علم نجوم | عربون نے اول اس علم کو ہندوؤن سے حاصل کیا - مابعد یونان سے جو علوم و فنون کا سیلاب آیا اُسمین نجوم کا بھی خاص حصہ تھا پھر خلفاے عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو معراج کمال تک پہنچا دیا - قرون وسطی مین سات سو برس تک علم ہیئت بھی یورپ مین مسلمانون ہی کے تحفظ مین رہا - اور پہلی رصدگاہ جو یورپ کو نصیب ہوئی وہی تھی جو خلفاے بنی امیہ کی سرپرستی سے اسپین مین قائم ہوئی -

خیامی اصلاح سنہ | پارسیون مین جو سنہ مروج ہے جسکو وہ یزدجردی سمجھتے ہین یہ سنہ دراصل حکیم عمر خیام نیشاپوری کا مرتب کیا ہوا ہے جسکو ہم فخریہ خیامی کہہ سکتے ہین - خراسان کے اس دوسرے بوعلی سینا کے فضل و کمال کا اسوقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب سنہ جلالی کا گریگورین رول سے مقابلہ کیا جاے - بلکہ بعض علماء کی راے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے گریگوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہے - علماء مشرق و مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا وہ اقوام متمدنہ کے حساب سے سب پر فائق ہے -

علم جرثقیل | علم جرثقیل مین انھون نے گرتے ہوے اجسام کے قوانین دریافت کیے

جسکو ہم نیوٹن کا اکتشاف جدید سمجھتے ہین اور قوت کشش ثقل کی ماہیت سے بھی وہ نابلد نہ تھے - فرانس کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ ہمکو اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہین کہ مسلمانون کے عہد مین فن جر ثقیل کمال کے کس درجہ تک پہنچ گیا تھا -

فلسفہ جس طرح مسلمانان اسپین یورپ کے علمی علوم کے استاد ہین اسیطرح ابن رشد نے علم فلسفہ مین یورپ کو اُسی شاہراہ پر چلایا جس پر اہل چین و اہل ہند غرض مشرق کی تمام قومین چل رہی تھین اور اسپین ہی وہ مرکز تھا جہان سے آفتاب فلسفہ کی شعاعین نکل کر یورپ کے علمی و عملی حلقون مین پھیلین - اطالیہ جرمنی انگلستان مین بھی فلسفہ ابن رشد پھیل گیا اور عیسائیون کے فرانسسکن فرقہ نے اس فلسفہ کو خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا - پیرس کی یونیورسٹی کو اسکا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا یہودیون مین بھی جو اُس زمانہ مین عقل و دانش کی کرسی پر متمکن تھے فلسفہ ابن رشد عام طور سے پھیل گیا تھا مشہور یہودی فیلسوف موسیٰ بن میمون نے اس فلسفہ کو تسلیم کر لیا تھا اور اُسکے شاگردون نے دنیا کے ہر حصہ مین اس فلسفہ کی اشاعت کا فرض پورا کیا اُسی زمانہ مین لوگ انگلستان فرانس و اٹلی سے اسلامی درسگاہون مین اکتساب علم کے لیے آتے تھے چنانچہ ان مین کا ایک جوہر قابل دارالعلم قرطبہ سے نکل کر پاپاے روم کی کرسی پر صدر نشین ہوا - لاطینی عیسویت نے اپنے اصول مین بہت کچھ اسلام کی مطابقت کی - جیسا کہ نہ صرف فقہ اگسٹن بلکہ اُس زمانہ کے عیسوی فلسفہ سے بھی ذہین ایک فرقہ ابن رشد کو اور دوسرا فرقہ بوعلی سینا کو مانتا تھا ظاہر ہوتا ہے

مسلمانان عرب و یوروپین لٹریچر مسلمان اور عیسائیون کے میل جول کا یہ ایک ادنیٰ مگر وسیع الکیفیت نتیجہ ہے کہ عربی زبان سے لاطینی زبان نے فائدہ اُٹھایا - چونکہ لاطینی زبان یورپ کی ام السنہ تھی اس لیے ایک طرف جنوبی یورپ کی زبانون نے اس سے خوشہ چینی کی اور دوسری طرف مشرقی اثرات رفتہ رفتہ کوہستان پیرینیز کو عبور کر کے فرانس اور نارمنڈی تک پہنچ گئے - انھین اثرات کا یہ نتیجہ تھا کہ جب نارمن قوم نے انگلستان کو فتح کیا تو وہ لطائف جو عربی زبان و تراجم سے منتقل ہوتے چلے آتے تھے انگریزی زبان مین داخل ہو گئے اور انگلستان کی قدیم زبان جو ایک محدود زبان تھی وسیع اور لطیف بن گئی -

لیکن ایسے مشہور اور معتبر مورخ نے انھین علمی اثرات کی بابت لکھا ہے کہ اس وقت تک یورپ کی ذہنی دماغی ترقیون مین جان نہین پڑی جبتک مسلمانون کے سائنس نے علوم و فنون کو یورپ کی خانقاہون سے جدا کر کے دارالعلوم مین نہین پہنچا دیا -

اگر کسی کو اس امر سے اب بھی اختلاف ہو اور مسلمانون کی شاندار علمی فتوحات اور انکی عظیم الشان سر بفلک عمارتین خدا نخواستہ سرزمین یورپ سے نیست و نابود ہو جائین تو آسمان خود گواہی دیگا کہ یورپ کو مہذب بنانے مین مسلمانون نے کس درجہ حصہ لیا - چنانچہ ستارون کے عربی نام بھی اسکی شہادت دیتے ہین حضرات! ہی کے ساتھ اگر ہم مشرقی مسلمانون کے علمی مذاق پر تبصرہ کرین تو معلوم ہوگا کہ مشرقی دنیا مین علم و ادب کی اشاعت مین وہ اپنے مغربی معاصرین سے گوے سبقت لیگئے تھے -

دارالعلم غزنی

سلاطین غزنویہ مین سلطان محمود کی علم پروری ایک ایسی خصوصیت امتیازی ہے جو علمی دنیا مین ہمیشہ یادگار رہے گی - چار لاکھ دینار سالانہ خزانہ شاہی سے اُسکے زمانہ مین علمار کو دیا جاتا تھا مگر اُس بادشاہ کی فیاضی صرف عالمون ہی تک محدود نہ تھی - اس نے اپنے عہد حکومت مین غزنی کی جامع مسجد کے متصل بہت بڑا دارالعلم بھی قائم کیا اور اس مین غیر زبان کی ہزارہا کتابین داخل کین - اس دارالعلم مین کتبخانہ کے علاوہ ایک عجائب خانہ بھی شاہی امداد سے قائم تھا - اس عہد کے اساتذہ مین سے عنصری بھی اپنے زمانہ کا مشہور فلاسفر اور بے مثل

شاعر گذرا ہے - ایکمرتبہ سلطان نے عنصری کے چند اشعار پر خوش ہو کر شاعر کے منھ کو تین مرتبہ موتی اور جواہرات سے بھروا دیا - اسدی طوسی کو دنیا جانتی ہے کہ مشہور شاعر فردوسی کا اُستاد تھا - سلطان نے کئی بار اسدی سے شاہنامہ لکھنے کی خواہش کی مگر وہ ہمیشہ ضعیفی کا عذر پیش کرتا رہا - آخر اُسکے نامور شاگرد نے شاہنامہ لکھ کر بقاے دوام کی عزت حاصل کی -

سلطان محمود کے مساعی جمیلہ سے غزنی شعرا اور فلاسفرون اور علماء سائنس کا مرکز بن گیا - اور یہ شہر قرون وسطی کے بلونا اور پیڈوا کی طرح مشہور ہوا - اُسی زمانہ مین آل سبکتگین کا تذکرہ عتبی نے اپنی تاریخ یمنی مین کیا ہے -

سلطان مسعود غزنوی سلطان مسعود بھی مثل اپنے باپ کے حکما اور علما کا قدردان تھا اور اُن سے اسقدر مانوس تھا کہ دربار ہمیشہ عالمون سے بھرا رہتا تھا - اسکے زمانہ مین انورخان خوارزمی نے علم ہیئت پر کتاب مسعودی لکھ کر ایک ہاتھی کے ہموزن چاندی انعام پائی تھی - کتاب روضۃ الصفا مین ذکر ہے کہ اس سلطان نے کئی دار العلوم اور اسکول اپنے ملک کے شہرون مین جاری کیے - البیرونی کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے مسلمان ہندی علم ہیئت ریاضی نجوم فلسفہ و طب کے بیحد شائق تھے - اسی کی کتابین دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ مین سنسکرت کی کتنی کتابون کا ترجمہ کیا گیا - خود بیرونی سنسکرت زبان کا بہت بڑا عالم اور پاتنجلی کا مترجم گذرا ہے -

سلطان بہرام بن مسعود سلطان بہرام بن مسعود غزنوی بہت بڑا تشنۂ علم تاجدار تھا - اس بادشاہ نے علمی دنیا مین نئی روح پھونکی - مخزن اسرار کا مصنف اسی کے دربار کا وظیفہ خوار تھا اس سلطان نے کئی ہندی کتب کا ترجمہ کرایا - کلیلہ دمنہ اسی کے عہد مین ترجمہ ہوئی جس کو مرزا حسین واعظ کاشفی نے بدل کر انوار سہیلی کے نام سے موسوم کیا -

آل سلجوق [1]

حضرات ! اب اُس خاندان شاہی کا قصہ سُنیے جس نے اپنا ایوان حکومت غزنیون کے کھنڈرات پر قائم کیا -

جب سلجوق اعظم کرغیز کے کوہستانی میدانون سے اُتر کر اپنی قوم کو بخارا مین لایا اور وہان مع اپنے تمام توابع کے مسلمان ہو گیا اسوقت دنیاے اسلام کی یہ حالت تھی کہ دولت عباسیہ کا چراغ خود جھلملا رہا تھا - اسپین اور افریقہ خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہو چکے تھے - ایسے نازک زمانہ مین اسلام کی مذہبی اور سیاسی کمزوری رفع کرنے کے لیے ایک زبردست طاقت کی ضرورت تھی جو سلجوقیون کے وجود سے پوری ہوئی - اسلام قبول کرتے ہی ان خانہ بدوش وحشیون کی زندگی مین ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا - اور انکے فتوحات نے مسلمانون کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کو ایسا سنبھالا کہ لوگون کو صحابۂ کرام کا زمانہ یاد آ گیا - سلجوقیون نے مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتون کو ایک سلطنت مین شامل کر لیا - رومیون کی پیش قدمی کا انسداد کیا - نئی ترکی نسل مین مذہبی جوش پیدا ہوا - اور یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام مین مہتم بالشان درجہ ملا ہے -

خواجہ نظام الملک طوسی اور نظامیہ بغداد

خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبداللہ اور برامکہ پر فخر ہے تو الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کا عہد نظام الملک طوسی اور عمر خیام پر ناز کر سکتا ہے - مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ یحیی برمکی اور صاحب ابن عباد کے بعد کوئی وزیر فضل و کمال مین خواجہ نظام الملک کا ہمسر نہین ہوا - علوم و فنون کی اشاعت مین جس فیاضی سے خواجہ نے کام لیا ہے وہ بھی اُسکا خاص حصہ تھا -

[1] دیکھو کتاب "نظام الملک طوسی" مولفہ مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری -

نظامیہ بغداد | خواجہ کی علمی یادگار - ون مین نظامیہ بغداد کا نام تاریخ مین مشہور ہے - نظامیہ کی عمارت مین ایک حصہ خزینۃ الکتب کے لیے مخصوص تھا چنانچہ تکمیل عمارت کے بعد خواجہ نے اُسمین ہزارون کی تعداد سے نادر اور بیش قیمت کتابین داخل کردین -

نظامیہ پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبا کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور یہ مدرسہ ۸۰۰ برس تک قائم رہا - شیخ سعدی رح نے اسی مدرسہ کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی - محض نظامیہ کی تقلید مین مصر شام و عراق مین بہت سے مدارس قائم ہوے اور علَم علم سارے وسط ایشیا مین بلند ہوا -

تصانیف عہد سلجوقیہ | اس زمانہ مین بھی تصانیف کا سلسلہ بدستور قائم رہا خود نظام الملک ایک بڑا مصنف تھا اور اگر آپ اسکے قانون سلطنت کو غور سے مطالعہ فرمائین گے تو معلوم ہوگا کہ زمانۂ حال کا قانون اور ضابطہ بھی سلاطین سابق کے قانون کا خوشہ چین ہے -

حکیم عمر خیام نیشاپوری | خواجہ نظام الملک کے ہمسبق حکیم عمر خیام نیشاپوری نے ملک شاہ سلجوقی کے حکم سے اصلاح رصد کی تھی - خیام کی تصانیف اسقدر مشہور ہین کہ ہمارے بیان کی محتاج نہین - اور خیام کے باثر ہونے مین کیا کلام ہو سکتا ہے جب کہ گذشتہ صدی مین شہر لندن مین "عمر خیام کلب" قائم ہو - یورپ والے خیام کو مشرق کا والٹیر کہتے ہین - فلاسفران یورپ مین شوپن ہاور سلسلۂ خیامی مین داخل ہے اور اس کا فلسفہ فی نفسہ کوئی نیا فلسفہ نہین ہے -

علم و پیشہ | اس عہد مین جسکی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جس نے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو - اور نہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا - عربون کی تجارتی کوششین اُنکے علوم و فنون کی کوششون سے کچھ کم نہین - کئی صدیون تک وہ تمام عالم کا مرکز تجارت بنے رہے اور زمانۂ قدیم مین اُنھون نے وہی کام دیا جو یورپ مین وینیس نے اپنی ترقی کے زمانہ مین دیا تھا - اور پھر لطف یہ کہ باوجود اس حیرت انگیز تجارتی ترقی کے عربون نے نہ تو اپنے تمدن کی بنیاد تجارت پر رکھی نہ تجارت کو قومی دراز دستی کا آلہ بنایا اور نہ ترقی تجارت کو اپنے علمی مشاغل پر غالب ہونے دیا -

اسی علمی ذوق و شوق کا یہ نتیجہ تھا کہ ایران کی مردہ شاعری مین جان پڑی - شیراز ہمیشہ علمی مرکز بنا رہا - بخارا مین دارالعلم قائم کیا گیا مشہد کی علمی شان و شوکت قائم ہوئی - نیشاپور کو علمی فضیلت ملی - تاجدارون نے جا بجا کتبخانے قائم کیے نوح بن منصور کا کتب خانہ ایک بے نظیر کتبخانہ تھا - عضد الدولہ نے شیراز مین ایک کتبخانہ قائم کیا - سیف الدولہ کے کتبخانہ مین فن ادب کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع ہوا - سہل بن مرزبان صاحب بن عباد محمد بن الحسین بغدادی کے کتبخانے یادگار زمانہ تھے اور طوس کے بارہ مین کہا گیا کہ :-

ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ از طوس بود   چون نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

اور یہی نظامیہ بغداد اور اُسکے ماتحت مدارس تھے جنکی اعلےٰ تعلیم و تربیت نے علم کی روشنی پھیلا کر اُس عہد کے مسلمانون کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا

مسلمانان ہند کا علمی مذاق

حضرات ! ہندو مسلمانون کے صدیون کے باہمی تعلقات سے جو اہم نتائج پیدا ہوے اُن کا بیان اس مختصر تقریر مین نہین ہو سکتا لیکن بسبیل ایجاز اتنا کہنا کافی ہے کہ جب اہل اسلام ہندوستان مین آئے تو سب سے پہلے معاشرت مین ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا - ذات پات کی بندشین جنھون نے ہر طرف سے انسانیت کو جکڑ رکھا تھا کمزور ہو گئین اور رفتہ رفتہ ان تعلقات نے سوشل حالات سے گذر کر علمی اور سیاسی شعبہ ہاے حیات کو بھی متاثر کیا - اسلامی مدنیت کی ترقی کو وہ میدان مل گیا جو اس عہد سے پیشتر اُسکو بجز

ممالک مین مل چکا تھا اور جس مین وہ اپنے انتہائی نتائج ارتقا کو ایک عالم کے پیش نظر کر چکی تھی۔ مسلمانون نے یہان بھی متعدد دار العلوم و مدارس قائم کیے۔ چونکہ وہ خود لٹریچر کے مالک تھے اور جانتے تھے کہ کسی قوم کو بے زبان کر دینا اُسکی ہستی کو مٹانا ہے اسلیے اُنھون نے نہ صرف سنسکرت پر اپنی توجہ مبذول کی بلکہ اس ملک کی ایک قومی زبان یعنی بنگالی کو بھی ترقی دینا اپنا فرض سمجھا۔ یہ امر واقع ہے جسکے صحت سے انکار نہین ہوسکتا۔ افسوس ہے کہ عام مورخین بھی اس حقیقت کو ظاہر نہ کرسکے۔ میرے لیے بحیثیت ایک بنگالی ہونے کے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ میرے ہموطن کمار ترنید ناتھ لا نے "ترقی علوم بزمانۂ شاہانِ اسلام ہند" نامی مستند کتاب حال مین شائع کرکے اس فرض کو ادا کیا ہے جو اسلامی علمی کارنامون کی طرف سے بنگالیون پر عائد ہوتا ہے۔

حضرات! اُنھون نے صرف اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ ہمارے اسلامی سلاطین ہند اُن سیاسی رموز سے بھی واقف تھے جس سے مختلف النسل قومین متحد ہوجاتی ہین۔ یہ سلاطین ہندوستان مین آکر ہندی ہوچکے تھے۔ صدیون سے آپس مین ایک نہایت دلکش مفاہمت ہوچکی تھی۔ ملکی رنگ اُن سلاطین اور بزرگان دین پر ایسا چڑھا کہ زبان و مذہب کے اتحاد اور محبت و اخلاص کے برقرار رکھنے مین ایثار کی انتہا کر دی۔ جنگ نہاوند کے بعد پارسیون نے جو نہین کیا تھا وہ کرگذرے۔ اپنی اصلی زبان کو بھی فراموش کر دیا۔ چنانچہ ہندو مسلمانون کے اتحاد و ایثار کی نظیر ایک جانب ہماری پیاری اُردو زبان ہے جو بھاشا کی ترقی یافتہ شکل ہے اور دوسری جانب وہ صوفیانہ خیالات ہین جنمین اور ویدانت کے حقیقی اصول مین کوئی فرق یا تفاوت نہین ہے۔

ہندوستان مین مذہبی اور سیاسی اتحاد

اسی وسیع الکیفیت اتحاد کا نتیجہ تھا کہ گرو نانک دور کبیر کے پیرو وجود مین آئے اور اب بھی بطور زندہ یادگار موجود ہین رہا سیاسی اتحاد سو وہ راجہ اشوک کے بعد ہندوستان مین اُسوقت تک پیدا نہین ہوا جب تک شہنشاہ اکبر نے ہندو اور مسلمانون کو تمدنی طور پر ایک نہ بنالیا اور یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ ہندوستان کی موجودہ معاشرت مین جہان ساسانیون اور یونانیون کا کچھ حصہ ہے وہان مسلمانون کا بھی بہت بڑا حصہ شامل ہے۔

عرب اور ہندوستان

عربون کے تجارتی تعلقات ہندوستان کے ساتھ ابتداے زمانۂ تاریخی سے شروع ہوے لیکن ظہور اسلام کے کچھ ہی مدت بعد سندھ عربون کے تحت حکومت مین آگیا اور ہندوستان مین عرب پہلے پہل آئے۔ نوین صدی کا تذکرہ ہے کہ سندھ مین ہندو مسلمانون کا میل جول اسقدر بڑھ گیا تھا کہ ہندو عربی معاشرت سے اسقدر متاثر نہین ہوے جسقدر خود عرب ہندوستانی معاشرت سے متاثر ہوگئے تھے اسی صدی مین قرآن شریف کا کسی ہندو راجہ کی تحریک پر ہندی زبان مین ترجمہ کیا گیا۔

عربی دور ختم ہونے کے بعد ایرانی دور شروع ہوا۔

خاندان غزنی

خاندان غزنی کا مختصر بیان ہم اوپر کر آئے ہین۔ یہان صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ سلطان محمود غزنی کے زمانہ کے مسلمان ہندو فلسفہ سے خوب واقف تھے اور غزنیون نے متعدد ہندی کتابون کا ترجمہ کرایا، اور سچ پوچھیے تو اردو زبان کی بنا اسی سلطان کے وقت سے پڑی اور اُسی کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ سلطان مسعود نے ممالک محروسۂ ہندوستان کی گورنری پر ایک ہندو سردار کو ممتاز کیا۔

خاندانِ غلامان

ان کو غلام نہ کہیے ہمارے ہمخیال صدر جناب نواب نصیر حسین خان صاحب خیال نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "یہ غلام شاہون کا دل و دماغ لائے تھے

اور ہندوستان کے ساتھ انھون نے شاہانہ سلوک کیے۔ انھین کے وقت مین دلّی نہ باتون کا مرکز اور علوم کا گھر بن کر غزنی اور بغداد پر چشمک زنی کر رہی تھی۔

سلطان ناصرالدین | سلطان ناصرالدین کے زمانہ مین طبقات ناصری لکھی گئی

شاہ بلبن | جب چنگیزخان خراسان کی غارتگری مین مصروف تھا تو شاہ بلبن سریر آرائے دہلی تھا۔ لکھا ہے کہ وسط ایشیا کے پندرہ شاہزادے اسوقت دہلی مین پناہ گزین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بلبن کے دربار مین متعدد علما و فضلا جمع ہو گئے تھے۔

امیرخسرو | امیر خسرو کی شیرین کلامی اسی کے عہد مین مقبول ہوئی۔ خسرو نے خالق باری لکھ کر صرف دو زبانون مین یکسانیت ہی نہین پیدا کی بلکہ دو مذہبی قومون کے جذبات و خیالات کا آپس مین ایک رشتہ باندھا۔

سلطان علاء الدین خلجی | سلطان علاء الدین خلجی کے بارہ مین صاحب فرشتہ لکھتا ہے کہ اس بادشاہ نے بھی متعدد دارالعلوم قائم کیے۔ اور پینتالیس مشہور علما ان مین تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ مین دلی مین ایسے ایسے اساتذہ موجود تھے جو اپنے اپنے علم و فن مین بخارا، سمرقند، بغداد، قاہرہ، دمشق، اصفہان، تبریز کے مشہور اساتذہ سے بڑھے ہوے تھے۔

ابن بطوطہ | عربی مشہور سیاحون مین یہان پر صرف ایک سیاح کا نام آپ صاحبان کے روبرو پیش کرتا ہون۔ ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ مین افریقہ اور ایشیا کی سیاحی کرتا ہوا ہندوستان آیا تھا۔

فیروز شاہ تغلق | فیروز شاہ تغلق شاہان ہند مین ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اُسی نے شہنشاہ اشوک کے دو پُرانے ستونون کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا جب راجہ ناگرکوٹ کو شکست دے کر اسکا ملک اُسے سپرد کیا تو راجہ کے کتبخانہ کی چند کتابون کا فارسی زبان مین ترجمہ کرایا اور ایک کتاب کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا۔ اس سلطان نے بھی متعدد دارالعلوم ہندوستان مین قائم کیے۔ چنانچہ اُن مین سے ایک فیروز آباد مین بنا تھا جسکی عمارت تمام مدارس ہند سے زیادہ خوبصورت و شاندار تھی۔

سکندر لودھی | سکندر لودھی کے زمانہ مین ہندوؤن نے فارسی زبان کی تحصیل شروع کی اور اُردو زبان اُسی کے زمانہ سے شروع ہوئی حالانکہ اُسکی بنیاد محمود غزنوی کے عہد حکومت مین پڑ چکی تھی۔ اس زمانہ مین بھی شاہی اعانت و سرپرستی کی بدولت تراجم و تصانیف کا بازار خوب گرم رہا ایک سنسکرت زبان کی کتاب ارگرمہا بیدک کا ترجمہ کرکے اس کا نام طب سکندری رکھا جس کو ہندوستان کے تمام اطبا نے مستند مانا۔

دکن | شاہان دکن مین بہمنی و عادل شاہی بادشاہون کے بارے مین صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ ان مین سے اکثر و بیشتر بجاے خود علم دوست اور ہنرپرور تھے۔ یہی نہین بلکہ ان کے وزرا بھی انھین کی طرح فضل و کمال کے قدردان و ماہر علوم و فنون تھے۔ ان بادشاہون نے دکن مین ہزارہا مدارس اور کتبخانے قائم کیے۔ یہی وہ سلاطین تھے جنکی علمی فیاضیون کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ ہر ملک و دیار کے علما مستفید ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ ہر سال غیر ممالک کو جہاز بھیج بھیج فارس و ترکستان سے علما کو طلب کرکے اپنے دربار کی رونق بڑھاتے تھے حافظ شیرازی بھی ایک زمانہ مین یون ہی مدعو کیے گئے تھے۔

گجرات | گجرات کے اسلامی بادشاہون نے علم کو بڑی وسعت اور ترقی دی انھون نے بھی عرب و فارس و ترکستان سے علما کو طلب کرکے اپنے پایہ تخت مین جگہ دی۔

کشمیر | کشمیر مین تو سلطان زین العابدین ہی کے عہد مین اکثر عربی و فارسی کتابون کا ترجمہ ہندی مین اور بہت سی ہندی کتابون کا ترجمہ فارسی مین ہو گیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اُسی کے حکم سے مہابھارت اور راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی مین ہوا۔

جونپور | ابراہیم شرقی کے زمانے مین جونپور علما اور طلبہ کا مرکز بن گیا اور متعدد مدارس و دارالعلم یہان بھی شاہی امداد سے قائم ہوئے۔



مسٹر بی گھوشال ، ایم اے ، ایم آر اے ایس

ملتان ملتان شاہان اسلام کے زمانے مین علمی نقطۂ نظر سے گجرات پر تفوق رکھتا تھا۔

بنگال خود بنگالی زبان مین شاہی حکم سے سنسکرت کتابون کے ترجمہ کیے جاتے تھے اور انھیں کی بدولت بنگالیون کو اُن کی مادری زبان مین رامائن مہابھارت اور بھاگوت پران میسر ہوئین۔ اس ذریعہ سے یہ زبان رفتہ رفتہ ایک علمی زبان بن گئی۔

یہ ذوق صرف شاہان بنگال تک محدود نہ تھا۔ چنانچہ اسداللہ زمیندار بیربھوم کی نسبت لکھا ہے کہ اُس نے اپنی آمدنی کا نصف حصہ اسی مذاق کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

اسلامی دور مین فرزندان بنگال کو ملک الشعراء بننے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔

خاندان مغلیہ

یہ مشہور بات ہے کہ قیصر ہند اکبر اعظم کو ہندوؤن سے کس قدر اُنس تھا۔ اُسی کے زمانہ مین ہندوؤن کا ربط وضبط دوستی کے درجہ سے گذر کر قرابت ورشتہ داری کی حد تک پہنچ گیا تھا، اور ہندو مسلمانون کی تمدنی زندگی بالکل ایک ہوگئی تھی۔ مسلمانون نے ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت اور بھاشا مین نمایان ترقی کی۔ اکبر نے اپنے احکام سے بہت سی کتابون کے ترجمے کرائے۔ دیبی برہمن اور ملا عبدالقادر بدایونی کی شرکت سے مہابھارت فارسی زبان مین ترجمہ ہو کر رزم نامہ کہلائی۔ اور انھیں فضلا نے رامائن کا ترجمہ کیا۔ اتھروید کا ترجمہ حاجی ابراہیم سرہندی نے اور لیلاوتی کا ترجمہ فیضی نے کیا۔ نل دمن کو بھی مثنوی کا لباس اسی فاضل شاعر نے پہنایا۔ علاوہ ازین عہد اکبری مین بہت سی عربی اور فارسی کتابون کا سنسکرت زبان مین ترجمہ ہوا۔

شہنشاہ جہانگیر جہانگیر نے بھاشا کی اعلےٰ نظمون پر بیش قرار انعام دیکر شاعرون کے حوصلہ بلند کیے۔

[illegible] شاہجہان شاہجہان کے عہد دولت مین ہندوستان کی متحدہ ملکی زبان ترقی کر کے اردوئے معلےٰ کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔

مسلمان اور فنون لطیفہ

اسی ضمن مین اگر یہ بھی کہا جائے تو کچھ نامناسب نہ ہوگا کہ مسلمانون نے اپنی علمی ترقیون کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ مین بھی خاص دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ چنانچہ عہد شاہجہانی کی یادگار اُن کے کمال کا اعلیٰ ترین نمونہ تخت طاؤس ہی ایک ایسی چیز بنی جسکو دیکھکر تمام دنیا نے تعجب کیا۔

مسلمانون نے اپنے کمالات صناعی کے ایسے ایسے عدیم المثال نمونے چار دانگ عالم مین چھوڑے جو عجائبات روزگار کہے جاتے ہین۔ خود ہندوستان مین تاج محل جسکو یوروپین سیاحون نے "طلسم حیرت" کہا ہے آج تک ایک عالم کو محو حیرت بنا رہا ہے۔

اسی طرح نادر قلمی تصاویر اور قسم قسم کے اعلےٰ پارچہ جات، اسلحہ و نقش دار ظروف مین جو جو صناعی و دستکاری دکھائی گئی ہے اُنکے رہے سہے نمونے آج بھی ہندوستان اور یورپ کے عجائب خانون کی رونق دوبالا کر رہے ہین۔

شاہزادہ دارا شکوہ دارا شکوہ نے خود سنسکرت سے ہندوؤن کی مشہور ومعروف کتاب بھاگوت گیتا اور جوگ بششٹ رامائن کا ترجمہ کیا۔ اُسی نے اپنشد کے ترجمہ کا نام سرّ الاکبر رکھا۔

شہنشاہ اورنگ زیب اورنگ زیب کے زمانہ مین بھاشا معراج کمال پر پہنچی۔ دلی کے بعد زبان دانی کی ٹکسال شاہان اودھ کی سرپرستی مین لکھنؤ منتقل ہوئی اور سلطنت لکھنؤ کی بساط اُلٹ جانے کے بعد اردو کا ستارہ بنگال مین چمکا۔ روہیلکھنڈ مین رامپور نے گلشن سخن بننے کی قابلیت پیدا کی۔ وسط ہند مین بھوپال کو اردوئے معلےٰ کی مہمانی کا فخر حاصل رہا۔ بالآخر حضرت داغ نے اردو کے گہوارہ کو

دلّی سے لیجا کر شاہ دکن کی امانت میں سپرد کر دیا۔

اِس طور پر سلاطین اسلام کے آغوش میں ملک کی عام مشترکہ زبان نے تربیت و پرورش پائی اور قدیم ہندوستان کی ایک متحدہ یادگار بنی۔ یہ ہیں وہ گرانبار احسانات جو اسلام کے ہندوستان پر ہیں جن کو بعض لوگ تجاہل عارفانہ سے بھولے ہوئے ہیں اور افسوس ہے کہ مٹی ہوئی سلطنت کے ساتھ اس متحدہ یادگار کو بھی مٹانا چاہتے ہیں۔

حضرات! جو کچھ آپ نے سنا بظاہر ایک فسانہ معلوم ہوتا ہے مگر یہ کوئی معمولی فسانہ نہیں ایک قوم کا ایشیا میں ہندوؤں سے ربط و اتحاد اور یورپ میں مسیحیوں اور یہودیوں سے مدتوں ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنا، خاص کر جب وہ قوم ایسی ہو کہ قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کا سامان اس قوم کی شاہزادیوں کے جہیز میں نکالا جائے اور پھر خوبی یہ کہ ملکی فتوحات سے زیادہ علمی فتوحات ہوں، جو قوم ایسے ایسے شہروں کی بنیاد ڈالے کہ صدیوں تک یورپ اور ایشیا میں علوم و فنون و صنعت و حرفت و کمالات انسانی کے ماوا و ملجا بنے رہیں، جس قوم کے عدل و مساوات و سیاست و حوصلہ مندی کی یہ کیفیت ہو کہ وہ قوم نہ صرف اپنے صنف نازک کو مساوات کا درجہ دے بلکہ تمام امور معاشرت میں غیر اقوام کے حقوق کی بھی محافظ بنے، جس کے قانون سلطنت کا یہ عالم ہو کہ زمانۂ حال کا قانون اور ضابطہ اُسکا خوشہ چین ہو، جس کی تجارتی کوششیں اُسکی علمی کوششوں سے کم نہوں اور پھر لطف یہ کہ نہ اُس قوم کی بنیاد تجارت پر رکھی جائے، نہ اُسکی تجارتی کوششیں اُسکے علمی مشاغل پر غالب ہونے پائیں، جس کی ترقی علم و ادب کا یہ حال ہو کہ ایک طرف مغرب میں یورپین لٹریچر اُسکی زبان سے مستفید ہو تو دوسری طرف ایک ملک کی مردہ شاعری میں روح پھونکے اور دوسرے ملک میں نہ صرف مقامی زبان کو فروغ دے بلکہ اپنے اتحاد و ایثار کی مثال میں وہاں کی زبان کو ترقی دے کر ایک نئی اور دلکش زبان بنا ڈالے، جسکے علمی علوم میں یہ حال ہو کہ جب سائنس کے خزانوں پر وہ دسترس پائے تو بشریت کی انتہائی سرحد یہ قرار دے کہ وہ صفات ملکوتی حاصل کرے نہ یہ کہ الحادی و مادّی خیالات کا قوم پر اثر ڈالے جس قوم کے فلسفۂ تصوف کا یہ کمال ہو کہ ایک جانب لاطینی مسیحیت اور موسویت اور دوسری جانب ہندوؤں کی ویدانت سے شیر و شکر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اُسکے فنون لطیفہ کے بچے کھچے نمونے آج بھی عجائب خانوں کی رونق بڑھائیں، تو یہ ایسے واقعات نہیں ہیں جن پر ایک بصر تنقیدی نظر ڈالے اور اُسکے وسیع الکیفیت نتائج کو حیرت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

حضرات! میں اگر اس مہتم بالشان علمی تحریک کے جزئیات سے بحث کروں تو میری تقریر بہت طویل ہو جائے گی لہذا میں صرف اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ ہر ملک میں اُسکی خصوصیت کے لحاظ سے مسلمانوں نے علمی ترقی کے اسباب فراہم کیے۔ ایران میں علاوہ منقولات کے معقولات کو بھی ترقی دی۔ مصر و شام میں فقہ حدیث اسماء الرجال کو فروغ ہوا۔ اسپین میں ادب و شاعری اور تاریخ کا فن کمال کو پہنچ گیا۔ ہندوستان میں ریاضی فلسفہ و طب کو فروغ ہوا۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں نے ۷۰۰ برس تک تمام اقطاع عالم میں علم کا چراغ روشن رکھا اور عہد قدیم سے علوم و فنون کو لے کر اُن میں قابل قدر اضافہ کر کے بحفاظت تمام عہد جدید کے سپرد کیا جس سے غیر اقوام کی موجودہ تہذیب کی بنا ڈالنے میں معقول مدد ملی۔ صاحبو! جبتک علم و انصاف دنیا میں قائم ہے مشرق و مغرب تمدن عرب کے اُن گران قدر اور ناقابل فراموش احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اس بیان سے آپ لوگون نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ دنیا کی علمی ترقی مسلمانون کی تصانیف و تراجم کی کس درجہ ممنون احسان ہے اور ان تراجم کی بدولت خود مسلمانون کی علم زباندانی مین کس قدر وسعت ہوئی۔ حضرات! موجودہ حالت کو پیش نظر رکھتے ہوے ضرورت اس امر کی متقاضی ہے کہ نہایت حریص اور طامع بن کر مثل اُن اقوام کے جنھون نے دیکھتے دیکھتے اپنی زبان کو علمی زبان کی حد تک پہنچادیا ہے غیر زبانون سے مصالح اکٹھا کرکے اپنی زبان کی ترقی مین صرف کیا جائے اور جہان تک جلد ممکن ہو موجودہ ضرورت کے مطابق بنائی جاسے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر سلسلۂ تراجم جاری رکھا گیا تو کچھ ہی دنون مین اُردو زبان بھی دنیا کی وسیع زبانون مین شمار کی جائے گی۔ یہ مین صرف تراجم ہی پر زور نہ دونگا بلکہ اس پیاری زبان کی حمایت مین آپ حضرات سے یہ بھی عرض کرون گا کہ اُردو زبان جبلی طور سے دنیا کی عالمگیر زبانون مین ایک ممتاز زبان بننے کی قابلیت رکھتی ہے اور اگر آپ صاحبان ہمت کرین تو آج بھی اُسکے قالب مین تازہ روح پھونکی جاسکتی ہے۔

حضرات! ہر قوم اپنا ایک مخصوص ماضی رکھتی ہے ایک مخصوص تاریخ ایک مخصوص روایات قومی کا ذخیرہ رکھتی ہے اور مخصوص حالات اور تجربات کی بنا پر اپنے ارتقا کے موجودہ منزل پر پہنچی ہے اور ہر ملک کا ایک اصلی اور صحیح کیرکٹر ہوا کرتا ہے جس کا خاص تعلق اُس ملک کی زبان سے ہوتا ہے اور جس کا ضائع ہوجانا گویا قوم کا فنا ہوجانا ہے یاد رکھیے! اُردو زبان ہرگز احسان فراموش نہین ہے۔ آپکی خدمات کے صلہ مین یہ پیاری زبان نہ صرف آپ کے اصلی اور صحیح کیرکٹر کو برقرار رکھے گی بلکہ آپ کو اتحادی ترقی کے اُس انتہائی زینہ پر پہنچائے گی جو آپ کے گذشتہ اور موجودہ لیڈران قوم اور محبان وطن کا نصب العین رہا ہے۔ اور بس۔ فقط

پی۔ گھوشال

منوجی کے اصول اخلاق

علماے الٰہیات کے معتقدات سے ہے کہ اگر اُنکے مسائل دینی کی بیخ کنی ہوجائے تو نیکوکاری جہان سے جاتی رہے گی۔ اُنکا قول ہے کہ ہمیشہ ہر ملک مین گناہون کی سزا کے خوف ہی کی وجہ سے اور اعمال حسنہ کی جزا کی اُمید ہی پر لوگون نے راستبازانہ زندگیان بسر کی ہین یہ وہ کہتے ہین کہ قادر مطلق اور اخلاق ہی کے وجود کے عقیدہ نے رفتہ رفتہ انسان کے دل مین راستبازی کا احساس بوجہ احسن پیدا کیا ہے۔ بخلاف اسکے اہل اخلاق کا دعوی ہے کہ فی الحقیقت نیکوکاری کی بنیاد کسی خاص مسئلۂ حکمیہ یا عقیدۂ مذہبی کے اختیار یا قبول کرلینے پر نہین ہے، بلکہ اس حقیقت کے بصدق دل تسلیم کرنے اور اُسپر عمل پیرا ہونے پر ہے کہ فطرت کے قوانین بندھے ہوئے ہین جنکی خلاف ورزی سے نہ صرف افراد مین امراض جسمانی پیدا ہوتے ہین، بلکہ وہ قومین بھی تباہ و فنا ہوجاتی ہین جو بدکاری مین انہماک رکھتی ہین وہ اہل مذہب کے اس مشہور قول کو تسلیم نہین کرتے کہ تہذیب اخلاق کے قوانین کو کسی دین مخصوص کی تعلیمات پر مبنی رکھنا چاہیے۔ اُنکے نزدیک تو جبتک مسائل محکمانہ کی بخوبی تنقیح نہ ہوجائے تب تک اخلاق کی ابتدا ہی نہین ہوسکتی۔

جب خطوط متوازی کا کسی نہ کسی نقطۂ معیّنہ پر مل جانا یقینی ہے تو کیا عجب ہے کہ یہ دونون مختلف گروہ بھی آخر کار متفق الرائے ہو جائین علم الاخلاق ہم کو حیات انسانی کی منزل مقصود کی راہ دکھاتا ہے، تو علم مابعد الطبیعۃ اس تیقن کا مؤید ہے کہ اُس منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے زندگی بھر کوشش کرنا ضرور ہے بلکہ اگر اس راہ مین جان تک بھی دینی ہو تو مضائقہ نہین علم الاخلاق اُن شرائط و ضوابط کی تحقیق کرتا ہے جو فرداً فرداً انسانون کے افادہ کے موجب ہین، تو علم مابعد الطبیعۃ ہم پر روشن کرتا ہے کہ ہستی کی علتِ غائی کیا ہے یا آنکہ جو موجود ہے وہ حقیقۃً کیا ہے۔ علم الاخلاق ہمکو قواعد تہذیبِ اخلاق اور فرائض کی تفاصیل اہمہ تلقین کرتا ہے، تو علم مابعد الطبیعۃ ہمکو نفس انسانی کی ماہیت سے آگاہ کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ حقائقِ موجودات کے درمیان حضرت انسان کا کیسا بلند مرتبہ ہے۔ علم الاخلاق اس امر کا پتہ لگاتا ہے کہ ہم مین وہ حاسہ کیونکر پیدا ہوا جسکے ذریعہ سے ہم اپنے فرائض کو سمجھتے بوجھتے ہین، تو علم مابعد الطبیعۃ خود حیات و ممات کے مسئلہ کو سُلجھانے کی سعی کرتا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ان دونون علمون کے درمیان کچھ نہ کچھ علاقہ ضرور ہے۔

ان چند تمہیدی جملون کے بعد اب ہم منوجی کے اصول اخلاق ناظرین کی خدمت مین پیش کرتے ہین۔ بظاہر ایسا گمان ہوتا ہے کہ منوجی کا بیان بیسوین صدی عیسوی کے اہل اخلاق کے مسائل کے ساتھ موافق ہے، لیکن اگر آپ کے پیش کردہ اصول پر غور کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جیّد فلسفی و مُدبر نے ان دو متضاد گروہون یعنی اہل اخلاق اور اہل مذاہب کے بین بین راہ اختیار کی ہے۔ آپ کے چند اقوال اُن صاحبان کے واسطے قابل غور و تعمق ہین جنکا تجربہ ہے کہ آپ کے مسائل کو زمانۂ حال کے ظنّیات کے ساتھ مطابق کرنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس مشہور اشلوک مین آپ فضائل کی تقسیم اس طرح فرماتے ہیں:-

धृति: क्षमा दमोऽस्तेयं शौचमिन्द्रियनिग्रह: ।

धी: विद्यासत्यमक्रोधो दशकं धर्मलक्षणम् ॥

یعنی ۱- شجاعت و استقلال، ۲- عفو، ۳- راستبازی، ۴- دیانتداری، ۵- تزکیہ، ۶- استتباعِ حواس، ۷- ترقی عقل، ۸- تحصیل علم حقیقی، ۹- صداقت، ۱۰- خُلُوعن الغیظ۔

اس تقسیم کے ذریعہ سے ہم سمجھ سکتے ہین کہ جون جون حیاتِ انسانی عقل و روحانیت کی جانب ترقی کرتی جاتی ہے تون تون یہ فضائل بھی انسان مین پیدا ہوتے جاتے ہین اور اُسکو ان کا اعلام ہوتا جاتا ہے۔

شجاعت | اس تقسیم مین شجاعت کو اول رکھا ہے اور فی الواقع کسی کو اسکی اوّلیت سے انکار نہین ہو سکتا۔ حصول مقاصد کے واسطے اس صفت کا وجود نہایت ضروری ہے۔ اگر اس خوبی کی کمی ہے تو ساری کوششین رائگان ہین اور کوئی کام انجام نہین پا سکتا۔ جس برطانیہ کی مملکت پر آفتاب غروب نہین ہوتا تو بیشتر اسی باعث سے کہ کارکنانِ[ۤ] انگریزی اس صفت سے متصف ہین۔ اگر سیواجی مین یہ صفت بدرجۂ اتم موجود نہ ہوتی تو وہ قوم ہنود کو ملکی و معاشری شکست سے محفوظ نہ رکھ سکتا۔ ازمنۂ قدیمہ مین اس صفت کا اظہار صرف میدان جنگ ہی مین ہوتا تھا، مگر اب مختلف محکہ جات مین اسکا وجود لازم ہے۔ بغیر اس خوبی کی امداد کے کوئی ماہر علوم تجربیہ ایسا جدید ظنیہ پیش کرنے کی جرأت نہین کر سکتا جس سے ظنّیاتِ متداولہ کا ابطال ہوتا ہو، نہ کسی مُصلح کو اپنی قوم کے عیوب پر اُنگلی رکھنے کی تاب ہو سکتی ہے۔

عفو | فتح بیشک شجاعت حقیقی ہی کا نتیجہ ہے۔ فرض کیجیے کہ کسی جنگ آور کو لڑائی مین فتح حاصل ہوئی اور اُسکے دشمن پسپا ہو گئے

ۤ "Menofaction" اس لفظ کا اطلاق اُن انگریزون پر ہوتا ہے جنھون نے کارہاے نمایان انجام دے کر اپنی قوم کی کوئی خاص ملکی خدمت کی ہو جیسے لارڈ کلایو وارن ہیسٹنگز وغیرہ۔

تو فرمائیے کہ اُس دلاور مرد کے دل مین اُس وقت خاص کیا خیال جاگزین ہوگا؟ مغلوب دشمن کے ساتھ وہ کیونکر پیش آئیگا؟ جو شخص فی الواقع شجاع ہے وہ تو ہرگز ایسی ضلالت اختیار نہ کریگا کہ اُس وقت اپنے دشمن کے ساتھ بدسلوکی کرے، بلکہ وہ معاف کریگا اور پرانی عداوت کو دل سے دور کردے گا۔ تواریخ مین اسکی بہت سی نظیرین ملتی ہین لارڈ کیننگ بوجہ احسن "کلیمنسی[۱] کیننگ" کہلانے کے مستحق تھے۔ شاعرون کا سرتاج کہتا ہے کہ "ترحم خود ذات باری کی صفت ہے پس جب انسان کے عمل مین رحم بھی انصاف کے ساتھ شامل ہوتا ہے تو ذات انسانی گویا صفت رحمانی کی نظیر پیش کرتی ہے" یہی سبب ہے جو منوجی نے اپنی تقسیم فضائل مین عفو کو شجاعت کے بعد رکھا ہے۔

راستبازی و دیانتداری | مالک کی اجازت کے بغیر یا فریب، چالاکی، عدول حکم کے ذریعہ سے، یا بہکا کر کسی چیز کو اپنی تحویل مین لانے کا نام بے ایمانی ہے اور اس کی ضد ایمانداری ہے۔ بقول ارسطاطالیس "راستبازی وہ میانہ روی ہے جسپر عقل ہدایت کرے اور جسکو باخبر مرد اختیار کرتا ہے"۔ یہ فضائل جتنے ہین، مختلف افراد و اقوام سے اُنکا تعلق بوجہ اختلاف حالات و کیفیات تمدن یکسان نہین ہے، پس افراد کی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اپنے واسطے اُن فضائل کی تخصیص کرین جو باعث ترقی و خوشحالی جمہور ہون۔ اسی جہت سے منوجی نے اسکی تشریح عام طور پر کی ہے۔

تزکیہ | منوسمرتی کے پانچوین ادھیاے کے ۱۰۹ اشلوک مین آپنے روحانی اور جسمانی پاکیزگی کے حصول کا طریقہ عام طور پر بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین کہ "پانی جسم کی گندگی کو دور کرتا ہے، صداقت ذہن انسانی کو جلا بخشتی ہے، علم واداے فرائض سے روح کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، شریفانہ خیالات کا وجود باعث تہذیب عقل ہوتا ہے"۔

अद्भिर्गात्राणि शुध्यन्ति मनः सत्येन शुध्यति ।

विद्यातपोभ्यां भूतात्मा बुद्धिर्ज्ञानेन शुध्यति ॥

ترقی عقل وغیرہ | جرائم پیشگی کے اسباب کی تحقیقات مین علما اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ فی الحقیقت جرائم پیشگی محض ایک مرض دماغی ہے۔ گلاسگو واقع اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر میکیوئن صاحب انگریزی طبی رسالہ لینسٹ کی ایک اشاعت مین رقمطراز ہین کہ ایک مزدور سیڑھی پر سے سر کے بل گر پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسمین اخلاق ذمیمہ کا رجحان پیدا ہوگیا۔ اُسکے دماغ مین ایک سُدہ پڑ گیا تھا اور یہی اُس رجحان کا سبب تھا، چنانچہ جب عمل جراحی سے اُسکے سر مین سوراخ کرکے وہ سدہ نکال دیا گیا تو رجحان بدی بھی جاتا رہا۔ ڈاکٹر لارڈسن صاحب فرماتے ہین کہ "فلیش نے پچاس جرائم پیشہ لوگون کے دماغون کا امتحان کیا اور سب مین کچھ نہ کچھ نقص پایا"۔ پس ڈاکٹر صاحب موصوف کی راے ہے کہ آیندہ کبھی بدکاری و جرائم بجاے قانونی گرفت کے تحت مین آنے کے فن طب سے زیادہ تر متعلق سمجھے جائینگے۔

جب حسب مذکورۂ بالا ہم نے جان لیا کہ نقائص و امراض دماغی کا کیسا کچھ اثر حاسات اخلاقی پر پڑتا ہے، تو ہم بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ منوجی نے ترقی عقل کو کس وجہ سے فضائل کے شمار مین داخل کیا۔ منوجی نے ترقی عقل کے چند ذرائع بھی بیان فرمائے ہین مثلاً (۱) مسکرات اور صحبت بد اور سستی سے پرہیز کرنا (۲) شریف خصلت لوگون کے ساتھ صحبت رکھنا اور (۳) معتدل غذاؤن کا استعمال کرنا۔

منوجی کے بیان کردہ فضائل مین سے بعض بہبود افراد سے متعلق ہین لیکن بعض مثل ایمانداری و خلو عن الغیظ کے اجتماعی حیثیت رکھتے ہین۔ چونکہ علم الاخلاق کا منشا اُن فضائل کی تحقیق ہے جو بہبود و فلاح جمہور سے متعلق ہین لہٰذا حکمت عملی کو

---

[۱] Clemency رحمدلی۔

بھی علم الاخلاق کا ایک ضروری جزو سمجھنا چاہیے۔ نیز اس امر کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ علم النفس و منطق بھی علم الاخلاق کے ساتھ منسلک ہیں۔

منوجی متعقل | دھرم یعنی اصول عمل کے متعلق منوجی دوسرے ادھیائے کے پہلے اشلوک میں تر زبان ہیں کہ:۔

विद्वद्भिः सेवितः सद्भिर्नित्यमद्वेषरागिभिः ।
हृदयेनाभ्यनुज्ञातो यो धर्मस्तं निबोधत ॥ २ ॥

یعنی "یاد رکھو کہ حقیقی اصول عمل وہی ہے جو اُن نیک اور سچے علماء کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے جن میں ہوا و ہوس اور نفرت نہیں پائی جاتی یا جس کی صداقت کا علم باطنی ناصح یعنی ضمیر کی شہادت سے ہوتا ہے"

مسٹر بی ڈوین مصنف کتاب "کلیسا و علوم زمانہ حال" منوجی کو اہل اخلاق اور متعقلین مثل کیسلے، اڈورڈ کلاڈ اور ایف جے گولڈ کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں اور سکس ملر کے انگریزی ترجمہ سے یہ اشلوک اقتباس کرتے ہیں کہ "حکم امور اخلاقی کا مقام کہاں پر ہے؟ منو مقنن ہندی اس سوال کا چہارگانہ جواب دیتا ہے کہ وہ مبنی ہے شرتی یعنی الہام، سمرتی یعنی حدیث، صالحین کے طرز عمل اور اطمینان روحانی پر"

منوسمرتی کے مذکورہ بالا اشلوکوں میں سے کسی میں بھی براہ راست عقیدۂ وجود خدا پر حوالہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ اصول اخلاق کو کسی خاص فرقہ سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ بنظر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا منوجی متعقل ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ اصول اخلاق کے قائم کرنے میں صرف عقل کے انہیں احکام کا لحاظ کرنا چاہیے جو کسی غیر متشخص و غیر مستقل تحکم کے تابع نہوں اور جنکی تصدیق تجربہ سے ہو سکے۔ لیکن ہم بالیقین جانتے ہیں کہ آپ بلاشبہ مثالیین میں سے ہیں اور ویدوں کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ چنانچہ دیگر امور مذہبی و ملکی میں آپ نے ویدوں سے استناد فرمایا ہے۔ جب ہم ویدوں کو جمیع حقائق کا ذخیرہ جانتے ہیں اور جب اُن میں کوئی امر خلاف احکام ضمیر و عقل بیان نہ کیا گیا ہو تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں الہیات اور اخلاق دونوں مل کر انسان کی ہدایت و ترفیع کا باعث نہوں۔ ہم ذیل میں چند اقتباسات درج کرتے ہیں تا کہ ناظرین پر روشن ہو جائے کہ منوجی کے اصول اخلاق دیگر اخلاقیین کے اصول سے مطابق ہیں۔

مارکوس اُرلوس کا قول ہے کہ "ان صفات کو قوت سے فعل میں لا یعنی صداقت، محنت کی برداشت، عیش و عشرت سے نفرت، قناعت، بھلائی، صاف گوئی، دریادلی سے"

منو جی کی تقسیم	تقسیم فضائل کنفوشیس
۱۔ ستیم	۱۔ راستبازی
۲۔ وِدیا	۲۔ علم
۳۔ کشما	۳۔ دریادلی
۴۔ دھرت	۴۔ قوت روحی
۵۔ دھی	۵۔ متانت
۶۔ دَم	۶۔ صداقت
۷۔ اَکرودھ	۷۔ مہربانی

منوجی کی سنسکرت مرادف	فضائل اربعہ افلاطون
دھرت	شجاعت
دھی	حکمت
ستیم	عدالت
اَستیہ	عفت

سلہ امور ما فوق الفطرۃ کا منکر۔

بھیشم کی تقسیم مندرجہ بھارت	منوجی کی سنسکرت مرادف
۱- استتباع غیظ	اکرودھ
۲- عدالت	ستیم
۳- عفو	کشما
۴- عفت	شوچم
۵- عملِ صالح	
۶- پرورشِ لواحق	
۷- سادگی	اندریہ نگرہ
۸- راست گفتاری	استے
۹- اجتنابِ نزاع	دم

مارکوس اُریلوس کی تقسیم	منوجی کے سنسکرت مرادف
۱- بردباشتِ محنت	دھرت
۲- صداقت	ستیم
۳- قناعت	استے
۴- بھلائی	کشما
۵- دریا دلی	
۶- صاف گوئی	ستیم
۷- عیش و عشرت سے پرہیز	اندریہ نگرہ

اس دھرم کی توصیف میں بہت سے حکما اور شعرا نے داد فصاحت دی ہے۔ شری کرشن فرماتے ہیں:-

मृत शरीरमुत्सृज्य काष्ठलोष्ठसमन्वितम् ।
विमुखा: बान्धवा: यान्ति धर्मस्तमनुगच्छति ॥ ४ ॥

تیرے احبا اور اعزہ تیری لاش کو کلوخ سنگ یا کندۂ چوب کی طرح مرگھٹ پر ڈال کر واپس چلے آئینگے۔ اگر تیرے ساتھ جائیگا تو بس دھرم"

اور مہا بھارت میں یوں مرقوم ہے کہ:-

धनानि भूमौ पशवश्च गोष्ठे भार्या गृहद्वारि जन श्मशाने ।
देहश्चितायां परलोकमार्गे धर्मानुगो गच्छति जीव एक: ॥ ५ ॥

یعنے "اے غافل انسان کیا تو سمجھتا ہے کہ تیرے متعلقات یہ زمین، مکان، مویشی، گاڑی چھکڑے، بیوی بچے، دوست عزیز یا خود یہ تیرا جسم، حیات مابعد میں تیرے کسی کام آئیگا؟ ہے سن! تیری دولت زمین پر بکھری پڑی ہوگی، تیرے گھوڑے گاڑیاں اصطبل میں رہ جائینگے، تیری بیوی گھر کی چوکھٹ تک ہی رخصت کرنے کو آئے گی، تیرے دوست رشتہ دار تجھے مرگھٹ پر پھینک کر چل دینگے۔ لیکن شائد تو خیال کرے کہ کیا پروا ہے میرا جسم تو میرا ساتھ دیگا۔ دیدۂ بینا سے دیکھ کہ جسم بھی چتا پر مشتِ خاکستر ہو کر رہ جائیگا اور اگر قبر کے اندر بھی مدفون ہوا تو کیا، اسکے کل اجزا پریشان ہو جائینگے اور مٹی کے برابر ہوگا! پس غور کر کہ تیرا ساتھ کون دیگا۔ یاد رکھ کہ جب تو حیات کی منزلِ مقصود کی جانب سفر کریگا تو بس دھرم ہی تیری رہنمائی کرے گا اور اکیلا دھرم ہی تیرا رفیق سفر ہوگا"

اس دھرم کی تحصیل کا طریقہ اور زندگی کو اعلےٰ بنانے کا طریقہ ہند کے مقننِ اعظم منوجی نے بکمالِ خوبی دکھایا ہے۔

(ترجمہ) ایس ڈبلیو ٹیلر

افعال کی اخلاقی قیمت

افعال کی اخلاقی قیمت کیا ہی؟ جب کوئی فعل بغیر خیال اور بغیر پابندی میلان کے کیا جائے جب اپنی ضروریات زندگی کو الگ رکھکر کوئی فعل مربیانہ نظر سے بطور ایک فرض کے کیا جائے جب کسی فعل کے کرنے مین کسی قسم کی نامطبوع خودغرضی بھی حائل نہ ہو تو کہا جائے گا کہ ایسا فعل اخلاقی قیمت رکھتا ہی۔

بعض دفعہ ہم ایک شخص ایک ہستی کو ایک بڑی اذیت تکلیف دہ حالت مین پاتے ہین، ہماری ذاتی ضروریات اور ہمارا وقت اجازت نہین دیتا کہ ہم اُس کی مدد کر سکین۔ ہمارے پاس ایک وقت ایک روپیہ ہوتا ہی یا ہمین بہت ہی تھوڑا وقت میسر ہوتا ہی یا ین حالات ایک دوسری ہستی کی اگر ہم امداد کرین تو ہمین تکلیف مین پڑنے کا اندیشہ ہی ہمارا میلان اور ہماری ذاتی ضرورت اجازت نہین دیتی ایسے وقت مین اگر ہم مدد نہ کرین اور اپنے وقت مین سے کسی درد رسیدہ ہستی کی امداد کے لیے کچھ حصہ وقت کا یا سارا وقت نہ دین تو بظاہر ہم پر کوئی الزام عائد نہین ہو سکتا، کیونکہ بہ قول "اول خویش بعدہ درویش" جب ہم خود ایک ضرورت رکھتے ہین تو کسطرح کسی دوسرے کی امداد کر سکتے ہین اور اگر کرین بھی تو ہم خود ہی ایک مصیبت مین پڑ جائین گے خود کو مصیبت مین ڈالنا بھی ایک خودکشی ہی۔ دوسرون کے ساتھ وفاداری کرنا ضروری ہی لیکن سب سے پہلے خود اپنے ساتھ وفادار ہونا چاہیے، ایسی خودغرضی نامناسب بھی نہین ہی کیونکہ خود کو ایک مصیبت مین ڈالکر دوسرے کی امداد کرنا اپنے ساتھ بے وفائی ہی لیکن اگر ہم باوجود اپنی ضروریات کے بھی کسی دوسری ہستی کی امداد کرتے اور اپنے وقت اور سرمایہ مین سے اُس کی نذر کرتے اور خود کو اس وجہ سے ایک کلفت مین ڈالتے ہین تو ہمارا یہ فعل بالکل کسی خودغرض اور کسی لالچ یا شہرت کے تحت مین نہین لایا جا سکتا ایک طرف اپنا قوی میلان ہوتا ہی اور دوسری طرف ایک دوسری ہستی، ایسے افعال کی نسبت ہی کہا جاتا ہی کہ وہ ایک اخلاقی قیمت رکھتے ہین۔ اگر کوئی شخص اپنی ضروریات کے ہوتے کسی دوسرے کی امداد نہ کرے تو دنیاداری کے پہلو سے اُس پر چندان الزام نہین کیونکہ وہ اپنی درماندگی کی صورت مین دوسرے کی کیا امداد کر سکتا ہی لیکن اس کا باوجود اپنی درماندگی کے ایسا کرنا وہ ہمت، ارادہ، حوصلہ اور خود فراموشی ہی جو اخلاقاً نہ صرف ایک بڑی قیمت رکھتی بلکہ ایک بڑی تعریف کے قابل ہی۔ اپنی ضروریات کو نظرانداز کر دینا اور محض خلوص سے کسی دوسری ہستی کے کام آنا وہ نیکی اور وہ نیک ارادہ ہی جو فی حد ذاتہ محمود ہی۔

جب ہم ایسا کرتے ہین تو ہم اپنے تئین اُس ڈیوٹی اور اُس فرض انسانی سے واقف ہونے کا ثبوت دیتے ہین جو اخلاقی رنگ مین ایک انسانی ڈیوٹی خیال کی جاتی ہی اور جس کا احساس خود ہماری فطرت ہی مین رکھا گیا ہی۔ انسان کا یہ ایک فطری خاصہ ہی کہ وہ بعض اوقات خود کو ایک تکلیف مین ڈال کر دوسری ہستی کی مدد کرنا ضروری سمجھتا ہی۔ اسکا ثبوت یہ ہی کہ ہر مصیبت زدہ انسان یہ خواہش رکھتا ہی کہ کوئی دوسری قابل ہستی اپنی ضرورت کو مقدم نہ رکھ کر اُس کی امداد کرے اور اپنے وقت مین سے اس کو بھی کچھ وقت دے اور جب کوئی قابل ہستی اور قابل شخص ایسا نہین کرتا تو اُس کی تعریف نہین کی جاتی یہ دلیل ہی اس بات کی کہ ہر انسانی ہستی دوسرون سے یہ چاہتی ہی کہ اپنی قابلیت اور اپنی چیزوں مین دوسرون کو بھی حصہ دار بنائے جب ہر شخص کی یہ طبعی خواہش ہی تو ثابت ہی کہ انسان کا طبعی خاصہ ہی کہ وہ دوسرے کی امداد چاہتا ہی اور اُس کی یہ ایک فطری ڈیوٹی ہی کہ ضرورت پر اپنی ضروریات کو الگ

رکھ کر ایک دوسرے ابنائے جنس کی مدد کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تاوقتیکہ ہم خود سیر نہ ہولیں اور ہماری کوئی ضرورت باقی نہ رہے اُس وقت تک ہم پر فرض نہین کہ دوسرون کو مدد دین، تو یہ ایک شرمناک خودغرضی ہوگی یون تو کوئی انسان بھی اس دنیا مین رہ کر یہ ڈیوٹی پوری نہین کرسکتا ضروریات کے اعتبار سے ہر انسان ایک نہ مٹنے والی اشتہا رکھتا ہے اُس کا پیٹ کوئی بھر سکتا ہے اور وہ کب اور کسطرح اپنی ضروریات سے فارغ ہوسکتا ہے؟ آخر اپنا پیٹ کاٹ کر بھی دوسرون کی امداد کرنا ہوتی ہے۔ فراغت کسے نصیب؟ ہر شخص اپنی دھن مین مست اور اپنے دھندون مین مصروف ہے

"ہر کسے مستغرق است در کار خویش"

اگر ہم یہ چاہین کہ جبتک ہمارا میلان ایسی اجازت نہ دے اور جبتک خود ہمارا دل نہ چاہے اُس وقت تک دوسرون کے مصائب سے متاثر ہو کر مروت کرنا ضروری نہین، ایک مغالطہ اور فریب دہ خیال ہے۔ جو شخص ہمدردی بنی نوع کا ڈپلومہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو سچی اخلاقی ڈیوٹی ہی نہین بلکہ فطری فرض کی ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہونا چاہتی ہے وہ اپنے میلان کی پابندی مین دیکھے کہ کس طرح سبکدوش ہوسکتی ہے۔

فرض کرو کہ ایک ہمدرد بنی نوع کے دل پر اپنے ذاتی غم و افکار کا ایسا ہجوم ہے جس کی وجہ سے اور ابنائے جنس کی جائز ہمدردی کا خیال بھی زائل ہوچکا ہے اور ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہ ایسا شخص ذاتی ضروریات الگ رکھ کر دوسرے لوگون کو مصیبت اور تکلیف مین فائدہ پہنچانے کی ہمت اور طاقت بھی رکھتا ہے لیکن بدقسمتی سے بوجہ اپنی بعض کلفتون اور مایوسیون کے اُس کا دل و دماغ دوسرون کی مصیبتون سے متاثر نہین ہوتا فرض کرو کہ کوئی ایسا شخص اس ہمت و ارادہ سے الگ ہو کر ایک مردانہ و مربیانہ فعل بغیر کسی

اپنے میلان یا کشش میلان کے صرف فطری جذبہ یا ڈیوٹی کی وجہ اور خیال سے کرے تو بدرجۂ اولیٰ اُس کا ایسا فعل ایک اخلاقی قیمت رکھے گا۔ اور اُس خودغرضی سے پاک و صاف ہوگا جو اخلاقی ضوابط مین محض خودغرضی کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے میلان کے تحت مین کسی دوسرے کی امداد لینا ایک خودغرضی ہی ہو گو وہ بھی کوئی قیمت رکھتی ہے اور اس کی ضرورت سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا اور اسکی وجہ سے بھی دنیا کے سینکڑون کام چلتے اور صدہا الجھنین حل ہوتی ہین۔ مگر پھر بھی اُسکی وہ قیمت نہین ہوسکتی جو بغیر کشش میلان کے کسی فعل کی ہوسکتی ہے۔

فرض کا احساس

ڈیوٹیان دو قسم کی ہین:۔

(۱) ذاتی احساس کے ماتحت ڈیوٹی۔

(۲) دوسرون کی طرف سے ڈیوٹی۔

جو ڈیوٹی دوسرون کی جانب سے لگائی جاتی ہے ہم اُسکی نسبت کوئی بحث سوا اسکے نہین کرسکتے کہ جب تک ہم ایک دوسری طاقت کے تابع ہین تب تک اُسکے عائد کردہ فرائض کا پورا کرنا ہم پر فرض ہے کیونکہ ہم اسکے متعاہد اور متعاقد ہین۔ ہمارا فرض ہے کہ جبتک کوئی ایسا عہد اور اقرار باقی اور جاری ہے اُس وقت تک اُسکی تعمیل سے پہلوتہی نہ کرین۔ اگرچہ اُس کی تعمیل مین ہمارا ذاتی میلان اور ہماری ڈیوٹی کیسی ہی متناقض ہو۔ بہت دفعہ ہم ایک محکومانہ ڈیوٹی کی حالت مین اپنے دل و دماغ مین اُس کی نسبت ایک نفرت اور بیزاری پاتے ہین یا ہمارے خیالات اور ہماری ذاتی ضرورتین ہمین اجازت نہین دیتین مگر پھر بھی ہم اُسکی تعمیل پر مجبور ہین کیونکہ ایک اقرار اور ایک عہد کا پورا کرنا بھی ایک اخلاقی معاہدہ ہے۔

پہلی قسم کی وہ ڈیوٹی ہے جو ہمارا ضمیر اور ہماری فطرت خود ہم پر عائد

کرتی ہو۔ یہ ڈیوٹی اکثر حالات میں ایک صادق اور بے لاگ ڈیوٹی کہی جائے گی گو اس میں بھی بعض وقت میلانات کی کشمکش و خلط ملط سے غلطیان اور لغزشین ہو جاتی ہین۔ مگر پھر بھی جہان تک اُن کا دامن پاک و صاف رہتا ہی وہان تک یہ براہ راست ایک اخلاقی قیمت رکھتی ہین۔ اور اُس کی ضرورت سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ اور نہ اِس بات سے انکار کر سکتے ہین کہ دنیا کی مربیانہ کیفیات کا مدار خاصکر اس پر ہے۔

یہ ضمیری ڈیوٹی باوجود اسکے کہ ایک وقت ایک انسان خود اپنے ہی جھمیلون اور تکلیفات مین گرفتار اور ماؤف ہوتا ہو دوسرون کی تکلیفات و مصائب پر مربیانہ نظرون اور ہمدردانہ نگاہون سے غور کرنا بھی ایک فرض سمجھتا ہو اور اُس غور کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہی کہ ہم دنیا مین باوجود ایک وسیع خود غرضی کے بھی بہت سی ایسی روشن اور بے لاگ مثالین پاتے ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ بہت سے لوگ اور بہت سی ہستیان اپنا نقصان اور اپنی تکلیف بھی گوارا کر کے دوسرون کی واجبی امداد سے غافل نہین رہتین۔ اگرچہ وہ اپنی ذاتی کامیابی و ذاتی خوشی کو الگ کر دیتی ہین لیکن دوسرون کی بے لاگ امداد سے اُنھین جس قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہی وہ اس ذاتی خوشی سے زیادہ قیمت اور زیادہ وقعت رکھتی ہی جو اُن کا حق اور ذاتی سرمایہ تھا یہ دوسری قسم کی خوشی پہلی قسم کی خوشی سے ایک خاص امتیاز اور ایک خاص کیفیت رکھتی ہی۔

اگر قدرت کی جانب سے کسی شخص کے دل مین ہمدردی اور مروت نہین رکھی گئی یا کوئی شخص طبعاً ہی ایسا سنگ مزاج ہوا ہے کہ دوسرون کی تکالیف اور مصائب سے اُس کے دل و دماغ پر کوئی اثر ہی نہین ہو سکتا، خاصکر اس وجہ سے بھی کہ وہ خود ایک صابر اور مستقل مزاج ہی اور وہ خیال کرتا ہی کہ دوسرے لوگ بھی اسیطرح مصائب اور تکالیف مین استقلال اور صبر کر سکتے ہین، اور ایسی ہی طبیعت رکھتے ہین، تو یقیناً ایسا آدمی معمولی نہین خیال ہو سکتا بلکہ ایک خاص دل نہ گردہ کا جو اخلاقی پہلو سے بہت کچھ دور ہوتا ہی۔ اگر قدرت نے کسی ایسے شخص کے دل مین خاص طور پر ہمدردی اور مروت کا خاصہ رکھا ہو تو کیا پھر بھی ایسے شخص کی ذات مین ایسا میلان نہ پایا جائے گا کہ وہ خود کو اُس سے اعلیٰ مستقل اور ممتاز حالت مین دیکھ سکے۔ کیونکہ جب وہ ابنائے جنس کے مصائب اور مایوسیون پر اپنے دل مین کوئی تحریک نہین پاتا تو اس کی تمام امتیازی خواہشات خود اپنی ذات پر ہی ختم ہو جانی چاہیئین۔

لیکن جب ہم یہ فطری خواہش خود اُس مین بھی دیکھتے ہین کہ اپنی ناکامی اور اپنی مصیبت پر خود وہ بھی دوسرون کی حمایت اور مروت و ہمدردی کا خواستگار رہتا ہی تو ہم یہ سمجھتے ہین کہ وہ اپنے فطری خاصہ کی غلطی سے دوسرے رنگ مین مل رہا ہی ورنہ قدرت نے اُسے بھی ایک ایسا فطری خاصہ رکھا ہی کہ اگر وہ چاہے اور اپنے فطری خاصہ پر غور کرے تو وہ باوجود ایسے نیک خلقت ہونے کے بھی اپنی ذات مین ایسی کیفیت پیدا کر سکتا ہی۔ اسی خاصہ فطری سے انسان کے چال چلن اور رویہ کی اخلاقی قیمت پڑتی ہی اور اُسی سے خاصہ فطری نمایان ہوتا ہی۔

یہی طرز عمل بلا کسی نسبت اور مقابلہ کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے، اور اِسی سے ثابت ہوتا ہی کہ ایسا شخص اپنے دل مین ایسا رحم اور ایسا سوز رکھتا ہی جو صرف ڈیوٹی کی وجہ سے ہوتا ہی نہ کہ کسی میلان کی وجہ سے۔

ہم دنیا مین بہت سی باتین صرف اپنے میلان کی خاطر کرتے ہین۔ گو اُس مین بھی دوسرون کو فائدہ پہنچتا ہی اور اُسمین بھی اغیار کی طمانیت کا سامان مہیا ہوتا ہی اور جبکہ صادق ڈیوٹی اور صادق فطری فریضہ کا تہیہ نہ ہو اُسکی بھی ضرورت ہی کیونکہ جب ایک بہانہ ہی سے دنیا مین کوئی بھلائی ہوتی ہی تو وہ بھی رفاہ عام کی جہت سے ایک قیمت رکھتی ہی،

اگر ایک شخص محض شہرت اور عام عزت کی خاطر ایک سرائے یا ایک پل یا ایک مدرسہ بناتا ہی تو باوجود اسکے کہ اُسکی علت ایک شہرت ہی ہوتی ہی۔ پھر بھی اُس سے دیگر ابنائے جنس کو فائدہ پہنچتا ہی اور خود اس کو بھی ایک خوشی حاصل ہوتی ہی۔

خوشی

ہم طبعاً ہمیشہ خوشی کے متلاشی اور خواہشمند رہتے ہین اور ہماری سرشت کا یہ خاصہ ہی کہ ہم خوش رہین یا ہمین زیادہ خوشی نصیب ہو۔ ہر انسانی ہستی خوشی کی گرویدہ ہی اور ہر انسانی ہستی کی یہ ایک انتہائی خواہش ہی۔ گو ہماری خوشیون اور مسرتون کا پیمانہ اور رنگ ہمیشہ مختلف ہوتا ہی لیکن خوشی کی خواہش ہر انسانی ہستی کا گویا ایک فطری ورثہ ہی جیسے افعال مین تضاد اور فرق ہی ایسے ہی خوشیون مین بھی تضاد اور فرق ہی یا یون کہو کہ خوشیون کے بھی نمبر ہوتے ہین خوشیون کی مندرجۂ ذیل قسمتین ہو سکتی ہین۔

(الف) خوشی بلا معاوضہ:۔

(ب) خوشی بالمعاوضہ

(ج) خوشی متعاہد۔

(د) خوشی غیر متعاہد۔

ہم اکثر چاہتے ہین کہ ہمین بامعاوضہ خوشی حاصل ہو اور یہی ہمارا حق بھی ہی لیکن یہ ایک اضافی خیال ہی۔ ہمارے واسطے وہی خوشی ایک صادق خوشی ہو سکتی ہی جو بلا کسی امید اور بلا کسی معاوضے کے ہو اور وہی خوشی ایک ضمیری (فطری) یا صادق ڈیوٹی کے لباس مین ہوتی ہی۔

ذاتی خوشی کی تلاش مین رہنا یا خوشی کا بالواسطہ قائم رکھنا ایک ڈیوٹی ہی۔ کیونکہ اپنی حالت کو بے صبری اور گوناگون تشویشون اور غیر محدود و غیر مستقل خواہشون سے خود کو آزاد رکھنا ڈیوٹی کے واسطے ایک بڑی مفید اور قیمتی تحریص ہی۔

عام حالت یہ ہی کہ تمام لوگ بغیر ڈیوٹی کے لحاظ اور پاس کے شروع ہی مین خوشی کی طرف نہایت قوی اور گہرا میلان رکھتے ہین۔ کیونکہ صرف یہی ایک خیال اور صورت ہی جس سے تمام قسم کے میلانات ایک مرکز پر یا ایک میزان مین جمع ہو سکتے ہین۔ خوشی کی اگر مختصر تعریف کی جائے تو یہی ہو سکتی ہی کہ وہ ایک تکمیل یا حصول میلانات کا نام ہی۔

ہر میلان اپنے ساتھ ایک قسم کی خوشی کی توقع لاتا ہی اور اُس کا عملی رنگ مین پہلا قدم یہ ہوتا ہی کہ اُس کے پورا ہونے کے بعد ایک خوشی حاصل ہو۔ کامیابی اور خوشی اکثر ایک ہی معنون مین آتی ہین۔ کامیابی کے ساتھ خوشی لازمی ہی اور ناکامی موجب ناخوشی ہی۔

کبھی کبھی خوشی بعض میلانات کی راہ مین حائل بھی ہو جاتی ہی، کیونکہ بعض میلانات جس رنگ مین اپنی تکمیل چاہتے ہین وہ اس خوشی کے انداز سے مغایر ہوتا ہی جو میلانات سے مزعوم ہوتا ہی اور بایں حالات تمام قسم کے میلانات کا پورا ہونا بھی تشفی بخش نہین ہوتا اور نہ ایسی حالت کوئی خوشی رکھتی ہی۔

ایسے حالات اور ایسی کیفیات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ کبھی کبھی ایک میلان دوسرے میلان کے تابع ہو کر چلتا ہی اور دوسرا میلان اُس پر غالب آ کر ایک دوسری روش اختیار کرتا ہی۔

مثلاً ایک خواہش جو یقینی ہی باعتبار اُس کیفیت اور اس حالت کے ہی جس کی وہ توقع دلاتی ہی اور نیز بلحاظ اس وقت کے جس کے اندر وہ پوری ہو سکتی ہی کسی ایسے متزلزل خیال سے مغلوب ہو جائے جو اپنے اندر یا اپنی تہ مین واقعی خوبی نہین رکھتا تو کہا جائے گا کہ ایک میلان کی جگہ ایک دوسرے میلان نے لے لی۔

فرض کرو کہ ایک مریض تندرستی کے اعلیٰ میلان پر جو فی الواقعہ اسکے واسطے آئندہ ایک خوشی ساتھ لانے والا ہی یہ اختیار کر سکتا ہی کہ

جو جی چاہے کھائے اور جو تکلیف پیش آئے برداشت کرے کیونکہ اس نے اپنے خیال اور اندازہ کے بموجب موجودہ وقتی لطف اور لذت کو آئندہ کی متوقع اور موہومی خوشی پر جو اسے بحالت تندرستی حاصل ہوگی قربان نہیں کیا لیکن اس حالت مین بھی اگر مستقل خوشی کی عام خواہش نے اُسکے ارادہ اور اس کی فطرت پر اثر نہین ڈالا اور ساتھ ہی اُسکے یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ایسی صورت مین صحت اُس کے خیال مین کوئی ضروری عنصر نہین تھا۔ تو ایسی حالت مین بھی دوسری حالتون کی طرح یہ دعویٰ اور یہ خواہش یا یہ قانون باقی رہتا ہے کہ ہمین اپنی خوشی کو ترقی دینی چاہیئے۔ صرف میلان کی وجہ سے بلکہ ڈیوٹی کے خیال سے۔

اِسمین کچھ شک نہین کہ اکثر ہم میلانات کے ماتحت ہوکر خوشی کے متلاشی رہتے ہین اور اس قسم کی میلانی خوشیان بھی خوشی ہی ہوتی ہین لیکن وہ خوشی جو ڈیوٹی کے ماتحت حاصل ہوتی ہے وہ کچھ اور ہی قیمت رکھتی ہے۔

ڈیوٹی بھی ایک میلان ہی ہے

اگر ہم تنقید میلانات مین ایک صحت کے ساتھ اندازہ لگانے کے عادی ہون گے تو ان لینا پڑے گا کہ ڈیوٹی بھی ایک میلان ہی ہے۔ ہر ایک قسم کے میلان خود ہماری قوتون اور جذبات کے ماتحت نشو و نما پاتے اور ہستی پذیر ہوتے ہین اور ڈیوٹی یا ڈیوٹی کا خیال بھی اُن ہی قوتون اور اُن ہی جذبات کے ماتحت سرسبز ہوتا ہے جب ہم خلوص کے ساتھ اپنی اغراض اور اپنی ضروریات سے قطع تعلق کرکے کوئی کام کرنا چاہتے ہین اور سر دست ہم اس مین کوئی ذاتی غرض اور کوئی ذاتی مفاد بھی نہین پاتے تو وہ بھی ایک میلان ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ ہماری طبیعت اور دل و دماغ سے باہر نہین ہوتا اور فطرت ہی اُسکی بھی بانی ہوتی ہے۔ یہ ایک غلطی ہوگی اگر ہم ڈیوٹی یا فرض کو میلانات کے زمرہ سے خارج کردین کیا ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ کوئی ڈیوٹی یا کوئی فرض میلان کی حدود سے خارج ہوتا ہے یا اس مین میلان نہین پایا جاتا یا اسمین ایک صحیح میلان کی جھلک نہین ہوتی۔

دراصل ڈیوٹی بھی ایک میلان ہی ہوتا ہے لیکن ایسا میلان جو ناجائز خودغرضی اور کوئی لاگ اپنے ساتھ نہین رکھتا بلکہ زیادہ تر صادق ضمیر اور صادق فطرت کی آغوش مین پرورش پاکر کھلا اور عملی رنگ مین آتا ہے ؎

دلِ جانان زعالم دگر است
سنگ و آہن چنین نمی باشد

اگرچہ وہ افعال بھی ایک خوبی اور ایک قیمت رکھتے ہین جو اغراض و میلانات کے ماتحت ہوکر صادر ہوتے ہین اور اُنکی ضرورت سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا اور اُن کی بھی کثرت ہے مگر اُن افعال کی قیمت اور قدر فی الواقع زیادہ ہے جو اِن قیود سے مُبرا اور آزاد ہین۔

سلطان احمد

رباعی سید نظیر حسن صاحب نظیر

وہ دل وہ دماغ وہ طبیعت نہ رہی　وہ ذہن نہین رہا وہ جدت نہ رہی
آرام کی شکل اب عوارض سے نظیر　ایسی بدلی کہ آدمیت نہ رہی

داستانِ اُردو

(گذشتہ سے پیوستہ)

نئے سیّاح اور بھاشا کی فتح!

وسط و مغربی ہند کی پرانی اور نئی قومین گردنون مین ہاتھ ڈالے ابھی سُکھ نیند سو رہی ہین اور طفل بھاشا ابھی اپنے گہوارے مین جھول رہا اور اپنی دونون اناؤن اور دداؤن کی میٹھی لوریان سُن رہا تھا کہ پھر دنیا کے ایک حصّہ مین پھر ہیجان شروع ہوا؟

زمانہ کئی صدی آگے بڑھ آیا عربی و ایرانی علم ٹھنڈے ہو گئے اور اب کون کا پرچم چمکا۔ آل سامان[۵۲] کی بے سر و سامانی نے اُس گھر کے ایک غلام الپتگین کی کمر کسوائی اور غزنی و کابل پر ہاتھ مارکے اُس نے سکا کھو لا سبکتگین[۵۳] اُس کا جانشین گھر کا بندوبست کرکے باہر کی ہوا کھانے نکلا باغ ہند بغل مین تھا پہلے اِدھر متوجہ ہوا راجہ جے پال سے دو دو ہوئی جنگ و صلح دیبان سے بلی[۵۴] اس جیپال کی شکست پر سبکتگین جھلا یا ہوا پھر لوٹا اور ایکے اِس باغ کا دروازہ زبردستی کھول لاہور بلکہ آگے تک دریا کی طرح بڑھا چلا آیا۔

محمود اُس کا فرزند ہمان کی بہار پر غش تھا۔ باپ کی جگہ لیتے ہی ادھر کی ہوس بڑھی اور وہ سترہ[۵۵] دفعہ پوری ہوئی!

اس کی یہ گلگشت کچھ نئی بہارین ساتھ لائین اور ہند و ترک کے تعلقات کا نوروز پھر شروع ہو گیا!

اتحادِ زبان اور اتحادِ خیالات کا جو بیج دہ بو گیا وہ آخر پھوٹا پھیلا درخت بنا اور بڑھ کر رفتہ رفتہ اتنا گھنا اور عظیم الشان ہو گیا کہ کوئی دنیا کی مخالف آٹھ سو برس تک اُسے ہلا نہ سکی!

یہ اُسی کی سیاست و مردانگی تھی کہ یہان سے راجہ جیپال مہمان بنکر غزنی گیا۔ اور یہ اُسی کی حوصلہ مندی تھی کہ بھٹنڈہ لیکر پھر یہین کے ایک راجہ (سکھ پال) کو حوالہ کر گیا۔ یہ اُسی کی فراست تھی کہ ہندی سپاہی اُس نے اپنی فوج مین بھرتی کیے اور ہند و خراسان کی راہ کھول کر دونون کو ایک کر دیا۔ یہ اُسی کی سچی دوستی اور مروت تھی کہ جب راجہ کنور رائے نے اپنا ملک قنوج حوالہ کرکے اُس سے بھائی چارا قائم کیا تو پھر محمود اُسکی امداد پر تُل گیا اور کالنجر والون نے جب قنوج کو روندنا چاہا تو وہ (محمود) اپنے دوست کی کمک پر غزنی سے آندھی کی طرح اُٹھا اور کالنجر والون پر گرجا اور برسا!

صاحبو! سومنات کا افسانہ سنتے سنتے کان کر ہو گئے اور انگریزی درسی تاریخون نے ہمارے بچون کو محمود سے عداوت و نفرت رکھنے کے سوا کچھ نہین سکھایا!

اُس لٹیرے کے سلوک کا ایک چرچا بھی تم نے کہین سنا ہو تو بولو اور کبھی یہ بھی بتایا گیا ہو تو کہدو کہ اُسی سومنات کے لوٹنے پر اُس کا سیحاصل علاقہ وہ (محمود) کس فیاضی سے یہین کے ایک پنڈت دابشلیم کو تفویض کر گیا!

صاحبو شاہنامہ فردوسی کی داستان بھی سنی اور حسن میمندی کو چھوڑ کر ہجو محمود زبان زد خاص و عام ہو گئی مگر بہت کم آنکھون نے منھ کو لگالیا اور راجہ نندا رائے کے نتیجہ خیز واقعہ کو دیکھا جب یہ (محمود) گوالیار پر چڑھا[۵۶] اور قلعہ کا سخت محاصرہ ہوا تو وہان کے راجہ نندا رائے نے صلح کی درخواست کی اور بہت ارمغان دیے مگر محمود اپنی جگہ سے نہ ہلا آخر راجہ نے اپنی بھاشا

---

۵۲ عرب و ہندی ۵۲ سامان ایک پارسی امیر تھا مسلمان ہوا اور اسکی اولاد عباسیون کے وقت مین بڑھی اور رفتہ رفتہ مشرقی ایران پر قابض ہو گئی ۵۳ سبکتگین غلام الپتگین۔ مگر کہتے ہین کہ وہ شاہِ یزدجرد کی نسل سے تھا ۵۴ ۳۶۷ ہجری ۵۵ محمود ۱۰۰۹ء مین ادھر آیا اور اُسکے سترہ حملے مشہور ہین ۱۲

۵۶ دیکھو طبقات اکبری ۱۲۰ ۱۰۲۳ء

مین ایک قصیدہ نظم کرکے اُسے بھیجا۔ محمود پر اس نظم کا وہ اثر ہوا کہ اُس نے قلعہ ہی سے ہاتھ نہ اٹھایا بلکہ پندرہ اور (اپنے مفتوحہ) قلعے اس راجہ کو بخش کر واپس چلا گیا!!

ہمارے مخدوم بابو نرندر ناتھ (رام لے) اپنی کتاب ترقی علوم و فنون در زبان مسلمان بادشاہان ہند مین اس نتیجہ خیز واقعہ کو نقل کرکے کیا خوب کہتے ہین کہ دنیا مین آجتک کسی زبان و لٹریچر کی ایسی فتح و تسخیر دزی اور کسی فاتح کا ایسا عمدہ مذاق نہ کانون نے سُنا اور نہ آنکھون نے دیکھا!

صاحبو! یہی وہ بھاشا تھی جس نے یون ناک دل چھینے اور یہی وہ مشترکہ زبان تھی جو محمود کے وقت تک اتنی سیر ہوگئی کہ ایک ترک پر یون قبضہ کر بیٹھی!!

یہ محمود ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ مسعود (اُسکے فرزند) نے اور لوازمات سلطانی کے ساتھ ہند کے تعلقات کو بھی قائم رکھا اور سیوال کو نفی ونس کو ہمیشہ بڑھاتا رہا! اُسکا ہندی رسالہ اور اُسکا افسر سپاہ سوبندرائے سلطان کا معتمد اور حملۂ کرمان و ہرات مین پیش پیش تھا۔ اس تعلق و اعتماد کو یہین پر ختم نہ سمجھو بلکہ کچھ آگے سنو۔

صاحبو! صرف بیس پچیس سال کی آمد و رفت اور شناسائی مین ایک شریف قوم دوسری شریف قوم پر وہ اعتماد و بھروسہ کرتی ہے جسے آج ہندستان ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگ رہا ہے اور جو اُسے آج سے ہزار سال قبل بے مانگے حاصل تھا!

صاحبو! اعلیٰ حضرت والسرائے جے پور تشریف لے گئے تھے وہان اُنھین اکبر اور راجپوتون کے پُرانے تعلقات بے اختیار یاد آئے اور وہ راجہ مان سنگھ کی سفری و سرداری کا تا دیر ذکر فرماتے رہے!

اسپر ہمارا بنگالی (اخبار) نوٹ لکھ کر موجودہ حکومت کو اکبری اعتبار و بھروسہ کا سبق پڑھاتا ہے! مگر شاید اُسے یہ معلوم نہین کہ اکبر اس کا موجد نہین بلکہ محمود کا فرزند سلطان مسعود اس کا بانی ہے!

صاحبو! تاریخ دانون پر پوشیدہ نہ ہوگا کہ محمود نے پنجاب و اطراف پنجاب کو اپنی سلطنت مین داخل کرکے لیپیٹ دین الجھ گیا اور پھر ادھر کی خبر نہ لے سکا۔ سلطان مسعود نے پھر ہند کا خیال کیا۔ احمد نیالتگین یہان کی گورنری و سپہ سالاری پر بھیجا گیا۔ لیکن سلطان کو اُسکے کامون سے تشفی نہین ہوئی اور نظم و نسخ ہندوستان کیلئے کسی معتمد کے بھیجنے کی فکر ہوئی۔ رائے و مشورہ کےلیے کونسل بیٹھی اور سب نے بالاتفاق ایک ہندو سردار تلک کو جو وہان حاضر دربار تھا پیش کیا۔ سلطان نے پہلے پسند کی اور سردار تلک سپہ سالار دکو ۔۔۔ ممالک محروسہ ہندستان مقرر ہوا اور بڑے خدم و حشم کے ساتھ ادھر بھیجا گیا!!

صاحبو! یہ وہ اتحاد و اتفاق تھا جس نے دو مختلف قومون کو متفق کرکے اُن کی زبانون کو بھی آخر ایک کر دیا! بیرونی اسی وقت مین اپنے اصلی وطن ہند کی زیارت سے مشرف ہوا اور یہان سے علوم اور زبانون کے وہ ذخائر لے گیا کہ ایران و ترکستان مین مدتون اُن کا چرچا رہا!

لے دیکھو پروسیڈنگز آف لٹریری ان انڈیا ڈبورنگ ٹین رول اپنی محمڈنس مطبوعہ لونگمنس گرین لندن سنہ ۱۹۱۶ء

لے پڑھو حضور والسرائے کی جے پور والی اسپیچ ۱۲

لے تک مذہباً تو آہندو تھا محمود کے پیدا کردہ تعلقات نے اُسے غزنی پہنچایا۔ وہان اس نے قاضی ابوالحسن کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا اور پھر دربار مسعودی مین بیحد عزت و امتیاز کی کرسی حاصل کی!

لے بیرونی (ابوریحان) سندھ کے ایک شہر برہن مین تقریباً سنہ ۳۶۲ھ مین پیدا ہوا تحصیل علوم کا شوق اسے عرب و ایران لے گیا۔ شاہ فارس شمس المعالی قابوس نے اسکی عزت کی اور اپنا وزیر بنانا چاہا مگر اس تشنۂ علم کی اس عہدہ سے کیا سیری ہوتی۔ وزارت سے انکار کرکے ہند واپس چلا آیا اور اپنے علمی تحقیقات و تصانیف مین مصروف رہا۔ پھر اپنے اصلی وطن ہند کی سیر و سیاحت پیکر باندھی۔ ادھر آیا اور عرصہ تک یہان رہکر یہان کے علوم (مذہب، فلسفہ اور نجوم و طب وغیرہ) حاصل کرکے پھر ترکستان و ایران چلا گیا اور وہان اپنے معلومات سے فائدہ پہنچاتا رہا۔ بیرونی برہمنون کے فلسفۂ مذہب کا عاشق اور بھگوت گیتا کا بیحد ادب کرتا ہے۔

لے دیکھو کتاب الہند از بیرونی ۱۲

اور ہندی و فارسی پھر اِس طرح لپٹنا اور مخلوط ہونا شروع ہوگئی!

فارسی کا یہاں گھر کرنا اور ہندی سے بہنایا!

ہندی اختلاط و ارتباط کا حال ابھی تم ابن حوقل کی زبان سے سُن چکے اور مسعودی و بیرونی، فارسی و ہندی ملاپ کی تاریخ بتا چکے محمود و مسعود نے اس یک جہتی کو بڑھایا لیکن جبتک غوری تم نیشہ اور اوچہ[۵] کی باج گذاری، شہاب الدین کے محل میں داخل نہوئی ہندو مسلم اتحاد اور ہندی فارسی اختلاط ترقی نہ کرسکا۔ اور جبتک ترکی غلام یہاں کی خاک پاک کا نشقہ کھینچ اس دیر میں آسن جماکر بیٹھ نہ گئے آقاے ہند نہ بن سکے اور فارسی ہندی کا ریختہ پختہ نہوسکا یہ غلام شاہوں کا دل و دماغ لائے تھے۔ اس زمین کے ساتھ اُنھوں نے مشاہانہ سلوک کیے اور جس لودب و انشانے عجم کو گویا اور انھیں ترک، دنیا میں رسا کیا اُسے زینت تاج و تخت سمجھتے اور خلوت و دربار میں ہمیشہ بار دیتے رہے!

اِن ہی کے وقت میں دکھن و بنگال فارسی کے زیرنگین ہوا اور دلی زبانوں کا مرکز اور علوم کا گھر بنی ہوئی غزنی و بغداد جیسے کہ بن موہی تھی عربی و ایرانی فضلا و اُمرا کے ساتھ شعرا و ادبا کی آوازیں بھی۔ دارالامارت کے ہرگلی کوچہ میں گونج رہی تھے اور پُرانے خیالات مصافحہ کر رہے اور مہمان و میزبان کی زبانیں گلے مل رہی تھیں کہ سلطان بلبن[۶] کا مبارک وقت آپہنچا اور میر خسرو کا طوطی زبان بولنے اور چہکنے لگا۔ رنگ محفل کا شناسا ان سے بہتر کون تھا۔ اپنی خالق باری کے پردے میں وقت کا ساز چھیڑ کر صحبت گرما گئے اور خالق باری سرحق بار رتا داحد ایک بڑا اکرتار سے بسم اللہ کرکے دو زبانوں کے ساز بازہی کو نہیں بلکہ دو مذہبی قوموں کے خیالات و جذبات کو بھی بتا اور سمجھا گئے! اور فارسی کے یہاں گھر کرنے اور ہندی سے بہنایا ہوجانے کی ایک نادر و مزید تاریخ لکھکر چھوڑ گئے!

صاحبو خسرو پاے تخت کے شاعر، شہزادوں کے اُستاد اور شاہوں کے رفیق و ہمدم تھے۔ اُنکی زبان گویا سلطنت کی زبان تھی۔ یہ خالق باری، حاکم و محکوم دونوں کے دل کا آئینہ بنی اور اُسکے لفظ لفظ سے اُسوقت کی حکومت اور رعایا کے اصلی حالات کا مرقع پیش نظر ہوگیا!

فارسی ہندی عشق!

جس ضرورت نے خالق باری کو پیدا کیا وہ ضرورت روز بروز بڑھتی اور پوری ہوتی رہی۔ شاہی اشارہ بھی اُسے مدد دے رہا اور ہندو مسلم اتحاد بڑھ رہا تھا کہ خلجیوں[۱] کا دربار جمکا اور اب ایرانی علما کے ساتھ ہندی فضلا بھی زینت مجلس ہونے لگے۔ کیتھا کس ایک فاضل و تبحر پنڈت و منجم اسی دور کا آفتاب علم و دانش مانا گیا اور مغربی و مشرقی علوم و زبان کی شعاعیں ملیں اور اُس زمین کو منور کرنے لگیں۔ علاالدین اِس آسمان کا وہ شاہ خاور ہے جس کی بدولت اتحاد کی روشنی اور پھیلی گجرات کی زہرہ مہارانی کملا دیوی[۲] نے اس کی منزل کو منور کیا اور بادشاہ اُس پر دین و دولت نثار کر بیٹھا قلعہ سلطانی راج گڑھ بنا اور محل کے اندر اور باہر فارسی ہندی، جھنڈا ساتھ اُڑنے اور لہرانے لگا!

لہ دیکھو فتح اوچہ کے حالات سنہ ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء۔ یہ بلبن ہی کا زمانہ تھا کہ شہزادگان و امراے ترک و ایران جوق جوق یہاں آئے اور دلی کا گلی کوچہ اُنکے قدموں سے آباد ہوگیا۔ فضلا و شعراے ایران سے دربار سلطان ہمیشہ بھرا رہتا بادشاہ خود ادیب و شاعر تھا اور اُسکے بڑے بیٹے سلطان محمد کے علم و فضل اور شاعری سے عشق کی حکایتیں آجتک مشہور ہیں۔

سہ سنہ ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء۔ سکہ کملا دیوی۔ راجہ کرن رائے کی رانی۔ دیکھو حالات فتح گجرات در سنہ ۷۰۶ھ / ۱۳۰۶ء۔

اس لقمانِ اخلاص کو سلطنت کے دو شرکون خضر خان و دیول دیوی نے اور بلند کردیا۔ ان کے آپس کی محبت والفت نے قصۂ نل دمن کو افسانہ بنادیا۔ شعرا نے اس کی یاد تازہ رکھی اور فارسی ہندی عشق کا چرچا مدتوں زبانوں پر رہا!!

فارسی ہندی گورمنٹ!

یہی وہ رکھی بندھن تھا جس نے دو مختلف قوموں کو ایک رشتہ مین باندھ کر حاکم و محکوم کی مغائرت اور جھجھک دور کردی اور فارسی کی سلطنت مین ہندی بھی شریک ہوگئی! اس دلی اتحاد نے آخر وہ زور پکڑا کہ قومی اختلاف مٹا اور قطب الدین (مبارک شاہ) نے ایک ہندو نژاد خادم کو خسرو کا خطاب دیکر اپنے تخت پر جگہ دیدی! اسکی نیابت و وزارت مین ہندیون نے اپنے ملکی کامون کا بار اٹھایا اور اسکی بادشاہت مین تو فارسی و ہندی پہلو بہ پہلو نظر آنے لگی!!

صاحبو، یہ تھا آج سے نو سو برس قبل کا اتحاد اور یہ تھی وہ ہندستانی سلف گورنمنٹ جسے ہماری تاریخ دان جماعت اب تک مزے لے لیکر یاد کررہی ہے!

کچھ تازہ تعلقات

یہ اتحاد روز بروز ترقی کررہا اور ادب و انشا کا مذاق بھی ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا کہ شاہانِ تعلق اپنا علم لیے نکلے۔ یہ سیف و قلم دونون کے بادشاہ تھے۔ ان کو مدتون چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا لیکن ادب و شعر پر سکا چسکا وہ بڑھا ہوا کہ تلوار کی جھنکار مین بھی اسی کی خوش آیند آواز کانون مین آیا کرتی ہے! محمد تغلق کی محفل بھی یون ہی جمی۔ وہ جب اس نے ذرا کمر سیدھی کی شعروشاعری کلفت دور کرنے سامنے آبیٹھی۔ یہ خود شاد ادیب اور فضلائے روزگار مین سے تھا۔ اس کا دربار شعرا سے بھرا رہتا اور عربی و فارسی ادیبون کے ساتھ ہندی گو[۲] بھی دامن دولت سے لپٹے رہتے اور انھین مالا مال کرتا رہتا[۳]! یہان کی بھاکھا کے علم اور اس کے ساتھ شاہی دلچسپی و محبت کی ادنی مثال یہ ہے کہ جب وہ ایک مہم کے عزم پر فرخ آباد کے ایک قصبہ کھور مین اترا اور وہان اسے آرام ملا تو خوش ہوکر اس قصبہ کو سرگ دواری[۴] (دروازۂ جنت) کا لقب بخشا۔ اور اسطرح رعایا کا دل شاد کرکے اتحاد زبان کا سبق دیتا ہے!

سلطان فیروز ادب و شاعری کو ترقی دینے اور غیر زبانون مین لکھے ہوا پیدا کردینے مین ہارون و مامون وقت تھا[۱]۔ یہ بھی محمود تغلق کیطرح فاضل اور دلدادہ علوم و فنون تھا۔ نگرکوٹ سے سنسکرت و ہندی (بھاشا) کی ہزارہا کتابین دلی ساتھ لایا۔ انھین وہان کے پنڈتون اور علما کو جمع کرکے انمین سے اکثرون کے ترجمہ[۶] کا حکم دیا۔ علما کو یہان کی زبان بتائی اور پنڈتون کو

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۳۷ پر ملاحظہ)

---

[۱] خضرخان (پسر علاء الدین) و دیول دیوی (دختر کملادیوی) کے عشق و محبت کے قصے زمانہ مین یادگار رہینگے۔ ہندی و فارسی شعرا نے اسپر نظمین لکھین اور امیر خسرو نے تو اپنی ایک مثنوی ہی انکے نام پر معنون کی۔ دیول دیوی واقعی مہر و وفا کی دیوی تھی جو خضرخان کے ساتھ قید خانہ مین شہید ہوکر ہندی لیکر کا نام زندہ کرگئی۔ اسی واقعہ کی طرف خسرو نے اشارہ کیا ہے ؎

بجائے آب ایشان گل خون کشیدند مگر گل شان گلابش چون کشیدند

[۲] دیکھو۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار از ابوالعباس [۳] دیکھو سفرنامہ ابن بطوطہ۔ محمد تغلق نے شمس الدین اندکانی کو اسکے ایک فارسی قصیدہ کے صلہ مین ۲۷ لاکھ دینار عطا کیا! [۴] سرگ۔ بہشت اور دواری دروازہ [۵] فیروز نے اپنا تزک (آئینہ بالگرفی) خود لکھا۔ ضیاء الدین برنی و شمس سراج عفیف جیسے مورخین اسی کے دربار سے وابستہ تھے۔ [۶] سلوتر سالی ہوترا کی سی نادر تصنیف اسکے حکم سے (فارسی مین) ترجمہ ہوکر قرۃ الملک بنی۔ علم حیوانات پر یہ وہ نایاب کتاب ہے جسے بحکم شاہجہان عبداللہ خان فیروز جنگ نے اضافون اور حاشیون کے ساتھ دوبارہ ترتیب دیا۔ دلائل فیروزی (سنسکرت سے ترجمہ) تاریخ فیروز شاہی از برنی اور عین الملکی کی بھی کتابین اسی کے حکم سے تصنیف ہوئین!

نوٹ: مورخین کہتے ہین کہ محمد تغلق کے دربار مین ایک ہزار شعرائے فارسی گو کے علاوہ ہندی شعرا بھی بہ کثرت تھے۔ سلطان فیروز کے عہد مین بڑی ترقی ہوئی۔ یہ فیروز ہی تھا جس نے ہندو یادگارون کی توقیر کی۔ اشوک کے مینارون اور ستونوں کو جو ضلع خضرآباد و میرٹھ مین ویران و بحالت کس مپرسی پڑے تھے (بغیر ریل کی مدد اور موجودہ انجینیرون کی مدد کے)

فارسی سکھائی اور یوں اُن دونوں میں ربط ڈالا! اور یہ اسی مبارک عہد سے ایک نیک شگون تھا کہ عام لوگوں ... علماے ہند کا لب ولہجہ بھی بدلا اور اُنکی زبان میں وہ فرق ہو چلا جس کا نتیجہ اسکے کچھ ہی دنوں بعد ایک نئی صورت میں ظاہر ہوا۔

صاحبو۔ یہ نئی صورت آپکی اِس اُردو کا دھندلا تھی جو صدیوں کی مشق و کارگیری کے بعد آخر آپ کُن دنیا کے سامنے ظاہر ہو گیا!

فارسی تعلیم اور ہندی عروج

اِن علمی چرچوں اور قوموں اور زبانوں کے ارتباط و اختلاط کو ایک صدی گذر چکی اور دماغوں میں یکسوئی پیدا ہو چلی تھی کہ لودھیوں کا دربار دربار آچکا۔ یہ محفل اگلی صحبتوں کی یادگار اور ریانی وضع وطرح میں گذشتہ مجلس سے زیادہ پختہ و دیرپا تھی! بہلول کے بعد سکندر نے اِس انجمن کو رونق دی۔ یہ واقعی نصیبے کا بھی سکندر تھا اور اُس کا زمانہ دلوں کی فتح اور منافرتِ قومی کی شکست کے لیے صفحہ روزگار پر ہمیشہ تاباں رہے گا۔ وہ بھی اپنے پیشرو دوں کی طرح ادب افغانکا عاشق اور شاعری پر فریفتہ تھا گلرخ تخلص کرتا اور قصائد و غزلیات کا شیفتہ رہتا۔ اپنے ادب کے ساتھ یہاں کے لٹریچر کی اشاعت میں وہ محمد و فیروز (تغلق) سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اور اگرچہ ایک بید کی سی طبی تصنیف کو اُسی نے فارسی کا خلعت بخش کر طب سکندری خطاب دیا! علم کے شوق کی انتہا یہ تھی کہ سیف و قلم کو اس نے ایک ہاتھ میں پکڑا دیا فرمان ہوا کہ ہمارے فوجی ملازم ناخواندہ نہ رہنے پائیں!

اِس حکم نے تعلیم کو عام اور جاہلوں کو خواندہ بنا کر ملک بھر میں شائستگی پھیلا دی!

صاحبو۔ اِس سکندر کا یہی ایک آب حیوان تھا کہ ملک و قوم کی سرسبزی کے لیے اور بھی بہت سے چشمے اُس نے جاری کیے جسکا ملکی کے لیے کالے گورے کا امتیاز اُسی نے اُٹھایا اور صرف علم کو معیار قرار دیکر حاکم و محکوم کو ایک ہی صف میں لاکھڑا کر دیا! اس تدبیر سے ملک بھر میں حیرت عام ہوا اور تحصیل علم کے لیے مسابقت ہوئی۔ اہل ہند شوق سے آگے بڑھے اور سلطنت کی زبان سیکھ کر دولت سے متمتع ہوئے۔ اور بقول مسٹر بلوکمین ٹہ بہت جلد وہ اپنے استادوں پر سبقت لے گئے! بہت کم مدت میں نئے خیالات اور نئے نکات نمایاں ہو گئے اور کوئی شاعر مثل سعدی و حافظ گھر گھر درس و سبق دینے لگے۔ پنڈت ڈونگر مل سہ اسی سکندری عہد کے وہ ادیب ہیں جن کی شاعری و زباندانی نے مسلمانوں کے کان کھڑے کر دیئے اور وہ اساتذہ میں شمار کیے گئے!

اُردو!

جبکہ حاکم و محکوم کا امتیاز یوں اُٹھ رہا اور تعلیم اس طرح عام ہو رہی ہو تو پھر سلطنت و رعایا کی زبان بھی کب تک الگ رہ جاتی ضرور ہوتی اور فارسی ہی ملکی زبان قرار پاتی لیکن یہ سلاطین اب ہندی ہو چکے اور یہیں کی خاک کو اکسیر و کیمیا اور یہیں کے پتھروں کو اپنا پارس سمجھ رہے تھے۔ وہ علاوہ اور ملکی اثرات سے متاثر ہونے کے یہاں کی ریت و رسم تک کہ اُٹھا چکے تھے محفل و مجلس میں گونہ ہار کے ساتھ پان کے بیڑے تک بے تکلف آتے اور صرف منہ چھونے نہیں بلکہ مزا لینے اور مزا دینے کی خاطر

بقیہ نوٹ صفحہ (...) صحیح و سالم اپنے دار السلطنت تک لے آیا اور یوں رعایا کا دل شاد کیا! آسی گھڑیال (نام پر غور کرو) بھی اسی کی ایجاد ہے جسے موجودہ زبان میں گھنٹہ گھر کہتے ہیں اور تاریخ سے نابلدی کی بدولت سے ہم یورپین ایجاد سمجھتے ہیں! (دیکھو خلاصۃ التواریخ از سجن رائے کھتری) لہ سلطان کی ایک مشہور غزل کا مقطع ہے ؎

گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف ہمچون درِ سیراب سخن در دہنش

ٹہ دیکھو کلکتہ ریویو۔ مسلم تاریخ کا ایک باب۔ از پروفیسر بلوکمین

سہ پنڈت کا یہ ایک شعر اکثر تاریخوں میں نظر آتا ہے ؎

دلِ خون شدہ چشم تو شیخ شدے گر رہ گم نہ شدے زلفِ تو ابتر شدے گر

کہ اختیار کرنا ھہ دیکھو تاریخ فرشتہ وغیرہ ۱۲

جنگیر دن پر چنگیر میش کش ہوتے رہتے۔ اور تو اور یہاں تک کہ سلطان سکندر تک اس اثر سے بچ نہ سکا اور ہندی رنگ اس پر ایسا چڑھا کہ قومی شعار کا لباس اُتار پھینکا ٹیپی داڑھی رسم ہند کے آگے نذر کر بیٹھا اور محتسب وقت مولوی عبد الوہاب کے طعنوں سے بھی نہ ڈرا!

صاحبو جن سلاطین کے بیٹے کلمہ نہ ہو گئے ہوں اور جنھوں نے ہند کو گھر بنایا اور اسکی پیداوار اپنی ہستی کا مدار سمجھا ہو اُن سے کیونکر امید کیجا سکتی تھی کہ اس زمین کی بہترین پیداوار (زبان) کا رونا دیکھ سکین گے۔ انھون نے اسے بھی نعمت سمجھا اور اس نئی تعلیم کے چشمہ سے اُسے تازہ اور ہرا رکھنا چاہا۔ یہان تک کہ ہیئون کو اپنے شعار کی طرح مانا اور انھین بھی اپنا جانا اور اسطرح بھاشا پانی سے پھکر پھولنے پھلنے لگی!

دوسری طرف لطفا یا تھی جس کے لیے فارسی نئی اور غیر نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہماری مذہبی زبان (سنسکرت) اور سلطنت کی زبان کا ایک ہی خاندان ہے اور مرحوم سنسکرت کی اب یہی ایک یادگار باقی ہے۔ وہ فارسی کی حکومت اور سیادت وسعت سے بھی واقف اور اپنی بھاشا کے مزاج و ماہیت سے بھی آگاہ تھی اس لیے بشوق آگے بڑھی اور فارسی کو سر اور آنکھون پر جگہ دینے لگی اور دونون جانب کے خلوص و کشش نے زور کیا۔ اور فارسی و بھاشا آخر ساتھ ساتھ چلنے اور بڑھنے لگی!

اس دوا دوی مین بھاشا فارسی پر سبقت لے گئی اور اپنے اصول و ساخت توڑے اور بدلے بغیر چل نکلی۔ اپنے ساتھی (فارسی) کی سرکار سے رفتہ رفتہ اُس نے وہ کل لوازمات اور ضروریاتِ زندگی کے وہ ساز و سامان حاصل کر لیے کہ اس کی دوکان کا خریدار دکانِ عطر کا محتاج نہ رہا۔ اسکا بازار عام و وسیع ہو کر گرم ہوا اور آخر وہ اردو بنا جسے دیکھ کر ترکی ذوق اور مغل شرمندہ رہ گئے!

صاحبو یہ سکندر کی خوش نصیبی تھی کہ ہماری بھاشا کی ایسی ترقی صرف اُس کی ذات سے منسوب ہو گئی۔ اور یہ امیر تیمور کی خوش نصیبی تھی کہ آپ کی اُردو اسکے نام کے ساتھ وابستہ سمجھی گئی اور وہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ صدی دو صدی کی حکایت نہین بلکہ پورے آٹھ سو برس کا دلچسپ قصہ و فسانہ ہے! اور ماہرین زبان (فلولوجسٹ) جانتے ہین کہ شجر زبان کسی بھان متی کا درخت نہین ہوتا بلکہ وہ شجرِ قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی ہے جو دنیا کے سب سے بڑے اصول یعنی قاعدہ ایولیوشن (ارتقاء) کے موافق بہت آہستہ آہستہ ترقی پا کر ایک وقتِ خاص مین سایہ دار و بارآور ہوتا ہے۔ اور اگر آپ نظر کرین گے تو اس ترقی یافتہ بھاشا یعنی اپنی اُردو کو بھی اسی قاعدہ کے ماتحت پا کر اسکی عمر اور اسکی بزرگی و استحکام کو بآسانی سمجھ سکین گے!!

---

[1] دیکھو داؤدی مکالمہ عبد الوہاب و سلطان سکندر [2] فارسی کی حکومت تو ظاہر ہے کہ ہر وقت ملک ماوراء النہر سے لیکر ترکستان تک اور پھر ہرات سے لیکر بنگالا اور ہمالہ سے دکھن تک اسکے زیر نگین تھا۔ سیادت کا یہ حال کہ عربی اخلاق و مذہب کے ساتھ ہندوؤں کا بڑا اخلاق و فلسفہ اور اُن کے علوم بھی اس زبان مین آ چکے تھے اور وسعت کی یہ کیفیت کہ نظم و نثر مین دنیا کی تاریخ و حکایت کا ذخیرہ موجود تھا۔ ایک شاہنامہ ہی وہ مخزن ہے جس کی سی جامع کوئی تصنیف آج یورپ بھی پیش نہین کر سکتا۔ **نوٹ**: ترقی علوم کا شوق اس عہد مین اتنا بڑھا کہ سلطانون اور وزیرون سے گذر کر امیرون تک پہنچا مسند علیخان اسی عہد کا ایک امیر ہے جسکی ساری عمر اور کل دولت اشاعت علوم و فنون ہی مین صرف ہوئی۔ اسکا دستور تھا کہ جب اسکے نوکرون مین سے کوئی مر جاتا تو اس کا وظیفہ اسکے وارث پر جاری ہوتا اور وارث نہونے پر متوفی کی بی بی کے پالک کو اس شرط پر دیا جاتا کہ یہ اس قسم کی تعلیم و تربیت پر صرف ہو۔ اس ایجوکیشن مین فنون سپہ گری کھیل داخل تھے۔ یہ تھی اُن امراء کی تعلیمی فیاضی (دیکھو واقعات مشتاقی)

[3] دوسری زبانون سے فائدہ اُٹھا لینا بھاشا کی فطرت مین داخل ہے اس کی ایسی طبیعت روکی نہین جا سکتی تھی ۱۲ [4] بھاشا صرف و نحو (جیسے کسی زبان کا مدار ہوتا ہے) بدستور قائم رہی [5] دیکھو گارسن دتاسی فرنچ کا تذکرہ شعرائے اُردو (دہی ہندوستانی لٹریچر) [6] دیکھو۔ انسائیکلوپیڈیا۔ ذکر ہندوستانی زبان ۱۲

مغل اور اُردو

مغل! یہ وہی مغل ہیں جو اس باغ ہند کے آخری باغبان کہلائے اور جنکی ریاضتوں نے اُسے گلزار بنایا اور تین سو برس کی عرق ریزیوں کے بعد جن کے اقبال کی بہار پلاسی کے میدان میں آخر خزان ہوگئی!

امیر تیمور اس گھرانے کا دادا پہلا صاحب قران ہے[1] جس کے قوی بازوؤں نے دو ملکوں کے ستاروں کو کھینچ کر پھر ملا دیا۔ خاندان تغلق کے سرنگوں ہونے پر اس گیتی ستان کے قدم ادہر آئے[2] اور اس کی فولادتن آہنی پوش قوم اس نرم و گرم زمین پر ایک سال جمی اور کھڑی رہی۔ اِس کا اُردو دلی کو زیر و زبر کرتا ہوا، ہر دوار پر چڑھتا اترتا اور پنجاب کو منقلب کرتا ہوا آگے ہو لیا تھا۔

---

[1] امیر تیمور کا لقب صاحب قران اول تھا۔ شاہجہان صاحب قران ثانی کہا گیا (اور اُسی کی ریس سے ترک پھر ادہر آئے) [2] ۸۰۱ھ بمطابق ۱۳۹۸ء میں ترکوں کی تصویر ہے

سخت سر اُنے بود نما سخت کوش ۔ بر ہمہ پولاد تن و آہنیہ پوش
روے تو آتش نگہ از پشم مپیش (پنبہ؟) ۔ آتش سوزان شدہ با پشم خویش

(قران السعدین خسرو)

نوٹ:- اُردو بے شک ترکی ہے لیکن اُس سے یہ سمجھ لینا کہ امیر تیمور ہی کی بدولت یہ لفظ یہاں پہنچا قرین قیاس نہیں۔ یہاں ترکی خاندان حکمران رہ کر پھیلے ہوے اور ترکی و فارسی کے سیکڑوں الفاظ زبانوں پر چڑھ چکے تھے۔ تیمور تو برس سوا برس سے زیادہ ہند میں رہا ہی نہیں اور وہ بھی ہمیں سیلانی مقیم نہیں ہوا بلکہ فتوحات میں مشغول اور ہمیشہ سفر ہی میں رہا۔ اُسے یا اُسکے لشکر کو اختلاط زبان سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ قرائن کہتے ہیں کہ یہ لفظ بہت پہلے سے یہاں مروج تھا۔ انسائیکلوپیڈیا نے ایک قصہ کو (میر امن صاحب باغ و بہار) کی سند سے اُردو کو صاحب قران کا تحفہ سمجھ لیا مگر جہاں درویش ہی کب مستند ہے!

یہی حال سکندر لودی کا ہے کہ تعلیم کو عام کر دینے کی وجہ سے وہ ایک مخلوط زبان (اُردو) کا بانی سمجھ لیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی حرکت سے فارسی یہاں عام ہوگئی اور بھاشا کو اُس سے بڑی مدد ملی لیکن جلیا +

ایسے طوفان میں جو میں اور پانی ملتی نہیں بلکہ بکھرتی ہیں اور اگر لودی نہ سنبھالتے تو یہ مغل ہمارے شیرازہ کو نہ معلوم کب تک پراگندہ رکھتے۔ سکندر لودی کا احسان کہ ترقی ارتباط و اتحاد کی راہیں اُس نے پیدا کیں۔ مگر افسوس کہ اسکی زندگی کی طرح اُس کی ترقی، عمر بھی محدود رہی! ابراہیم سے سلطنت کا شیرازہ نہ سنبھلا اور معاملات میں پھنسا اور آخر پانی پت کے تاریخی میدان میں سلطنت و جان ہار کر پردہ خاک میں چھپ گیا۔ بابر کی جیت ادہر مغلوں کی نامآوری شروع ہوئی اور تیموریوں کا آفتاب اقبال درخشان ہونے لگا۔

بابر تلوار ہی کا دھنی نہیں تھا قلم و زبان کا بھی دھنی تھا۔ ادب و شاعری اُس کی فطرت میں تھی جب سے دنیا نکالا ہوا اور تاشقند چھٹا تو وہاں شکار و شاعری ہی اس کے دو بہترین مصاحب تھے۔ کوہ و بیابان میں تیر و تفنگ چلاتا اور آب روان کے کنارے بیٹھ کر غزلوں سے جی بہلاتا اور عالم غربت میں کہتا ہے

نوروز و نوبہار مے و دلبرے خوش است[1] ۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ایسی پر جوش طبیعت پر اس چمن کی سیر ایک تازیانہ تھی۔ وہ سودا یہاں بڑھا اور اپنے بیٹے کے مشغلہ کو ہمیشہ تازہ کرتا رہا!

سکندر لودی کے بعد اور نو سو تیس ہجری اور پندرہ سو چھبیس عیسوی کے یادگار سن میں ہمارے ملک کی زبان کیا تھی؟ اسے ہم فردوس مکانی[2] کی زبان سے سناتے ہیں۔ ایک مقام پر جب اُسکے ایک نامی سردار نے شکست کھائی اور یہ خبر اس نے پائی

+ کہ دکھا دیا گیا ہے۔ بھاشا اپنا ظاہری لباس بدلنے کے لیے عربوں کے وقت اور چھ سات سو برس سے تیار ہو رہی اور ایک مخلوط زبان (اُردو) کا آپ ہی آپ بن رہی تھی۔ حاکم و محکوم کا شیر و شکر ہو جانا بھی آج کی نہیں بہت عرصہ کی بات ہے بات صرف اکبر سے منسوب کر دینا خوش اعتقادی ہے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

[1] دیکھو۔ واقعات بابری کا زمانہ تھا ان ۹۳۲ھ فتح بابر و شکست ابراہیم لودی ۹۳۲ھ [2] فردوس مکانی بابر کا لقب تھا۔

تو اُس کا ذکر اپنے تزک بن کرکے لکھتا ہو کہ سمرقند کی یہ پسپائی نہ تھی بلکہ عفو ہو۔ غیر زمین، غیر کفو ہی نہیں بلکہ غیر زبان سے مقابلہ تھا، ہم یہاں کے بول سمجھ سکتے اور نہ وہ ہماری زبان جانتے ہیں! بابر ایک جگہ آگرہ کے ذکر پر کہتا ہو کہ میرے آدمیوں کے لیے یہاں کی زبان نئی ہو۔ اور اس سے وہ بھڑک رہے ہیں!

صاحبو۔ یہ دو شہادتیں اتنا سمجھ لینے کے لیے کافی ہیں کہ اُس وقت یہاں وہ زبان دائرہ سائر تھی جو اُن ترکوں کے لیے غیر تھی جنکی روزمرہ فارسی ہو رہی تھی!

صاحبو۔ غور کرنا چاہیے کہ غیر ملکیوں کو یہاں جمے ہوئے نو سو برس ہو چکے، وہ مالک الملک بنے ہوئے تھے۔ قانون اور ہر طرح کا زور اُن کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ جب چاہتے زبان کی کایا پلٹ دیتے مگر نہیں وہ اس زمین کی آب و ہوا سے آشنا ہو چکے اور خوب جانتے تھے کہ خلافِ فطرت کام کا نام ظلم اور زیر دستوں کی گردن کشی ہو۔ انھوں نے یہاں کی زبان کبھی نہیں کھینچی بلکہ اُسے چاہتے، سیکھتے اور یوں رعایا کا دل ہاتھ میں لیے رہتے تھے؟

بابر اس معاملہ میں اپنے پیشروؤں کا مقلد اور خاصۃً مصدق تھا۔ وہ خود ادیب و شاعر تھا اور اسی وجہ سے دوسری زبانوں کی قدر کرتا اور اُن کا ادب ملحوظ رکھتا تھا۔ یہاں آکر اپنی رعایا کی زبان اُس نے سیکھی اور اپنے روزمرہ میں داخل کی۔ اُس کے تزک کو پڑھو کس بے تکلفی سے ہندی و ترکی کا جوڑ ملاتا اور بہ فصاحت اُسے ادا کرجاتا ہو!

میرے دوستو۔ وہ ہمہ گیر شاعر بادشاہ ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ پیاری رعایا کی پیاری زبان کو خلعتِ نظم بھی بخشتا ہو۔ اُس کی رنگین طبیعت نے ایک مرتبہ اپنے تخیلات و جذبات کے پتلے کو ترکی خرقہ اور ہندی جامہ ساتھ پہنایا اور شوخیوں کے ساتھ اُسے محفل میں یوں جلوہ دیا ـه

مجکا نہو کچھ ہوس مانک و موتی فقرا ہلغہ بس بولغوسیدور پانی و روتی

پادشاہ کہتا ہو کہ مجھے یاقوت اور موتی درکار نہیں فقیر مست ہوں ایک دو نان اور ایک کوزہ آب بس ہو! صاحبو۔ آپ نے اُردو کا یہ پہلا شعر سُنا؟ جس وقت ظل اللہ کے منہ سے نکلا ہوگا تو تمام محفل کا کیا رنگ اور دربار کا کیا عالم ہوا ہوگا۔ کتنی واہ واہ ہوئی ہوگی۔ درباریوں نے کیا کیا مزے لیے ہوں گے، کتنے طبیعتیں لڑے ہوں گے اور اُس کی رعایا اپنے بادشاہ کی زبان سے اپنی بولی سن کر کس طرح خود کو تماشا کر رہی ہوگی!

سه دیکھو نسخہ مطبوعہ ملوٹ کا حال اور دولت خان کا بابر پاس آنا جب ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تو بیچ میں ترجمان کھڑا کیا جاتا ہو جبکہ مسلمانوں کا حال یہ تھا تو یہاں کی اور قومیں تو فارسی سے اور دور ہوں گی!

ـه بابر کا یہ شعر اسکے ایک ترکی رسالہ عروض میں (جو کتب خانہ رام پور میں ہی) کتب خانہ محفوظ ہی درج ہے اس کے نسخہ کا لکھا ہوا موجود ہی جس پر خانخاناں سے لیکر اکبر و شاہجہان تک کی مہریں اور دستخط ہیں۔ بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف اور تقطیع یہ ہو:-

مجکا ن -	ہو اکچ ہ	وس ما ن	ک و و تی
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
فقرا ہل	غ بس بلغو	سیدور پان	و روتی
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول

کرمی جناب حافظ احمد علی خان صاحب (مہتمم کتب خانہ) کا ممنون ہوں کہ اُن کی توجہ سے اس کی زیارت کر سکا۔ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (سنہ ۱۹۱۰ء) کے ایک نمبر میں مخدومی ڈاکٹر راس (حال سکریٹری اورنٹیل اکیڈمی لندن) نے بھی اس شعر کا فوٹو مع نوٹس کے ساتھ درج کیا تھا۔ ہماری نظر جہاں تک ہو بابر سے قبل کسی نے اُردو میں نظم کی ہمت و جرأت نہیں کی۔ اس لیے جب تک اس کی تردید نہ ہو فردوس مکان ہی اُسکے موجد اور اُس صنعت کے بابا آدم مانے جائیں گے!

دوستو، یہاں پر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بابرکت و دولتی ہندی ہے۔ غریب ترکون کے یہاں موتیون کا مینھ کہاں برستا تھا کہ ترکون کا وہ سنگار ہو سکتا۔ اور اُنکی تخئیل میں مدد دیتا :

یہ تو آپکے اقبال کے وقت کی سچی کہانی ہے کہ بابل میں پر دلے جانے کے بعد ڈھیر کے ڈھیر موتی بچ رہے تو جونیوں میں ٹانک ٹانک کے پہنے گئے۔ بہتی بادشاہ کے الفاظ ہی نہیں، بلکہ چار برس کے اندر اُس کی تخئیل بھی دیکھیے ہندی ہو گئی! دوسرے یہ کہ وہ یہ شیون کا بادشاہ اور مٹی (حرمن) کا سردار نہ تھا کہ ترغیبیت کا کھاتا اور داتا بنتا۔ بلکہ وہ ہندی بادشاہ تھا۔ اِس لیے شاہی سے زیادہ فقیری تھا بی اور اسی روپ میں اپنا احوال آ سنایا۔ اور رہی وہ اسلامی و ہندی اصلی غاہی کیرکٹر ہے جسے فردوس مکانی کچھ عجب شان سے دکھا گیا!!

مہابلی جی اور اُردو

جو زبان بادشاہ کے منھ لگ چکی ہو اُس کا سلطنت کے دودھ سے لینا کیا بڑی بات تھی؟ ایسا ہی ہوتا۔ مگر بابر کی عمر نے وفا نہ کی اور ہمایون برگشتہ تقدیر رہا۔ دورِ شرفون کے ساتھ یہ شرف بھی اکبر ہی کے لیے اُٹھا رکھا گیا تھا۔ جب وہ تخت پر ہو کر بیٹھا تو اِدھر بھی متوجہ ہوا۔ بلکہ ایک وقت یاد آیا اور اپنے دربار کو بھی نو رتن سے سجایا۔ چار ایوان کھڑا کیا گیا اور وہاں حکمت و ادب کا درس دیا گیا

اس مدرسہ میں چھٹی ہاتی تو فارسی ہندی کتاب کھلتی اور دونون زبانون کا تال میل شروع ہو جاتا۔ کبھی مہابھارت کا مسید ان نقیب خان کے سپرد ہوتا اور اُسے زبان... کا خطاب ملتا اور کبھی راماین کی کتھا کہی جاتی اور کرشن گنگا... بدایونی کے ساتھ ملا کے بدایون کی زبان بھی صاف کی جاتی۔ امیر حمزہ کی داستان ختم ہوتی اور رہبری... کا قصہ چھڑتا، اور ملا شیری، شرتی... کا نام جپتا آن سنگھاسن بتیسی کی پتلیاں ناچتیں، حکمت... راگ چھیڑتیں اور خرد افزا کبھی باتیں تو کل کلیلہ و دمنہ کے طوطے ... حیوان گویا ہوتے چٹکلے لطیفے کہتے اور عیار دانش بنتے کبھی لیلیٰ و مجنون (عربی) اور شیرین خسرو (فارسی) پردیسی سمجھ کر محفل سے اٹھائے جاتے اور انکی جگہ سدیشی نل دمن لیتے۔ زلیخا کی ملک اپنی درو پدی کو ملتی اور ہیر کی حرم سرا سیتا جی کے نیک ملتی! فیضی مودب ہو کر لیلاوتی کا حصہ پیش کرتا تو کمل خان دو زانو ہو کر ناٹک کی شکل و ہیئت تلہ سندی (حاجی ابراہیم) آداب بجا لا کر اتھرو ید اکی حکمت سناتا اور خانخانان (عبدالرحیم) دعائیں دیکر جوتش سے نیک لگن اور شبھ گھڑی بتاتا غرض یہ چرچے اور یہ قصے مہینون نہیں برسون رہے اور محفل اور

سلط بابر یہاں آنے کے بعد صرف چار برس زندہ رہا ۹۳۷ھ واقعی ہمایون کے سے سخن رس کو اگر موقع و اطمینان ملتا تو نہ معلوم اتحاد و ترقی زبان کے لیے کیا کر جاتا جنے کامران مرزا کو اس کی ایک غزل سے

کامران تا کہ جہان راست بقا خسرو دہر ہمایون بادا

کے صلے میں حصارِ فیروز بخش دیا ہو وہ یہاں کے کوئی اور شعرا کو کیا کچھ نہ دے جاتا۔ یہ خود بھی شاعر تھا فلسفیانہ و اخلاقی رباعیاں اس کی دیکھنے کے قابل ہیں۔ ریاضی دان بھی بڑا تھا۔ دلی میں رصد خانہ اس کا مشہور تھا اور نجومی کی سیڑھیوں پر سے گر کر مرا۔ امام اُفتاد تاریخ موت ہے ۹۶۳ھ

نورتن۔ نو تو ۹۔ رتن۔ جواہر آنکھوں کی پتلی کو بھی جیسے نے بھی ایسے نو جواہر و فضلا، حکما، شعرا جمع کیے تھے ۱۴ فتح پور سیکری میں اکبر نے چار ایوان

ایک محل بنوایا تھا جس میں علما و فضلا جمع ہو کر علمی مباحث میں شریک ہوتے اور بادشاہ اس مجلس کا صدر ہوتا :

نوٹ: بابر کو جوانی سے بن دیکھے ہندوستان کا عشق تھا، یہاں کی خاک سے اُلفت اور یہاں کی خاص چیزون سے شغف تھا۔ کابل میں بیٹھا ہوا ہمارے آمون اور پانون کو یاد کرتا ہے اور جب ایک ذریعہ سے تحفۃً یہ چیزیں ہاتھ لگتی ہیں تو خوش ہوتا اور شکر بجا لاتا اور اس سے نیک شگون لیکر ہند کی طرف بڑھتا ہے دیکھو تزک بابری۔ بابر خود فاضل اور فضلا کا رتبہ دان لہٰذا وہ خود شاعر اور شعرا کا قدردان تھا۔ عروض میں ایک رسالہ اور ایک مثنوی مبین اُس کی یادگار میں سے ہے۔ وہ خوش نویس بھی تھا اور ایک رسم الخط ایسا ایجاد کر گیا کہ خط بابری اس کا نام ہی پڑ گیا :

دربارِ شاہی سے نکل کر بازارون اور عوام کے کانون تک پہنچے۔ ان ہی سخنون نے رفتہ رفتہ خیالات ملیئے اور دو قومون کے سرون کو کِتھا اُن کی زبانون کو ایک اور اُن کے تخیلات کو یکسو کر دیا!

بادشاہ خوش اور رعیت پھولون نہین سماتی۔ ظل اللہ کو مہابلی[1] پکارتی اور اُس کے درشن کو مکت (نجات) جانتی۔ مہابلی جی سونے روپے مین تُلتے، تلا (طلا) دان کرتے، برہمنون کو دکشنا دیتے اور اُنکی دعائین لیتے! شمع کافوری بجھتی۔ اکاس دیا جلتا اور مصلا آسن سے بدلتا۔ نوروز کے رنگ مین ہولی کھلتی اور شبراتؔ دوالی سے ملتی!

جہان رسم و رواج کی پگڑیان یون بدلین، وہان زبانون کو ملتے اور بدلتے کتنی دیر! بھاشا سے اخلاص اتنا بڑھا کہ فارسی تک (اسپ) کا کاف[2] کھٹکا اور بدی کی علامت سمجھ کر گرا دیا گیا۔ ایسی ہی شاہی اصطبل کو آخور کرتی اس لیے کہ کاف سے سرک بنا کر کھ دا کیا گیا الہ آباد گنگا و جمنا کے سنگم پر تھا، ماگھ میلہ مین اسنان کا نام وہان لیا جاتا تھا، اُس مناسبت سے وہ الہ باس پکارا اور یون اُردو بنایا گیا! ازان قبیل قوم اور زبان کی اصلاح و ترقی کے لیے ایسے کھیل ہر گھڑی کھیلے اور فارسی ہندی کے جوڑ وان تیلے بیٹھے بیٹھے گھڑے کیئے جاتے!

شاہ کی ایسی غربا نوازی اور رعایا پروری نے مؤتمن الدولہ عمدۃ الملک راجہ تو ڈرمل کی وفاداری کو اور چمکایا۔ اُن کے حساب مین شاہی زبان کی بو جاسکا یہی وقت نکلا۔ تمام قلمرو مین فارسی کے آداب و خیال کا فرمان و پروانہ گیا۔ تعلیم عام ہوئی[3] شود[4] تک کو دوات پوجا کرنے کے

اور فارسی ہندی کی گنگا جمنی سندیون بہنے اور سکندر (لودی) کے وقت کی برکت یاد آنے لگی!

بادشاہ اس یک جہتی کو دیکھ دیکھ کر مسکراتا، باغ باغ ہوتا اور اپنی تدبیرون پر ناز کرتا۔ اسی دوران مین اگلی پچھلی باتون پر نظر کر کے اس عقدِ اتحاد کو ہمیشہ ہمیش کے لیے مضبوط تر و محکم تر کر دینے کا خیال آیا اور وہ ہمہ تن اُدھر متوجہ ہو گیا

صاحبو! ملا صاحب بدایونی[6] لاکھ کڑھیں اور نظر لگائین مگر جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا! راجہ مان سنگھ و بیربل ہی ہمارے ہمراہ نہین بلکہ ابو الفضل و فیضی کے ساتھ فتح اللہ (شیرازی) بھی ہمارے شریک ہین! یہ عقدِ اتحاد بندھے گا اور ضرور بندھے گا۔ ہندو مسلم رشتہ مضبوط ہو گا۔ شہزادہ سلیم دولہا بنے گا۔ بادشاہ خود بیاہنے جائیگا۔ رجپوتون کی عزت بڑھے گی، برات چڑھے اور دیپے کی منڈھا چھوایا جائے گا اور خوشی کا یہ گیت گایا جائے گا[5]

بنت بانس کا ماٹھ بابل ۔۔۔ نئے کا منڈھا چھوا دے

منڈھے اوپر کلس براجے ۔۔۔ دیکھین راجہ راؤ رے

---

[1] مہابلی۔ بزرگ و برتر۔ [2] بھاشا مین حرف کاف بدی کی علامت ہے۔ [3] سکندر کے بعد دوسری مرتبہ تعلیم عام ہوئی۔ ابو الفضل اس وقت کے نصاب کو یون لکھتا ہے۔ اخلاق، ہندسہ، زراعت، جیومیٹری، ہیئت، آلومی، سیاست مدن، فزکس، منطق، نیچرل فلوزفی، طبعیات، مذہب اور تاریخ ہندو مسلمان ایک مکتب مین ساتھ پڑھتے اور اس طرح قومی اختلافات مٹتے رہتے۔

[4] ہندوؤن کو علاوہ مذکورہ بالا علوم کے دیا کرن، ویدانت اور پتن جلی بھی پڑھائے جاتے۔ طالب العلم پر کوئی جبر و دباؤ نہ تھا جس فن کے مناسب اس کی طبیعت ہوتی تھی اُس نے حاصل کیا۔ اتنا لکھ کر ابو الفضل یہ کہتا ہے کہ اس طریقۂ تعلیم نے بیحد فائدہ دکھایا اور اسکی بدولت ایسے ایسے فضلا نکلے جو واقعی ملک و سلطنت کے لیے باعثِ فخر ہین! [5] ہندوؤن کے وقت مین شودر کو پڑھنا لکھنا منع تھا۔ مسلمانون نے انھین یہ آزادی بخشی۔ مضمون کا خیال رکھ کر ہالے کا سبب شود رہی ہین دوات پوجا کی رسم تو بیکسر ان مین ہو گئی سال مین ایک دن وہ اپنی تعلیمی آزادی کی خوشیان کرتے اور دوات قلم آگے رکھ کر اُسے پوجتے ہین اور واقعی یہ چیز ہے بھی پوجنے کے قابل! [6] ملا عبد القادر بدایونی صاحب تاریخ بدایونی۔ یہ ملا صاحب اکبر اور اُسکے اراکین کے ہر فعل سے جلتے ہین خود نورتن کے شریک ہین مگر ہر رتن سے جلتے ہین سلیم کی یہ شادی بھی اُنکے لیے گوارا نہین اور ایسا عقدِ اتحاد دیکھ روادار نہ تھا

ان لولون کے ختم پر دلہن کا چنڈول آئیگا۔ بادشاہ آگے بڑھیگا، دولہا کو بلائے گا اور پالکی کو خود کندھا لگائیگا! سب کا دل بھر آئے گا۔ راجہ راؤ سامنے بیٹھیں گے۔ ہاتھ باندھ کر اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرینگے اور بھرے دل سے کہیں گے؎ ہماری[۱] بیٹی (ہماری) تمہارے محلوں کی چیری، ہم باندی غلام رہے!

شہنشاہ اس پر متاثر ہو کر (نہ ہوکر) جواب دیگا! نہیں نہیں؎ تمہاری (تمہاری) بیٹی ہمارے (ہمارے) محلوں کی رانی، تم صاحب سردار رہے! (تم خود بڑے آدمی ہو)

اس پر ایک کوک پڑیگی دلہن رخصت ہوگی۔ اور راجپوتوں کی بیٹی اکبر کی بہو اور ملکۂ ہندستان بادشاہ زادی کہلائے گی!!

صاحبو۔ یہ سب کچھ ہوا اور اکبری و جہانگیری محل اس دن سے اتحاد کا راج گڑھ بنا جہاں ہندی و فارسی مخلوط ہو کر شیر و شکر ہوئی اور پھر اچھی خاصی اُردو بن گئی!

سلیم اور اُردو

بابر کے بعد اور اکبر کی پنجاہ سالہ سلطنت میں ملکی زبان نے جو نیا جوڑا پہنا اور حاکم و محکوم دونوں کی دستار کا جیسا طرہ وہ بنی اُس کا ایک مختصر سا نمونہ ابھی پیش ہو چکا اور اس سے اتنا سمجھ میں آگیا کہ اب یہی زبان ہمارے اجداد کے گھروں اور شاہی محلوں میں بے تکلف بولی جا رہی اور سلیم (جہانگیر) کی مادری[۲] زبان بھی اب یہی تھی جہانگیر کے محلوں نے تعلقات اور باضابطہ کر دیے اور اب روزمرہ فارسی نہیں بلکہ یہی ہندی ہو رہا تھا!

خُرم (شاہجہان) کی پیدائش پر جو جشن ہوا اور حرم سرا میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ ترکانہ نہیں بلکہ ہندوانہ تھیں!

[۳] پیدا ہوا تو ساری رجپوتی رسمیں برتی گئیں۔ زچہ خانہ سجایا گیا۔ دائی جی شہزادے کو گود میں لیے ہوئے ہیں مگر ہاتھ نہیں لگاتیں! موتیوں کے تھال سامنے ہیں مگر اُنکے بھاؤ میں کچھ نہیں لگتا۔ ایک ناز کے ساتھ مُنا مُنا کر کہتی ہیں کہ؎

مانگے ہے جو دھا جی کا راج — للا جی کا نال نہ چھولے

تھال بھر موتی جودھا رانی لائیں — وہ بھی نہ لیوے یہ دائی!

یعنی میں تو جب تک رانی جی کا آدھا راج پاٹ لکھا نہ لونگی چھوڑوں گی نہیں اور شہزادے (للا جی) کا نال کاٹنے والی نہیں! میرے آگے یہ تھال بھرا ال نہیں اسے اٹھا رکھو!

صاحبو۔ زبان اور اپنی اُردو کی صاف و صحیح تصویر اگر دیکھنا چاہو تو انھیں بولوں کے شفاف آئینوں میں دیکھ سکو گے! یہی زبان اور خوشی و غم کے یہی انداز شریف گھرانوں میں ابتک باقی ہیں۔ اور جہاں ہماری عورتیں سہیلیوں یا خیرات خانوں کی رسموں کے حوالے نہیں کی جاتیں وہاں یہ چہل پہل ہنوز باقی ہے! صاحبو نہیں جانتے والے سمجھتے ہیں کہ ہماری اُردو کھلے بازاروں اور تنگ چوکوں کی ہوا کھا کر ہم تک پہنچی۔ مگر نہیں اُس نے تو محلوں میں پرورش پائی اور ہمارے رجواڑوں اور شہزادوں شہزادیوں کی صحبت اٹھا کر اور ادب قاعدہ سیکھ کر باہر نکلی اور ہماری ہم جلیس بنی ہے!

جہانگیر کے بے تکلفانہ اور شاعرانہ انداز کچھ چھپے ہوئے نہیں وہ

---

[۱] ایسے ایسے سیکڑوں گیت ہیں جو سینہ بسینہ چلے آئے ہیں۔ ان ہی میں سے یہ گیت بھی اُسوقت خاص کا ہے جبکہ اکبر راجپوتانہ بیاہنے گیا! اس سے اُسوقت کی معاشرت تہذیب رسوم اور زبان کے عقدے حل ہوتے ہیں جنھیں دلی اور خصوصًا قلعہ معلی سے واسطہ تھا شاہی تقلید پر اُنکے گھروں میں ایسے ایسے گیت شادیوں کے وقت ابتک گائے جاتے تھے: اس خاص گیت میں محل، غلام اور صاحب سردار کے سے الفاظ پر غور کرو تو یہی اُردو ہے جو اُسوقت رائج تھی!

[۲] جہانگیر کی ماں راجپوتانہ کی رانی تھی جسکا خطاب مریم زمانی تھا۔ وہ ہمیشہ اللہ اکبر مریم مکانی کے ساتھ رہی۔ اسکی رحلت پر جہانگیر بیحد افسردہ ہوا اور اپنے تزک میں لکھتا ہے۔ امید اللہ تعالی الیشان را غریق رحمت خویش گرداناد ۱۲

[۳] جہانگیر کے دو ہندو محل تھے اول راجہ بھگوان داس کی بیٹی، اور دوسری مہاراجہ اودے سنگھ کی نور نظر۔ خرم اسی کے بطن سے لاہور میں پیدا ہوا تھا:-

صاحب قلم اور اپنے تزک کا مولف تھا۔ زبان کا شوق اور اسکی اصلاح و ترقی اس کی بات بات سے ظاہر ہے جو نورجہان کی بغل مین بیٹھا ہوا ارغوان کو رام رنگی [1] کہکر یاد کرتا ہو وہ اپنی بات انی کے آگے کتنا کھلتا اور آخر کس روزمرہ مین باتین کرتا ہوگا؟

ایک مرتبہ وہ سفر کشمیر مین ہے جاتے جاتے بچ ہزارا ایک مقام پر اترا اور وہان کی فضائیت اور حالات دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا ہے کہ واقعی یہان کی یہ کہاوت جو عرصہ سے مشہور ہے کتنی سچ ہے

بچ ہزار کنکا بھلیان دھنی بھلو کا مین سورسکرتی گھوڑ بھلے اورہشت نگر کے جا مین

یعنی بچ ہزارا کے گیہون اور دھنی مقام کی گائین خوب ہوتی ہین سورسکیرتی کے گھوڑے اور ہشت نگر کے چاول مرغوب ہوتے ہین!

اُردوے معلےٰ

شاہ جہان کو زبان اُردو پر وہی حق دعویٰ ہے جو کسی صناع کو اپنی صنعت پر ہوا کرتا ہے! اور جبتک یہان کی یہ دو بڑی قومین ہندو مسلمان زندہ ہین اپنے اس ہندی شہنشاہ کی اس بےمثل صناعی اور بیش قیمت نشانی کو یاد کرکے اسکی روح کو خوش کرتی رہین گی!

تاج اور جامع مسجد اور قلعہ معلیٰ کی شاندار عمارتون کے ساتھ اس اُردوے معلیٰ کی یادگار عمارت بھی اُسی فیاض و سیہ چشم بادشاہ کے مبارک نام سے قائم رہیگی! یہ اُردو کی گود مین پیدا ہوا اور اُسی کے دامن مین پلا۔ اذان کے بعد جو پہلی آواز اسکے کانون مین پڑی وہ اسی زبان کی صدا تھی! زچہ گیری اور چھٹی چلہ کے گیتون۔ راگون اور لوریون کے دھیمے سُرون مین اس نے اپنی اسی مادری زبان کے الفاظ سنے اور یہ اسی کا اثر تھا کہ خدیجۃ الزمانی کی گود مین رہکر بھی جب زبان کھولی تو دادا اکبر کو شاہ بابا اور باپ کو شاہ بھائی کہنے لگا!

شاہ جہان آباد بن چکا اور بادشاہ کے مبارک قدم ادھر آئے تو اُردوے معلی کا شیرخوار بھی دامن دولت سے لپٹا ہوا ساتھ ساتھ آیا اُس دن سے یہ طفل لال قلعہ مین اور شاہ جہان کے سے سرپرست کی نظر کے سامنے پلنے اور بڑھنے لگا۔

اس بچہ کے ساتھ صاحب قران اول کے پوتے بابر کے پیار و خلاص کا حال سُن چکے ہو اب اسی بابر کے پرپوتے صاحب قران ثانی کی اس توجہ کی حکایت بھی سنو جو خاندانی روایت قائم رکھکر اس معصوم کے حال پر مبذول رکھی گئی!

صاحبو۔ شاہجہان نے اس شیرخوار پر صرف زبانی مہر و شفقت نہین دکھائی بلکہ دلی الفت سے اُسے گود مین لیا اور مُنھ سے مُنھ ملا کر ہمیشہ اُسے پیار کیا! جب شاہ قلعہ آگرہ مین نظربند ہوا تو گوشہ تنہائی مین اپنے اس طفل زبان سے کھیلا اور جی بہلایا کرتا!

اور جب شجاع عالمگیر کے مقابلہ سے بھاگا اور دارالسلطنت سے دور ہوا تو اسکے اور بادشاہ کے درمیان یہی معصوم واسطہ بنا رہا۔ اور اب کے ساتھ جب شاہ پر رسل و رسائل کا دروازہ بھی بند ہوا اور پیکون۔ قاصدون کے پیر توڑے گئے تو حضرت نے عالمگیر سے اس کا گلہ کرا بھیجا شجاع کی تسلی اور امداد کی جو خاطر پر چہ پیغام حجرہ شاہ سے جاری ہوئے تھے اُن مین سے ایک شقہ شاہی کی طرح اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ باپ کی ادب پر جواب لکھا اور مراسم عبودیت بجا لاکر عرض کرتا ہے کہ۔ ہمارے دشمنوں بھائیون پر حضرت کی نگاہ لطف و کرم اب تک باقی اور غلام کے خلاف پیشہ دوانیان بدستور قائم ہین۔ آن فرمان عالی کہ در زبان اہل ہند از دستخط خاص رقمی فرمودہ شاہ این معانی است!

---

[1] طالب آملی اس پر کہتا ہے

نہ ایم منکر صہبا ولیک می گویم کہ رام رنگی ما نشہ دگر دارد!

[2] خرم پیدا ہوا تو اکبر خوش خوش اُسے اپنی ملکہ خدیجۃ الزمانی کی گود مین ڈال آیا وہ لاولد تھی اور خرم کو بیٹا بنا کر پالا۔ خدیجۃ الزمانی ہندال مرزا کی بیٹی اور ترک تھین انکو اُردو سے کیا نسبت ۱۲

[3] دیکھو مراسلات عالمگیر و شاہجہان ۱۲

صاحبو- آپ کی زبان کے سرچشموں مین سے غالباً یہ نیا سرچشمہ ہے۔ یہ زبان ہند وہی شاہجہانی اُردو ہی جو اِس شاہ کی نسبت سے قلعہ معلّیٰ کی طرح اردوے معلےٰ کے لقب سے مزین ہوئی اور اُس سے آپ اپنی زبان کی بزرگی و ترقی کو بخوبی سمجھ سکتے اور اِس بادشاہ کے ساتھ اسکی نسبت کی وجہ اب آسانی معلوم کرسکتے ہین!!؟

دارا ولیعہد سلطنت اور خود مین صاحب قرآن ثانی اور ادب لٹریچر کے شوق و ذوق مین اپنے بزرگون کا خلف الرشید تھا اُسے تخت نصیب ہوتا تو اتحاد زبان کا نشان اور بلند ہو جاتا بھاشا و سنسکرت سے اسکا تعلق و خلاص پوشیدہ نہین وحدت کو سمجھتا اور گیتا کا شیدا تھا جس نے اُپنی شاد کو سرالاسرار بنایا اور جوگ وششٹا کو فارسی جامہ بخش کر دیبالی کی زبان کو چمکایا اور اپنے گرو بابالال داس[1] پنڈت اور اپنے برہمن منشی[2] و دیوان چندربھان کے سے شاعر و ادیب کی مدد سے اپنی مادری اور باپ کی پیاری زبان کی کہانتک خدمت کرتا لیکن مشیت اُس کے خلاف تھی اور اُس کی انگوٹھی کے نشان پر[3] (بھو غالب) کو دیکھ دیکھ کر کہ

زِ بس راجپوتان پر کارِ جنگ — گذشتند از جان بہ ناموس و ننگ

فتادآن قدر کشتہ در کارزار — کہ شد بستہ راہ گذر بر سوار

مگر اِس پر بھی اس کا نشان آخر سرنگون ہی رہا اور اُردوے معلّیٰ کا علم سوقت اور بلند نہو سکا!

عالمگیر اور اُردوے معلّیٰ

ترکی ہندی اختلاط اور صدیون کے میل ملاپ سے بھاشا نے کیچلی اُتارکر جو صورت نکالی اُس کا نام اُردو ہی اور پھر مغلی دربیوتی سرکار دربار مین جسطرح وہ پوچھی گئی اور منصب عالی تک پہنچائی گئی عرف عام مین

[1] دیکھو مکالمہ بابالال داس [2] یہ وہی برہمن ہین جنکا یہ مشہور شعر ہے:
مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندین بار — بہ کعبہ رفتم و بازش برہمن آوردم
[3] پربھو غالب کے معنی مین ہے دارا نے اس لفظ کو مبارک سمجھ کر اپنی انگوٹھی پر کندہ کرایا تھا ۱۲

اُسے اُردوے معلّیٰ کہتے ہین اِس اُردوے معلّیٰ اور عالمگیر نے ایک ہی گھر مین ہوش سنبھالا اور اس سے ایک کا دوسرے پر اثر محتاج بیان نہین عالمگیر اب ترک نہین بلکہ اچھا خاصہ ہندی تھا اسمین اپنے بزرگون کے بہت سے اوصاف تھے اگر میدانِ جنگ مین سرلشکر رہا تو اپنے دیوانخانہ مین بھی سردفتر دکھائی دیا: زبان کا شوق اسمین فطری و موروثی تھا۔ اور جہانگیر و شاہجہان نے اگر یہان کے شعرا او خصوصاً تلسی داس کو شرف حضوری بخشا تو کب کا سارا ان اور کوئی زمانہ ولیعہدی سے اُسکے دامن سے لپٹا رہا۔ اور صاحبو یہ وہی نامی کتب[4] ہے جس نے زبان شعر بنکر جسونت سنگھ سے گفتگو کی اور حق سفارت ادا کر آیا۔ زبان کے شوق اور یہان کی بھاکھا سے اس کی اُلفت کی انتہا یہ ہے کہ جب بنگالہ سے ایک شخص اُس (بادشاہ) کا مرید ہونے آتا اور صلابت خان میر توزک اُسے حضور مین پیش کرتا ہے تو وہ (بادشاہ) اُس پر مسکراتا اور عربی فارسی شعر کی جگہ بے اختیار ایک پنجابی نظم اور کہاوت اُس زبان پر جاری ہو جاتی ہے!

صاحبو- عالمگیر علوم و فنون کا سرپرست اور ادب انشا کا مربی تھا اور باخبر و منصف نیا اُسے راجہ بھوج اور سکندر (لودی) کے بالمقابل سمجھے گی- توڈرمل کی تعلیمی اسکیم اس کی توجہ کی ممنون اور یہانکی تعلیم عام اسی کی فیاضیون کی زیربارِ احسان ہے! صاحبو جبکہ طلبا کے لیے ایک آنہ سے لیکر آٹھ آنہ روز تک مقرر ہوا اور وظائف کا یون مینہ برسا دیا جائے تو پھر کشتِ علم کیونکر سرسبز نہوا اور تعلیم کا چرچا کس طرح گھر گھر اور عام نہو جاتے

[4] پڑھو اس کے رقعات اور نثر مین نظم کا مزا اٹھاؤ [5] دیکھو عالمگیر کے خلاف جسونت سنگھ کی معرکہ آرائی کا حال [6] ٹوٹی پسندی باندھ رہا دیندی کھڑے پیچ + جو ہاکمدن باؤلی تو گل باندھے چھیچ! یعنی جو ہاتھ مین نہ ہلاتے اسکی دم مین باندھین چھاج (لوپ)، بولی اپنے پیون آپ بہاری ہی مین کیا کسی کو مرید کرسکتا ہون۔ یہ کہ کر حکم ہوا کہ اُسے کچھ دے دلاکر رخصت کردو۔ [7] دیکھو سوانح سال سی وسوم [8] دیکھو مسٹر کین کی مغل امپائر [9] دیکھو مرأۃ احمدی از محمد خان و تاریخ فرح بخش از محمد فیض بخش ۱۲

اور اس کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ اس جگ کی اگنی اس
کلجگ کی انگیٹھی پر بھاری تھی!

اس مربی علوم نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ مقتضائے وقت کو سمجھکر
اس ملک میں آج سے تین سو برس قبل بے طلب اس جبری تعلیم کی بنیاد
بھی ڈالی جس کی اسوقت ضرورت دکھائی جا رہی اور جسے آپ کا ایک
بہت خیر خواہ اپنی آخری سانس تک مانگے چلا گیا ہے! صاحبو جس وقت عالمگیر
آپ کے بھائی بوہروں کی علم و تعلیم سے بے خبری کی حالت سنتا ہے بیچین
ہو جاتا ہے اور فوراً معلمین و استاد مقرر کر کے ان تک بھیجتا ہے اور جب
اُسے کبھی دنخواہ رپورٹ نہیں آتی تو اپنے فرائض کو سمجھ کر ان کے لیے
جبری تعلیم کا حکم و قانون نافذ کر کے انھیں انسان اور دنیا میں جینے
کے قابل بنا دیتا ہے جو علم و تعلیم کا ایسا حامی زبانوں کا ایسا سرپرست
اور ادب و انشا کا ایسا مربی ہو وہ اپنے بزرگوں کی یادگار اردو ئے معلی
کا کہاں تک خیال نہ رکھتا ہوگا۔ اور گو وہ خود کہتا ہے کہ ؎

غم عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم
چسان در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیابان را

لیکن اسپر بھی اس کی سلطنت کے باغ میں ایسے پھول ہمکو نظر آجاتے
ہیں جو غنچۂ خاطر کو کھلا اور ہماری بزم کو جلا دے سکتے ہیں۔ اور حق پوچھو تو
یہی وہ گل سادہ ہیں جن کے بے میل رنگ میں ہماری سچی تصویر جھلکتی
اور نظر آیا کرتی ہے!

صاحبو! کچھ قبل ایک شادی کا منڈھا چھوایا جا چکا اور اس کے
بعد ہی ایک زچہ خانہ گوایا جا چکا ہے۔ وہ خوشی و وصال کا ترانہ تھا۔
زمانہ بدلا اور اب جدائی و فراق کا فسانہ سناتا ہے!

عالمگیر دکن پر چڑھا ہوا ہے۔ لاؤ لشکر ساتھ ہے مونں کا لالچ مردوں کو
ٹھور کر اوھرلے گیا اور عورتیں گھر میں ہیں۔ برسوں گذر گئے دلی خالی اور
سونی پڑی ہوئی ہے اور دلی والیاں اکیلی فراق کی راتیں گذار رہی اور
دکھ بھر رہی ہیں۔ کہیں سے خبر نہیں آتی۔ دل اداس اور طلب بیچین ہے
اور جب کچھ بس نہیں چلتا تو دکھن کی طرف منھ کر کے پکارتی اور اپنی
بیتی نہیں گھر کا حال سناتی اور کہتی ہیں ؎ چھپر اڑ پرانے ہو گئے
مگر کا کن لاگے بانس ہو دیکھو یہ گھر گرا یہ چھت آئی دبے اور مرے اجواب نہیں
ملتا تو ہار کر اور گھبرا گھبرا کر کاگا کی خوشامد ہوتی اور اس کے ہاتھ سندیسیا
(پیغام) بھیجا جاتا اور گلہ کیا جاتا ہے کہ ؎ آون آون کہ گئے بیت گئے بارہ ماس
کیسے سچے اور ردفار ہو۔ ایک جگ گذر گئی اور خبر نہ لی! اس سے بھی خاطر جمع
نہیں ہوتی تو کلیجہ اور بھٹتا اور انہیں سے آواز آتی ہے ؎
دلی سہر سہاونا اور کنچن برسے نیر سب کے کنٹھ ٹور کر لے گئے عالمگیر
اس فریاد پر یہ روکھا پھیکا جواب ملتا ہے کہ ؎
کہ بیٹھی رہو گر ایسے سن میں اکھو دھیہ ابکے بچھڑیں جب ملیں جب موہیں عالمگیر
تو وصال صبر اڑ جاتا رہتا اور جینے سے یاس ہو جاتی ہے!!

صاحبو! یہی وہ زبان تھی جو اس صدی میں لچ رہی اور اسے
سوا اردو کے کچھ اور سمجھنا زبان کے اتار چڑھاؤ اور اسکے مدارج سے بیخبری
و لاعلمی ہے!

محکوم کا اثر حاکم پر!

حاکم زبانیں محکوم زبانوں سے بہت کم دبتی ہیں۔ عربی بھی فارسی سے زیر
نہیں ہوئی۔ مگر ہند کی خاک بڑی عنان گیر ہے۔ اس نے ترکیوں فارسیوں
کا لباس ہی نہیں اتارا اور ان کا ہتھیار ہی نہیں کھولا بلکہ انکی شمشیر زبان
کو یہاں کا پتھر بھی چٹا چھوڑا!

بلا بہادر اپنے دیوالا ڈبلر ہومیں طرام جیت لاس میں بھر تری اپنے
بھجنوں میں بھا ذند داس امرت دھارا میں چند کوی برتھی راج سارا
میں اور ہماری لعل ست سے اور اپنے مشہو دوہوں میں اگر حاکم وقت کی
زبان بھی بول گئے تو کیا تعجب! صاحب بھی مشہور ہماری آنکھ کی تعریف میں کہتا ہے ؎

۱؎ مرحوم کو لکھے ۲؎ دیکھو ایڈ (انگریزی) جلد اول صفحہ ۷، ۸، ۳
۳؎ پڑھو ملا صالح اور بادشاہ کی علم و تعلیم پر گفتگو معلوم ہوتا ہے کہ کسی

اسی ہلاہل سے بھرے سیت شیام تن کا جیت مرت جھک جھکات ت جیہ جیتو کیا

زبان کے اوج، نیچرل شاعری اور اسکے لف ونشر پر تو بعد کو نظر کرنا اس وقت اس شام یعنی سانجھ کی بہار تو دیکھو اور اس یکبارہ پھرا یکبار نظر تو کر دو! اور اسی طرح اگر براج تلسی داس کی مثنوی راج بلاس مین چھتر بھوج مصر کرشن جی کے حال اور اپنی بیاس مین کبیر و نانک اپنے درود ظائف مین کرشنا معاصر و معاون ابوالفضل اپنی نئی گیتا مین لال کوی، چتر پرکاش مین اور موتی رام قصہ مادھو لال مین نابھا جی اکبری، اور کیشو داس جہانگیری اپنے خزانہ دماغ مین سے یہ آج الوقت لوہی محفوظ کرنے لگے تو چندان حیرت کی جگہ نہین - اور مہاکوی (ملک الشعرا) سندر داس کی سندر سنگار شہود سور داس کی نل دمن، وجھ تلسی داس جی کی رامائن و خصوصاً اُنکے اہل دو ہون کے بیچون مین اگر عربی و فارسی کے بھی جو ہر ملیں تو تعجب خیز نہین - مگر فارسی تیغ پر ہندی جلا البتہ حیرت انگیز ہے!

صاحبو یہان پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جب ایک قوم دوسری قوم سے بدل ملتی ہے تو اسکی ہر ادا اچھی لگتی ہے - معاشرت مغائرت کی قاتل ہے اور دو غیرون کو ایک کر دیتی ہے! ان دو قومون (ہندو مسلمان) کا بھی یہان اسی طرح رشتہ جُڑا - شاہ نے اپنا لباس اُتار اتو رعایا نے بھی اپنا جامہ بدلا - مراد کو بہاڑی راجہ خطاب ملا تو مان سنگھ بھی مرزا راجہ بنا! جائسی[3] پدماوت کو سراہنے اور عبدالرحیم خانخانان کو ہی ہنکر دونون کو سرتاج بنانے بیٹھے تو ادھر دونگرل اور جیند ربھان بھی اچھے خاصے شاعر ہو گئے! تالی دونون ہاتھ بجی اور ایسی آواز پیدا دنیا نے نہین سنی!

صاحبو وہ آواز جو تین سو برس قبل گونج رہی تھی آج شاید مدھم پڑ گئی ہے - یہ محفل کن رسون سے خالی نہین - ذرا چھیڑ ہو تو دل گرما مین اور اگلی محبتین یاد آئین - دیکھنا ادھر سے بھی کوئی تکلف نہو گا - اور مال غیر نہین! مال دوست سمجھ کر تصرف ہو گا - سب کے سب پہلے لیجیے لکار ہی سامنے آتی ہے کہ پرانی وضع کی فشانی اور یادگار ہے وہ یا دیون تازہ ہوتی ہے[5]

سرِ آن دو چشم آدم کہ چون ہندوان ہنر ہمہ را بہ نوک مژگان نہ دہ بر جگر کٹارا

جمہر ہاد رجپوتون کا خاص ہتھیار ہے - دیکھو طفل اکنا رے کنارے مین ان سمدھیون[6] کو کیونکر چھیڑتا ہے

شیخ سوسن اگو دل می باید تشقات ذات جیوت ست دست بر جبدکند

متھرا یعنی برج کے سبزہ پہ دل لوٹ پوٹ ہے ٹھوکر کا بھی خیال نہین مست شاعر آنکھ بند کیے اُدھر چلا جاتا ہے

---

[1] مہاکوی (ملک الشعرا) سندر داس کو شاہجہان بہت عزیز رکھتا اور ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز کیا کرتا - سندر سنگار اسکی مشہور تصنیفات مین سے ہے بادشاہ کی فرمائش سے یہ سنگاسن بتیسی کو بھاشا یا اسوقت کی اُردو کے قالب مین لایا - یہ پرانی چیزین ہند کے خزانہ سے نکل کر یورپ پہنچین اور برلن وپیرس مین ان کا بڑا ذخیرہ ہے دیکھو وہان کی لیبریری کے کیٹلوگ[2] گھر بسوا بجن ہٹ بولے - کتنی بھنگ کلہ بھی کھولے - گینی گریب اگر ام نرنا گو - پنڈت مونے لمین جاگو[5] اکو ایا لے کر کر لیے! تمہ تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات!

[3] ملک محمد جائسی - پدماوت (لنکا کی رانی اور رتن سنگھ چیتوڑ کے راجہ کی کہانی) کے علاوہ اس کی ایک اور مثنوی راگنی سورات بھی ہے مگر وہ مشہور نہین ہوئی

[4] خانخانان کے دوہے مشہور ہین جیسے سے نین سلونے ادھر مدھو کہو رحیم گھٹ کون - میٹھا بھاوے لون پر اور میٹھے پر لون (یعنی نمکین آنکھین اور لب شیرین میٹھا بتا رحیم جیتا کون ہو - کوئی بھی نہین - لیکن نمک کے بعد میٹھا اور میٹھے کے بعد نمک مزا دیتا ہے!) دیکھو زبان ہی نہین مذاق بھی ہندی ہے - اور اختلاط سے یہی معنی ہین یہ وہی نواب عبدالرحیم (خان خانان) تھا جن کا دسترخوان مشہور رہا - اور یہ مثل ہو گئی ع خانخانان جب کھانے مین بتاتا: قابون اور پیالون مین سونے چاندی کے چھلے بتانے چھوڑ دیے جاتے تھے کہ غریب نکالین اور اُسے بھی کھا لین - اور ہمارے ہان کونڈون میں ابتک یہی دستور رہا مگر کونڈے چھلکنے والے نواب بھی بہت ہین لیکن کونڈے کرنے والے کہان مشہور میان فہیم (کہ امین خان خانان اور لٹا لین میان فہیم) ان ہی کی ناک کے بال تھے - اور یہ سننا دلچسپی سے خالی نہو گا کہ فہیم اصلاً برہمن تھے ع بہ نال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را[5] رجپوت ور کچھ نہین تو ترکون کے سے حلیے ضرور رکھتے! ۱۲

بہون نزد سبز قہور اعرفی از پائے درحسن بہزیب نطق مصحف جہان گل از بر کند
عالی بیچارہ کو جب یہان کچھ نہین توسکھری مانگنے لگتا ہی مگر دیکھنا منھ
کیونکر کھولتا ہی ؎

ایجد اعالی بیچارہ بہ ہند آمدہ است نازنین شوخ ظریف سکری میخواہد
عرفی اپنی بادشند کو بھولتے اور ہمارے جھگڑے کو یاد رکھتے ہین مگر کیا
خوب یاد رکھتے ہین ؎

درجاشتگاہ از شبنم گل گرد فشانست آن بادکہ در ہند اگر آید جبکر آید
سالک نیدی، پلاؤ کھاتے کھاتے تھکے تو ہماری کھچڑی کی طرف ٹُھجے
گو کچی نہین اور پیٹ بجاکر کہنے لگے ؎
نہ گرشتم زکھچڑی ایام ہوس سیم و زر نمی دارم
واہ کیا خوب جوڑ ملایا اور کس مزے کی کھچڑی پکائی ہی اطالب آملی
ایک مرتبہ جھوم کر جو اٹھے تو جہانگیر پر نظر جا پڑی۔ اور ولایتی کو بھو کر دیپی

کا مزا لینے لگے جا ہی لیکر فرماتے ہین ؎
نہ ایم سکر صہبا ولیک می گویم کہ رام رنگی مانشہ دگر دارد
کلیم زور زبان دکھانے اٹھے تو یون گرے کہ سنگھ سنگ سے توڑ بیٹھے
شاہجہان کا سامنا ہوا تو لگے خفت مٹانے ؎
سر راجپوتان جگت سنگ بود کہ بر شیشہ نہ فلک سنگ بود!
اور تو اور اس ریلے مین ہمارے چندربھان بھی اپنی تو بیت کا ٹیکہ مٹاتے
اور برامنہر کی جگہ برہمن کا تلک لگائے لیتے ہین سنیے ؎
مرادلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم!
اور پھر مزا یہ کہ اب سب یون ہی بولتے بھی لگے۔ جتنا سنی کی تو خبر
نہین مگر ہمارے الوجی کی تو اب یہی زبان ہی!!

(باقی آئندہ)

؎ رام رنگی جہانگیری دوآتشہ ہی ؎ دیکھو شاہجہان نامہ ۱۲

رباعیات حضرت کوثر خیرآبادی

مغموم ہمیں ہین اور دلشاد ہمیں ویران ہمیں ہین اور آباد ہمیں
اِس باغ جہاں مین مثل بوے گل تر پابند ہمیں ہین اور آزاد ہمیں

مقتول ہمیں ہین اور جلاد ہمیں نخچیر ہمیں ہین اور صیاد ہمیں
ہم مین ہے شان امیر مینائی ہی شاگرد ہمیں ہین اور استاد ہمیں

ہی عشق جہان سوز کی افتاد یہی اور حسن دل افروز کی بنیاد یہی
نیرنگی قدرت سے عیاں ہی کوثر شیرین بھی وہی ہی اور فرہاد وہی

پیری مین پری رخون پہ مرنا کیسا دے کر دل جان سے گذرنا کیسا
جس نے دل سے بھلا دیا ہو کوثر پھر یاد اُس بیوفا کو کرنا کیسا

جھگڑا نہ رہے آج صفائی ہو جائے قید غم و رنج سے رہائی ہو جائے
ہے ناخن تدبیر تری سالگرہ کوثر کی شہا عقدہ کشائی ہو جائے

ہے ماہ رخون کا لب پہ چرچا اب تک سر پر ہی پری زادون کا سایا اب تک
ہی دل مین خیال زلف و عارض کوثر کعبے مین ہی اصنام کا قبضا اب تک

دل کو ناوک جگر کو پیکان عزیز ہم نے اُن سے کبھی نہ کی جان عزیز
نشے مین ہی حسرت ساقی کا خیال مستون کو ہے دین ایمان عزیز

سکندر کا تابوت

حلقۂ فلاسفہ مین

شہر بابل مین سکندر نے کیا جب انتقال   جتنے تھے وابستۂ دولت ہوئے انکو ملال
دودِ غم دلِ اربابِ دولت سے اٹھا   صبح ہوتے ہی بنا د شان شوکت سے اٹھا
چھا گیا وابستگانِ دامنِ دولت کا غم   ابرِ تیرہ بن گیا سلطان کی فرقت کا غم
ہو گیا تیار تابوت مرصع زرنگار   رکھ دیا پیکر سکندر کا بچشم اشکبار
یون حکیمان اولوالعزم آئے ماتم کے لیے   تھے کشادہ سب کے سینے نالۂ غم کے لیے
بیچ مین تابوت تھا اور گرد تھے سب حلقہ زن   ایک اُنمین سے ہوا اسطرح سرگرم سخن
"تو نے مغلوب اک زمانے کو کیا اے بادشاہ!   موت کو مغلوب کرنیکی نہ نکلی کوئی راہ"
دوسرے نے پھر کیا تابوت شاہی سے خطاب   اے خدیو معدلت گستر شہ گردون رکاب؟
تیرا غصہ تیرا غیظ اک موت تھا بے اشتباہ   موت پر آیا نہ غصہ تجکو کیون اے بادشاہ!
اٹھ کے کر عرض کی جو بیٹھے تھے نزد تابوت سے   کتنی جلد اٹھا ہی تو اس مجلس ناسوت سے
صحن عالم مین جو کل تک تھی ترے زیر نگین   سات بالشت اب بمشکل رہ گئی ہے وہ زمین
پانچوین نے عرض کی اے بادشاہ ذی وقار   تو نصیحت ہمکو کرتا تھا جہان مین بار بار
اے سکندر لیکن اب وا چشم عبرت ہو گئی   آج مرنے سے ترے پوری نصیحت ہو گئی
کی چھٹے نے عرض جو کل تک مطیع امر تھے   ہیبت شاہنشہی سے رعشہ براندام تھے
آج ہیبت سے ترے کوئی خمیدہ سر نہین   سامنے تیرے کھڑے ہین اور مطلق ڈر نہین"
ساتوان بولا کہ تھی تیری جدائی ناگوار   آج پہنچون کسطرح تجھ تک بتا اے شہریار
آٹھوین نے عرض کی دیکھو بچشم اعتبار   ایک دم مین مٹ گیا اس سروردارے کا وقار
کی نوین نے عرض جب دنیا کا یہ انجام ہے   ترک سکو پہلے ہی کر دینے مین آرام ہے
عرض کی دسوین نے اے عالم شکوہ کیون نہین   تنگ نظر آتی زمین ترے سوا دنیا کیون نہین
تجکو اس تابوت مین خاموش کیون پاتے ہین ہم   چار دیوار مین شہر کی ترا گھٹتا تھا دم
روح نے چھوڑا ہے کتنی جلد یہ خاکی قفس   یون گئی شاہی تری جسطرح اڑتی ہے مگس
خلق مشتاق زیارت اور تو روپوش ہے   گوش بر آواز دنیا اور تو خاموش ہے
کیون نہ رکھا تو نے امیدون کو اتنا مختصر   دست برد موت سے ہوتا نہ کچھ اُن کو خطر

بستیان آباد تھین جتنی وہ ویران ہو گئین
دیکھتے ہی دیکھتے خواب پریشان ہو گئین

فلسفۂ تصویر

ایک دن کلکِ مصور سے یہ مین نے پوچھا   تو نے کیونکر رخِ بیدرد کا نقشہ کھینچا
ابروون کی وہ کشش اور وہ چتون کی ادا   تمتمائے ہوے رخسار یہ ببھوکا چہرا

تو نے یہ رنگ دکھائے ہین بتا تو کیونکر؟
اس قدر باغ لگائے ہین بتا تو کیونکر؟

کون سا خضر ہے رستہ یہ بتایا کس نے؟   سچ بتا تجکو سبق ایسا پڑھایا کس نے؟
تیرے ہاتھون سے یہ اعجاز دکھایا کس نے؟   فنِ تصویر کشی تجکو سکھایا کس نے؟

نقلِ صورت گرِ مخلوق مین یکتا تو ہے
ڈال دے جان بھی تو رشکِ مسیحا تو ہے

سن کے یہ لفظ قلم نے دیا مجھ کو جواب   "دیدۂ دل سے ذرا دیکھ حقیقت کی کتاب
بسکہ اسرارِ خداوند ہین بے حد حساب   آنکھ پیدا ہو تو اٹھ جائے ہر اک شے کا حجاب

مردمِ چشم کو دیکھا نہین شاید تو نے
سرِ مکتوم کو سمجھا نہین شاید تو نے

قلمِ قدرتِ معبود ہے استاد مرا   جس نے اس عالم ایجاد کو ایجاد کیا
آنکھ کے تِل مین خدائی کا مرقع کھینچا   شرط انصاف ہے کیسا ہے مصور میرا

اپنی قدرت کے تماشے وہ دکھاتا ہے مجھے
روز اک بات نرالی وہ سجھاتا ہے مجھے

زبان اردو

کھلے نصیب ہمارے جو لکھنؤ آئے   کہ اس چمن مین چمن سے برنگ بو آئے
خلیق قدر شناسونکے روبرو آئے   ادب سے آئے زبان پر جو گفتگو آئے

یہ شہر وہ ہے جو اہلِ کمال کا گھر ہے
درِ سخن کا اسی شہر مین سمندر ہے

بیان کی شوکت وہ برین جہان مین ہو مشہور   یہ خطہ وہ ہو جو لطف بیان مین ہو مشہور
زبان وہ کہ جو اہل زبان مین ہو مشہور   یہ شہر اقعہ ہندوستان مین ہو مشہور

یہی زمین تھی انیس و دبیر کا مسکن
یہی جگہ تھی جلال و امیر کا مسکن

زبان اردو کی تاریخ کا یہ مدفن ہو   مگر لگا ہوا مدفن پہ سبز گلشن ہو
برس رہا ہوا ابر کمال ساون ہو   بھرا ہوا گل مقصد سے سب کا دامن ہو

یہان اس لیے مجلس ہوئی عظیم الشان
کہ لکھنؤ مین ہین جادو نگار سحر بیان

نہ مجھ کو فخر ہو نازک خیال ہونے کا   نہ مجھ کو فخر ہو شیرین مقال ہونے کا
نہ مجھ کو فخر ہو اہل کمال ہونے کا   نہ مجھ کو فخر عدیم المثال ہونے کا

اس انجمن کی شراکت پہ ناز کرتا ہون
در سخن کو بصد عجز باز کرتا ہون

یہ وہ زبان ہو شیرین کہ سبکو پیاری ہو   زبان کاہے کو ہو موجۂ بہاری ہو
سلام کیون نہ اسے یہ زبان ہماری ہو   یہ فخر کم ہو کہ ہندوستان مین جاری ہو

اسے گھمنڈ ہو ملکی زبان ہونے کا
بلند مرتبہ عالی نشان ہونے کا

عجب زبان رنگیلی نئی نویلی ہے   جو لال قلعہ کی شہزادیون مین کھیلی ہو
سہیلیون مین نہین فارسی اکیلی ہو   کہ برج بھاشا بھی اسکی سگھڑ سہیلی ہو

ہزار ناز سے شاہ جہان نے پالا ہو
اسی سبب سے زمانے مین بول بالا ہو

سخن کا دود ھ پلایا ہو نکتہ دانون نے   کھلا کھلا کے پلایا ہو نکتہ دانون نے
ہزار بار جلایا ہو نکتہ دانون نے   کہین کہین سے ملایا ہو نکتہ دانون نے

وہ استعارون کے رنگین لباس پہنائے
کہ جن کو دیکھ کے قوس قزح بھی شرمائے

دکھائی اہل قلم نے عجب قلمکاری   جو ایک بیل ہری ہو تو ایک گلناری
ہر ایک نظم مین تشبیہ کی طرحداری   مزا یہ ہو کہ صنائع کے ساتھ ہو جاری

جو سیل باغ کا کھینچا بنا دیا گلزار
ہر لفظ لفظ مین نسرین و نسترن کی بہار

مگر زمانے نے ان پر کیے ستم کیسے   کہ قدر ہی نہ رہی گھس گئے قلم کیسے
بچھے ہین راہ ترقی مین خار غم کیسے   کہ راستہ ہو کٹھن چڑھ گئے ہین دم کیسے

مسافران کمال و ہنر تھکے ہارے
غریب بیٹھ گئے گھر مین بھوک کے مارے

تمھین بتاؤ ترقی کرے تو کون کرے   کتب مین جان کھپائے مرے تو کون مرے
یہ بوجھ پیٹھ کے اوپر دھرے تو کون دھرے   قلم بنائے سیاہی بھرے تو کون بھرے

اسی سبب سے زبان اپنی رہ گئی محدود
کہ قدردان زمانے سے ہو گئے مفقود

اب اہل علم کی کوشش ہو شان بنجائے   یہ آرزو ہو کہ علمی زبان بن جائے
جہان مین ساری زبانونکی جان بنجائے   زبان اردو جواہر کی کان بن جائے

ہر ایک قسم کے اس کو علوم سے بھر دین
فلاسفی سے سجا مین نجوم سے بھر دین

انہی طریقون سے ہو گا یہ مدعا حاصل   کہ ہر طرح کے ہون تعلیم یافتہ شامل
فلاسفی کا کرے کوئی ترجمہ قابل   جو اتفاق بہم ہو تو کچھ نہین مشکل

خلیق اردو زبانون مین انتخاب بنے
یہ بزم اپنے ارادون مین کامیاب بنے

خلیق

سرسید مرحوم کی یاد

یا رب توہی رب انس و جان ہو   انعام ترا جہان جہان ہے
ہے تجھ سے صدف گہر بدامان   گل گل ز گل سے باغ خندان
مفتاح سخن زبان ہے تجھ سے   تاثیر طلب فغان ہے تجھ سے
دل کھینچ ہی لے ترانہ میرا   دم بھرنے لگے زمانہ میرا
خامہ نہ کرے رقم مین خامی   پیدا کرے نام نیک نامی

نغمہ یہ اُسی کے ساز کا ہے — نالہ اُسی نے نواز کا ہے
تھا جس کو سرِ ترقیِ قوم — نالاں سے تھے جسکے سنگدل موم
وہ قوم کا خادم اور مخدوم — تھی جسکے فغاں کی ہر طرف دھوم
کوشش کی مگر جب اُس نے کس لی — راحت کسی دن نہ یکنفس لی
نیچر ہوا قوم کے لیے وہ — بے سر ہوا قوم کے لیے وہ
کافر اُسے قوم نے بنایا — غصہ اسے اسپہ کبھی نہ آیا
آفت پر اُٹھائی آفت اُس نے — پھر بھی نہ ہاری ہمت اُس نے
اپنا دیکھا نہ غیر دیکھا — کعبہ دیکھا نہ دیر دیکھا
جلسہ چھوڑا نہ کوئی دربار — صحرا چھوڑا نہ کوئی گلزار
پہنچا نہ کہاں کہاں وہ نامی — کس کس کا نہ وہ ہوا سلامی
جس بزم میں اُس نے بار پایا — اپنا یہی پہلے راگ گایا
مسجد میں یہی کی سبحہ خوانی — مندر میں یہی کتھا کہانی
ہو حق یہی خانقاہ میں کی — حجت یہی درسگاہ میں کی
جُبے کو کہیں گلے میں ڈالا — پھیری کہیں شیوجی کی مالا
ناٹک میں بھی جا کے سانگ لایا — ہر در سے غرض وہ مانگ لایا
فرہاد تھا اپنی دھن کا بیشک — کی کوہ کنی بھی جان کنی تک
جان کا دیوں سے نہ باز آیا — تو قوم کو اپنے ڈھب پہ لایا
کس درجہ بلند حوصلہ تھا — ہر وقت یہ جوش و ولولہ تھا
اللہ رے بوڑھے تیری ہمت — سید تجھے ہزار رحمت!

اِس درجہ تھی تجھ کو اُلفتِ قوم
کی زیست تک اپنی خدمتِ قوم

(چاندنی رات)

رات محبوبِ حسن و خوبی ہے — رات مطلوبِ حسن و خوبی ہے
آسمان پر دماغ اس کا ہے — ماہِ تابان چراغ اس کا ہے
نامور دشن ہے ماہ پاروں سے — بخت چمکا ہے اس کا تاروں سے
اس کے سایہ میں تارے چلتے ہیں — چشمے کہسار کے اچھلتے ہیں
سحر کیسی بہار دیتا ہے — دل مردہ اُبھار دیتا ہے
نامرادانِ عشق ملتے ہیں — اُن کے دامن میں پھول کھلتے ہیں
عیش تھامے رکاب آتا ہے — چشم نرگس میں خواب آتا ہے
غنچے گلشن میں پھول جاتے ہیں — رنگ حسن قبول پاتے ہیں
چار جانب ہے نور کا عالم — دشت و صحرا میں طور کا عالم
خوابِ غفلت جہان پہ طاری ہے — دردمندوں کو رات بھاری ہے
نورِ مہتاب گل کھلاتا ہے — روئے معشوق یاد آتا ہے

کیا کہوں دل پہ کیا گزرتی ہے
تارے گن گن کے رات کٹتی ہے

عشرتِ خلوت

(ترجمہ نظم مسٹر پوپ)

دنیا میں ہے وہ خرم جس کی فکر و خواہش — موروثی چند ایکڑ مزرعہ پہ ہے محدود
باذخنک وطن کی صحن مکان بے غش — انفاس پر اُسی کے صابر ہے اور خوشنود

گلوں سے دودھ حاصل کھیتوں سے نان میسر — اپنے مویشیوں سے موجود جسکو کپڑا
جسکے لیے شجر ہیں گرمی میں سایہ گستر — اور آگ بھی مہیا کرتے ہیں وقتِ سرما

وہ بھی ہے کیا مبارک کرتا ہے جو بسر اِن — سال اور مہینے ہفتے دن اور گھنٹے بے غم
اور تندرستی تن جس سے ہے دستیاب ان — جس کا دماغ اور دل فارغ ہے دن میں ہر دم

بے فکر خواب شیریں سوتا ہے رات کو بھی — کرتا مطالعہ ہے لیکن بطیب خاطر
تفریح دلکشا و دلکش وہ پاکبازی — جسکے خیال سے بھی عشرت نصیب خاطر

رہنے اسیطرح دو دنیا میں مجکو آزاد — مجکو نہ کوئی جانے مشہور ہوں نہ میں یاں

اسطرح سے مجھے بھی مرنے دو یہ غیم ادرشاد　　مدفن بن بعد مردن سنگ لحد نہو ہان

لااُبالی

تازہ غزلین

۱۔ سید علی رضا صاحب ماہر (کنتوری)

دل سے کے نگاہ دیکھتے ہین　　وہ چھیڑ کی راہ دیکھتے ہین
در پردہ ستم وہ کر رہے ہین　　ناکردہ گناہ دیکھتے ہین
دکھلائے گی کچھ یہ روسیاہی　　اعضا کو گواہ دیکھتے ہین
ہوتی ہے ہمین بہت ندامت　　جب اپنے گناہ دیکھتے ہین
دل اُس سے جو مل گیا ہی جاکر　　صورت کو گواہ دیکھتے ہین
کچھ لوگ تو بڑھ گئے ہین آگے　　کچھ راہ مین راہ دیکھتے ہین
پائی ہے سزا یہ سرکشی کی　　ٹھوکر مین کلاہ دیکھتے ہین
دکھلائے گی کیا یہ زوال دنیا　　عالم کو تباہ دیکھتے ہین
دل دیتے ہین کس کو دیکھنا ہے
ماہر کی نگاہ دیکھتے ہین

۲۔ منشی محمد حسین صاحب محوی (لکھنوی)

یاد اُنکی ہین بار بار کرتے ہین　　دل کو خود بیقرار کرتے ہین
زندگی نذر یار کرتے ہین　　موت ہم اختیار کرتے ہین
دین گے اپنے جنون کو پھر آن　　جمع جب جیب کے تار کرتے ہین
جو ہین ناآشنائے راز فنا　　زیست کا اعتبار کرتے ہین
جان ہم دین اُسے تو کیا خوش ہو　　کون دولت نثار کرتے ہین
جھوٹا وعدہ بھی اک تسلی ہی　　خیر ہم اعتبار کرتے ہین
دلبری دلدہی نہ ہو جائے　　آپ کیون مجھکو پیار کرتے ہین
ہے امید ایسی تیرے کر پاس بھی　　ہم کھڑے انتظار کرتے ہین
دل بے آرزو ملا ہمکو　　شکر پروردگار کرتے ہین
آنکھین پتھرا کے رہ گئین سوئے در　　کس کا ہم انتظار کرتے ہین
دل سی شے دیکے ہم انھین محوی
بے کسی اختیار کرتے ہین

۳۔ منشی حامد اللہ صاحب افسر (میرٹھی)

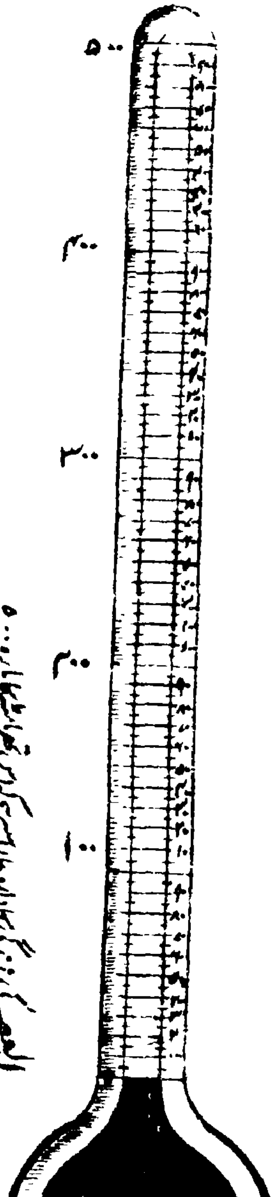
(اِس غزل پر میرٹھ کالج کے مشاعرہ مین مصنف کو کالج کیطرف سے ایک طلائی تمغہ عنایت فرمایا گیا ہی)

دی ہی دل خوش کن مصیبت جو لطف یار نے　　کردیا مشتاق کلفت لذت آزار نے
سچ تو یہ ہی صبح کی ہی یاد زلف یار نے　　رات کاٹی ہی خیال بر سر خمدار نے
خواب ہی مین دیکھ تو لیتے کسی صورت انھین　　بخت کو خفتہ کیا اس دیدۂ بیدار نے
ساتھ مایوس تمنا کا نہ چھوڑا یاس نے　　ایسی غمخواری کی ہوگی کسی غمخوار نے
بے نشان ہوکر ملا ہمکو نشان بے نشان　　کھو کے چھوڑا دین و دنیا سے تلاش یار نے
بیخودی سے بڑھ کی مستی سے ہی سرشار رات　　اپنی چھوٹی اس کو دیدی کیسی میخوار نے
اینجا اگر دل ملا ہی اس پہ کچھ قابو بھی ہے　　خوار کر رکھا ہی مجھکو اس خدائی خوار نے
ہاے ایسے وقت آئے ہین عیادت کیلیے　　جان نومیدی مین جب دیدی دل بیمار نے
ایک تو اُلجھن ہی اسپر طول شبہاے فراق　　بے طرح پھانسا ہی یاد گیسوئے خمدار نے
ہوگیا آخر تری غفلت شعاری پر نثار　　جان دیدی آج مر مر کر ترے بیمار نے
ہم گنہگار وسکار رسان حال تک کوئی نہ تھا　　ڈھک لیا دامن میں اپنے رحمت غفار نے
لاکھ تکلیفین ہین اک راحت دنیا مین ہی　　خار زاری کی صفت پائی ہی اس گلزار نے
یاس بھی ہی دل مین بھی ہی حسرت وارمان بھی　　لطف کیسی بخشی ہین خیال یار نے
ناامیدی ہی شب فرقت مین اک غمخوار تھی　　کھو کے چھوڑا اُسکو بھی آخر ترے اقرار نے
ہی دعا افسر کہ کچھ موزون نتیجہ بھی رہے
پالیا ہی کالجون مین غل اب اشعار نے

قدر شناسان العصر کی خدمت مین

اپیل

معزز معاونین العصر کی خدمت مین ہم ادب سے التماس کرتے ہین کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہین اور اس کو ملک اور قوم کے حق مین مفید تصور فرماتے ہین، تو آپ کا یہ ملکی اور قومی فرض ہے کہ اس کی توسیع اشاعت مین دل سے کوشش فرمائیے کیونکہ اس کی مالی حالت جب خطرے مین نہین رہیگی تو ہم اس کو مفید ترین اور اعلیٰ ترین درجے پر پہنچانے کی کوشش بآسانی کرسکین گے۔ ہم اپنے معزز خریدارون کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہین چاہتے کہ ہر خریدار اس کو اپنا فرض جان لے کہ وہ العصر کے لیے دو خریدار اور پیدا کریگا، اور جبتک یہ جدید خریدار پیدا نہو جائین اس فرض سے اپنے تئین سبکدوش خیال نکرے۔ ہم امید کرتے ہین کہ العصر کے معزز قدرشناس ہماری اس ناچیز درخواست پر تہ دل سے توجہ مبذول فرمائین گے۔



کتاب "دیوا از تو دتیو" (کوئی ثانی نہین) کا فصیح ترجمہ ہے حسین علی خان صاحب سہانند ڈپٹی کلکٹر نے دادِ فصاحت و دقیقہ سنجی دی ہے اور تعلیم یافتہ روشن خیالون کے لیے سرمدی زندگی بخشنے والی غذا درج ہے۔ حجم ۷۶ ۵ صفحہ قیمت عہ مجلد عہ ۸ ر

ہوائی کرہ کے عجائبات۔ اس کتاب مین ہوائی وہ پُراز باتین نہایت دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہین جن کا جاننا نہایت ضروری ہے قیمت ۲ ر

تاریخ مذہب۔ اس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ ر مجلد ۱۰ ر

قدما کی حکمت۔ لارڈ ایویبری کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشنٹس" کا ترجمہ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ ہے قیمت ۶ ر

داستان مریخ۔ ستارہ مریخ کی جسقدر اسوقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اُسکو اختصار کے ساتھ اس مین قلمبند کر دیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰ ر

مشاہیر عالم۔ دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ درج ہے یہ مجموعہ بہت ہی مفید و تعلیم بخش ہے اس کے مطالعہ سے نوجوانان مین ہمت و رفاہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸ ر

طالبان حق۔ اس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سنیکا (۲) ایپک ٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات مع انکی درّ نصیحت آمیز اقوال کے درج ہین نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے قیمت مجلد ۱۴ ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین۔ اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولت مند ہو گیا۔ نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہے قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ ر

مصر کی کایا پلٹ۔ مسٹر کلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہے۔ حجم ۲۲ ۴ صفحہ قیمت مجلد عہ ر

سوانح عمری پیغمبر عالم۔ حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اسوقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین اُردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہے کہ اسمین آنحضرت کی سوانحعمری نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کیے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت عہ ر

رسول عربی۔ پیغمبر اسلام کی جامع سوانح عمری اور سچے حالات حجم ۱۴۴ صفحہ۔ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸ ر

بنت الرسول۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کی مکمل لائف۔ اس کتاب کو حضرت سیماب اکبر آبادی نے لڑکیون اور مستورات کے لیے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحہ قیمت ۵ ر

اکسیر سخن۔ مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتو سنگھار) کا اردو ترجمہ نظم۔ کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہے اور آپکی تصویر بھی شامل ہے نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے۔ بہت کم نسخے اب باقی ہین۔ قیمت ۶ ر

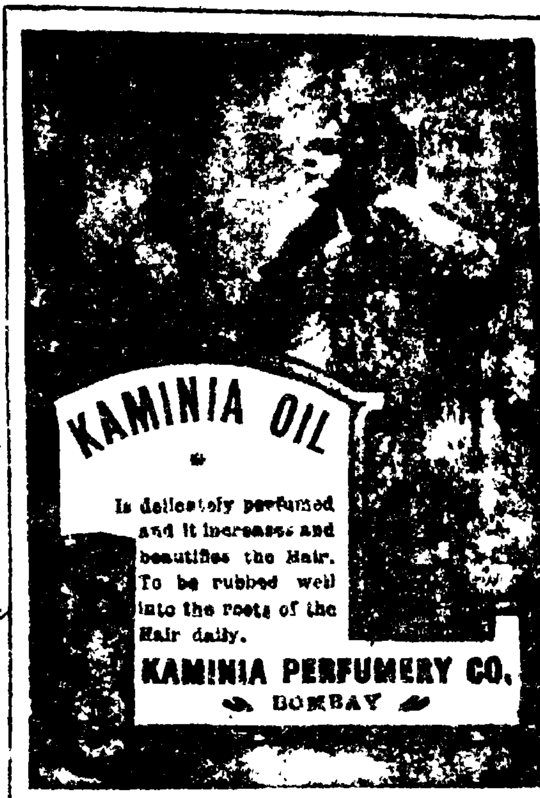
قاسم و زہرہ۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہین شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا نہایت دلآویز شوخی اور باتین کوٹ کوٹ کے بھری ہے۔ فقرے چست لطیفے برجستہ باینہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہین۔ معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سرتاپا ڈراما ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۸ ر

عالم خیال۔ حضرت شوق قدوائی کی ایک بے ضمانت بے بدل اردو نظم جو یکبارگی عظمت قبول حاصل کر چکی ہے۔ چارون نظمون کے ساتھ چار عالمانہ ریویو بھی شامل ہین نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے شروع مین ایک محو خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کی گئی ہے جو اسی کے لیے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہے۔ قیمت ۱۰ ر

برکات سلطانی یعنی علیاحضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرہ تصانیف۔ شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہے۔ لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہے قیمت ۶ ر

مرد عورت اور لڑکون کے لیئے سر مین لگانے کا خوشبودار تیل

(رجسٹری شدہ) **کامی نیا آئیل** (رجسٹری شدہ)



یہ تیل نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہی ہندوستان کے ہر ایک حصّہ مین سب اسی کا استعمال کرتے ہین کیونکہ یہ مفید اجزا سے مرکب ہی کامی نیا آئیل سر پر لگانے سے ٹھنڈک رہتی ہی اور اسی باعث طالبعلمون وکیلون بیرسٹرون اور دماغی کام کرنے والون اور جن کے سر مین درد رہتا ہو بہت مفید ہی کامی نیا آئیل سر کی ہر ایک قسم کی بیماریون کو دور کرتا ہی اور گرتے ہوے بالون کو بچاتا ہی اور بے وقت بال سفید ہونے نہین دیتا سر کے بال نرم سیاہ و چمکدار ہو جاتے ہین دماغ کی خشکی درد سر و کمزوری وغیرہ کو دور کرتا ہی بالون کو بڑھاتا ہی ضعف دماغ و زیادہ رنج و غم فکر کی وجہ سے بالون کی جڑین کمزور ہو جاتی ہین اور پھر بال ٹوٹکر گرنے لگتے ہین اور یہ عارضہ اکثر بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی عورتون کو ہوتا ہی جسکے لئے کامی نیا آئیل نہایت مفید ہو نقلی تیل جو بازار مین لوگ فروخت کرتے ہین دماغ کو نقصان پہنچاتے ہین ایسا ضرر رسان تیل نہ خرید بلکہ ہمیشہ ہمارا اصلی کامی نیا آئیل طلب کر جس کی عمدگی کے لیے ہم کو میسور کی گذشتہ نمائش گاہ سے ایک سونے کا تمغہ انعام ملا ہی کامی نیا آئیل خریدتے وقت اگر کوئی دوکاندار آپ کو دوسرا تیل دے اور یہ کہے کہ اس سے سستا اور عمدہ ہی تو اس کی خریداری سے اجتناب کر کیونکہ ہلکا تیل فروخت کرنے والے زیادہ نفع کی لالچ سے خراب مال دینے کی کوشش کرتے ہین اس لئے جب خرید و کامی نیا آئیل کی سربند بوتل دیکھ لو **قیمت** فی بوتل عصر روی پی خرچہ چار آنہ ۳ تین بوتل دو روپیہ دس آنہ وی پی خرچہ سات آنے۔

استعمال کرنے کی ترکیب بال اور بالون کی جڑون کو ہر دوسرے تیسرے روز صاف کر کے اُن مین تیل کی مالش کی جائے۔

عطر آٹو دل بہار (رجسٹری شدہ) واقعی آپکے مزاج کے مطابق قدرتی پھولون کا کیمیاوی طریقہ سے جوہر نکالا گیا ہی خوشبو کی پائداری اور یکرنگی مین لاثانی ہی اسکے چند قطرے آپکے رومال پر لگانے سے آپکے گرد مہکتے ہوے پھولون کا باغ ہونے کا ثبوت دین گے اچھی خوشبو کے طلبگار اسمین کفایت کا پہلو تلاش کرین اور اسمین غیر ملکی آمیزش نہین ہی قیمت چھوٹی شیشی ۸ درمیانی ۱۲ بڑی عا محصولڈاک علاوہ اسکی بڑھتی ہوئی فروخت دیکھ کر حریفین نے نقل بنانا شروع کی ہی (ہر ایک شیشی پر لفظ "آٹو دل بہار" رجسٹرڈ دیکھ کر خریدین۔

سول ایجنٹس انگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی جامع مسجد مارکیٹ بمبئی

لکھنؤ کے لئے ایجنٹ جے سرکار کمپنی سوداگران و دوا سازان قیصر باغ ۔ لکھنؤ

منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) مالک و ایڈیٹر کے لیئے بابو منوہر لال صاحب بھارگو بی اے نے نولکشور پریس لکھنؤ مین چھاپکر شائع کیا۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۶۰۹   اپریل سنہ ۱۹۱۷ء

ادب اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ
پیارے لال شاکر میرٹھی

قیمت سالانہ للعہ مع محصول   (حسامقہ رخبار)   قیمت فی پرچہ ۸؍

छोटे बच्चों के लिये

डोंगरेका बालामृत

چھوٹے بچّون کی طاقت بڑھانے والی دوا۔ ڈونگرے کا بالامرت

یہ ڈونگرے کا بالامرت مدھور (میٹھا) ہونے کی وجہ سے چھوٹے بچے بہت خوشی سے پیتے ہین۔ یہ دوا بچون کو مضبوط طاقتور بناتے ہین یکتا ثابت ہوئی ہے چھوٹے بچون کی کھانسی، بخار، بدہضمی، ہیضہ وغیرہ امراض جو اکثر ناطاقتی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین وہ اس دوا کے استعمال سے رفع ہو جاتے ہین۔ اور اس سے بچون کا بدن تھوڑے ہی عرصہ مین گوشت سے بھر کر فربہ و وزن دار بنتا ہے اور غذا بہت جلد تحلیل ہوکر جسم مین طاقت بڑھتی ہے۔ جن لڑکون کو دودھ ہضم نہین ہوتا ان کو دودھ مین بالامرت ملا کر دیا جائے تو وہ اچھی طرح ہضم ہوتا ہے
قیمت فی شیشی ۱۲ ؍ محصول ڈاک ۴ ؍ تین شیشی کی قیمت ۲ ؍ محصول ڈاک ۱۰ ؍

کے۔ ٹی۔ ڈونگرے کمپنی پینڈ سے واڑی گرگام بمبئی



اگر

آپ اپنے لڑکے اور لڑکیون کو تندرست رکھنا چاہتے ہون تو

لال شربت

پلاوین کلیجہ کی کمزوری، کھانسی، لاغری کو دور کرنا چاہتے ہو تو

لال شربت

پلاؤ پیدائش کے وقت سے ہوشیار ہونے تک دوا یکسان فائدہ کرتی ہے پینے مین شیرین اور رنگ سرخ ہونے کی وجہ سے لڑکے خواہش سے پیتے ہین۔
آپ بھی اپنے بچے کو استعمال کرا کے آزمائش کر لیجے
قیمت بارہ آنہ ۱۲ ؍ فی شیشی محصول ڈاک ۴ ؍ چار آنہ

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

العصر

اپریل ۱۹۱۷ء

جلد ۶ — نمبر ۴

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بسور (۲) راے مراید ھرصاحب فتح نوازونت بہادر۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچہ کے لیے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دی جائے۔ بعد کو پرچہ نہ باقی رہنے کی وجہ سے تعمیل ارشاد نہین ہوسکتی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے ورنہ بعدہٗ قیمت لی جائے گی۔

مینجر العصر لکھنؤ۔

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) اس رسالہ کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے ۵ مع محصول ہے اسمین کمی نا ممکن ہے۔

(۳) نمونہ کے لیے ۸ر آنا چاہیے مفت نہین ملے گا۔

(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے مابعد کا حساب نہین۔

(۵) خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیے۔

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

(۷) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیے۔

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ و ریویو کے لیے کتابین تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بنام منشی پیارے لال صاحب شاکر الکسندر ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیے جائین۔

(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا، ناتمام مضامین بھی نہ لیے جائین گے۔

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا، مگر اسمین اور تخیل مضامین کی تخصیص ہے۔

دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہین جنکا جاننا نہایت ضروری ہے قیمت ۴ر

تاریخ مذہب - اس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر او چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

قدمائی حکمت - لارڈ ایبلین کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی انشنٹس" کا ترجمہ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ ہے قیمت ۶ر

مشاہیر عالم - دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ درج ہے - یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تسلیم بخش ہے اس کے مطالعہ سے نوجوانون مین ہمت اور رفاہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸ر

طالبان حق - اس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سنیکا (۲) ایپکٹیٹس اور (۳) مارکس اورلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہین نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے قیمت مجلد ۱۲ر

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا - نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہے قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

مصر کی کایا پلٹ - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپسٹ کا ترجمہ - مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہے - حجم ۳۰۴ صفحہ قیمت مجلد عہ

سوانح عمری پیغمبر عالم - حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اسوقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہوچکے ہین اردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہے کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمر نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کیے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا - کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے ضخامت ۵۰۲ صفحہ قیمت عہ مجلد عہ

اکسیر سخن - مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتوسنگھار) کا اردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے - مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہم کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہے اور آپکی تصویر بھی شامل ہے نیز ان نظمون کے مترجم منشی بہارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہے - یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے - بہت کم نسخے اب باقی ہین قیمت ۱ر

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہین شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلآویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے فقرے چست لطیفے برجستہ باینہمہ ثقیل حکیمانہ مذاق سے خالی نہین معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سراپا ڈراما ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸ر

عالم خیال - حضرت شوق قدوائی کی ایک بے بہا اضافت بے بدل اردو نظم جو پبلک سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہے - چاہیون خوبی کے ساتھ چھاپا گیا ہے ریویو بھی شامل ہین - نیز منشی بہارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - شروع مین ایک مجسم خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کیگئی ہے جو اسی کے لیے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہے قیمت ۱۰ر

برکات سلطانی یعنی علیاحضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرہ تصانیف - شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہے - لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہے قیمت ۶ر

کلام محروم - یعنی منشی تلوک چند صاحب محروم کی اخلاقی ادبی اور نیچرل نظمون کا قابل قدر مجموعہ - شاعرانہ تخیل کی رنگینی انداز بیان کی شیرینی مظاہر قدرت اور واقعات عالم مین نکتہ آفرینی نتائج جو کی باریک بینی ہر جگہ قابل داد و تحسین ہے - پنجاب گورنمنٹ نے اس کتاب کی اشاعت پر دو سو روپے انعام مصنف کو عطا فرمایا ہے اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے دو سو نسخے خرید فرمائے ہین - آپ بھی ایک نسخہ منگاکر ملاحظہ فرمائین - قیمت ۱۲ر مجلد عمر

کفایت شعاری - ڈاکٹر اسمائلز کی پاکیزہ اور قیمتی تصنیف "تھرفٹ" کا سلیس اردو ترجمہ جسمین کفایت شعاری کے اصول کو نہایت دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے اور محققانہ بحث کیگئی ہے - لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ اور دیدہ زیب - آپکے کتبخانہ مین اگر اس کتاب کی کمی ہو تو فوراً طلب فرمالیجیے - قیمت ۸ر



ہز ہائنس مہاراجہ سری کرشن راج وڈیار بہادر جی-سی-ایس-آئی- والی ریاست میسور—

| ولادت ۴ جون سنہ ۱۸۸۴ ع | مسند نشینی یکم فروری سنہ ۱۸۹۵ ع |

N. K. P. Lucknow

العصر

روح اور اُس کا مسکن

اور حکماء مادّیین کے احکام و آراء

مشاہیر علما کے احکام و آراء

جو لوگ علم السیات کی تاریخ سے واقف ہین، اُن کے لیے یہ کہنا ضروری نہین کہ نباتات مین بھی روح فرض کی گئی ہے۔ اریزو کا مشہور طبیعی انڈریا سیسل پینیس (۱۵۱۹ - ۱۶۰۳) جو اس وقت تک اطالیا مین دوران خون کا مکتشف سمجھا جاتا ہے، اُس نے اپنی کتاب ڈی پلینٹس لا ئبری مین نباتاتی روح کی ماہیت اور اُسکے مسکن کے متعلق ایک طویل بحث چھیڑی ہے۔

روح کو کہان رہنا چاہیے؟ اسکے متعلق ہمین دقیقہ رس سیسلپنیس کے تفصیلی دلائل کے تتبع کی چندان ضرورت نہیں ہے۔ صرف اسقدر جان لینا کافی ہوگا کہ بالآخر روح نباتاتی کو وہ اُس مقام پر رکھتا ہے جہان تنا اور جڑین آکے ملتی ہین۔

یہ مقام جو بعد کو کولیٹ یا گردن کے نام سے مشہور ہوا اسکے متعلق لینوس کے بعد بھی ایک توہم پرستانہ عزت کے ساتھ یہ خیال کیا جاتا رہا کہ یہان زندگی کا کوئی خاص مرکز قائم نہین کیا گیا ہے۔

لیکن فرانس کا ایک مشہور عالم برگنڈ بن میربٹ المتوفی سنہ ۱۷۹۴ء اپنی کتاب مین صاف صاف کہتا ہے "ہم نباتات کی روح کے متعلق کچھ نہین جانتے۔ اسلیے نباتات کے علم و ظائف الاعضاء مین اس کا فرض کرنا فائدہ بھی مفید نہین"

روح اور مادّہ کے زیرین طبقہ مین جو باہمی تعلق ہے اسکی تاریخ کے گذشتہ اوراق اگر کافی مقدار مین اُلٹین تو ہمین نظر آئے گا کہ ابتداءً عقلی کامون کے لیے نظام عصبی مین کوئی جگہ تسلیم نہین کی گئی تھی۔ قدیم مصری سمجھتے تھے کہ روح دل مین رہتی ہے۔ ارسطو کا بھی یہی خیال تھا۔

یہ خیال عہد نبویین کے مشہور فلسفی دیکوٹ وقت تک زندہ رہا۔ چنانچہ وہ ڈیکارٹ کے علی الرغم ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ نفس کا مسکن دماغ نہین بلکہ دل ہے۔

حجاب حاجز

یونانیون کا ایک دوسرا قدیم خیال یہ ہے کہ روح یا نفس حجاب حاجز کا مسکن (Diaphragm)[1] ہے جسکی یادگار ہماری زبان کے ایک لفظ (Phrenzy) جنون مین ابھی تک باقی ہے۔ کیونکہ وہ لفظ فرین (Phren) سے مشتق ہے جو یونانی زبان مین حجاب حاجز کو کہتے ہین۔ فرین سے بہت سے الفاظ مشتق ہوے جن مین سے بعض متروک اور بعض قلیل الاستعمال ہین مثلاً Phreno-patha جو ہب عقل کے علاج کے لیے بہت کم استعمال کیا جاتا ہے یا Phrenetse جو اس وقت تک عام طور پر ایسے شخص کو کہتے ہین جسکی عقل مین بآسانی ہیجان اور برانگیختگی پیدا کی جا سکے۔ یا (Phrenitis) جو درحقیقت اشتعال دماغ کے بالکل مرادف ہے۔ اسی طرح Phrenology جو ایک فرضی علم کا نام ہے اسی فرین سے مشتق ہوا ہے۔

یہ خیال کہ روح کا مسکن حجاب حاجز ہے کیونکر پیدا ہوا؟ اسکا سمجھ مین آنا چندان مشکل نہین۔ یہ حجاب حاجز سانس کے لیے اس درجہ ضروری ہے کہ اسپر جذبات کے شدید ہیجان کا بہت سخت اثر پڑتا ہے۔ ہر جاندار محسوس کرتا ہے کہ جذبات کے ہیجان سے سینہ ابھر آتا ہے اور سانس پھولنے لگتی ہے اسلیے جذبات کا ہیجان سینے اور اسکے خاص عضلہ حجاب حاجز مین پیدا ہوتا ہے یا رہتا ہے۔ یہ ہے وہ دلیل جو قدما اس خیال کی تائید مین بیان کرتے تھے!

جذبات اور مختلف اعضاء شکم

کیا اتنے قدیم زمانہ سے جس کا آغاز ہمارے حافظہ کی دسترس سے باہر ہے تلی (طحال) کے متعلق یہ خیال نہین کیا جاتا ہے کہ وہ غیظ و غضب اور رشک و حسد کا گھر ہے؟ انگلستان کا سب سے بڑا شاعر شکسپیر بھی پیٹ کے مختلف حصون مین تقسیم جذبات کے مذہب کو تسلیم کرتا تھا مثلاً وہ محبت کی جگہ جگر کو قرار دیتا ہے۔ البتہ وہ دوسرے نظریہ بھی سے ناواقف نہین ہے۔ بلکہ یقیناً دماغ کے متعلق بھی سن چکا ہے کہ وہی روح کا گھر ہے۔ چنانچہ وہ شاہ جان کے ڈرامے مین پانچوین ایکٹ کے ساتوین سین مین کہتا ہے: "بہت دیر ہوگئی اسکی تمام خونین زندگی فساد پذیر طور پر متاثر ہو چلی ہے۔ اور اسکا دماغ (جسکے متعلق بعض لوگ کہتے ہین کہ وہ روح کی ناپائدار قیام گاہ ہے) اپنی ہرزہ سرائیون سے فانی ہستی کے ختم ہونے کی پیشین گوئی کر رہا ہے"

روح اور معدہ

بلجیم کا قدیم کیمیادان وان ہیلمنٹ (المتوفی ۱۵۷۷-۱۶۴۴ء) غالباً ارباب علم مین سب سے آخری شخص ہے جو روح کی جگہ سر کے باہر مانتا ہے۔ وان ہیلمنٹ کے نزدیک روح قعر معدہ مین رہتی ہے اور اسکے ثبوت مین جو دلائل پیش کرتا ہے وہ ایک عجیب و غریب قسم کا ذخیرۂ دلائل ہے۔ اُسکے نزدیک اگرچہ روح کے تمام حرکات اور احساسات دماغ اور اعصاب کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہین مگر اسکا اصلی تخت حکومت قعر معدہ ہی مین ہے، اور وہ خود بھی ذہن معدہ مین رہتی ہے" اسکی تائید مین وہ کہتا ہے: "جذبات کا عظیم الشان ہیجان ہمیشہ بالائے معدہ پر محسوس ہوتا ہے" نیز یہ کہ "اگر ایک شخص کا سر توپ کے گولے سے اُڑ جائے تو اُس کا دل تھوڑی دیر تک حرکت کرتا رہیگا لیکن

---

[1] ڈائی ایفرم (Diaphragma) ایک یونانی نژاد لفظ ہے۔ یہ ایک حیوانی عضلہ کا نام ہے جو سینے اور شکم مین حائل ہے۔ علوم طبیہ کا جب عربی مین ترجمہ ہوا تو اُس وقت اس کے لیے کوئی نیا لفظ نہین وضع کیا گیا بلکہ اسی کو معرب کر لیا چنانچہ متقدمین کی تصانیف مین ڈائی ایفرم بصورت "دی ایفرغما" اکثر ملتا ہے۔ متاخرین نے اس کے لیے "حجاب حاجز وضع کیا" جو ڈائی ایفرم کا قریباً لفظی ترجمہ ہے۔

اگر بالائے معدہ کوئی شدید صدمہ پہنچے تو فوراً دل کی حرکت بند ہو جائیگی، اور اُسی کے ساتھ اس کا شعور یا آگہی بھی رخصت ہو جائے گی"

اپنے اس خیال کی تعبیر وہ اس نازک انداز مین کرتا ہے:

"اگرچہ وہ ایک جگہ رہتی ہے مگر مقامی حیثیت سے نہین رہتی۔ تم دیکھتے ہو کہ بتّی مین روشنی رہتی ہے۔ ٹھیک یہی مثال معدہ اور روح کی ہے"۔

روح اور مرکزی نظام عصبی

روح کے سر سے باہر کسی دوسری جگہ رہنے کے متعلق ان خیالات کے ساتھ خیالات کے بعض دوسرے مدرسے بھی موجود ہین جنکے نزدیک نفس کا تعلق مرکزی نظام عصبی سے ہے۔ ولادتِ مسیح سے تین سو برس (۳۰۰) قبل اسکن. ریہ کے ہیروفلس کا خیال یہ تھا کہ متقدمۃ الراس کے سوراخون مین (جو تمام جسم مین سب سے زیادہ اندرونی سوراخ ہین) جو سیال مادّہ ہوتا ہے، اُسی مین روح رہتی ہے، خاص کر چوتھے سوراخ کو وہ مسکن عقل سمجھتا تھا۔

ہیروفلس کا یہ خیال ہمارے لیے بہت ہی دلچسپ ہے کیونکہ یقیناً اس سوراخ کے نیچے نظام عصبی کے بعض نہایت اہم مراکز موجود ہین — انصاف یہ ہے کہ سب سے پہلے کلاڈیس گیلن (متوفی ۲۰۰ء) نے یہ تعلیم دی تھی کہ "دماغ ہی وہ جگہ ہے جہان روح اور ذہن دونون رہتے ہین"

ہم گیلن کی موت اور ویسیلی اسکی عظیم الشان تصنیف کی درمیانی صدیون کو نظر انداز کر سکتے ہین، کیونکہ دماغی خواص کے لیے کسی مقام کے تعین کے متعلق وضاحت کے ساتھ غور کرنے مین اُن سے کسی قسم کی مدد نہین ملتی۔

علم تشریح کا اب الآباء ویسیلی اس (۱۵۱۴-۱۵۶۴) جسکے لیے علم وظائف الاعضاء کے مسائل کسی طرح بھی دلچسپی سے خالی نہ تھے نفس کے متعلق اس حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اسکا تعلق دماغ سے ہے، حسب ذیل ملحمانہ ریمارک کرتا ہے:-

"لیکن دماغ اپنے وظائف[1] تخیل استدلال، غور اور حافظہ (یا اور کسی طرح، غرضکہ خواہ تم اُس شخص کا مذہب اختیار کرو یا اُس شخص کا، اور چاہے تم اصلی روح کی چند قیام گاہون کا نام لینے کو ترجیح دو یا کوئی ترتیب و درجہ بندی قائم کرو) کیسے انجام کر دیتا ہے؟ مین اسکے متعلق کوئی بھی رائے قائم نہین کر سکتا، اور نہ میرے خیال مین اسکے متعلق کوئی امر علم تشریح سے یا ان علماء الٰہیات کے اندازے دریافت ہو سکتا ہے جو حیوانات کو قوت استدلالی بلکہ ان تمام قویٰ سے محروم سمجھتے ہین جنکو ہم اصلی روح کہتے ہین"

"اسلیے کہ دماغ کی ساخت کے لحاظ سے بندر، کتا، بلی، گھوڑا، اور تمام چوپائے جن کا امتحان مین نے ابتک کیا ہے بلکہ تمام پرندے اور ہر قسم کی مچھلیان تک انسان سے ہر ایک شے مین مشابہت رکھتی ہین، اور تشریح کے وقت ہمین کوئی ایسا فرق نظر نہین آتا جس سے یہ معلوم ہو سکے

[1] اصلی عبارت مین لفظ Function ہے انگریزی مین فنکشن اور ڈیوٹی دو ایسے لفظ ہین جنکے معنی اگرچہ متحد ہین مگر محل استعمال مختلف ہے۔ عربی مین فنکشن کے لیے بحالت مفرد "وظیفہ" اور بحالت جمع "وظائف" آتا ہے۔ ڈیوٹی کے لیے بحالت مفرد "واجب" اور بحالت جمع "واجبات" استعمال کیا جاتا ہے لیکن اردو مین فنکشن اور ڈیوٹی دونون کے لیے لفظ "فرض" ہی بولا جاتا ہے جو اگرچہ صوۃً غلط نہین ہے مگر توسیع زبان اور تدقیق علمی کے لحاظ سے صحیح نہین۔ اسی لیے ایک عرصے سے ہم وظیفہ اور وظائف کو فرائض کے معنون مین استعمال کرتے ہین تاکہ اپنے صحیح معنون مین یہ الفاظ رائج ہو جائین۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اردو کے بڑے بڑے مترجمون نے بھی آجتک اس فرق کو محسوس نہین کیا، اور ہر جگہ فرض ہی کا لفظ لکھتے رہے جب تک ملک مین عربی دان مترجم علوم جدیدہ پیدا نہونگے اردو کی بدبختی لاعلاج رہے گی۔ اس حقیقت پر روئیے تو بہت سے مدعیان علم و تراجم کو شاق گذرتا ہے۔ یہ دوسری مصیبت ہے۔

کہ حیوانات کے فرائض سے ہمیں اسطرح بحث کرنا نہیں چاہیے' جس طرح کہ ہم انسان کے فرائض سے بحث کر سکتے ہیں"

"اور اگر جسم و دماغ کے باہمی تناسب کے لحاظ سے دیکھیے تو سب سے زیادہ ایپ اور اسکے بعد کُتّے کا دماغ بڑا نظر آتا ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن جانوروں کے متعلق معلوم ہوگیا ہے کہ انھیں اعلی روح کے قوی ملے ہیں' اُنکے دماغ بھی نسبتہً بڑے ہیں"

"میں نے مدرسنشین علماء الٰہیات اور دنیادار فلاسفہ کی تحریروں میں تین جوفون کے متعلق جو کچھ پڑھا ہے' اُسپر مجھے حیرت ہوتی ہے"

اس آخری فقرہ میں ویسیلی اس جس خاص راے سے اتفاق نہ کرسکا' وہ لوگوں کا یہی خیال تھا کہ دماغ کا ایک بہت ہی اندرونی جوف قدرت نے صرف احساسات کے لیے رکھا ہے - مثلاً اس کا درمیانی حصہ تخیل کے لیے ہے - آخری حصہ حافظہ کے لیے وغیرہ وغیرہ -

دراصل اس خیال کے موجد علماء عرب ہیں جسے بعد میں ڈنس اسکوٹس اور طامس آکنیوس وغیرہ نے اختیار کیا -

روح اور پی نی ال گلینڈ

ان کوششوں کے بعد روح میں ایک مقامی حیثیت پیدا کرنے کے لیے جو کوشش کی گئی' اُس کا بانی ایک فرانسیسی عالم رینی ڈیکارٹ ہے - یہ کوشش جس قابلیت سے کی گئی تھی اُسیقدر اسے شہرت بھی حاصل ہوئی - ٹورین کے فلسفی اعظم نے روح کو پی نی ال گلینڈ[۱] میں رکھا ہے -

ٹورین کے اس جلیل القدر فلسفی نے روح کے قیام کے لیے پی نی ال گلینڈ کو تجویز کیا - مقامی مسکن کے اس انتخاب کی تائید میں دلائل تو کیا البتہ اُن کی ایک نمایش ضرور تھی - اسکے موجودہ خیال کے مطابق روح ایک ایسی شے تھی جو نہ تو تقسیم ہوسکتی تھی اور نہ جگہ میں پھیل سکتی تھی - اس لحاظ سے اسکے رہنے کے لیے جسم کا کوئی حصہ سادہ اور تنہا پی نی ال گلینڈ کے برابر موزون نہ تھا - ڈیکارٹ کہتا تھا کہ یہاں روح ایک حاکم یا نگران کی طرح رہتی ہے' تمام حواس اُسے اطلاع دیتے رہتے ہیں اور وہ اُن اطلاعات کے مناسب ہر طرف احکام جاری کرتی ہے - مگر ڈیکارٹ کے خیالات کا ایک پہلو بالکل تاریک تھا - کیونکہ اسکے متبعین کو ادنی درجہ کے حیوانات میں نفس ناطقہ کے وجود سے انکار تھا' اور اس بنا پر اُنکی یہ تعلیم تھی کہ وحشی مخلوقات کے اعضا کی حرکت نادانستہ اور بلا ارادہ ہوتی ہے - اس فلسفیانہ حماقت کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ بعض ڈیکارٹیوں نے ادنی درجہ کے حیوانات پر صریح ظلم کیے -

ڈیکارٹ کی بڑی بدقسمتی سے جب اس خوردبین کے ذریعہ سے اس عضو کا امتحان کیا گیا' تو معلوم ہوا کہ اسمیں کچھ لاغر خلیے' گولا' چونا' اور بعض اور ارضی مادہ کے بلورات ہوتے ہیں - غرض روح کے لیے یہ ایک نہایت ہی ناموزون قیامگاہ تھا -

اسکے بعد اب ہمیں اس موضوع پر ایک جلیل القدر انگریز اور اپنے آغاز عمر میں ہاروے کے شاگرد طامس ولس ایم - ڈی کے خیالات پر توجہ کرنا چاہیے - ولس نے اگرچہ اعصاب پر بہت کچھ لکھا ہے مگر عام قارئین کو ڈیکارٹ کی طرح اسکے خیالات بہت کم معلوم ہونگے - ڈیکارٹ کے خیال کے موجب تو روح حتی الامکان قریباً ایک ناقابل تقسیم نقطہ ہے جو ایک ایسے عضو میں رہتا ہے جو بالکل بسیط و وحید ہے - مگر ولس کے نزدیک دو روحیں ہیں جن میں سے ایک خون میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے اور دوسری نظام عصبی میں رہتی ہے - ولس کا دعوی تھا کہ روح خون میں اسطرح رہتی ہے جیسے آگ میں شعلہ اور نظام عصبی میں اسطرح جیسے آگ میں روشنی' دماغ سے روح کا جس طرح کا تعلق ہے اسکی تشریح ولس نے یہ کی ہے:-

"خون کا سب سے زیادہ ہلکا اور روح آمیز حصہ شرائین کے ذریعہ سے دماغ کی طرف چڑھتا ہے' یہاں پہنچ کے اسکی تقطیر ہوتی ہے اور حیوانی روحیں نکلتی ہیں - یہ روحیں دماغ کے اگلے اور پچھلے حصوں پر چڑھتی ہیں اور

---

[۱] دماغ کے بالکل اندرونی حصے میں ایک چھوٹا سا غدود مٹر کے دانے کے برابر ہوتا ہے جسکو موجودہ علم تشریح کی اصطلاح میں "پی نی ال گلینڈ" کہتے ہیں -

وہان سے تمام اعصاب مین اُتر جاتی ہین"

اختیاری احساسات و حرکات کے لیے وہی روحین ہین جو دماغ کے اگلے حصہ مین رہتی ہین اور پچھلے حصہ مین جو روحین رہتی ہین وہ غیر اختیاری حرکات کے لیے ہین۔

موجودہ تجارب کی روشنی مین یہ آخری خیال دلچسپ ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ہم حرف بحرف اُسیطرح تسلیم نہین کرسکتے تاہم یہ خیال اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جو اب ایک امر واقعہ ہے یعنی یہ کہ دماغ کے پچھلے حصے کی تمام کارروائیان شعور کے دائرہ سے باہر ہوتی ہین یقیناً وِلس کو یہ خیال جھلملاتا ہوا نظر آیا تھا کہ احساسات اور اُنکی یادگارین، دماغ کے مایۂ خمیر کے تغیرات ہین۔ چنانچہ اس نے ان صورتون کا تذکرہ اسی انداز مین کیا ہے۔

وِلس کی ایک کتاب جس کا نام "حیوانات کی روح کے متعلق" ہے اسم بامسمیٰ ہے۔ اس کتاب مین وِلس نے روح کو دماغ کے نصف دائرون مین رہنے کی اجازت دی ہے۔

لیکن بہرحال وہ یہان بھی اُن لوگون کی بدولت چین سے رہنے نہ پائی، جن کو یقین ہے کہ اسکے رہنے کے لیے کوئی محدود جگہ جسمانی ڈھانچے کے اندر چاہیے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اس خیال کی مخالفت کرتے رہے، جب ہم علم سائنس کے درخشان نوجوان ترین نیکولس سٹینسن (المتوفی ۱۶۸۶ء) کے پاس آتے ہین تو ہم اُس اولین کوشش کے پاس آتے ہین جو موجودہ رائے کے اظہار کے لیے کی گئی ہے یعنی یہ کہ "وظائف" کی جگہ دماغ کے اندر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جسے علم القیافہ والے نقل کرتے ہین اور علم وظائف الاعضا والے مانتے ہین۔

اسٹینسن نے جہان عصبی مادہ کے سفید مغز مین ریشون کے وجود پر بحث کی ہے وہان اس خیال کو اسطرح ادا کیا ہے۔

"اگر درحقیقت سفید مادہ بالکل ریشہ دار ہے تو ہمکو یقیناً یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان ریشون کی ترتیب کسی خاص ایسی وضع پر رکھی گئی ہے جسکے ساتھ یقیناً حرکات کا اختلاف وابستہ ہے۔

لیکن اس تجربہ کے ساتھ اتنے مشکلات ہین کہ نہ معلوم کسی خاص طرح کی تیاری کے بغیر ہم اس طریق امتحان کو عمل مین آتے کبھی دیکھ بھی سکینگے یا نہین؟"

"ہم کو اس خاص طریقہ کی تیاری کے لیے دو سو برس تک انتظار کرنا پڑا"

یہ خیال علماء کے دل مین عرصہ سے جاگزین تھا کہ ایک روح تو مرکزی ہے اور دوسری اعصاب، حواس، اور متحرک اعصاب مین کارفرما ہے۔ چنانچہ آئزک نیوٹن جیسے دماغی قوتون کے دیو نے بھی یہی فرض کیا ہے۔ لیکن مشہور جرمن مفکر جارج ارنسٹ (المتوفی ۱۷۶۰ء) جو اشتراف کے خیال کا بانی ہے، اُس نے پھر یہ خیال ظاہر کیا کہ روح تمام جسم مین ساری و نافذ ہے۔ اس نے کہا کہ روح درحقیقت ایک "حساس ہوا" ہے جو تمام جسم مین نافذ ہو کے ہر عضو اور ہر نسیج پر قابض ہو جاتی ہے۔ اُسکے ان خیالات کو ہوائیت اور ان خیالات کے قائل کو ہوائی کہتے ہین۔

اس مسئلہ کے متعلق موجودہ ارباب فکر اب اس سوال پر پہنچے ہین کہ کیا احساس کے لیے صرف دماغی عمل کی ہمراہی کی ضرورت ہے یا اسکے ساتھ زیرین مرکزون اور پی نی ال گلینڈ کی معیت بھی ہونی چاہیے؟ اس سوال کا جواب اس مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔

اس وقت علماء حیات مین ایک شخص بھی نہین ملے گا جو یہ کہتا ہو کہ احساس مین بیداری پی نی ال کوارڈ کی کارگذاری سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ نظام عصبی کے متعلق جو تجارب ہوے ہین وہ اس نتیجہ کے منافی ہین۔ رہا ذہن اور ہیجان جذبات کے لیے کسی مقام کی تعین کا مسئلہ تو اُسکی حالت یہ ہے کہ احساس کے مادی تعلقات کے متعلق علمی (سائنٹفک) طور پر جو کچھ تحقیق ہو چکا ہے اُس سے علماء قیافہ نہ آگے بڑھے ہین نہ پیچھے ہٹے ہین۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ جان جوزف گال المتوفی

۱۸۲۰ء (جسکے متعلق مشہور ہے کہ وہ علم القیافہ کا بانی ہے) وہ بھی اسکا قائل تھا۔ کیونکہ یہ تو اُسپر ایک بہتان ہے۔ وہ بیچارہ نہ تو اس نام کا واضع ہے اور نہ ان خیالات و عقائد کا بانی جن کا نام علم القیافہ رکھا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ گال پر اس خیال کا رنگ چڑھ گیا تھا کہ بعض عقلی اوصاف کا مسکن دماغ ہے مگر کب؟ جب اُسکا سِن آ گیا تھا۔

اُس نے بجا طور پر یہ فرض کیا ہے کہ عقلمندانہ گفتگو اور یادداشت کے لیے خاص خاص مرکز ہین۔

بلاشک گال نے جرمنی کی مختلف یونیورسٹیون مین مختلف دماغی وظائف پر تقریرین کین لیکن جس حیثیت سے آج ہم علم القیافہ کو جانتے ہین، یہ بات اسمین گال کے ایک رفیق نے پیدا کی جو کمتر ایک عالم اور زیادہ سے زیادہ ایک ہردل عزیز خطیب تھا۔

علم القیافہ کے عقائد یا اسکی ہرزہ سرائیان اسقدر مشہور اور ان کی تغلیط اتنے بار ہو چکی ہے کہ اب ہم انکے دام تزویر مین نو نہین آ سکتے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ہم مین سے بہت سے لوگ ایسے ہون جنکو اس جوش و خروش کا علم نہ ہو جو علم القیافہ نے گزشتہ صدی کے ابتدائی سالون مین پیدا کیا تھا۔

اڈنبرا مین علم القیافہ کی جو سوسائٹی قائم ہوئی تھی، اسمین ۲۰۰ ممبر تھے۔ لندن کی سوسائٹی مین ۴۰۰ ممبر تھے۔ اور گلاسگو کے اینڈرسن کالج مین اسکی ایک کرسی (چیر) قائم کی گئی تھی۔

اب یہ سوال نہین ہے کہ روح کہان رہتی ہے؟ سوال صرف یہ ہے کہ دماغی نسیج کا کون سا تغیر ایسا ہے جس کی وجہ سے عقلی عمل کے لیے جسمانی عمل کا رفیق پیدا ہوتا ہے یعنی جب قوائے عقل کام کرتے ہین تو اُنکے ساتھ قوائے جسمانی بھی کام کرنے لگتے ہین۔ رہا یہ کہ ان دونون عملون مین نہایت شدید ارتباط و وابستگی ہے، تو یہ ایک ایسا امر ہے جسمین کسی کو شک نہین۔

ابھی تھوڑے عرصہ قبل تک علمائے قیافہ اسپر قائم تھے کہ وہ احساس کے حالات کو اُن عصبی خلایا کے حالات پر محمول کر دیا کرتے تھے جو ایک گورے رنگ کے مادہ مین ہوتے ہین۔ یہ مادہ ایک غلاف مین لپٹا ہوا اُن نصف دائرون مین ہوتا ہے جو دماغ کے اندر ہوتے ہین۔

لیکن آکسفورڈ کے ڈاکٹر میک ڈوگل وظائف الاعضائی علم القیافہ کے ماہر ہین۔ انھون نے بعض ایسی شہادتین پیش کی ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ایسے نقطے ہین جہان عصبی خلایا کے اعمال آ کے ملجاتے ہین اس طرح جیسے احساس کا مرکز یہی خلایا ہین۔

یہ مسئلہ تمام تر مخصوصین (اکسپرٹس) کی دلچسپی کا ہے اور وہی اسکو حل بھی کر سکتے ہین۔

لیکن اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے، جب بھی یہ واقعہ تو بدستور باقی رہیگا کہ علم طبیعی (نیچرل سائنس) کو کسی ایسے نفس کا علم نہین جو مادہ سے علیحدہ ہو، بلکہ جو کچھ اسکے علم و تجربہ مین آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاص قسم کا مادہ ہے جس کا تعلق اس شے کی بقا و ترقی سے ہے، جس کو ہم نفس کہتے ہین۔

ابوالکلام آزاد (دہلوی)

قدیم ہندوؤن کے آلات موسیقی

زمانۂ موجودہ مین جب کہ شادی بیاہ کے جلسون اور محفل رقص و سرود مین انگریزی آلات موسیقی کا رواج عام ہوتا جارہا ہے بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ زمانۂ قدیم کے ہندوؤن مین اس قسم کے آلات کم و بیش مکمل حالت مین موجود پائے جاتے تھے یون تو اسیریا اور بابل کے قدیم باشندون مین بھی بعض آلات موسیقی ایسے موجود تھے جنھین زمانۂ حال کے آرکیسٹرا کا بدل قرار دیا جاسکتا ہے اور قدیم مصری بھی اس فن سے ناواقف نہ تھے تاہم ہندوؤن نے ان آلات کو جو ترقی دی وہ اُن کی شاندار تہذیب کے ہر طرح متناسب تھی اور یہی باعث ہے کہ اہل مغرب نے اکثر جدید آلات کی تیاری مین اُنھین قدیم باجون سے مدد لی ہے۔ ستار کی قسم کے آلات موسیقی تمام تر اہل ہند کی ایجاد ہین اور یہ بات کہ ایک ہی آلہ مین مختلف تارون پر انگلی کا دباؤ ڈال کر مختلف سُر پیدا کیے جاسکتے ہین اہل ہند کے کمالات موسیقی کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

ہندوؤن کی مذہبی کتب کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ ان مین گیہ، میدان جنگ، شاہی جلوس اور برت (؟) کیرتن (رقص و سرود) کے موقعون کے لیے جدا جدا آلات موسیقی ہوا کرتے تھے۔ ماگھوی بودھ کے مصنف نے ایک سرتی کا حوالہ دیا ہے جس مین مذکور ہے کہ گیہ کے موقع پر بین (دینا) اور وندھی (ایک قسم کا طبلہ) سے کام لیا جاتا تھا اور ڈھول بانسری اور سنکھ کے رواج کا پتہ یجر وید مین بھی چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤن مین مذہبی مراسم کے موقعون پر مختلف آلات موسیقی سے کام لینے کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے۔

ماہران علم موسیقی نے ہندوؤن کے آلات موسیقی کو چار مختلف اقسام پر منقسم کیا ہے:-

(۱) تتھ یعنی اس قسم کے آلات جن مین تار لگے ہوئے ہون۔

(۲) وندھ - ڈھول اور طبلہ کی قسم کے آلات۔

(۳) سشر - ہوا کی مدد سے بجنے والے آلات مثلاً بانسری سنکھ وغیرہ۔

(۴) گھن - ضرب سے بجنے والے آلات مثلاً جھانجھ - گھنٹے وغیرہ۔

افسوس کہ یہ تقسیم زمانۂ مابعد مین قائم نہین رہ سکی کیونکہ زمانۂ حال کا ہارمونیم اگرچہ ایک ایسا آلہ ہے جسکے بجانے مین ہوا سے مدد لیجاتی ہے مگر اسے سشر قسم کے آلات موسیقی مین داخل نہین کیا جاسکتا۔

تار دار آلات موسیقی مین سے بین بہترین قسم کا آلہ ہے ہندوستان مین اسکا استعمال بہت زیادہ ہے۔ نارد رشی کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بین کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ سرسوتی کو بھی جو ہندوؤن مین علم کی دیوی ہے بحر موسیقی مین ایک بین پر ہی کھڑا دکھایا گیا ہے جو سطح آب پر تیر رہی ہے۔ اسی سلسلہ مین یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آرنیک مین جس بین کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ ابتدائی قسم کی ہے جو ہندوستان کے زمانۂ عروج مین مستعمل تھی اس بین مین ایک کھوکھلا کدو جھلی سے منڈھا ہوا لگا ہوتا تھا۔ آرنیک مین اس آلہ کی کیفیت نہایت دلچسپ پیرایہ مین جو استعارات سے پُر ہے بیان کی گئی ہے۔ زمانۂ حال کی سارنگی کو اسی قدیم آلہ کا تتمہ قرار دینا کچھ بیجا نہو گا۔

زمانۂ حال کی بین دو قسم کی ہوتی ہے:-

(۱) سُرتی بین

(۲) سور بین۔

ان مین سے اول الذکر ۲۲ سرتیون کی تفہیم کا کام دیتی ہے۔ آخر الذکر کے متعلق کپتان ولرڈ بیان کرتے ہین کہ:-

یہ ایک نہایت مکمل اور موثر آلہ ہے۔ اگر کوئی عمدہ بین کسی ماہر گویے کے ہاتھ مین ہو تو بہترین قسم کے پیانو سے کم نہین ہوتی ہے فی الحقیقت ہندوستانی موسیقی کے اُلٹ پھیر کے لیے یہ آلہ بہترین سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ آلہ ایسا مکمل ہوتا ہے کہ کسی تار پر ذرا سا غیر ضروری دباؤ بھی اسکی آواز مین فوراً اختلاف پیدا کر دیتا ہے چونکہ آواز مین ہر قسم کی تبدیلی پیدا کرنا بجانے والے کے اختیار مین ہوتا ہے اسلیے اسکی آواز سامعین کو نہایت خوشگوار محسوس ہوتی ہے۔ اُلمن کو جو فوقیت باقی آلات موسیقی پر حاصل ہے وہ بھی محض اسی وجہ سے ہے۔

بین مین بالعموم سات تار ہوتے ہین۔ چار اوپر اور تین پہلو مین۔ موسیقی دانون نے اس آلہ کی مختلف قسمین بیان کی ہین۔

(۱) ایک تنتری جس مین صرف ایک تار ہوتی ہے یہ آلہ پنڈتون کے لیے مخصوص ہے لیکن عام طور پر گدا گر اس پر گا کر بھیک مانگتے پھرا کرتے ہین۔

(۲) نکل۔ اسمین دو تار ہوتے ہین۔

(۳) تری تنتر کا۔ اسمین تین تار ہوتے ہین۔

(۴) چترا۔ یہ سات تار والی بین کہلاتی ہے۔

(۵) وپنچی۔ اسمین نو تار ہوتے ہین۔

(۶) مت کوکلا۔ اسمین کیس ۲۱ تار ہوتے ہین اور اسکا عام نام مورمنڈل بھی ہے۔

ان کے علاوہ ایک قسم اور بھی ہوتی ہے جسے پناکی کہتے ہین اور اسے گز کی مدد سے بجایا جاتا ہے یہ آلہ زمانۂ حال کے انگریزی آلہ وائلن سے مشابہ ہوتا ہے۔

ہوا کی مدد سے بجنے والے آلات کی کہ جنھین سشر کہا جاتا ہے اور جنکی بہترین نظیر زمانۂ حال کی بانسری ہے کئی قسمین ہین جنمین سے بعض کے نام حسب ذیل ہین:۔ وسں۔ پو۔ پورکا۔ مُرلی۔ مدھ کری۔ پناکی۔ تیموکن چک۔ سرنگ۔ سنکھ وغیرہ۔ وسں سے مراد بانسری سے ہے اور اگرچہ عام طور پر وہ لکڑی کی بنی ہوئی ہوتی ہے تاہم زمانۂ قدیم مین بانس، صنوبر کی لکڑی، ہاتھی دانت، فولاد، کانسہ، چاندی اور سونے کی بانسریان بھی بنائی جاتی تھین۔ بانسری کی بجاے خود بہت سی قسمین بیان کی گئی ہین جنمین سب سے چھوٹی کا نام ادماتھی اور سب سے بڑی کا اشٹ منگل (۱۸ انگل) ہے۔ باقی اقسام کے نام انکی لمبائی وغیرہ کے اعتبار سے تری پرش، چتر مکہ، دیج دکتر، شن مکہ، منی، داسو، رور، آدتیہ وغیرہ ہین۔ پو شکل و صورت مین ۹ انچ لمبی وسں کی طرح ہوتی تھی مگر اسکے اوپر پتیل منڈھ دیا جاتا تھا۔ پورکا کی لمبائی ۱۲ انچ ہوتی تھی اور اسمین سُرون کے لیے پانچ سوراخ ہوا کرتے تھے۔ شاید اسکی موجودہ صورت وہ آلہ ہے جسے سپیرے بجایا کرتے ہین اور جسے لوگ غلطی یا غلط فہمی سے بین کہنے لگے ہین۔ مُرلی کا نام سری کرشن جی مہاراج آنند کند اور گوپیون کی رس لیلاؤن کی بدولت اسقدر معروف ہو چکا ہے کہ کسی مزید توضیح کی ضرورت نہین سرنگا سے مراد نرسنگھے سے ہے جو بیل یا بھینسے کے سینگ کا بنا ہوا ہو۔ اس سے عام طور پر شاہی جلوسون، مندرون کی پوجا یا تہوارون مین کام لیا جاتا ہے۔ گڈریے بھی اکثر اسے بجایا کرتے تھے۔ سنکھ کا رواج آج تک مندرون اور دھرم شالاؤن مین پایا جاتا ہے۔

آونددھ قسم کے آلات سے مراد ڈھول اور تاشہ کی مختلف اقسام سے ہے۔ ان آلات کی بجاے خود دو قسمین ہوتی ہین۔ ایک وہ جن پر جھلی منڈھی ہوئی ہو جیسے ڈھول۔ طبلہ۔ نقارہ وغیرہ اور دوسری قسم وہ جو صرف ہاتھ کے بنے ہوے ہون مثلاً جھانج۔ گھڑیال وغیرہ۔ نقارہ کا نام پہلے سنسکرت مین ایشکر تھا لیکن بعد مین سنگیت رتناگر کے مصنف نے اسکا نام مردنگ، مردال یا مرج رکھ دیا۔ مردنگ کا رواج آجتک کسی نہ کسی صورت مین موجود ہے اور اسکے متعلق کسی قسم کی تفصیلات مین پڑنا تحصیل حاصل ہوگا۔

ٹپاہ اسی مردنگ کی زیادہ قدیم صورت کا کام ہوا کرتا تھا۔ سنگیت رتناگر کا مصنف بیان کرتا ہو کہ ناٹک کے موقع پر ٹپاہ کے صرف ایک پہلو سے کام لیا جاتا تھا اور اس کے بجانے میں دونوں ہاتھ حرکت میں آتے تھے۔ ظن غالب ہے کہ زمانۂ حال کا طبلہ ہی ایجاد کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہو۔ گھٹ سے مراد گھڑے سے ہو اور پنجاب میں لوگ ابتک اسے بڑے سُر تال کے ساتھ بجاتے دیکھے جاتے ہیں اس کی پُرانی اور نئی وضع میں فرق صرف اسقدر ہو کہ پہلے اسکے منھ پر جھلی منڈھ دی جاتی تھی۔ مگر آج کل ایسا نہیں کیا جاتا۔

نقارہ کی بھی بہت سی قسمیں ہوا کرتی تھیں۔ گھوس۔ دھوس۔ دھک۔ منڈی دھک۔ دکوس وغیرہ۔ مگر اب یہ سب قسمیں معدوم ہو چکی ہیں۔ ڈنڈوہی۔ بھیری۔ نشان اور تنبو کی بڑی قسم کے نقارہ کے مختلف نام ہیں۔ ان سے زیادہ تر فوجی ضروریات میں کام لیا جاتا تھا اور جب دشمن قریب آرہا ہو یا فوج کو فتح حاصل ہوگئی ہو اُس وقت انھیں بجایا جاتا تھا۔

ٹل سے مراد چھوٹی قسم کے جھانج سے ہو۔ ہندوستان میں اس آلہ کو مجیرا کہتے ہیں اور عام طور پر اس سے آج تک رقص و سرود کی محفل میں کام لیا جاتا ہو۔ انمیں بالعموم دھات کی دو چھوٹی چھوٹی محدب یا مقعر پیالیاں سی ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو بائیں ہاتھ میں باندھ لیا جاتا ہو اور دوسرے حصہ کو دائیں ہاتھ میں لے کر اس سے بجایا جاتا ہو۔ کپتان میڈوز ٹیلر بیان کرتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی میں تال دینے کے لیے اس آلہ سے عام طور پر کام لیا جاتا ہو۔ گو بعض مقامات پر ان سے صرف مذہبی مراسم کی ادائگی میں کام لیا جاتا ہو۔ اور پنجاب کے ہندوؤں میں بعض ذاتیں ایسی ہیں کہ ان میں شادی بیاہ کے موقع پر انگریزی باجا بالکل نہیں بجایا جاتا بلکہ کنبہ کا پروہت اسی قسم کا آلہ بجا کر برات کے آگے آگے چلتا ہو۔

اس آلہ کو بجانا پنجاب کا خود ایک خاص فن ہو اور جو لوگ اس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں وہ اسکے ذریعہ سے نہایت خوشگوار آواز پیدا کرسکتے ہیں۔

اس قسم کے آلات موسیقی میں سے ایک گھنٹہ بھی ہو جیسے مندروں اور شوالوں میں لگایا جاتا ہو کھنڈ گھنٹی کا یا جھرجھر یکار گھنگھرو بھی اسی قسم میں شامل ہیں جنھیں ناچ اور مجرے کے وقت ٹخنوں سے باندھ لیا جاتا ہو۔

گھڑیال کو قدیم زمانہ میں جے گھنٹہ کہا کرتے تھے۔ اس کا رواج آج تک پوجا پاٹ کے موقعوں پر پایا جاتا ہو۔

آلات موسیقی کی یہ چند قسمیں ہیں جو قدیم ہندو موسیقی دانوں میں مروج تھیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ سب آلات نہایت سادہ ہوا کرتے تھے تاہم ان سے ہندوستانی موسیقی کی اکثر ضروریات بوجہ احسن پوری ہوسکتی تھیں۔ اور جس مسالہ سے انھیں تیار کیا جاتا تھا وہ بھی عام طور پر ملک کے اندر مل سکتا تھا۔ قدیم اہل ہند کے نزدیک درختوں کی تین قسمیں ہوا کرتی تھیں۔

(۱) تپل
(۲) دتل
(۳) شلیشول

تپل سے مراد ایسے درختوں سے ہو جو خشک زمین پر اُگتے ہوں دتل سے مراد ایسے درختوں سے جنھیں بہت کم مقدار میں پانی ملا ہو اور شلیشول سے مراد ان درختوں سے لی جاتی تھی جن کو پانی بافراط ملتا رہا ہو۔

آلات موسیقی کی تیاری میں اول الذکر قسم کے درختوں کو بہترین اور آخر الذکر کو بدترین سمجھا جاتا تھا۔ آخری قسم کے درختوں میں سے کسی کی لکڑی چاہے کتنی خشک ہو اُسے آلات موسیقی کی تیاری کے لیے غیر موزوں تصور کیا جاتا تھا۔ یا یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ آلات موسیقی ایسے درختوں کی لکڑی سے تیار کیے جائیں جو خشک

زمین پیدا ہوتے ہون اور عام طور پر خشک ہی بہتے ہون اگر کسی
درخت کو کاٹ لیا گیا ہو اور اس مین سے بڑے بڑے کونپلین اور درخت
نکل آئین تو اسکی لکڑی آلات موسیقی کی تیاری کے لیے بہترین
سمجھی جاتی تھی۔ جا بجا اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ پھلے ہوئے
گرہ دار یا نازک درخت کی لکڑی سے بالکل کام نہ لیا جائے۔
عام طور پر رکت چندن (سرخ صندل) یا ساگون کی لکڑی سے
کام لیا جاتا تھا۔ بانسری عام طور پر بانس کی تیار کیجاتی تھی۔
لیکن صندل اور ساگون کی بنی ہوئی بانسری کا بھی رواج تھا۔
بعض موقعون پر ہاتھی دانت، فولاد، دھات، سونے اور چاندی
کی بانسریون کا بھی ذکر آتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بانس
یا لکڑی کی بانسری پر پیتل کی چادر منڈھ لی جاتی تھی۔

نقارون کی تیاری مین جو کھال استعمال کی جاتی تھی اس مین
بہت سی احتیاطون کو ملحوظ رکھا جاتا تھا ہدایت کی گئی ہے کہ اس
مطلب کے لیے جو چمڑا استعمال کیا جائے وہ چھچھڑی وغیرہ سے
صاف اور آم کی کونپل کے رنگ کا ہو اور اسے ایک رات پانی
مین تر رکھا گیا ہو۔ جس چمڑے پر چھچھڑی لگی ہوئی ہو یا کوّے کی
ٹھونگون کے نشان ہون یا دیر تک دھوپ مین یا آگ کے سامنے
پڑے رہنے کے باعث خراب ہو گیا ہو اُسے کبھی استعمال مین نہ لانا چاہیے
بہترین چمڑا وہ سمجھا جاتا تھا جو کسی بڈھے جانور کا ہو اور جو خود بخود
مرا ہو۔

مردنگ ایک مخروطی قسم کا آلہ ہوتا تھا۔ مٹی کا بنا ہوا اور اسکے
دونون طرف چمڑا لگا ہوا ہوتا تھا۔ بعد مین اسے بجے برکش۔ کھدر۔
یا ساگون کی لکڑی سے تیار کیا جانے لگا۔ اس آلہ سے میدان جنگ
مین سپاہ کا حوصلہ بڑھانے مین مدد لی جاتی تھی۔ دندہی کا استعمال
مندرون سے مخصوص تھا اور اسکی تیاری مین آم کی لکڑی برتی جاتی تھی۔

یہ سوال کہ قدیم ہندوؤن مین آرکسٹرا کا رواج تھا یا نہین بڑی
حد تک بحث طلب ہے۔ یورپ مین سب سے پہلے آرکسٹرا کا استعمال
سولھوین صدی مین فرانس مین ناٹکون کے ساتھ شروع ہوا جسمین
بہت جلد نمایان اصلاحات رونما ہونے لگین حقیقت یہ ہے کہ جدید
موسیقی کے ارتقا مین آرکسٹرا کو بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے
کہ مشرق مین بہت مدت تک اس وجہ سے آرکسٹرا کا رواج شروع
نہ ہو سکا کہ یہان اسکے حسب حال آلات موسیقی موجود نہ تھے باوجود
اسکے یہ امر قابل ذکر ہے کہ قدیم ہند و موسیقی دانون نے بہت کم
آلات موسیقی رکھتے ہوئے بھی آرکسٹرا تیار کرنے کی کوشش ضرور
کی اور اس کوشش مین انھین اگر پورے طور پر کامیابی حاصل
نہ ہو سکی تو اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ قدیم ہندوستان مین آلات کی
موسیقی کو قدرتی موسیقی سے دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا حقیقت یہ ہے
کہ گلا اگر سُریلا اور آواز شیرین ہو تو اُسمین آلات موسیقی کے بغیر بھی
ایک ناقابل بیان لطف پایا جاتا ہے چنانچہ ایک انگریز مصنف تسلیم
کرتا ہے کہ ہمارے تمام آلات موسیقی پیانو فورٹ ارغنون وغیرہ
آواز کی موسیقی کے برابر لطف و راحت مہیا نہین کر سکتے کیونکہ اس قدرتی
موسیقی سے جب چاہو جس انداز سے چاہو کام لیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ قدیم ہندوؤن نے آرکسٹرا کی
تیاری کی کوشش بہرحال کی تھی۔ اس سے ہماری ہرگز یہ مراد
نہین کہ اُن کی وہ معمولی کوششین زمانہ موجودہ کے مکمل آرکسٹرا
سے کچھ بھی تناسب رکھتی ہین۔ تاہم اس مین کلام نہین کہ انھون نے
جو کچھ کیا اسمین اصول وہی ملحوظ رکھے گئے تھے جو زمانۂ حال کے آرکسٹرا
مین پائے جاتے ہین۔

بھرت نے جس کا نام معاملات موسیقی مین سند تسلیم کیا جاتا ہے
قدیم آرکسٹرا کا نام کتپ رکھا تھا جو بعد مین ورند یا برند ہو گیا

اور کون کہہ سکتا ہی کہ زمانۂ حال کی لفظ Band اور قدیم لفظ برند مین کتنا گہرا تعلق ہی- بھرت نے کتب کی تین قسمین مقرر کی ہین ایک تو وہ جس سے ناٹک کے سٹیج پر کام لیا جائے- دوسرے آلات موسیقی کا ایک عام مجموعہ اور تیسری قسم کا تعلق ان آلات موسیقی سے ہی جنھین ایک دوسرے سے ضرب دے کر بجایا جائے-

قدیم ہندوؤن مین ناٹک کے موقع پر آرچیسٹرا کی جو تقسیم دیکھنے مین آئی تھی اُسکے متعلق ذیل کی دلچسپ واقفیت یقیناً دلچسپی سے خالی نہوگی- مرذنگ بجانے والا اسٹیج کے سامنے وسط مین بیٹھتا تھا اور اسکے دائین بائین مین اور بانسری بجانے والے موجود ہونے تھے- بیان کیا گیا ہی کہ زمانۂ حال کے تھیٹرون مین آرچیسٹرا کو اسٹیج کے سامنے رکھنے کا رواج اسی زمانہ سے قائم چلا آتا ہی-

بحیثیت مجموعی کہا جا سکتا ہی کہ قدیم ہندوؤن مین ہر قسم کے آلات موسیقی بڑی حد تک درجۂ تکمیل حاصل کر چکے تھے اور گو وہ زمانۂ حال کے ترقی یافتہ آلات کا پورے طور سے مقابلہ نہ کر سکتے ہون تا ہم اسمین شک نہین کہ ان مین سے بہتیرے اُن اصلاحات کی تحریک کا موجب ہوے ہین جن کی بدولت مغربی آلات موسیقی کو آج ہر لحاظ سے مکمل ہونے کا امتیاز حاصل ہی-

تیرتھ رام

کنڈرگارٹن

دنیا کی مہذب قومون مین یہ بات بخوبی تسلیم کر لی گئی ہی کہ لڑکون کے لیے کوئی طریقہ تعلیم مفید نہین ہو سکتا جب تک کہ اسمین مندرجۂ ذیل تین امور پر لحاظ نہ کیا گیا ہو-

(۱) اول یہ کہ بچون کی جسمانی تربیت کی کوشش کی جائے اور اُن کو لڑکپن ہی سے قوی اور طاقتور بنایا جائے- (۲) دوم یہ کہ اُن کے حواس خمسہ کی تربیت کی طرف بھی زیادہ توجہ کیجائے اور یہ منشا قدرتی اشیا کے مشاہدہ کی عادت ڈالنے سے بخوبی پورا ہو سکتا ہی- طوطے کی طرح کتاب سے رٹا دینا کچھ زیادہ فائدہ نہین دے سکتا- (۳) سوم یہ کہ اُن کو آغاز ہی سے مختلف کامون مین لگا کر اپنے ہاتھون خود کام کرنے کی عادت ڈلوائی جائے تاکہ جوان ہونے پر دستکاری وغیرہ کامون کے کرنے کو ہیچ اور حقیر نہ جانین بلکہ بڑی خوشی کے ساتھ اُن کو کرنے کے لیے تیار ہون-

اس طریقۂ تعلیم جدید کے رائج کرنے والے ملک جرمن کے مشہور عالم- عالم فروبل صاحب تھے جنھون نے وہان کے طریقۂ تعلیم کو ناقص سمجھ کر تعلیم کا یہ نیا طریقہ نکالا تھا- یہ کوئی مضمون نہین بلکہ ایک خاص طرز کا طریقۂ تعلیم ہی جس کا نام کنڈرگارٹن سسٹم ہی- اس طریقہ سے تعلیم دینے سے جسمانی اور عقلی تربیت بخوبی ہو سکتی ہی- اور بالعموم آجکل کی دنیا کی تمام مہذب قومون مین اس کا رواج ہو گیا ہی-

کنڈرگارٹن جرمنی زبان کا لفظ ہی جس کا مطلب لڑکون کی تعلیم ہی- فروبل صاحب کی رائے کے مطابق کنڈرگارٹن کی طرح کا اسکول ایک باغ ہی- بچے پودے- اور اُستاد باغبان کے مانند ہین- جس طرح باغبان اپنے لگائے ہوے نئے پودھون کی حفاظت اور پرورش کے لیے طرح طرح کی کوششین کرتا ہی زمین کو گوڑتا ہی برابر کرتا ہی- کھاد ڈالتا ہی- پانی سے سینچتا ہی تب کہین پودھون کی جڑ مضبوطی سے قائم ہوتی ہی- جب پودا بڑھنے لگتا ہی تب اُسکے سیدھے رہنے کا خیال کرتا ہی- زیادہ شاخین ہوتی ہین تو چھانٹ دیتا ہی اور اس طرح ہر پودے کو خوشنما بناتا ہی-

اور اُس کی اُن کوششون کا انجام یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے زمانہ کے بعد وہ نرم پودھا ایک خوبصورت درخت کی صورت مین نظر آتا ہے جو آنکھون کو نہایت خوشنما لگتا ہے اور سب کو اپنے پھول پھل سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اُسی طرح کنڈرگارٹن مین ایک ایک ایسے بیج (بچہ) کی جسمانی اور اخلاقی اور عقلی قویٰ کی تربیت اُسکی خواہش اور قانون قدرت کے مطابق کی جاتی ہے۔

لڑکون کی جسمانی اور عقلی تربیت کی تعلیم ایسی ہے کہ اُس مین صرف تعلیم ہی نہین ہے بلکہ اس طریقہ پر سیدھے سادے کھیلون کے ذریعہ سے اُن کی تربیت و اصلاح کی جاتی ہے اس طرح اُن کو حصول تعلیم کا اصلی اصول بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے جسمانی و عقلی قویٰ کی ترقی بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہر ایک چیز کے بارے مین جو اُن کے سامنے آتی ہے مشاہدہ و مقابلہ کے ذریعہ سے پوری پوری واقفیت و معلومات حاصل کر سکتے ہین۔

اگر کوئی نئی چیز مثلاً چھتری وغیرہ کسی معمولی طالب علم کے سامنے رکھی جائے تو وہ اُسکی اوپری شکل دیکھ کر خوش ہوگا اور شاید یہ کہے گا کہ بڑی اچھی بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہی چیز اگر کسی ایسے لڑکے کو دی جائے جسکی تعلیم اس طریقہ کے مطابق ہوئی ہے تو وہ اُسکی باہری و ظاہری شکل دیکھنے اور اُسکی بناوٹ کی تعریف کرنے کے علاوہ اُس کے ہر حصہ اور جوڑ کی بناوٹ کو بڑے غور کے ساتھ دیکھے گا اور اُس کے دل مین اس طرح کے سوالات اُٹھین گے کہ یہ حصہ یہان لگانے کا کیا باعث ہے؟ اور اس جوڑ سے کیا فائدہ ہے؟ اور پھر خود ہی ان سوالات کے جواب سوچنے کی کوشش کرے گا اور اس طرح جب تک اُس کو اُس چیز کے ہر حصہ کا پورے طور پر علم نہ ہو جائے گا اورون سے پوچھ کر اپنے دلی شکوک کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔

کنڈرگارٹن کے فوائد

۱۔ بچے ابتدائی تعلیم مین پوری پوری توجہ ظاہر کرتے ہین اور اُن کو جو کچھ بتایا جاتا ہے اُس پر اُنکی توجہ قائم رہتی ہے کیونکہ اُستاد معمولی کھلونون کے ساتھ کھیلتا ہے جس سے اُن کا دل بہلاؤ ہوتا ہے علاوہ ازین وہ دلچسپ گفتگو اور مناسب و ضروری سوالات کے ذریعہ سے کھیلون کو اور بھی دلچسپ بنا دیتا ہے۔ اُن کو سیر کراتا ہے۔ باغون مین پھل پھول دکھاتا ہے اُن کو یہ ہرگز نہین محسوس ہوتا کہ ہم مدرسہ مین قید ہین۔

۲۔ بچے روزانہ نئی نئی چیزون کا مشاہدہ کرتے ہین اور اُن سے طرح طرح کی شکلین بناتے ہین جس سے اُن کے قوائے عقلیہ خوب ترقی پاتے ہین اور اُن مین روز بروز ترقی ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ اس طرح پر حاصل کیا ہوا علم درست اور قابل یقین ہوتا ہے کیونکہ اُس مین اُن کو خود ہی اپنے حواس خمسہ کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور جو علم وہ اس طرح حاصل کرتے ہین وہ اُنکے ذاتی مشاہدہ و مقابلہ پر منحصر ہوتا ہے۔

۴۔ ہر ایک شے کے بارے مین جو اُن کے سامنے آتی ہے جانچ کرنے کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جب تک اُستاد مشاہدہ و مقابلہ اور دلیل کے ذریعہ سے کوئی بات بخوبی نہین سمجھاتا وہ ہرگز اُسکو نہین مانتے۔

۵۔ اُن کو اپنے ہاتھون اور خیالات کی امداد سے کھلونون کے ذریعہ سے نئی نئی شکلین اور نمونے بنانے پڑتے ہین اس وجہ سے اُن مین نئی نئی اشیاء کے بنانے کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔

۶۔ چونکہ شروع ہی سے لڑکون کو بہت سی چیزین خود اپنے ہاتھ سے بنانا پڑتی ہین اس باعث سے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے

اور اپنے گھر کے کام کرنا حقیر نہین سمجھتے۔

۷۔ تمام اعضاے جسمانی اور حواس خمسہ کو استعمال مین لانا پڑتا ہے اس لیے اُن کی صحت درست رہتی ہے۔

۸۔ لڑکے ہر وقت ہنستے گاتے اور خوش رہتے ہین جس سے اُنکی تندرستی عمدہ رہتی ہے۔

۹۔ صرف جسمانی تربیت نہین ہوتی بلکہ قواے عقلیہ کی بھی تربیت ہوتی ہے۔

۱۰۔ صنعت و حرفت کی تعلیم کی جڑ ڈالنے کے لیے اس سے عمدہ اور کوئی طریقہ فائدہ مند نہین ہو سکتا۔

بہت لوگون کا خیال ہے کہ کنڈرگارٹن کے طریقہ سے بچون کو تعلیم دینے سے اُس درجہ تعلیم مین کامیابی نہین ہوتی جتنی کہ پُرانے طریقہ تعلیم سے پڑھانے مین ہوتی تھی۔ اب یہان پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا منشا کس قسم کی کامیابی سے ہے۔ اگر اُن کا یہی مطلب ہے کہ بچے طوطے کی طرح صفحے کے صفحے پڑھ جائین یا حساب کے سوالات وغیرہ بغیر اس بات کے سمجھے ہوئے کہ کس طرح پر یہ جواب حاصل ہوتا ہے رٹ لین، اگر حقیقت مین اُن کا مدعا اسی طرح کی کامیابی سے ہے تو یہ کامیابی کنڈرگارٹن سسٹم پر تعلیم دینے سے ہرگز نہین ہو سکتی۔ ہان اگر کامیابی کا یہ منشا ہو کہ لڑکون کی عقل کی صفائی اور ترقی ہو یا قوت استدلالیہ اُن مین پیدا ہو اور خود غور و فکر کرنے کی طاقت ہو جائے۔ جو کچھ اُستاد بتائے اُسکو اندھون کی طرح نہ مان لین تو اُن کا مطلب ضرور حاصل ہوتا ہے۔ کنڈرگارٹن کے طریقہ سے پڑھانے والے مدرس اپنے طالبعلمون کو اتنی جلدی کے ساتھ تعلیم دینے اور طوطے کی طرح پر رٹا دینے کو کامیابی ہرگز نہین سمجھتے بلکہ اس طریقہ سے تعلیم دینے کا نتیجہ بہت عمدگی کے ساتھ جب کہ طالب علم اسکول کے اونچے کلاسون مین پہنچین گے اور اونچے مضامین کو پڑھنا آغاز کرین گے تب معلوم ہو سکے گا دو ہمعمر لڑکون کو جن مین سے ایک کو پُرانے طریقہ تعلیم کے مطابق اور دوسرے کو کنڈرگارٹن کے طریقہ سے تعلیم دیگئی ہو تو کنڈرگارٹن سے تعلیم پانے والے لڑکے کا دل عمدہ تمیز اور مشکل و دقیق باتون کے دریافت کرنے مین ماہر ہوگا اور اُس مین قوت استدلالیہ کافی مقدار مین ہوگی اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ صرف یہی کہ کنڈرگارٹن کے طریقہ سے تعلیم پانے والے طالبعلم کو اندھون کی طرح اُستاد کی بات مان لینے کی تعلیم نہین دی گئی بلکہ یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ بذات خود دلیل کرے اور ہر ایک بات کا باعث سمجھ کر مطلب نکالے۔

فروبل صاحب کا قول ہے کہ بچون کی تعلیم کے لیے سب سے پہلا اُستاد اُنکی مان ہے۔ پانچ برس کے بعد جب اُستاد کی تعلیم آغاز ہو تو بچہ کو اُس کا معاون بنانا چاہیے۔ یعنی جب بہت سی باتین اپنی مان سے سیکھ چکے اور کچھ سمجھ حاصل کرے تو قدرتی اشیا یا دیگر نظارون کا مشاہدہ کرانے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے یورپ اور امریکہ وغیرہ مین اسی کے مطابق بچون کی تعلیم ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے یہان اسکی طرف کم توجہ دی جاتی ہے۔ جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اُنکی تعلیم کے حاصل کرنے مین بہت عرصہ لگتا ہے۔ ان مناسب چیزون کے مشاہدہ کے اسباق پڑھانے پر خاص طور پر توجہ کی جائے مثلاً اگر عام کے پیڑ کا سبق دینا ہو تو مدرس کو لازم ہے کہ آم کے درخت کے نیچے ہی طلبہ کو لیجا کر سبق پڑھائے۔ لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ ہم کو اپنی سیر کے طریقہ کو بچون کے لیے راحت و موجب مسرت بنانے کی خواہش کرنی چاہیے جس سے اُن کا دل ہمیشہ اُسی طرف لگا رہے۔

اس طریقہ سے آہستہ آہستہ اُن کی رغبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ بڑی خوشی کے ساتھ اپنے مکان یا اسکول کے احاطہ مین انواع و اقسام کے پھول اور پھل والے پودے اپنے ہاتھون سے بوتے اور اُن کی محافظت کرتے ہین۔ ہر آدمی خواہ وہ کسی عہدہ یا پیشہ کا

صبح و شام تھوڑی دیر باہر جانے اور سیر کرنے یا دل بہلانے کے لیے وقت نکال سکتا ہو لیکن بچون کے ساتھ لیجاتے اور اُن کے دل بہلانے نیز اُن کی ترقی کا خیال محض چند آدمیون کے ہی دل مین ہوتا ہے۔ اگر تعلیم یافتہ لوگ اس کے پورے پابند رہین اور ہر روز یا دوسرے تیسرے دن اپنے بچون اور عزیزون کو ساتھ لیجا کر سیر کرائین اور ہرے ہرے کھیت، مختلف قسم کے درخت، جھاڑیون، پھل پھولدار پودون کے مشاہدہ کرنے کا موقع دین تو صرف بچون ہی کے لیے مفید نہ ہوگا بلکہ وہ خود بچون کے ساتھ اس طرح کی سیر مین بہت خوش ہون گے۔ اور صرف ماں باپ کو ہی نہین بلکہ اُستادون کو بھی اپنا مقدم فرض سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی اپنے کلاس کو باغیچہ مین یا ہرے اور لہلہاتے ہوئے کھیت کے کنارے سیر کرائین اور ہرے ہرے پتون کی رونق دکھا کر اور پیاری پیاری باتین کرکے اُن کا دل خوش کرین۔

موہن لال فہم

یزید ابن مہلب

پہلی صدی ہجری کو ابھی پورے پچھتر برس بھی نہین ہوپائے ہین دمشق مین عبدالملک ابن مروان مسند خلافت پر جلوہ افروز ہے، اسلامی فتوحات کا وہ سیل روان تھا کہ کسی کے روکے نہین رکتا تھا مغرب کی طرف بڑھے تو شمالی افریقہ کو پامال کرتے اندلس پر قبضہ کرکے غازیان اسلام نے کوہ پیرینیز کے قلب مین اسلامی جھنڈا اگاڑ دیا۔ مشرق مین سندھ تک پہنچ گئے تھے۔ اور ملتان مین صدائے اللہ اکبر گونج اُٹھی۔ قتیبہ ابن مسلم نے دریائے آکسس کو عبور کرکے سمرقند و بخارا مین خلیفہ وقت کا سکہ رائج کر دیا تھا اور مسلمہ برادر ولید (خلیفہ) کے فتوحات کا ابر تمام ایشیائے کوچک پر پھیل کر قسطنطنیہ کے مطلع پر چھا گیا تھا۔ بزنطانی حکومت کی جھلملاتی ہوئی شمع کو گل کر دینے کو محض ایک ہلکا سا جھونکا کافی تھا اسی دور ترقی و فتوحات کے نگارخانہ مین سے آج ہم ایک مرقع کو روشناس کرانا چاہتے ہین جس کے خط و خال گو مرور ایام کے بستر ہ سے کہین کہین دھندلے پڑ گئے ہین تاہم چہرہ کی زیبائی اسکی مقتضی ضرور ہے کہ اس دور زرین مین اُسکو روشنی مین لایا جائے۔

ایک مورخ جب اپنے کمرہ مین بیٹھکر کسی گذشتہ واقعہ کو قلمبند کرتا ہے تو وہ اپنے کو عجیب اُلجھنون مین پھنسا پاتا ہے۔ پرانے واقعات کی سُراغ رسانی آسان نہین ہوتی اور اُن پر قلم اُٹھانا پُرخطر ہوتا ہے۔ ایک طرف گذشتہ تواریخ و کتب سیر و اخبار کا انبار ہوتا ہے جنمین ایک ہی واقعہ مختلف پیرایون مین درج ہوتا ہے پھر اُن مین کوئی غیر ہمدردانہ پہلو لیے ہوتا ہے اور کسی کی رائے مبالغہ آمیز مدح سرائی سے مملو ہوتی ہے۔ یہ عین فطرت بشری ہے اور یہ ہرگز قلوب انسانی سے قطعاً مٹائے نہین مٹ سکتی تاہم اپنے فرائض سے حتی الوسع خوش اسلوبی سے سبکدوشی حاصل کرنے کی یہی راہ ہے کہ زمانہ ماضی کی قدرتی خامیون اور فطرت انسانی کی کمزوریون پر نظر غائر ڈال کر منصفانہ اور بے لاگ رائے قائم کی جائے۔ اول الذکر قسم کی خامیان سائنس کی ایجادون اور مخترعات سے بہت رفع ہو گئی ہین لیکن فطرت انسانی کی خامیون کا بعینہ اب بھی وہی حال ہے جو اب سے تیرہ سو برس پیشتر تھا جنکی جلوہ ریزیان تمام حکمائے عصر کی عقلون کو چرخ کر دیتی ہین۔ قوام عالم عجیب واقع ہوا ہے۔ سلف سے اسکی گھٹی مین بوقلمونی و تضاد پسندی نیز تغیر نوازی و انقلاب پژوہی پڑی ہوئی ہین گویا ہیولاہی برق خرمن کا ہے، جس وقت انقلابی لہر موجزن ہوتی ہے

توکسی انسانی طاقت سے روکے نہین رُکتی - پس آج چونکہ اسلامی ممالک پولٹیکل آزادی سے بہرہ ور نہین رہے ہین اُن کا تمدن خود اسلامیون کے ہاتھون مسخ ہوکر رہ گیا ہی - اِس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مسلمان ظالم تھے، جابر تھے، وحشی و بربر تھے، حق کا خون کرنا ہی - آج یورپ جس طریق حکومت پہ مغرور ہو رہا ہی اور حقیقت یہ ہی کہ طریقہ ہی بھی بہترین جو عقل انسانی پیکر عمل مین لاسکتی ہی تاہم اس سے بہت پہلے ان ہی طریقون کی آزمائش کھلے بندون کی جاچکی ہی - دولۃ الکبریٰ کی تاریخ اُٹھاکر دیکھیے اور یونانی طرز حکومت جمہوریہ کا موازنہ کیجیے وہ کون سے طریقہ ہین جن پر عمل نہین کیا گیا تھا - پارلیمنٹ قائم تھی سینٹ تھی پنچایتی طریق پر جملہ امور انجام پذیر ہوتے تھے - پہلے دور فتوحات کے بعد دولت کی فراوانی اپنے ہمراہ عیش طلبی و آسان گذرانی کے تباہ کن جراثیم لائی سات پہاڑیون کے باشند. ون مین اب وہ اگلی سی سادگی جفاکشی استقلال وشجاعت باقی نہ رہی تھی - مفتوحہ ممالک کے باشندون سے فوجین بھرتی ہونے لگین وہ محض ایض زرانی کے دلدادہ ہوتے تھے - دُنیا مین اُسی کا بول بالا رہ سکتا ہی جسکے بازوؤن مین طاقت ہوتی ہی" سینٹ کی قطع گریموفون کی ہوگئی تھی - سب سے زبردست شخص کے ہاتھ مین اُسکی کنجی رہتی تھی - جیسی آواز وہ بھر دیتا تھا وہی بولی سب بولنے لگتے تھے یا اُس کے ممبر کٹھ پتلی بن گئے تھے جو تارون پر ایک ہی قوت کے حرکت دینے سے ناچنے لگتے تھے - یہ بھی فطرت انسانی ہی کہ وہ بسا اوقات دنیا کی تاریخ مین ایک زبردست ہستی کے نام سے یاد کیے جانے کی بے حقیقت خواہش وتمنا مین جملہ قوتون کے غصب کرلینے کا خوگر ہوجاتا ہی - ایسے معبودان قہار وجبار سے گذشتہ زمانہ کی تاریخین معمور رہین - ایک وقت وہ آیا کہ دولۃ الکبریٰ کے صوبہ دار مسئلۂ ارتقا کے بموجب سرداری و سرگروہی (شخصیت) کے پیچھے زور آزما ہونے لگے اور وہ سب کچھ ہوا جو طوائف الملوکی مین ہوتا آیا ہی - رعایا وشہری باشندے چیخ اُٹھے - اس ہیچ رنگی سے یکرنگی اُن کو بھانے لگی یعنی ایک ہی زبردست قوت کے آگے اُنھون نے سر جھکا دیے - کچھ دنون جانشینی انتخاب ونامزدگی سے عمل مین آئی بالآخر مطلق العنانیت وطریقۂ وراثت رائج ہوگیا اور اس کی معیت مین شخصی اور غیر ذمہ دار طرز حکومت کے جملہ عیوب عود کرآئے - یونان مین جہان جمہوریت اپنے حقیقی اور وسیع معنون مین قائم ہوئی تھی وہان دوسرا طریقہ قدرت نے برتا یعنی خود ہی آپس مین ایسی جیلگئی کہ سب اپنی ہی افروختہ کی ہوئی آگ مین جل بھُن گئے - اُس وقت اگر شخصیت کی باگ ڈور ڈھیلی ہوگئی ہی تو قومی خودغرضیان وملکی ہوس پرستیان آزادانہ قلوب انسانی پر مستولی ہوجاتی ہین - غرض کسی نہ کسی طریقہ پر عجوزہ دنیا کو نیا روپ بھر کر تماشا گاہ ہستی پر آنا ہی اور یہ اُسکی دیرینہ عادت ہی "کوئی انسانی قوت قدرت کے طریقون کو بدل نہین سکتی" - ہمیشہ وہی ہوگا جو ہوتا آیا ہی - کون کہہ سکتا ہی کہ اگر چنگیز خانی ہلاکت پاش طوفان مشرق سے اُٹھکر بغداد و دمشق واصفہان کی درسگاہون اور کلیہ کو زیر وزبر نہ کردیتا تو ابتک علمی و کیمیاوی دنیا کتنی صدی آگے ہوتی - غرض دنیا ہمیشہ انقلاب پسند رہی ہی اور موجودہ اصولون واختراعات وروایات پر مغرور ہوجانا عقلمندون کا کام نہین - یہ بھی زوال پذیر ہین اور گذشتنی ہوکر رہین گے - زمانۂ گذشتہ کی تاریخون کی ورق گردانی سبق آموز ہوتی ہی لیکن اسی حالت مین کہ اس وقت کی خامیون پر فیاضانہ نظر ڈالکر بسکون خاطر حالات موجودہ سے موازنہ کرکے ہم خذ ما صفا ودع ما کدر پر عامل ہون جو حیرت زا باتین اگلے لوگ کرگئے ہین اُنکی داد دین - دیکھو ایک شخص دمشق مین بیٹھکر تین براعظمون پر حکومت کررہا ہی - ریل ودخانی جہازون اور لاسلکی تارون کا وجود تک نہ تھا - ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ ایسی عظیم الشان سلطنتون کا شیرازہ مثل

کوہ آتش فشان کے آن واحد مین بکھر کر پارہ پارہ ہوجاتا تھا تاہم جس وقت تک مرکزی حکومت مین کمزوری کے آثار پیدا نہ ہونے پاتے تھے عروج اقبال کی پری دست بستہ مگس رانی کرنے کو ایستادہ رہتی تھی گو اتنی بڑی سلطنت مین کسی کسی جگہ خانگی سرکشیان واقع ہوجایا کرتی تھین تاہم بیرونی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری تھا جس طور سے اٹھارھوین صدی کے آخری حصہ اور انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین انگلینڈ ہندوستان مین سرخروئی حاصل کرنے کی خاطر براعظم یورپ و امریکہ مین لڑائیان لڑ رہا تھا مملکت مین عراق عرب و عراق عجم دو صوبے تھے جہان کی سرزمین معرکۃ الآرا اختلافات کے مظاہر دیکھ چکی تھی اور جہان کے شہرون مین سے کوفہ اسلامی پولٹیکل و مذہبی پارٹیون کا مرکز بنا ہوا تھا - یہین سے فرقہ بندی کے نت نئے جھگڑے رہ رہ کر اُٹھتے رہتے تھے - ظاہر ہے اس خطہ کو قابو مین رکھنے کے لیے ایک زبردست شخص کی ضرورت تھی جس کی سخت گیریون کی گو ہم سے ستائش نہین ہوسکتی کیونکہ خال جب حد سے گذر جاتا ہے تو مسّہ بن جاتا ہے اور اس سے روے زیبا پر بدنمائی آجاتی ہے تاہم کامل بیس برس تک حجاج بن یوسف نے نہایت پُرامن طریقہ پر دونون عراقون پر حکمرانی کی - اسی حجاج بن یوسف کا نسبتی برادر یزید ابن مہلب تھا جس کو اُس نے خراسان کا حاکم مقرر کرادیا تھا چندے دونون شیر و شکر ہو کر رہے لیکن یزید کی روزافزون ہردلعزیزی کی شہرت سُن کر حجاج کے کان کھڑے ہو گئے اور اب اُس نے یزید کے خلاف خلیفہ عبدالملک کو متواتر جھوٹی اطلاعین پہنچانی شروع کین کہ یزید روز بروز زور پکڑتا جارہا ہے اور عنقریب اُسکی سرکردگی مین ایک بغاوت عظیم بپا ہونے والی ہے جس سے تخت خلافت کو ضرر پہنچ جانے کا احتمال ہے - رقابت بُری شے ہوتی ہے اور اسکی سرکار مین دروغ و افترا سب کی رسائی جائز سمجھی جاتی ہے - گو خلیفہ عبدالملک کچے کان کا نہ تھا خصوصاً یزید کی وقعت و توقیر اسکے دل مین کافی تھی کیونکہ وہ ایک ایسے اسلامی جنرل کا بیٹا تھا جس کا رتبہ خالد بن ولید کے بعد سمجھا جاتا ہے - مہلب وہ شخص تھا جس نے خارجیون کو تقریباً صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا تھا - اگر خال خال کہین بچ بھی گئے تھے تو اُن کا پہاڑیون پر رین بسیرا رہتا تھا - یزید بھی شجاعت و جنگجوئی مین اپنے باپ کا سپوت بیٹا تھا - دریادلی و سخاوت مزید برآن تھی - اسکی سیرچشمی کے قصے عرب نژاد باشندون مین گھر گھر مشہور ہو رہے تھے - اس کا دربار چھوٹا موٹا دمشقی دربار بنا ہوا تھا شعرا و موسیقی نواز داخل حاجت کبھی خالی دامن واپس نہونے پاتے تھے - پہلے تو خلیفہ نے حجاج کی رپورٹون پر دھیان نہ دیا تاہم کتنا ہی انسان مستقل مزاج ہو جب ایک بات علی التواتر پیش کی جائے گی اثر کر ہی جاتی ہے - خاص کر حجاج کی بات جس نے عراق کو قابو مین رکھکر اپنی انتظامی قابلیت کا سکہ بٹھا رکھا تھا چنانچہ خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو یزید کے معزول کرنے اور اُسکی جگہ قتیبہ ابن مسلم کے تقرر کے احکام روانہ کردیے قتیبہ کا انتخاب بھی بُرا نہ تھا وہ بھی عبدالملکی ایوان کے ہفت بُرج مین سے ایک ذی تمکین برج تھا - حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تک سلطنت کی مشنری کا فلائی وہیل اپنی مقررہ رفتار سے چلتا رہتا تھا اُس وقت تک دوسری موشن پُلیان (یعنی چکر دینے والے) بخوبی کام دیتی رہتی تھین - کام تو جب ہی بگڑ جاتا تھا جب مرکزی قوّت نا ملائم یا ناکارہ ہوتی تھی - اس وقت گورنرین کی بولیان ہوا کرتی تھین جس کو فرمان صوبہ داری مل جاتا وہ اپنے قیام کو حباب آسا تصور کر کے اپنا ہی دامن پُر کرنے کی فکر مین پڑ جاتا تھا لیکن ایسی مثالین ہر اسلامی سلطنت کے ایام انحطاط مین پیدا ہوجاتی تھین - اقبال و عروج مین ایسی باتون کا عشر عشیر بھی نہ پایا جاتا تھا - ان ہی واقعات سے متمتع ہو کر مغربی مورخین

ہرزہ سرائیاں کیا کرتے ہین جو التفات کے قابل نہین ہوتین یزید کی معزولی ۹۶ھ ہجری مین وقوع مین آئی تھی۔

اب کیا تھا مثل مشہور ہے "اشتر اشخنہ مردک نام" خلیفہ کی نگاہ پلٹنی تھی کہ غریب یزید کے آب و گل دشمن بن گئے۔ معزولی کے بعد حجاج نے یزید کو بندی خانہ مین ڈلوا دیا اور اپنی بی بی یعنی یزید کی بہن کا مطلق خیال نہ کرکے اُسکو طرح طرح کی اذیتین پہنچانا شروع کین جنہیں وہ نہایت صبر و استقلال سے برداشت کرتا رہا لیکن جب سختیاں حد اعتدال سے متجاوز ہوگئین تو مزید تکلیفون کی تاب نہ لا کر اپنے محافظون سے سازباز کرکے ایک روز بندی خانہ سے چلتا ہوا۔ شب و روز ناقہ پر دھاوا مارتا ملک شام مین پہنچکر اپنے چچا وہاب ابن عبدالرحمن کے گھر مین پناہ گزین ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ خلیفہ عبدالملک اس عالم سے ملک جاودانی کو سدھار چکا تھا اور اُسکی جگہ ولید حکمران تھا۔ خلیفہ ولید کے برادر خرد سلیمان کے حضور مین وہاب کی بڑی رسائی تھی۔ اس نے ایک روز سلیمان سے یزید و حجاج کا پورا قصہ کہہ سُنایا اور مستدعی ہوا کہ یزید کی بریت کے لیے وہ حامی کاری بھرے۔ چنانچہ سلیمان نے یزید ابن مہلب کو اپنے خرد سال بیٹے کے ہمراہ ولید کے حضور مین روانہ کیا بیٹے کو سمجھا دیا کہ اپنے چچا خلیفہ ولید کے سامنے جاکر اپنا سر جھکا دینا اور کہنا کہ یزید کے عوض یہ سر حاضر ہے۔ یزید سراسر بے قصور ہے محض افترا پردازون اور مخالفان خاندان مہلب کی ریشہ دوانیون کی بدولت یزید کی یہ نوبت پہنچی ورنہ اُسکے سر مین نہ بغاوت کا سودا تھا اور نہ مسلمانون کے خلیفہ کی اطاعت کیشی سے منحرف ہونے کی اُسکو جرأت ہوئی تھی۔ چنانچہ جس وقت سلیمان کے بیٹے نے ولید کے سامنے یہ گفتگو کی اُسکی معصومانہ تقریر پر اُسکا دل بھر آیا اور اُسکو یقین ہوگیا کہ حقیقتہً یزید بیگناہ ہے خلیفہ نے فوراً معافی دے کر دربار سے رخصت کیا۔

جس طور سے اس وقت ہر آزاد ملک مین اراکین سلطنت کی دو پارٹیاں قائم ہین ایسی ہی عربون مین بھی دو زبردست پارٹیاں قائم ہوگئی تھین اور انکی ماتحت پارٹیاں بھی بن گئی تھین۔ اس زمانہ کی اور اُس زمانہ کی پارٹیون مین فرق امتیازی یہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ مین اصول جہانبانی اور طریقۂ حکمرانی کی پالیسی پر اُن کا دارومدار ہوتا ہے اور اُس زمانہ کی پارٹیون مین نسلی اختلافات یا اقتدار دائر و سائر تھا۔ کہین یہ اختلاف مبنی و موضیری روپ بھر لیتا تھا کہین قلبی و قیصری سوانگ مین نمودار ہوتا تھا۔ عرب ایک تو یون ہی خلقتاً عوض گیری کے لیے زمانۂ سلف سے مشہور چلے آرہے تھے، البتہ اسلامی تعلیم اخوۃ کے اثر کا شائبہ جب تک باقی رہا اُس وقت تک قلوب پر نسلی اختلافات کا بھوت سوار نہ ہو سکا تھا، کچھ تو پیشوائے اُمت ہادی دین متین کے ایام طلائی سے بُعد کی وجہ سے اس جامع و مکمل تلقین کے اثرات قلوب پُر عیوب سے محو ہو گئے تھے اس پر شعر دشمنی کی دوبارہ طرح جو ڈالی گئی تو اس نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ شعرائے دربار خلافت اخطل و ظفر نے از خیال رفتہ قصص کی ہڈیان یکجا کرکے طعن و تشنیع کی بنیاد پرانی نیون پر رکھنی شروع کی چنانچہ اس زمانہ کی دونون پارٹیون کے اختلافات محض اصول ہی تک محدود نہین رہے بلکہ ذاتیات تک نوبت پہنچنے لگی اور رفتہ رفتہ دشمنی کی حد تک یہ اختلافات طول کھینچنے لگے۔ جب ایک پارٹی برسر اقتدار ہوتی تھی تو اُسکے ارکان کو سب سے اول یہ فکر دامنگیر ہوتی تھی کہ مخالف پارٹی کے لوگون کو محض ذلیل و خوار ہی نہ کیا جائے بلکہ وہ اُنکے وجود ہی کو مٹا دینے کے درپے ہو جاتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی کوشش مین سخت گیری ہی تک اکتفا نہین کی جاتی تھی بلکہ کشت و خون اور خفیہ طریق قتل و غارت کو دعوت دیتے تھے۔

انسانون کی ضمیر پر سختی سے قابو نہیں پایا جاتا اور کوئی تحریک زجر و توبیخ سے رد کے نہیں رکتی ظاہر نظر آتا ہے کہ وہ آگ بجھ گئی ہے حقیقت مین آگ کبھی ہرگز نہیں بجھتی چنگاریون کی سرخی راکھ سپید ہی ہوجاتی ہے۔ خلیفہ سا جھونکا موافق ہوا کا آیا نہیں کہ یہ چنگاریان لے اڑین۔ چنانچہ ہر جگہ خفیہ سوسائٹیان قائم رہتی تھین۔ درپردہ اُن کے ممبر ریشہ دوانیان کرتے رہتے تھے۔ جب کبھی کوئی لیڈر زبردست ملگیا ایک ہی وقت مین ہزار ہا میل تک علم ہاے احتجاج بلند ہوجاتے تھے۔ جہان کہین مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی وہان زیادتیان بھی ہوجایا کرتی تھین کیونکہ جنگ مین ہر قسم کی سختی موجودہ متمدن عہد مین بھی جائز تصور ہوتی ہے۔ جیون جیون زیادتیان بڑھتی تھین تیون تیون لوگون مین گرمی بڑھتی ہی جاتی تھین اور یہی حقیر اختلافات بڑھتے بڑھتے ایک روز خلافت بنی اُمیہ کے خاتمہ کے باعث ہوے۔

خلیفہ ولید کے بعد اُسکا بھائی سلیمان مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ گویا یزید کے بھاگ جاگ اُٹھے۔ خراسان کی گورنری سے قتیبہ کو معزول کرکے اسکی جگہ یزید کو عطا ہوئی۔ خراسان والون نے اپنے ہردلعزیز لیڈر کا خیر مقدم نہایت گرمجوشی سے کیا۔ عربی قبائل کے ممبرون کی دلی تمنا بر آئی گویا مطلع امید سے ہلال عید کا ظہور ہوا جسوقت زمانہ یاوری کرتا ہے تو مٹی چھونے سے سونا بن جاتا ہے۔ آتے ہی قلعہ کرکان کو مسخر کرکے اپنی دھاک یزید نے پھر بٹھادی۔ داد و دہش کا بازار گرم ہوا۔ ایک ایشیائی تاجدار کے مانند شعرا و ندما و علما و فقہا و موسیقی نواز سب کے لیے دربار مین اذن عام تھا۔ جو یزید سے مس ہوجاتا مالامال ہوجاتا۔ لیکن فلک کج رفتار سے یزید کا جاہ و حشم نہ دیکھا گیا اور اسکی ندیدی نگاہین اس پر ایسی پڑین کہ یکبار اس کا خاتمہ ہی کرکے اُنھون نے چھوڑا۔ اس کا محسن سلیمان ملک جاودان کو سدھارا اور اُسکی جگہ فاروق ثانی عمر ابن عبدالعزیز نازش اسلام کا ورود بابرکت مسند خلافت پر ہوا۔ یہ انتخاب عین مطابق احکام شریعت مؤکدہ کے ہوا تھا۔ خلیفہ سلیمان نے جملہ اہل اسلام کی راے لیکر عمر ابن عبدالعزیز کو جائز وارث تخت خلافت قرار دے کر اُنکو اپنا جانشین مقرر کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اسوقت تمام عالم اسلامی مین عمر ابن عبدالعزیز سے بہتر و موزون تر شخص مسند خلافت کے لیے موجود نہ تھا۔ شان فاروقی انکے چہرہ سے عیان تھی۔ نہایت سادہ مزاج، وضع قطع مین متشرع، زہد و ورع مین یگانۂ روزگار، صائم الدہر و قائم اللیل، عالم باعمل، فاضل باکمال منتظم و مدبر بے بدل، قمری بیت اللہ کہلاتے تھے۔ مسند خلافت پر بیٹھتے ہی تمام نواہی و منکرات کو امر بالمعروف سے انھون نے مزین کردکھایا۔ ایرانی و عجمی تکلفات کو بالاے طاق رکھکر اسلام مین وہی پرانی شان سادگی پیدا کرنے کے حامی و مؤید بنگئے۔ شعرا جو اپنی بھاٹگری سے خلفا کو شان خدائیت تک پہنچاکر اُن کو قہار و جبار بنادیتے تھے اُن کو اس دربار فاروقی سے بھاگتے ہی بن پڑا۔ بوقت تسلیم قلعہ کرکان کثیر مال غنیمت لشکر اسلام کے ہاتھ آیا تھا چنانچہ اُسکے پانچوین حصہ کو دربار خلافت کو روانہ کرنے کی اطلاع تو یزید ابن مہلب نے دیدی تھی لیکن ہنوز مال روانہ نہین کیا گیا تھا۔ بدین خیال کہ گئی گذری بات ہوگئی ہے اس لیے خوب چھکے پنجے اُڑا اڑالے تھے اور تا این دم اُسکی پرسش بھی نہ ہوئی تھی۔ لیکن جب عمر ابن عبدالعزیز کا دور گیرکا وقت آیا تو ہر محکمہ کو باضابطہ بنانے کی کوشش شروع ہوئی، محاسبون کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی محافظ خانون کے کاغذات کی فائلین تیار کی جانے لگین اول تو یون ہی عمر ابن عبدالعزیز ایسے سخت گیر و سادگی پسند شخص کو یزید بن مہلب سا مسرف، خوش رو، آسان پسند اور ظاہری بناوٹ و کر و فر کا دلدادہ و شان و شوکت کا شیفتہ شخص کیسے پسند خاطر ہوسکتا تھا اسپر طرہ یہ ہوا کہ یزید کا وہ اطلاع نامہ کاغذات مین نکل آیا جس مین اُس نے کرکان کے مال غنیمت کو

پیشکش دربار خلافت کرنے کی اطلاع دی تھی۔ بیت المال یُخزانۂ عامرہ کے کاغذات جو دیکھے گئے تو اُن مین اُس رقم کی وصولیابی کسی جگہ نہ پائی گئی چنانچہ بعد تفتیش و تنقیح یزید کو تاکیدی احکامات اُس رقم کو ارسال کرنے کے روانہ کیے گئے۔ فرمان پاتے ہی یزید کے ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے۔ روپیہ کا پتہ اب وہان کہان تھا سب ضیافتون انعام واکرام اور شعرا کے نذر ہو چکا تھا خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے روپیہ نہ پہنچنے پر یزید کو معزول کر دیا اور دمشق مین حاضر ہونے کا حکم صادر کر دیا۔ یزید کے برخاست ہوتے ہی یمنی النسل حکام ایک ایک کر کے برطرف کر دیے گئے اور اُنکی جگہ مضیریون نے لی یا یون کہو کہ قلبیون سے قیسی تبدیل ہو گئے۔ یزید سے جواب باصواب نہ پاکر خلیفہ نے یزید کو جیلخانہ مین قید کرا دیا یزید ابن مہلب کے کیرکٹر کا اس وقت تک روشن رخ یہ رہا تھا کہ اُس نے کبھی اپنے دماغ کو خلیفۂ وقت سے باغی ہونے کے خیال سے پراگندہ ہونے نہین دیا تھا چنانچہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے حکم قید کو بطیب خاطر منظور کر کے اِس نے گردن تسلیم خم کر دی اور جیلخانہ مین قیدیون کی طرح رہنے لگا۔ اسکو عمر ثانی کی انصاف پژوہی سے اپنی جان کا ذرہ برابر کھٹکا نہ تھا البتہ ولیعہد یزید ابن عبدالملک سے اسکو اسکا اندیشہ ضرور تھا کہ جب اسکا وقت آئے گا تو وہ اسکی جان کو ہرگز سلامت نہ چھوڑے گا۔ یزید ابن عبدالملک کی زوجہ منکوحہ حجاج بن یوسف کی برادر زادی تھی اور بی بی کی محبت کا تقاضا اس کا مقتضی ضرور تھا کہ وہ حجاج کی پارٹی کا بدلہ یزید بن مہلب سے برسر اقتدار ہو کر لیتا۔ ان ایام مین مثل دیگر شخصی سلطنتون کے یہی بڑا قبیح پہلو نکل آیا تھا۔ ایسی حالت مین انسانی کیرکٹر کو کشادگی کا کافی موقع نہ ملنے کے باعث بہت سی روشن و درخشان طبیعتون کے آئینۂ باصفا مکدر ہو کر رذیل و وحشیانہ افعال کے ارتکاب پر نڈھال ہو جاتے تھے۔ خلیفہ وقت کے قلب مصفا کو پارٹی فیلنگ کے زنگ سے آلودہ نہ ہونا چاہیے تھا جیسا کہ فی زمانہ رائج ہے اور اسوقت بھی اکثر سلاطین ان خوبیون سے آراستہ پائے گئے ہین تاہم اسکے دھبے ضرور اکثر سلاطین اسلام کے دامنون کو آلود کر دیتے تھے۔ ولیعہد کا خوف یزید ابن مہلب پر مستولی تو تھا ہی سنہ ۱۰۱ ہجری مین خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کو مرض مہلک لاحق ہوا۔ یزید کو جب یقین کامل ہو گیا کہ اب اس مرض سے خلیفہ کو جانبری نہو گی تو اُس نے اپنی پرانی تدبیر سے رہائی حاصل کرنے کی خاطر عقلی گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔ جیل کے داروغہ کو ملایا پہرہ دارون اور برقندازون کی گودین زر و سیم سے بھر دین یمنی النسل باشندون کے ذریعہ سے رسل و رسائل کی سلسلہ جنبانی شروع کی اور ایک روز صبح نور کے تڑکے برقنداز کا بھیس بدل کر جیلخانہ کے پھاٹک کے باہر ہو گیا۔ قریب ہی ایک صبا رفتار سانڈنی کھنچی کھڑی تھی اُسپر سوار ہو یہ جا وہ جا بھاگ کر کوفہ مین پناہ لی۔ جب بصرہ کے گورنر عدی کو یزید کے پہنچنے کی خبر ملی تو اسکو اس واقعہ کے سُننے سے بڑی تشویش ہوئی کیونکہ یزید کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ اسکی سخاوتون کے تمام عربی قبائل زیربار رہ چکے تھے خاص کر یمنی النسل عرب لوگ تو گویا یزید ہی کا دم بھرتے تھے اور اسکی شجاعت و حاتم صفتی کے رطب اللسان تھے ایک ایسے شخص کا جیلخانہ سے چھوٹ کر کوفہ مین جو عرصہ سے پارٹیون کا گھر بن رہا تھا پہنچ جانا خالی از علت نہ تھا بلکہ آئیندہ پیدا ہونیوالے خرخشات کا گویا پیش خیمہ تھا۔ عدی سے یزید ابن مہلب کو دلی کاوش تو پہلے سے تھی ہی کیونکہ عدی ہی وہ شخص تھا جس نے حجاج بن یوسف کے زمانہ مین یزید کے دست و بازو کس کر پابہ زنجیر حجاج کے پاس روانہ کیا تھا۔ اسکو اپنی جان کے لالے پڑ گئے عوض گیری کی ہوا تو اُس وقت چل ہی رہی تھی وہ سمجھا کہ اب میرا وقت آ گیا۔ یزید ابن مہلب کی معقول پسند طبیعت نے ایک نہایت مناسب شکل عدی کے سامنے پیش کی۔ یزید کی یہ

خاص صفت تھی کہ نازک سے نازک موقع پر بھی وہ اپنے سر کو پھرنے نہیں دیتا تھا۔ اگر عدی کو ذرا بھی عقل ہوتی تو یہ معاملہ بڑی خوبی سے طے پا جاتا اور وہ بدنما نتیجہ نہ نکلنے پاتا جس کا ظہور بعد کو ہوا۔

یزید نے رہا ہو کر پہلا کام یہ کیا تھا کہ ایک عریضہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کی سرکار مین اس مضمون کا روانہ کیا جس کی عبارت یہ تھی "یہ ناچیز ہرگز اس فعل کا مرتکب نہوتا کیونکہ خلیفۂ وقت کے احکامات سے روتابی کرنا اس بندۂ ناچیز کا شعار کبھی نہیں رہا البتہ چونکہ ولیعہد یزید ابن عبدالملک سے مجھکو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے مین نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی وہ بھی اُس وقت جب اس حقیر کو یقین کامل ہو گیا کہ حضور کو اس مرض مہلک سے جانبری نہوگی۔ اس وقت بھی خلافت سے مین منحرف نہیں ہوا ہون اور نہ عاصی ہوا ہون" کوفہ پہنچکر اس نے عدی امیر بصرہ کے پاس اس مضمون کا ایک عریضہ روانہ کیا کہ وہ اسکے دونون بھائیون کو رہا کر دے اور اسکو اس بات کی اجازت دیدے کہ کوفہ مین رہ کر وہ دربار خلافت سے اپنے قصورون کا معافی نامہ منگوالے۔ بنظر انصاف عدی کا فرض بحیثیت عامل ہونے کے یہی تھا جو اُس نے کیا یعنی یزید کو قید کر کے دمشق روانہ کرنے کی سعی و کوشش کرنا۔ تاہم جو طریقہ اس نے اختیار کیا اسکا نتیجہ برعکس نکلا۔ دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یزید پر نگرانی قائم کر کے اُس وقت تک کا انتظار کرتا کہ دربار خلافت سے اُس کی عرضداشت کا کوئی جواب ہست نیست آ جائے تب کارروائی شروع کرتا۔ لیکن کیا معلوم تھے واقعات کیا تھے اور کیسی شکل پیدا ہوگئی تھی۔ موجودہ زمانہ ریل و تار برقی مین جب بسمارک کے تار کے معنی غلط پہنچا کر ایک جنگ عظیم برپا ہو سکتی ہے تو اس وقت تو بُعد مسافت کا اثر ان واقعات پر پڑنا لازمی ولابدی تھا۔ غرضکہ قرعہ پھینک دیا گیا۔ یزید نے بصرہ پر لشکرکشی کر دی۔ مقابلہ مین بنی النسل قبائل نے عدی کے لشکر کو چھوڑ دیا اور یزید ابن مہلب سے جا ملے۔ اس نئے بگولے کی خاک محض کوفہ و بصرہ ہی کے جوار تک نہیں محدود رہی بلکہ ایک ایسا طوفان اُٹھا کہ فارس، مکران، سندھ، واہواز تک اس کا گرد و غبار چھا گیا۔ ہزارہا جان فروش یزید ابن مہلب کے نشان کے نیچے مجتمع ہو گئے۔

اس جوار کی سرخیلی اپنے برادر حقیقی معاویہ کے سپرد کر کے یزید ابن مہلب نے شام کا رخ کیا۔ ممکن تھا اگر اس وقت عمر ابن عبدالعزیز مسند خلافت پر ہوتے تو اُن کی سلجھی ہوئی طبیعت اس شعلہ کو مشتعل نہ ہونے دیتی۔ یزید بن عبدالملک سے اس کی توقع کہان تھی۔ دوسرے معاملہ طول کھینچ کر علانیہ بغاوت کے حدود کے اندر داخل ہو چکا تھا جسکو کوئی بھی خلیفہ ہرگز طرح دینا گوارا نہ کرتا۔ چنانچہ خلیفہ یزید ابن عبدالملک نے، فوراً ایک لشکر جرار بروز جمعہ تاریخ ۱۴ صفر ۱۰۲ ہجری مطابق ۲۴ اگست ۷۲۰ عیسوی مسلمہ و عباس کے زیر کمان بغرض سرکوبی یزید ابن مہلب روانہ کیا۔ دونون لشکرون کا مقابلہ ہوا۔ یزید ابن مہلب کو شکست ہوئی اور اس کے لشکری منتشر ہو گئے۔ جب اس کی خبر یزید کے بھائی معاویہ کو پہنچی تو وہ واسط چھوڑ کر بصرہ پہنچا اور وہان بھی جب پناہ نہ ملی تو سندھ کے ایک گاؤن کنندبیل مین بھاگ کر چھپ رہا۔ یزید ابن مہلب کے لشکری نہایت سفاکانہ طریق پر قتل کیے گئے جس کے اثر سے مورخون کا خیال ہے کہ خاندان بنی اُمیہ کا چراغ گل ہو گیا جو شدنی تھا وہ ہو کر رہا۔

عزیز آسیونی

داستان اُردو

گزشتہ سے پیوستہ

دوسرا دَور مرہٹی یا دکھنی

یہان کی مختلف بھاکھا اور زبانون کے ذکر مین مہاراشٹری کا نام آچکا ہی۔ اِس بھاکھا کو اپنے صوبہ مہاراشٹر یعنی دکھن سے نسبت تھی ملک دکھن سلطان علاءالدین خلجی کے عہد اور ملک کافور کی حکمتون سے بارھوین صدی عیسوی مین ہاتھ آیا۔ اور جیسے وہان ایک نئی زبان (فارسی) اور ایک نئی معاشرت کا اثر پڑا تاریخ دکھن کی سیر آخر ان ہی نتائج تک پہنچاتی ہی جو شمال ہند مین ہمارے ربط واتحاد کے سبب سے پیدا ہوتے رہے۔ ان ہی اثرات سے وہان بھی ایک انقلاب آیا اور مہاراشٹری بگڑکر مرہٹی بنی اور نئے تعلقات سے وہ آخر دکھنی[1] کے موزون خطاب سے سرفراز ہوئی!

دکھنی یا اُردو

صاحبو! آپ اپنی بھاشا کے اقتدار وافضلیت کا حال سُن چکے ہین اُردو جس کی قائم مقام تھی۔ اسلیے اُسکے سامنے بھی کسی اور زبان کے چراغ کا جلتے رہنا آسان نہ تھا۔ ہند و دکھن کے تعلقات جب بڑھے تو دکھنی اور اُردو بھی گلے ملین ہمایون کی فتح گجرات کے بعد اور سلطان بہادر کے زوال پر شمال و دکھن مین گہرا رشتہ قائم ہوا اور دونون جگہ کی زبانین ملنا اور ملنا شروع ہوئین۔ یہ چونکہ مزاجاً دو تھین آخر ایک ہوئین اور جب اُردو کی سروری کا وقت آیا تو اپنے پُرانے اقتدار کے باعث ملک دکھن کو بھی اُس نے زیر اثر کرکے اِس دکھنی پر قبضہ کرلیا۔ اور یون شمشیر و زبان بن بیٹھی!

دکھنی دربار

انقلابون کے بعد جب دکھنی ریاستین (بیجاپوری) قطب شاہی وغیرہ علیحدہ خود مختار ہوئین تو ان کا نظام مملکت بھی شاہان ہند کے اثر سے آزاد اور ملکی اثرات کو جلد جلد قبول کرتا رہا۔ بوبوجی[2] وبھاگ متی[3] فارسی مرہٹی رانیون اور گنگو برہمن[4] کے سے مشیر ملک کی قوت واقتدار سے نظام مملکت مین اور تبدیلیان ہوئین ملکی زور ماتا بڑھا کہ دفتر تک کی زبان دیسی (دکھنی) ہوگئی۔ اور عادل شاہیون[5] اور نظام شاہیون[6] کے وقت مین گو ظہوری ومحمد قاسم فرشتہ اپنا زور لگاتے رہے مگر ملکی زبان روز بروز بڑھتی ہی اور عام ہوتی ہی چلی گئی۔ اور خیالات وجذبات کا اظہار بھی آخر دکھنی مین ہونے لگا!

دکھنی اُردو کی شمالی اُردو پر افضلیت

اُردو کی ہزار سالہ تاریخ اب آپکے پیش نظر ہی اور اسکے ملاحظہ کے بعد خیال جاتا ہوگا کہ جس زبان کو بابر نے منھ لگایا اور جو شاہجہان کی بھیتی کہلائی اُسکا جوڑا دِلّی کے لال قلعہ مین قطع ہوا ہوگا۔ ہونا تو یہی چاہیئے تھا۔ مگر ایسا ہوا نہین! بلکہ اس کے خلاف اُس کا جامہ دکھن اور وہان کے معمولی گھرمین تیار ہوا!

---

[1] جو مرہٹی اِس وقت رائج ہی وہ پُرانی مرہٹی و دکھنی کی ایک غیر نصیح شکل تھی جسے اب آگے بڑھایا جارہا ہی ۱۲

[2] بوبوجی مکند راؤ مرہٹہ کی بہن اور یوسف عادل شاہ کی منکوحہ تھی اس نے دکھن کے پولٹیکل تغیر مین بڑے پاٹ لیے ہین [3] بھاگ متی سلطان محمد قلی کی وہ معشوقہ ہی جس کے نام پہ بھاگ نگر آباد ہوا جو بعد کو حیدرآباد دکھن بنا [4] گنگو مرہٹی برہمن تھا اور یہ پہلا شخص ہی جو فارسی پڑھکر بہمنی سلطنت کا مشیر بنا [5] ابراہیم عادل شاہ کے وقت مین دفتر مرہٹی یا دکھنی ہوگیا اور یوسف عادل شاہ کے زمانہ مین تو ایک قسم کی سلطنت گورنمنٹ قائم ہوگئی تھی۔ [6] نظام احمد شاہ اصلاً برہمن تھا یہی خاندان بھیر کرکے مشہور رہا اور بعد کو گولکنڈہ مین گیا۔ اسمٰعیل عادل شاہی سلطنت مین مل گئی ۱۲

کیا سچ کہا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اِن اطراف میں ایک عرصہ تک فارسی عام اور حاکم و محکوم دونوں کے قلم کی زبان بنی رہی۔ اس وجہ سے اظہارِ مطالب کے لیے کسی اور آلہ کی عرصہ تک ضرورت پیدا نہ ہوئی برخلاف اسکے دکھن تھا جہاں عوام کی طرح سرکاری دفتر تک کی زبان ملکی ہو چکی تھی جذبات و خیالات عرصہ تک گھٹ کر رہ نہیں سکتے وہ راہ ڈھونڈھتے اور کسی نہ کسی شکل میں نکلنا چاہتے ہیں۔ وہاں (دکھن) فارسی مٹ چکی اور ملکی زبان (دکھنی) اُسکی جگہ لے چکی تھی۔ اظہارِ جذبات کی ضرورت جسوقت عام اور ناگزیر ہوئی۔ اُسی نئے آلہ (دکھنی اُردو) سے وہ ضرورت پوری کی گئی۔ اور اسطرح اِس ایجاد نے جنوب کو شمال پر فوقیت دیکر فضلیت کا تاج دکھن اور دکھنی کے سر پر رکھ دیا!

اُردو کا پہلا جامہ

صاحبو! دکن کی یہ ریاستیں (بیجاپوری، نظام شاہی وغیرہ) ہند سے علٰحدگی و خود مختاری کے بعد اپنی وضع و آئین میں سے کی کی پابند رہی تھیں اور جبکہ یوسف عادل شاہ نے مملکتِ بیجاپور قائم کی تو اپنی نذر کے مطابق خطبہ میں آئمۂ اہلبیت کے مقدس ناموں کو بھی شریک کیا اور انھیں پاک حضرات کے توسل کو اپنا ذریعۂ نجات سمجھتا رہا جب سے اس سلطنت اور پھر نظام شاہیوں اور بعد کو قطب[۱] شاہیوں میں مجالس میلاد و مجالس عزا کا دستور[۲] ہو گیا!

ان مجالس میں عموماً پُرانی ملکی زبان اور فارسی شعرا کا کلام اور خصوصاً محتشم کے بند و مراثی پڑھے جاتے تھے۔ مگر اب وہ دونوں زبانیں متروک ہو چکی تھیں اور دکھن اپنی زبان کا متلاشی تھا یہ ضرورت پوری ہوئی اور بہت جلد اس نئی زبان (دکھنی) کے مرثیہ گویوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جس کا سالار و سرتاج شجاع[۳] الدین نوری نکلا۔

صاحبو! یہ وہی نوری ہے جس نے آپ کی زبان کو روشن و منور کیا اور یہی وہ پہلا خیاط ہے جس نے وہ جامہ قطع کیا جو آپ کی اُردو کے قد و وزن پر درست و چست نظر آیا اور اِس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُردو کی بنا اخلاق پر ہے اور اِس (اُردو کی زبان چھوٹتی ہے تو اس) کر میں جس ذکر نے عالم میں ایک صحیح و سادہ اخلاق پھیلایا اور ہمیشہ پھیلاتا رہیگا! صاحبو موجودہ زبانوں میں سوا اُردو کے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اُسکے نظم و نثر کی بنیاد کسی اخلاق پر رکھی گئی ہو نظم کا حال تو معلوم ہو چکا اب نثر کا قصہ آگے آتا ہے!

ابراہیم عادل شاہ کے وقت تک یہ ذکر عام ہو چکا تھا اور ظہوری نے جہاں اس (ابراہیم) کی نورس پر ایک جید تقریظ و منثور لکھی وہاں ضرورت سے مجبور ہو کر مرثیہ کہنے بھی بیٹھ گیا اور پھر اِس رواج نے اتنا زور پکڑا کہ ہاشم علی برہان پوری نے تو اس کے لیے اپنے کو وقف ہی کر دیا۔ یہ شخص آپ کی اُردو نظم بلکہ اخلاقی نظم کا وہ دوسرا لائق تجدید بانی ہے جس کی خدمت شکر ہے کہ رائگان نہیں گئی اور انڈیا برا (اسکوٹ لینڈ) یونیورسٹی کی مشہور لائبریری میں اُس کے کلام (مراثی) کا ایک اچھا حصہ ابتک موجود و محفوظ ہے!

صاحبو۔ پُرانی تحقیقات کے بموجب چونکہ دکنی نظم اردو کا باوا آدم

---

[۱] گولکنڈہ میں ابراہیم قطب شاہ کا لنگر خانہ (۱۱ماہ) بارہ و عرصہ تک مشہور رہا

[۲] یہ عزا و غم کا چرچا اِس زمرہ کداز تک ہے کہ خلجیوں و تغلقوں ہی کے وقت سے ہے اور رایر فیون اور تورانیوں کے ساتھ ہندیوں نے ملکر اس ذکر کو کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ قائم اور اپنی ملکی گھلیٹھ زبانوں میں اس نوحہ و ماتم کو جاری رکھا جس کے آثار ابتک باقی ہیں عادل شاہی اسکے موجد نہیں انھوں نے اس پرانی رسم کو باضابطہ کر کے تازہ کر دیا۔ ادریس! ۱۲

[۳] شجاع الدین احمد آبادی نہیں بلکہ اصل بیجاپوری تھا۔ مرزا جان والبری جو کہ خود ایک بڑا شاعر و ادیب تھا۔ نوری کی قدر کرنے لگا اور جب اکبر کے حکم سے وہ گجرات کی طرف گیا تو نوری بھی ساتھ تھا اور احمد آباد میں عرصہ تک رہا (دیکھو تاریخ فتح گجرات از ملا امیر کابلی قلمی) انسائیکلوپیڈیا میں نوری کو ہمعصر فیضی لکھا ہے یہ سچ ہے دیگر ان احمد آبادی ہونا غلط قائم رکھا ان بھی اپنے تذکروں میں اُسے یاد کیا۔ ۲ بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷۵) پر ملاحظہ

تسلیم کر لیا گیا ہی اس لیے یہ بھی یقین کر لیا گیا ہی کہ غزلون سے اس زبان کی ابتدا ہوئی اور پھر سمجھ لیا گیا کہ محض گل و بلبل سے اس کی آشنائی رہی اور اس وجہ سے ہماری اُردو کا دائرہ تنگ نظرون مین ہمیشہ تنگ ہی نظر آیا۔ تلاش و تحقیقات کے دروازے بند نہین ہین اور آپنے ذرا توجہ کی تو سرچ اِس زبان کے اور بہت سے راز آپ پر کھول دے گی اور اسوقت آپ کو اپنی اُردو کی قدامت و سعادت و وسعت و ہمہ گیری معلوم ہو سکے گی!!

دکھنی شاعری اور اُس کا زوال

نوری و ہاشم کے بعد دکھن مین دکھنی اور مرثیہ گوئی نے زور و ترقی کی۔ رام راؤ[۱] اور سیوا[۲] نے بعد کو نام نکالا اور پھر کاظم علی[۳] نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ پھر شاہنامہ کا خلاصہ بھی نظم مین کیا پھر تو ادب و انشا کا شوق اتنا بڑھا کہ دلی و لکھنؤ کی طرح گھر گھر شاعر[۴] پیدا ہونے لگے خود دکھنی شاہون نے دکھنی کو سرفراز کیا اور سلطان قطب شاہ[۵] (ہمعصر شاہجہان) نے اِس مین غزلین تک کہین اور آخیر مین ابوالحسن تاناشاہ[۶] نے قیدخانہ مین بیٹھ کر اپنے جذبات نظم ہی کے پیرائے مین نکالے!

آل تیمور کے دانت دکھن پر مدت سے تھے اکبر نے ادہر مہم بھیجی

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷۴) اور گارسین دی تاسی (فرینچ) بھی اسے بھولا نہین ہی مگر اس کا کلام کسی نے نقل نہین کیا[۶] سوا اُردو کے کسی زبان کی بنیاد اخلاق پر نہین پڑی اور جملہ موجودہ زبانون پر اُس سے اسکی افضلیت ظاہر ہوتی ہی[۷] ہاشم علی برہان پور کا تھا اور اس کی نشو و نما نظام شاہیون اور عادل شاہیون کے وقت مین ہوئی اور یہ زمانہ جہانگیر کا ہی اس نے زیادہ تر مرثیے ہی لکھے اور اُسی مین نام نکالا۔ ایک قطعہ مرثیہ اُس کا ملاحظہ ہو۔

مرثیہ

کوئی نہ تھا بیگانہ از بند و خطا — ظلم تھا سب پیش سب اقوام کا
ختم ہے یو امتحان دیو بلا — ختم ہی جو حق سیتین پیغام کا
تھا بلاو او شفیع المذنبین — ظلم بےحد در جہان اسلام کا
زخم الماس مرتضیٰ کے سر اوپر — گر پڑا چون آفتاب اس بام کا
زہر دے مارے حسن کون کر سین — سبز تھا وو چہرۂ گلفام کا
کربلا مین تھا حسین ابن علی — آج لگ ہے نشانِ ایام کا[۱۲]

(دکھو مراثی ہاشم علی ند انڈیا برٹش یونیورسٹی لیبرری)

[۱] رام راؤ قطب شاہی ہندو امیر ہی جس نے رامائن کا خلاصہ دکھنی نظم مین کیا۔ اِس نے مرثیے بھی کہے (تذکرہ قاسم) [۲] سیوا۔ ایک مشہور دکھنی مرثیہ گو ہی اور اُس نے روضۃ الشہدا فارسی مین ۱۰۹۱ھ مین عہد عالمگیر، نظم قانون اسلام (فارسی) ایک کتاب بھی اس کی مشہور ہی۔ تذکرۂ تاسی [۳] کاظم علی نوری و ہاشم کے بعد مرثیہ گوئی مین یہ بھی شہرہ آفاق ہوا۔ اس کے ایک مرثیہ کے چند شعر یہ ہین؎

اے نا بکاران دین کا جھگڑا اہا ان کہا — سر نبی کی آل کون یو دکھ مین آنا کہان روا
رکھنا امام دین کے تئین جنگل مین بے آب و نان — اطفال ان کے بے گنہ غم مین رلانا کہان روا
جن کو چڑاتے تھے نبی دوش مبارک پر مدام — نیزہ پر ان کے سر ستین رکھکر پھرانا کہان روا
وہ اصغر معصوم کون سر پر حسین کے ہاتھ پر — پیکان کے آب زہر کون شربت پلانا کہان روا

کاظم کے مراثی بھی انڈیا آفس برٹش یونیورسٹی کی لائبریری مین موجود و محفوظ ہین یہ اشعار وہین سے نقل کیے گئے کاظم کی جنگ سہراب و رستم و الفتوی کا انگریزی مین بھی مسٹر اٹکنس نے ترجمہ کیا (دیکھو تاسی) [۴] دکھنی اُردو کے شعرا بے حساب ہین مگر یہ بہت مشہور ہوا ابجدی صاحب دیوان اسکی زبان اسوقت کی شاہجہانی اُردو سے بہت ملتی ہوئی تھی (تاسی) فتح علی صاحب تذکرہ فتح علی شاہ افضل دکھنی افضل الدین خان صاحب مثنوی گلزار ادائری صاحب پھل بن بطوطی نامہ تصنیف سلطان عبداللہ قطب شاہ عہد شاہجہان کے نام پر معنون ہوئی قطب شاہ دکھنی صاحب مثنوی بسول اکرم یہ سنہ (زمانہ جہانگیر) مین تصنیف ہوئی عمدار صاحب مثنوی در حالات ماہ منور (سوداگر بچہ) و مثنوی شمشاد بانو دختر فرنگ [۵] سلطان قطب شاہ والی حیدرآباد در ۱۰۲۵ھ عہد اکبر صاحب دیوان تھا اس کا دیوان کتبخانہ ٹیپو سلطان مین موجود تھا (تاسی) [۶] تاناشاہ کا ٹھیٹھ دکھنی مین ایک شعر مشہور چلا آتا ہی جو اُس نے قیدخانہ مین کہا؎

کس در کھون رے جاؤن کہان تجھ دل پہ پھل کجر غم کی سل
اس بات کے ہونگے سجن یان دل ہی بارہ باٹ ہی[۱۲]

(یعنی اپنی حالت آخر کہین تو کس سے کوئی سننے والا نہین اور پھر غم کی سل چھاتی پر اور دل ڈھیلے کی طرح ٹھوکرون مین اڑا پھرتا ہی) دیکھو تذکرۂ گلشن ہند از لطف ۱۲

اور پھر خود چڑھا جہانگیر و شاہجہان کے عہد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور عالمگیر نے اِس پُرانے ارادہ کو تکمیل تک پہنچایا۔ ابوالحسن (تاناشاہ) کے ساتھ ہی ملک دکن کا عروج بھی جاتا رہا اور سلطنت گردی و زبان گردی ساتھ ساتھ ہوگئی۔ دکھنی شعرا جن کی سلطنت کے دسترخوان پر جگہ تھی بھوکھون مرنے لگے اور آختہ تر بتر ہوگئے! بعض اُن میں کے دلی پہنچے اور بعضون نے بنگالہ کی راہ اختیار کی اور مرشدآباد پہنچکر مسندِ نظامت سے جا لگے!!

اُردو اپنے گھر مین

حق کہا ہے ابن مریم نے کہ پیغمبر ذلیل نہین ہوتا مگر اپنے گھر مین! یہی حال اِس اُردو کا دلی مین ہوا۔ ایک عرصہ سے روزمرہ تو یہی تھا مگر وقت پر وہ لاوارث بچہ کی طرح پرے ڈال دی جاتی اور کوئی منھ نہین لگاتا۔ عالمگیر کے بعد مدت تک یہی بے تعلقی رہی مگر خدا بھلا کرے دکھنیون اور خصوصاً دکھنی شہزادون کا کہ جب انھین بہادر شاہ[1] کے دربار مین جگہ ملی اور شہر مین پھیلے تو اُن کی بدولت یہان اُردو کے بخت بھی جاگے۔ دکھنی اپنا ادب ساتھ لائے تھے دلی والے اپنے بچہ کو غیرون کی گود مین اسطرح دیکھکر شرمائے اور پھر متوجہ ہوے تو حق پدری ادا کرنے لگے اور مرزا عبدالقادر بیدل اور میر جعفر زٹلی[2] (جنھون نے دکھن کی ہوا بھی کھائی تھی۔ اور اعظم و معظم کے متوسلین مین تھے) پُرانی صف سے دو قدم آگے بڑھے اور اِس طفل سے مخاطب ہوے! لیکن اب تک جو کچھ ہوا وہ فقط وقت گذاری اور دل بہلاؤ تھا۔ اور یہ شرف محمد شاہ ہی کے لیے اُٹھا رکھا گیا تھا کہ یہ نونہال اُسی کے زیر سایہ پلے اور شاہجہان کی یادگارون مین پھولے اور پھلے!!

طفل اُردو کا مکتب

بہادر شاہ کے وقت تک اُردو کا ریختہ پختہ نہوا تھا مگر جبکہ بیدل[3] نے ادھر دل دیا تو وہ اُمرا جو اُن کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔

---

[1] سکندر عادل شاہ بیجاپوری و قطب شاہ (گولکنڈہ) کو بہادر شاہ نے اپنون کی طرح رکھا اور ان کے وجود سے دلی پر بہت اثر پڑا۔ امرا و متوسلین دکھن بھی ان سلطانون کے ساتھ آئے اور دلی مین اُن کی ایک چھوٹی سی بستی ہی الگ بس گئی اُردو مین جو دکھنی الفاظ ہین دکھنیون کے ذریعہ سے آئے وہان یہ قوم بس چکی تھی اور دکھنی اُن کی لفظین قبول کر چکے تھے۔

[2] بعض تذکرون مین زٹلی کو زٹل کہ کر ادا کیا گیا ہے۔ مگر یہ ان کی کم بینی ہے اُردو کو صرف غزلون کے اندر محدود سمجھنا نادانی ہے زبان کی وسعت تو کچھ اور چاہ رہی ہے اور یہان ابتک غزلون ہی کے کوچے مین پھیرے لگائے جا رہے ہین! بہرکیف یہ میر جعفر ہی ہین جنھون نے ان اطراف مین زبان کو وسعت دی۔ اُردو نظم مین شاہنامہ کا خلاصہ کیا اور متعدد قطعات کہے۔ عالمگیر کا اُردو مین بھی ایک مرثیہ کہا اپنے شہرآشوب مین اُس وقت کی حالت اور بھائیون (اعظم و معظم و بہادر شاہ) کی جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہون۔ عالمگیر کو یاد کر کے کہتے ہین ؎

کہان پائے اب ایسا شاہنشاہ	مکمل، اکمل، و کامل دل آگاہ
رکت کی آنجھون جگ رو دتا ہے	نہ میٹھی نیند کوئی سوتا ہے
فلک رقاص بازی آنجنان کرد	کہ ہر کس از خلل نقل مکان کرد
دواد و ہر طرف بھاجڑ پڑی ہے	جدھر دیکھو ادھر بھاگڑ پڑی ہے
ازان سو اعظم و زین سو معظم	زمین کے واسطے لڑتے ہین باہم
بیا جعفر زبان را مختصر کن	ز دو ر مختلف در دل حذر کن

اُنھون نے فرخ سیر کی تخت نشینی پر ایک تمسخرانہ قطعہ لکھا اور سخت معتوب ہوے۔ سنہ ۱۱۲۵ھ تک جیتے تھے (دیکھو ڈاکٹر اسپرنگر یونیورسٹی بنٹل کا سرمایہ)

[3] مرزا عبدالقادر بیدل وہ صاحب کمال ہین جن کی نظیر دنیا مین جلد نہین ملتی یہ محمد اعظم شاہ کے ساتھ مدتون دکھن مین بھی رہے اور اُس وقت کے کل امرا اُن کا ادب و لحاظ کرتے تھے اور انکی شاگردی کا دم بھرتے تھے آخر مین نظام الملک آصف جاہ کے سے امیر نے بکمال خلوص انھین دکھن طلب کیا مگر یہ شعر جواب مین عرض کر بھیجا اور خود نہین گئے ؎

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش — من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

امیرالامرا سید حسین علی خان کے ساتھ اُنکے ربط و ضبط کی حکایتین مشہور عام ہین اُن کے کمال پر نظر کر کے نواب (بقیہ حاشیہ (۱۷۷) پر ملاحظہ ہو)



جناب راے مرلی دھر صاحب

صدرالمہام پیشی و صرف خاص حیدرآباد (دکن)

[حال میں بتقریب سالگرہ مبارک بارگاہ خسروی سے آپ کو خطاب
"قدیم نوازونت بہادر" عطا فرمایا گیا ہے]

N. K. P. Lucknow

اور انھیں بزرگ مانتے تھے اِس زبان کو بھی اپنی محفل و مجلس میں جگہ دیکر حق شاگردی ادا کرنے لگے! بیخبر جو چاہیں کہیں مگر اُردو بادشاہوں مہاراجوں اور رہاسے امرا کی گود میں پل کر جوان ہوئی اور قلعوں اور محلوں کی ہوا کھا کر باہر نکلی ہے اور آج بھی انھیں شاہی ستو سلین اور پُرانے گھروں کے سوا اُس کا صحیح ٹھکانا کہیں اور نہیں مل سکتا۔

صاحبو! یہ دلی کے امرا ہی تھے کہ جنھوں نے اِس چونچال بچہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنی توجہ کا شیر پلا پلا کر اُسے پال نکالا ان ہی امرا دین سے فرخ سیر کے زمانہ میں ایک امیر باتدبیر تھا جسے تاریخی زبان عمدۃ الملک اور عوام محمد امیر خان کہتی اور انجمن شعرا انجام کے لقب سے یاد کرتی ہے یہ نواب بھی بیدل ہی کا دلدادہ و مقلد تھا اور جس وقت اُستاد اُردو کی طرف مخاطب ہوا تو مؤدب شاگرد بھی ہمہ تن اُدھر متوجہ ہو گیا! ان کی اس توجہ و خیال سے اس زبان کا وہ آوازہ بلند ہوا کہ ساری دلی گونج اُٹھی اور پھر گھر گھر سے اسی کی صدا آنے لگی!

نواب عمدۃ الملک جیسا کہ پُرانے تذکرے اور تاریخیں شاہد ہیں نہ صرف عربی و فارسی کا ماہر و اُستاد تھا بلکہ اُسلی سنسکرت بھاشا دانی کا بھی زبانہ قائل تھا ان کے دوہے اور کبت عرصہ تک دلی کے گلی کوچوں میں پڑھے اور گائے جاتے رہے اُردو کیطرف توجہ کی تو نہ صرف خود شاعر بنے بلکہ دنیا کو شاعر بنا چھوڑا۔ اور عالمانہ شوقوں کیساتھ نواب نے اس زبان کی ترقی کے لیے اپنی نگرانی میں ایک انجمن[۱] بھی قائم کی جسمیں وقت کے فضلا و زبان دان شریک ہوتے الفاظ و محاورات پر بحث ہوتی اور بڑے بڑے جھگڑوں اور چھان بین کے بعد اس انجمن کے دفتر میں وہ تحقیق شدہ الفاظ و محاورات درج ہوتے اور پھر سارے ہند میں اُسکی نقل بھیجدی جاتی اور دیگر امرا اسی امیر کی تقلید کو فخر جانتے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷۶) ایک مرتبہ تین لاکھ روپیہ اُن کے گھر بھجوایا لیکن قناعت کے گھر میں اُسکی گنجائش نہ دیکھ کر بعد شکریہ واپس کر دیا ان طراز کے باکمالوں میں مرزا وہ پہلے ذی کمال ہیں جنھوں نے اُردو کیطرف بھی توجہ کی اور اُسے دکھن اور زمانہ کا اثر کہنا چاہیئے فرماتے ہیں ؎

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں | اِس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا | پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

مرزا نے ۱۱۳۳ھ میں قضا کی۔

۱ عمدۃ الملک کی یہ دو غزلیں شاہد ہیں کہ وہ مجتہد زبان و فن ہے اور کسی کا مقلد کیا سب اُسی کے شاگرد و زلہ خوار ہیں ؎

کیوں بلایا بھیڑ میں مجھسے یہ نادانی ہوئی | دختر رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی
گل محیط عشق کے صدمہ سے پائی تھی نجات | کشتیٔ دل کی طرح کچھ آج طوفانی ہوئی
ہر پری تمثال جوں آئینہ کھتا تھا عزیز | ٹوٹتے ہی دل کے مجھکو سخت حیرانی ہوئی
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے | کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

کیا کہوں انجام میں اِس عشق کے آغاز کو
دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

دوم

ملک تو فرصت دے کہ ہو لیں رخصت اے صیاد ہم | مدتوں اِس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم
منہ ترا تکتے ہیں سب اقلیم حسن و عشق کے | تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم
دل تو ہے داغ غلامی سے تری طاؤس دار | سامنے قمری کے گو ہیں سرو سے آزاد ہم
اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا | عمر اپنی شرر جب کر چلے برباد ہم

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاس گشت
شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر فولاد ہم

افسوس کہ محمد شاہ کے ہاتھ سے نواب کا انجام بخیر نہوا کہتے ہیں کہ شاہی اشارہ سے دیوان خاص میں ۱۱۵۹ھ میں شہید کیے گئے اُنکے گھر کی ضبطی ہوئی اور دیگر اثاث البیت کے ساتھ اُن کا نادر کتب خانہ بھی برباد ہوا اور یوں اُنکا کلام بھی تلف ہو گیا۔

۲ ذرا زبان کو دیکھنا۔ یہ دو سو برس کی اُردو ہے یہاں دلی کیا کسی دلی نے یہ زبان کی کرامت نہیں دکھائی۔

اسی دفتر انجمن میں حاتم و ضاحک[1] بھی تھے جن کی زباندانی کے آخر سکّے بیٹھے!

صاحبو! اسی دفتر انجمن کو یاد کر کے میر انیس "اُردو" کو اپنے گھر کی زبان کہتے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ ورنہ دلی جب بھی اور اُس کے وقت میں بھی زباندانوں سے خالی نہ تھی مگر ہر ایک اس اسکول کا تعلیم یافتہ نہ تھا اور جب دلی کے بعد فیض آباد میں سالار جنگیوں کے شوق نے اس دفتر کو پھر قائم کیا تو ضاحک و میر حسن کو اُس سے خاص تعلق رہا اور یہی سبب ہے کہ حسن کے گھر کے سوا اس زبان کا حسن کہیں اور اس طرح جلوہ نہ دے سکا۔

اسی عمدۃ الملکی انجمن کا یہ اثر و اعادہ تھا کہ دلدادگان مذاق و غنیعکان[2] شاعری دور دور سے اس طرف کھنچ آئے اور آخر میاں ولی بھی دکھن سے اپنا دیوان بغل میں دبائے کھوٹے کھرے کی شناخت کے لیے اسی ٹکسال گھر سے آ لگے! صاحبو! اس انجمن کا وزن و اعتبار روز بروز بڑھتا چلا اور آخر سلطنت نے بھی اس کا سکہ مانا اور محمد شاہ نے ان ہی محمد امیر خان کو عمدۃ الملک و اپنا نائب بنا کر اس اُردو کے چلن کو عام گردانا!

شاہ عالم اور اُردو

دلی کے اُجڑنے اور مٹنے پر اُردو بھی مٹتی۔ مگر یہ بڑی سخت جان نکلی۔ قلعہ ابھی خالی نہ ہوا تھا اور یہ قلعہ والی سر جھکائے وہاں بیٹھی رہی اپنی حیثیت کے ساتھ شاہ عالم نے اُسے بھی سنبھالا اور بزرگوں کی اس نشانی کو سینہ سے لگایا۔ بادشاہ شاعر[3] اور اس زمین کا آفتاب تھا ذرّے دامن دولت سے لپٹے اور پھر چمکنے لگے ملکی زبان بڑھنے اور رعایا دعا دینے لگی جب سے تخت اور اس کی کرسی ساتھی سمجھتی اور آخر وہاں بدبخت بہادر شاہ اور (یہاں لکھنؤ) بدنصیب اختر[4] شاہ تک تخت و کرسی کا یہ جوڑ برابر قائم رہا!

---

[1] حاتم کا نواب کے یہاں تعلق تو مشہور ہے مگر ضاحک سے تعلق کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ روایت سینہ بہ سینہ اور اپنے بزرگوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ ضاحک سنہ ۱۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۹۹ھ میں مرے (دیکھو نامی) اور اس حساب سے وہ محمد شاہ کے عہد میں جوان کیسے ادھیڑ تھے اور عمدۃ الملک کی سرکار میں رہکر پورے زباندان بنے جب نواب کا کارخانہ بگڑا تو سالار جنگیوں اور صفدر جنگیوں نے اُسے سمیٹا اور یہ لوگ فیض آباد میں یہ زباندانی کا اسکول قائم رہا۔ ضاحک، میر حسن اور خلیق تک کو ان سرکاروں سے واسطہ رہا۔ انیس کی عمر کا ایک اچھا حصہ ان ہی محل میں (جو زبان کا ٹکسال گھر تھا) گذرا اور اُس سے اُنکی تیغ زبان میں وہ جوہر آشکارا ہوئے جو انہی کے گھرانوں کے سوا اور کہیں دکھائی نہیں دیسکتے ۱۲

[2] ولی سنہ ۲ جلوس محمد شاہی میں دلی آئے یعنی جب بیدل مر چکے اور زباندانی و شاعری کا چرچا یہاں عام ہو چکا تھا۔ عمدۃ الملک (شاگرد بیدل) بھی سوتے جاگتے ان امور زباندانی و شاعری کا سکہ جما چکے تھے۔ پھر دلی ہی کو اُردو کا باوا آدم کہنا اور دکھنی اُردو کو ٹکسالی اُردو کے بالمقابل سمجھنا کسی قدر بے علمی کی نشانی ہے! انجام ولی کی زبان و شاعری ہی کو ملا کر دیکھ لو۔ حسب مذاق کبھی ولی کو ان پر ترجیح نہیں دیسکتا۔ ولی کے ایک ہمعصر میاں حیدری مرثیہ گو بھی ہیں اور تعجب سے خالی نہیں کہ اُن کا روزمرہ بھی ولی سے کہیں بہتر ہے۔

[3] شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا غزلوں کے چار دیوان بادشاہ نے چھوڑے! غلام قادر کو رنگ نقد نظر بھی لوٹ چکا تو بادشاہ نے عجب دردناک مرثیہ کہا کہتے سنے، کہتے ہیں ؎

چہ حادثہ برخاست پے خواری ما	داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد	کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد	کیست جز ذات خدا کہ کند یاری ما
غیر دادیم بہ افغی بچہ پروردیم	عاقبت گشت بہ جور پے خواری ما
گل محمد کہ ز مردان بہ شرارت کم نیست	چہ قدر کرد وکالت بہ گرفتاری ما
ہم الہ یار و سلیمان و بدل بیگ لعین	ہر سہ بستند کمر بہر دل آزاری ما
ادھو جی سیندھیا فرزند جگر بند من	ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دلسوز من اند	چہ عجب کہ بہ نمایند مددگاری ما

[4] واجد علی شاہ اختر کو واقعہ دنیا تو عجب طرح سے یاد کرتی ہے مگر جاننے والے ہی اس کی قدر و ثنا کر سکتے ہیں (بقیہ حاشیہ ۹ ۔ ا پر ملاحظہ ہو)

نادرالوجود اتحاد

چتر پتہ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   جانے بجانے تو ہی بجانے باغ تو سارا جانے ہے

باغ ہند کی چار ہزار سالہ تاریخ آج پیش نظر ہے اور دو مختلف قومون کے اتحاد کی حکایت انھین دو بوٹون مین جلوہ گر ہے۔ آگے تشریح بے مزہ اور ذہن و دماغ پر بار ہو گی خالی اتنا تو سُن لو کہ یہان کے اصلی باغبانون نے اپنے چمن کے اِس گل کو کسطرح دستار بنایا اور اپنی پگڑیون کو کیونکر اُس سے سجایا! لو سنو! (محمد شاہ کے عہد سے لیکر نئی سلطنت ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک کا یہ نمونہ مگر نو نہار خرد ارہے!)

(۱) **آرام** - پریم ناتھ - خوشنویس بھی تھے پُر گو ایسے کہ انتخاب کرنے پر بھی دیوان دو ہزار شعرون پر ختم ہوا ہے

خون آنکھون سے نکلتا ہی رہا   دل کا فوارہ اُچھلتا ہی رہا
کون غمخواری کرے آرام کی   ایک مجنون تھا سو جلتا ہی رہا

آرام - لچھمن لال - انشا سے اُن کا بڑا یارانہ تھا ہے

ہند مجھ سے کہتی ہو نہ تو یا اس سے مل   اُسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ غیر اُس سے مل

اخگر - دیوان ٹنک چند - مرزا خرم فرزند جہاندار شاہ کے متوسلین مین سے تھے ہے

کون کہتا ہے کہ ہم نے مے پرستی چھوڑ دی   زاہدان پیتے ہین مے پر مے پرستی چھوڑ دی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷۸) ان کے علم فضل اور دماغی قابلیت کو دیکھنا ہو تو اُن کے تصانیف کو دیکھو۔ قریب پچاس کتابون (نظم و نثر) کے لکھ کر ڈال گئے۔ مرثیے اور غزلین اس کے علاوہ ہین (زبان شاعری کا مذاق اسی سلسلے سے یہان تک پہنچا جس سلسلہ مین بہو بیگم اور آصف الدولہ کے زباندان موجود تھے اختر کا ایک مطلع ہمین بھولنا نہ آگئے ہین ہے

ایک حسرت طور پر بھی ہم ہوتی رہ گئی   ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھو نکو تمنا رہ گئی

نورتن کے جواب مین سلطان عالم نے اپنے یہان سبع سیارہ قائم کیا تھا اور اس سے اُن کا مذاق ثابت ہوتا ہے یہ سیارے لکھنؤ سے مٹیا برج کلکتہ تک اپنے اختر کے ساتھ ساتھ رہے اور راجہ گنگا پرشاد کے سے دریا معافی بھی اسی ہفت رتن کے ایک گوہر نایاب ہین ۱۲

اسد - رائے سنگھ ہے

چشم کو حال سے عاشق کے یہ بیہوشی ہے   دل جو حیران ہے تو یان منہ خاموشی ہے

امانت - امانت لال ہے

تشریف یان نہ لاؤ پر نامہ بر تو بھیجو   مت لو خبر ہماری اپنی خبر تو بھیجو

(ب) **برق** لالہ بھگوانند ہے

مجھے بھی ہٹ ہوئی ایسی کہ مر مٹا لیکن   نہ تیرے کوچہ سے ہرگز قدم اُٹھا میرا

بسمل منا لال ہے

غیر کے کہنے پہ تم مجھ پہ نہ بیداد کرو   بندگی برسونکی اک دم مین نہ برباد کرو

بہادر - بہادر سنگھ ہمعصر شاہ حاتم ہے

ملا دلا نظر آتا ہے کچھ گل رخسار   رہا ہے کس کے گلے کا تو ہار ساری رات
ادھر تو سکی ہے جوئی دھر کھلے ہین بند   سنجانے کس نے یہ لوٹی بہار ساری رات

بہار - منشی ٹیک چند - صاحب بہار عجم مشہور و معروف ہے

وہی اک لیسان ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہین   کہین تسبیح کا دانہ کہین زنار کہتے ہین

بیتاب - سنتھوک رائے شاگرد قائم ہے

سدھے باغ جہان کبھی آرام سے ہم   پھنس گئے قید قفس مین جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب مین ہے اک شرط طریق اخلاص   کچھ غرض کفر سے رکھتے ہین نہ اسلام سے ہم

بیجان - شیو سنگھ دہلوی ۱۸۶۱ء مین سرگباشی ہوے ہے

بیجان مین جان تک بھی دی پر   میرا نہوا وہ شوخ دلبر

بیخود - لالہ نرائن داس - شاگرد درد ہے

شریک گرم سے میرے بہا سیلاب آتش کا   بنایا ہے الٰہی کیا دل بیتاب آتش کا

(پ) **پروانہ** - راجہ جسونت سنگھ (خلف مہاراجہ بینی بہادر) نواب شجاع الدولہ (بنگالہ) کے مصاحبین خاص مین سے تھے ہے

تڑپتے جو دیکھین ہم لاشین تو دل اب   ترے کوچہ کو کربلا جانتا ہے

(ت) **تسکین** پنڈت گنگا داس ہے

ناصح نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے   جو ہونے سو ہو بہتر دل اُس سے لگا بیٹھے

کیا غم ہے ہمین تسکین آفات زمانہ سے اب ہم شہ مردان کے دامن تلے آبیٹھے

قتیل - ٹیکارام - ساکن اٹاوہ - شاگرد مصحفی ؔ سے

میان جو کچھ ترے بیچ داپیچ مین مرزائی نکلتی ہے
کہان مرزا مزاجون مین یہ رعنائی نکلتی ہے

(ج) **جھمن** جھمن لال - امیر الامرا ضابطہ خان کی سرکار سے انھین توسل تھا - بہار دانش کو اردو نظم کا خلعت پہنا گئے ہین ؔ

دل جو سینہ عشق کی آتش سے جل گیا اک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا

(ح) **حضور** - لالہ بال مکند - شاگرد - درد ؔ سے

جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے ادھر کچھ دل مین تم سمجھے ادھر کچھ دل مین ہم سمجھے

(د) **دل** - بینی پرشاد عظیم آبادی ؔ (")

پردہ اُٹھاتے تو نے دہر کو گذر کیا عالم کے دل مین تیری محبت نے گھر کیا

دیوانہ - سرب سنگھ - غزل گوئی مین اُستاد تسلیم کیے گئے (لطف گلشن ہند مین) لکھتے ہین کہ مرزا جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی حیران اُن کے تلامذہ مین سے تھے سنہ ۱۲ ... ھ مین قضا کی سوا ہزار اشعار کا دیوان چھوڑا ؔ

رباعی

وہ لوگ کہان کہ یار باشی کیجے وہ وقت کہان کہ خوش معاشی کیجے
ایک گوشہ مین بیٹھ کر دیوانہ تنہا اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے

دل - دیبی پرشاد - مرشد آبادی ؔ

امید وصل اس سے عبث ہو رکھے اے دل جس سے کہ رسم نامہ و پیغام بھی نہو

دلخوش - بہادر سنگھ امراے محمد شاہی مین سے تھے ؔ

ہون ترے ہجر مین جون دیدۂ نرگس حیران چشم پوشی نہ کر آئینے کی نگاہ سے دل

(ذ) **ذرہ** مرزا راجہ رام ناتھ - مصاحب خاص شاہ عالم بادشاہ - شاہ عالم کے سے آفتاب کے سامنے ذرہ بن کر اپنے خلوص و وفاداری کو چمکایا کیے - مجالس کے بڑے دلدادہ - تعزیہ رکھتے اور محرم مین سبز پوش رہتے تھے

اللہ رے اُس زمانہ کا ہندو مسلم اتحاد ؔ

غضب ہے آکے عاشق کو لٹا دیتی ہین لال آنکھین
چھپا لیتی ہین میری جان وہ کافر چھپال آنکھین

ذرہ - لالہ جینی داس - دلی مین ان کا مکتب مشہور تھا ہندو مسلمان سب ساتھ پڑھتے اور دونون مل کر فیض اُٹھاتے - بڑے خدا رسیدہ اور مرنج و مرنجان تھے - سچ کہتے ہین ؔ

کام عاجز دان کیے کر دنیکی کے تخم بو لو آب و دان جہان ہے کچھ ہاتھ اپنے دھو لو

ذکا - خوب چند (دہلوی) ؔ

نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو جب کے قدمون سے لگے اُس نے مٹایا ہم کو

راجہ - راجہ بہادر خلف راجہ شتاب راے دیوان ناظم بنگالہ و صوبہ دار عظیم آباد پٹنہ ؔ

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے دم ہم تلک نہ پہنچا ہم دم تلک نہ پہنچے

راجہ - راجہ رام پنڈت - ریختی ہمعصر رنگین ؔ

جن دنون تم نے محبت کا دیا تھا پیغام مجکو معلوم جو ہوتا یہ ستانا صاحب
تو تو مین بخت جلی آتی تم پاس کبھو خیر اللہ کو یہ بھی تھا دکھانا صاحب

راجہ - بینی بہادر (بنگال) ؔ

۱۰ سیاہی منہ کی گئی دل کی آرزو نہ گئی ہمارے جامہ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی

رسوا - آفتاب راے - رسوا - محمد شاہ کے سلح خانہ مین نوکر تھے -

رسوا ہوا - خراب ہوا - دربدر رہا اس عاشقی کے نتیجہ مین جس کا گذر ہوا

(ازیقت ۱۳)

رنگین - پورن لال دہلوی ؔ

رنگین نہین ہے قطرۂ شبنم یہ باغ مین باد صبا نے سے بھرا ہے ایاغ گل

(س) **سخنور** لالہ دیوان سنگھ خلف راے سج سنگھ ؔ

گریان رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے طوفان نوح آئے ہوا اب نظر مجھے
ہوتی عیان ہے صورت ہستی و نیستی جون نقش پا ہمیشہ سر رہگذر مجھے

شاکر - لالہ ٹلوک چند (متقدمین مین سے ہین) ؔ

مارا ہوا اس بیوفا کے رخسار کا سرشار   پانی بھی جو مانگے کبھی دہن پڑا پھٹ کے

(ش) **شاد** - رلے لال، سکندرآبادی۔

اُس رنگ چنپئی کا پڑا جس مین یہ عکس   چنپا کے پھول اُگتے ہین آئینے بجا زمین

شاداب - خوشوقت رائے، چاند پوری (ہمعصر حاتم)

جبتلک ہو کام مژگان سے تو ابرو ست پڑے   تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو

شعلہ - پنڈت امرناتھ -

تھے نہ سیماب ہوس نہ طلا زر کرتے ہم   کیا سمجھ کر چرخ نے ہمکو ملایا خاک مین

(ص) **صبا** - ساجھے لال، فیروزآبادی، صاحب دیوان -

چلے دامن اٹھا کے یہ کہو اُس شوخ قاتل سے   کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگین خون بسمل سے

(ض) **ضمیر** - گنگا داس -

مین بتاتا ہون ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال   چشم خواب آلود اُس کی فتنہ بیدار ہے

(ع) **عاشق** - رام سنگھ کھتری -

حیرت زدہ ہین دیکھ کے ہم بھی یون اسکو بزم مین   تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

عزیز - بکھاری لال -

بات اب امتحان پہ آئی ہے   قصہ کوتاہ - جان پہ آئی ہے

عزیز - مہاراج سنگھ -

ضعف سے ہر رگ تن جسکی ہو تار بستر   کیونکہ بستر سے وہ بیمار اُٹھے اور بیٹھے

عیاش - خیالی رام -

جام ہو ہاتھ مین اور شیشہ بنے زیر بغل   نہین عیاش کو اب بزم خرابات سے چھوٹ

(غ) **غافل** - بختاور سنگھ -

بیمار عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے   مر جائے یا جیے کوئی اپنے نصیب سے

غلام - راجہ گوپال ناتھ خلف مرزا راجہ رام ناتھ - ذرہ، امیر و مقربین شاہ عالم مین سے تھے - بادشاہ آفتاب تھے مرزا راجہ ذرہ بے اور انھون نے غلام بن کر حق نمک ادا کیا!

خط نے تو دے گوش بر آواز ہین قاصد   مژدہ تو ہمین یار کے آنے کا سنا دے

(ف) **فارغ** - مکند سنگھ، شاگرد شاہ حاتم -

دور سے دیکھ مجھے چین پہ چین ہوتا ہے   تا کہ کچھ کہہ نہ سکون بل بے کجکلاہی تیری

(ق) **قلندر** - لالہ بدھ سنگھ (ہمعصر خان آرزو)

جی کو سر زندگی نہین ہے   کیا جی کے کرون کہ جی نہین ہے

(ک) **کامل** - پنڈت ٹھاکر داس -

پلٹ کر جو دیکھا سر راہ اُس نے   لگا تیر اک بازگشتی جگر پر

(م) **مضطر** - کنور سین - انھون نے واقعہ کربلا کو بھی نظم کیا - اور منشی کریم الدین اس کے بڑے معترف ہین!

غلل انداز دنا کون سا غماز ہوا   کہ جواب خط مضطر قلم انداز ہوا

سوز جگر کو دیدۂ پرنم کو دیکھئے   ان آنسوؤن کو دیکھئے یا ہمکو دیکھئے

مضطرب - درگا پرشاد

ترے وعدون پہ اب ہے دم شماری   بہت اختر شماری کر چکے ہم

منشی - مول چند -

خواہش نہین کہ ہاتھ مرے سیم و زر لگے   یہ آرزو ہے سینہ سے وہ سیم بر لگے

منعم - موہن لال -

کہین آیا ہے دلا آج قد یار نظر   کچھ قیامت کے سے آثار ہین جو آتے ہین نظر

موزون - چھتر سنگھ، نبیرہ منشی مادھو رام صاحب انشائے (مادھو رام)

بیت ابرو کو ترے دیکھ کے اے مطلع حسن   جو ترے کوچہ سے نکلا سو غزلخوان نکلا

(ن) **نادر** - گنگا سنگھ، شاگرد میر حسن

قاصد تو اس بہانہ سے اُس پاس جائیو   یہ کس کا خط ہے مجھکو ذرا پڑھ سنائیو

نسیم - مرزا راجہ کدار ناتھ، نبیرہ راجہ رام ناتھ سرکار عالم شاہ مین عہدہ نظارت پر مامور تھے -

قتل ہاتھون سے ترے عاشق ہر ایک سوا   درد سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

نشاط - ایشور سنگھ خلف منسا رام داس (ہمعصر انشا)

ہو اجازت تو ذرا لیجئے دم سایہ میں ترِی دیوار کے آ پہنچے ہیں ہم سایہ میں
نظیر کنیت اے شاگرد نصیر
کیا دردِ میں عشق کے آزار سے آنکھیں ہم چشم ہیں ابنائے نرگس بیمار سے آنکھیں

ہندوستانی

(۱) منولال لاہوری نے علم بیان میں ایک رسالہ لکھا۔ پھر ایک تذکرہ تالیف کیا۔ گلدستۂ نشاط (انتخاب غزلیات) کے جامع بھی یہی ہیں

(۲) ماسٹر رام چندر (خلف لے سندر لال و نبیرہ راے ٹیک چند نے جبر و مقابلہ، اصول علم مثلث بالجبر، علم ہندسہ، تراشہاے مخروطی، حساب و جزئیات و کلیات میں رسائل تالیف کرکے ذخیرۂ اُردو کو بڑھایا عجائب روزگار بھی اُنھیں کی یادگار ہے۔

(۳) بابو اجودھیا پرشاد نے علم ساحت و قوانین مستعملہ پر رسائل تالیف کیے اور ہر شکل کی ہیئت کو اپنی زبان میں بھی سمجھا گئے!

(۴) بابو ہر دیو سنگھ (خلف بابو بسنتی رام) علم پیمائش و اصول حساب کا دفتر اُردو میں کھول گئے!

(۵) پنڈت رام کشن نے فن ڈاکٹری کی اپنی زبان میں تشریح کی! ان کے متعدد علمی رسائل ہیں۔ قانون اسلام و دھرم شاستر کو بھی انھیں نے ایک رشتہ میں منسلک کردیا۔

(۶) بابو شیو نرائن طبعیات پر ایک رسالہ تالیف کرگئے ان کا ایک جغرافیہ ہند میں بھی مشہور رہے ڈموستھنی ز کی زندگی بھی اُردو میں بیان کی!

(۷) بابو دھوتی لال اسکے بعد سنہ کے حالات زندگی لکھکر چھوڑ گئے۔

(۸) بابو دھوم نرائن نے تاریخ انگلستان لکھی اور اس زمانہ میں پولیٹیکل اکانومی کے مشکل مسائل کو اُردو میں بھی سلجھا گئے!

(۹) بابو گوبند سنگھ پرانی دنیا کو نئی دنیا (امریکہ) کی خبر دے گئے۔

بنگالی

(۱) مہاراج راج کرشنا بہادر مشہور و معروف مہاراجہ ناواکرشنا بہادر (میر منشی وارن ہیسٹنگز) کے خلف اکبر یہ وہی ناوا کرشنا ہیں جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے لارڈ کلایو کے ساتھ بھی رہے اور شاہی دربار تک بھی آخر ان کی رسائی ہوئی راج کرشنا اسی نامور باپ کے بیٹے ہیں فارسی کے تو خیر آپ ہر اد مشہور و بے بدل منشی تھے ہی۔ اُس کے ساتھی اُردو پر بھی اہل زبان کی طرح قدرت دکھا دی! اعظم شاہ کا حال نظم (اُردو) میں لکھا اور ایسا لکھا کہ اس وقت وہ مقبول خاص و عام ہوا۔ موسیو گارسن دی تاسی خبر دیتے ہیں کہ ان کی یہ نظم ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) اور پیرس کے سرکاری کتبخانہ اور برلن کی یونیورسٹی لائبریری میں موجود تھی۔ انھوں نے غزلیں بے شمار کہیں۔ کلیات پانچ جلدوں میں تھا۔ اور ان کے فرزند راجہ کالی کرشنا اُسے جان سے لگائے رہے!

(۲) راجہ کالی کرشنا بہادر (خلف راج کرشنا بہادر) فارسی و اُردو کا شوق انھوں نے وراثت میں پایا۔ یہ مشہور و معروف خاندان بنگالہ و کلکتہ میں ممتاز رہا اور سودا بزار راج فیملی کے نام سے اب تک جیتا ہے کالی کرشنا ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے مجموعۂ لطائف اُردو انھیں کی تالیفات میں سے ہے اسکے کی (انگریزی) کی ایک نظم کو اُردو میں نظم کرکے احسن المواعظ اُس کا نام رکھا یہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے انگریزی خزانہ سے اُردو کو بھی فیض پہنچایا۔ ان کا ایک رسالہ ہیئت میں نظام شمسی کے نام سے مشہور ہے!

(۳) راجہ رام موہن راے بانی فرقہ برہمو سماج اٹھارھویں صدی کے مجددین میں سے ہیں (عظیم آباد پٹنہ) میں انھوں نے تعلیم پائی یہ وہی رام موہن راے ہیں جو آخری شاہ ہند کے ایلچی بنکر اُس کی داد رسی کے لیے ولایت گئے۔ اُردو میں بھی اُنکی تصانیف کثرت سے

ہین - مسیو گارسن تاسی پیرس مین ان سے ملا تھا وہ کہتا ہی کہ راجہ ہم سے اُردو مین بھی خط وکتابت کرتے تھے اُنھون نے کلکتہ مین ایک اُردو اخبار بھی نکالا اور عرصہ تک اُسکے ایڈیٹر رہے!

صاحبو! اس داستانِ اتحاد کے دو اور برگزیدہ ہیرو ہین جنکے ذکر خیر بغیر ہماری کتاب ختم نہین ہو سکتی - ان مین اول ہمارے مرزا چھنو لال طرب ہین جو کچھ سوچکر اپنا طرب انگیز دیوان لکھا کرکے سپرد کر آئے اور پھر دلگیر بنکر مرثیے کہنے لگے! یہ مرزا چھنو لال ہی ہین جنھون نے دو قومون کی زبان کے ساتھ ان کی معاشرت و مراسم کو بھی ایک کر دکھایا! (حضرت) قاسم کے حال مین (حضرت) کبریٰ کی زبان یون کھولتے ہین ؎

مجرے کو چچا کے قاسم جب بنرا بنکر آیا | زینب نے کلیجہ پکڑا دل سر کا بھر آیا
کبریٰ درد جدائی اب مجھ پہ محشر آیا | بیتابی کی حالت مین یہ حرف زبان پر

قاسم مرنے چلا چھوٹ مجھے ناشاد
دادی زہرا پہنچے دُکھی کی فریاد

اُس بنرے نے ان سبکو تعصب ملکے چھوڑا | ماں نے بھی حرامین آنکھین دلھن سے بھی منھ موڑا
تلوار کمر مین کسکر اور اپنا ڈپٹ کر گھوڑا | رو بہ صفتون کے آگے جون شیر لاور آیا

بیری یا بولے دیکھو مرنے کو اس آن
سر پہ باندھے سہرا آیا ایک جوان

آخر لعینون نے جوانی ماٹی مین ملائی اُسکی | کاٹی بھونچون سے ہی ہر اک کلائی اُسکی
گھوڑے سے گرا اور گھر مین آواز جو آئی اُسکی | یون رو تا لاش پہ اُسکی فرزند پیمبر آیا

قاسم دُلہن کو تیری بھئو رہونہ ٹھاؤن
ماٹی مین یون مل گیو بیرحسن کے نادن

گھوڑے پہ لاشہ رکھ کر اس زخمی تیغ و سنانکا | خیمہ کی جانب در درد شبیر نے کھینچا اُنکا
سمجھے جو بی بی سر پہ بہم بنڑی نے منھ اپنا ڈھانکا | دلہ کا لاشہ جبدم خیمہ کے اندر آیا
ہاتھ کی جوڑی پھوٹے کر نوچ اپنے کیس

منھ کو دھو رکھیپٹ کے کیا فقیری بھیس

صاحبو! یہ سوہا چولا اور چوڑی عربی نہین ہندی ہی اور عرب کی خوزادیان بیوہ ہونے پر وہ نہین کرتین جیسے مرزا یہان دکھلا گئے - مگر اب ہمارے اعلیٰ گھرون کا یہی دستور ہی اور اسے سمجھ کر ہم نے اِس کو قبول کر لیا اور دلگیر کے قائم کردہ اتحاد کو مان لیا!

صاحبو! ہمارا دوسرا ہیرو اور جوان صالح پنڈت شنکر دیال نسیم ہی! جسکے گلزار نسیم نے ہولے اتحاد یون ہی چلا کی سنو وہ کیا کہتا ہی ؎

ہر شاخ مین ہی شگوفہ کاری | ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زبان سے اکثر | حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیون مین یہ حرف زن ہی | یعنے کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی | کرتا ہی زبان کی پیش دستی

نسیم نے حیث حمد و نعت لکھی تو اس کا یہ ہرہر ماکو بھایا اور پیغمبر کی آل اور پنجتن کی یون اطاعت پر کسی پنڈت نے اسے مسلمان نہین سمجھا اور ایسے پر آشوب زمانہ اور پر از نکبت وقت مین چکبست نے بھی اُسے ترک نہ جانا! صاحبو! یہ وہی نادر الوجود اتحاد ہی جس کی نظیر اس ہند سے باہر تم نہین پا سکتے مگر یہ وہی اتحاد ہی جسے آج نئی تعلیم نے توڑا اور رنگے داغون نے جس کا سر کچلا ہی!

انگریز اور اُردو

کہا گیا ہی کہ دنیا کُل قوم وقت ہی! اور ہر قوم کے لیے ایک وقت ہی! اور جب ہمارا وقت بھی پورا ہو چکا تو اس باغ کی پاسبانی کے لیے قدرت نے اس دور کی بہترین قوم کو چنا - یہ قوم تخت کیان کی آرزو مین نہین بلکہ تخت طاؤس کی ہوس مین ادھر آئی اور بہت جلد گھل ملکر اور بے تکلف ہو کر اس گلزار کی سیر کرنے لگی!

انگریز گھاٹ گھاٹ کا پانی پیکر ادھر آئے اور دنیا کا تجربہ رکھتے تھے

زبان کی وہ دقتین جوان سے قبل کے سیاحون کو پیش آئی تھین وہ اُن کے رستہ مین بھی حائل ہوئین لیکن صدیون سے ایک نظام قائم اور درست ہو چکا تھا۔ سمجھ کر اُنھون نے اسی کو ہاتھ مین لیا اور یون اپنے مہمانمادرون کو خوش کرنے اور برچانے لگے! یہ باغ قدرت نے اُنھین بخشا تھا اور اُس کے اِس بڑے عطیہ کا لحاظ کرکے اُس کی خدمت پر مستعد ہو گئے! جب سب طرف سے مطمئن ہوکر بیٹھے تو اپنے قیام اور اپنی قوم کے یہان کے استحکام کی سبیل پر غور کرنے لگے۔ سوچنے والے دماغون نے سب سے پہلے اسی زبان کے مسئلہ کو سلجھانا چاہا جس کے حل ہوے بغیر دو مختلف قومین کبھی ایک اور دوست نہین بن سکتین!

اِس فرزانہ قوم نے دیکھا کہ یہان کی اصلی اور سرکاری زبان مین ابتک فرق اور مغائرت ہے۔ اسے اندیشہ ناک تصور کیا اور خوب سمجھا کہ جبکہ اس زمین پر کئی ہزار برس کی ریاضت پر بھی سنسکرت کا درخت جڑ نہ پکڑ سکا اور پھر صدیون کی محنت پر بھی پالی کے پھول کھل نہ سکے تو پھر فارسی کبتک خزان سے محفوظ رکھی جا سکتی ہے؟ اس لیے وہ اس زمین کی اصلی پیداوار (زبان) کی آبیاری کو اپنا فرض اور اِس باغ کی بہترین خدمت سمجھنے لگے!

فورٹ ولیم کالج سنہ ۱۸۰۰ء

قلعۂ معلی کے بعد فورٹ ولیم اُردو کا گھر اور عمدۃ الملکی اسکول کا مونسبنا برٹش گورنمنٹ مغلون کی جانشین تھی جسطرح اگلی سلطنت نے اپنی رعایا کا خیال کرکے آخر اُنھین اُن کی زبان عطا کی۔ اس گورنمنٹ نے بھی اسیطرح رعایا پروری کی مثال قائم کی! سرکاری حکم و خرچ سے فورٹ ولیم (کلکتہ) مین اُردو کالج قائم ہوا اور ڈاکٹر جون گلگرسٹ کی نگرانی مین اُس کا نام و کام چل نکلا۔ بکرماجیت دھابلی جی (اکبر) کے سنگاسن مین نو رتن جڑے تھے مگر اس نے تخت مین گیارہ رتن لگے اور جگمگانے۔ سید محمد بخش حیدری، میر بہادر علی حسینی، مرزا علی لطف، بابو نہال چند نہال، میر امن، حفیظ الدین، شیر علی افسوس، کاظم حسین جوان، مظہر علی ولا، اکرام علی اور للولال کوی کے سے منتخب جواہر اکٹھا کیے گئے اور سلطنت کے اقبال اور ان گیارہ یارون کی مدد سے اُردو پھر بننے اور سنورنے لگی!

صدیون کے اتحاد کا زور رہا اور بڑھا جوان نے سکنتلا (ناٹک) اور بکرما بیت کا حال لکھ کر تکی ہیرو ئزکو زندہ کیا پھر دستور ہندی کی ترتیب سے یہان کے رسمون کو جگایا اور بارہ ماسا مین اس باغ کے موسمون اور فصلون کو بتایا۔ ولا نے بیتال پچیسی اور سنگاسن بتیسی کی دلچسپ کہانیان سنائین اور قصہ مادھولال کو اپنی زبان مین دہرایا۔ سری للو لال کوی نے پرانی بھاشا کے ذخیرہ کو اپنی نئی بھاشا (اُردو) کے خزانہ مین جگہ دی پریم ساگر سنانے اور لطائف ہندی کے پھول کھلانے لگے پھر راج نیتی مین کشن جی کا جنم بتر لکھو لکر اپنے دوسرے بھائیون کو بھی مستفیض کرنے لگے۔ نہال چند خوش خوش دوڑے اور گل بکاولی توڑ لائے اور اُردو دانون کی آنکھین بھی کھولدین۔ انسیم اپنے وقت مین اسی سبقت پر اشارہ کرتے اور رشک کھا کر بے اختیارانہ کہتے ہین ؎

ہر چند سنا گیا ہے اِس کو — اُردو کی زبان مین سخن گو
نہ نثر ہے داد نظم دون مین — اس شے کو دو آتشہ کرون مین

صاحبو! یہ تھا اتحاد زبان اور اتحاد خیال اُس عہد کا جسے اِس سلطنت نے بھی فروغ دیا اور ڈاکٹر گلگرسٹ کے ساتھ کپتان ابراہیم لوکٹ اور نفیس ٹیلر نے بھی جبین زور لگایا اور دلی کا مال (اُردو) بنگالہ لیجا کر وہان کے بزارون مین اسطرح عام کر دیا گیا!

سرکاری زبان

دلی کی سلطنت مٹنے پر کسے معلوم تھا کہ اُردو پھر یون رائج رہے گی۔ اس نئی قوم نے واقعی امید سے زیادہ اور ہمارے حوصلون سے بڑھکر ملکی زبان کو بڑھایا ایک فورٹ ولیم کالج ہی پر قناعت و بس نہین کی گئی بلکہ اس زبان کی وسعت و ہمہ گیری پر نظر کرکے اسے سلطنت کی زبان بنالے اور شاہی اختیارات دینے کی فکر ہونے لگی کورٹ آف ڈائرکٹرز مین یہ مسئلہ پیش ہوکر اسکے ممبرون کو اپنی طرف مخاطب کرنے لگا۔ سرکار کمپنی کے ایک فاضل و زباندان ممبر مسٹر ام۔ کریو نے اس زبان کے متعلق اُسوقت اپنی یہ رائے ظاہر کی؟

"مسلمانون کے قبضۂ ہندوستان سے قبل یہان کا جو حال ہو مگر اب تو یہان کی زبانون کی حالت یہ ہو کہ نہ تو اُن کا ماٰخذ صرف سنسکرت ہی کہی جاسکتی ہو اور نہ" وہ زبان صرف اُن کی اصل ہو جو دیوناگری مین لکھی جاتی ہو اور یہی حالت اُن حروف کی ہے جن مین یہ زبانین لکھی پڑھی جاتی ہین! اُردو کی اس وقت یہان حالت بجنسہ" فرنچ کی سی ہو کہ وہ تمام یورپ مین بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ اس ایک اُردو کے جان لینے سے ایک حصہ ملک سے دوسرے حصہ ملک تک بے تکلف آؤ جاؤ کسی معاون" اور ترجمان کی ضرورت نہ ہوگی! یہ اُردو عربی' فارسی' ترکی اور سنسکرت کے میل سے بنی ہو اور فارسی خط مین بہ نسبت دیوناگری کے اس کا لکھا جانا زیادہ آسان اور بامعنی ہوتا ہو!! دیکھو مراسلات صدر بورڈ آف ریونیو اور تجویزات مسٹر ام۔ کریو صفحہ ۸ راخیر کالم)

صاحبو! یہ تھین وہ صاف اور بے لاگ رائین جنھون نے سرکار کمپنی کے خیالات کو اور مضبوط کیا اور آخر ۱۸۳۵ء مین سرکاری دفتر کی زبان اُردو قرار پائی اور رعایا کے دلون سے دعائین نکلین!!

مزید کوشش و ترقی

دلی کی اُردو سوسائٹی | سرکاری توجہ و مہربانی سے ادہر بنگال و کلکتہ مین اس زبان کا زور قائم ہو لیا تو اب اسی خیال نے اس زبان کے اصلی گھر کو یاد کیا اور ۱۸۴۳ء مین ڈاکٹر اسپرنگر کی زیرنگرانی دلی مین ایک اُردو سوسائٹی بنائی گئی اور غدر تک یہ محکمہ قائم اور اُردو کو بڑھا! اور ملک کو فائدہ پہنچاتا رہا! منشی کریم الدین پانی پتی کے ساتھ پنڈت رام کشن' پنڈت اجودھیا پرشاد' موتی لال' دھرم نرائن' شیو نرائن' دتاترام برہمن اور ہردیو سنگھ و رام چندر نے اپنی زبان کی خدمت کی اور ترجمون اور تالیفات و تصنیفات سے اُردو کا خزانہ بھرتے رہے!!

اُس وقت ممالک متحدہ مین بھی غیرت باقی تھی اور مسٹر ریڈ کی توجہ سے قمرالدین' چرنجی لال' بنسی دہر' سری لال اور موہن لال نے اپنی اُردو کو فروغ دینے مین جانین لڑائین اور صاحبو ہمارے مخدوم مالوی جی کے جنم لینے سے بہت قبل یعنی ۱۸۵۱ء تک آپ کے صوبہ مین بھی اس اُردو کا بول بالا اور ہندو مسلم اتحاد کا پرچم چمکتا اور سرکاری التفات بدستور قائم رہا!!

سائنٹفک سوسائٹی

ملکی زبان کی طرف مخاطبت اور ہمارے حکام کی اتنی جدوجہد کا نتیجہ یہ تھا کہ دو مختلف قومون کی مغائرت اس سبیل سے دور کیجائے انھون نے اس ملک کی تاریخ پڑھی' اگلی سلطنتون کی دقتون کو جان چکے اور خوب سمجھتے تھے کہ یہ زمین کسی غیر زبان کے بیج کو قبول کرنے والی نہین اور بجز تیس کروڑ مخلوق کو اپنی زبان (انگریزی) سکھانے کے زیادہ آسان و سہل یہ ہو کہ ہم خود ان کی زبان سیکھین اور اسے قابو مین کرکے رعایا کے مطالب سمجھین اور پوری دادرسی کرسکین اور یون حاکم و محکوم کا رشتۂ اتحاد ہمیشہ کے لیے مضبوط ہوجائے! سر سید جیسے اتحاد کے دل سے حامی اور ہندوستان کے لیے اُسے ایک نعمت سمجھتے تھے

اِس مقصد کی انجام کی خاطر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور راجہ جے کشن داس کی اعانت سے غازی پور و علیگڈھ مین اُنھون نے سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی - یہ اکیڈمی ۱۸۶۳ء مین قائم ہوئی اور مسٹر ڈیمس کمشنر میرٹھ اور مسٹر بریلی کالکٹر ضلع کی ہمدردیون اور امداد کی بدولت تین چار برس کے اندر اندر اتنی ترقی کر گئی کہ اُسوقت کے کل زباندان اور علم دوست انگریز اِس کے شریک ہوے اور آخر ڈیوک آف آرگائل (وزیر ہند) بھی اس کی طرف مخاطب ہوکر سوسائٹی کے پیٹرن بنے! لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ پنجاب نے اس کی حمایت و امداد کی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے توجہ و سرگرمی دکھائی! تصنیف و تالیف کا رستہ کھلا اُردو مین انگریزی سائنس اور علوم و فنون کے ترجمے شروع ہوگئے منشی ذکا اللہ ماسٹر پیارے لال اور پنڈت دھرم نرائن کے سے بزرگون کے انہاک نے ملکی زبان کو مغربی علوم کے چشمون سے بھی سیراب کرنا اور اس پودے کو بڑھانا شروع کر دیا!

صاحبو! اس سوسائٹی کا مقصد محض تصنیف و تالیف ہی نہ تھا بلکہ اُس نے اِس ملک کے مرض کی اصلی دوا اور ہمارے درد کا صحیح درمان بھی ڈھونڈھ نکالا! زمینداران ضلع علیگڈھ تعلیم کی طرف متوجہ کیے گئے اور اُن کی منظوری سے سوسائٹی نے ۱۸۶۶ء مین تعلیمی ٹیکس کے اجرا کا رزولیوشن پاس کرکے اپنی عرضداشت گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت مین بھیجی!

اس تیس چالیس برس کے اندر ملکی زبان سے حکام اتنے واقف ہوچکے تھے کہ ہمارے لٹریچر کو سمجھ سکین اور اِس سمجھ کی وجہ سے وہ ہمارے تمدن و معاشرت سے نابلد نہین رہے تھے زبان کی واقفیت حاکم و محکوم کے رشتۂ اتحاد کو مضبوط کر رہی اور ہماری اُن کی دوستی مستحکم ہوچلی اور وہ ہماری ضروریات کو بہ آسانی سمجھ کر ہمارے ہمدرد ہوتے تھے اور انھین اسباب کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کا یسی درخواست حسب قاعدہ مسٹر ہنری لارنس کلکٹر ضلع (علیگڈھ) پاس پہنچی تو اُنھون نے اُس کی حمایت کی اور اپنی پرزور ریمارک کے ساتھ اُس گزارش کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور آخر حضور وایسراے نے بھی اِس کے جواب مین اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی!!

صاحبو- اس سوسائٹی کے کارکنون نے اسی پر بس نہین کی بلکہ وہ ایک صحیح مقصد کی طرف آگے بڑھے اور برٹش انڈین ایسوسی ایشن کو اپنا ہم آواز بنا کر اِس ملک کی اصلی ضرورت کی طرف گورنمنٹ کو اُنھون نے متوجہ کیا- اسی سن مین پھر ایک درخواست سرکار مین گئی جسمین اور گزارشون کے ساتھ یہ دو دفعات بھی تھے!!

اول یہ کہ یہان کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک ایسا سررشتہ قائم کیا جائے جسمین دیسی زبان مین تعلیم دی جاسکے! اور دوسرے یہ کہ ایک اُردو فیکلٹی کلکتہ یونیورسٹی مین قائم کی جائے اور ایک جدا یونیورسٹی ملکی زبان مین علحدہ کھڑی کی جائے!

میرے دوستو! اب اس کے بعد کیا ہم کو اپنے اصلی ضروریات اور یہان کے تعلیمی مسائل کو پھر اور بار بار کہنے اور اُس کے سُلجھانے کی ضرورت ہے؟ ملک سے واقف اور ہمارے ضروریات سے آشنا بزرگون نے آج سے پچاس برس قبل ہماری نکبت کو سمجھا اور اُس کے دور کرنے کی فکر کی! یہ وہی طریقہ تعلیم ہے جس کے اجرا کے بغیر یہ ملک کبھی آگے بڑھ نہین سکتا اور اسی پر نظر کرکے ایک یورپین کلرجی نے ہمارے فاضل بجنوری (ڈاکٹر عبدالرحمن) کو ٹوک کر کہا تھا کہ اپنی مادری زبان مین تعلیم حاصل کیے بغیر یسوع کی قسم تم ہزار برس بھی ترقی نہین کرسکتے!

رنگ مین بھنگ

حق کہا ہے امیر المومنین نے کہ ان الزمان مفرق الاحباب۔ وہ آخر ہمی نا ہنجار زمانہ نے ہندوؤن اور مسلمانون کے بھائی چارے مین

بھی خلل وافتراق ڈالا! یہ اُردو جو اُن دو قومون کی متفقہ کوشش کا نتیجہ اور یہ زبان جو اُن کے اتحاد کا بڑا سبب تھی تفرقہ پردازون نے اُسے کمزور کرنا چاہا! صدیون سے آپس مین ایک بے نظیر سمجھوتا ہو چکا تھا اور دونون اس پر کاربند تھے مسلمانون نے محبت و خلوص کے برقرار رکھنے اور دوستی کے قائم رہنے کی آرزو مین ایثار کی انتہا کر دی۔ اپنی اصلی زبان عربی، فارسی، ترکی کو ہمیشہ کے لیے اُنھون نے بھلایا اور ملکی اور اپنے عزیز بھائیون کی زبان کو بے تکلف یاد کر لیا! ہندوؤن نے اس کا لاجواب جواب دیا۔ اور آپس کی کشش کے قائم و دائم رہنے اور جذبات سرد نہ ہو جانے کی خاطر بلا پیش و پس اُنھون نے اپنے اُن بھائیون کے وہ حروف اختیار کر لیے جو سامی عہد کے یادگار اور ایک قدیم قوم کو ایک دوسری پُرانی قوم سے ملانے والے اور دونون کو ایک ہی صف و سطر پر کھڑا کر کے دنیا کو یکجہتی کا سبق دے رہے تھے!

صاحبو یہ حروف نہ صرف مختصر نویسی کا ایک اعلیٰ نمونہ اور فن تحریر کے ارتقاء و ایوولیوشن کی جامع و مختصر تاریخ اور پٹمین[۱] کے معلم و ہادی ہی تھے بلکہ تاریخ زبان اُردو کے وہ بے مثل مفسر و شارح بھی تھے کہ بیک نظر اُن کل الفاظ کو معلون کی پوری شکل و شمائل اور صحیح آواز و معنی اور چسپت و درست لب و لہجہ کے عیان و ظاہر کر سکین جن کی آمیزش سے یہ زبان صدیون کی کد و کاوش کے بعد آج شرفا و نجبا کے منھ تک آنے کے قابل و لائق بنی اور اپنے گذشتہ زمانون کو آپ بتا رہی ہے! ہندیون نے جب دُور ل کی اسکیم کا استقبال کیا اور فارسی کو اپنا آلہ زبان بنایا اُسوقت یہان ایک نہین دس طرح کے حروف رائج اور ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اِن نئے حروف نے پُرانے حرفون کی فضول تفریق کو مٹا کر سب کو ایک بنایا اور پھر ایسی ایسی تمیز قائم کر دی کہ بکھرا ہوا مال ایک ہی سررشتے کے تحت مین آ گیا اور جب ملکی زبان (اُردو) اختیار کی گئی تو دونون جماعتون نے ملکر اِن ہی حروف کو سراہا اور اُسکے آگے بڑھا دیا!

ہمارے اگلے بزرگ فارسی ان نئے حرفون کے صدیون سے عادی ہو رہے تھے اور بقول ہمارے مخدوم بابو نرندر ناتھ لاکے اُن کا طریقہ تعلیم (اکبر کے وقت مین) یہ تھا کہ بچون کو پہلے (فارسی) حروف تہجی سکھائے جاتے اسمین آٹھ دن سے زیادہ نہ لگتا۔ املا سکھانے پڑھانے مین دوسرے آٹھ روز صرف ہوتے پھر جملے اور اخلاقی فقرات بتائے جاتے اور ایک ماہ کی اندر اندر اس غیر زبان کو لڑکا خود سب پڑھ لیتا (دیکھو پروسیڈنگس آف ٹریننگ صفحہ ۱۶۱) اور اسطرح اُن کی دقتین سہل ہو چکی تھین اس کے علاوہ واقعی ایک پراگندہ جماعت اور منتشر ملک کو اس آسان سبیل سے ایک اور متحد کر دینا چاہتے تھے اور جبکہ وہ ملکی زبان کے مالک ہو رہے تو اس زبان کے ساتھ اُن ہی حروف کو بھی قائم کر گئے جو اُن کی تاریخ بتاتے اور اتنے بڑے اتحاد کو برقرار رکھنے والے تھے

ان دو قومون کے ساتھ اب ایک تیسری قوم بھی ہماری شریک و ہم سبق ہو چکی تھی اور ان انگریزون کی ملک دانی، ہوشیاری اور فیاضیون نے اس اُردو کے زور کو بڑھا کر سفائرت کو گھٹایا اور انھین بھی ہم سے قریب تر کر دیا تھا ملکی زبان جانتے اور اس آئنہ سے رعایا کا دل اکر بمن کر لینے سے ہمارے اتحاد کی بے نظیر مثال قائم ہو رہی اور اُس سے ان نئے مسافرین کا یہان گھر بن رہا اور حاکم خوش محکوم بشاش یہ زمین گلزار اور رشک باغ ترو تازہ نظر آ رہا تھا کہ دفعتاً ایک بادِ مخالف ایسی چلی کہ اُس کی بہار آخر خزان ہو کر رہی!

لارڈ مکالے کے مشہور ڈسپیچ نے ہماری قدیم زبانون پر اثر ڈالا اور ملک مین ایک نئی قسم کی تعلیم و تربیت جاری کرنے کے لیے انگریزی کے سوا اور کوئی رستہ سجھائی نہ دیا! صاحبو ہم مکالے کی نیت پر کوئی

[۱] پٹمین شورٹ ہینڈ (مختصر نویسی) کا موجد سمجھا جاتا ہے ۱۲

حملہ نہین کرتے ہم اُن کے مزاج اور اُن کے مشہور تلون سے بھی اچھی طرح واقف ہین اور اکثر پہلو پر نظر کرکے واقعی ہم اُن کے شکور بھی ہین مگر اُن کی زباندانی اور اس ملک مین رہ کر یہان کی زبان کی واقفیت پر رشک کیے بغیر نہین رہ سکتے! خیر اسی ڈسپیچ والے نے خیالات پلٹے انگریزی اُبھری اور ملکی زبان اردو دبنا شروع ہوئی! اور اس ستر برس مین جو کچھ نتیجہ ظاہر ہوا وہ آئینہ اور تعلیمی اسٹے ٹسٹیک کے صفحون پر آپ عیان ہی! اور صاحبو جبکہ انڈین فیوریین صرف کونین اور ہندی معدون کے لیے جبکہ خالی پنیسین تجویز کر دی جائے تو ایسے معالجین کا کیا علاج!!

اس ناقص اور ہمارے مزاجون سے خلف دوا کے اثر کو ابھی ایک پشت بھی نہ گذری تھی کہ معدون کی تبخیر دماغون تک چڑھی۔ انتشار شروع ہوا۔ بزرگون کے قائم کردہ ادب قاعدون کو توڑا گیا اور گھر ہی کے اندر نسکار کھیلا گیا۔ اور افسوس کہ امیر الامرا سید حسین علیخان کی جاگیر اور مہاراجہ شتاب رائے کی زمین ایسی شکار گاہ بنی! اور پھر افسوس کہ زمین ہند اور تاریخ ہند مین بہار اور بہاریون کے نام پر ایسا دھبہ لگ گیا اور اُن کے دامن پر اس خون کا داغ پڑ گیا۔

صاحبو۔ ابھی آپنے فورٹ ولیم کالج کا حال سنا اور دلی اُردو سوسائٹی اور سائنٹفک سوسائٹی کی روداد پڑھی اور ان دو قومون کی متفقہ کوشش کے نتیجہ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہون گے مگر شاید آپ کو یہ معلوم نہین کہ الہ آباد کے نیچے ہمیشہ سے اُلٹی گنگا بہتی ہی! ایک طرف تو اتفاق و اتحاد کا وہ زور اور یہان گنگا جمنا کے سنگم پاس افتراق و دوئی کا وہ شور مچایا جائے کہ تربینی بھی اندر کر وہ آواز یورپ اور گھدلیس کو بھی ناس کرے!

اسی زمانہ مین جبکہ علیگڈھ سنٹفک سوسائٹی اور برٹش انڈین ایسوسی ایشن ملک کی اصلی ضرورت دکھا کر اس فیاض گورنمنٹ سے ایک اُردو یونیورسٹی مانگ رہی تھین اور قریب تھا کہ یہ نعمت عطا ہوکر ۵ سو کروڑ مخلوق کی تعلیمی ضرورت بہت کم خرچ اور کم مدت مین پوری ہو کر انھین انسان بنا دے کہ اسی اکبر کے الہ باس اور خدا بخشے بابو سرشادا پرشاد سنڈیال کے گھر سے مخالفت کا ایک طوفان اُٹھا جو یورپ پر چھاتا ہوا خلیج بنگالہ کے کنارے جا لگا! یہ اُسی طوفان کا زہریلا اثر تھا کہ ۱۸۷۲ء مین بنگال و بہار کے چند نئے تعلیم یافتون کی کوششون سے وہان کی گورنمنٹ مین فارسی حروف یعنی اُردو کے اٹھا اور مٹا دینے کی درخواست پیش ہوئی! پورے چھ برس سمجھدار حکام نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کی مگر آخر ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت ۔ مشہور مکڈانل صاحب کا قدم مبارک بہار کی نرم اور پولی زمین پر جا اور اُن کی توجہ و برکت سے گڑے مردے اُکھڑے اور اس داخل دفتر عرضداشت کے حروف زندہ کیے گئے اور آخر ۱۸۸۰ء مین سر ایشلی ایڈن کے نادری حکم نے وہان سے اُردو کو شہید کرکے بہار اور بہاریون کو ہزار برس پیچھے ڈھکیل دیا!!

اس حکم پر ایک غلغلہ اُٹھا اور تہلکہ مچ گیا۔ اس کے خلاف عرضیون پر عرضیان اور میموریل پر میموریل بھیجے گئے مگر راج ہٹ کے آگے سب ردیان اور ٹوائلٹ پیپر نکلے! لندن مین اس نئے انصاف کے خلاف آوازین بلند اور کمیٹیان قائم ہوئین مرحوم لارڈ اسٹینلی آف ایڈرلی نے ایوان پارلیمنٹ کو اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہلا ڈالا اور وزیر ہند سے جواب پر جواب طلب ہوتے رہے اُردو سائنٹفک سوسائٹی کے پیٹرن ڈیوک آف آرگائل کے جانشین لارڈ نورتھ برک بوکھلائے اور گھبرائے اور آخر دھیمے سرون مین ارشاد ہوا تو یہ کہ تبدیلی بہاریون کے فوائد کے لحاظ سے کی گئی ہی اور اُس سے اُنھین سرکاری دفاتر کی کارروائی اور اپنے مقدمات کے سمجھنے مین زیادہ آسانی ہوگی!

صاحبو! یہ پیاری منطق اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس کا نتیجہ یہی

نکلے گا کہ بھولی بھالی رعایا دفتروں کی کوٹھریوں تک جاکر بند ہوجاتی اور آگے نہیں بڑھتی ہے یا اگر کسی طرح چھوٹ کر ججوں اور کلکٹروں کے اجلاس تک پہنچ گئی تو اُن کی خاطر سے اس وقت اُن ہی کی بولیوں اور انھیں کے لفظوں میں بحثیں ہوتیں اور فیصلے لکھے جاتے ہیں تاکہ بیاری رعایا بغیر کسی کی مدد معاونت کے اپنی قسمت کا فیصلہ خود سُن اور سمجھ سکے!!

اِس تبدیلی نے اُس وقت کی بہار گورنمنٹ کی نظر میں جو فائدہ پہنچایا ہو اُس کے دیکھنے کے لیے افسوس ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں اور افسوس امریکن ایڈیسن بھی پاس نہیں جس سے ہم کوئی ایسا آلہ بنواسکیں جس کے ذریعہ سے فوائد کے وہ ذرات چمکتے ہوے نظر آجاسکیں جو ان نکمّی آنکھوں سے ابتک سجھائی نہ دے سکے!

دوستو! ہم نے تو یہی پڑھا اور یہی دیکھا ہے کہ تعلیم یافتہ اور دماغی و ذہنی تربیت پائی ہوئی جماعت کی تقلید و شاگردی ہمیشہ غیر تعلیم یافتہ اور اَن پڑھ گروہ نے کی اور اُن سے کرائی گئی ہے اور اِس میں کسی ملک کی بہتری سمجھی اور سمجھائی گئی ہے لیکن یہ عجیب واردات اور اِس ملک کی تاریخ میں جلی حرفوں سے لکھ رکھنے کی بات ہے کہ ۱۸۰۰ء سے ۱۹۱۶ء تک ایک اعلیٰ طبقہ اپنے سے کم اور ادنیٰ درجہ والوں کی غلامی پر اسطرح معذور و مجبور کردیا گیا ہو۔ اور سچ یوں ہے کہ دماغی و ذہنی ترقی کی جس طرح بہار میں توہین و تذلیل کی گئی اُس کی مثال دنیا کی تاریخ اور صفحۂ روزگار پر ڈھونڈھے نہیں مل سکتی!

لیکن صاحبو! اس نئی امت نے اس پرانی زمین بہار پر جو ہل چلادیا ہو مگر امیر الامرا کے یاد رکھنے والے اور شتاب رائے کی عزت کرنے والے اس اتحاد کو مرتے دم تک نہ بھولے جو اس اُردو اور ناسکے فارسی حرف کی بدولت ایک عرصہ سے اس ملک میں قائم ہوچکا اور جس کے سایہ کے نیچے یہ دونوں گردنوں میں ہاتھ ڈالے ہوے مزے سے سو رہی تھیں!

مرحوم مہاراجہ دربھنگہ، راے لچھمی سنگھ راج بہادر، رام کشن پانڈے، اور لالہ تار دین کے سے خاندانی بزرگوں نے اپنی زبان اور اپنے حروف کسی حال نہ چھوڑے اور ہزار سال کے ہندو مسلم اتحاد کو اخیر تک نباہے چلے گئے!! آج بھی وہاں کے خاندانی بزرگوار اپنی اگلی روش پر سلامت اور اپنی پرانی بنیاد پر ثابت قدم ہیں اور اسی قدیم بہار میں آج بھی اولڈہم صاحب (کمشنر پٹنہ) کا سا شخص موجود ہے جس کی زبان اور جس کا قلم ایک طرح چلا لیکن لغزش نہ کھائی اور وہ وہاں پرانے شریف انگریز اور اُن نجیب سویلینوں کے مبارک عہد کو یاد دلا رہے ہیں جن کی ملت و محبت اور ہماری زبان سے آشنا ہونیکی بدولت ہمارا یہ باغ سرسبز و شاداب دکھائی دیا!

صاحبو! اس رنگ میں بھنگ اور اپنے ہزار سالہ اتحاد کے یوں پامال ہوجانے کی روداد جب میں نے ایک فرنچ مورخ کی زبان سے سنی تو سچ کہتا ہوں کہ میرا قلب بھر آیا اور آنسو کسی طرح تھم نہ سکے! اُس شیریں زبان نے اِس پر جھلا کر جو کچھ کہا اُسے دُہراتے تو مجھے شرم آتی ہے مگر اس کا دوسرا حصہ فقرہ پاران اسپری انیورا د نسیو نلی تی!

(Par un es pirit etriat Nationaliti)

کسی طرح بھولتا نہیں اور ہمارے لیے بڑا سبق آموز ہے!

دوستو۔ یہ اسی نحس سال کی گرہ تھی جو آجتک کٹی نہیں ہے اور اپنی قومیت کے الگ قائم کرنے کا یہ وہ تنگ رستہ تھا جو اب تک کشادہ نہ ہوسکا اور جبکہ اُسی یادگار سن ۱۸۰۰ کے کچھ ہی بعد انڈین نیشنل کانگرس کا بیان وجود ہوا تو ایک اچھے اور بڑے طبقہ کو شکایت کرکے اُس سے الگ تھلگ رہنے کا موقع مل گیا کہ جنھوں نے صدیوں کے ساتھ کے بعد عین سنہ میں ہمیں اکیلا اور تنہا چھوڑ کر اپنی دوسری راہ نکالی ہو اُنکی رفتار پر اب آگے کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ یہ ہی ہمارے زوال و پامالی کی تاریخ ہے جسے اُس منحوس سن سے پہلے نہیں بلکہ بعد کو تلاش کرنا اور عینک لگاکر اچھی طرح دیکھنا چاہیے!!

حکام وقت کی اتنی بڑی چوک اور دو قومون کے اسطرح ٹکرا جانے سے وہ شعلۂ فساد نکلا اور بلند ہوا کہ اگر وکٹوریہ کی سی مہربان ملکہ اپنے اخلاق وکرم کے آب سرد سے فوراً اُسے نہ بجھا دیتی تو سن ستاون کا غدر پھر تازہ ہوکر ملک مین آگ لگا دیتا۔ صاحبو۔ یہ ہماری پیاری ملکہ ہی تھی جس نے اپنی رعایا کا خیال کرکے اُسی زمانہ مین خود اس اُردو کو سیکھا اور یون اُن کے زخم جگر پر مرہم رکھا اور دلی کے دیوان خاص کے بعد ایوان بکنگھم مین پھر اُس زبان کا طوطی بولنے اور چہکنے لگا اور یہ اُسی نغمہ کا اثر تھا کہ اس مہارانی کا پوتا اور ہمارا موجودہ شہنشاہ جب یہان قیصر ہند بننے تشریف لایا تو دلی شہر مین اپنی جان نثار سپاہ سے اُسی ملکی زبان اور شاہجہانی۔ اُردو مین مخاطب ہوا اور یہی شاہی اثر ہے کہ اب بھی لیڈی چیمسفورڈ رعایائے ہند کو اپنی موجودہ ملکہ کا نصیحت بھرا پیغام اسی رانی جودہ بائی کی زبان مین سنانے کھڑی ہوتی اور اس طرح ہمارے دلون کو موہ لیتی ہین!!!

صاحبو۔ یہ ہزار برس کی داستان جو کہ میلوڈی اور ٹریجیڈی دونون کا مرقع تھی آج آپ کے سامنے پیش کردی گئی! ہماری حکایت تمام ہوئی اور اب آنے والے اس وقت کا قصہ چھیڑین گے اور پھر آپ دل لگا کر سنین گے! جس دلدہی وصبر کے ساتھ آپ نے اس دکھڑے کو سنا، مین اُسکا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا اور چلتے چلتے مقدس و برگزیدہ بودھ کی زبان سے اتنا اور کہے جاتا ہون کہ دھرم کرو دھرم کرو، اُردو کا شکھ بجاؤ، اور اُردو کی ڈونڈی بجاؤ اور بس!!!

تبصرہ

مشاہیر یونان و روم

انجمن ترقی اُردو نے ابتدائے قیام سے اس وقت تک جس قدر کتابین ترجمہ وتالیف کرائی ہین ان مین بلحاظ افادت ونفع رسانی کتاب زیب عنوان وہی درجہ رکھتی ہے جو نظام شمسی مین سورج کو حاصل ہے۔ انجمن کے دور جدید مین بہت سا قابل تعریف کام ہوا، اور اُردو مین کئی بلند پایہ کتابین اضافہ ہوئین لیکن اگر یہی ایک کتاب یعنی مشاہیر یونان وروما شائع ہوتی تو بھی ہم کو اس اعتراض کا کوئی حق نہ تھا کہ انجمن نے کچھ کام نہ کیا۔ بہت سی کتابون کا ذخیرہ فراہم کر دینا یا ایک مفید اور کام کی کتاب چھاپنا دونون قابل ستایش و تحسین کارنامے کہے جاسکتے ہین لیکن یہ ہر صاحب ذوق سلیم تسلیم کرے گا کہ اول الذکر کارنامے کے مقابلہ مین آخر الذکر کارنامے پر انجمن زیادہ مبارکباد کی مستحق ہے۔

یون تو ہر کتاب کی نسبت کہا جاسکتا ہے اور ہمارے ریویو نگار کہا ہی کرتے ہین کہ "یہ کتاب اُردو مین ایک بیش بہا اضافہ ہے مصنف نے یہ کتاب لکھ کر اُردو کی بہت بڑی کمی پوری کی" وغیرہ وغیرہ لیکن اصل یہ ہے کہ اس قسم کی تعریف وتوصیف اسی قسم کی کتابون پر زیادہ صادق آتی ہے جیسی زیر تبصرہ کتاب ہے۔

یہ کتاب جس پایہ کی ہے اُس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ بھی منجملہ اُن کتابون کے ہے جنھون نے یورپ کی کایا پلٹ کردی۔ یہ ایک واقعہ ہے اور اس واقعہ کی تصدیق کتاب کے مطالعہ سے ہوسکتی ہے جو شخص یہ کتاب پڑھے گا اُس کو اس حقیقت پر یقین آسکتا ہے کہ آئین وہ قوتین کونسی ہین جن سے ایک ترقی پذیر قوم صحیح راستے پر پڑ سکتی ہے ایک سپہ سالار، ایک مقنن، ایک حکمران، ایک اخلاقی ترقی کا خواہشمند

سب کی یہ کتاب رہنما ہو سکتی ہے، اور مصنفین فن حرب، قانون سیاست اخلاق اور علم النفس وغیرہ کے لیے اس کتاب میں کافی مواد موجود ہے غرضکہ تاریخ کے مطالعہ سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اُن کی یہ کتاب تنہا ضامن ہے خود مصنف خوشگوار طریقہ سے اُن علوم کے سبق ہم کو پڑھا دیتا ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو جن کے انتخاب اور کوشش سے اس بیش بہا جواہر کا اُردو میں اضافہ ہوا، اور سید ہاشمی صاحب جن کی جانکاہی محنت اور عرق ریزی نے اسکو اُردو کا لباس پہنایا، دونوں کا شکریہ واجب اور انجمن مبارک باد کی مستحق ہے۔ کاش جس رتبہ کی یہ کتاب ہے اُس کے شایان شان اس کی لکھائی چھپائی میں بھی اہتمام کیا جاتا اور نہایت نفیس کاغذ پر خوشخط اور آب و تاب سے چھاپی جاتی، کتاب کی پہلی قدردانی یہی ہے کہ وہ اعلیٰ پیمانہ پر چھپوائی جائے ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ مشاہیر یونان و روما، بد معمولی کاغذ پر اور خراب چھپوا کر ظلم کیا گیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اس امر کی ضرورت تھی کہ اس کتاب کا ترجمہ کسی اُردو کے ماہر یا اہلِ زبان کم از کم صحیح اُردو لکھنے والے سے کرایا جاتا۔

انجمن کی طرف سے اس سے پہلے ایک کتاب، مقدمات الطبیعات شائع ہوئی ہے اُسے دیکھ کر ہم نے خیال کیا تھا کہ یہ ایک اتفاقی امر ہے لیکن اب یہ مشاہیر یونان و روما شائع ہوئی ہے۔ اِسے پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ انجمن نے کیوں موجودہ صورت سے شائع کرنے کو جائز رکھا اگر انجمن کو کوئی صحیح اُردو لکھنے والا اس کے ترجمے کے لیے نہ ملا تھا تو یہ اُس کا فرض تھا کہ چھپنے سے پہلے اُس پر نظر ثانی کرتی اور تمام صرفی و نحوی اور روزمرہ، محاورہ کی غلطیاں جن سے اس کتاب کا ہر صفحہ ایک خارستان بنا ہوا ہے درست کر دی جاتیں مولوی عبد الحق صاحب نے اپنے قابل قدر مقدمے میں اس ترجمہ کی نسبت لکھا ہے کہ "میری رائے میں یہ اُردو ترجمہ بلحاظ طرز بیان، سلاست و ظہور مطالب انگریزی ترجمہ پر فوقیت رکھتا ہے" مولوی صاحب موصوف اُردو کے بہت بڑے انشا پرداز اور بہت بڑے نقاد ہیں۔ اس لیے ہم کو یہی شبہ ہے کہ یہ الفاظ اُن کے نہیں ہیں یا تو یہ جملہ الحاقی ہے یا اگر انھیں کی تراوش قلم ہے تو میری رائے میں اُنھوں نے بلا ترجمہ دیکھے محض مترجم صاحب سے حسن ظن کی بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ اس ترجمہ کی یہ حالت ہے کہ کوئی صفحہ تعقید لفظی، یا دو چار قواعد اور محاورہ کی غلطیوں سے خالی نہیں ہے ہم نمونتہً چند غلطیاں لکھتے ہیں اس سے کل کتاب کا اندازہ ہو سکتا ہے

ع "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

"طرفین نکل کر میدان میں" طرفین سے تو نکلا کرتے ہیں لیکن خود طرفین کا نکلنا مترجم صاحب کی ایجاد ہے۔

"آپس میں جدی تھے" حرف جدی کوئی نہیں بولتا یک جدی چاہیے"

"چکر اور چک پھیریاں .... لگانے پڑتے ہیں۔ چک پھیریاں، ذنت ہے۔

"بڑی اونچان پر سے" اونچائی تو سنا تھا اونچان نہ معلوم کیا بلا ہے۔

"سر ارادت رگڑتے" سر ارادت رگڑنا کہاں کا محاورہ ہے۔

"خارج آتے" خارج ہونا محاورہ ہے۔

"حاوی آجانا" یہ بھی بالکل غلط ہے حاوی ہونا یا حاوی ہو جانا بولتے ہیں۔

"گریائی باقی رہی" گریائی جہلا کی زبان ہے۔

"دماغ لڑائے" دماغ کوئی نہیں لڑایا کرتا عقل لڑائی جاتی ہے۔

"لوگوں کو گٹھے چھوڑ دیا گھوڑے تو گٹھے دوڑائے جاتے ہیں"

لیکن مترجم صاحب نے دونوں کو لَٹ چھوڑ دیا۔

"لگے بندھے سے زیادہ اٹھے نہ کم" مترجم صاحب کو محاورات کے استعمال کا بہت شوق ہے لیکن موقع و محل نہیں جانتے اُن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ لگے بندھے کن کو کہتے ہیں اور پیسے لگے بندھے نہیں ہوا کرتے۔

"خلاف تقدس سمجھا" خلاف تقدس چاہیئے۔ عربی الفاظ استعمال کرنے کے لیے تھوڑی سی عربی دانی کی ضرورت ہے۔

"مدحت کرتا تھا" یہ محاورہ بھی مترجم صاحب کی ایجاد ہے کوئی عربی خوان اس ایجاد کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

"بات و رہی" بات در رہی محاورہ ہے۔

"معاملات ہاتھ تلے آگئے" معاملات ہاتھ تلے آنا لغو ہے معاملات کی باگ ہاتھ میں آگئی لکھتے ہیں۔

"بالوں بال بچ گئے" محاورہ تو بال بال بچنا ہے بالوں بال مترجم صاحب کی ایجاد ہے۔

"حب الحنین فی الواقعی بھی علم ہو گیا" اول تو فی الواقعی خود لغو ہے جو بصرف کم سواد ہی بول سکتے ہیں۔ اور اگر یہاں فی الواقع ہی ہوتا اور حب کا دم چھلا اضافہ کیا جاتا تو بھی اس لفظ کے اس موقع پر استعمال کے لیے عربی دانی کی ضرورت نہ تھی صرف اُردو دانی کافی تھی۔ جب اُن کو اصل واقعہ کی اطلاع ہوئی یا حقیقت واقعہ کا علم ہوا یا اصل حقیقت یا حقیقت واقعی معلوم ہوئی وغیرہ وغیرہ لکھنا چاہیئے تھا۔

"بالکلیۃ" یہ بھی ایک ایسی ہی غلطی ہے جیسی فی الواقعی کسی پڑھے لکھے کا کام نہیں کہ وہ کلیۃ کے ساتھ با لگا کر شتر گربہ کرے۔

"انہوں نے رجوع لائے" رجوع لانا بھی کیا خوب! رجوع کیا چاہیئے۔

"اس کو گھسنا نہیں ملتا" واہ وا! کیا فصیح اور کیا صحیح زبان ہے! پھر فرمایئے کہ اس کو گُھسنا نہیں ملتا۔

"بند توہمات سے رہائی دلائی" یہ بند اور کھلے توہمات کیا بلا تھے جن سے رہائی دلائی۔

"خواہش اُپچتی ہے" یہ بالکل نیا محاورہ ہے ٹکسال باہر بولا جاتا ہوگا اہل زبان نہیں بول سکتے۔ ہم سمجھے بھی نہیں کہ خواہش اُپچنے کا کیا مطلب ہے۔

"اطلاق نہ پاتا تھا" مترجم صاحب صحیح اُردو لکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسی ہی دُرفشانی فرماتے ہیں۔ اطلاق پانا کوئی محاورہ نہیں اطلاق ہونا اور کرنا ہے۔

"بزور زبردستی غلبہ پایا" ایک اُردو اور ایک فارسی لفظ میں واو عطف سے کیا خوب رشتہ جوڑا ہے۔

"فارقلیط کے تفویض کر دیئے" اس جملے میں کے کیا خوبصورت معلوم ہوتا ہے بیچارے کو نے کیا قصور کیا تھا جو اُس کی جگہ چھین لی گئی اور صحیح اُردو کا خون کیا گیا۔

"اس معاملے میں بڑے ربط و ضبط سے کام لیا اور کسی قسم کی . . . . شکایت نہیں کی" اس جملہ میں ضبط کے ساتھ ربط کی ضرورت نہ تھی۔

"بطوع خاطر تمام قیدی اُس کے حوالے کر دیئے گئے" مترجم صاحب جب لغت میں طوع کے معنی دیکھیں گے یا کسی سے دریافت فرمائیں گے تو اُن کو سخت شرمندگی ہوگی کہ بطیب خاطر میں تصرف کر کے بطوع خاطر کیوں لکھا۔

"دشمنانگیوں" اس کی کیا ضرورت تھی کہ دشمنیوں کو ترک کر کے جاہل عورتوں کی تقلید کی گئی۔

"اور ان کی نوآبادیاں . . . . . . ساحلوں پر پڑی ہوئی تھیں" نوآبادیاں پڑی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

"یونانیوں کا ویسا ہی جتھہ بن جاتا" مترجم صاحب نے شاید

یونانیون کو شہد کی مکھیان سمجھ لیا جو اُن کے لیے چھتّہ بنانے کی ضرورت پڑی۔

"مَنھ بنے اپنے ذار سے"۔ دار کیا بلا ہے؟ اپنی اپنی باری چاہیئے۔

"شخصی فتوی زدہ" ستمزدہ، مصیبت زدہ وغیرہ وغیرہ الفاظ کہے اور بولے جاتے ہین لیکن فتویٰ زدہ ایجاد بندہ ہے!

"توازن اُنھین دونون ہاتھون مین تلا رہ سکتا تھا۔ توازن تلا نہین کرتا قائم رہا کرتا ہے۔

"شاہنشاہیت"۔ مترجم صاحب بتلائین کہ یہ لفظ عربی ہے یا فارسی۔

"اسی وقت سے اُس کا ڈھال شروع ہوتا ہے"۔ مترجم صاحب کو خیال نہ رہا؛ معلوم نہ ہوگا کہ اس موقع پر محاورہ مین زوال آتا ہے

"ہر ریاست پر حسب حیثیت سے چندہ ڈالا گیا"۔ چندہ ڈالنا کہان کا محاورہ ہے۔

"جدید تحقیقاتون نے" تحقیقات خود جمع ہے۔

اُنھی کا پلّہ غالب، "پلّہ بھاری رہا" چاہیئے۔

"غالون نے متحد ہو کر لڑائی چھیڑی جسمین اخیر تک فتح رومیون کے ہی پہلو پر رہی"۔ لڑائی چھیڑی بھی غلط اور فتح پہلو پر رہی بھی مہمل اور کے ہی کیا؟ ہی کے چاہیئے۔

"تمام جزیرہ اُن کے ماتحت آگیا"۔ اُن کے تحت مین آگیا یا ماتحت لکھنا چاہیئے تھا۔

"قدرتی حسن و جمال کو اس کی جلادت و صولت دوگنا رہی تھی"۔ جلادت نہ معلوم کیا بلا ہے اور دوگنا رہی تھی کیا چیز ہے۔

ہنی ما ل . . . . سیلاب کی طرح . . . . . اُترا۔ سیلاب اُترا نہین کرتا۔

"طرح طرح کے شبہے اور اتہام اُٹھانے لگے"۔ شبہے کرنا اور اتہام لگانا محاورہ ہے۔

"مستقل سکونت بنا کر"۔ سکونت بنانا مہمل ہے۔

"فائدہ مند بحث و تباحث مین"۔ محاورہ بحث و مباحثہ ہے۔

"محسن میزبانون پر حکومت چلانے کا حق طلب کرین"۔ حکومت چلانے کی بھی ایک ہی کہی۔

"اور جن عورتون کے شوہر اُتر جاتے وہ اس عرصہ تک برابر بیوگی کا سوگ رکھتی تھی"۔ شوہر اُتر جانے کا کیا مطلب ہے۔

یہ ایسی غلطیان ہین جو کوئی اہل زبان گو وہ معمولی لکھا پڑھا ہی کیون نہو ہرگز نہین کرسکتا۔ اِن غلطیون کے علاوہ مترجم صاحب نے کہین کہین اپنی شان اجتہاد بھی دکھائی ہے۔ اور کچھ نئے الفاظ وضع فرمائے ہین جو اس سے پہلے نہ قدیم اُردو مین دیکھے گئے اور نہ جدید اُردو مین اور نہ شہری اُردو مین سُنے گئے نہ دیہاتی اُردو مین۔ مثلاً ایک جگہ آپ جھاڑتا ہون تحریر فرماتے ہین۔ ایک جگہ چرسیان (یعنی چمڑے کی پتلی پتلی پٹیان) لکھا ہے اور ایک جگہ تقریبے نیا لفظ ایجاد فرمایا ہے۔ ناظرین کو اگر ان جذبات آفرینون کے دیکھنے کا شوق ہو تو "مشاہیر یونان و روما" ملاحظہ فرمائین یا سطور بالا پر ایک اور نظر ڈال لین ان مین بھی کئی جدید محاورے اور الفاظ مترجم صاحب کی قابلیت اجتہاد کی شہادت دین گے۔

ہم نے سرسری طور سے کتاب کی ورق گردانی کر کے غلطیون کے دریا مین سے چند قطرے نمونتاً پیش کیے ہین ورنہ اُردو مین آجتک کوئی کتاب ایسی شائع نہین ہوئی جسمین اسقدر طومار اغلاط موجود ہو جس قدر کہ اس کتاب مین ہے۔ یہ مع مقدمے کے ۵۰۰ صفحے کی کتاب ہے۔ کوئی صفحہ خالی نہین ہے جسمین ایک دو بلکہ اس سے بھی زیادہ غلطیون کا ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ انگریزی مین جس نے اِس کتاب کا ترجمہ کیا تھا اُس کو سَر کا خطاب دیا گیا تھا مترجم صاحب بھی

اِس کے مستحق ہین کہ اِن کو اُدلیسن کا خطاب دیا جائے

مترجم صاحب جسطرح نئے الفاظ وضع کرنے مین مشاق ہین اِسیطرح آپ کو شاعری مین بھی یدطولیٰ حاصل ہو اور خاں قادر الکلامی مین نہایت بلند پرواز ہین۔ انگریزی ترجمہ مین جسقدر نظمین اور اشعار تھے مترجم صاحب کی جدت آفرین طبیعت کو کب گوارا تھا کہ اُن کا ترجمہ نظم ہی مین نہ کیا جائے۔ اِس مین بھی آپ کی طبع وقّاد نے وہ وہ گل کھلائے ہین جن کو دیکھ کر دنیا کی ہر زبان کے بڑے بڑے شاعرون کی روحین وجد مین آجائین گی۔ گو اُردو کا کوئی مبتدی ان نظمون کو دیکھ کر ضرور چکرا جائیگا۔ ناظرین کے تفنن طبع کے لیے نمونۃً چند شعر پیش کیے جاتے ہین ؎

کھُلنے نہ دے دشراب جلد بہانون کو اے لوگون کے سردار
جب تک کہ تو ایتھنس کو آلیوے ایکبار

اس شعر کا دوسرا مصرعہ اور آلیوے ملاحظہ طلب ہو ؎

وہان نغمہ دیرہ ہین ہم عنان　　قدم زن ہر گلیون مین انصاف دان
بزرگان دانا کے شورے ہین وان　　جوانون کی ہین بے پناہ برچھیان
برقص وطرب جشن کا ہے سمان

نشان زدہ الفاظ ناظرین کی خاص توجہ کے مستحق ہین۔ اگر مترجم صاحب بطور خود اس کتاب کو چھپوا کر شائع کرتے تو ہم کو زیادہ اعتراض کا موقع نہ تھا لیکن یہ کتاب انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شائع ہوئی ہو جس کے قواعد ضوابط کی پہلی دفعہ یہ ہو کہ:۔

"اصلاح زبان یعنی اُردو زبان مین جو خرابیان پیدا ہوتی جاتی ہین اُنھین رفع کرنا اور غیر مانوس اجنبی الفاظ و محاورات جو غیر زبانون کے بلا ضرورت زبان مین داخل ہوتے جاتے ہین اُن سے بچنا اور صحیح و فصیح زبان کو رواج دینے کی کوشش کرنا"

کیا یہی صحیح و فصیح زبان ہو جس کے رواج دینے کی انجمن کوشش کرتی ہو۔ اگر یہی ہو تو اُردو کی فاتحہ پڑھ لینا چاہیئے۔ انجمن کا فرض ہو کہ جو کتاب اُس کی طرف سے شائع ہو اُس کی زبان قابل استناد ہو، اور اگر یہی لیل و نہار ہو تو ہم کو سخت افسوس ہو کہ انجمن اُردو کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا رہی ہو اور کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی کہ اپنے ضوابط کی پہلی دفعہ کیون پامال کرتی ہو۔ اگر اِس کتاب کے بقیہ حصے ترجمہ نہ ہوے ہون تو میری رائے مین کسی دوسرے کو دیدیے جائین، اور اگر بد قسمتی سے وہ بھی ترجمہ ہو گئے ہون تو چھپنے سے قبل اُن پر نظر ثانی کر لی جائے۔ ہم ایک دوستانہ صلاح یہ بھی دیتے ہین کہ آئندہ ترجمہ کے لیے وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو مولانا شبلی مرحوم کے عہد مین تھا کہ جس کتاب کا ترجمہ منظور ہوتا تھا اُس کا اخبارات و رسائل مین پہلے اعلان کیا جاتا تھا اور ترجمے کے نمونے طلب کیے جاتے تھے جس کا ترجمہ اچھا ہوتا اُس سے کل کتاب کا ترجمہ کرایا جاتا تھا۔ یہ طریقہ نہایت موزون اور مناسب تھا۔ اگر کسی خاص مصلحت سے اس طریقہ پر عمل کرنا پسند نہ کیا جائے تو برائے خدا ایسے شخص سے ترجمہ کرایا جائے جو صحیح و فصیح اُردو لکھ سکتا ہو ایسے شخص کو کوئی کتاب ترجمہ کے لیے نہ دی جائے جو اُردو سے بالکل نابلد ہو، لیکن خود کو مجتہد سمجھتا ہو۔

قمر

رباعی

وہ لیل و نہار وہ زمانہ نہ رہا　　وہ مہر و محبت کا ترانہ نہ رہا
اپنا نہین کوئی وقت بد مین شاکر　　بیگانے سب ہین کوئی یگانہ نہ رہا

فکر انجام

خیال اس بات کا بھی اے مسافر ہے ترے لازم رہیگا کب تلک ٹھہرا ہوا ہستی کی منزل مین
رہیگا کب تلک سرگرم بیدادی خود رائی مین وہم کے خیالون مین کہانتک سفینہ فرسائی
گذارا تونے اے نادان مستی مین جوانی کو ذرا کچھ آپ ہی کر یاد تو اپنی کہانی کو
کئی گھر آتش بیکار سے تونے جلا ڈالے غرور مال و دولت مین فغان اُنکے مٹا ڈالے
نہین سوچا کبھی انجام تونے اپنے کامون کا ہمیشہ خلق کو سمجھے رہا ٹولہ غلامون کا
جما ہے خود سری کا نقش باطل کیون خیالون مین رہا ہے عمر بھر نادان تو اسکے دبالون مین

اجل چپ چاپ تجھکو کھینچکر پیری تلک لائی مگر چشم ہوس پرور تری اب تک نہ شرمائی
نہین دیکھا کوئی انسان حقارت کے سوا تونے خدا سے بھی نہین رکھی کہین شرم و حیا تونے
کسی کی عصمت و عزت کو چھوڑا تونے مشکل سے فسانہ زندگی کا اپنی ظالم پوچھ لے دل سے
رہا محو خیال دامن جوش جوانی مین شرارت سے لگاتا ہی رہا تو آگ پانی مین
کوئی دل ہے جو دکھائے تونے محفل مین نہین چھوڑا پیالہ کوئی ساغر ہے جسے تونے نہین توڑا
سیہ کاری تری مخفی رہی شان امیری مین گذاری عمر لیکن نفس کافر کی اسیری مین

بہت کچھ کر چکا اب دیدۂ عبرت کو بھی وا کر
سنوارا اور بگاڑا تونے کیا کیا ہے یہان آکر

بڑے دھبے لگائے تونے تشریف خلافت کو مگر بدلا نہین اب تک ذرا بھی اپنی عادت کو
زمین کو آسمان اور آسمان کو تو زمین سمجھا سمجھ لے اب بھی کچھ نادان اگر اب تک نہین سمجھا
تری شام جوانی کی سحر اب ہونے والی ہے ترے اعمال کی سب کو خبر اب آنیوالی ہے
خلوص قلب سے تائب ہو اور ترک معاصی کر نہ دا امتحان دہر مین یہ آنکھ کو سی کر
قضا پہنچے سے بالآخر جب بیجا نیگی آکر نہ اپنے جوہر عالی کو نادان اور رسوا کر
رہا ہے بس بھری مجلس مین تو بیسود ناکارہ خدارا اب نہ رکھو اپنے دل مضطر کو آوارہ

تری مستی ہے غفلت اے مے دنیا کے متوالے یہ ڈھنگ اچھا نہین اپنے دل نادان کو سمجھالے

نہ ہو آفاق مین حرص و ہوا کا مبتلا بنکر ہوس تیری مٹا دیگی تجھے دست قضا بنکر
مآل کار سے غافل رہ غفلت نہین اچھی شرافت کو نمایان کر کہ یہ عادت نہین اچھی

یہان کچھ امن مین رہنے کا بھی سامان پیدا کر
بجا بیجا سمجھنے کے لیے احساس پیدا کر

جئے گا کب تلک آخر بنکے عاشق خودستائی کا نتیجہ کیا نہین دیکھا بھلائی اور برائی کا
خدا کو بھول مت منہ دیکھکر دنیا کی دولت کا بڑا ہی پُر خطر انجام ہے کفران نعمت کا

یہ مانا بے مثل ہے تیری زیبائی و رعنائی بیگانے بھی ترے عاشق مین بیگانے بھی شیدائی
بہت کچھ تیز ہے ہر دم زبان تیری قلم تیرا بیان ہوتا ہے ہر جا پر فسانہ دمبدم تیرا
ملی ہین مشرق و مغرب سے اکثر ڈگریان تجھکو سمجھ رکھا ہے یاران نے بھی عزت کا نشان تجھکو
مگر اب تک نہ سوجھا تجھکو اپنے نفس کا فریب بگاڑا تونے باطن اور رہا جاتا ہے ظاہر یہ

کریگا ناز بیجا کب تلک اپنی امارت کا نہین ہے مرتبہ بڑھکر بصیرت سے بصارت کا
جہالت سے نہ کر درہم نظام خالق اکبر کہ اس انداز سے مکر سر انین پا چکے اکثر
نہ بہلا اپنا دل تو چھیڑ کر مظلوم کے دل کو تڑپتا دیکھ کر مت ہنس غریب نیم بسمل کو
پسندی تا بکے آخر معلق در ہوا ماندن بذوق حرص بیجا غافل از قہر خدا ماندن

ترے جیسے کروڑون اس فلک نے پیس ڈالے ہین
حمیت کو سمجھتے ہین وہی جو عقل والے ہین

یہ مانا دل ترا ہے مائل حسن پریرویان طبیعت ہے تری مشتاق مانوس سخن دانان
ہے شہرہ ہر طرف یون ہی تیری جامہ زیبی کا ہے چرچا چار سو محفل مین تیری دلبری کا
شہید ناز بننے پر تو اکثر ناز کرتا ہے زبان سے عشق کا ظاہر ہر اک انداز کرتا ہے
مگر پڑ کر ہوس مین تو کہین بیسود نہو جائے خیال بیخودی مین رہ کے تو خود بینی کھو جائے
کہین کشت عمل مین اپنی تو کانٹے نہ بو جانا مآل کار سے اپنے یہان غافل نہو جانا

اگر سمجھے تو، تو خود مظہر شان خدائی ہے
نہان دل مین ترے نور جمال حق نمائی ہے

تو قطرہ ہے مگر ہے قلزم زخار کا ہمسر نشان تیری فضیلت کے ہیں ہستی سے ہویدا ہے
ہوا تو پست ہمت ذرۂ ناچیز بن بنکر ہوا پامال اپنے قصر کی دہلیز بن بنکر

نہیں تجھکو سکھایا دین برحق نے فنا ہونا خدا کے واسطے کچھ سیکھ اب بھی با خدا ہونا
ترا منصب ہے عالی اپنے جوہر آشکارا کر شرر تیرا مشعلہ ہے تو خود کو عالم آرا کر
خیال ہے سمجھداری میں پڑ کر ہی مر رہنا یہاں ہشیار بن رہ سیکھ ہر دم با خبر رہنا
فراغ منظر قدرت کو دیکھ اُسکا تماشا کر پڑا ہے سیپیوں میں کیوں تو اپنا بول بالا کر
رہ ہستی کا ہر ذرہ تری رفعت کا قائل ہے تعجب ہے جو تو ہستی میں ایسی پا بگل ہے
تجھے برخود غلط لوگوں نے بہکایا نشانے سے پلایا زہر قاتل تجھکو شربت کے بہانے سے
نیاز و عجز دکھلا اہل مت آئین خودداری نہایت بے خبر بھی ہے فطرت عالی کی یاری
مگر پیش خدا تو ذرۂ کمتر سے بھی کم ہے مبارک ہے اگر تو بیم حق سے چشم پرنم ہے
ہوئے ہیں اس جہاں میں عارفان باخدا لاکھوں کروڑوں ہی صفیا و اولیا اور انبیا لاکھوں
سبق سب نے دیا ہے خودی و حق شناسی کا یہ اک ماحصل ہے اُن سبکی تعلیم اساسی کا
برے اخلاق ہیں تیرے تو سب کچھ ہیچ ہے تیرا نمود عاجزی بھی اک سر پیچ ہے تیرا

بیا ترتیب دہ بار دگر سامان ہستی را
بلندی را بو رزد دور کن ذلیل و پستی را

قطعہ

کل ملے بازار میں اک حضرت صوفی پیر مرد جھٹ پٹا سا ہو رہا تھا آخری تھا وقت شام
ہاتھ میں تسبیح پیشانی پہ سجدہ کا نشان زیب تن ملبوس ہے اور حاجی بیت الحرام
پیر و مرشد آ گئے اکبار جب میرے قریب دوڑ کر چومے قدم جھک کر کیا میں نے سلام
دیر تک دیکھا کئے پہلے تو صورت مری مجھسے فرمانے لگے پھر بعد استفسار نام
شاعری تحصیل حاصل ہے جنوں ہے آپکو ہاتھ آئے جس سے زر وہ کیجئے دنیا میں کام
موجب تحقیر خود غرضی ہے انسان کے لیے خاص ہے اب ملت احباب میں یہ رسم عام
شیر مادر ہے کسی کا مال ہاتھ آئے اگر مفت کی مے بھی نہیں قاضی کے فتوے میں حرام
دشمنی کی فکر لازم ہے جہاں میں جا بجا دوست وضعداری دشمنی بھی ہے طریق عالم کا نظام
جوہر نفس و حسد ہے آبرو ریزی دوست وقت پر کھنچ جائے جو خود مثل تیغ بے نیام
تشنۂ غیرت کا سودا کیونکہ ہوگا سودمند پی لیا جب تم نے صہبائے تنگ ظرفی کا جام
مذہب و ملت کے جھگڑے دین گئے اور ایمان حاصل غیبت کو جانو دوستی کا انتقام
چاہیئے سو سو طرح پر خلق ظاہر میں فریب باہمی نا اتفاقی کا بچھائیں آپ دام
سچ کہے یہ بات میں مجھے بیساختہ آئی ہنسی میں یہ سمجھا پیر پختہ کاری ہے عقل خام
دانوں میں ایسے سخن ساز نکلے آ گئے کیا صمیم سن چکے جب ہم تو آخر یہ کیا اُن سے کلام
بندہ پرور مذہب و ملت ہے اپنا تو یہی
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

(سوز و ساز)

او خیال یار تیری میزبانی کو بہم فرش رہ رہتے ہیں سینوں میں سیلاب شادی و غم
میزبانی ہے تو ہر چند نقش دلنشین کوئی راز روزگار ایسا نمایاں تر نہیں
کیا ہے آخر سر میں یہ ہنگامۂ جوش جنون کیوں دل خوں گشتہ پہنے ہے قبائے لعل گوں
بند غم سے کسطرح ممکن ہے آزادی مجھے جب تصور ہے کسی کا نغمۂ شادی مجھے
سوز غم کے نہاں ہے دلگداز و داستان جس سے وصل و فصل کا ہوتا ہے پیدا اک نشان
ایک دنیائے تصور دل میں جو آباد ہے محفل عشرت ہے اور معمورۂ بیداد ہے
غم کے ہاتھوں اشک ہیں آنکھوں سے جاری دمبدم اور پھر محو تصور کو نہیں پروائے غم
عشق پہچانے کسطرح وابستۂ نخل حیات لذت آزار غم ہے طرفہ راز کائنات
درد و غم جاہ و حشم اور یہ جو جسم و جان ہے اک خیال روئے جاناں پر سبھی قربان ہے
عقل حیراں ہے اگر نیرنگ دنیا دیکھ کر
دل ہے بیخود دیدۂ رنگ دوئی دا دیکھ کر

(موسم برسات کی صبح)

(ایک بچہ کی نظر میں)

آج جس وقت مجھے تم نے جگایا اماں اپنے اور نیند کے پہلو سے اٹھایا اماں
آسمان کملی تھا اوڑھے ہوئے کالی کالی تازگی اور سفیدی سے فضا تھی خالی
نہ اندھیرا ہی تھا شب کا نہ اجالا دن کا رات کے گرد نظر آتا تھا ہالا دن کا

اک بلندی کی کڑک پستی کو دہلاتی تھی — دل ہلاتی ہوئی آواز سنی جاتی تھی
صبح ہر چار طرف روتی ہوئی پھرتی تھی — اپنا مُنھ آنسوؤن سے دھوتی ہوئی پھرتی تھی

جیسے ننھا سا مین بیٹا ہون تمھارا آمان! — ایسے اک صبح کا بھی لال ہے پیارا آمان!
جیسے مین کھیلنے جاتا ہون بہت دور کہین — ایسے ہی شرق مین ہے آج وہ مستور کہین

کھو گیا ہے نظر آتا نہین بچہ اُس کا — ڈھونڈھتی لاکھ ہے پاتا نہین بچہ اُس کا
دیکھو تو صبح کا دل سرد ہے بے نور ہے آنکھ — اپنے بچے کے تصور ہی سے معمور ہے آنکھ

مجھ کو جانے دو کہ مین ڈھونڈھ کے لاؤن اُسکو
غمزدہ صبح کے پہلو مین بٹھاؤن اُسکو

مرد نابینا

نابینا بینا دیگر لوگ مرد یا عورت

کسی نے مرد نابینا سے پوچھا — کہ تجھ کو عیش دُنیا کا مزا کیا؟
نظر آتی نہین صورت کسی کی — نہین تجھ سے بُری حالت کسی کی
سدا چلنا رہا دشوار تجھ کو — کہا کرتے ہین سب دیوار تجھ کو
جو ہین میلے تماشے اُن سے محروم — طبیعت رات دن رہتی ہے مغموم
تجھے دشواریان آتی رہین پیش — ترے نزدیک یکسان نوش اور نیش
تجھے ہموار نا ہموار کا خوف — تجھے ہر طرح کے آزار کا خوف
تجھے کہتے ہین سب بے ایمان ظالم — جلاتے ہین ہمیشہ جان ظالم

کہا اُس نے کہ اے انسان ہمدرد — ہزارون یون تو بھرتے ہین دم سرد
مگر اس کی ضرورت کچھ نہین ہے — کہ ہے دنیا مین اک عبرت بڑی شے
لبون پر شکر یان رہتا ہے جاری — زبانین ہین یہان اک اک کی عاری
رہا مین عیب بینی سے مبرا — نہین ہے نکتہ چینی میرا شیوا
میرا میلے تماشون سے ہے دل سیر — نظر آتے ہین اُن کو لاکھ اندھیر

ہزارون رنگ ہین دنیا مین لیکن — مرے نزدیک یکسان رات اور دن
رہا دل اُن کا ڈانوان ڈول اکثر — مرے دل مین سکون و صبر یکسر
بھٹکتا ہے دل اُن کا دیکھ کر مال — کیا ہے مین نے سب اسباب پامال
ترستی ہین وہان آنکھین کسی کی — یہان تکتے نہین راہین کسی کی
حسینون کی نظر آئی جو صورت — بنے اک آن مین پتھر کی مورت
اگر ترچھی نظر کا تیر کھایا — بھرے گھر کا کیا دم مین صفایا
مرے نزدیک ان ہنسین ہین عورت — نہین چھپنے چھپانے کی کہین بات
نہین مُنھ پھیرنے کی مجھ کو حاجت — نہین ہٹنے کی اُن کو کچھ ضرورت
کیا کرتا ہے چوری آنکھ والا — مجھے سب ایک کمّل اور دوشالا
جسے پہچان ہو خالی بھرے کی — جسے تمیز ہو کھوٹے کھرے کی
اُسی سے پوچھتے ہین لوگ یہ بھی — کہ دیکھی ہے یہان ٹوپی ہاری
کسی نے آجتک پوچھا نہ مجھ سے — کہ میری چیز بھی دیکھی ہے تو نے
اُنھین خود اپنے نقصانات کا ڈر — بچا دیتے ہین مجھ کو لوگ اکثر
رہے سب وہ تو دتقت ہوشیاری — مری ہوتی رہی یان غمگساری
مجھے لالچ نہین نفرت نہین ہے — مرے نزدیک کچھ عزت نہین ہے
نہین کرتا کبھی آداب و تسلیم — نہ کی مین نے کبھی تعظیم و تکریم
مین خود کرتا نہین عزت کسی کی — ہمیشہ اپنی عزت ہوتے دیکھی
نہین مین نے بنایا آجتک جعل — مرے نزدیک یکسان پتھر اور لعل
اُنھین بدصورتون پر نفرت آئے — کوئی تھوکے تو کوئی مُنھ بنائے
مین ان باتون سے ہون بیزار بالکل — مرے نزدیک یہ بیکار بالکل
چھپا دیتا ہون مین ہر ایک کا عیب — نہین کہتا کسی کا بھی ذرا عیب
بگڑ جائے کوئی میرا اگر کام — تو مین اصلا کسی کو دون نہ الزام
اگر کم تول کر دین مجھ کو کیا غم — اگر تھوڑی ملے مین ہون نہ برہم
بھروسہ مجھ کو سب کے کام پر ہے — مری اللہ پر ہر دم نظر ہے
بہت تکلیف مین ہین آنکھ والے — ہوے ہین زخم اُن کے دل کے آلے

ضرورت اُن کو ہر دم دیکھنے کی ہمین عادت نہین غم دیکھنے کی
ہم اتنے پر بھی بے ایمان کہلائین تعجب ہو کہ وہ انسان کہلائین
رہین یکسو مرے سارے خیالات پریشانی وہان ہیہات ہیہات
وہ اتنی ہوشیاری پر بھی نادان ہین اِن کمزوریون پر شادو فرحان
تو اے عقل مین اُن کے کمی ہے اسی باعث سے شاید برہمی ہے

ترقی پر یہان ذہن رسا ہے
کہ سر پر سایۂ لطفِ خدا ہے

یادِ ایامِ عیش

کامرانی محبت کامرانی مراد عالمِ حیران مین اب تو خواب مین وہ لذتین
وہ نشاطِ عیشہاے یاوری بخت اور وہ سرتہاے گوناگون اور وہ عشرتین
برہمی بزمِ عشرت سے وہ بیفکری مری وہ زمانہ جبکہ عنقا تھین الم کی دہشتین
وہ نسیم جوشِ عشرت کے جھونکے خوشگوار کیفیتہاے سرورِ عیش کی وہ شدتین
وہ مری ہر بات مین آجانا شان اعتلا نازشِ بخت رسا اعداسے وہ وہ نخوتین
حوصلہ افزائیہاے چشمِ لطف دوست پر جوششِ طوفان اسمان حسرتون کی کثرتین
یاد بھی آتا نہ تھا مجھ کو کبھی نام فراق بیخودی وصل مین تھین اس غضب کی غفلتین
فرطِ جوشِ شادمانی اور مجھ کو دیکھ کر دانت مین انگلی دبانا خلق کی وہ حیرتین
ہاے وہ ایامِ خوش اے ہاے وہ دورِ نشاط خواب مین دیکھی نہ تھین جب رنج و غم کی صورتین
یا وہ دن تھے مین سدا رہتا تھا سرمستِ طرب یا ہین اب قسمت سے ہر دم تازہ تازہ کلفتین
ہون گرفتارِ طلسمِ ابتلا اور روز و شب ہین مصیبت لے سے ہوس کی دل پہ پہیلتین

چپ! گلا سنجی عبث ہو مائل محرم عیش
ساتھ ہین قسمت کے سارے عیش ساری عشرتین

ریحان

تازہ غزلین

۱۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر (خیرآبادی)

کیون یہ اُن بن ہو روح سے دل سے لیسلے روٹھی ہوئی ہو محل سے
پوچھتی ہین یہ حسرتین دل سے کیا نہ چھوٹین گے قید منزل سے
تیغ مقتل مین کہتی ہو دل سے سیکھ انداز رقص بسمل سے
وصل مین تک رہے ہین منھ اُنکا میرے ارمان گوشۂ دل سے
آئی شیشے سے ڈھل کے ساغر مین یا پری نکلی شیش منزل سے
غازہ ملتی ہے یار کی تلوار رخ تابان پہ خونِ بسمل سے
دل ہوا خون جل بسے ارمان آج پہرا اُٹھا درِ دل سے
غنچے کمسن ہین چونک پڑتے ہین باغ مین نالۂ عنادل سے
رنگ لایا برنگ برگ حنا دل مرا لپس کے پاے قاتل سے
منھ چھپا کر وہ ذبح کرتے ہین پردہ کرتے ہین چشم بسمل سے
حد ہے کچھ اضطراب مجنون کی نکلی پڑتی ہے لیلی محمل سے
تن بیجان ہے خاک پر غلطان روح لپٹی ہے تیغ قاتل سے
گدگداتے ہین ناوک قاتل دل لگی ہو رہی ہے بسمل سے
گل شرابور رہین پسینے مین گرمیِ صحبتِ عنادل سے
چٹکیان لے رہے ہین دلمین تیر چھیڑ اچھی نہین یہ بسمل سے
کس کے آنے کی دھوم ہو شبِ وصل نکلی پڑتی ہین حسرتین دل سے
حسرتِ دید ہو بُرا تیرا گر گئی تیغ دستِ قاتل سے

دلِ کوثر کے حوصلے نکلے
آج مقتل مین تیغ قاتل سے

۲۔ نواب سید بہادر حسین خانصاحب انجم (نشاپوری)

عالم مین تشنہ لب کوئی بسمل نہین رہا بے آب پھر بھی خنجرِ قاتل نہین رہا
زندون کی شکل مین دل بسمل نہین رہا ناکام اب اجل کے بھی قابل نہین رہا

بیمار جو ہین نقل مکان کرتے ہین ضرور   ہے آنکھ مین وہ آنکھ اگر دل نہین رہا

خود جذبِ دل شریک ہوا میرے قتل مین   اب شکوۂ نزاکتِ قاتل نہین رہا

عالم ہلاک ہی تری تیغ کی آب سے   کتنا بڑھا یہ بحر کہ ساحل نہین رہا

تڑپا ہون مین یون سرِ زمین اُسکی راہ مین   اپنی جگہ پہ جادۂ منزل نہین رہا

مشہور تھا کہ شیخ بڑے مرشدون مین ہی   پیر مغان کے سامنے کامل نہین رہا

کیون آیا منھ چھپا کے خرابات مین شیخ   یہ رنگ اعتبار کے قابل نہین رہا

وعدہ کی شب نے زہر سے دکھا ہی میل ہاتھ   بگڑا ہی وہ بھی کام جو مشکل نہین رہا

عاشق بھی مین ہوا تو رہی التجا سے عار   اُلٹا جو دل تو کاسۂ سائل نہین رہا

آتا ہی مجھ کو طائرِ رنگِ حنا پہ رشک   قاتل کے ہاتھ مین بھی جو بسمل نہین رہا

اے تو سہی کہ بات یہ میری ہی سی کہے   کیا تم نے لے لیا تو مرا دل نہین رہا

کہتا ہی مرغِ قبلہ نما اُس کے عشق مین   عاشق نہین جو صورتِ بسمل نہین رہا

قایم ہی جس طرح سے مرے دل مین بزمِ یار   یون آئنہ مین حلقۂ محفل نہین رہا

اللہ رے اشتیاق مرا اُنکی راہ مین   اک دم قیام سیکڑون منزل نہین رہا

سویا نہ ساتھ خواب مین بھی آکے حیلہ جو   یون بھی وہ اپنی چال سے غافل نہین رہا

فریاد اپنی آپ کرین گے وہ حشر مین   اب وہ اُنھین کا ہی جو مرا دل نہین رہا

اللہ رے زلزلہ مرے لوحِ مزار کا   یون بیقرار سینۂ بسمل نہین رہا

اب آ رہی ہی خلق زیارت کے واسطے   اچھا ہوا جو ایک مرا دل نہین رہا

برباد کر دیا ترے قیدی کی موت نے   اک شہر خانہ ہاے سلاسل نہین رہا

انجم کبھی تو اپنا کلیجہ سنبھال کر

اُن سے کہو تمھاری طرف دل نہین رہا

۳۔ نواب سید صادق حسین خان صاحب نہال (عظیم آبادی)

درد دل کے ساتھ صرفِ نوکِ پیکان ہو گیا   جنبشِ ابرو کا سر پر منتِ احسان ہو گیا

مرکے جی اُٹھے قیامت خیز سامان ہو گیا   جب کبھی اس راہ سے وہ آفتِ جان ہو گیا

ہو گئی تاریک دنیا خاک امکان ہو گیا   دن ڈھلے آفتاب آنکھون سے پنہان ہو گیا

قتل کرنے کے لیے بیٹھے ہی تھا عاشق پہ تیز   اور کھنچ کھنچ کر وہ ابرو تیغِ بُرّان ہو گیا

مشکلون کی سختیون سے مشکلین آسان ہوئین   درد بڑھ کر اپنے حق مین آپ درمان ہو گیا

کیا ہی اک ہٹ کھنڈا دستِ جنون کو یاد تھا   تھا جو گردن مین گریبان پھٹ کے دامان ہو گیا

اشتیاقِ دید مین گردن ہزارون کٹ گئین   ابروے قاتل ہلالِ عیدِ قربان ہو گیا

خال سے خط نے اُس صنم کے لب کی مہرین توڑ دین   کلمہ پڑھ کر دل سا کافر بھی مسلمان ہو گیا

آج رہ رہ کر تڑپے دیوانۂ دل تنگ سے   کہتی ہی وحشت کہ اب صحرا بھی زندان ہو گیا

اے جنون اُڑا کے کب تک خاک صحرا ڈھانکتی   تار تار پیرہن سے عشق عریان ہو گیا

بن کے شانہ کاش اُن زلفون کے عقدے کھولتا   کیون بنا دل آئنہ ایسا کہ حیران ہو گیا

دیکھ لیتے دامنِ قاتل پہ خود اپنا لہو   دھار خنجر کی مُڑی کیا خون ارمان ہو گیا

تم نے میرے بعد آنسو پونچھ ڈالے بھی تو کیا   پھیل کر آنکھون کا کاجل رنگ مژگان ہو گیا

لوٹتی ہے خاک بلبل ہر روش پر اے نہال

جو چمن آباد تھا کل آج ویران ہو گیا

۴۔ منشی عبد الخالق صاحب خلیق (دہلوی)

نظر بھر کر تجھے دیکھے کوئی تاب نظر کیا ہی   تجلی رخِ پُر نور سو پردون کا پردا ہی

کہون کیا اپنے منھ سے مین کہ میرا مدعا کیا ہی   نگاہون سے سمجھ لین آپ جو دل کی تمنا ہی

بظاہر اشک حسرت ہے حقیقت ایک قطرا ہی   گُہر ہی تا سرِ مژگان جو بہ نکلے تو دریا ہی

کدورت دل کسی کا اب کسی سے صاف ہوتا ہی   جلا کیا خاک اکسیر آئے جو آئینہ اندھا ہی

قدِ آدم اک آئینہ ہی یا اُس کا سراپا ہے   یدِ قدرت نے پُتلا نور کا سانچے مین ڈھالا ہی

اُمنڈ آئی ہی دنیا ایک ہنگامہ سا برپا ہی   تماشا ہی سرِ محشر گنہگارون کا میلا ہی

نہ محوِ رقصِ بسمل ہو لگا چاک اُٹھ جلدی سے   ستمگر دیکھتا کیا ہی کوئی یہ بھی تماشا ہی

دمِ آخر ہی اب تو جاتی دنیا دیکھ لو آکر   عیادت کی عیادت ہی تماشے کا تماشا ہی

قیامت ہی ترے حسنِ نظر افروز کا جلوہ   پھر آغاز جوانی اور سونے مین سہاگا ہی

جن آئی ایک عالم مر رہا ہی حسن پر تیرے   تری تیغ ادا سے موت کا بازار ٹھنڈا ہی

مرقع رنج و راحت کا ہی یہ دنیائے فانی بھی   کوئی پھولون مین تلتا ہی کوئی کانٹون مین اُلجھا ہی

عدو نے نیش زن کو تم اُٹھا دو اپنی محفل سے   یہ وہ کانٹا ہی جو میری نگاہون مین کھٹکتا ہی

زبان خنجر ہی نظرین تیر ہین شمشیر ابرو ہین   جو مرنے والے مرجاتے ہین تو پھر [illegible] مہیا ہی

اُٹھا کر دل کو جو چٹکی میں کیا پہلے پسند اُس نے ہوئی معلوم جب قیمت تو یہ فرمایا کہ مہنگا ہے
تم اپنے وصل کی حسرت کسی مجبور سے پوچھو وہی واقف ہے قدرِ عیش سے جو غم کا پتلا ہے
وہ کہتی ہیں ہو پردے میں کہتی ہے کھل کھیلو حیا کا یہ تقاضہ ہے، وہ شوخی کا اشارا ہے
دلاتا ہوں جو خوفِ حشر تو ظالم یہ کہتا ہے ابھی سے فکر کیا روزِ قیامت کس نے دیکھا ہے
ہزار ارمان سے دیکھا ہے ہم نے دن مرادوں کا بڑی مشکل سے اُن کو آج شیشے میں اُتارا ہے
مرا ٹوٹا ہوا دل بھی نکما ہو نہیں سکتا شکستہ ہے تو ساغر ہے جو سالم ہے تو شیشا ہے
ہر اک تصویر میں ہے عکس افگن جلوۂ معنی یہ دنیا ہے خیالی کیا ہے اک آئینہ خانا ہے
چلے کس شان سے ہیں جان دینے مجرمِ اُلفت اجل ہے آگے آگے سر پہ تلواروں کا سایہ ہے

خلیقِ مضطرب بزمِ سخن تک مجھکو دلّی سے
جنابِ نجم کا جذبِ محبت کھینچ لایا ہے

۵۔ منشی صفدر علی صاحب صفدرؔ (مرزاپوری)

جن سے اشارے چشمِ فسونگر کے ہوگئے وہ دیکھتے ہی دیکھتے پتھر کے ہوگئے
پروا نہیں جو سیکڑوں بے سر کے ہوگئے کچھ امتحان تو تیغِ ستمگر کے ہوگئے
کیا جانے کوئی عاشق و معشوق کی ادا شکوے بھی ہوگئے تو برابر کے ہوگئے
ہونٹوں کو چوم لیتا ہے اُس مستِ ناز کے ساقی یہ حوصلے ترے ساغر کے ہوگئے
اتنا ڈرے کہ جان ہماری نکل گئی ناوک کبھی خطا جو ستمگر کے ہوگئے
یہ شوخیاں تو ناوکِ مژگاں کی دیکھئے سو زخم میرے دل میں برابر کے ہوگئے
کچھ بن پڑا جواب نہ میرے سوال کا چُپ سامنے وہ داورِ محشر کے ہوگئے
ہے اُن کے چاہ سے ساتھ نہ چھوٹیگا عمر بھر نالے مزاج دانِ دلِ مضطر کے ہوگئے
افتادہ مدتوں جو رہے لاغر و نحیف زنجیر کی طرح وہ ترے در کے ہوگئے
مجھ سخت جان کا کام نہ جب ہو سکا تمام ٹکڑے انھیں کے ہاتھ سے خنجر کے ہوگئے
بس یہ ہوا کہ حشر میں اک گرد سی اُٹھی سب فتنے اُنکے آپ ہی ٹھوکر کے ہوگئے
گردش بھی کی تو سوئی ساعت کی طرح سے جس گھر سے ہم چلے تھے اُسی گھر کے ہوگئے
پہلی سی ہائے انجمن آرائیاں کہاں کیا کیا نہ دورِ شیشہ و ساغر کے ہوگئے
اب تو مزاج آتشِ تر آگ ہوگیا ٹپکے جو اشک آبلے ساغر کے ہوگئے

بزمِ فلک میں جب سے انھیں بار مل گیا
اب کچھ مزاج اور ہی صفدر کے ہوگئے

۶۔ حافظ محمد یعقوب صاحب اوجؔ (گیاوی)

ہوئیں پامال لاکھوں تربتیں ظالم کی ٹھوکر سے قیامت ہوگئی برپا خرامِ ناز دلبر سے
فراقِ گلرخاں میں سوکھ کر میں ہوگیا کانٹا نقاہت نے مشابہ کردیا ہے میں بستر سے
مقدر میں لکھا تھا خون ہونا آرزوؤں کا مرے خط کا جواب اُس نے لکھا خونِ کبوتر سے
برنگِ آسمان گردش میں پیمانہ رہے ساقی گھٹا گھنگھور چھائی ہے لئے گلگوں کا مینہ برسے
نہ لگ جانیکا ہے خوف مجھکو اے قمر طلعت نہ نکلو رات کو گھر سے بچو تم چشمِ اختر سے
تڑپتا ہے یہ دل بجلی کی صورت ہجرِ جاناں میں برستا ہے لہو کا مینہ ہمارے دیدۂ تر سے
نکیلی چتونیں تیر و سناں کا کام کرتی ہیں تمہارے ابروئے پرخم ہیں بڑھکر تیغ و خنجر سے
کیا جو خون میری حسرتوں کا چرخِ ظالم نے شفق بنکر وہی نکلا جبینِ مہرِ خاور سے
ہوس ہے غلط سیماب سے اکسیر کا بننا ہمیشہ خاک چھنوائی فلک نے کیمیاگر سے
گئے ہم تشنہ لب جب گرتے پڑتے کوئے قاتل میں ترس کھا کر کیا سیراب آبِ تیغ و خنجر سے
امیرِ لکھنوی کا نام روشن ہے زمانے میں ق رہا ہے دکو ترد مقطع جلیل و آہ اختر سے

اُسی در کا گدا اے بینوا ہے اوجِ مسکیں بھی
ملی صہبائے مینائی مجھے بھی جامِ کوثر سے

۷۔ منشی محمد عبد الحکیم صاحب نشترؔ (جالندھری)

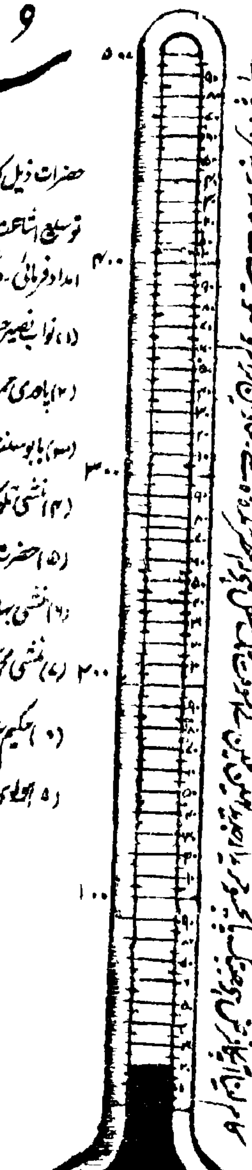
تلاشِ یار میں نکلے چمن سے بو ہوکر ہوئے ہم آپ ہی گم محوِ جستجو ہوکر
جنوں میں باغ کی دیوار پھاند آیا ہے ہوا کے دوش پر اُڑ جاؤنگا میں بو ہوکر
ابھی تو اشک کو دامن میں جذب کرتے ہو کچھ اور رنگ نہ لائے یہ دل لہو ہوکر
جدھر نگاہ کرو وہ ادھر ہے جلوہ نما نماز پڑھتے ہیں کیوں لوگ قبلہ رو ہوکر

خیالِ عصمتِ بنت العنب ضرور رہے
پیو شراب جو نشتر تو باوضو ہوکر

قدرشناسان العصر کی خدمت مین

اپیل

معزز معاونین العصر کی خدمت مین ہم ادب سے التماس کرتے ہین کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہین اور اس کو ملک اور قوم کے حق مین مفید تصور فرماتے ہین، تو آپ کا یہ ملکی اور قومی فرض ہے کہ اس کی توسیع اشاعت مین دل سے کوشش فرمائیے کیونکہ اس کی مالی حالت جب خطرے مین نہین رہیگی، تو ہم اس کو مفید ترین اور اعلیٰ ترین درجے پر پہنچانے کی کوشش بآسانی کر سکین گے ہم اپنے معزز خریدارون کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہین چاہتے کہ ہر خریدار اسکو اپنا فرض جانے کہ وہ العصر کے لیے دو خریدار اور پیدا کریگا اور جبتک یہ جدید خریدار پیدا نہو جائین اس فرض سے اپنے تئین سبکدوش خیال نکرے ہم امید کرتے ہین کہ العصر کے معزز قدرشناس ہماری اس ناچیز درخواست پر تہ دل سے توجہ مبذول فرمائین گے۔



العصر کی زندگی کا دارومدار اسپر ہے کہ اس تھرامیٹر کا پارہ ۵۰۰ ڈگری پر پہنچ جائے۔ ایک ڈگری سے مراد ایک خریدار ہے۔ العصر کو زندہ رکھنے کے لیے سعی و کوشش سے کام لینا آپکا فرض ہے جبتک پانچسو خریدار جدید نہین ملین گے اسوقت تک مشکل ہے کہ العصر زندہ رہ سکے۔ معاونین کرام کو خصوصیت کے ساتھ توجہ فرمانا چاہئیے۔

شکریہ

حضرات ذیل کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھون نے توسیع اشاعت کے ذریعہ سے العصر کی امداد فرمائی۔ دیگر معاونین کی توجہ درکار ہے:

(۱) نواب نصیر حسین خان صاحب خیال ۸ خریدار
(۲) بابو حمیدالدین صاحب سالک ۴ خریدار
(۳) بابو بسنت لال صاحب عنبر ۳ خریدار
(۴) منشی تلوک چند صاحب محروم ایک خریدار
(۵) حضرت ماہر اکبرآبادی ”
(۶) منشی بہادر حسین صاحب عرائض نویس ”
(۷) منشی محمد اسمٰعیل صاحب کانپور ”
(۸) حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ”
(۹) مولوی احسن الشیخ علی محمد صاحب کاکل ”

تصنیفات مولوی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم

الحقوق والفرائض - یہ ضخیم کتاب تین جلدون مین ہی جلد اول مین پہلے ایک تمہید ہی اس کے بعد **حقوق اللہ** یعنی ایمان باللہ ایمان بالانبیاء ایمان بالکتب ایمان بالملائکہ ایمان بالیوم الآخر ایمان بالقدر توحید مالغت شرک صلوٰۃ طہارت نجاست حقوق قرآن اور خدا کی قسم کا ادب کفار وغیرہ کا بیان ہی جلد دوم مین **حقوق العباد** یعنی حقوق پیغمبر حقوق النفس حقوق علماء، حقوق اولاد، حقوق والدین، حقوق زوجین، حقوق قرابت و ہمسایہ، حقوق یتامیٰ، حقوق اہل معاملہ حقوق دشمن وغیرہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہی اور جلد سوم مین مضامین **اخلاق و آداب** مطابق حکم شریعت درج ہین - مثلاً علو ہمتی، صدق، راستی، عفو درگذر، تواضع، عجز، حفظ، لسان، صبر، آداب حاکم و محکوم، آداب ملاقات، آداب مجلس آداب النظر و غیرت آداب اللباس، اور آداب السفر وغیرہ وغیرہ کو نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہی-

یہ کتاب عمدہ سفید ولایتی کاغذ پر طبع ہوئی ہی- قیمت تینون جلدون کی للعہ مجلد صہ ۱۲

اجتہاد - اس کتاب مین یہ بات ثابت کی گئی ہی کہ اسلام اور اس کے معتقدات اور اصول اعمال سب فطری ہین یعنی انسان خواہ کسی مذہب کا گرویدہ ہو اگر پورے غور و فکر سے کام لے تو قطع نظر کسی دلیل خارجی کے اُس کی طبیعت کا تقاضا خود بخود اسلام و ارکان اسلام کی معقولیت کو قبول کرنے پر مجبور کرے گا کاغذ سفید ولایتی - قیمت عہ - مجلد عہ

ادعیۃ القرآن - یہ کتاب اُن لوگون کے لیے ہی جنھین تلاوت قرآن کے ساتھ اوراد اور وظائف کا بھی شوق ہی- اس مین ایک مختصر مگر نہایت مفید دیباچہ ہی- دیباچہ کے بعد چار تمہیدی ابواب ہین جن مین (۱) دعا کے انسانی فطرت مین داخل ہونے (۲) حکم دعا اور وعدہ قبول (۳) خدا کے سوا کسی دوسرے سے دعا کی ممانعت (۴) دعا کی قبولیت کے اسباب و شرائط - ان کے بعد رسول عربی سے لیکر آدم تک جسقدر انبیاء ہو گذرے ہین ان کی سب دعائین ترتیب وار درج ہین- - ہر دعا کے الفاظ عربی خط مین لکھے گئے ہین اور بالمقابل ترجمہ ہی- فٹ نوٹ مین ہر دعا کی شان نزول ہی اور پیشانی پر جلی حرفون مین ہر دعا کا خاصہ ہی- غرض وظیفہ خوان مردون عورتون بچون کے لیے نہایت مفید کتاب ہی- قیمت صرف ۶

دہ سورہ فی احسن صورہ - یہ بتانا مشکل ہے کہ پنج سورون کا رواج کب اور کیون ہوا - مگر بہت پرانے پنج سورے دیکھنے مین آئے ہین - اس سے ثابت ہوتا ہی کہ پنج سورون کا رواج سینکڑون برس پہلے سے چلا آتا ہی- سارے قرآن کی تلاوت دیر طلب ہی کسی نے اتفاقی طور پر اپنی رائے سے سورہ یٰسین، الرحمن، تبارک الذی واقعہ، مزمل پانچ سورتین منتخب کر کے ان کا ورد بنا لیا - لوگون کی فرمائش سے مولانا نے متداول پنج سورے مین پانچ اور سورتین بڑھا کر "دہ سورہ" مرتب کیا ہی- قیمت ۸

حیاۃ النذیر - شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد خان، ایل ایل ڈی، ڈی او ایل، دہلوی کے زندگی کے مفصل حالات اور اُن کی مذہبی، قومی اور علمی خدمات کا مفصل بیان - مرتبہ سید افتخار عالم بلگرامی ثم المارہروی - بڑی تقطیع کے پونے سات سو صفحہ پر کتاب ختم ہوئی ہے-

قیمت صرف سے مجلد ہے

منشی بہاری لال صاحب ٹھاکر (میرٹھی) مالک و ایڈیٹر کے لئے بابو منوہر لال صاحب بھارگو بی اے نے نولکشور پریس لکھنؤ میں چھاپکر شائع کیا۔

رجسٹرڈ نمبر ا ے ۶۰۹

مئی سنہ ۱۹۱۷ء

ادب اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول

(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت فی پرچہ ۷ر

العصر

مئی سنہ ۱۹۱۷ء

جلد ۹ — نمبر ۵

فہرست مضامین

شکریہ گزشتہ نمبر کی اشاعت کے بعد اب تک حضرات ذیل نے توسیع اشاعت کے ذریعہ سے العصر کی امداد فرمائی ہے جنکا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے دیگر معاونین و قدرشناسان العصر کو بھی جلد توجہ فرمانا چاہیئے :- (۱) پادری حمید الدین صاحب سالک - دو خریدار (۲) نواب نصیر حسین خان صاحب خیال - ایک خریدار (۳) مسٹر ایس ڈبلیو ٹیلر - ایک خریدار (۴) مولوی عبد الجبار صاحب حیدرآباد (دکن) ایک خریدار

قواعد و ضوابط

رسالہ العصر ہر ماہ کی آخری تاریخ کو نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے -

(۱) اس رسالہ کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے ؎ مع محصول ہے اسمین کمی ناممکن ہے -

(۲) نمونہ کے لیے ۳ آنا چاہیئے مفت نہین ملے گا -

(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے بعد حساب نہین

(۵) خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیئے -

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے -

(۷) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیے کتابین تبادلے کے لیے اخبارات و رسائل بنام منشی پیارے لال صاحب شاکر مالک و ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیے جائین -

(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون چھاپا جائے گا، نا تمام مضامین بھی نہ لیے جائین گے -

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا، مگر اسمین اور تخییل مضامین کی تخصیص ہے *

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ۔ علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتون اور ایجادون کی کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر انیسوین تک وقتاً فوقتاً عمل مین آتی رہی ہین۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہو کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتون اور ایجادون مین کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہو مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویرین دی گئی ہین۔ قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ/

عجیب وغریب صدی۔ دی ونڈر فل نینٹینتھ سنچری ریڈ مصنفہ الفریڈ رسل والس کا اُردو ترجمہ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم و عجائب گھر کہنا چاہیے اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی مین حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہین۔ حرارت، روشنی اور برق نے جو عجیب کام بری اور بحری دنیا مین کیے ہین وہ عالمانہ طور پر کتاب مین مندرج ہین۔ علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون، اجرام فلکی علم الارض اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہین حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۹ مجلد ۱۳/

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ و مفید کتاب ہو جسمین چاند سورج، ستارون سیارون دمدار تارون ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری ان کی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت، اثرات، روشنی حرارت برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائین۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف ۱۰ مجلد ۱۲/

حیات شمع۔ جسمین شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اغیا پیدا ہوتی ہین شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت کوئلہ کوئلہ کی گیس کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین قیمت ۶/

پھولون کی کہانی۔ جسمین پھول کے اعضا افعال و خواص بناوٹ اصطلاحی نام درجہ بندی تولید شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے رہنے سہنے وغیرہ کے مفصل اور بالتصویر حالات درج ہین قیمت ۸/

مشرق کی نابود شدہ تہذیب۔ کتاب کیا ہو ایک عبرت کا دفتر ہو یا یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع جسمین یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو۔ نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیکی، حتی، بابلی، خالدی، اسوری، عرب ایرانی مصری، یہودی وغیرہ کے وہ تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب و شائستگی کا سلسلہ سمجھے جاتے ہین قیمت ۶/

اصول پالیٹکس۔ تعریف نام سے ظاہر ہو جو لوگ پالیٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین مناسب ہو کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین قیمت ۱۰ مجلد عہ/

فلسفۂ الوہیت یعنی سری بھاگوت گیتا مع ترجمہ و تشریح مولفہ لالہ پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی حجم ۴۰۰ صفحات۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز۔ توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہین۔ طبع چہارم۔ مجلد قیمت عہ/

اپنشدون کی تعلیم۔ اس کتاب مین اپنشدون کا مذہب یعنی خدا انسان دنیا کی پیدائش تا ملی اور انتہا انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت اور بندھ اور موکش کا بیان ہو قیمت عہ مجلد عہ/

ویدون کی تعلیم۔ انگریزی کی مشہور و معروف کتاب ٹیچنگ آف دی ویداز کا ترجمہ قیمت مجلد ۱۴/

خدا کی ہستی۔ انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر اور مستند تصنیفات کا انتخاب عبارت نہایت سلیس او رعام فہم قیمت مجلد ۱۲/

حدیقۃ الاخلاق۔ اکانومی آف ہیومن لائف کا اُردو ترجمہ اس کتاب کی نصایح موتیون میں تولنے کے قابل ہین۔ تقریباً تمام مہذب زبانون مین اس کا ترجمہ ہوچکا ہو۔ ترجمہ نہایت سلیس او رعام فہم ہو۔ نوعمر لڑکون اور لڑکیون کے لیے یہ ایک اچھا انعام ہو قیمت ۱۲ مجلد عہ/

ہوائی کرہ کے عجائبات۔ اس کتاب مین ہوا کی وہ پر راز باتین بتائی

دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جنکا جاننا نہایت ضروری ہی قیمت ۲ر

تاریخ مذہب۔ اِس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہی قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

قدمائی حکمت۔ لارڈ ایولین کی مشہور و معروف کتاب وزڈم آف دی انشینٹس کا ترجمہ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ ہی قیمت ۶ر

مشاہیر عالم۔ دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اُن کے حالات ہین انھین کا تذکرہ درج ہی۔ یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور دلچسپ ہی اس کے مطالعہ سے نوجوانون مین ہمت اور رفاہ عام کے کامون کی تحریک و شوق پیدا ہوگی قیمت ۸ر

طالبان حق۔ اِس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سنیکا (۲) ایک ٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہین نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہی قیمت مجلد ۱۲ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین۔ اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہی قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عـہ۱۲ر

مصر کی کایاپلٹ۔ سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہی۔ حجم ۴۲۳ صفحہ قیمت مجلد عـہ

عطر سخن یا جذبات مسلم دورِ جدید کے مشہور شعرا یعنی مولانا حالی، ڈاکٹر اقبال، مولانا شبلی، مولوی ظفر علی خان وغیرہ کی قومی اور مذہبی نظمون کا نہایت دلکش و دلپسند مجموعہ جس کا ہر مسلمان کے کتب خانہ مین رہنا ضروری ہی۔ اگر یہ نظمین بچون کو حفظ کرا دی جائین تو اُن کے دلون مین قومیت کے جذبات خوب راسخ ہوجائین گے قیمت عـہ۱۲

حیات داغ۔ حضور نظام دکن کے استاد فصیح الشعرا حضرت مرزا داغ فصیح الملک کے باتصویر حالات اور کلام کا انتخاب قیمت ۱ر

اکسیر سخن۔ مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتوسنگھار) کا اُردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہم کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہی اور آپکی تصویر بھی شامل ہی نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہی۔ یہ کتاب اس قابل ہی کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے بہت کم نسخے اب باقی ہین قیمت ۶ر

... [illegible] سحر و زہرہ یعنی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہین۔ شروع سے آخر تک زبان سستہ، خیالات پاکیزہ، طرز ادا انتہا کا دلآویز، سادگی اور رنگینی کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہی۔ فقرے چست، لطیفے برجستہ، بایہمہ کہین حکیمانہ مذاق سے خالی نہین۔ معاشرت کے عین مطابق فطرت دکھاتے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سر پا ڈرامہ ڈوبا ہوا ہی قیمت ۸ر

عالم خیال۔ حضرت شوق قدوائی کی ایک اعلیٰ تصنیف ہی۔ اُردو نظم جو پبلک سے سند قبول حاصل کر چکی ہی۔ چارون ٹکڑون کے ساتھ عالمانہ ریویو بھی شامل ہین نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی۔ شروع مین ایک پر خیال عورت کی نادر تصویر چھپاں ہی جو اسی کے لیے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہی قیمت ۶ر

برکات سلطانی یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرہ تصانیف۔ شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہی۔ لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہی قیمت ۶ر

کلام محروم۔ یعنی منشی تلوک چند صاحب محروم کی اخلاقی، ادبی اور نیچرل نظمون کا قابل قدر مجموعہ۔ شاعرانہ تخیل کی رنگینی، انداز بیان کی شیرینی، مظاہر قدرت اور واقعات عالم مین نگاہ و نتائج جو کہ باریک بینی ہر جگہ قابل داد و تحسین ہی۔ پنجاب گورنمنٹ نے اس کتاب کی اشاعت پر دو سو روپے انعام مصنف کو عطا فرمایا ہی اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے دو سو نسخے خرید فرمائے ہین۔ آپ بھی ایک نسخہ منگا کر ملاحظہ فرمائین۔ قیمت ۱۲ر مجلد عـہ

غایت شعاری۔ ڈاکٹر اسمائلز کی پاکیزہ اور قیمتی تصنیف تھرفٹ کا سلیس اُردو ترجمہ جسمین کفایت شعاری کے اصول کو نہایت دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا گیا ہی۔ ترجمہ محققانہ بحث کی گئی ہی لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ اور دیدہ زیب۔ آپ کے کتب خانہ مین اگر اس کتاب کی کمی ہو تو فوراً طلب فرمالیجیے۔ قیمت ۸ر

العصر

مملکت آصفیہ کے فرمانروا خاندان

ہندوؤن کی قدیم سلطنتین

وہ ملک جو فی الحال سرکار نظام کے قبضہ مین ہی ہندوستان جنوبی کے عین وسط مین واقع ہوا ہی۔ اس کو شمال کی طرف سے ملک برار مشرق کی طرف سے اضلاع متوسط جنوب کی طرف سے صوبہ مدراس مغرب کی طرف سے صوبہ بمبئی احاطہ کیے ہوے ہی، اور اُس کا رقبہ بیاسی ہزار چھ سو اٹھانوے (۸۲۶۹۸) مربع میل ہی۔

زمانہ سابق مین قلمرو نظام کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ اس مین خاندیس احمد نگر ارکاٹ اوڑیسہ وغیرہ کے بہت سے علاقے شامل تھے جو عرصہ ہوا کہ سرکار عالی کے قبضہ سے نکل کر انگریزی عملداری مین داخل ہو گئے۔ برار جو سرکار عالی کا ملک ہی ایک فوجی رسالہ کے اخراجات کے لیے گورنمنٹ انگریزی کے پاس امانت تھا لیکن سنہ ۱۹۰۲ء مین ایک کمیشن کے فیصلہ کے بموجب ہمیشہ کے لیے انگریزی حکومت مین داخل کر دیا گیا۔

آغاز تاریخ سے صدیون پہلے اس ملک مین ڈراویڈ قوم آباد تھی۔

سنہ قدیم | راماین سے ظاہر ہوتا ہی کہ آریون نے رام کی سپہ سالاری مین دکن پر حملہ کیا تو ان کا سب سے پہلے ناگ قوم سے سامنا ہوا۔ ناگ سے دراصل وہ ڈراویڈ اقوام مراد ہین جو بندھیاچل کے نیچے جنوب مین دور تک بود و باش رکھتی تھین اور انھون نے اس علاقہ مین بڑی بڑی حکومتین قائم کر لی تھین۔

اس زمانہ مین قلمرو نظام کے جنوب مشرقی علاقون مین ناگ قوم کا وہ فرقہ آباد تھا جو تلنگون کے نام سے مشہور ہی۔ رام کو ان تلنگون سے بھی معرکہ آرائی کرنے کا اتفاق ہوا ہی چنانچہ اس کی یادگار مین دریاے کرشنا کے کنارے ایک مقام اب تک موجود ہی جسے رام کشنڈا کہتے ہین اور اس کا محل وقوع بیجانگر کے قریب بتایا جاتا ہی۔

اس امر کا تحقیق کرنا سخت مشکل ہی کہ آریہ قوم نے دکن کو کس
زمانہ مین تسخیر کیا تھا، لیکن یہ بات درجہ یقین کو پہنچ گئی ہی کہ تلنگ
[۲۷۲ ق م] نظام کا بہت بڑا حصہ راجہ اشوک کے زیر حکومت تھا
اشوک نے اپنے کتبون مین مفتوحہ اقوام کی جو فہرست کندہ کرائی
تھی اُس مین پیتنی نیکا قوم کا نام بھی موجود ہی یہ قوم گوداوری
کے نیچے پٹن مین رہا کرتی تھی جو موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے ضلع
اورنگ آباد مین شامل ہی۔

(۱) اندھرا خاندان

سنہ ۲۲۰ ق م - سنہ ۲۲۶ ع

راجہ اشوک کے بعض کتبون مین اندھرا قوم کا نام آیا ہی لیکن
اُس زمانہ مین اُس کو کوئی تاریخی حیثیت حاصل نہین تھی اشوک
کے بعد جب اُس کی عظیم الشان سلطنت منقرض ہو گئی تو اس قوم کو
عروج ہونے لگا۔ ابتداً اُن کی حکومت تلنگانہ مین تھی چنانچہ اسی
مناسبت سے اُس ملک کا نام آجتک اندھرا دیش چلا آتا ہی۔ پھر
اُنھون نے اپنے حدود کو بتدریج وسعت دی اور ایک ایسی وسیع
مملکت کے مالک بن بیٹھے جو تلنگانہ، اوڈیسہ اور مہاراشٹر کے قریب
قریب تمام علاقون پر مشتمل تھی۔ ان لوگون نے تقریباً چھ صدی تک
حکومت کی اور اس عرصہ مین گجرات و کرناٹک کے راجگان یونان و
پلاوا سے کئی بار معرکہ آرائیون کا اتفاق ہوا، اور یہی لڑائیان آگے
چل کر ان کے زوال سلطنت کا باعث ہوئین چنانچہ پانچوین صدی
کے شروع ایام مین یہ خاندان تباہ ہو گیا اور [سنہ ۲۲۶ ع]
کرناٹک کے پلاوا خاندان نے اُنکے ملک پر قبضہ کر لیا۔

راجگان اندھرا

۱	سیراکا	سنہ ۲۲۰ ق م	سنہ ۸ ع
۲	کرشنا	سنہ ۸ ق م	سنہ ۱۰ ع
۳	ساتوکرنی اوّل	سنہ ۱۰ ق م	سنہ ۲۸ ع
۴	پرنوتساانگا	سنہ ۲۸	سنہ ۵۶ ع
۵	سیوا سوامی	سنہ ۴۶	سنہ ۶۴
۶	ساتوکرنی	سنہ ۶۴	سنہ ۱۲۰
۷	لمبودرا	سنہ ۱۲۰	سنہ ۱۳۸
۸	اپیتاکا	سنہ ۱۳۸	سنہ ۱۵۰
۹	سنگھا	سنہ ۱۵۰	سنہ ۱۶۰
۱۰	ساتوکرنی	سنہ ۱۶۰	سنہ ۱۸۶
۱۱	سکنداسواتی	سنہ ۱۸۶	سنہ ۱۹۳
۱۲	سیرکنیڈرا	سنہ ۱۹۳	سنہ ۱۹۶
۱۳	کنتلاسوامی	سنہ ۱۹۶	سنہ ۲۰۴
۱۴	سیواتی کرنا	سنہ ۲۰۴	سنہ ۲۰۵
۱۵	پالاماوتی	سنہ ۲۰۵	سنہ ۲۴۱
۱۶	گورکناسری	سنہ ۲۴۱	سنہ ۲۶۶
۱۷	منڈلاکا	سنہ ۲۶۶	سنہ ۲۷۶
۱۸	پورندراسینا	سنہ ۲۷۶	سنہ ۲۸۱
۱۹	سندرا	سنہ ۲۸۱	سنہ ۲۸۴
۲۰	سوسواتی	سنہ ۲۸۴	سنہ ۳۱۲
۲۱	گوتمی پترا	سنہ ۳۱۲	سنہ ۳۳۲
۲۲	واستی پترا	سنہ ۳۳۳	سنہ ۳۳۵
۲۳	پالوات	سنہ ۳۳۵	سنہ ۳۶۳
۲۴	سیواسری	سنہ ۳۶۳	سنہ ۳۷۰
۲۵	سکنداسوتی	سنہ ۳۷۰	سنہ ۳۷۷
۲۶	یاجناسری	سنہ ۳۷۷	سنہ ۴۰۶
۲۷	وجایاسری	سنہ ۴۰۶	سنہ ۴۱۲

۲۸	چندراسری	سنہ ۲۱۲ء	سنہ ۲۲۲ء
۲۹	پابوماٹ دوم	سنہ ۲۲۲ء	سنہ ۲۲۶ء

راجگان پلاوا خاندان

۱	چنداورما		
۲	نندی ورما		
۳	سکنداورما		
۴	بوداورما		
	(چوتھی صدی سے پانچوین صدی تک ان راجاؤن نے حکومت کی ہے (دیکھو تاریخ بیجانگر))		
۵	سیوا سکنداورما	سنہ ۳۲۰	سنہ ۹۶۰ء
	وقفہ	۶۲۶/۵ء	۸۰۴/۱۸۹ء
۶	نندی ورما	۸۰۴/۱۸۹ء	۸۱۰/۱۹۵ء
	وقفہ	۸۱۰/۱۹۵ء	۸۴۳/۲۲۹ء
۷	انگانالا	۸۴۳/۲۲۹ء	۹۰۴/۳۶۴ء
۸	نانی نالبا	۹۷۵/۳۶۵ء	۹۷۷/۳۱۷ء

(۲) چلوکیا خاندان

سنہ ۳۰۰ ق م — سنہ ۱۲۰۰ء/۵۵۷

اندھرا قوم کے بعد چلوکیا خاندان کو عروج ہونے لگا۔ انکی حکومت نربدا سے لیکر کرشنا کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی اور کلیان اُن کا پایہ تخت تھا جو مہاراشٹر مین واقع ہے۔ پلیکیشی اس خاندان مین بڑے جاہ و جلال کا راجہ گذرا ہے۔ اسی کے زمانہ مین مشہور چینی سیاح ہون تسانگ کلیان مین آیا تھا چلوکی راجہ اپنے زمانہ عروج مین یادو خاندان کے ساتھ برابر لڑائی جھگڑے کرتے رہے اور ساتوین صدی کے آخر ایام تک اپنی قوت واقتدار کو برقرار رکھا لیکن ۷۵۷/۱۴۰ء مین انکھیڑ کی راشٹراکوٹا قوم نے اُن پر غلبہ حاصل کرلیا اور تقریباً دو صدی تک کم وبیش تمام حصون پر حکمران رہے ۹۷۳/۳۶۲ء مین تیلپا نام ایک چلوکی راجہ نے راشٹراکوٹا قوم کو ملک سے بے دخل کردیا۔

اس زمانہ سے اس خاندان کو پھر ترقی شروع ہوئی۔ ووادسمدرم کے ہوئلا اور ہوئی سالا راجاؤن نے ان کو تباہ کرنے کی بارہا کوشش کی فریقین مین عرصہ تک لڑائیاں ہوتی رہین۔ لیکن بارھوین صدی کے اخیر ایام تک ان کی حکومت برابر قائم رہی ۱۱۸۹/۵۸۵ء مین یادو خاندان نے ان کو شکست دے کر کرناٹک پر قبضہ کرلیا۔

راجگان چلوکیا

۱	جے سمہا	×	×
۲	راناراگا	×	×
۳	وجایارالا	سنہ ۴۷۲ء	سنہ ۵۰۵ء
۴	پولیکیشی اوّل	سنہ ۵۰۵ء	سنہ ۵۶۷ء
۵	کیرتی ورما اوّل	سنہ ۵۶۷ء	سنہ ۵۹۱ء
۶	منگلیشا	سنہ ۵۹۱ء	سنہ ۶۱۰ء
۷	پولیکیشی دوم	سنہ ۶۱۰ء	۶۳۴/۳ء
۸	وکرمادیتہ اوّل	۶۳۴/۳ء	۶۷۹/۶۰ء
۹	وینایادیتہ	۶۷۹/۶۰ء	۶۹۶/۷۷ء
۱۰	وجایادیتہ	۶۹۶/۷۷ء	۷۳۳/۱۱۵ء
۱۱	وکرمادیتہ دوم	۷۳۳/۱۱۵ء	۷۴۷/۱۳۰ء
۱۲	کیرتی ورما	۷۴۷/۱۳۰ء	۷۵۷/۱۴۰ء
۱۳	تیلپا	۹۹۰/۳۸۰ء	۹۹۷/۳۸۷ء
۱۴	ساتی سرا	۹۹۷/۳۸۷ء	۱۰۰۸/۳۹۹ء
۱۵	وکرمادیتہ سوم	۱۰۰۸/۳۹۹ء	۱۰۱۸/۴۰۹ء
۱۶	جے سمہا دوم	۱۰۱۸/۴۰۹ء	۱۰۴۰/۴۳۲ء
۱۷	سوامی سوارا اول	۱۰۴۰/۴۳۲ء	۱۰۶۹/۴۶۲ء
۱۸	سوامیسوارا دوم	۱۰۶۹/۴۶۲ء	۱۰۷۶/۴۶۹ء
۱۹	وکرمادیتہ چہارم	۱۰۷۶/۴۶۹ء	۱۱۲۶/۵۲۰ء

۲۰	سوامیسوارا سوم	سنہ ۱۱۲۶ء / ۵۲۰	سنہ ۱۱۳۸ء / ۵۳۳
۲۱	جگدیکا مالا	سنہ ۱۱۳۸ء / ۵۳۳	سنہ ۱۱۵۰ء / ۵۴۵
۲۲	تیلپا دوم	سنہ ۱۱۵۰ء / ۵۴۵	سنہ ۱۱۶۵ء / ۵۶۱
۲۳	سوامی سوارا چہارم	سنہ ۱۱۸۳ء / ۵۷۹	سنہ ۱۱۸۹ء / ۵۸۵

وشنو وردھنا یا تیکمبی دوم کا بھائی تھا، اس ہی نے ساحل سمندر پر ایک سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا، اور راجمندری کو اپنا صدر مقام قرار دیا۔ یہ شرقی خاندان تخمیناً تین سو برس تک قائم رہا، اور اسمین یکے بعد دیگرے چھبیس راجہ بر سر حکومت ہوئے سنہ ۱۰۲۲ء مین چولا خاندان کے راجہ راجندر نے انھین شکست دے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

اس خاندان کے راجاؤن کی فہرست درج ذیل ہے

۱	وشنو وردھنا	سنہ ۶۱۵ء	سنہ ۶۳۳ء / ۱۲
۲	جے سمہا	سنہ ۶۳۳ء / ۱۲	سنہ ۶۶۳ء / ۴۳
۳	اندرا بھتاراکا	سنہ ۶۶۳ء	سنہ ء
۴	وشنو وردھنا دوم	سنہ ۶۶۳ء / ۴۳	سنہ ۶۷۲ء / ۵۲
۵	منگی یوراجا	سنہ ۶۷۲ء / ۵۲	سنہ ۶۹۶ء / ۷۷
۶	جے سمہا دوم	سنہ ۶۹۶ء / ۷۷	سنہ ۷۰۹ء / ۹۱
۷	کوکلی	سنہ ۷۰۹ء / ۹۱	×
۸	وشنو وردھنا سوم	سنہ ۷۰۹ء / ۹۱	سنہ ۷۴۶ء / ۱۲۹
۹	وجایا دیتہ بھتارکا	سنہ ۷۴۶ء / ۱۲۹	سنہ ۷۶۴ء / ۱۴۷
۱۰	وشنو وردھنا چہارم	سنہ ۷۶۴ء / ۱۴۷	سنہ ۷۹۹ء / ۱۸۳
۱۱	وجایا دیتہ نارایندا مرکا راجا	سنہ ۷۹۹ء / ۱۸۳	سنہ ۸۴۳ء / ۲۲۹
۱۲	کالی وشنو وردھنا پنجم	سنہ ۸۴۳ء / ۲۲۹	سنہ ۸۴۴ء / ۲۳۰
۱۳	وجایا دیتہ سوم	سنہ ۸۴۴ء / ۲۳۰	سنہ ۸۸۸ء / ۲۷۵
۱۴	بھیما چلوکیا اول	سنہ ۸۸۸ء / ۲۷۵	سنہ ۹۱۸ء / ۳۰۶
۱۵	وجایا دیتہ کولا بھگنڈا چہارم	سنہ ۹۱۸ء / ۳۰۶	×
۱۶	اما وشنو وردھنا اول	سنہ ۹۱۸ء	سنہ ۹۲۵ء / ۳۱۳
۱۷	وجایا دیتہ پنجم	سنہ ۹۲۵ء / ۳۱۳	×
۱۸	تادپا	سنہ ۹۲۵ء / ۳۱۳	×
۱۹	وکرا دیتہ	سنہ ۹۲۶ء / ۳۱۴	×
۲۰	بھیما دوم	سنہ ۹۲۷ء / ۳۱۵	×
۲۱	یودھا مالا	سنہ ۹۲۷ء / ۳۱۵	سنہ ۹۳۴ء / ۳۲۳
۲۲	بھیما چلوکیا سوم	سنہ ۹۳۴ء / ۳۲۳	سنہ ۹۴۵ء / ۳۳۴
۲۳	اما دوم عرف وجایا دیتہ پنجم	سنہ ۹۴۵ء / ۳۳۴	سنہ ۹۷۰ء / ۳۶۰
۲۴	دھا نرنادا	سنہ ۹۷۰ء / ۳۶۰	سنہ ۹۷۳ء / ۳۶۳
۷	وقفہ	سنہ ۹۷۳ء / ۳۶۳	سنہ ۱۰۰۳ء / ۳۹۴
۲۵	سکتی ورما	سنہ ۱۰۰۳ء / ۳۹۴	سنہ ۱۰۱۵ء / ۴۰۶
۲۶	ویملا دیتہ	سنہ ۱۰۱۵ء / ۴۰۶	سنہ ۱۰۲۲ء / ۴۱۳

(۳) یادو خاندان

سنہ ۱۱۰۰ء / ۴۹۴ — سنہ ۱۳۱۸ء / ۷۱۸

دار الحکومت دیوگیری

یادو خاندان مہاراشٹر مین قائم ہوا۔ ابتدا مین چلوکیون کا باج گزار تھا لیکن بھلما نے اپنے قوت بازو سے آزادی حاصل کی اور دیوگیری کو بسا کر اُسے اپنا تخت گاہ بنایا۔ یہ خاندان چودھوین صدی تک قائم رہا۔ سنہ ۱۳۱۸ء مین جب مسلمانون نے دیوگیری کو فتح کر لیا تو اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان کے راجاؤن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱	بھلما	سنہ ۱۱۸۷ء / ۵۸۳	سنہ ۱۱۹۱ء / ۵۸۷
۲	جیترا پالا اول	سنہ ۱۱۹۱ء / ۵۸۷	سنہ ۱۲۱۰ء / ۶۰۷
۳	سنگھنا	سنہ ۱۲۱۰ء / ۶۰۷	سنہ ۱۲۴۷ء / ۶۴۵

۴	کرشنا	سنہ ۱۲۴۷ء / ۶۴۵ھ	سنہ ۱۲۶۰ء / ۶۵۹ھ
۵	مہادیو	سنہ ۱۲۶۰ء / ۶۵۹ھ	سنہ ۱۲۷۱ء / ۶۷۰ھ
۶	رام چندر رایا رام دیو	سنہ ۱۲۷۱ء / ۶۷۰ھ	سنہ ۱۳۰۹ء / ۷۰۹ھ
۷	شنکر	سنہ ۱۳۰۹ء / ۷۰۹ھ	سنہ ۱۳۱۲ء / ۷۱۲ھ
۸	ہرپال	سنہ ۱۳۱۲ء / ۷۱۲ھ	سنہ ۱۳۱۸ء / ۷۱۸ھ

(۴) کھیتی خاندان

سنہ ۱۱۵۰ء / ۵۴۵ھ — سنہ ۱۳۲۳ء / ۷۲۳ھ

دار الحکومت ورنگل

یہ خاندان تلنگانہ مین حکمران تھا اور ورنگل اُنکی راجدھانی تھی۔ بارھوین صدی سے ان کو عروج ہونا شروع ہوا تھوڑے ہی عرصہ مین گوداوری کے بہت سے علاقے فتح کرلیے۔ دوارسمد کے بلال خاندان کو شکست دیکر اُن کے ملک پر قبضہ کرلیا سنہ ۱۳۲۳ء / ۷۲۳ھ مین مسلمانون نے ورنگل فتح کرلیا تو یہ خاندان تباہ و تاراج ہوگیا اسکے بعد ایک شخص نے جو راجہ کی اولاد سے تھا گولکنڈہ مین آکر چھوٹی سی حکومت قایم کرلی جو قطب شاہ کے زمانہ تک موجود تھی۔

اس خاندان کے راجاؤن کی فہرست ذیل مین درج ہے۔

۱	پرولا راجہ	سنہ ۱۱۵۰ء / ۵۴۵ھ	سنہ ۱۱۶۳ء / ۵۵۹ھ
۲	پرتاب رودرا اول	سنہ ۱۱۶۳ء / ۵۵۹ھ	سنہ ۱۲۳۱ء / ۶۲۹ھ
۳	گنپتی دیو	سنہ ۱۲۳۱ء / ۶۲۹ھ	سنہ ۱۲۵۷ء / ۶۵۵ھ
۴	رودرا دیوی	سنہ ۱۲۵۷ء / ۶۵۵ھ	سنہ ۱۲۹۴ء / ۶۹۴ھ
۵	پرتاب رودرا	سنہ ۱۲۹۴ء / ۶۹۴ھ	سنہ ۱۳۲۵ء / ۷۲۶ھ
۶	کرشنا دیو	سنہ ۱۳۲۵ء / ۷۲۶ھ	سنہ ۱۳۴۴ء / ۷۴۵ھ

(۵) سلطنت بیجانگر

سنہ ۱۳۳۶ء / ۷۳۶ھ — سنہ ۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ

جس زمانہ مین سلطنت بہمنیہ قائم ہوئی ہے قریب قریب اُسی زمانہ مین ہندؤن نے محمد تغلق کی بدنظمیون سے فائدہ اُٹھا کر دکن مین ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بانی ہری ہر اور بکا تھے دو بھائی تھے جو ملک کافور کی لشکرکشی کے وقت ورنگل سے بھاگ کر آئے اور سنہ ۱۳۳۶ء مین دریاے تنگبھدرا کے کنارے شہر بیجانگر بسا کر اسے دار الحکومت قرار دیا۔ اس سلطنت کو تھوڑے ہی عرصہ مین خوب ترقی ہوگئی۔ کرشنا سے لیکر کیپ کامورن تک تمام ملک اُس کے قبضۂ قدرت مین آگیا۔ انتہاے جنوب مین بہت سے چھوٹے چھوٹے رئیسون کی حکومت تھی یہ لوگ نائک کہلاتے تھے اور راجگان بیجانگر کو خراج دیا کرتے تھے۔ ان مین سے میسور کا نائک سب سے بڑا تھا۔ بیجانگر اور اس کے مضافات مین بڑے بڑے مندرون عالیشان محلون اور مستحکم قلعون کے جو کھنڈر موجود ہین اُن کے دیکھنے سے اُس کی گزشتہ شان و شوکت کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے۔

سنہ ۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ مین دکن کے چار بادشاہون نے اتفاق کرکے اُس سلطنت پر حملہ کیا۔ دریاے کرشنا کے کنارے مقام تالیکوٹہ پر عظیم الشان لڑائی ہوئی جس مین رام راج مارا گیا اور سلطنت بیجانگر تباہ و تاراج ہوگئی جنوب مین جسقدر نائک حکمران تھے وہ سب اپنے اپنے علاقون مین خود مختار ہوگئے۔ رام راج کے بھائی نے چندراگری مین جا کر کچھ علاقہ پر قبضہ کرلیا جس پر اُس کی اولاد کچھ کم سو برس حکمران رہی۔ جب مرہٹون کو عروج ہوا تو انھون نے اس چھوٹی سی حکومت کو نیست و نابود کردیا۔ اسی چندراگری کے راجہ سری رنگا راے ثالث نے سنہ ۱۶۳۹ء / ۱۰۴۹ھ مین ساحل سمندر پر انگریزون کو وہ علاقہ عطا کیا جہان اس وقت مدراس آباد ہے۔

سر ٹامس منرو کی بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ راجگان بیجانگر کا ایک خاندان اناگنڈی مین مدت سے برسر حکومت تھا جس کو سلطان حیدر نے سنہ ۱۷۷۶ء مین فتح کرلیا اس کے تیرہ برس بعد ٹیپو سلطان

نے سنہ ۱۳۸۲ء میں شہادت پائی اور اُلگندی کا وہ علاقہ جو تنگ بھدرا کے شمال میں ہے سرکار نظام کے سپرد ہوا اور جنوبی حصہ انگریزوں کے قبضہ میں رہا اس کے معاوضے میں برٹش گورنمنٹ نے وہاں کے راجہ کی پنشن مقرر کر دی جو اس کی اولاد میں ہنوز تک بحال ہے۔

سلطنت بیجانگر کے راجاؤن کی فہرست ذیل مین درج ہے۔

خاندان اول

۱	ہری ہر اول	سنہ ۱۳۳۶ء / ۷۳۶	سنہ ۱۳۴۳ء / ۷۴۴
۲	بوکا راے اول	سنہ ۱۳۴۳ء / ۷۴۴	سنہ ۱۳۷۹ء / ۷۸۱

بوکا اول کے دو بھائی اور تھے۔ بوکا جب تخت نشین ہوا تو اس کے بھائی کمپا نے بغاوت کرکے کچھ حصہ دابا لیا اس پر وہ اور اس کے بعد اسکا بیٹا سنگما سنہ ۱۳۵۵ء تک حکمران رہے۔ یہ دونوں خودسر راجہ اپنے آپ کو بیجانگر کا والی سمجھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر بعض مورخین کو جو معافیات عطا کی ہیں انکے اسناد مین اپنے آپ کو راجہ بیجانگر لکھا ہے۔

۳	ہری ہر دوم	سنہ ۱۳۷۹ء / ۷۸۱	سنہ ۱۳۹۹ء / ۸۰۲
۴	دیو راے اول	سنہ ۱۳۹۹ء / ۸۰۲	سنہ ۱۴۱۳ء / ۸۱۵
۵	دھابا راے	سنہ ۱۴۱۳ء / ۸۱۵	سنہ ۱۴۱۹ء / ۸۲۲
۶	دیو راے دوم	سنہ ۱۴۱۹ء / ۸۲۲	سنہ ۱۴۴۹ء / ۸۵۳
۷	ملکارجن	سنہ ۱۴۴۹ء / ۸۵۳	سنہ ۱۴۶۵ء / ۸۷۰
۸	ویروپاکشا	سنہ ۱۴۶۵ء / ۸۷۰	سنہ ۱۴۷۸ء / ۸۸۳

سنہ ۱۴۷۸ء سے سنہ ۱۴۹۰ء تک تاریخ بیجانگر مین جو حالات گذرے ہیں اُن پر سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر ہولش نے اپیگرافیا انڈیکا مین اُس زمانہ کے بہت سے کتبے نقل کیے ہین جنمین متعدد راجاؤن کے نام درج ہین اگر ہر ایک راجہ کے سنین حکومت جمع کیے جائین تو ایک کا زمانہ دوسرے مین شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ تاریخ بیجانگر کے یہ بارہ سال طوائف الملوکی کے زیر فرمان گذرے اور اُس زمانہ مین چند شہزادون نے مختلف قطعات پر قبضہ کرکے خودمختارانہ حکومت شروع کر دی تھی یہانتک کہ دوسرے خاندان کا آغاز ہوا۔

خاندان دوم

۹	نرسمہا یا نرسنگھ	سنہ ۱۴۹۰ء / ۸۹۶	سنہ ۱۵۰۹ء / ۹۱۵
۱۰	کرشن دیو راے	سنہ ۱۵۰۹ء / ۹۱۵	سنہ ۱۵۳۰ء / ۹۳۷
۱۱	اچیوت راے	سنہ ۱۵۳۰ء / ۹۳۷	سنہ ۱۵۴۲ء / ۹۴۹
۱۲	سداشیو راے (رتہ العمر قید رہا)	سنہ ۱۵۴۲ء / ۹۴۹	سنہ ۱۵۶۷ء / ۹۷۵

خاندان سوم

۱۳	رام راج	سنہ ۱۵۴۲ء / ۹۴۹	سنہ ۱۵۶۵ء / ۹۷۲

راجگان پنکنڈہ وچندراگری

۱۴	ترمل راج (بحیثیت نائب السلطنت حکمران رہا)	سنہ ۱۵۶۵ء / ۹۷۳	سنہ ۱۵۶۷ء / ۹۷۵

تالی کوٹہ کی لڑائی مین جب رام راج مارا گیا تو ترمل راج اپنا تمام مال و متاع اور راجہ سداشیو کو لیکر جانب جنوب پنکنڈہ مین چلا گیا۔ سداشیو دو سال حالت قید مین رہا گو وہی راجہ کہلایا جاتا تھا۔ ترمل راج نے سنہ ۱۵۶۷ء مین اسے قتل کرا دیا اور خود ملک پر متصرف ہوکر سنہ ۱۵۶۷ء سے سنہ ۱۵۷۵ء تک آزادانہ حکومت کرتا رہا۔

۱۵	رنگا دوم	سنہ ۱۵۷۵ء / ۹۸۳	سنہ ۱۵۸۶ء / ۹۹۵
۱۶	وینکٹ پتی اول	سنہ ۱۵۸۶ء / ۹۹۵	سنہ ۱۶۱۴ء / ۱۰۲۳
۱۷	وینکٹ پتی دوم	سنہ ۱۶۱۴ء / ۱۰۲۳	سنہ ۱۶۳۶ء / ۱۰۴۶
۱۸	رنگا ششم	سنہ ۱۶۳۶ء / ۱۰۴۶	سنہ ۱۶۴۴ء / ۱۰۵۴

مختلف کتبات سے اخذ کرنے پر رنگا ششم کے بعد ذیل کے اور بھی نام دستیاب ہوے ہین۔ مگر ان کے دور حکومت کا صحیح صحیح اندازہ کرنا سخت مشکل ہے۔ ناموں کے مقابل وہ سنین درج ہین جو کتبوں پر کندہ ہین۔

۱۹	وینکٹ پتی	سنہ ۱۶۷۸ء / ۱۰۸۹	سنہ ۱۶۸۰ء / ۱۰۹۱
۲۰	رنگا	سنہ ۱۶۶۳ء / ۱۰۷۳	×

۲۱	ونکٹ پٹی	۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء	
۲۲	زنگا	۵۲۳ھ/۱۱۲۹ء	
۲۳	مہاذیو	۵۳۲ھ/۱۱۳۷ء	
۲۴	زنگا	۵۳۷ھ/۱۱۴۲ء	
۲۵	ونکٹ	۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء	
۲۶	راما	۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء	
۲۷	ونکیا	۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء	۵۵۹ھ/۱۱۶۳ء
۲۸	ونکیا	۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء - ۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء - ۵۶۳ھ/۱۱۶۷ء - ۵۶۴ھ/۱۱۶۸ء	

عہد اسلام

(۶) جنوبی ہندوستان پر مسلمانون کا تسلط

نوین صدی کے اخیر ایام مین خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا اور مشرق کی اس عظیم الشان سلطنت کے بہت جلد حصے بخرے ہونے لگے خلیفہ معتمد باللہ کے عہد خلافت مین مصر خود مختار ہوگیا اسکے کچھ مدت بعد وسط ایشیا مین سلطنت سامانیہ کی بنیاد پڑی۔ اس خاندان کے دوسرے فرمانروا اسمٰعیل سامانی کے زمانہ مین اس کے ایک ترکی غلام الپتگین نے بغاوت کرکے افغانستان مین اپنی حکومت قائم کرلی جسکے مرنے پر اسکے غلام سبکتگین کو بادشاہت مل گئی۔ اس نے ہندوستان پر دو مرتبہ فوج کشی کی جس سے دریاے اٹک تک تمام ملک اسلامی تصرف مین آگیا۔ اس کے بعد سلطان محمود برسر حکومت ہوا۔ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور تمام پنجاب اپنے قبضہ مین کرلیا۔

محمود کے بعد پنجاب اس کی اولاد کے قبضہ مین رہا ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء مین غوریون نے جب غزنین پر قبضہ کرلیا تو پنجاب بھی ان کی حکومت کا ایک صوبہ ہوگیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۲ھ/۱۱۷۶ء سے ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء تک ہندوستان پر متعدد حملے کئے اور راجہ پرتھی راج کو تھانیسر کے میدان مین شکست دے کر دہلی اور اجمیر کا مالک ہوگیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء مین ایک اور حملہ کیا جسمین قنوج و بنارس بھی فتح ہوگئے اور بہار تک اسلامی قبضہ ہوگیا۔ محمد غوری کے مرنے پر ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء مین اس کا ترکی غلام قطب الدین ایبک ہندوستان مین جانشین قرار پایا۔ اس نے پہلے دہلی گجرات پر یورش کی۔ پھر بنگالہ کے دار السلطنت لکھنوتی کو فتح کیا۔ الغرض شمالی ہندوستان کا قریب قریب تمام ملک دریاے اٹک سے لیکر گنگا کے دہانے تک مفتوح ہوچکا تھا بہت جلد مفتوح ہونے کے قریب ہوگیا تھا۔ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء مین قطب الدین کا انتقال ہوگیا جسکے بعد اس کے خاندان مین اسی برس تک حکومت رہی ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء مین شاہان ملوک کا خاتمہ ہوا اور سلطنت خاندان خلجی مین منتقل ہوگئی۔

دکن پر سب سے پہلے علاء الدین خلجی نے لشکر کشی کی۔ اس کے فتح ہند سپہ سالار ملک کافور نے ۷۰۶ھ/۱۳۰۶ء سے ۷۱۲ھ/۱۳۱۲ء تک کئی بعد دیگرے تین حملے کیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوگری ورنگل کرناٹک کے بڑے بڑے راج تباہ ہوگئے اور نربدا کے جنوب مین ساحل سمندر تک اسلامی قبضہ ہوگیا۔ دکن نصف صدی تک تخت دہلی کے ماتحت رہا ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء مین جب محمد تغلق برسر حکومت ہوا تو اسکی جبر و زیادتی سے تنگ آکر امراے دکن نے بغاوت برپا کردی اور متواتر تین ماہ تک معرکہ آرائی کرکے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ اس انقلاب سے دکن مین ایک نئی سلطنت بہمنیہ قائم ہوگئی، جو دو صدی تک شاہان دہلی کی مد مقابل بنی رہی۔

شاہان خلجی و تغلق کی فہرست ذیل مین درج ہے۔

شاہان خلجی

۱	جلال الدین خلجی	۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء	۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء
۲	ابراہیم خلجی (رکن الدین)	۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء	
۳	علاء الدین خلجی	۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء	۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء

[redacted]

۴	شہاب الدین عمر	سنہ ۱۳۱۶ء / ۷۱۶	
۵	قطب الدین مبارک	سنہ ۱۳۱۶ء / ۷۱۶	سنہ ۱۳۲۰ء / ۷۲۰
۶	ناصر الدین خسرو خان	سنہ ۱۳۲۰ء / ۷۲۰	ــــــــ ء

شاہانِ تغلق

۱	غیاث الدین تغلق	سنہ ۱۳۲۰ء / ۷۲۰	سنہ ۱۳۲۵ء / ۷۲۶
۲	محمد تغلق	سنہ ۱۳۲۵ء / ۷۲۶	سنہ ۱۳۵۱ء / ۷۵۲
۳	فیروز شاہ	سنہ ۱۳۵۱ء / ۷۵۲	سنہ ۱۳۸۸ء / ۷۹۰
۴	تغلق شاہ	سنہ ۱۳۸۸ء / ۷۹۰	سنہ ۱۳۸۹ء / ۷۹۱
۵	سلطان ابوبکر	سنہ ۱۳۸۹ء	سنہ ۱۳۸۹ء
۶	ناصر الدین محمد شاہ	سنہ ۱۳۸۹ء	سنہ ۱۳۹۴ء / ۷۹۶
۷	علاء الدین سکندر شاہ	سنہ ۱۳۹۴ء	سنہ ۱۳۹۴ء
۸	محمود شاہ	سنہ ۱۳۹۴ء	سنہ ۱۳۹۵ء / ۷۹۸

(۷) سلطنتِ بہمنیہ

سنہ ۱۳۴۷ء / ۷۴۸ — سنہ ۱۵۲۶ء / ۹۳۴

دارالحکومت احسن آباد گلبرگہ

اس سلطنت کا مورثِ اعلیٰ سلطان علاء الدین حسن محمد تغلق کے منجم گنگو برہمن کا ملازم تھا اور اُس کی زمین کاشت کیا کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حسن حسبِ معمول کھیت میں ہل چلا رہا تھا کہ یکایک ہل کھیت میں رگ گیا۔ اُس نے زمین جو کھودی تو اشرفیوں کا دفینہ نکلا جسے لیجا کر حسن نے اپنے آقا کے حوالہ کر دیا۔ برہمن اِس غیر معمولی دیانت سے بہت خوش ہوا اور دوسرے روز جب دربار میں پہنچا تو محمد تغلق سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بادشاہ کو بے حد تعجب ہوا اور حسن کو بلا کر امیران صدہ میں شامل کر لیا۔

سنہ ۱۳۴۳ء / ۷۴۴ میں جب محمد تغلق نے کرناٹک پر حملہ کیا، تو اُس کے ساتھ علاء الدین حسن بھی دکن میں چلا آیا۔ بادشاہ نے اُسے گنجی اور رایباغ کے چند پرگنات جاگیر میں دیدیے اور وہ وہیں رہنے لگا۔ اسی اثناء میں امرائے دکن نے بغاوت برپا کی اور امیر ناصر الدین شاہ کو بادشاہ بنا کر محمد تغلق سے برسرِ پیکار ہوئے۔ جب دکن تختِ دہلی کی حکومت سے آزاد ہو گیا تو ناصر الدین نے ضعفِ پیری کا عذر کر کے سلطنت کے کاروبار سے سبکدوش ہونا چاہا۔ اُس وقت تمام امراء نے اتفاق کر کے حسن کو منتخب کیا اور ۳ر اگست سنہ ۱۳۴۷ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی سنہ ۷۴۸ھ کو اُس کے سر پر تاجِ شاہی رکھا۔

علاء الدین حسن نے جب اپنے مقبوضہ ملک کا خوب استحکام کر لیا تو دیگر فتوحات کی جانب متوجہ ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تلنگانہ، اور کرناٹک کے بہت سے علاقے فتح کر لیے۔ اور اس مہم سے فراغت پا کر سارے ہندوستان کو تسخیر کرنا چاہا، لیکن اجل نے اُسے مہلت نہ دی۔ دفعتاً بیمار ہوا اور ۳ جنوری سنہ ۱۳۵۸ء مطابق یکم ربیع الاول سنہ ۷۵۹ھ کو فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اُسکا بیٹا محمد شاہ مالکِ تاج و تخت قرار پایا۔ پھر اُسکے بعد یکے بعد دیگرے ۱۶ بادشاہ تقریباً دو صدی تک دکن کے شمالی حصہ پر فرمانروا رہے۔ ان کی سلطنت برار سے لیکر دریائے کرشنا تک پھیلی ہوئی تھی یا موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے صوبہ بمبئی کے جنوبی علاقے اور ممالک محروسہ سرکارِ نظام کے بہت بڑے حصے پر مشتمل تھی۔ اُس کے جنوب میں بیجانگر کا علاقہ تھا۔ مغرب میں تلنگوں کی عملداری تھی۔ شاہانِ بہمنی ان راجاؤں کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہا کرتے تھے، اور ہندؤں کو مجبور ہو کر سالانہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ علاء الدین احمد شاہ کے عہد میں کوکن مفتوح ہوا۔ اسی زمانہ کے قریب قریب شاہانِ خاندیس و گجرات نے بہمنیوں سے ہزیمت اُٹھائی۔ سنہ ۱۴۷۸ء میں محمد شاہ نے اڑیسہ پر حملہ کیا اور کانچی درم کو فتح کر کے جنوب کی طرف دور تک چلا گیا، اور راجہ بیلگام کو شکست دی۔ اِن فتوحات سے بہمنی سلطنت کو اور بھی وسعت حاصل ہو گئی۔ اُسکی سرحد ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر سے جا ملی اور اُسمیں

یسور کا تقریباً تمام شمالی حصہ داخل ہوگیا۔

محمود شاہ کے زمانہ سے اس عظیم الشان سلطنت کو انحطاط ہونے لگا۔ اس کے جانشینون کے ضعف و کم قوتی سے فائدہ اٹھا کر بڑے بڑے گورنرون نے خودسری شروع کر دی اور ملک کو آپس مین تقسیم کر کے پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم کر لین یعنی:-

۱	برار	مین	عمادشاہی سلطنت	سنہ ۱۴۸۹ء / ۸۹۵	سنہ ۱۵۷۵ء / ۹۸۲
۲	بیدر	مین	بریدشاہی سلطنت	سنہ ۱۴۸۷ء / ۸۹۲	سنہ ۱۶۲۴ء / ۱۰۳۴
۳	احمدنگر	مین	نظام شاہی سلطنت	سنہ ۱۴۹۰ء / ۸۹۶	سنہ ۱۶۳۲ء / ۱۰۴۲
۴	بیجاپور	مین	عادل شاہی سلطنت	سنہ ۱۴۸۹ء / ۸۹۵	سنہ ۱۶۸۶ء / ۱۰۹۸
۵	گولکنڈہ	مین	قطب شاہی سلطنت	سنہ ۱۵۱۲ء / ۹۱۸	سنہ ۱۶۸۷ء / ۱۰۹۹

یہ طوائف الملوکی دو صدی سے کچھ زائد عرصہ تک قائم رہی پھر مغلون نے اس کو فتح کر کے ملک کو اپنی سلطنت مین ملحق کر لیا۔

بہمنی بادشاہونکی فہرست ذیل مین درج ہے۔

۱	علاء الدین حسن بہمنی	سنہ ۱۳۴۷ء / ۷۴۸	سنہ ۱۳۵۸ء / ۷۶۰
۲	محمد شاہ اول	سنہ ۱۳۵۸ء / ۷۶۰	سنہ ۱۳۷۵ء / ۷۷۶
۳	مجاہد شاہ	سنہ ۱۳۷۵ء / ۷۷۶	سنہ ۱۳۷۸ء / ۷۷۹
۴	داؤد شاہ	سنہ ۱۳۷۸ء / ۷۷۹	سنہ x ء
۵	محمود شاہ	سنہ ۱۳۷۸ء / ۷۸۰	سنہ ۱۳۹۷ء / ۸۰۰
۶	غیاث الدین	سنہ ۱۳۹۷ء / ۸۰۰	سنہ x ء
۷	شمس الدین	سنہ ۱۳۹۷ء / ۸۰۰	سنہ x ء
۸	فیروز شاہ (تاج الدین)	سنہ ۱۳۹۷ء / ۸۰۰	سنہ ۱۴۲۲ء / ۸۲۶
۹	احمد شاہ ولی (شہاب الدین)	سنہ ۱۴۲۲ء	سنہ ۱۴۳۵ء / ۸۳۱
۱۰	علاء الدین احمد شاہ	سنہ ۱۴۳۵ء / ۸۳۱	سنہ ۱۴۵۸ء / ۸۶۳
۱۱	ہمایون شاہ ظالم	سنہ ۱۴۵۸ء / ۸۶۳	سنہ ۱۴۶۱ء / ۸۶۶
۱۲	نظام شاہ	سنہ ۱۴۶۱ء / ۸۶۶	سنہ ۱۴۶۳ء / ۸۶۸
۱۳	محمد شاہ ثانی	سنہ ۱۴۶۳ء / ۸۶۸	سنہ ۱۴۸۲ء / ۹۱۰
۱۴	محمود شاہ ثانی	سنہ ۱۴۸۲ء / ۷۰۰	سنہ ۱۵۱۸ء / ۹۲۴
۱۵	احمد شاہ ثالث	سنہ ۱۵۱۸ء / ۹۲۴	سنہ ۱۵۱۹ء / ۹۲۵
۱۶	علاء الدین ثالث	سنہ ۱۵۱۹ء / ۹۲۵	سنہ ۱۵۲۲ء / ۹۳۰
۱۷	ولی اللہ	سنہ ۱۵۲۳ء / ۹۳۰	سنہ ۱۵۲۵ء / ۹۳۲
۱۸	کلیم اللہ	سنہ ۱۵۲۵ء / ۹۳۲	سنہ ۱۵۲۷ء / ۹۳۷

(باقی آئندہ)

حکیم سید شمس اللہ قادری

حسن (از سرور جہان آبادی مرحوم)

کاش اے حسن! تو دنیا مین نہ آیا ہوتا — دام تسخیر نہ عالم مین بچھایا ہوتا
ہو نہ سکتی تھی بن آئے جو تری دنیا مین — بن کے ہنگامۂ محشر تو نہ آیا ہوتا
اور اگر آیا تھا ہنگامۂ محشر بنکر — تو نہ ان خاک کے پتلون مین سمایا ہوتا
تجھ کو ہونا تھا حسینون سے جو ظالم مانوس — شیوۂ جور و ستم تو نہ سکھایا ہوتا
او سکھائی بھی جو تھین ان کو جفا کی رسمین — دلستانی کا طریقہ نہ بتایا ہوتا
نرم و نازک اگر اعضا تھے بنائے ان کے — دل حسینون کا نہ پتھر کا بنایا ہوتا
کاش! کچھ درد محبت بھی انھین تو دیتا — دل کے بدلے اثر نالۂ دلجو دیتا

قوانین عامہ

ہم دو ضابطون کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہین۔

(الف) ضابطۂ قدرت۔

(ب) ضابطۂ انسانی۔

قدرت کے ضابطہ مین کوئی ایسی دفعہ نہین جو ہماری بنائی ہوئی یا ہماری ترتیب دادہ ہو۔ اُسمین ہمارا کوئی دخل نہین۔ ہان انسانی ضابطہ کی دفعات مین بہت سی ایسی دفعات ہین جن کا مضمون ہم نے ضابطۂ قدرت مین سے لیا ہے اگرچہ ضابطۂ قدرت اِس کائنات اور ہمارے واسطے بنایا گیا۔ لیکن اِس کی تدوین اور تالیف مین نہ تو ہم سے کوئی صلاح لی گئی ہے اور نہ ہم سے کچھ پوچھا گیا ہے نہ اُس کا قبل اشاعت کوئی گزٹ ہوا اور نہ ہمارے پاس اُس کی کاپیان اور اُس کے مسودات بھیجے گئے۔

اگر اِس ضابطہ مین ہماری سمجھ کے موافق کوئی لغزشین بھی ہون تو ہم اُن کے ذمہ دار نہین ہو سکتے اور نہ ہم اُن کی تصحیح کے قابل ہین۔

قدرتی ضابطہ کی نافرمانی سے ہمین سزا تو ملتی ہے لیکن ہمارا جواب نہین سنا جاتا۔ ایک بچہ نافہمی کی حالت مین آگ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ تو آگ کا شعلہ اُسے کبھی معاف نہین کرتا اور کبھی یہ نہین دیکھتا کہ ایک نافہم ہستی کسطرح اُس کے جان سوز ضابطہ سے واقف ہو سکتی تھی۔ یہ قانون ایسا سخت ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس جان بھی اس سے بچ نہین سکتی۔ بچہ کی آہ و زاری پر بھی آتش رحم نہین کھاتی اور نہ ضابطہ مین کوئی ایسی دفعہ دیکھتے ہین جن مین ایسے جرم اور ایسے ارتکاب سے کوئی رہائی اور معافی کی صورت نکل سکتی ہو۔ کبھی کبھی ہم ضابطہ قدرت کی بعض دفعات کی سزا اُن سے بچ بھی جاتے ہین لیکن ایسا بچنا پہلے سے بھی زیادہ گرفت کا موقع دیتا ہے۔ کبھی کبھی ہم ضابطہ قدرت کی دفعات سمجھ کر ارتکاب کرتے ہین لیکن کبھی کبھی ہماری جبلی جلدبازی اور ارادہ کی کم اندیشی ہمین ضابطہ قدرت کی نافرمانی پر تیار کر دیتی ہے۔ دونون صورتون مین ضابطہ قدرت ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہین کرتا۔

جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ "جو شخص آگ مین ہاتھ ڈالتا ہے وہ جل جاتا ہے" "جو شخص فراز سے نشیب کو آتا ہے وہ فراز چھوڑتا ہے" "پانی ہمیشہ نشیب ہی کو جاتا ہے" "کسی عضو کا معطل چھوڑنا اُس کی قوت کو کھو دیتا ہے" "سمندر مین اگر بغیر کسی تدبیر اور پیش بینی کے ہم جا کھڑے ہون تو ڈوب جائینگے"۔

ایسی تمام باتون سے ہمین خیال ہوتا ہے کہ قدرت کے یہ قوانین عامہ ہین۔ قوانین عامہ کیا ہین؟ جو اکثر حالات مین ایک ہی اثر اور ایک ہی نتیجہ رکھتے ہون، جن کا وقوع ایک ہی کیفیت رکھے۔ ہم ضابطہ قدرت کی دفعات کے قواعد کو اس واسطے قوانین عامہ کہتے ہین کہ ان کا وقوع بجز کسی موقعہ استثنا، کے ایک ہی صورت اور ایک ہی شکل مین ہوتا ہے۔ آگ ہمیشہ (بشرطیکہ آگ کی حیثیت اور کیفیت نہ چھوڑ چکی ہو) جلاتی ہے۔ پانی ہمیشہ نشیب کو جاتا ہے۔ ہوا ہمیشہ اپنا احساس کراتی ہے بشرطیکہ چلے اور کسی روک مین نہ آجاوے۔

چونکہ ہم ایک بڑی مدت تک پیدا ہونے کے ساتھ ہی قدرت کے قوانین عامہ دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے اس واسطے رفتہ رفتہ ہمارا رجحان بھی اسطرف ہوتا گیا کہ ہم خود اپنے رنگ مین بھی قوانین عامہ بنائین۔ اگرچہ ایسے قوانین ضابطۂ قدرت یا قوانین قدرت کی ہو بہو نقل اور خاکہ نہون مگر اُن کی اکثر دفعات مین ان کی جھلک بھی پائی جائے

صرف جھلک ہی پائی جائے بلکہ ہم نے ایک حدتک یہ بھی کر دکھایا ہم کسطرح قوانین قدرت یا ضابطۂ قدرت کی زد سے بچ سکتے ہیں اس کارسازی سے خود ہمیں ہی نقصان اور تکلیف اُٹھانی پڑی لیکن بعض اوقات کی چندروزہ سہولت ہماری بعض مشکلات اور داب دہی کا ایک عارضی جواب یا معاوضہ ہوتی رہی۔

اگر ہم اِس ضابطہ اور اس کارسازی میں نہ پڑتے تو شاید بہت سی مشکلات موجود ہ سے ہمیں دوچار ہونے کا موقع نہ ملتا اور ہم سادہ اور بے لاگ زندگی کے مالک ہوتے اور جو الزامات قدرت پر اس وقت ہم پر لگا رہی ہے اُن میں بہت کچھ کمی ہوتی۔ گو قدرت کے قوانین سمجھنے میں ہمیں بعض وقت دھوکا بھی ہو جاتا ہے اور بعض وقت ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خود قدرت ہی ہمیں فریب اور مغالطہ دے رہی ہے۔ اگرچہ قدرت کی شان میں ہمارا ایسا گمان ایک بے ادبی اور گستاخی ہے لیکن ہم جبکہ اُسکی بعض چالوں اور روشوں کو سمجھنے سے عاری ہیں تو ہماری ایسی بدگمانی معافی کے قابل ہے۔ اگر ہم ایک طرف ضابطۂ قدرت کو ایک ترتیب سے چلتا ہوا پاتے ہیں تو دوسری طرف اپنے تجربہ اپنے مشاہدہ اور اپنے نقطۂ خیال سے اُس میں ایک بے ترتیبی بے ضابطگی اور ایک ناانصافی بھی دیکھتے ہیں اسمیں کچھ شک نہیں کہ ایسا خیال کرنا بھی ہم پر ایک الزام ہی ہوگا اور ہم اُس کے جواب دہی میں پکڑے جائینگے لیکن اگر قدرت ہماری لاعلمی اور کمی معلومات پر خیال کرے گی تو ہم اپنی جواب دہی میں شاید سرخرو بھی ہو جائیں کیونکہ کسی قانون سے واقفیت بھی بعض حالات میں ایک جواب ہو سکتا ہے اگرچہ ایسا جواب اپنے اندر کوئی وثوق نہیں رکھتا کیونکہ ہمارا دوسری طرف یہ فرض بھی ہے کہ ہم قانون فہمی کی لیاقت بہم پہنچائیں۔ قانون بنانے والے کا فرض قانون بنانا اور قانون کی تبلیغ ہے اور ہمارا فرض بجائے خود کسی قانون کو سمجھنا اور دیکھنا بھی ہے۔

اِن جواب دہیوں اور مغالطوں سے نکلنے کی خاطر ہم نے اپنے واسطے خود ہی ایک ضابطہ تیار کر لیا ہے جس پر ہماری زندگی کے بہت سے کام اور بہت سی مہمات کا انحصار ہے۔ وہ ضابطہ جو ہم نے تیار کیا ہے اس کا نام مجموعۂ قوانین عامہ ہے۔ جن خود ساختہ ضابطہ پر ہم اسوقت چل رہے ہیں اور جسکے ماتحت ہماری زندگانی نشوونما پاتی ہے وہ قوانین عامہ کا ایک ضابطہ ہے۔ اُس ضابطہ کے دو حصے ہیں:۔

(الف) حصۂ مرضیہ۔

(ب) حصۂ غیر مرضیہ۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو قوانین سیاسی کے نام سے شہرت پذیر ہے گو اسمیں بھی وہی قوانین شامل ہوتے ہیں جو ایک انسانی حکومت یا ایک مقتدر انسانی جماعت کے تربیت دادہ ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا بہت سا حصہ سیاست اور حکومت کے نقطۂ خیال کے تحت میں ہوتا ہے اسواسطے ہمیشہ اُسے پہلے حصہ سے غیر اور باہر سمجھا جاتا ہے اور اُس حصۂ دوم کی بہت سی دفعات اور بہت سے مضامین قوانین عامہ کی تعریف اور تحت میں نہیں آسکتے۔

قوانین عامہ وہ ہیں جو ایک عام فرض کے ماتحت ہوں اور قوانین سیاسیہ میں عموماً یہ بات نہیں ہوتی جہاں شخصی حکومت ہے وہاں صرف ایک شخص ہی سے اُن کا تعلق ہوتا ہے اور جہاں جمہوری حکومت ہے وہاں بھی اُن لوگوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے جو باوجود جمہوری حالت کے بھی ایک خصوصیت رکھتے ہیں ایک یہ فرق ہے کہ قوانین عامہ کی نافرمانی سے انسان عام انسانوں کو جواب دہ ہوتا ہے اور قوانین سیاسی کے انحراف سے صرف حکومت جواب لیتی ہے۔ بایں وجوہ ہم اپنی اس بحث سے قوانین سیاسیہ کو با وجود یکہ وہ بھی ایک صورت قوانین عامہ ہی کی رکھتے ہیں نکال دیتے ہیں گو اُن کا تعلق بھی تمام انسانی جماعتوں سے پڑتا ہے مگر اسی حالت میں جب کوئی فرد انسانی

استطراد رجوع لائے یا اُن سے منحرف ہو اور پہلے حصہ کے قوانین عامہ بغیر کسی شرط اور تقیید کے اپنا نفاذ چاہتے ہین۔

قوانین عامہ کے اُس حصہ کی تقسیم جسے ہم ایک دوسرے نام قوانین مرضیہ سے بھی تعبیر کرتے ہین ایک پیچیدہ تقسیم ہونے کے ساتھ ہی نوعی صورت بھی رکھتی ہو اور پھر اُسکے دو حصے ہو جاتے ہین:-

(الف) مرضیہ متفقہ۔

(ب) مرضیہ غیر متفقہ۔

بہت سے قوانین عامہ ایسے ہین کہ جو کل انسانی جماعتون مین بادنیٰ تغیر ایک ہی روش اور ایک ہی رسم کے تابع معمول ہین اور بہت سے ایسے بھی ہین کہ اُس مین یا تو رفتہ رفتہ اختلاف ہونے کی وجہ سے اُن کی نوعیت اور طریق تعمیل بدل گیا ہو اور یا اُن کی نوعیت کچھ مختلف سی ہو گئی ہو۔ پہلی قسم کی مثالین یہ دی جا سکتی ہین۔

صدق۔ محبت۔ فرض۔ معاہدہ۔ اور اتباع وغیرہ وغیرہ یہ اس قسم کے فرائض ہین جن کی ہستی بطور ایک قانون عامہ کے تسلیم کی جاتی ہو لیکن دنیا کی قومون مین یہ طے کر دیا گیا ہو کہ ایسے فرائض کا پورا کرنا ضروری ہی نہین بلکہ لازمی بھی ہو۔

اس کے مقابلہ مین بعض ایسی صورتین بھی ہوتی ہین کہ اُن کا اثر اور جذب کل اقوام کے نزدیک ایک مسلمہ نہین ہوتا بعض اقوام اور بعض گروہون مین اُن کی تقدیس اور تنظیم کی جاتی ہو۔ اور بعض مین اُن کی ہستی کوئی اثر اور کوئی جذب نہین رکھتی۔ اس قسم کی باتین صدہا ہین جنھین دنیا کی بعض قومون اور بعض حصون مین ایک خصوصیت سے وقعت دی جاتی ہو اور اُن سے انحراف ایک قانونی انحراف سمجھا جاتا ہو۔ اور ٹھیک ایک قانون عامہ کے رنگ مین اس کی تصدیق اور تائید کی جاتی ہو۔

مثلاً بعض قومی رسوم اور قومی پابندیان اس قسم کی ہین کہ ایک قوم کے مقابلہ مین تو وہ ایک قانون عامہ کا حکم رکھتی ہین مگر دوسری اقوام مین اُن کی تعظیم بحیثیت ایک قانون عامہ کے نہین کی جاتی۔

کیا ہم ایسی باتون یا ایسی صداقتون اور ایسے مسلمات کو قانون عامہ کے ذیل مین لا سکتے ہین۔ اگرچہ ان کا رنگ تو کسی قدر ایسا ہی ہوتا کہ انھین ہم قانون عامہ کی ذیل مین رکھین مگر جب ہم اُنکی وسعت پر نظر کرتے ہین تو ہمین کہنا پڑتا ہو کہ وہ قانون عامہ کی ذیل مین براہ راست داخل نہین ہین۔

قانون عامہ وہ ہو جو کسی قوم سے مخصوص نہو مثلاً صداقت اور محبت ایک ایسا قانون عامہ ہو کہ اس کی وسعت کسی خاص قوم پر ختم اور محدود نہین ہو جاتی۔

صداقت اور محبت ہر قوم مین ایک ہی ضرورت اور ایک ہی قیمت رکھے گی گو اسپر بھی بعض وقت صداقت اور محبت مین بعض شروط اور بعض قیود لگا دیے جاتے ہین جو چند زاید و وابستگیون کا موجب ہوتا ہو مگر پھر بھی یہ ایک ایسا سکہ ہو جو ہر ملک اور ہر قوم کے بازار مین بسہولت چل جاتا ہو یا چل سکتا ہو۔

اگرچہ ایسے قوانین عامہ کے منوانے کے واسطے کوئی جبر یا جبری تحکم نہین ہوتا کیونکہ ہر شخص بطور خود ہی ان کا حامی ہوتا ہو مگر پھر بھی رفتہ رفتہ اُن کے متعلق بھی ایک قسم کا تحکم اور مجبوری پیدا ہو جاتی ہو غالباً یہ اس واسطے کہ انسان کی طبیعت ہی باوجود ادعاے آزادی کے کچھ ایسی واقع ہوئی ہو کہ وہ بغیر جبر کے آرام بھی نہین لیتی۔ جب تک وہ جبر کا منھ اور سہارا نہ دیکھ لے تب تک اُس کی طبیعت بھی درست نہین رہتی۔ آزادی کی خواہش اور تلاش مین وہ کبھی جو تی اپنے ہی ہاتھون پابند اور مجبور ہوا اسکی آزادی کی قیمت معلوم ہے

گرچہ در خشکی ہزاران رنگ ہاست ماہیان را با یبوست جنگ ہاست

قانون عامہ مرضیہ یا قانون عامہ سیاسیہ یا مرضیہ متفقہ اور مرضیہ غیر متفقہ رواج اور اشاعت ہی اُس وقت پاتا ہی جب اُس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کی پابندی اور مجبوری شامل ہو اگر یہ نہین ہی تو ایسا قانون اثر پذیر بھی نہین ہو سکتا۔

قانون اخلاق جو ایک بڑی حد تک قانون عامہ ہی باوجود اس وسعت اور کشادگی کے بھی بوجہ چند شروط اور قیود کے ایک جبری صورت رکھتا ہی ہنسنا ایک فطری یا طبعی فعل ہی اس پر کسی کا کیا اجارہ ہو سکتا ہی لیکن قانون اخلاق اس کی بابت بھی جو قیود لگاتا ہی کیا اُن کے ہوتے یہ قیاس کیا جا سکتا ہی کہ اُس مین مختلف قسم کی پابندیان نہین ہین غور کروگے تو مان لینا پڑے گا کہ انسان آزادی کا خواہشمند اور مشتاق ہو کر اپنے ہی ہاتھ سے سو سو قسم کی پابندیان اپنی ذات پر عاید کرنے کا عادی ہی۔

جسے تہذیب کہتے ہو یہ ہی کیا ہی بیسیون قسم کی پابندیون اور شروط و قیود کا بکھیڑا ذرا کسی مہذب مجلس مین بیٹھ کر دیکھو کس کس قسم کی پابندیان ہر چہار طرف سے نرغہ کرتی ہین۔ یہ سب کہنے کی باتین ہین کہ انسان آزادی کا دلدادہ ہی۔ یون کہیے کہ انسان آزادی کا مشتاق اور دلدادہ ہو کر بھی سوا ایک قسم کی پابندی اور تعید کے بخوش اسلوبی زندگی بسر نہین کر سکتا سے

حیلہ کرد انسان و حیلہ اش دام بود
آن کہ جان پنداشت خون آشام بود

قوانین عامہ کی یہ ایک بڑی خصوصیت ہی کہ ان کا اقتدار کسی قوم یا کسی فرد کی کدورت کا باعث نہین ہوتا۔ ہر قوم صدق کی پرستار ہی یا کم از کم ایسا دعوی کرتی ہی جب اُس سے کوئی قوم بھی نفرت نہین رکھتی تو پھر اسکی وجہ سے کیا کچھ کدورت پیدا ہو سکتی ہی دنیا مین جو کچھ اسوقت باہمی نفرت اور کدورت پائی جاتی ہی یہ کسی قانون عامہ کا اثر نہین ہی۔

کیا یہ ممکن ہی کہ ساری دنیا قوانین عامہ کی پرستار ہو سکے؟ بدین اعتبار تو یہ ہو سکتا ہی یا قرین قیاس ہی کہ دنیا کی ساری قومین اپنے قوانین عامہ کا اعتقاد کرین اور اُن کے دلون مین گونہ اُن کی عظمت ہو لیکن یہ ممکن نہین کہ کوئی قوم سوا قانون عامہ کے طبقہ دنیا پر کسی عزت اور احترام کے ساتھ رہ سکے۔ قوانین اپنے اپنے دائرہ مین اُسی صورت مین باقی اور قائم رہ سکتے ہین جب اُن کے واسطے کوئی قانون خاص ہی ہو کیونکہ ہر ملک اور ہر قوم کی چست خصوصیات ایسی ہوتی ہین جن پر اُن کی زندگی اور راحت کا انحصار ہوتا ہی۔ اگر ہم قانون قدرت پر غور کرین گے تو ہمین اس سے بھی کوئی نہ کوئی ایسی دفعہ مل جائے گی جو ہمین یہ سکھاتی اور سمجھاتی ہو کہ ہر قوم اپنے ہی دائرہ کے اندر رہ کر باقی رہ سکتی ہی۔

اگر ساری قومین ایک ہی قوم کی صورت مین ہو کر زندہ اور قائم رہنا چاہتی ہین تو اُن کا فرض اولین یہ ہوگا کہ قوانین عامہ کے سایہ مین آجائین اگرچہ اس صورت مین بھی اُن کے درمیان گونہ تباین ہوگا مگر وہ تباین نہین ہوگا جو ایک خاص کلفت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہی۔ کدورت اور کاوش کی زیادہ تر نوعیت اُس صورت مین ہوتی ہی جب ہم قوانین عامہ کو قوانین خاصہ کی حمایت مین توڑتے ہین۔ جب ہم کسی دوسری قوم مین واقعی ایک صداقت اور راستی پاتے ہین تو ہم باوجود اس کو سمجھنے کے بھی محض اس واسطے اُس سے انکار کرتے ہین کہ وہ ہمارے فریق کی مسلمہ نہین ہی یہی نقص دنیا مین زیادہ تر بیچینی کا موجب ہو رہا ہی کہ ہم قوانین خاصہ کی خاطر قوانین عامہ کو توڑ ڈالتے ہین حالانکہ قوانین خاصہ مین چند دفعات ایسی بھی ہوتی ہین جو صداقتون کا خیر مقدم کرتی ہین۔ قوانین خاصہ سے قوانین عامہ کی شکست ہوتی ہی یا بہت سے امور قوانین عامہ کی

حمایت مین ہوتے ہین لیکن قوانین خاصہ کی بیجا حمایت سے اُس سے اُس مواد کی قدر و منزلت نہین کی جاتی۔

قوانین عامہ اور قوانین خاصہ دو جدا جدا صیغے ہین لازم ہے کہ ہم اُنھین اپنی اپنی جگہ پر رکھین اور اُن مین جو امور مشترک ہین اُنکا احترام کرین اور جہان جہان تطبیق ہو سکتی ہو وہ کرتے جائین اور اُن امور مین کشادہ دلی سے کام لین مثلاً اگر بعض امور کسی دوسری قوم یا کسی دوسری ملت مین ایسے ہین کہ اُن کی تصدیق اور تائید کوئی صعوبت اور کوئی واقعی بے حرمتی نہین رکھتی تو اُن کا تسلیم کرنا کوئی نقص نہین پیدا کر سکتا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ مختلف قومون اور مختلف گروہون مین آشتی پیدا ہوتی جائیگی اور ایک قوم یا ایک ملت دوسری قوم کے یا دوسری ملت کے قریب تر ہوتی جائیگی جبتک ہم قوانین خاصہ کی وجہ سے قوانین عامہ کے توڑنے اور مقابلہ سے نفرت گزین نہین ہونگے تب تک وہ صلاحیت اور وہ آسائش جن کا انسان کبھی کبھی خواہشمند ہوتا ہے نصیب نہین ہو سکتی۔

قوانین عامہ دنیا مین امن قائم کرتے ہین اور اُنھین کسی سے بھی کدورت نہین لیکن قوانین خاصہ باوجود اس کے کہ اُن مین قوانین عامہ کی تصدیق ہوتی ہے مخالفت کرتے ہین۔

جب تک ہم قوانین عامہ کی قدر و منزلت کے عادی نہین ہونگے اور قوانین عامہ کا حصہ اُنھین نہین دیا جائیگا تب تک باوجود استعداد تہذیب اور تعلیم کے بھی ہم اُس صلاحیت اور اُس آسائش کے وارث نہین ہو سکتے جو مزعوم ہے یا جو ہماری آسائش کی چیدہ اور فائدہ بخش صورت ہے۔ اگرچہ دنیا والون نے صداقتون مین امتیاز اور فرق کر چھوڑا ہے لیکن آخر صداقت صداقت ہے خواہ کسی جگہ سے ملے اور موتی موتی ہے خواہ کسی درج مین ہو۔

تم دنیا کی مختلف صورتون اور کوائف کا ورق الٹ کر دیکھو بعض صداقتین اب ساری دنیا مین بالاتفاق مانی جاتی ہین حالانکہ ایک وہ وقت بھی تھا کہ اُن کی تائید مین گونہ اختلاف تھا۔ مگر رفتہ رفتہ لوگ سمجھ گئے کہ صداقت صداقت ہی ہے اگرچہ اُس کا منبع کچھ ہی ہو۔

عطیات قدرت سے ہر کوئی مستفیض ہوتا ہے حالانکہ ان مین گونہ اختلاف بھی ہوتا ہے۔ ہر شخص خدا ہی سے دعا کرتا ہے۔ حالانکہ بہت سے اشخاص مین باہمی کدورت اور اختلاف بھی ہوتا ہے۔ چونکہ عطیات قدرت اور خدا ے قدیر ایک صداقت ہے اسواسطے قوانین عامہ کے تحت اُسے سب کوئی مانتا ہے۔ ایسی ہی دوسری صداقتون کا بھی انجام ہونا چاہیئے۔ اس کے واسطے کشادہ دلی کی ضرورت ہے اور ایسی کشادہ دلی نصیب نہین ہو سکتی جبتک قوانین عامہ سے کام نہ لیا جائے۔

سلطان احمد

کوئی ہے دلفروش۔ کوئی ہے جگر فروش
اک مین ہون تیرے چاہنے والون مین سرفروش

دیکھین جو اور کو بھی تجھے دیکھنے کے بعد
اے حسن یار ہم وہ نہین ہین نظر فروش

ناحق عتاب یار ہے کیون اے ہیبت آفرین
ہم خوگر ستم ہین نہ ہون گے خطر فروش

مایوسیِ فراق نے دل سرد کر دیا
نالے ہین اب نہ گرم نہ آہین شرر فروش

پھر میرے زخم دل پہ چھڑکتے ہین کیون نمک
مشہور خلق جبکہ وہ لب ہین شکر فروش

عنقا ہون اہل ذوق تو قدر سخن کہان
حسرت لقب ہے ٹھیک تمھارا ہنر فروش

حسرت موہانی

دورِ مُضمر

۱

مین بالقوی وہی ہون جو تم بالفعل ہو۔ میری حرکات غیر ارادی ہین۔ مین دیکھتا ہون مگر نہین جانتا کہ دیکھتا ہون۔ نہ مجھ کو یہ علم ہی کہ جو کچھ نظر آتا ہی وہ کچھ چیز اور محسوس العین ہی۔ مین سُنتا ہون لیکن تفریق اصوات پر قدرت نہین رکھتا، بلکہ یہ بھی مجھے نہین معلوم کہ جو سنائی دیتا ہی وہ آواز ہی۔ میرے اندر کوئی شے ہی جو مجھے رُلاتی ہی مگر اُس کی تعیین میرے امکان سے باہر ہی۔ رو دیتا ہون لیکن یہ اضطرار محض ہی۔ حواس لامسہ و شامہ و ذائقہ مجھ مین سب موجود ہین۔ پر میرے احساس کو تم نہین سمجھ سکتے اور ادراک تو مجھ مین ہے ہی نہین۔ تمھارے لغات میری کیفیات کے بیان مین بالکل قاصر ہین۔

۲

مین محسوسات مین صرف اتنا امتیاز کرتا ہون کہ اس سے آرام پہنچتا ہی اور وہ باعثِ تکلیف ہی۔ لیکن یہ احساس آرام و تکلیف تمھارے احساس سے متغایر ہی اور شاید کتے بلی کے احساس سے زیادہ مشابہ ہی۔ مجھے اپنی ماں کا چہرہ پیارا معلوم ہوتا ہی کیونکہ رفع تکلیف اور اُس کے مابین کوئی نسبت ہی۔ جب میری ماں مجھے دیکھ کر مسکراتی ہی تو مین بھی خوش ہوتا ہون اور اُس کی باتون کے جواب مین جو فی الحقیقت میرے فہم سے بالاتر ہین کچھ آواز بھی نکالتا ہون لیکن یہ بھی ایک رازِ سربستہ ہی۔ مجھے احساس کے علاوہ اعلام و ادراک بھی ہوتا ہی مگر تمھارے اعلام و ادراک کی طرح مشخص نہین۔ میرا حافظہ بہت کمزور ہی، اور استدلال میرے حیطۂ امکان سے باہر ہی۔ البتہ متخیلہ سے اکثر کام لیتا ہون۔ ارادہ ضرور مجھ مین ہی پر کامل و مستقل نہین۔

۳

کسی مقام معین مین دیر تک رہنے سے مجھے نفرت ہی اور اپنے برابر والون کے ساتھ کھیلنا بہت پسند ہی۔ میرے والدین خصوصاً میری ماں سے طاقتور کوئی نہین۔ اس کا تسلط کل عالم پر ہی۔ پس اگر کوئی مجھ کو مارے، خواہ وہ بادشاہ ہی کیون نہو، تو مین اُس کو اپنی والدہ سے سزا دلا سکتا ہون۔ مجھے شیرینی بہت مرغوب ہی اور سفید سیاہ وغیرہ کے مقابلہ مین سرخ رنگ زیادہ پسند کرتا ہون۔ مین اشیائے مختلفہ مین بخوبی امتیاز کر سکتا ہون اور تمھاری زبان کے سیکڑون الفاظ مین نے سیکھ لیے ہین، حالانکہ اُن کا مفہوم میرے لیے ہو بہو وہی نہین ہی جو تمھارے لیے ہی۔ جو کچھ تم میرے سامنے کرو مین بالطبع اُس کی نقل کرنے پر مائل ہوتا ہون۔

۴

حرکت جسمانی مین مجھے بڑا لطف آتا ہی اور کھیل کود سے میری طبیعت کو مناسبت ہی۔ مین ادراک پر قادر ہون لیکن معقولات کے مقابلہ مین محسوسات کو جلد اور بآسانی سمجھ سکتا ہون۔ مجھے تجربات اشیا کا بہت شوق ہی اور استدلال بھی کرتا ہون مگر بجائے استخراج کے استقرا بلکہ تمثیل ہی اکثر میرا طریق استدلال ہوتا ہی۔ تمھارے چہرے مین خوشنودی و ناخوشی، رنج و راحت، ملال و غصہ وغیرہ کو بخوبی استنباط کر سکتا ہون۔ تم بے شک مجھے خود غرض جانتے ہو لیکن مین معذور ہون، کیونکہ مجھے تو بالطبع اپنے ہی مزہ اور خوشی سے دلچسپی ہی۔ تمھارے لفظ ایثار کا مفہوم میرے ادراک سے خارج ہی۔

۵

مجھے لہو و لعب مین ابتک لطف آتا ہی بالخصوص اُن کھیلون مین جن مین

مقابلہ ہوتا ہے میں جھوٹ اور سچ کا مطلب خوب سمجھتا ہوں، اور برائی بھلائی میں اچھی طرح امتیاز کرتا ہوں۔ اپنی مادری زبان کے بیجاسوں محاورات مجھے ایسے معلوم ہیں کہ اگر کوئی غیر زبان والا سیکھے تو برسوں میں آئیں۔ میرے دل میں جنس ثانی کی جانب ایک ہلکی سی کشش ہے جس کی توجیہ مجھ سے ممکن نہیں۔ اس خواہش کی تولید ابھی حال میں ہوئی ہے شاید اسی باعث میں ہنوز اس کو بخوبی سمجھتا بھی نہیں ہوں۔ میرے قوائے دماغی روز بروز مضبوط ہوتے جاتے ہیں جیسے جیسے سن بالیدگی میں ترقی کرتا ہے اور تجربات کے ذریعہ سے ہستی کے معمے کھلتے جاتے ہیں عقل بھی روشن ہوتی جاتی ہے۔ قوت میرا حافظہ گوناگوں معلومات کا ذخیرہ ہے اور چونکہ تخیل زور پر ہے اس لئے قصے کہانیوں سے بہت محظوظ ہوتا ہوں۔

٦

جنس ثانی کی طرف بہت کشش دل میں پاتا ہوں کچھ اس وجہ سے اور کچھ جسمانی طاقت کے ترقی پا جانے سے ایک طور کی وحشت میرے مزاج میں آتی جاتی ہے۔ چنانچہ مختلف مقامات کی سیر کا مجھے بہت شوق ہے اور اُن لوگوں کی سرگزشتوں کے سننے یا پڑھنے میں بڑا لطف آتا ہے جنھوں نے طرح طرح کے خطروں میں پڑ کر اپنی چالاکی اور ہمت اور کوشش سے رہائی حاصل کی۔ نیز خود اپنی جسمانی قوت کے اظہار سے بھی مجھے بہت خوش ہوتا ہے میں ایسے مواقع کی قدر کرتا ہوں اور اُن کا منتظر رہتا ہوں۔ فی الحال استدلال ریاضی میری سمجھ میں خوب آتا ہے۔ ادلۂ منطقیہ سے بھی قدرے حظ حاصل ہوتا ہے خصوصاً مغالطاتِ صوری و معنوی جن کے ذریعہ سے حریف کو شکست دی جائے، میرے لئے زیادہ باعث دلچسپی ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت میرے بزرگ مجھ کو حرکات نامناسب و افعالِ مضر سے نہ روکیں تو میری صحتِ دماغی کے بگڑ جانے کا بڑا خطرہ ہے۔

٧

میرے اعضاء اور قواء تکمیل اور نشو و نما یافتہ ہیں تمیز میں اب راسخ العادات ہوں۔ تمام جسمانی اور دماغی طاقتیں میں نے اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہیں، اور میرے اخلاق اُس تعلیم اور صحبت کا نتیجہ ہیں جو زمانۂ طفلی سے اب تک مجھکو ملیں۔ میرے اعضاء اور قواء کی تکمیل کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اب مجھ میں تغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام عالم کے ساتھ ساتھ میں بھی ہر اعتبار سے بدلتا چلا جاؤں گا۔ میرے معتقدات اور خیالات کا تنوع حیرت انگیز ہے اور انمیں برابر ترمیم و تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ علوم مختلفہ سے میں خود بھی لذت یاب ہوتا ہوں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہوں۔ اکثر میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کو اپنا ہم خیال بناؤں۔ میری گفتگو میں اسم افعل التفضیل کی بھرمار ہوتی ہے میں پسند نہیں کرتا کہ لوگ میری حرف گیری یا نکتہ چینی کریں۔

٨

افسوس میری اکثر طاقتیں رو بانحطاط ہیں گو اب بھی جسم اور دماغ میں بہتیری قوت ہے، لیکن کچھ نہ کچھ کمی ضرور واقع ہوئی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ اب نہ ہاتھ سے اتنا کام ہوتا ہے اور نہ پاؤں اسقدر دوڑ سکتے ہیں متخیلہ بھی قدرے ضعیف ہو گیا ہے اور غالباً اسی وجہ سے وہ پہلا سا جوش بھی جاتا رہا۔ البتہ ایک قوت یعنی ترجیع[1] نے ترقی کی ہے میں قائل کے فقط قول ہی کو نہیں سمجھتا بلکہ یہ بھی جاننے کی خواہش رکھتا ہوں کہ کیوں کہا اور کیونکر کہا۔ چنانچہ لوگوں کی گفتگو کے اغراض کو قیاس کرتا ہوں اور اُن کے اقوال کو معلول جانکر علت تک پہنچنے کی کوشش

---

[1] یعنی Reflection یہ لفظ لاطینی ہے معنی مڑنا۔ ترجیع کے بھی یہی معنی ہیں۔ مجبوراً عام کو خاص معنی میں یعنی بطور اصطلاح منقول یا خاص استعمال کیا ہے عبارت مابعد سے اس کے معنی کی تشریح ہوتی ہے ۱۲

کرتا ہون۔ یون میرے دلمین ہر وقت عمل تنقید جاری رہتا ہے اور اس تنقید کے زیر عمل میرے اپنے خیالات و تصورات بھی آتے ہین بعض اوقات مین گروہ یا قوم، ملک یا سلطنت، جہان یا کل عالم کو ایک حکم مین جمع کرتا ہون، یعنی بجائے منفرد سمجھنے کے موجودات کو بہم گرا ایک سلسلۂ لامتناہی مین منسلک خیال کرتا ہون۔

۹

قوائے جسمانی تو زائل ہو ہی رہے ہین مگر قوائے دماغی بھی بہت کمزور ہوگئے جسم ایک بار ہے جو مجھکو مجبوراً اٹھانا پڑتا ہے بلند و بالا طاق ہے۔ دنیا کی چیزین بھیانک صورت اختیار کرتی جاتی ہین حافظہ نہایت ضعیف ہوگیا۔ ہان واہمہ برسر ترقی ہے۔ اگر تجربات گزشتہ کا سہارا نہوتا تو ایسے ضعف کی حالت مین زندگی متعذر ہوجاتی بعض اوقات مین اپنی دل کی تسلی کے لیے کہتا ہون کہ بلا سے اعضا، کمزور ہوگئے تو کیا، مین نے اُس کا عوض افزونی عقل مین پالیا شاید یہ بھی واہمہ کی ترقی کا ثبوت ہو۔

۱۰

اب تو زندگی بالکل بے لطف بلکہ وبال جان ہے کُل حواس ظاہری و باطنی جواب دیتے جاتے ہین جسطرح ایام طفلی مین میری حرکات سے خودغرضی ظاہر ہوتی تھی وہی کیفیت اب بھی ہے۔ رجعت قہقری کرکے مین پھر اُسی پُرانے معیار پر آرہا۔ اِس پر اضافہ یہ ہے کہ اب ہر شخص مجھ کو اپنا دشمن دکھائی دیتا ہے یقین و اطمینان کی جگہ شک و گمان نے لے لی۔ واقعات خواب و خیال ہوتے جاتے ہین۔ اورون کا تو کیا ذکر مین خود اپنے خیالات کو تحلیل نہین کرسکتا۔ آفتاب سرکوہ ہون۔ ہر دم موت کی آمد کا خوف دامنگیر ہے۔ میری ہستی دو ہستیون کے درمیان تھی دائرہ کے جس نقطہ سے مین نے چلنا شروع کیا تھا اب اُسی پر آگیا۔

فاعتبروا یا اولوالابصار۔

ایس۔ ڈبلیو۔ بٹلر

تعلیم پر چند خیالات

علاوہ اُن تمام فوائد کے جو اِس بیسوین صدی مین ہمکو حاصل ہین، سب سے افضل و کارآمد حصول تعلیم کی سہولتین ہین۔ ہم ایک ایسے عہد مین زندگی بسر کررہے ہین جسمین کتابین ارزان، کتبخانے مُفت ملنے لاتعداد، اور اخبارات دلخوش کن اور مسرت افزا ہین۔ اسمین کوئی شک نہین کہ تعلیم سے انسان کو بہت بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ جو اِس بات کو غلط تصور کرتے ہین، اُن کا یہ خیال لغو اور مہمل ہے ضرور اسمین صداقت ہے کیونکہ تعلیم محض سِکھانے پڑھانے کا نام نہین، جس سے لازمی طور پر انسان گھبرا کر تھک جاتا ہے، بلکہ یہ ایک نہایت اشرف و اعلیٰ شے ہے جو تزکیۂ نفس و روح کرتی ہے اور بنی نوع انسان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی اور فضیلت بخشتی ہے "علم ایک بہت بڑی طاقت ہے" نہ صرف طاقت بلکہ ایک ارفع و اعلیٰ طاقت، لیکن سوال یہ باقی رہتا ہے کہ اُس اعلیٰ طاقت تک کسطرح رسائی ہوسکتی ہے؟ اِس کا جواب انگریزی زبان کے ملک الشعراء ٹینی سن اسطرح دیتا ہے "خودی، خودشناسی، اور نفس کُشی، صرف یہ تین چیزین، ہماری زندگی کو اُس اعلیٰ طاقت کیطرف رہنمائی کرتی ہین"۔

تعلیم سے انسان کے مختلف قویٰ کی نشو و نما، اور علم الانسان سے واقفیت حاصل کرنا مقصود ہے۔ ہمین اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے اس کو تین عنوانات مین تقسیم کردینا چاہیے:-

(۱) دماغی تعلیم
(۲) اخلاقی تعلیم

(۲) جسمانی تعلیم۔

جبتک ان تینون پہلوؤن پر پورے طور سے توجہ نہ کی جائے گی اُس وقت تک تعلیم ہنوز اپنی ابتدائی حالت مین ہوگی، اور پھر تعلیم کا جو نصب العین ہے اُس تک پہنچنا بہت دشوار ہوگا۔

(۱)

تعلیم ایک قسم کی دل و دماغ اور جسم و روح کی تربیت ہے ہمارے داغون کی تربیت کے لیے ہمین اشیا کا جیسی کہ وہ ہمارے گرد و پیش نظر آرہی ہین، مطالعہ کرنا چاہیے، اور چاہیے کہ اُس پر سے ہم اپنے زمانہ کی حرکات کا ایک صحیح خاکہ قائم کرین۔ صرف تحصیل علم سے تعلیم مراد نہین، اور نہ اُس سے دماغ کو علم سے پُر کردینا مقصود ہے، کیونکہ "وہ عالم جو علم سے بھرے ہوے دماغ کے ساتھ کچھ غور و فکر، اور درک و فہم نہین رکھتا اُس گدھے کے مانند ہے جس کی پشت پر کتابین لدی ہون" اس لیے چاہیے کہ ہم غور و فکر کی عادت ڈالین اور ہر بات مین تفکر و تدبر سے کام لین، اور جب یہ عادت ہم مین پیدا ہوگئی تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری نصف تعلیم مکمل ہو چکی۔

غلطی سے مدارس کے ساتھ ہی تعلیم کا اختتام سمجھا جاتا ہے حالانکہ تعلیم ہماری زندگی کے ساتھ ختم ہونیوالی ہے، کیونکہ زندگی عبارت ہے کثرت ایام سے، اور ہر یوم تحصیل علم کا ایک مخزن ہے پس تعلیم کو زندگی بھر جاری رکھنے کے لیے علم کا ایسا شوق پیدا کرنا چاہیے جو کبھی اس دنیا مین پورا ہی نہو، اور ہمین اُس کی تکمیل پر مطمئن نہ بنا دے، تعلیم کو کسی وجہ سے خودغرضانہ عیش و تنعم کا ذریعہ نہ بنانا چاہیے اگرچہ عیش و تنعم قابل رشک چیز ہے، کیونکہ یہ خدائی جلال و عظمت کا ایک زرین سرمدی خزانہ اور ثمرۂ بخشش حیات ہے۔

تعلیم کا مقصد خشک صوفیون، مہمل فلسفیون اور طامع و حریص اقتصادیون کا پیدا کرنا نہین ہے بلکہ ایک ایسے نیک شہریون کی نسل کا جو خالق و مخلوق کی نسبت اپنے فرائض سے باخبر ہون، جو دنیا مین صداقت و راستی سے چلنا چاہتے ہون اور جو اپنے اوقات کا صحیح استعمال کرتے ہون لیکن مدارس کی تعلیم اس اعلی مطمح نظر تک پہنچانے مین قاصر رہتی ہے کیونکہ "مدارس اور دار العلوم" جیسا کہ لاگ کا خیال ہے "ہم کو بہ نسبت دنیوی امورات کا اہل بننے کے یونیورسٹی کا اہل بنا دیتے ہین" ہم صرف یہ چاہتے ہین کہ ہمارے طلبا، نقد و بحث کرنا سیکھین اور آزادانہ طور پر اپنے خیالات و آرا کو منتظم کرین لہذا مدارس کو ٹکسال نہ بنا دینا چاہیے جہان سے بطور سکہ جات ہزارون طلبا، بلا طوع و رغبت، اور طبعی ذوق و شوق کے تیار ہو جاتے ہین۔ ہر دار العلوم (اکیڈیمی) کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ نفوس کی تربیت کرے اور اُن کو معلومات کے ایک معقول ذخیرہ سے مالا مال کر دے، جو ایسی بنا پر مبنی ہون جس پر اُن کی آئندہ زندگی کی عمارت تعمیر کی جا سکے!

زمانۂ قدیم کا ایک فلسفی کہتا ہے: "اُن تمام باتون کے علاوہ جو تو نے حاصل کی ہین درک و فہم حاصل کر" فی الواقع بغیر قوت ادراک اور صحیح عقل و فہم کے تعلیم اس کمرہ کی طرح ہے جو بغیر فرنیچر (سامان آرائش) کے ہو عموماً لوگ عقل و بصیرت کی قدر و قیمت نہین جانتے اُن کا شعار صرف کتابین پڑھ لینا ہے، پس وہ محض سطحی اور ناپائدار زمین پر قدم فرسائی کر رہے ہین، وہ اپنی قوت حافظہ کو زور دے کر دماغ کے قوائے لطیف کی خرابی اور بربادی کر رہے ہین اور آخر کار بجائے صحیح معنون مین طالب علم ہونے کے صرف پیشہ ور متعلم بنجاتے ہین۔ اُن کے نزدیک صرف اُن چیزون کی تحصیل ضروری ہے جو زندگی مین اُن کے لیے عملی طور پر بکار آمد ہون۔ حالانکہ وہ اُس عظیم الشان ذخیرۂ علوم سے کچھ فائدہ نہین اُٹھاتے جس کو انھون نے بغیر اپنی دماغی ضروریات کی مناسبت کے اسطرح بے دردی سے جمع

کر لیا ہو، اور یہی سبب ہو کہ سلسلۂ تعلیم کو مکمل کر چکنے کے بعد حصول علم میں اُن کے لیے کوئی مزید دلچسپی باقی نہین رہتی۔

ہر علم و فن مین سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اگرچہ کسی علم و فن کی بکلیہ تحصیل نہایت مفید نتائج اپنے اندر رکھتی ہو علیٰ ہذا تعلیم مین پورے طور سے کامیاب ہونے کے لیے ہمین ایک عالم و ماغی کی آب و ہوا (Intellectual atmosphere) مین رہنا چاہیے وہان اُس مسرت و نشاط کا بخوبی لطف اُٹھایا جاسکتا ہو جو تبادلۂ خیالات کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہو جہان پر مغز علمی بحث و مباحث سے ہم مستفیض ہوتے ہین، وہ بحث و مباحث جو مختلف اقسام علوم کے ماہر اور مدینۃ العلم کے راستون کے سرگرم اور ستعد رہرو کیا کرتے ہین۔

(۳)

کسی قسم کی تعلیم فی زماننا یا زمانہ آیندہ مین، بغیر اعلیٰ وصف اخلاق کے ذریعۂ مسرت و کامرانی نہین ہو سکتی۔ ہر مذہب کا ماحصل "اخلاق" کی تعلیم دینا اور صداقت و اُلفت کی دعوت کرنا ہو اور شاید یہ کہنا کہ "انسان بغیر مذہب کے ایک جسم ہو جسمین روح نہ ہو" مبالغہ سے خالی نہوگا، تاہم اس مین صداقت کی ایک جھلک ضرور پائی جاتی ہو، کیونکہ انتہائی درجہ پر مذہب کی پیروی انسان کو الوہیت تک پہنچا دیتی ہو، مذہب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ صبر و تابانی کی تلقین کرتا اور ہمارے خیالات کو وسعت دیتا ہو۔ یہ ہمکو اس دنیا کے علاوہ ایک دوسری دنیا کے لیے فکر کرنا سکھاتا ہو مذہب ہمارے سامنے خدا کا ایک مقدس خیال پیش کرتا ہو جو تمام حکمتون کا سرچشمہ اور تمام علمون کا منبع ہو۔

ایک تعلیم یافتہ آدمی بغیر عمدہ اخلاقی کیرکٹر کے، اپنی خود فروشانہ حرص و طمع مین مبتلا رہتا ہو۔ پس صرف کتابین پڑھ لینے سے لفظ تعلیم اپنے صحیح مفہوم مین نہین ادا ہو سکتا، اس لیے کہ اخلاق تعلیم کا جزو اعظم ہو جس کے بغیر وہ ہرگز مکمل نہین کہی جاسکتی ہر شہر و ملک اور ہر عہد کے تمام ادبیات مین "اچھی تربیت" سب آدمیون کے نزدیک خواہ وہ ادنیٰ ہون یا اعلیٰ قابل تعریف رہی ہو۔ شریفانہ ضبط و تحمل اور خصائل محمودہ ہر سوسائٹی کی مابہ الامتیاز خصوصیتین رہی ہین اور شخصیتون کا بہت بڑا زیور سمجھی گئی ہین۔ لیکن وہ نسل انسانی کا درخشان ستارہ، باوجود حکمت کے عظیم الشان ذخیرہ اور علم کے زبردست خزانے کے اس موزون اور عمدہ ترین لقب، "Ideally educated man" کا مستحق نہین ہو سکتا محض اس لیے کہ اُس کا اخلاقی پہلو بالکل تاریک اور ناتربیت یافتہ تھا تاریخ کے پارینہ اوراق کو اُلٹتے وقت ہماری نظر بہت سے مشہور فلاسفر، ادبا، مورخین، مقررین، سیاست دان اور مقننین کی مثالون پر پڑتی ہو جو صرف اپنے دامن اخلاق پر دھبہ ہونے کی وجہ سے صحیح طور تربیت یافتہ لوگون کی صف مین کھڑے ہونے کے جائز نہین ہین، گو یہ اُن کے لیے ایک بہت بڑی بدقسمتی ہو تاہم احتیاج تعلیم صحیح کے اعتبار سے کوئی بیجا اور نامناسب نہین۔

سچ پوچھیے تو تعلیم گھر ہی سے شروع ہوتی ہو جہان عورت یا اجزو دیگر ان، ہی معلمہ ہوتی ہو۔ پس اگر ہم اپنی تعلیم کو آئیڈیل بنانا چاہتے ہین تو ہم کو علم و ادب کی تمام شاخون مین اپنی سوسائٹی کی نصف بہتر کو ضرور تعلیم دینا چاہیے۔

(۴)

ایک حکیمانہ مقولہ ہو: "وہ لوگ جو جسمانی ورزش کرنے کے لیے وقت نہین پاتے وہ بیمار ہو جانے کا وقت بہت جلد پا لیتے ہین" بمقتضائے فطرت انسانی کوئی شخص بھی بیماری کی تکالیف برداشت کرنا پسند نہ کرے گا۔ لہذا جسمانی تکالیف و آلام سے محفوظ رہنے کے لئے ہم کو اپنے وقت کا ایک خاص حصہ جسمانی ورزش کے لیے، آن

کر دینا چاہیئے۔

اس مشہور و معروف ضرب المثل "تندرست جسم مین صحیح دماغ"
کا مصداق ہونا اُس وقت ممکن ہو جبکہ ہم راحت و طرب اور مسرت و
اطمینان وغیرہ مفرحات قلب و دماغ سے صحیح طور پر حظ اُٹھا سکین،
جو ایک بہت بڑے پیمانہ پر تربیت جسمانی کا نتیجہ ہین یہ ہمارے اعصاب کو
تقویت بخشتی اور ہمارے قوا کو مضبوط و مستحکم بناتی ہو لہذا ہم کو کافی
ورزش کرنی چاہیئے جس سے ہم ہر کام آسانی سے کر سکین یہی ورزش
اور کثرت ہمارے تخیلات پر ایک پر صحت اثر پیدا کرتی ہو لیکن کس قدر
افسوس کی بات ہو کہ مدارس مین طلبا کھیلون کی کچھ قدر نہین کرتے۔

مختصر یہ کہ ہماری تعلیم آزادانہ ہونی چاہیئے تعلیم کا آئیڈیل ہماری
سوسائٹی مین نیک افراد پیدا کرنا ہونا چاہیئے جو خوف خدا بھی رکھین اور
بنی نوع انسان کی تعظیم و تکریم کرین علاوہ ازین ہم کو اپنے پہلو مین ایک
محبت بھرا ہوا دل رکھنا چاہیئے تاکہ ہم تمام نسل انسانی کو متفق کرنے اور مدد
کرنیکے قابل ہو سکین۔ الغرض تعلیم ایسی ہونی چاہیئے جس سے ہمارے
ابناء جنس کے ساتھ اتفاق و یگانگت اور ہمدردی کا احساس ہمارے دلمین
جگہ پکڑ لے اور تمام علوم و فنون اس غرض سے سکھائے جائین کہ ہم مین بڑے بڑے
دانشمند عقلا اور محبان وطن پیدا ہون جو نسل انسانی کی فلاح و بہبود
مین سرگرم رہین۔

اختر جوناگڑھی

جھانسی کی رانی

جھانسی وسط ہند (بندیلکھنڈ) مین واقع ہو جہان زمانہ قدیم مین
بندیلا راجپوتون کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا تھا مگر زمانہ مغلیہ مین
ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

مدتون یہان گوساوی راجاؤن نے حکومت کی ہو مگر ان کی
حالت کمزور ہو جانے پر بورچا راجہ بیر سنگھ جو زبردست تھا گوساوین
پر غالب آگیا اور سلطنت پر اپنا قبضہ کر لیا۔ یہ بیر سنگھ وہی ہو جس نے
شہزادہ سلیم کی تحریک سے ابو الفضل کا خون کیا تھا۔ مگر جب اکبر نے
اس کی گرفتاری کا حکم نافذ فرمایا تو یہ شخص اسطرح فرار ہو گیا کہ کسی کو پتہ بھی
نہ لگا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان اور جب تک کہ اکبر کا دور حکومت رہا
بیر سنگھ اُس محفوظ قیام سے باہر نہ نکلا جہان اُس نے بھاگ کر پناہ لی تھی۔
مگر جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی اُس نے پھر دوسرا جنم لیا اور جہانگیر
کی خدمت مین حاضر ہو کر اپنی دردناک مصیبت کی داستان سنائی۔
کیونکہ یہ ساری آفتین بیر سنگھ نے جہانگیر ہی کے لیے جھیلی تھین۔ بادشاہ
نے اُسکے حسن خدمات کا اندازہ کر کے پھر اُسے اُس کا راج واپس
دیدیا۔ مگر شاہ جہان کا زمانہ اِسے راس نہ آیا اور یکایک ایسا انقلاب
ہوا کہ اسکا راج پھر چھین لیا گیا اور سنہ ۱۸۰۰ء تک جھانسی مغلیہ
سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہی رہا۔

جب بہادر شاہ کے ہاتھ مین عنان حکومت آئی تو اُس نے جھانسی
اپنے ایک خدمتگار یا جان نثار راجہ چھتر سال کو بطور جاگیر بخش دی۔
چھتر سال نے جب تک مغلیہ سلطنت کا زوال شروع نہ ہوا تھا آرام سے
راج کیا لیکن اِدھر مُغلیہ حکومت کا آفتاب غروب ہونے لگا اور اُدھر
سرکشون نے چھتر سال کا ناکون دم کر دیا خصوصاً مالوہ کا مسلمان سردار
اور الہ آباد کے نواب نے تو اِسے سونا تک حرام کر دیا تھا۔ چھتر سال
سخت پریشانی کی حالت مین مبتلا تھا آخر مجبوراً اسے باجی راؤ پیشوا سے
امداد طلب کرنا پڑی مرہٹہ فوج نے چھتر سال کے دشمنون کا کھلے میدانون
مین مقابلہ کیا اور اسطرح چھتر سال کو آرام نصیب ہوا۔

چھتر سال کی عمر زیادہ ہو چکی تھی اور بد قسمتی سے اُسکے کوئی اولاد بھی
نہ تھی لہذا اُس نے اپنے مربی اور محسن باجی راؤ پیشوا ہی کو تخت کا

وارث قرار دیا۔ اس طرح سے جھانسی مرہٹہ حکومت میں داخل ہوگئی اور یہاں اُس وقت سے ایک مرہٹہ حاکم مقرر ہونے لگا۔

جھانسی کے پرانے حقدار گوسائی راجہ یہ دیکھ کر بل گئے اور ہر طرف سے مرہٹہ حاکم کو ستانا شروع کیا مگر باجی راؤ پیشوا نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک زبردست لشکر رگھوناتھ راؤ نیمبھالکر کے زیر کمان روانہ کیا جس نے غنیم کو جھانسی کی حدود سے بھگا دیا۔ یہ کامیابی اور فتح دیکھ کر باجی راؤ اپنے لائق اور جان نثار افسر رگھوناتھ راؤ نیمبھالکر سے از حد خوش ہوا اور قدردانی کے طور سے اِسے یہین کی حکومت بطور خاندانی حقوق کے عطا فرمائی۔ جب رگھوناتھ راؤ بھی ضعیف ہوگیا تو اسکے بھی کوئی اولاد نہ تھی آخر اُس نے اپنے بھائی شیو راؤ بھاؤ کو یہاں کی صوبہ داری مرحمت کی۔

باجی راؤ کی کمزور طبیعت اور پست حوصلوں کی وجہ سے جو اُس کی سلطنت کا حال ہوا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کیونکہ اُسکے کل ماتحت حاکموں نے علم بغاوت بلند کر کے آزادی کا جھنڈا لہرانا شروع کر دیا تھا جنمیں ایک شیوا راؤ بھاؤ بھی تھا۔

انگریزی جنرل ویلزلی اور لیک نے پیشوائی کشتی کو ڈوبتے بچایا کیونکہ سندھیہ، ہولکر اور ناگپور کا راجہ مرہٹہ سلطنت کی بنیاد کو اُکھیڑ ڈالنا چاہتے تھے مگر انگریزوں کی وجہ سے اُن کو یہ موقع نہ نصیب ہوا۔ شیو راؤ بھاؤ انگریزوں کے ساتھ تھا۔ اور اُس نے اپنی حیثیت کے موافق اچھی خاصی انگریزوں کو مدد دی۔

شیو راؤ کی بھی عمر زیادہ ہوجانے سے اُس نے زمام سلطنت اپنے نواسے رامچندر راؤ کے ہاتھ میں دیدی اور آپ اپنی عمر کے آخری حصّہ برہمہ ورت کی پاک زمین یعنے بٹھور میں گذارنے کے لیے چلا گیا۔

سنہ ۱۸۱۷ء میں انگریز اور رام چندر راؤ میں ایک معاہدہ ہوا جسمین انگریزوں نے رام چندر راؤ کو جھانسی کا خاندانی حاکم قبول کیا اور یہ بھی قرار پایا کہ بوقت ضرورت رام چندر راؤ انگریزوں کا ساتھ دے۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں رام چندر راؤ کو راجہ کا خطاب دیا گیا اور اس نے اپنی خوشی سے نشان "یونین جیک" جھانسی کے قلعہ پر لگا دیا۔

رام چندر راؤ کی وفات کے بعد اُس کی بیوہ بیوی نے اپنے بھانجے کرشنا راؤ کو جھانسی کا راج دیا کیونکہ رام چندر راؤ بھی لاولد تھا۔ مگر انگریزی حکومت نے اِسے قبول نہ کیا کیونکہ کرشنا راؤ کا گدی پر کوئی حق ہی نہ پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ رام چندر راؤ کے چچیرے بھائی رگھوناتھ راؤ سوم کو انگریزوں نے گدی پر بٹھایا مگر یہ انتخاب اچھا نہ تھا۔ چند ہی روز میں اِس گدی نشین نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے عیش پسندی اور فضول خرچیوں نے ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ نوبت باینجا رسید کہ ریاست کے جواہرات اور قیمتی چیزیں بھی رہن رکھی جانے لگیں اور مہاجنوں سے قرض بھی لیا جانے لگا۔

ریاست کی یہ نازک حالت دیکھ کر برٹش گورنمنٹ نے اُسے اپنے ہاتھ میں لیا اور راجہ کے لیے ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ اسی حالت میں راجہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اُن کے بعد بہت سے اور حقدار گدی کے لیے کھڑے ہوگئے مگر اُنمیں گنگادھر راؤ ابن شیو راؤ کو جو اُسی خاندان کا ایک رکن تھا سرکار انگریزی نے گدی کے لیے تجویز کیا۔ کیونکہ گنگادھر راؤ کا حق سب سے زیادہ پایا گیا۔ مگر گدی پر بٹھاتے وقت سرکار نے یہ وعدہ لے لیا کہ جب تک ریاست قرض کے بوجھ سے سبکدوش نہ ہوگی عنان ریاست انگریز سرکار ہی کے ہاتھ میں رہیگی چنانچہ سنہ ۱۸۴۲ء تک ایک انگریزی افسر اس کام کے لیے مقرر کیا گیا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کو اس بارگراں سے سبکدوش کروا دیا اور محاصل وغیرہ بھی برابر ہوگئے۔ مگر ۲۲۷،۴۵۸ روپے سالانہ انگریزی محافظ فوج کے خرچ کے لیے دینے تک گنگادھر راؤ کو پورے اختیارات نہ دیے گئے چنانچہ مذکورۂ بالا رقم کا اُس نے سالانہ

انتظام کر دیا اور گنگا دھر راؤ اب جھانسی کا با اختیار راجہ بن گیا جو ہمارے مضمون کی ہیروئن کا شوہر ہے۔

پونہ کے جنوب میں کوئی پچیس کوس پر کرشنا ندی کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں وائی نامی واقع ہے۔ یہاں کرشنا راؤ نامی ایک کرہاڑا برہمن پیشوائی سرکار کا وظیفہ خوار معاملت دار و تحصیلدار رہا کرتا تھا۔ اسکا ایک بڑا ہی منچلا لڑکا تھا جس کا نام بلونت تھا۔ اس کو شریمنت پیشوا نے اپنے محافظین میں رکھا تھا۔ بلونت کے بھی دو لڑکے موروپنت اور سداسیو نامی تھے۔ موروپنت تو اپنے باپ کے پاس پونہ ہی میں رہا کرتا تھا اور دوسرا یعنی سداسیو چماجی آپا باجی راؤ دوم کے بھائی کا منظور نظر تھا یعنی چہیتا نوکر بن گیا تھا۔

۱۸۱۸ء میں جب باجی راؤ دوم آخری پیشوا نے اپنا راج انگریزوں کے ہاتھ میں دیدیا اور آپ بٹھور کو آٹھ لاکھ روپیے کا سالانہ وظیفہ لیکر آیا ہے تو اسوقت آپا صاحب جنوبی ملک میں اقامت گزین تھا۔ پونہ کے انگریزی رزیڈنٹ نے آپا صاحب کو ساڑھے تین لاکھ روپے سالانہ کا مالک بھی دینے کو کہا اس شرط پر کہ آپا صاحب پونہ کی جاگیر کا خود انتظام کریں مگر آپا صاحب نے قبول نہ کیا اور سرکار انگریزی سے درخواست کی کہ میں اپنی زندگی کا بقیہ حصہ خدا کی یاد میں گزارنا چاہتا ہوں لہذا مجھے کاشی باش ہونے کی اجازت دی جائے۔ سرکار انگریزی نے یہ درخواست منظور کی۔ کوئی چند مہینے بعد باجی راؤ دوم بھی یہیں آ گیا مگر کچھ دنوں کے بعد بٹھور چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ موروپنت بھی مع اہل و عیال اسکے ہمراہ چلا آیا اور پچاس روپے ماہوار پر آپا صاحب کا دیوان مقرر ہوا۔ جس وقت موروپنت کاشی میں تھا تو بھاگیرتھی دیوی یعنی موروپنت کی بیوی کے ایک لڑکی ۱۹ نومبر ۱۸۳۵ء کو پیدا ہوئی جس کا نام لکشمی بائی رکھا گیا مگر بچپن کا پیارا نام منو بائی تھا اور یہی حسن کی دیوی آخر میں جھانسی کی مشہور بہادر اور دلیر رانی ہونے والی تھی۔

منو بائی کی عمر ابھی چار سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کے سر سے اسکی مہربان اور شفیق ماں کا سایہ اٹھ گیا۔ اس کے بعد آپا صاحب کا بھی انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے منو بائی کے والد موروپنت کو کاشی چھوڑ کر بٹھور آنا پڑا۔ باجی راؤ پیشوا نے اس کی حالت پر ترس کھا کر اپنے ہی پاس رکھ لیا اور اپنے مکان کے قریب ہی ایک مکان رہنے کو عنایت کیا۔ مکان کا سارا کام کاج موروپنت ہی کے سر پڑ گیا اور منو بائی کو بھی اپنے بچپن کا زمانہ مردوں ہی میں گزارنا پڑا۔ منو بائی کی باتوں نے پیشوا کے تمام گھر والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی ہمیشہ میرے ہی پاس رہے۔ منو بائی کو پیار سے ہر شخص "بینا" کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ باجی راؤ پیشوا کے کمسن گود لیے لڑکے بھی تھے جن کے ساتھ منو بائی کھیلا کرتی بلکہ اپنے ہمسن بچوں سے مار پیٹ میں بھی وہ کبھی نہیں جھجکتی تھی۔

منو بائی کی سوتیلی ماں چمیا بائی کہتی ہیں کہ منو بائی جب بالکل کمسن تھی تو لڑکوں کے دیکھا دیکھی پتنگ بھی اڑایا کرتی تھی۔ ہمیشہ اگر لڑکیوں میں کھیلنے لگے تو خود رانی بن جائے۔ کچھ لڑکیوں کو اپنی خادمہ بنائے انصاف بھی کیا کرے اور سزا بھی دیا کرے۔ الغرض وہ ساری باتیں کیا کرتی تھی جو ایک بہادر رانی کے شایان شان ہو سکتے ہیں۔

جب کبھی منو بائی کے وقت پیشوا کے لڑکوں کا اتالیق آجاتا تو یہ لڑکی بھی جا بیٹھتی اور پڑھنے میں شریک ہو جاتی بلکہ بعض اوقات تو سواری تلوار کی مشق وغیرہ میں بھی حصہ لیا کرتی تھی اور دیکھنے والے خوش بھی ہوتے اور لڑکوں سے اسے بازی لیجاتے ہوئے دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے تھے۔

الغرض منو بائی نے پیشوا کے لڑکوں کے ساتھ رہ کر لکھنا پڑھنا، سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تلوار کی مشق خوب اچھی طرح سیکھ لی۔

مونو بائی کی عمر جب شادی کے قابل ہوگئی تو اُس کے باپ موروپنت کو فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے۔ اِس لڑکی کو کہاں بیاہوں اور کوئی اچھا سا بَر اُس کے لیے ڈھونڈھنے لگا۔

حُسنِ اتفاق سے ایک روز پیشوا کے پاس تاتیا دِکشت مشہور نجومی ملاقات کے لیے آیا تو موقع پاکر موروپنت نے بھی اپنی لڑکی کی جنم پتری دکھلائی اور آئندہ کے لیے کچھ سوالات کیے۔ نجومی نے جب مونو بائی کا زائچہ دیکھا تو ششدر رہ گیا اور موروپنت سے کہنے لگا کہ وہ زمانہ بہت قریب ہے کہ مونو بائی رانی کے لقب سے یاد کی جائے گی۔ مگر نجومیوں کی یہ مقررہ باتیں ہوا کرتی ہیں وہ سُن کر خاموش ہو رہا اور اپنے دنیاوی کام کاج میں مشغول ہوگیا مگر شب و روز کسی طرح چین نہ پڑتی تھی کیونکہ برہمنان دکن وغیرہ میں یہ بھی ایک دستور ہے کہ لڑکی سِن بلوغ سے پیشتر بیاہی جائے اور اِس طور سے موروپنت کی فکر بھی بجا تھی۔ خیر۔

تاتیا دِکشت نے مونو بائی کے رانی ہونے کی پیشینگوئی تو کر دی مگر لڑکی کا خداداد حُسن اور خداداد لیاقت دیکھ کر خود بھی متعجب ہوگیا۔ اب مونو بائی کی قسمت تو دیکھیے! اتفاق سے راجہ جھانسی کی بی بی کا انتقال ہو چکا تھا اور دِکشت کی وہاں تک رسائی بھی تھی جس وقت دِکشت شریمنت گنگا دھر راؤ راجہ جھانسی کے پاس گیا ہے تو اِس نجومی نے مونو بائی کے حُسن خداداد اور اُسکے لیاقت وغیرہ کی اتنی تعریف کی کہ راجہ بھی سُن کے متحیر سا ہوگیا۔ مگر یقین کیسے آوے! اپنے آدمی ٹھور کو بھیجدیے کہ مونو بائی کو دیکھ آئیں۔ جب گنگا دھر راؤ کے آدمی مونو بائی کو اچھی طرح دیکھ کر جھانسی کو واپس آگئے اور مونو بائی کی خداداد لیاقت اور حسن خوبصورتی کی سچی تعریف کی ہے تو راجہ جھانسی بھی دل و جان سے شادی کرنے کے لیے راضی ہوگیا۔

مونو بائی جھانسی لائی گئی اور شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ شادی ہوگئی اور رانی لکشمی بائی کے لقب سے پکاری جانے لگی۔

شادی کے سال بھر کے بعد نخل امید بھی بارور ہوا مگر تین مہینے کے بعد بادِ سموم کے جھونکوں سے یہ پھول مُرجھا کر والدین کے دلوں پر داغِ مفارقت دے گیا جس کی وجہ سے رانی لکشمی اور راجہ گنگا دھر راؤ بہت ہی مغموم رہنے لگے۔ اپنے لختِ جگر کے غم میں راجہ سخت بیمار ہوا۔ راجہ کے کوئی اور لڑکا تو تھا ہی نہیں۔ لہٰذا اپنے ایک قریبی رشتہ دار واسو دیو نیبھالکر نامی کا لڑکا آنند راؤ گود لیا۔ اور تخت و تاج کا وارث مقرر کیا۔ رسوم ولیعہدی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ادا ہوئے اور دامودر راؤ گنگا دھر راؤ نام رکھا گیا۔ معمول کے موافق راجہ نے بندیلکھنڈ کے پولیٹکل ایجنٹ کے ذریعہ سے اِس کارروائی کی سرکار ہند کو خبر بھی کر دی اور آپ کوئی دس سال کی حکومت کے بعد راہیِ ملکِ بقا ہوا۔

اب یہاں سے جھانسی کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ راجہ کے مرنے کے بعد ایجنٹ کو تبنیٰ مقرر کرنے کے بارے میں شکوک پیدا ہوگئے اور سارا کچا چھٹا سرکار ہند یعنی وایسرائے کو شملہ لکھ بھیجا اور اپنی رائے بھی ظاہر کی کہ سرکار ہند کو اب اختیار ہے کہ جھانسی کی حکومت میں اپنا انتظام کرے۔ اور رانی کو ماہانہ پانچ ہزار روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ چونکہ لارڈ ڈلہوزی وایسرائے ہند دورے پر تھے لہٰذا جواب آنے میں چھ مہینے کی دیر ہوئی اِس عرصہ میں رانی لکشمی بائی نے یہ سمجھ لیا کہ گورنمنٹ ہند نے اِس گدی نشینی کو منظور کر لیا اور امور مملکت میں بھی کسی قسم کی دقت واقع نہ ہوئی۔

سنہ ۱۸۵۴ء میں جب لارڈ ڈلہوزی اپنے دورے سے واپس آئے تو فارن سکریٹری نے سارے کاغذات پیش کر دیے اور جھانسی کو حکومت سرکار میں داخل کر لینے کے وجوہ بھی دکھائے۔ ہز ایکسیلنسی وایسرائے نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ چونکہ ریاست جھانسی کوئی آزاد سلطنت نہ تھی بلکہ انگریزی سرکار کی ماتحت تھی راجہ کو بغیر مشورہ حکومت اعلیٰ تبنیٰ لینے کا کوئی اختیار نہ تھا لہٰذا ریاست جھانسی حکومت انگلیشیہ میں داخل کی جاتی ہے کیونکہ

راجہ کے کوئی وارث بھی نہین ہو (۱۸۵۳ء)۔

مذکورہ بالا فیصلہ پر بعض مورخین خلاف ہے اور کے ناراض ہین کیونکہ ان دونون کا قول ہو کہ انگلیشیہ سرکار کو جھانسی کی حکومت چھیننی نہ چاہیے تھی۔ مگر اس وقت اس سے ہمین بحث نہین۔

میجر ایلس وایسرائے کا فرمان لیکر رانی کے محل مین پہنچے اور رانی کو پردہ کے پیچھے بٹھا کر وایسرائے کا فرمان سُنایا گیا کہ جھانسی حکومت انگلیشیہ مین داخل کر لی گئی اور اُن کو معقول وظیفہ ملنے کے علاوہ اُنکی پوری پوری عزت بھی برقرار رہے گی۔ مگر یہ شاہی فرمان سنتے ہی رانی کے ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے۔ دنیا آنکھون تلے اندھیر ہوگئی آنکھون سے آنسو کا دریا اُمڈ آیا میجر ایلیس نے رانی کی بہت کچھ تسلی و تشفی کی لیکن رانی مارے غم و غصہ کے آپے سے باہر تھی کیا کیا جائے عقل کچھ کام نکرتی تھی آخر میجر مذکور رخصت ہونے لگا تو رانی کے مُنھ سے اتنا تو ضرور نکل گیا کہ "مین تو اپنی جھانسی نہ دون گی"

جھانسی کے الحاق کے بعد پولٹیکل ایجنٹ بندیلکھنڈ مسٹر جان مالکم نے رانی کے لیے چند باتون کی سفارش سرکار ہند سے کی جو حسب ذیل ہین۔

(۱) رانی کو تادمِ زیست پانچ ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ دیا جائے۔

(۲) شاہی محل جسمین رانی رہا کرتی ہو وہ اسکا خاص سمجھا جائے۔

(۳) راجہ گنگا دھر راو کی رائے سے ریاست کے کل جواہرات اور تحویل رانی کو مرحمت کیے جائین اور رانی کے متعلقین وغیرہ کو وظیفہ دیا جائے انکی ایک فہرست بنائی جائے۔

مذکورہ بالا دونون باتین لارڈ ڈلہاوزی نے فوراً منظور کر لین مگر تیسری بات ریاست کے جواہرات تحویل کی منظوری نہ دی کیونکہ راجہ کا اُن پر کوئی حق ہی نہ پہنچ سکتا تھا لہذا مسٹر مالکم نے کل جواہرات اور تحویل کا نقد روپیہ رانی کے حوالہ کر دیا۔

مذکورہ بالا وظیفہ پر رانی راضی نہوئی اور اپنی حکومت حاصل کرنیکی کوشش کرنے لگی انگلینڈ کو اپنے وکیل بھی روانہ کیے کہ کورٹ آف ڈائرکٹر کے سامنے ساری حقیقت بیان کرین مگر آخر کو کچھ حاصل نہوا کیونکہ عرضی جو اس معاملہ کے لیے لکھی گئی تھی وہ اسقدر بیہودہ اور واہیات الفاظ سے پُر تھی کہ کورٹ نے بھی سرکار ہند کے فیصلہ سے اتفاق کیا۔ عرضی کا مضمون یہ تھا "ریاست جھانسی کچھ انگریزون نے نہین دی تھی۔ پیشوائی حکومت مین ہمارے بزرگون کو اُن کی حق خدمت کے صلے مین ملی تھی۔ انگریزون کو جھانسی کو اپنی حکومت مین الحاق کرنے کا کوئی حق نہین ہو۔ وغیرہ" الغرض ہزار ہا روپیہ برباد کیا گیا مگر نتیجہ کچھ بھی نہوا اور رانی کو مجبوراً وظیفہ قبول کرنے پر راضی ہونا پڑا۔

کچھ دنون کے بعد اپنے گود لیے لڑکے کی رسم "اپنین" یعنی رسم جنیو پوشی بڑی دھوم دھام سے ادا کی تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا یہ روپیہ سرکار ہند کی اجازت سے اُسی فنڈ سے لیا گیا جو دامودر راو کے لیے بلوغت کو پہنچنے تک رکھا گیا تھا۔ رانی کو اس شرط پر لاکھ روپیہ دیا گیا کہ راجہ کے اپنی عمر بلوغت کو پہنچنے کے آگے واپس کر دیا جائے جس کے لیے دو چار معزز اشخاص بھی بطور ضمانت لیے گئے۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ مین غدر شروع ہوگیا اور اُس کے شعلے سارے شمالی اور درمیانی ہند مین پھیل گئے۔ پلٹنون کی پلٹنین انگریزون سے باغی ہوگئین اور بازار قتل و خون گرم ہوگیا۔ باغیون نے دہلی آکر بہادر شاہ خاندان مغلیہ کے آخری فرمانروا کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔

کانپور مین نانا صاحب باجی راو دوم کے متبنیٰ بیٹے نے بھی علم بغاوت بلند کرنا شروع کیا اور بٹھور مین یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو پیشوا بن بیٹھا۔ اصل مین بغاوت کے بانی نانا صاحب اور اُس کا چچیرہ بھائی تانتیا توپی ہی تھے جو ظلم انھون نے کیا ہو اُسکے لکھنے سے قلم قاصر ہو لکھنؤ مین باغیون کے ہاتھون برجیس قدر جو واجد علی شاہ کا لڑکا تھا نواب اودھ بنایا گیا اور یہ شعلے

بھڑکتے بھڑکتے جھانسی تک بھی پہنچے!

کپتان الگزانڈر اسکین کمشنر جھانسی کو یقین تھا کہ یہان کی سپاہ ہرگز ایسی حرکت بیہودہ نہ کریگی چنانچہ ابتدائے غدر سے ۳ جون ۱۸۵۷ء تک کپتان مذکور کا یہی خیال تھا۔ مگر دوسرے ہی روز جب دو انگریزون کے بنگلون کو آگ لگا دی گئی تو کپتان صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور آنکھین کھلین چنانچہ یہان پر بھی کھلم کھلا بغاوت شروع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر فوراً سارے انگریز قلعہ مین جاکر پناہ گزین ہوگئے!

کپتان ڈنلپ اور دوسرے انگریز افسرون نے حتی الامکان فساد روکنے کی کوشش کی مگر اب کیا ہوسکتا تھا یہان تو اور بھی دوسری آگ بھڑک گئی جو مدتون سے دبی ہوئی تھی۔ ساری سپاہ اور باشندے انگریزون کے خلاف ہوگئے۔ الغرض یہان کے بھی انگریزون کا وہی حال ہوا جو اور جگہون کے انگریزون کا ہوا ہے۔ باغیون کی جیت ہوئی اور اُن کا پورا قبضہ ہوگیا۔

اب باغیون کو اپنا ایک حاکم یا سردار مقرر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مسلمان نواب حسین علی خان کو حاکم مقرر کرنا چاہتے اور ہندو کسی ہندو کو یہ عہدہ دینا چاہتے تھے۔ دونون مین خوب بحثا بحثی ہوئی چونکہ ہندؤن کی تعداد زیادہ تھی لہذا یہ قرار پایا کہ رانی لکشمی بائی کو اپنا سردار بنایا جائے ساری فوج اور باغی محل کو گئے اور رانی صاحبہ سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ رانی صاحبہ یہ سن کر از حد متعجب ہوئین کہ ہند مین بغاوت پھیل چکی ہے۔ یہ تو اپنے محل مین تنہا اپنے بھگوان کی یاد مین پڑی رہتی تھی نہ دنیا سے کچھ کام تھا اور نہ اہل دنیا سے کسی طرح کا تعلق تھا۔ رانی لکشمی بائی کے لیے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا کیونکہ رانی سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر آپ نے منظور نہ کیا تو ہم نے سداشیو راؤ کو راجہ بنانے کے لیے جھانسی بلایا ہے۔ یہی بڑی مشکل آن پڑی کیونکہ سداشیو راؤ کا آنا رانی لکشمی بائی کے لیے گویا موت کا پیغام تھا۔ اگر کہین وہ آجاتا تو یا رانی یہان سے نکالدی جاتی یا قتل کی جاتی لہذا مجبوراً رانی نے سرداری قبول کرلی۔

ساری سپاہ نے حلفاً اقرار کیا کہ جب تک دم مین دم ہے ہم رانی کے ساتھ رہین گے اور انگریزون کو [illegible] رہین گے۔ اس سے رانی کی اور بھی ہمت افزائی ہوئی اور ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کو منادی کردی گئی کہ "خلق خدا کی ملک بادشاہ کا اور راج رانی لکشمی بائی کا"!

جھانسی کی حکومت پاتے ہی رانی صاحبہ نے امورات سلطنت کیطرف خیال رجوع کیا۔ ہر ایک محکمہ کے لیے عہدہ دار مقرر کیے۔ فوج کی آراستگی کا انتظام کیا۔ شہر کی خاص مورچہ بندی کی اور دھونڈو پنت نانا صاحب کی طرف کمک کے لیے آدمی روانہ کیے۔ چونکہ اہل مغرب کی طرف سے انگریزون کے حملہ کا خوف لگا ہوا تھا لہذا رانی نے اپنی مورچہ بندی کا خاص انتظام کرلیا اور مقام کالپی مین ایک فوج رکھدی مگر ایک ماہ تک کوئی حملہ نہونے سے ساری فوج جھانسی آگئی۔

جھانسی کے نکل جانے اور رانی کے تخت پر بیٹھنے سے انگریزون مین ایک کھلبلی سی پڑگئی تھی مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ فوج اتنی کہان تھی جو مقابلہ کرتے۔ سارے ہندوستان کی ہوا بگڑ چکی تھی۔ مگر اس مین کچھ شک نہین کہ یہ ہمت کے بڑے پکے ہین۔ الغرض مارچ ۱۸۵۸ء تک انگریزون نے اپنی بگڑی ہوئی طاقت کو سنبھالا اور پھر فوج جمع کرلی۔

ماہ مذکور کے ابتدا ہی مین خبر مشہور ہوگئی کہ جنرل سرہیو روز ایک زبردست فوج لیکر جھانسی کو پھر فتح کرنے آرہا ہے مگر رانی مطلق نہ گھبرائی بلکہ اپنی بہادر اور جان نثار سہیلی رانی گنگا بائی زوجہ راجہ گنگا دھر راؤ کے ساتھ ملکر اپنی منتشرہ فوج کو جمع کیا اور شہر کی سخت مورچہ بندی وغیرہ کی۔

رانی لکشمی بائی یہ جانتی تھی کہ یہ بیل کبھی منڈھے نہین چڑھے گی ایک نہ ایک روز شکست فاش کا منحوس منہ دیکھنا ہی پڑے گا مگر کیا کرتی؟ آخر عورت ذات سارا ملک باغی ہوچکا تھا اور رنگ بالکل بگڑے ہوئے تھے۔

لیکن اس پر بھی رانی صاحبہ نے بہت سے بارسوخ باغیون کو اپنا کے انگریزون سے صلح کرنے پر راضی کر لیا چنانچہ کچھ ہوشیار آدمیون کی ایک جماعت صلح کی شرطون کے ساتھ جنرل سرہیو روز کی طرف روانہ ہو گئی گر بدقسمتی تو دیکھیے! ابھی رانی کے وکیل جنرل موصوف کے پاس پہنچے بھی نہ تھے کہ سر ہیو روز بیٹوا ندی پر آن پہنچے اور چاندیری پر انگریزی حملہ ہو چکا۔ چونکہ یہان رانی کی کافی فوج نہ تھی لہذا انگریزون کو فتح ہوئی اور رانی کی فوج بھاگ گئی۔

چاندیری ایک مشہور مقام اکبری عہد مین تھا۔ یہان کی عمارات اور دوسری چیزین از حد مشہور تھین۔ مغلیہ دور مین خصوصاً اکبر کے زمانہ مین تو ایک ضرب المثل ہو گئی تھی کہ "اگر کسی شہر مین محل ہی محل دیکھنا ہون تو چاندیری دیکھو"۔ چنانچہ یہان پر رانی کی فوج تھی مگر ناکافی اور یہی وجہ تھی جو یہ پہلی شکست رانی کو ہوئی۔

رانی کے بھیجے ہوئے وکیل جب انگریزی لشکر مین سرہیو روز کے لیے برد صلح کے لیے گئے ہین تو انھین جاسوس سمجھ کر فوراً قتل کر دیا گیا اور کچھ بھی دریافت نہ کیا کہ یہ کیون آئے تھے۔

۳۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوج کے ہراول کے بڑے حصہ نے جھانسی پر حملہ کیا جس مین فوراً قلب فوج کا حصہ بھی آ ملا۔ تیرہ روز تک سخت جنگ رہی۔ اس جنگ مین رانی لکشمی بائی اور اُس کی بہادر سہیلی گنگا بائی نے جو ایک حساب سے اُس کی بہو بھی ہوتی تھی خوب دادِ جوانمردی دی اور بہادری کے جوہر دکھائے اپنے سپاہیون کا خوب دل بڑھایا خوب ہی حوصلے دلا دلا کر آگے کیا اور ایسا بھی شہر کا بچاؤ کیا کہ دیکھنے والون کے چھکے چھوٹ گئے!

ایک مورخ (مسٹر ڈے) لکھتا ہے کہ "رانی لکشمی بائی اور رانی گنگا بائی کی ہمت دیکھ کر قلعہ کی دوسری عورتون کو بھی ہمت آ گئی اور انھون نے سپاہیون کو کارتوس وغیرہ لا لا کر دینا شروع کیا اور رہ رہ کر گولیون کی بوچھاڑ نے

پروا نہ کی۔

جب تانتیا ٹوپی نے سنا کہ جھانسی پر انگریزون نے حملہ کر دیا ہے تو فوراً اپنی فوج کے ساتھ جھانسی کی طرف کوچ کیا۔ اس کے ساتھ راجہ بانپور بھی شامل ہو گیا۔ تانتیا ٹوپی کے آنے کی خبر سن کر جنرل ہیو روز کو البتہ ذرا پریشانی ہوئی کیونکہ اُس کے پاس اسوقت سب سے زیادہ زبردست جو لڑنے والی فوج جمع ہو چکی تھی لہذا جنرل موصوف نے ایک منتخب سپاہیون کی جماعت بیٹوا ندی کی طرف روانہ کی کہ تانتیا ٹوپی اور راجہ بانپور کو روکے کیونکہ رانی کے ساتھ ان دونون کا ملنا انگریزون کے لیے اچھا نہ تھا۔

تانتیا ٹوپی جس وقت ندی کنارے پہنچا ہے تو اُس نے اپنی آمد کی خبر دینے کے لیے کئی سو مشعلین اپنی فوج مین روشن کر دین جنکو دیکھ کر جھانسی کی رانی کی فوج کی جان مین جان آ گئی اور مارے خوشی کے بندوقین سر کرنی شروع کین۔ اس سے انگریزی فوج واقعی پست ہمت ہو گئی اور ایک سخت پریشانی کی حالتین تھی کہ اب کیا کیا جائے۔ مگر سر ہیو روز کی دوراندیشی اور ہمت نے شکستہ فوج کو سنبھالا اور فوج کا کچھ اور حصہ تانتیا ٹوپی کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا۔

اگرچہ تانتیا ٹوپی کو رانی لکشمی بائی نے پہلے کبھی نہین دیکھا تھا مگر اسکے آنے سے رانی کو ذرا ہمت سی آ گئی اور قدم جم گئے۔ دوسری طرف ندی کنارے تانتیا اور انگریزون مین جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ کوئی معمولی جنگ نہ تھی۔ کشتون کے پشتے لگ گئے مگر تانتیا کا طرز جنگ وہی پرانے طرز کا تھا جو سر ہیو روز کے آگے چل نہ سکا اور زیادہ نقصان ہونے سے سپاہ بھی شکستہ ہونے لگی اور سپاہ دل ہار کر بھاگنے لگی۔

اگرچہ تانتیا نے جہاں تک ہو سکا اپنی سپاہ کو روکا اور دل بڑھا بڑھا کر آگے کرنے کی سخت کوشش کی مگر انگریزی باقاعدہ فوج کے سامنے نہ ٹھہر سکی!

تانتیا کے آنے سے واقعی رانی اور ساری جھانسی کو ایک قسم کی

خوشی حاصل ہو گئی تھی مگر اب جبکہ اُن کے کانون مین تلمنتا کی شکست کی خبر پہنچی تو البتہ رانی اور فوج دلشکستہ تو ہو گئی مگر اپنے کام مین اُتنی ثابت قدمی سے جمی رہی جیسی کہ پیشتر تھی اور جہانتک ممکن تھا اپنے بچاؤ کا رانی نے پورا انتظام کر لیا۔

سر ہیو روز ۲۲ مارچ سے ۵ اپریل تک رانی سے لڑتے رہے مگر اتنی مدت مین بھی شہر مین داخل ہونے کا موقع نہ ملا۔ رانی کی بہادری اور جنگی لیاقت دیکھ کر سر ہیو روز از حد متعجب تھا بلکہ کہتا بھی تھا کہ "ایک عورت نے کیا ناکون دم کر رکھا ہے۔ ایسی بہادر عورت مین نے کبھی نہین دیکھی" آخر جنرل ہیو روز نے ایک زبردست جماعت کوئی سو سے زیادہ بہادر اور تجربہ کار سپاہیون کی بنائی اور شہر کی مغربی سمت سے حملہ کرنے کی تاکید کر دی اس وقت افسوس ہے کہ رانی حاضر نہ تھی۔ دوسری جا مین مصروف تھی۔ اِس طرح ساری فوج اُمنڈ پڑی اور دوسری طرف سر ہیو روز نے سخت گولہ باری شروع کر کے کچھ بہادر انگریزی سولجرون کو سیڑھیون کے ذریعہ سے شمالی دیوار کی طرف سے شہر مین اتار دیا اور اب جنگ کا کچھ نیا ہی رنگ ہو گیا۔ کیونکہ انگریزون کے حملے اب دو طرف سے ہو رہے تھے۔ اور باقاعدہ فوج کی گولہ باری اہلِ جھانسی کے لیے کچھ اچھی نہ تھی۔

رانی لکشمی بائی انگریزون کے شہر مین داخل ہونے کی خبر ملتے ہی مع اپنی مددگار رانی گنگا بائی کے فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکل آئی اور جنگ مین شریک ہو گئی دن بھر جنگ ہوتی رہی اور شام کو انگریزی سپاہ محل تک پہنچ گئی رات بھر بھی رانی نے اپنے سپاہیون کو بڑی بہادری اور لیاقت کے ساتھ لڑایا مگر انگریزی فوج کا زور زیادہ ہونے سے رانی کو پیچھے ہٹنا ہی پڑا یہان تک کہ انگریز محل کے اصطبل تک پہنچ گئے۔ یہان پر بھی ۴ اپریل کو دن بھر جنگ رہی اور رانی کی سپاہ نے اپنا خوب ہی بچاؤ کیا۔ رانی کا زور کم دیکھ کر رانی کے باپ نے رائے دی کہ اب یہان ٹھہرنا اچھا نہین بلکہ کہین نکل جانا چاہیے مگر رانی نے اِسے قبول نہ کیا لیکن آخر گنگا بائی کی تحریک سے اپنے کچھ سپاہی ساتھ لیے اور کچھ محل کی حفاظت یا بچاؤ کے لیے چھوڑ کر رات کے وقت کالپی کی طرف نکل گئی تاکہ تانتیا ٹوپی سے مل کر کوئی دوسرا انتظام کرے۔

۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو جنرل سر ہیو روز نے قلعہ جھانسی پر اپنا قبضہ کر لیا جھانسی اور بیٹوا کی لڑائیون مین انگریزون کے ایک سو سینتالیس سپاہی کام آئے جن مین چھتیس افسر تھے۔ اہل جھانسی کا کوئی پانچ ہزار کا نقصان بتلایا جاتا ہے صرف جھانسی مین کوئی ہزار آدمی جلائے یا کاٹے گئے۔

دوسرے دن یعنی ۶ اپریل کو رانی لکشمی بائی اپنے ہمراہیون کے ساتھ کالپی پہنچی جہان تانتیا ٹوپی نانا صاحب کے چچا زاد بھائی کا صدر مقام تھا۔ یہان پر تانتیا کا زبردست توپ خانہ اور کل جنگی اشیا کا ذخیرہ تھا۔ رانی لکشمی بائی کے لیے یہ پہلا ہی وقت تھا جو تانتیا ٹوپی سے ملاقات ہوئی۔ رانی کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ رانی گنگا بائی کا باپ نارائن ترمبک شاستری بھی یہان موجود تھا جو تانتیا کا رہنما اور صلاح کار تھا۔ ترمبک شاستری سرکار انگلشیہ کا ملازم تھا اور اب وظیفہ خوار تھا۔

۶ سے ۲۶ اپریل تک رانی تانتیا ٹوپی کے ساتھ صلاح و مشورہ کرتی رہی کہ کیونکر پھر انگریزون پر حملہ کیا جائے اِس میعاد مین انگریزون نے جھانسی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جتنے بلوائی ملے تہ تیغ کیے اسی مین رانی لکشمی بائی کا بوڑھا باپ بھی تلوارون کی نذر ہوا۔ الغرض خوب کشت و خون ہوا جیسا کہ مسٹر مارٹن کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کم از کم پانچ ہزار آدمی فقط جھانسی مین مارے گئے۔

کانچ پر تانتیا نے حملہ کیا اور یہان بھی سر ہیو روز سے اچھی جنگ ہوئی مگر ہفتون کی جنگ کے بعد دونون طرف کچھ خاموشی سی چھا گئی۔ جو فطرتی بات ہے کیونکہ ایک تو گرمی قیامت کی پڑ رہی تھی دوسرے انگریزی نوجون

پریشان کر رہی تھی اور ہندی سپاہ کو کئی ہفتوں تک آرام نہیں ملا کالپی کے بچاؤ کے لیے تانتیانے رانی لکشمی بائی کو پیچھے سے چھوڑا اور خود فوج جمع کرنے کے لیے گوالیار چلا گیا۔ لکشمی بائی کا نچاسے کالپی چلی آئی جو کونچ یا ۲ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ رانی لکشمی بائی یہاں ۶ مئی سے ۲۲ مئی تک رہی چنانچہ آخری روز یعنی ۲۲ مئی کو جنگ شروع ہوئی اور پھر بازار موت گرم ہو گیا۔

بدقسمتی سے راجہ بانپور تانتیا ٹوپی اور رانی لکشمی کے سپاہیوں میں ناچاقی ہو گئی۔ اگر یہ ناچاقی نہ ہوتی تو یقیناً جنگ کا رنگ بدل جاتا۔ یہ ہم نے مانا کہ سرہیو روز کی فوج کتنی ہی بڑھ چڑھ کر تھی مگر رانی لکشمی ضرور کچھ اپنی جوانمردی کے جوہر دکھلاتی مگر یہ خدا ہی کو منظور نہ تھا چنانچہ آخری دن یعنی ۲۲ مئی کو رانی کی فوج انگریزی رسالے اور توپ خانہ سے مغلوب ہو گئی اور ایک سراسیمگی کی حالت میں بھاگنے لگی یہاں تک کہ رانی کو بھی اسی حالت میں اپنی فوج کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ اور جب رات کو راستہ پر مقام ہوا ہے تو رانی لکشمی بائی کو ایک درخت کے نیچے بستر کے بغیر سونا پڑا!

اس جنگ کا حال ڈاکٹر لو نے جو اس وقت حاضر تھا لکھا ہے کہ "ایک سخت جنگ کے بعد آخر ہمیں دشمنوں پر فتح ہوئی جن کا نمبر ہم سے دس گنا زیادہ تھا۔"

رانی لکشمی بائی گوالیار کی طرف اپنی فوج لیکر بھاگ گئی۔ چونکہ اب جنگ کی امید نہ رہی تھی لہذا سرہیو روز نے طبیعت علیل ہو جانے کی وجہ سے سرکار ہند سے رخصت مانگی اور یہ بھی لکھا کہ چونکہ گرمی شدت سے پڑ رہی ہے لہذا گوروں کو اپنے اپنے صدر مقاموں کو روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جنرل صاحب کو حسب منشاء [illegible]ل گئی اور گوروں کے لیے بھی ویسا ہی حکم ہو گیا جیسا کہ جنرل نے لکھ دیا تھا۔

مگر جنرل موصوف نے ذرا سمجھنے میں غلطی کی کیونکہ رانی لکشمی بائی کا یہ پختہ ارادہ ہو چکا تھا کہ جب تک دم میں دم ہے "ماروں گی یا مروں گی" چنانچہ رانی گوالیار کی طرف چلی گئی تاکہ اپنی فوج کو انگریزوں کے مقابل لڑنے کے قابل بنائے اور تانتیا جو زر کروٹ وغیرہ لانے گیا تھا وہ سب حاصل کرے

سندھیہ اور ہولکر یہ دونوں مرہٹہ سردار ایام بغاوت میں انگریزوں کے ساتھ رہے تھے اور انھوں نے بالکل باغیوں کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جس وقت رانی لکشمی بائی حدود سندھیہ میں داخل ہوئی ہے تو سندھیہ کے سپاہیوں نے اس پر حملے کرنے شروع کیے اور آپ بھی اپنی فوج کے ساتھ تھا۔

جس وقت رانی نے سندھیہ کی خبر سُنی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور اپنی جان نثار اور بہادر ساتھی گنگا بائی کو ہمراہ لیکر سندھیہ کی ملاقات کو آگے بڑھی مگر انکی یہ دلیرانہ ہمت اور بے دھڑک اپنی فوج میں آتے دیکھ کر تو سندھیہ بالکل ہی متعجب ہو گیا۔ حملہ کرنے کو تو نہیں کہا مگر ان دونوں عورتوں کو گرفتار کرنے کے لیے حکم دیا مگر تعجب ہے کہ سندھیہ کے سپاہیوں نے رانی لکشمی بائی اور گنگا بائی کو گرفتار کرنیکی ہمت نہ کی! اور لکشمی بائی نے ایک حقارت آمیز اور تمسخرانہ لہجہ میں کہا کہ "مہاراج! جب میں آپ تابع نہیں ہو سکتی ہوں تو پھر مجھے کون تابع کر سکتا ہے! میں آپکو اپنا لباس نذر کرنے آئی ہوں جو آپ ایسے اور اندوری امیر پہنا کرتے ہیں لہذا آپ اپنا لباس مجھے عنایت کیجیے اور میرا لباس اور زیور آپ پہن لیں!!!"

یہ سن کر سندھیہ از حد شرمندہ ہوا اور رانی لکشمی بائی کے سامنے ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکا بلکہ جھٹ سے اپنے پایہ تخت کو چلا گیا اور پھر وہاں سے خدا جانے کیوں آگرہ کو بھاگ گیا۔

مہاراجہ سندھیہ کے نکل جاتے ہی رانی لکشمی بائی داخل گوالیار ہوئی اور پھول باغ محل میں رہنے لگی۔ نانا صاحب پیشوا بنایا گیا اور اس کا لڑکا حاکم گوالیار۔ سندھیہ کے خزانہ میں جو کچھ روپیہ ملا اُسے رانی لکشمی بائی

نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کردیا اور رام راؤ گوبند کو وزیر اعظم مقرر کیا چار مرہٹہ سردار جن کو سندھیہ نے بغاوت کے جرم پر مقید کر رکھا تھا رہا کیے گئے اور انھیں خلعت وغیرہ دیکر نئے سپاہی بھرتی کرنے کے لیے روانہ کردیا گیا کیونکہ یقین تھا کہ انگریز بہت جلد چمبال کے پار آجائیں گے شہر کے باہر کی فوج کی کمانڈ رانی لکشمی بائی کو دی گئی۔ شہر کے اندر کی فوج کی سرداری تانتیا ٹوپی کو مرحمت ہوئی اور کل باغی راجاؤن کو خصوصًا راجہ بانپور اور شاہ گڑھ کو خطوط روانہ کردیے گئے کہ گوالیار کی نئی حکومت مین آکر شامل ہوجائین۔

مگر جب گورنر جنرل کو یہ خبر ملی کہ رانی لکشمی بائی نے گوالیار مین نئی حکومت قائم کی ہے تو فورًا جنرل سر ہیو روز کو حکم دیا کہ جہان تک جلد ممکن ہو اپنے سپاہیوں کے ساتھ جاؤ اور رانی کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ ۱۰ جون کو جنرل موصوف ایک لشکر جرار کے ساتھ گوالیار پہنچے اور جاتے ہی ایک زبردست حملہ کردیا جس سے باغیون کے پاؤن اکھڑ گئے مرار مین بھی جنگ ہوئی مگر جنرل ہی فتحمند رہا۔ بھاگتے ہوئے باغیون کا پیچھا ذرا سختی سے کیا گیا جس سے باغیون کا از حد نقصان ہوا۔

سر ہیو روز کے حکم سے بریگیڈیر اسمتھ ۱۱ جون کو انتری سے کوچ کرکے ۱۷ جون کو کوٹے کی سرائے مین پہنچا جو گوالیار سے کوئی پانچ کوس پر واقع ہے۔ یہان پر جنگ ہوئی اور اسمتھ نے اپنے رسالہ کو باغیون پر حملہ کرنے کا حکم دیا جس مین رانی بھی پھنس گئی اور گھوڑے کو ایسی ٹھوکر لگی کہ آپ بھی زمین پر آرہی۔ اتنے مین ایک انگریز سوار نے رانی پر حملہ کرکے اُسے مار ڈالا۔

رانی کے مارے جانے کی ایک اور بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ ۱۷ جون ۱۸۵۸ء کو رانی دوپہر کے وقت گنگا بائی کے ہمراہ پھول باغ سے باہر آرہی تھی۔ ہزار رسالہ کی ایک جماعت جھاڑیون مین چھپی بیٹھی تھی اُن کو آتے دیکھ کر بندوقون کی بوچھاڑ برسانی شروع کی جس سے رانی لکشمی بائی اور گنگا بائی کے سینے چھلنی ہوگئے۔

رانی کے محافظین نے اس خیال سے کہ شاید کہین رانی کی لاش انگریزون کے ہاتھ نہ آجائے اس لیے نارائن راؤ بابا شاستری کے ذریعہ پھول باغ ہی مین جلادی۔

رانی کے یہ حالات بتلا رہے ہین کہ رانی کا کوئی بُرا ارادہ نہ تھا اور نہ اُس کی خواہش تھی کہ انگریزون کے خلاف کوئی بغاوت کرے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ اُسے انگریزون سے اور خصوصًا گورنر جنرل سے ایک قسم کا غصہ تھا جو کہ فطرتًا ہونا چاہیے تھا کیونکہ بیٹھے بٹھائے اُس کا راج لے لیا گیا تھا۔ جس وقت جھانسی مین باغیون نے اسے آکر اپنا سردار بننے کے لیے کہا ہے تو اس کا ارادہ صاف انکار کردینے کا تھا مگر وہ مصلحت نہ تھی کیونکہ اگر رانی ایسا کرتی تو سداشیو راؤ جھانسی کا مالک بننے ہی پر تھا جسکو یہ پسند نہ کرتی تھی۔ اگر رانی باغی بھی ہوئی ہے تو صرف مجبورًا اگر ایسے وقت یہ باغیون کا ساتھ نہ دیتی تو یہ اتنے روز جینے بھی نہ پاتی۔

بارہا رانی کا ارادہ ہوا کہ انگریزون سے صلح کرلے مگر اپنے جاہل ساتھیون کی وجہ سے بیچاری ایسا نہ کرسکی اور خواہ مخواہ جنگ وجدل کرنا ہی پڑا۔ رانی یہ جانتی تھی کہ ایک نہ ایک روز ناکامی اور شکست کا منحوس مُنھ مجھے دیکھنا پڑے گا مگر افسوس ہے کہ وہ بالکل مجبور تھی۔

یہ حالات صرف رانی کے ذاتی اوصاف بتلانے کے لیے لکھے گئے ہین کہ ایک عورت نے کس خوبی اور جوانمردی سے مشہور تجربہ کار جنرل کا مقابلہ کیا اور کس خوبی سے اپنی سپاہ کو لڑایا۔ مبارک ہے وہ زمین جس مین ایسی عورتین پیدا ہون اور خوش قسمت ہین وہ والدین جو ایسے باہمت اور بہادر بچے پیدا کرین جبتک ہندوستان کی تواریخ کی صفحے دنیا مین ناموافق ہوا کے تھپیڑون سے محفوظ ہین اُسوقت تک رانی درگاوتی ملکہ رضیہ بیگم اور چاند سلطانہ کے نامون کیطرح رانی لکشمی بائی کا نام بھی صفحۂ دنیا پر ایک قابل قدر یادگار رہیگا۔

قطب الدین خان راقم

پارس

(۱)

زمانۂ قدیم میں ایک راجہ نہایت خوشحال اور زر و جواہر سے مالامال تھا اُس کا نام **مایا داس** تھا۔ اُس کے ہاں ایک لڑکی تھی جو کہ چھوٹی صورت کی نہایت مقبول بولی ایسی پیاری کہ سننے والے کا دل باغ باغ ہو جائے۔ دل چاہے کہ دنیا کے سارے فکر و ر عالم اسباب کے تمام دھندے چھوڑ کر اُسی سے باتیں کیا کرے اُس لڑکی کا نام ہمیں یاد نہیں ہے آپ اُسکا نام **مایا دیوی** سمجھ لیجیے!

مایا داس اسم با مسمیٰ یعنے زر کا بندہ تھا۔ زر کو دنیا کی ہر شے سے برتر اور افضل مانتا تھا۔ دنیا میں اُسے زر سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہ تھی۔ اپنے تاج کی بھی قدر کرتا تھا تو محض اس لئے کہ وہ سونے کا تھا **مایا داس** کو سونے کے برابر یا اُس سے ذرا کم اگر کوئی چیز عزیز تھی تو وہ موہنی مورت بیٹی تھی۔ بیٹی ادھر اُدھر کھیلتی پھرا کرتی تھی۔ **مایا داس** اُسکے راگ سُن سُن کر اور تماشے دیکھ دیکھ کر پھولا نہیں سماتا تھا۔ لیکن عجیب معاملہ تھا۔ بیٹی کو جس قدر پیار کرتا تھا اُسی قدر سونے کی طمع اور زر کی ہوس بڑھتی جاتی تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ اس احمق کے دماغ میں یہ بات سما گئی تھی کہ مرتے وقت جسقدر زیادہ سونا لڑکی کے لیے چھوڑ جاؤنگا اُتنا ہی بہتر ہے۔ یہ بھی کیا یاد کرے گی کہ باپ نے کچھ میراث چھوڑی تھی۔

مایا داس ہر وقت اِسی دُھن میں لگا رہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو سونا ہاتھ آئے کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، بیٹھتے اُٹھتے چلتے پھرتے اُسکے سوا کچھ فکر ہی نہ تھا کہ جائز ناجائز کسی طریقے سے بھی ہو لاتعداد اور لاتحصیٰ سونا جمع ہو جائے۔ شام کی خوشنما شفق میں کوئی سنہرا بادل نظر آتا تو اُسکے جی میں فوراً یہ اُمنگ اُٹھتی کہ کاش یہ فی الواقع سونے کے پترے ہوتے اور تہ کر سکتے تو انکو اپنے صندوقچے میں رکھ لیتا **مایا دیوی** کبھی گیندے کا خوبصورت پھول اپنے نرم و نازک ہاتھوں میں لیکر باپ کے پاس آتی اور اُس کی تازگی شگفتگی اور خوبصورتی کی داد چاہتی تو یہ منھ بنا کر کہتا واہ بیٹی واہ! ان کا سنہرا پن تو جھوٹا ہے۔ تھوڑی سی دیر میں اُڑ جائیگا ہاں اگر واقعی سونے کے ہوتے تو ان کے لانے کا بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔

یہ وہی **مایا داس** ہے کہ سونے کی ہڑک اُٹھنے سے پیشتر نوعمری میں پھولوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اُس نے ایک باغ لگایا تھا جس میں طرح طرح کے خوشرنگ اور خوشبودار پھول کھلتے تھے۔ یہ گھنٹوں نہیں پہروں یہاں گلگشت کیا کرتا اور پھولوں کے معائنے سے باصرہ کو سیر اور سونگھنے سے دماغ کو معطر کیا کرتا تھا۔ لیکن اب اس کا حال کچھ اور ہی تھا۔ باغ سے لگتا تھا اور اگر کبھی وہاں جا کر پھولوں کی طرف دیکھتا بھی تو فوراً یہ فکر پڑ جاتی کہ اگر ہر پھول کی ہر پنکھڑی سونے کی ہو جائے تو کل باغ میں کتنا سونا ہوگا۔ **مایا داس** کو کسی زمانہ میں موسیقی کا بھی شوق تھا مگر اب اُس کو مُہر اور اشرفیوں کی جھنکار کے سوا اور کوئی سُر نہیں بھاتا تھا۔

انسان ضعیف البنیان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ اگر عقل نے ترقی کی تو خیر ورنہ بیوقوفی کا طوفان طغیانی کرتا ہے۔ **مایا داس** کی عقل تو پہلے ہی ہرن ہو چکی تھی لیکن اب رہا سہا کام بھی بگڑ گیا۔ سونے کے سوا کسی اور شے کو نہ آنکھ بھرکے دیکھتا تھا نہ ہاتھ بڑھا کر چھوتا تھا۔ دن رات کا بیشتر حصہ محل کے ایک تنگ و تاریک تہخانے میں گذرنے لگا کیونکہ اس کا سب دھن دولت اسی بے چراغ جگہ میں رہتا تھا جب چاہتا دل خوش کرنے کو یہیں آ بیٹھتا۔ اوّل اندر کی طرف سے تہخانے کا قفل لگاتا پھر اشرفیوں کے توڑے، سونے کے تھال، سونے کی موٹی موٹی سلاخیں اور سونے کی ریگ سے بھرے ہوئے بڑے بڑے برتن ادھر اُدھر سے

نکال کر تہ خانے کے دروازے کے قریب وہاں لا کر رکھتا جہاں آفتاب کی کوئی کوئی شعاع پڑتی تھی۔ اگر آفتاب کی شعاع اچھی معلوم ہوتی تھی تو صرف اسی وجہ سے کہ اُسکی مدد سے سونے مہاراج کا درشن اور دولت کی دیوی کی زیارت ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد اشرفیوں کو گنتا سلاخوں کو چھت کی طرف اُچھالتا اور پھر لپکتا۔ کبھی سونے کی ریگ کی مٹھیاں بھر کر مٹھی کھول دیتا وہ انگلیوں کے بیچ میں سے ریت کی مانند نیچے برتن میں گرتی رہتی۔ کبھی سونے کے تھال میں اپنا مُنھ دیکھتا اور کہتا۔ اہ رے۔ مایا داس تو بھی کیسا دھن وان راجہ ہے! اور کیا ہی خوش زندگانی ہے تیری!

مایا داس اپنی زندگی کو خوش کہتا تھا لیکن دل شہادت دیتا تھا کہ یہ زندگی ابھی ایسی خوش نہیں ہے جیسی ہونی چاہیے۔ زندگی کا لطف اور دولت کی معراج پوری پوری اس وقت حاصل ہوگی جب کل روئے زمین میرا تہ خانہ بن جائے اور سونے سے کھچا کھچ بھر جائے اور میں بلا شرکت غیرے اس کا مالک ہوں۔

ایک روز حسب معمول مایا داس اپنے تہ خانے میں سونے سے کھیل رہا تھا کہ ایک پرچھائیں سی نظر آئی۔ نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ روشنی کی شعاع کے سامنے ایک اجنبی کھڑا ہے۔ جوان اور طرحدار، رنگ سُرخ، خندہ پیشانی، چہرے پر تبسم ایسا نورانی کہ سونے کی دمک اور چاندی کی چمک کو دور بٹھائے۔ مایا داس بخوبی جانتا تھا کہ یہ انسان نہیں کیونکہ وہ تہ خانہ کا قفل بند کر چکا تھا اور اس قفل کا توڑنا اور پھر تہ خانے میں داخل ہونا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس کے علاوہ اجنبی کی صورت سے نیکی، فیض رسانی اور روحانیت کے آثار نمایاں ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مایا داس اُس کی جانب سے خائف ہو۔ شاید وہ مایا داس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے آیا ہو۔

اجنبی نے اول تو کمرے کی ہر شے کو بغور دیکھا پھر مایا داس سے مخاطب ہو کر بولا:۔

ا۔ تم تو بڑے مالدار آدمی ہو۔ دوست! روے زمین پر کسی ایک چہار دیواری کے اندر اتنا مال و دولت شاید ہی ہوگا جتنا تمھارے اس ایک تہ خانے میں موجود ہے۔

م۔ (کچھ ناخوش سا ہو کر) ہاں! ہاں! کچھ ہے۔ لیکن اس ذرا سے اثاثے کے فراہم اور جمع کرنے میں میری ساری عمر صرف ہوئی ہے اس لحاظ سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آدمی کے لیے کم از کم ہزار یا دو ہزار سال کی عمر تجویز کی جاتی تو البتہ دولتمند ہونے کے لیے کچھ وقت ملتا اور سونا جمع کرنے سے کچھ دل خوش ہوتا!

ا۔ (نہایت متعجب ہو کر) ہیں! تو کیا ابھی تمھاری سیری نہیں ہوئی!

م۔ (سر ہلا کر) نہیں! اور بھلا تم ہی سوچو کہ اس تھوڑے سے ڈھیر سے کیا خاک سیری ہو سکتی ہے۔

ا۔ تو پھر کس چیز سے سیر ہوگے اور کب؟ بتاؤ تو سہی یار! ہمیں تو اس بات کے معلوم کرنے کا بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا۔

مایا داس۔ اب ذرا چُپ ہوا اور سوچنے لگا "اس شخص کا نورانی تبسم فائدہ سے خالی نہیں۔ اس کے یہاں آنے کا منشا یہی ہے کہ میری دیرینہ آرزو برلائے اور مدتوں کی مراد پوری کرے اور اُس کو مقدرت بھی ہے کہ میری مراد پوری کرے اب وقت آگیا ہے۔ ممکن اور ناممکن کا کیا سوچنا! اب مانگ جو مانگیگا سو ملیگا"۔ اب حیرانی ہے تو صرف یہ کہ کیا مانگے؟ سونے کا پہاڑ، سونے کے دس پہاڑ، بیس پہاڑ، سو پہاڑ؟ یہ تو کچھ نہیں! پہاڑ کے اوپر پہاڑ جما دو نگا تب بھی فضائے آسمان میں خلا باقی رہیگا۔ پھر کیا مانگوں؟ آخر یہ حیرانی دور ہوئی۔ چہرے پر بشاشت آئی۔ فکر کے نشان دور ہو گئے۔ دل میں گدگدی اور لبوں پر تبسم پیدا ہوا۔ سر اٹھایا اور اجنبی کی طرف دیکھا۔

ا۔ راجہ مایا داس! معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اپنی سیری کا وسیلہ سوجھ گیا۔ بولو کیا چاہتے ہو؟

م۔ مین دولت کو سمیٹتا سمیٹتا ہار گیا اور نتیجہ کیا ہے؟ یہ ذرا سا سونا اب میری مراد یہ ہے کہ جس چیز کو ہاتھ لگاؤن وہی باون تولے پاؤ رتی کی ہو جائے۔

ا۔ (اجنبی کے تبسم کا یہ حال تھا کہ کل روشنی اس کے سامنے ماند تھی سونے کے تھال وغیرہ تہ خانہ کی سب چیزین اُس سے مجلّی ہو گئین) اہاہا! مجسم پارس بننا چاہتے ہو بھئی واہ! قربان اس عالمگیری کے لیکن دوست کیا تمھین اطمینان ہے کہ پارس بنکر تمھین سیری حاصل ہو جائے گی۔

م۔ پھر کسر ہی کیا رہ جائے گی؟

ا۔ پارس بنکر پچھتاؤ گے تو نہین؟

م۔ پچھتانے کی بات ہی کیا ہے؟ میری خوشی کا پیالہ لبریز ہونے کے لیے صرف یہی درکار ہے۔

ا۔ (ہاتھ اٹھاکر) بہت اچھا۔ تم جانو۔ ہم نے تمھاری مراد بخشی کل آفتاب کے طلوع ہوتے ہی تم پارس ہو۔

یہ کہنا تھا کہ اجنبی کے جلال مین افزائش ہوئی۔ مایا داس اُس کی تاب نہ لاسکا۔ آنکھین بند کر لین اتنے ہی مین اجنبی غائب تھا۔ مایا داس نے آنکھین کھولین تو اپنے پرانے طلائی انبار کے سوا کچھ نہ پایا۔

(۲)

خدا جانے مایا داس کو اُس رات کو نیند بھی آئی یا نہین بہر حال ابھی جھٹپٹا ہی تھا کہ بستر سے اُٹھ بیٹھا اور پارس ہونے کا امتحان کرنے لگا۔ پاس ہی ایک چوکی پڑی تھی اوّل اُسی کو ہاتھ لگایا۔ پھر کئی اور چیزون کو چھوا۔ مگر کسی کا رنگ نہ بدلا۔ نہ کسی کے وزن مین فرق آیا۔ بڑی مایوسی ہوئی سوچنے لگا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ اجنبی خواب و خیال تھا یا جیتا جاگتا مُنھ بولتا۔ کیا وہ مجھے دھوکا دیکر چلا گیا؟ کیا پہلے کی طرح نہ ذرا سے سونے کے لیے پھر وہی جد وجہد کرنی پڑے گی؟ کیا عمر بھر اسی طرح پاپڑ بیل کرنا کام ناشاد جاؤنگا۔

ابھی تک پو نہ پھٹی تھی اور مایا داس مایوسی کی حالت مین اسی طرح پیا دھیڑ بن مین مصروف تھا کہ یکایک آفتاب کی ایک شعاع کمرے مین داخل ہوئی شعاع کا اندر آنا تھا کہ کل کمرہ جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ دیکھتا کیا ہے کہ بستر کا ہر تار طلائی ہے جو کہ خالص سونے کی غرض جس جس چیز کو اُس نے چھوا تھا سب باون تولے پاؤ رتی کی ہو گئین۔ اطمینان ہوا کہ اجنبی جھوٹا نہ تھا اور مین سچ سچ پارس بنگیا۔ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اوّل پلنگ کی پٹی سیرون اور پایون کو چھوا تو فوراً اُن کو سونے کے ستون پایا! ایک دریچے کے سامنے سے پردہ جو ہٹایا تو نرم ریشمی پردہ سراسر سونے کی چادر ہو گیا۔ چوکی پر ایک کتاب رکھی تھی ہاتھ جو لگایا تو اُٹھانا مشکل ہو گیا۔ ورق اور جلد سب سونے کے۔ چاہا کہ کچھ پڑھے لیکن حرف نہین ملتے۔ نقرے نہین بنتے کتاب رکھ کر کپڑے اُٹھائے تو سب سونے کے نظر آئے۔ نرم اور ملائم اتنے کہ اُن کے پہننے مین کوئی دقت نہین ہوئی لیکن وزن کہان جاتا۔ کہان روئی اور ریشم کا ہلکا پن اور کہان سونے کا بوجھ شانے جھکے جاتے تھے۔ مایا دیوی نے دو روز پہلے پھلکاری کا ایک خوبصورت رومال بناکر باپ کو دیا تھا۔ مایا داس جیب سے نکال کر دیکھتا ہے تو یہ بھی سونے کا ہے۔ اس کی ترپائی اور کڑھائی مین خالص سونا لگا ہوا ہے۔ اِس پر مایا داس کی طبیعت ذرا ملول ہوئی۔ اِس کے سونا بننے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو مایا دیوی نے جیسا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھون سے بناکر مجھے دیا تھا ویسا ہی بہت اچھا تھا۔ مگر خیر! یہ ایک خفیف سی بات تھی جلد ہی اس کا خیال جاتا رہا مایا داس دور کی چیز نہین دیکھ سکتا تھا۔ عام آدمیون کو اس زمانہ مین عینک نصیب نہ تھی۔ لیکن اُس نے بڑے جتن سے ایک جوڑا تیار کرا لیا تھا۔ جیب مین ہاتھ ڈالا عینک نکال کر جو ناک پر رکھتا ہے تو بجائے بصارت مین صفائی اور قابلیت دو رہنی آنے کے بالکل ہی اندھا ہو گیا سبب کیا کہ پہلے جو شفاف شیشے یا بلور کے ٹکڑے تھے اب غیر شفاف مگر نہایت چمکدار سونے کے قرص بن گئے تھے۔ اِس بات سے تو خوش ہوا کہ کانچ کا یہ نخرہ

بن گیا مگر جب یہ خیال آیا کہ اب عمر بھر عینک نصیب نہ ہوگی تو بہت گھبرایا۔

بے حیائی دور بلا تھوڑی ہی دیر میں یہ خیال باطل بھی دل سے دور ہوا اور سنجیدہ و حکیمانہ لہجے میں بولا کہ جہاں گل ہو وہاں خار بھی ہے۔ پارس بنا کوئی چھوٹی سی بات اور ہنسی مذاق نہیں ہے عینک تو عینک اسکے لیے خود آنکھیں چلی جائیں تو عین راحت ہے۔ اول تو ابتک خود میری ہی آنکھیں صحیح و سلامت موجود ہیں لیکن اگر یہ بھی سونے کے عشق میں پھوٹ جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اب مایا دیوی بڑی ہوئی جاتی ہے میں نہ پڑھ سکوں گا تو یہ پڑھ پڑھ کر مجھے سنایا کرے گی۔

عقل کے ملجا و ماوی اور حکمت کے دستگاہ راجہ مایا داس پارس ہو کر ایسے پھولے کہ محل میں بھی نہ سمائے اور یہ ترنگ اٹھی کہ چل باہر در پلٹ رنگ دنیا کا۔ خوشی میں پھولے اور مسرت کے نشہ میں مست جھومتے جھامتے زینے کے کٹہرے پر ہاتھ رکھ کر سیڑھی سیڑھی نیچے اتر رہے تھے کہ کل زینہ مع کٹہرے کے باون تولہ اور رسوا پاؤ رتی کا ہو گیا۔ شگفتی ہٹا کر دروازہ کھولا تو چوکھٹ کواڑ، کیل، کنڈا، زنجیر، زرباد گی سب سونے کے ہو گئے۔ کچھ سیر کا وقت صبح کا سماں کچھ فرط خوشی فوراً باغ میں جا داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شبنم سے ہر گل غنچہ تر ہے ہر برگ و شاخ نسیم سحری سے ہاتھ ملائے نشہ تر و تازگی میں جھوم رہی ہے بیلیں ہیں کہ کامنی کی مثال لہرا رہی ہیں۔ ہر کیاری اپنے رنگ میں مست اور ہر روش گلاب کیوڑے چنبیلی، چمپا، جوہی وغیرہ کی خوشبو سے مجموعے کے عطر کی نہر باغ کیا روضۂ رضوان کا نمونہ تھا لیکن مایا داس کا مقصود اصلی روضۂ رضوان نہ تھا۔ باغ کی تر و تازگی اور شگفتگی سے قطع نظر کر کے اس کی قدر افزائی میں سعی فرمائی۔ ہر ہر پھول، بیل اور پتے، کلی، بوٹے اور قلم کو ہاتھ سے چھوا اور سب کو سونا بنا دیا۔ یہاں کچھ ہوا لگی کچھ سونا بنانے کی دوڑ دھوپ کی ورزش ہوئی۔ کچھ رسوئی کا وقت آیا ان سب باتوں نے مایا داس کو محل کی طرف پھیرا۔

اس روز راجہ کی رسوئی میں کھیر تھی۔ پانی تھی۔ اردو کی دال آلو کی بھاجی۔ پودینے کی چٹنی۔ لڑکی کے لیے دال روٹی کھیر علیحدہ۔ راجہ رسوئی پر بیٹھا لڑکی کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آجائے تو بھوگ لگائیں یہاں یہ کہنا لازم آتا ہے کہ مایا داس اپنی لڑکی کو نہایت عزیز رکھتا تھا اور چونکہ آج عمر بھر کی مرادیں پائی تھیں اس لیے اور بھی خوش تھا اور اپنی خوشی کے شریک کا منتظر تھا۔ مایا داس کو انتظار نہ کرنا پڑا اور چند ہی منٹ بعد لڑکی کے آنے کی آہٹ سنائی دی لیکن ساتھ ہی اس کے رونے کی آواز بھی۔ "ہیں! مایا دیوی کیوں روتی ہے؟ یہ تو کبھی کیوں بھی نہیں روتی۔ آج اس کو کس بات کی کمی ہے کہ یہ روتی اور چیخیں مارتی ہے؟ اچھا آج ہم اس کو اور بھی خوش کریں گے" اندر ہاتھ بڑھا کر اس تھال کو چھو دیا جس میں لڑکی کے لیے کھانا پروسا ہوا رکھا تھا۔ تھال اصل میں کانس کا تھا مگر پارس مجسم کی نظر عنایت ہوتے ہی فوراً خالص و کھرا چمکتا سونے کا بن گیا۔

اتنے میں مایا دیوی بھی آپہنچی۔ ہچکی بندھی ہوئی تھی اور آنسوؤں سے سارا رومال تر ہو رہا تھا۔

باپ۔ کیوں بیٹی؟ کیا بات ہے؟ کیسا اچھا دن ہے اور پھر بھی تم روتی ہو۔ کیا سبب؟

مایا دیوی نے آنکھوں کے آگے سے رومال نہ ہٹایا مگر مٹھی میں ایک گلاب کا پھول لے رہی تھی جس کو اُسکے والد ماجد صاحب تھوڑی ہی دیر قبل سونا بنا چکے تھے مٹھی کھول کر پھول باپ کے سامنے کیا۔

باپ۔ بیٹا دیکھو تو کیا خوبصورت پھول ہے! خالص سونا میل ملاو کا نام نہیں اس کو دیکھ کر تم کیوں روتی ہو۔

بیٹی۔ (ہچکیاں روک کر) نہیں پتا۔ یہ خوبصورت نہیں ہے۔ اس سے بدصورت پھول تو آجتک کہیں پیدا ہی نہیں ہوا ہوگا۔ کیڑے

پہنچتے ہی میں باغ میں گئی کہ آپ کے لیے تھوڑے سے پھول لاؤں۔ آپ
میرے لائے ہوئے پھولوں کو خاص کر پسند کیا کرتے ہیں لیکن باغ میں
جاتے ہی کیا دیکھتی ہوں کہ نہ تازگی ہے، نہ شگفتگی ہے، نہ رنگ ہے نہ بو ہے،
سارے باغ کو زردی لگ گئی ہے۔ سب پھول پیلے ہو گئے ہیں اور مہک
کا میں نام کو بھی نہیں ہے۔ نمونہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ ہوا تو کیا ہوا۔

باپ۔ ارے وہ ساری پھولی بیٹی! بس اسی لیے روتی تھی۔ چل بیٹا
رو نہیں۔ روٹی کھا۔ دیکھ تو سہی یہ تو سونے کا پھول ہے۔ وہ پھول گھڑی
کا پہر کا، دوپہر کا۔ اس کو جب تک تیرا جی چاہے رکھ چھوڑ اور اُسکے
عوض جتنے مانگے اُتنے ہی دام سے کر فانی پھول مل سکتے ہیں (خیال کرنے
کی بات ہے کہ اُس بیچارے یہ نہیں کہا کہ یہ نصیب میرا ہے)

بیٹی۔ (پھول کو جھنجھلا کر پھینک دیا اور کہنے لگی) مجھکو ایسے پھولوں کی
پروا نہیں جس میں تازگی ہو نہ شگفتگی نہ بو۔

یہ کہکر لڑکی تھال کے پاس بیٹھ گئی اور پھولوں پر زردی چھا جانے
کے رنج اور انمیں تازگی اور شگفتگی نہ رہنے کے غم میں ایسی غلطاں پیچاں
ہوئی کہ تھال کی تبدیلی سے بھی آگاہ نہ ہوئی۔ گویا یہ بھی اُس کے حق میں
بہتر ہی ہوا۔

(۳)

مایا داس نے کھیر کا تھال، دال کا کٹورا، پانی کا لوٹا، گلاس
وغیرہ جو اپنی طرف سرکایا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب خالص سونے کے
ہیں۔ سونے کے برتنوں میں کھانا پینا ایک ایسے مہاراجہ کے لیے جو خود
پارس کا حکم رکھتا ہے۔ چنداں غیر موزوں نہ تو نہیں ہے لیکن یہ خیال
ضرور آیا کہ اُن کی حفاظت مشکل ہو گی کہ چوروں اور رسوئیوں کی تحویل میں
اُن کا چھوڑنا مناسب نہیں۔

اسی سوچ بچار میں تھا کہ ہاتھ سے اٹھا کر کھیر کا ایک چمچہ منہ میں ڈالا۔ زبان
لبوں سے چھوتے ہی کھیر بھی سونا بن گئی۔ اول کھلا ہوا اور گرم لیکن
--وہ اسی دیر میں سخت ٹھنڈا پڑا۔ **مایا داس** نہایت پریشان ہوا اور
بیساختہ زبان سے نکلا "ہیں! یہ کیا ہوا؟"

لڑکی چونک پڑی۔ ابھی اس کا رونا تھما نہ تھا کہنے لگی کہ بتا کیا ہے

مایا داس نے جواب دیا کچھ نہیں۔ دیکھو تمھاری کھیر ٹھنڈی ہوئی جاتی
ہے پھر اس کا مزا نہ رہیگا جلد کھالو۔

پھر ایک نہایت سرخ سی پوری اور پھوٹ کی طرح کھلی ہوئی بالائی اٹھائی
رام! رام! رام! ارے یہ کیا غضب ہوا۔ یہ تو سونے کی دو سیر کی ہے
توڑوں کیا اور رکھاؤں کیا۔

دال بھاجی چٹنی جسمیں ہاتھ ڈالا اُسی نے جواب دیا۔ لڑکی ہے کہ
رونا دھونا بھول گئی ہے اور کنکھیوں سے منہ میں چھوٹے چھوٹے لقمے
کھا رہی ہے۔ پروردگار کی دی ہوئی نعمتوں کا لطف لے رہی ہے اور دنیا
سے بیخبر کھانے میں مشغول ہے۔ باپ سونے کی کھیر، سونے کی بالائی، سونے
کی روٹی، سونے کی دال، سونے کی بھاجی، سونے کی چٹنی سونے کے
برتنوں میں دیکھ دیکھ کر ترس رہا ہے۔ پرمیشور! اب میں کیا کروں؟ اچھا
اب یوں کروں کہ ایک رکابی میں تھوڑے سے آلوؤں اور ایک ایک آلو
کا ٹکڑا منہ کے اندر بقدر پھرتی جلدی اور صفائی سے ڈالجاؤں کہ وہ فوراً
حلق سے نیچے اتر جائے اور ہاتھ کا اثر اُس پر کچھ نہو۔

چنانچہ ایک رکابی میں آلو لیے۔ ایک ٹکڑا اٹھا کر نہایت جلدی سے منہ میں
ڈال کر نگلنا چاہا لیکن حلق سے چھوتے ہی نہ پوچھئے اسلام تلملا اٹھا۔ حلق اور
تالو جل گیا اور چونکہ ٹکڑا گول نہ تھا اُس کے گوشے زبان تالو اور حلق میں ایسے
چبھے کہ خون نکل آیا۔ کیوں؟ وہ ہاتھ لگتے ہی خالص سونا ہو گیا تھا۔ لڑکی بھی
چونک پڑی اور رو کر کہنے لگی کہ "کیا ہوا؟ آلو گرم تھا منہ جلگیا"۔ باپ نے جواب دیا
"بیٹی! اور بس اب میں ہو لیا۔ پرمیشور جانے میرا کیا حال ہوگا"۔

واقعی عبرت کا مقام ہے کسی نے ایسا حال کسی آدمی کا کبھی اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے؟ قیمتی سے قیمتی کھانے سامنے رکھے ہیں اور **مایا داس** اُن کو

اُنگلی نہین لگا سکتا! افسوس نہین حسرت کا مقام ہی۔ غریب سے غریب مزدور بلکہ فقیر موٹی جھوٹی روٹی کھا کر پانی کا پیالہ پیتا اور پروردگار کا شکر بجا لاتا ہی۔ اُس کے مقابلہ مین **مایاداس** لاتعداد سونے کا مالک ہی لیکن اس کے حصہ کا دانہ پانی جہان سے یک قلم اُٹھ گیا۔ اس سے زیادہ طالع کی شامت کیا ہوگی؟ اور پھر یہ امید نہین کہ ایک وقت فاقہ گذر کر دوسرے وقت ٹکڑا نصیب ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا مین سامانِ غذا اور پانی کی کمی تو نہین۔ کمی تو عقل کی ہی نصیب کی ہی کہ دولت کی طمع مین اپنے دستِ مبارک کیا کل جسم اطہر کو زہر کا سرچشمہ بنا لیا۔ جو حال صبح ہوا ہی وہی شام کو ہوگا۔ وہی کل ہوگا۔ وہی دس برس پیچھے ہوگا۔ وہی ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ ہاتھ اور مُنھ سے چھوتے ہی کھانے کی غذائیت اور پانی کی تاثیر کافور ہوگی۔ بجائے اسکے سونے کے ڈلے اور پگھلے ہوے سونے کی دھار نظر آنے لگی۔ اس صورت مین مایاداس کا ہنسی سے یہ کہنا کہ "خواب مین ہولیا" کوئی تعجب کی بات نہین ہی جب جسم کو کھانا اور پانی ہی نہ ملے گا تو جیئے گا کیا خاک۔

مایاداس کو اب یہ خیال آنے لگا کہ دولت شاید اسقدر دلبستگی کی مستحق نہین ہی۔ لیکن جلد ہی بھول جاتا اور پھر دولت کی عظمت کے خیال سے مغلوب ہونے لگتا۔ پھر بھی بھوک بڑی بُری بلا ہی۔ آنتین قل ہو اللہ پڑھ رہی تھین بیساختہ زبان سے ہاے کا نعرہ نکلا اور اس غم والم کے ساتھ کہ **مایا دیوی** سُنے نہ پائے۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور باپ کے پاس آن کر اُس کی گود مین بیٹھ گئی۔ اور بھولے بھولے منھ سے اُس کی دلجوئی کرنے لگی۔ باپ کے دل مین محبت پدری کا جوش آیا۔ بیٹی کو چھاتی سے لگایا۔ اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا "مایا دیوی دنیا کی تمام دولت سے عزیز مجھے تو ہے"

مایا دیوی۔ خاموش ہی ہاے افسوس! ہاے افسوس! پارس ہونے یا اپنی جان کے دشمن اور اپنے لختِ جگر کے قاتل! کہان ہی وہ بھولے بھولے! کون والی لڑکی ذرا سے پوچھتی ہوئی باپ کی تسکین خاطر کے لیے آکر اس کی گود مین بیٹھی تھی اور گلاب کی پنکھڑیون جیسے لب کھول کر اُس سے کچھ کہا چاہتی تھی؟ لڑکی موبہو موجود ہی۔ وہی جسم ہی۔ وہی چہرہ ہی۔ بال بال اور خال خال وہی ہی۔ رخسار وں پر آنسوؤں کے نشان بھی موجود ہین لیکن بجاے گوشت اور پوست کے سرتاپا سونے کا چمکتا دمکتا اور صاف وشفاف بت ہی۔ **مایاداس** بُت کو گود سے ہٹا کر روتا ہی اور سر پیٹتا ہی۔ پارس ہونے سے پہلے پیار مین آکر کبھی کبھی بیٹی سے کہا کرتا تھا کہ تو تو سونے کی مورت ہی لیکن وہ محض پیار کی بات تھی۔ اب وہ فی الواقع سونے کی ہی۔ پارس بننے کے نتیجے **مایاداس** مہاراج نہایت اچھے سمجھتے تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ انسان کی سیری کے لیے سونے سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہی۔ روتا تھا اور دہائی دیتا تھا کہ میری تمام دولت جل جائے اور سارا خزانہ خالی ہو جائے مگر میری بیٹی پھر ویسی ہی ہو جائے جیسی پہلے تھی۔

(۴)

مایاداس اس حالت زار مین سر دُھن رہا تھا کہ دروازہ کے پاس ایک اجنبی کھڑا نظر آیا۔ پہچان گیا کہ یہی تو تھا جو مجھے کل پارس بنا گیا تھا۔ شرم کے مارے آنکھین نیچی ہوگئین اور زمین مین گڑ گئین۔ اجنبی کے چہرہ پر اب بھی وہی نورانی تبسم تھا جس کا جلوہ قرب وجوار کی ہر چیز سے عیان تھا۔

ا کہو دوست **مایاداس** بامراد ہو! پارس بنکر خوش ہو۔

م دسر ہلاکر) دنیا مین مجھ جیسا بدبخت کوئی نہوگا۔

ا بدبخت؟ کیون؟ کیا میری دعا پوری نہوئی؟ کیا تمھاری مراد پوری نہین ہوئی۔

م (آہ سرد کھینچکر) مہاراج سونے سے ساری مرادین پوری نہین ہوتین میری بہبودی کے لیے جو سامان ضروری ہی وہ سب جاتا رہا۔

ا۔ اوہو! تو معلوم ہوتا ہی کہ کل کی ملاقات کے بعد تمھے کچھ عقل پیدا کی ہی

اچھا پھر یوں ہی سہی۔ بتاؤ ایک ٹھنڈے پانی کا آبخورہ اچھا یا پارس کی نعمت۔

م۔ جل ملے سو ہر ملے۔ افسوس! اب مجھے پانی کہاں نصیب۔

ا۔ روٹی کا ٹکڑا بہتر یا پارس ہونے کا فخر اچھا؟

م۔ کیا بات ہے روٹی کی! ایک طرف روٹی اور ایک طرف دنیا کی ساری دولت۔

ا۔ پارس بننا چاہتے ہو یا اپنی ہنستی بولتی بیٹی مایا دیوی؟ جیسی وہ تمھاری گود میں بیٹھنے سے پہلے تھی؟

م۔ لعنت پارس پر ہزار لعنت۔ لاکھ بار لعنت۔ تمام عالم سونے کا بن جائے ساری دنیا میں سونا ہی سونا نظر آئے تو اس کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔

ا (سنجیدگی سے) مایا داس۔ تم کل کی نسبت آج ہوش کی باتیں کرتے ہو۔ انسان کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابھی تمھارا دل سونے کا نہیں ہوا ہے ورنہ تمھارا دردلا علاج ہو جاتا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ لوگ دولت جوڑنے اور اس کو آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ پھیلا کر سمیٹنے کے پیچھے پاگل ہو رہے ہیں لیکن روزمرہ کی وہ نعمتیں جو خلاق عالم نے سب کو دی ہیں زیادہ قدر کے قابل ہیں۔ پس اگر تم پارس بنا رہنا نہیں چاہتے تو مجھ سے کہو۔ لیکن دیکھو جو کچھ کہو سچے دل سے اور پکے دل سے کیونکہ ہر بار ادیب نہیں ملا کرتیں۔

م۔ پارس کو میں پتھر سمجھتا ہوں اور پتھر بھی بیکار بالکل نکما۔ کوڑی کام کا نہیں رہ گیا تھا کہ ناک پر ایک مکھی بیٹھی، وہ فوراً سونے کی ڈلی بن کر زمین پر گر پڑی۔ مایا داس اس ماجرے کو دیکھ کر کانپ اٹھا۔

ا۔ اچھا جا۔ تیرے باغ کے نیچے جو دریا بہتا ہے اس میں غوطہ لگا۔ وہاں سے ایک گھڑا پانی اپنے ہاتھ سے لا جس چیز پر یہ پانی چھڑکے گا وہی اپنی اصلی حالت پر آجائے گی سچے اعتقاد سے میرا کہا کرے گا تو جو بگاڑ لالچ کے سبب سے تیرا ہوا ہے پرمیشور سب ٹھیک کر دے گا۔

مایا داس نے زمین پر گر کر ساشٹانگ ڈنڈوت کیا اور جب اٹھا تو اجنبی کو نہ پایا۔ مایا داس نے لپک کر ایک مٹی کا گھڑا اٹھایا مٹی کا؟ نہیں نہیں۔ وہ تو ہاتھ لگتے ہی خالص سونے کا بن گیا تھا۔ گھڑا لیکر جھپٹا ہوا دریا کی طرف چلا جاتا تھا۔ بیچ میں ایک جھاڑی آگئی۔ اس سے جو جسم چھوا تو بیر اور پتے وغیرہ سب سنہرے۔ خیر۔ مایا داس نے ہک کی تہ دھک جو تا اتارنا بھی بھول گیا۔ اور دھم سے دریا میں جا کودا۔ پہلے غوطے کے بعد جو اوپر ابھرا تو ہلکا پھول ہو گیا گویا سینے میں کوئی سوہن کا پتھر دھرا تھا اور اب وہ پانی میں گھل کر ساٹھ کی راہ سے نکل گیا ہے۔ پر اتنا امن تو کلکی ہو گیا تھا کلنک تو اب مٹا ہے۔ پھر ایک غوطہ اور لگایا۔ پھر گھڑا لیکر پانی میں ڈبویا۔ اسی وقت اس کا رنگ بدل گیا۔ ویسا ہی ہلکا پھلکا مٹی کا گھڑا ہو گیا جیسا پہلے تھا۔ جی خوش ہوا۔ دریا کے کنارے آکھ کا پیڑ تھا۔ اس پر پھول کھلے ہوئے تھے مایا داس نے ایک پھول توڑا تو وہ سنہری نہ ہوا۔ اب اطمینان ہو گیا کہ پارس پن کا کلنک اب مجھ سے بالکل دور ہو گیا۔ گھر کی طرف پانی کا گھڑا اکتے سے پر رکھے چلا آتا تھا۔ نوکر چاکر دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ راجہ صاحب خود پانی بھر کے لائے اور ہم میں سے کسی کو یہ خدمت سپرد نہ کی۔ مایا داس نے آتے ہی لپ بھر بھر کے مایا دیوی کے اوپر پانی چھڑکنا شروع کیا۔ جوں جوں پانی پڑتا تھا۔ لڑکی کا رنگ دپ دپ چمکا آتا تھا لڑکی نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں "پتا! پتا! میرے کپڑے کیوں تم کیے دیتے ہو۔ آج صبح ہی تو میں نے بدلے تھے اور تم نے خراب کر دیے"۔ لڑکی کو یہ خبر بھی نہیں کہ سونے کی مورت ہو چکی تھی اور اب اتنی دیر کے بعد اپنے اصلی قالب میں آئی ہے۔ مایا داس نے بھی اس حال کا لڑکی سے کہنا مناسب نہ جانا۔ بلکہ اس کو ساتھ لیا اور گھڑا اٹھا کر باغ میں لے گیا وہاں جس بیل پھول پتے وغیرہ پر پانی پڑا وہی ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب ہو گیا۔ سب کا رنگ بدستور اور سب کی بو حسب معمول۔ لڑکی فرط طرب سے

تا لیاں بجا بجا کر ناچنے لگی۔ البتہ پارس کا اثر دو جگہ باقی رہ گیا۔ اول تو دریا کی ریتی جہان مایا داس کے قدم مبارک پڑے تھے سنہری ہو گئی اور ہمیشہ اسی رنگ مین رہی۔ دوم مایا دیوی کے بال جو پہلے سفید ہو گئے تھے اب سنہری ہو گئے اُنکی سنہری جھلک بڑی سہانی معلوم ہوتی تھی۔ بڑھاپے کے ایام مین مایا داس اپنی بیٹی مایا دیوی کے بچونکو گود مین بٹھا کر کھلاتا اُنکے سنہری بالون مین ہاتھ پھیر کر بڑا خوش ہوتا۔ انھین یہ تمام قصہ سنا سنا کر کہتا کہ تمھارے بال بھی ایسے ہی ہین جیسے مایا دیوی کے۔ فقط

شیخ محمد اسمٰعیل

حمد

ہموارہ ورد ہو اگر اسمِ اِلٰہ کا
دل ہو ورود گاہ سدا مہر و ماہ کا

ہر دل کو اسمِ داورِ عادل کا ورد ہو
ہر اک کو اک سرور ہو حمدِ اِلٰہ کا

ہر اک الگ ہوا عنصر و داعِ روح
والہ اک آہ کا ہوا اک واہ واہ کا

عالم الگ ہو گو کہ گوارا ہر اک طرح
اللہ داد رس ہوا گم کردہ راہ کا

مولا وہ رسم و طور ہمارا مدام ہو
سودا ہو سر کو دل کو ہو کام آہ آہ کا

معدوم ولولہ دلِ مہموم کا ہوا
درک و حواس گم ہوا گم کردہ راہ کا

ہو اسم ردِ سحر اگر کارِ دل مدام
مسدود سلسلہ ہو ہر اک سحر گاہ کا

ہم کو کرم کا اور ہوا آسرا دلا
حاصل ہوا سرور اگر گاہ گاہ کا

عالم کو کارگر عملِ عمدہ کار ہا
مل مل رہا مدام صلہ داد و واہ کا

احساس اسمِ داورِ دادار اگر رہا
ہر اک الم رسا ہوا ہمطور راہ کا

عنصر سوادِ حمد اگر ورد آہ ہو
آسودہ دل ہو وہم ہو گم راہ راہ کا

ہمطور مہر ہر دل آوارہ گرد ہو
سرگرم مدعا ہو اگر دودِ آہ کا

حاصل ہر اک مراد ہو صدمہ ہو دور دور
اکرام و رحم ہو اگر ہمدم اِلٰہ کا

گم کردہ حواس عدو ہو کلامِ آشک
ہر کوہ اُس کو سدا کاہ کاہ کا

آشک

(غمزۂ حسن)

کس کے سر کے لیئے شمشیر دو پیکر تو ہے؟ — کس گلے کے لیئے آب دم خنجر تو ہے؟
کون سی تیغ ہی جس تیغ کا جوہر تو ہے؟ — کون سا زخم ہے جس زخم کا نشتر تو ہے؟

کون سا درد ہے جس درد کا درمان ہے تو؟
کس کے سینے مین شرار غم پنہان ہے تو؟

کشور دل کا ہی تاراج گر اِک تو ہی — رخنہ انداز بنائے جگر و جان تو ہی
بن گیا ہی شرر ہستی انسان تو ہی — برق خرمن ہی تو ہی شعلۂ سوزان تو ہی

آگ پانی مین لگاتا ہی شرارہ تیرا
سحر غمزہ ترا جادو ہی اشارہ تیرا

ساحری فن ہی تری چشم فسونساز کا فن — چشم بد دور ترا غمزۂ غماز اے حسن!
دلنوازی پہ تری عشق کو بھی ناز اے حسن! — ناز تجھ پر ہی خدا ساز ہی انداز اے حسن!

شرم قربان تری عصمت دوشیزہ پر
ہر ادا محو حیا صورت پاکیزہ پر

اسلحے اور بھی حسن نے تولیا کیا ہی دار — سب آلات فنون جنگ سے لیئے ہین تیار
دوہری تلوار ہین ابرو ہین پلکین تیر نثار — لیس ہی تیر دو کمان سے صف مژگان کی قطار

سر فرو شون کا ہی کاٹنے والا تو ہی
اس نزاکت پہ ہی باندھے ہوئے تلوار تو ہی

تیرے حربے نہین ہوتے کبھی آلودۂ زنگ — یعنی صیقل کئے ہین محتاج نہین ہین کونسا رنگ
جتنے دنیا مین ہین نیت و تاج اور رنگ — جنگ گیری ہی ہوان سب سے جدا اور ہی رنگ

لے لیا نگہ سے جب تو نے جیت لیا
زلف مشکین سے کبھی جیت لیا

خزینۃ الخیال

کون ہی غیر از خدا مطلوب کا فریاد رس — کیا کسی کا آسرا اللہ بس باقی ہوس
کب نکلتا ہی کسی سے کام دنیا کا ہوس — اک خدا ہی کا سہارا ہی خدا والون کو بس

اہل دنیا اسطرح دنیا ہی سجن مومنین — مومنون کی روح کو ہی جسم بھی مثل قفس
تو پڑا سوتا ہی اب تک غافل چلنے کو ہے — کیا سنائی کچھ نہین دیتی تجھے بانگ جرس
اپنے ہی جانی کی تباہی ہے جو چاہے اپنا نفع — ٹوٹ پڑتا اُن پر فلک ہاتھ پہ خدا اُن پر برس
دم مین جبتک دم ہی دم دم کو غنیمت تو سمجھ — کیا بھروسا دم کا ہی بود اور ہست یک نفس
رنج و ذلت سے کبھی مقصد کو پہنچیگا نہ تو — کیون نہین جاتی ہی تیرے دل سے دنیا کی ہوس
ناک جو اپنے کو سمجھے وہ ہی آلایش سے پاک — غور سے دیکھے جو خود بین خود کو پائے مثل خس
پانو پھیلا خوان نعمت کے مزے لے بار بار — ہاتھ پھیلا اور پھر ایک لقمہ کو ترس

ہو بری نیت تو فتنہ کا سبب رہتی ذہن
نیک نیت کیلیے زر دافع شر ہے ذہن

سن کے یہ تو ہوش کا سودا جو تو ہی کا جوش — ہون اگر آنکھین تو حق مین گوش ہو تو عقل و ہوش
کیون ہی اتنی نکر دم بھر ہی یہان تیرا قیام — بحر عالم مین حباب آسا ہی تو خانہ بدوش
ہی جزا نیکی کی نیکی اور بدی کی ہی بدی — کان تو کھول اپنے غافل سن تو آواز سروش
غیر کو بعد اور اپنے آپ کو پہلے سنبھال — حال دنیا آئینہ عبرت کا ہی دیکھ اہل ہوش
دشمنی کرتے ہی پیدا آدمی دوست کو — بیچ کا اکثر لوگ ہین گندم نما و جو فروش
دیکھ بدکار و نکی حالت بکثرت کون کا شعار — چل طریق راستی پر ہی اگر کچھ عقل و ہوش
ان پہ بیٹھے پھرتے ہین ہین تیرے مین مرد اجل — دیکھ غیرت کی نظر سے ان کو جو مین خیرہ دوش
نوسے سن گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو اے اہل ہوش
فکر تربت کر کہ دائم ہی تیرے رہنے کا گھر — موت ہو گر بہ ڈرائے انسان کو تو ہی مثل موش

جسمین ہمدردی ہو وہ ہی لائق حرمت ہین
خود غرض جو ہو وہ کب ہو قابل الفت ہین

پیکر حسن

اپنے عالم پر خوش ہی تاب ہی پر پرواز — نیا ہی کبک دری کی بھی چال کا انداز
فضائے دشت مین عندلیب دکھاتے ہین خر خروش — طرب فزا ہی سمندر مین مچھلیون کا جوش
فرس مین تیز روی شان شاخ آہو مین — مثل ہی شیر و جوانمرد زور بازو مین
نہ پائی انمین سے عورت نے ایک بھی طاقت

عطا ہوئی مگر اُس کو وہ حسن کی دولت

غزالِ دشت بھی دیکھے تو رام ہو جائے ہزار جان سے غنچہ غلام ہو جائے

دلاوری یہ جوانمرد لاکھ ہون مغرور یہ میش جلوۂ جانان ہین بیخود و مجبور

سفیر طاقتِ نظارۂ جمال کہان

وگرنہ حسنِ بتان مین ہے جلوۂ یزدان

(افسانۂ درد)

دلِ پژمردہ کو یارائے مسرت نہ رہا سرِ شوریدہ کو سودائے محبت نہ رہا

قیس اب دشت مین آوارۂ وحشت نہ رہا عشقِ لیلیٰ مین وہ پابستۂ الفت نہ رہا

خود ہی لیلیٰ نہ رہی چاہنے والا نہ رہا

جل بجھی شمع تو پروانہ شیدا نہ رہا

خم و مینا نہ رہے بادۂ گلگون نہ رہا دل کے ٹوٹے ہوئے شیشے مین بجز خون نہ رہا

بادۂ عشق کا اب کوئی بھی مفتون نہ رہا چشمِ مخمور مین اب عشق کا افسون نہ رہا

جامِ جم جو رہا جامِ سفالین ٹکڑے

خم و مینا کے پڑے ہین سرِ بالین ٹکڑے

نغمے اُٹھتے نہین خاموش ہین تارِ رباب کوئی دھیمی سی سُری بھی صدا ہے نایاب

دیکھ کر عالمِ خاموشی نطقِ احباب روتی ہے حال پہ موسیقی کے ہر مضراب

دستِ مطرب ہوئے زخمی مگر آواز نہین

جس سے نغمے اُٹھین باقی ہے وہ اب ساز نہین

لذتِ درد سے معمور ہے افسانہ مرا ہے اندوہ سے لبریز ہے پیمانہ مرا

محوِ فریاد ہے ہر دم دلِ دیوانہ مرا غم و آلام سے آباد ہے ویرانہ مرا

حسرتین کتنی تڑپتی ہین مرے سینے مین

مضطرب کتنے ہین جوہر مرے آئینے مین

یاس و حرمان کا ہے دور ہے قیامت اب یہ ہجوم وقت ناکامی جاوید ہے قلب مغموم

مزرعِ عیش پہ کچھ ایسی چلی بادِ سموم برقِ خرمن نے کیا گلشنِ ہستی معدوم

غنچۂ دل صفتِ لالۂ صحرائی ہے

درد و آہ دلِ پُر سوز سے سودائی ہے

نالۂ بیتاب ہے سینے سے نکلنے کے لیے اشک طوفان اُٹھاتے ہین اُبلنے کے لیے

دلِ پُر شور ہے بیتاب مچلنے کے لیے درد اُٹھتا ہے کلیجہ مرا ملنے کے لیے

شرحِ این قصۂ جانسوز نہ گفتن تا کے

سوختم سوختم این راز نہفتن تا کے

تازہ غزلین

۱- نواب سید محمد اصغر حسین صاحب واقف رئیس شمس آباد (فرخ آباد)

جلوہ پہ کر غرور نہ جلوہ کئے بغیر مین دیکھ لون نہ تجھ کو نظارہ کئے بغیر

گھٹتا ہے دم فراق مین نالہ کئے بغیر مرتا ہون اپنے حال پہ نوحہ کئے بغیر

وہ نقشِ سنگِ در ہے ترا قابلِ سجود ماتھے پہ بن گیا ہے جو سجدہ کئے بغیر

ملتی ہے انجمن مین عدو سے جب اُس کی آنکھ بن جاتی ہے زبان اشارہ کئے بغیر

حیلہ ہوا جفا مین تو مرضی کہان رہی مجھ کو ستائے کاش وہ حیلہ کئے بغیر

ساقی کی چشمِ مست کا ذوقِ نظر غلط دل کو حریفِ لذتِ بادہ کئے بغیر

آب اُس کی تیغ مین نہ رہی بے روان ہے چمکا نہ حسنِ ظلم کو شیوہ کئے بغیر

دل کو ترے جفا کا چھپانا محال تھا سینہ کو داغِ ہجر کا پردہ کئے بغیر

ہے کون انتظار کی راتین جو کاٹ لے آنکھون کو اپنی چشمِ ستارہ کئے بغیر

الزام کیون اُٹھائے جفا کا وہ چشمِ شوخ کرتے جو دل کا خون ارادہ کئے بغیر

سینہ نہین ہے درخورِ افراطِ آرزو کیونکر جیون کا دل سے کنارہ کئے بغیر

کرنی پڑی مژہ کی بھی چوٹ نگہ کے ساتھ چھوٹی نہ جان دل سے کنارہ کئے بغیر

ہے آدرکون آئینۂ التفاتِ دوست بنتی نہین عدو کا نظارہ کئے بغیر

واقف کتا کرنے غمِ دل سے کہان فراغ

جانِ حزین کو نذرِ زمانہ کئے بغیر

۲- سید علی رضا صاحب ماہر (کنتوری)

کہتے ہین اُٹھ اُٹھ کے فتنے اُس بتِ طناز سے کتنے گھر ویران ہوئے ہین اس خرامِ ناز سے

تار سب ہلنے لگے اُس شوخ کی آواز سے
ساز یہ نغموں سے کہتا ہے تو نغمہ ساز سے

دل کرشمون نے لیا ہے واہ کس انداز سے
تاڑ نے چھینا ادا سے اور ادا نے ناز سے

اب بازی دیکھیے پھر اُنکی آنکھین لڑ گئین
مرنے زندہ ہوتے ہین پھر نگاہِ ناز سے

بات مین جب بات نکلی کہتے کہتے دردِ دل
چپکے چپکے کچھ کہا اور کچھ بلند آواز سے

پر شکستہ دیکھ کر ارمان کا خون ہوگیا
حسرتین کہتی ہین بلبل کے پرِ پرواز سے

ضبطِ اُلفت اس کو کہتے ہین کہ دیدی اپنی جان
آشنا بھولے سے لب بھی ہون نہ دل کے راز سے

کرتی ہے باغبان کی کیون شکایت عندلیب
آفتین آئی ہین سب تجھ پر تری آواز سے

قتل آنکھین کر رہی ہین اب پڑ جاتی ہے جان
یہ فسون سازی تو ٹکر کھاتی ہے اعجاز سے

زالِ دنیا نے سکھائین ماہر ان چالین نئی
کس کا آلودہ ہوا دامن حرص و آز سے

دے رہے ہین کس لیے محفل مین طعنے شکوہ آپ
بدگمان ماہر نہ ہو وہ آپ کی آواز سے

۳- منشی عبد الخالق صاحب خلیق (دہلوی)

نزاکت مین تو گل بھی اُنکے کب ہمسر نکلتے ہین
زبانِ لالہ رو دل کے مگر پتھر نکلتے ہین

تجلی کی سراپا اوڑھ کر چادر نکلتے ہین
تصور مین بھی کب بت دے شو باہر نکلتے ہین

بس مردن وہ میری لاش پر کیا خاک آئینگے
جو جیتے جی مرے سایہ سے بھی بچکر نکلتے ہین

تمنا کی خلش پوچھے کوئی ان نامرادون سے
یہ حسرت ہو جھیلین ہائے دل کیونکر نکلتے ہین

پہنچتے ہین عدم سب گو کئی منزل کو طے کر کے
اسی رستے سے بیخود اور راہبر نکلتے ہین

ذرا تیغِ دو دم کھینچو ابھی کھل جائیگا تم پر
کہ دشمن سرخرو ہوتا ہے یا ہم زر نکلتے ہین

ادھر ہم رشک کے مارے لہو کے گھونٹ پیتے ہین
اُدھر بزمِ عدو مین شیشہ و ساغر نکلتے ہین

مری افسردگی یہ شامِ ہجران رنگ لائی ہے
کہ تارے بھی فلک پر داغِ دل بنکر نکلتے ہین

زمانے سے نئی طرزِ جفا ایجاد ہو کوئی
مزا کیا اس ستم کا جسکے ہم خوگر نکلتے ہین

سوالِ وصل سنکر پڑ گئے ہین بل جو تیورون مین
بھلا اب تو کوئی دم کی ہے دیر خنجر نکلتے ہین

اُنھین اب گردشِ چرخِ برین خود بھلاتی ہے
جو واقف تھے گھر سے وہ قدم باہر نکلتے ہین

جلانے کو مرے تقدیر چمکانے رقیبون کی
وہ اکثر رات کو بنکر مہِ انور نکلتے ہین

خلش نوکِ مژہ کی کیا مٹیگی ساتھ ہی دم کے
بھلا دل سے کہین چبھتے ہوئے نشتر نکلتے ہین

شبِ فرقت مین رہتا ہے یہ عالم جوشِ گریہ کا
سحر بستر کے تکیے آنسوؤن سے تر نکلتے ہین

ادھر جھونکے سے رخ کرتا تو کیا آفت کا عالم ہے
ہوا سے بھی نئے کوچے کی وہ بچکر نکلتے ہین

کہان ہے آپکی وہ پردہ داری آج محفل مین
زمانے بھر کے آگے آپ اب کیونکر نکلتے ہین

نگاہین لوٹتی ہین بیحجابی کے مزے کیا کیا
کبھی عقدین جیب جالی سے وہ باہر نکلتے ہین

طبیعت جب کبھی غواصِ بحرِ فکر ہوتی ہے
خلیق اشعار بنکر بے بہا گوہر نکلتے ہین

۴- مولوی فخر الدین احمد صاحب سفیر (کاکوروی)

ترے ہاتھون سے دم جسکے بہ خنجر نکلتے ہین
وہ اے رنگین ادا پھر پھول بنکر نکلتے ہین

ہمیشہ یون ہی اپنے اشکِ چشمِ تر نکلتے ہین
کہ دامانِ صدف سے جس طرح گوہر نکلتے ہین

شبِ فرقت جو دھیان آیا تری زلفِ چلیپا کا
نگلنے کیلیے ہر سمت سے اژدر نکلتے ہین

ہوس کے عشق مین سیکھا ہے ہمنے دین و دل کھوکر
کہ جو آرامِ جان ہوتے ہین غارتگر نکلتے ہین

مجوسہ دوستی کا سخت مشکل ہے زمانے مین
بہت یون دوست ہوتے ہین مگر کمتر نکلتے ہین

چھپا رکھے تھے دل مین جو شرر آغازِ اُلفت سے
شبِ وصل آسمان پر بنکے وہ اختر نکلتے ہین

بہار آئی چمن مین جھولے لگون نے جھولے ڈالے ہین
خوشی کا دور ہے تقدیر کے چکر نکلتے ہین

گھٹائین جھومتی ہین بجلیان بیتاب ہوتی ہین
نہا کر جب وہ کوٹھے پر برہنہ سر نکلتے ہین

بپا ہوتے ہین فتنے سیکڑون ایک اُنکی مستی سے
کھلے سر جب وہ زیرِ چرخِ نیلوفر نکلتے ہین

تہ و بالا نظر آتا ہے عالم اُن کے جلوے سے
قیامت ہے وہ بن ٹھنکر سرِ محشر نکلتے ہین

خدا پہچان لینا حضرتِ واعظ کو رندون مین
بڑے صوفی ہین جب میخانہ سے باہر نکلتے ہین

نمایان ہے یہ نقشہ جذبِ حسنِ آفرینش کا
لبِ دریا لیے نقشِ شجر پتھر نکلتے ہین

سفیر اس خاکدان مین جب کوئی ٹھوکر کھاکے چلتا ہے
لیے عبرت سرِ دارا و اسکندر نکلتے ہین

رباعی شاکر (میرٹھی)

بیہوش مجھے بنا گیا ہے کوئی
جلوہ کی جھلک دکھا گیا ہے کوئی
حیرت کی ہین پتلیان نگاہین شاکر
آنکھون مین مری سما گیا ہے کوئی

قدر شناسان العصر کی خدمت مین

اپیل

معزز معاونین العصر کی خدمت مین ہم ادب سے التماس کرتے ہین کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہین اور اس کو ملک اور قوم کے حق مین مفید تصور فرماتے ہین، تو آپ کا یہ ملکی اور قومی فرض ہے کہ اس کی توسیع اشاعت مین دل سے کوشش فرمایئے کیونکہ اس کی مالی حالت جب خطرے مین نہین رہیگی، تو ہم اس کو مفید ترین اور اعلی ترین درجے پر پہنچانے کی کوشش بآسانی کر سکین گے۔ ہم اپنے معزز خریدارون کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہین چاہتے کہ ہر خریدار اسکو اپنا فرض جانے کہ وہ العصر کے لیے دو خریدار اور پیدا کریگا، اور جبتک یہ جدید خریدار پیدا نہو جائین اس فرض سے اپنے تئین سبکدوش خیال نہ کرے۔ ہم امید کرتے ہین کہ العصر کے معزز قدر شناس ہماری اس ناچیز درخواست پر تہ دل سے توجہ مبذول فرمائین گے۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہین ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لیے اسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے بعد کو پرچہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے تعمیل ارشاد نہین ہوسکتی اس اطلاع پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔

منیجر العصر لکھنؤ

تصنیفات مولوی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم

الحقوق والفرائض - یہ ضخیم کتاب تین جلدون مین ہے جلد اول مین پہلے ایک تمہید ہے اُس کے بعد حقوق اللہ یعنی ایمان باللہ ایمان بالانبیا، ایمان بالکتب ایمان بالملائکہ ایمان بالیوم الآخر ایمان بالقدر توحید ممانعت شرک صلوۃ طہارت نجاست حقوق قرآن اور خدا کی قسم کا ادب کفارہ وغیرہ کا بیان ہے جلد دوم مین حقوق العباد یعنی حقوق پیغمبر حقوق النفس حقوق علما حقوق اولاد حقوق والدین حقوق زوجین حقوق قرابت ہمسایہ حقوق یتامیٰ حقوق اہل معاملہ حقوق دشمن وغیرہ کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے اور جلد سوم مین مضامین اخلاق وآداب مطابق حکم شریعت درج ہین مثلاً علو ہمتی صدق وراستی عفو درگذر تواضع عجز حفظ لسان صبر آداب طعام آداب کلام آداب ملاقات آداب مجلس آداب النظر آداب اللباس اور آداب سفر وغیرہ وغیرہ کو نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے یہ کتاب عمدہ سفید ولایتی کاغذ پر طبع ہوئی ہے قیمت تینون جلدون کی للعہ مجلد صہ

اجتہاد - اس کتاب مین یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اسلام اور اسکے معتقدات اور اصول اعمال سب فطری ہین یعنی انسان خواہ کسی مذہب کا کیون نہ ہو اگر پورے غور وفکر سے کام لے تو قطع نظر کسی دلیل خارجی کے اُس کی طبیعت کا تقاضا خود بخود اسلام وارکان اسلام کی معقولیت کو قبول کرنے پر مجبور کریگا۔ کاغذ سفید ولایتی قیمت عـــہ مجلد عـــہ

ادعیۃ القرآن - یہ کتاب ان لوگون کے لیے ہے جنکو تلاوت قرآن کے ساتھ اوراد اور وظائف کا بھی شوق ہے اس مین ایک مختصر مگر نہایت مفید دیباچہ ہے اور دیباچہ کے بعد چار تمہیدی ابواب ہین جن مین (۱) دعا کے انسانی فطرت مین داخل ہونے (۲) حکم دعا اور وعدۂ قبول (۳) خدا کے سوا کسی دوسرے سے دعا کی ممانعت (۴) دعا کی قبولیت کے اسباب وشرائط۔ زان بعد رسول عربی سے لیکر آدم تک جسقدر انبیا ہوگذرے ہین اُن کی سب دعائین ترتیبوار درج ہین ہر دعا کے الفاظ عربی خط مین لکھے گئے ہین اور بالمقابل ترجمہ ہے۔ فٹ نوٹ مین ہر دعا کی شان نزول ہے اور پیشانی پر جلی حرفون مین ہر دعا کا خاصہ ہے۔ بغرض وظیفہ خوان مردون عورتون بچون سب کے لیے نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت صرف ۶ر

دہ سورہ فی احسن صورہ - یہ بتانا مشکل ہے کہ پنج سورون کا رواج کب اور کیون ہوا۔ مگر بہت پُرانے پنج سورے دیکھنے مین آئے ہین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنج سورون کا رواج سینکڑون برس پہلے سے چلا آتا ہے۔ سارے قرآن کی تلاوت دیر طلب ہے کسی نے اتفاقی طور پر اپنی رائے سے سورہ یسین الرحمٰن تبارک الذی واقعہ مزمل پانچ سورتین منتخب کرکے ان کا ورد بنالیا لوگون کی فرمائش سے مولانا نے متداول پنج سورے مین پانچ اور سورتین بڑھا کر دہ سورہ مرتب کیا ہے قیمت ۸ر

حیاۃ النذیر - شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد خان ایل ایل ڈی دہلوی کی زندگی کے مفصل حالات اور اُن کی مذہبی قومی اور علمی خدمات کا بیان ہے۔ مرتبہ افتخار عالم بلگرامی تم المارہروی۔ بڑی تقطیع کے چھ سات سو صفحہ پر کتاب ختم ہوئی ہے قیمت صہ بلا جلد صہ مجلد ہے ر

سکرٹری منروا پبلشنگ کمپنی منروا پریس لکھنؤ (اودھ)

ان گولیون کو غیبی امداد سمجھیے

ہماری آتشک نگرہ گولیان اُن مریضون کے حق مین جو جسمانی اور دماغی اور اعصابی قوت کو کھوکر زندگی سے مایوس ہوگئے ہون غیبی امداد ہین ہر قسم کے ضعف کو دور کرکے ازسرِ نو نوجوان بنا دینا ان گولیون کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۳۲ گولیان عمہ علاوہ محصول ڈاک۔

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی و آرام کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے اگر تندرستی حاصل نہین تو ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے پس اگر آپ تندرستی کے بھیدون سے واقف ہونا اور ہمیشہ طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہین تو ہماری کتاب کام شاستر جسے بلاقیمت منگا کر مطالعہ کیجیے! جو گجراتی ناگری تامل مرہٹی تلنگی بنگالی انگریزی وغیرہ مختلف زبانون مین موجود ہے۔

پتہ۔ وید شاستری منی شنکر گوبند جی شہر جام نگر (کاٹھیاوار)

روزنامہ ہمدم لکھنؤ

جو ظاہری شان اور باطنی جوہر دونون کے اعتبار سے اُردو زبان کے بہترین روزنامہ کا لقب حاصل کرچکا ہے جنگ کی خبرین تمام اُردو صحائف سے پہلے پہنچانا اس کی ممتاز خصوصیت ہے کم از کم نمونہ ضرور منگائیے۔

منیجر

روزنامہ ہمدم نمبر ۲ لاٹوش روڈ لکھنؤ

دیوان غالب اُردو

اُردو دیوان غالب کا یہ خاص ایڈیشن نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ شروع مین ایک پرلطف دیباچہ اور مرزا غالب کی مختصر سوانح عمری درج ہے نیز مرزا غالب کی عکسی تصویر بھی شامل ہے۔ کلام غالب کے دلدادگان اس نسخہ کو ضرور منگائین قیمت عمہ مجلد عہ

شرح دیوان غالب مع مقدمہ مشتمل بر حالات و تنقید کلام غالب از سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی اے قیمت عمہ مجلد عہ

المشتہر منروا پبلشنگ کمپنی منروا پریس لکھنؤ (اودھ)

العصر جلد چہارم و پنجم بابت ۱۹۱۶ء

العصر کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد کا کوئی پرچہ اب دفتر مین نہین ا بہت مشکل سے چوتھی اور پانچوین جلد کے چند سیٹ مرتب کیے گئے ہین جن کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمالین ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکے گا جلد چہارم مین وہ مضامین نظم و نثر اور تین رنگین سادہ ہاف ٹون تصویرین اور جلد پنجم مین تقریباً سو مضامین نظم و نثر اور اٹھارہ ہاف ٹون عکسی تصویرین ہین قیمت علاوہ محصول ڈاک جلد چہارم عہ جلد پنجم عہ مگر دونون جلدین یکساتھ خریدنے کی صورت مین صرف للعہ قیمت ہوگی محصول ذمہ خریدار ہوگا

المشتہر منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ

کم خرچ بالا نشین اسکو کہتے ہین

اُردو لٹریچر کی دلچسپیون کا نادر مجموعہ رسالہ تاج ضرور ملاحظہ فرمایئے جو جنوری ۱۹۱۷ء سے جاری ہوا ہے۔ آپ یقیناً اسکو دیکھ کر خوش ہونگے دو جزو کے رسالہ کی سالانہ قیمت صرف عمہ اور وہ بھی مع محصول، نمونہ کیلیے دو آنہ کے ٹکٹ ارسال کیجیے مفت ہرگز نہ دے گا۔

المشتہر منیجر رسالہ تاج کالی کمان حیدرآباد دکن

نظّارہ

یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسیٰ نہ لا سکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردے مین قدرت کی تجلیان مخفی ہین دنیائے علم کے تماشائی کہان ہین آنکھین کھولین اور اس جام جہان نما کی سیر کرین اخلاقی تمدنی ادبی معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کیطرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا مین ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھین اور علم کی جیتی جاگتی تصویرون کا جن کو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگون مین نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہین تماشا دیکھین، قیمت بھی کچھ نہین صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔ نمونہ دو کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظّارہ میرٹھ

منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی، مالک و ایڈیٹر کے لیے بابو منوہر لال صاحب بھارگو بی اے نے نولکشور پریس لکھنؤ مین چھاپکر شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ل ۶۰۹ — جون سنہ ۱۹۱۷ء

ادب اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہٗ
پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول — (جملہ حقوق محفوظ) — قیمت فی پرچہ ۔؍



العصر

جون ۱۹۱۷ء

جلد ۶ — نمبر ۶

فہرست مضامین

تصاویر — (۱) اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ (۲) مہاراجہ صاحب بیکانیر دام اقبالہ (۳) اعتبار الملک جناب مضطر (خیرآبادی)

شکریہ - حضرات ذیل کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہون کے توسیع اشاعت کے ذریعہ سے العصر کی امداد فرمائی دیگر معاونین کی توجہ درکار ہے -

نواب نصیر حسین خانصاحب خیال - - - - ۳- خریدار
پروفیسر ایل صادق - - - - ۱ خریدار
حکیم حبیب الرحمن صاحب - - - - ۱- خریدار

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر مہینہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے -

(۲) اس رسالہ کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے عہ مع محصول ہے اسمین کمی ناممکن ہے -

(۳) نمونہ کے لیے ۷ آنہ چاہیئے مفت نہین ملیگا -

(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے مابعد حساب نہین

(۵) خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیئے -

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا دو آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے -

(۷) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیے کتابین اور تبادلہ کے اخبارات و رسائل بنام منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیے جائین -

(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا نہ تمام مضامین بھی نہ لیے جائینگے -

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائیگا مگر اسمین طول و تخیل مضامین کی تخصیص ہے -

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ ۔ علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر انیسوین تک وقتاً فوقتاً عمل مین آتی رہی ہین مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہو کہ قدیم و جدید حکماء نے ان علمی دریافتون اور ایجادون مین کیا کیا حصہ لیا نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہو مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویرین دی گئی ہین قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

عجیب وغریب صدی ۔ ڈاکٹر الفریڈ رسل والس کا اُردو ترجمہ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا موزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیے اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی مین حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہین حرارت روشنی اور برق نے جو عجیب کام بری اور بحری دنیا مین کیے ہین وہ عالمانہ طور پر اس کتاب مین مندرج ہین ۔ علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون اجرام فلکی علم الارض اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہین حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۹ مجلد ۱۳

سورج چاند ستارے ۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمین چاند سورج، ستارون سیارون دمدار تارون، ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری ان کی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت اثرات روشنی حرارت برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائین حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ مجلد ۱۲

حیات شمع ۔ جسمین شمع کی نور روشنی شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہین شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت کوئلہ کوئلہ کی گیس کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن وغیرہ کے ادوال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین قیمت ۶

پھولوں کی کہانی جسمین پھول کے اعضا افعال وخواص بناوٹ اصطلاحی نام درجہ بندی تولید شادی بیاہ کرنے کھانے پینے رہنے سہنے وغیرہ کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہین قیمت ۸

مشرق کی نابود شدہ تہذیب ۔ کتاب کیا ہو ایک عبرت کا دفتر ہو یا یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع ہے جسمین یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو ۔ نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیکی حتی بابلی خالدی اسوری عرب ایرانی مصری یہودی وغیرہ کے وہ تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب و شائستگی کا مسلمہ معیار سمجھے جاتے ہین قیمت ۶

اصول پالیٹکس ۔ تعریف نام سے ظاہر ہو جو لوگ پالیٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین مناسب ہو کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین قیمت صرف ۱۰ مجلد عہ

فلسفۂ الوہیت یعنی سری بھاگوت گیتا مع ترجمہ و تشریح مولفہ بہاری پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی حجم ۲۰۰ صفحات ۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہین ۔ طبع چہارم ۔ مجلد قیمت عہ

اپنشدون کی تعلیم ۔ اس کتاب مین اپنشدون کا مذہب یعنی خدا انسان دنیا کی پیدائش قائمی اور انتہا انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت اور بندھ اور موکش کا بیان ہو ۔ قیمت عہ مجلد عہ

ویدون کی تعلیم ۔ انگریزی کی مشہور و معروف کتاب ٹیچنگ آف دی ویداز کا ترجمہ قیمت مجلد ۱۲

خدا کی ہستی ۔ انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر اور مستند تصنیفات کا انتخاب ۔ عبارت نہایت سلیس اور عام فہم قیمت مجلد ۱۲

حدیقۃ الاخلاق ۔ اکانومی آف ہیومن لائف کا اُردو ترجمہ اس کتاب کی نصائح موتیون مین تولنے کے قابل ہین ۔ تقریباً تمام مہذب زبانون مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہو ۔ ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہو ۔ نوعمر لڑکون اور لڑکیون کے لیے یہ ایک اچھا انعام ہو قیمت ۱۲ مجلد عہ

ہوائی کرہ کے عجائبات ۔ اس کتاب مین ہوا کی وہ پُر راز باتین فہم

دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جنکا جاننا نہایت ضروری ہی قیمت ۲ ر

تاریخ مذہب - اِس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر او چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہی قیمت ۰ مجلد ۱۰ ر

قدما کی حکمت - لارڈ ایولین کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشینٹس" کا ترجمہ - نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ ہی قیمت ۶ ر

مشاہیر عالم - دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ درج ہی - یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تعلیم بخش ہی - اس کے مطالعہ سے نوجوانوں مین ہمت اور رناہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸ ر

طالبان حق - اِس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سنیکا (۲) ایک ٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہین نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہی قیمت مجلد ۱۲ ر

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہو گیا - نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہی قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ ر

مصر کی کایا پلٹ - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ - مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہی - حجم ۴۰۲ صفحے قیمت مجلد عہ ر

عطر سخن یا جذبات مسلم - دور جدید کے مشہور شعرا یعنی مولانا حالی - ڈاکٹر اقبال - مولانا شبلی - مولوی ظفر علی خان - وغیرہ کی قومی اور مذہبی نظمون کا نہایت دلکش و دلپذیر مجموعہ جس کا ہر مسلمان کے کتب خانہ مین رہنا ضروری ہی - اگر یہ نظمین بچون کو حفظ کرا دی جائین تو اُن کے دلون مین قومیت کے جذبات خوب راسخ ہو جائین گے قیمت عہ ر

حیات داغ - حضور نظام دکن کے اُستاد ملک الشعرا حضرت مرزا داغ فصیح الملک کے مصور حالات اور کلام کا انتخاب قیمت ۶ ر

اکسیر سخن - مہاکوی کالیداس کی دو مکمل نظمون (ریتوسنگھار) کا اُردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک نفیس مقدمہ لکھا ہی جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی - مہاراجہ

رکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہی اور آپکی تصویر بھی شامل ہی نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہی - یہ کتاب اس قابل ہی کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے - بہت کم نسخے اب باقی ہین قیمت ۶ ر

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہین شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلآویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہی فقرے چست لطیفے برجستہ با ایں ہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہین معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سراپا ڈراما ڈوبا ہوا ہی قیمت ۸ ر

عالم خیال - حضرت شوق قدوائی کی ایک بے اضافت بے بدل اُردو نظم جو پبلک سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہی - چار رنگون کے ساتھ چار عالمانہ ریویو بھی شامل ہین نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی - شروع مین ایک محو خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کی گئی ہی جو اسی کے لیے ایک سچا بکدست مصور نے بنائی ہی قیمت ۱۰ ر

برکات سلطانی یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرۂ تصانیف - شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہی - لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہی قیمت ۶ ر

کلام محروم یعنی منشی تلوک چند صاحب محروم کی اخلاقی ادبی اور نیچرل نظمون کا قابل قدر مجموعہ - شاعرانہ تخیل کی رنگینی انداز بیان کی شیرینی مظاہر قدرت اور واقعات عالم مین نگاہ نتائج جو کی باریک بینی ہر جگہ قابل داد و تحسین ہی - پنجاب گورنمنٹ نے اس کتاب کی اشاعت پر دو سو روپے انعام مصنف کو عطا فرمایا ہی اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے دو سو نسخے خرید فرمائے ہین - آپ بھی ایک نسخہ منگا کر ملاحظہ فرمائین - قیمت ۱۲ ر مجلد عہ ر

کفایت شعاری - ڈاکٹر اسمائلز کی پاکیزہ اور قیمتی تصنیف تھرفٹ کا سلیس اُردو ترجمہ جسمین کفایت شعاری کے اصول کو نہایت دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا گیا ہی اور محققانہ بحث کی گئی ہی - لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ اور دیدہ زیب - آپ کے کتب خانہ مین اگر اس کتاب کی کمی ہو تو فوراً طلب فرمالیجیے - قیمت ۸ ر



اعلیٰ حضرت سکندر شوکت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی رستم دوران افلاطون زمان
سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ حضور پرنور
ہز ہائنس نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ
جی-سی-ایس-آئی سلطان دکن خلد اللہ ملکہ

العصر

ہندسہ کی تاریخ

علوم و فنون قدیم مین شاید ہندسہ سب سے پُرانا علم ہے۔ یہ کہنا نہایت دشوار ہے کہ اسکی ابتدا کس زمانہ مین کس ملک مین اور کس آدمی کے وسیلہ سے ہوئی تھی۔ کسی قسم کے معتبر تاریخی کوائف موجود نہین ہین، جن سے اسکی ابتدائی تاریخ پر روشنی پڑے۔ صاحب فکر اس امر کو تسلیم کرین گے کہ عقل انسانی کی ابتدائی مصروفیتون اور کوششون کا پتہ لگانا ناممکن کے قریب قریب ہے۔ جس وقت انسان صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا اور اُس نے موجودات عرضی و سماوی پر پہلے پہل نگاہ ڈالی، تو اُس کے دل مین کیسے کیسے خیالات، کیسے کیسے ولولے اور کیسی کیسی اُمنگین پیدا ہوئی تھین! اور انھیں اُس نے کس طرح ظاہر کیا تھا؟ آیا حروف مین بند کیا تھا، یا صرف زبانی تحسین اور واہ واہ پر اکتفا کی تھی؟ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش بالکل بے سود ثابت ہوگی؛ البتہ تصور سے کام لیا جا سکتا ہے۔ جب ہم کسی ایسی شے کو دیکھتے ہین جو ہمارے مشاہدہ مین پہلے کبھی نہ آئی ہو، اور نہ اُسکا کبھی ذکر سنا ہو، اُس وقت جو خیالات ہمارے دل مین اُٹھتے ہین، وہی ابتدائی انسان کے ذہن مین بھی تولد پذیر ہوے ہون گے۔

قدامت ہندسہ کی بابت تاریخی شہادت

آثار قدامت سے جو ایشیاے کوچک، ایران، مصر، میکسیکو وغیرہ ملکون کے پُرانے شہرون کے کھنڈرون سے برآمد ہوے ہین، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم بعید مین کئی قومون نے تمدن مین معتد بہ ترقی کی تھی۔ چاہے اُن کی ترقی بیسوین صدی کی ترقیون کے مقابلہ مین پاسنگ بھی نہ ہو، مگر اُن قومون نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق علوم و فنون کو ترقی دینے کی کوشش کی تھی اور وہ اُسکے نشان اور ثبوت پیچھے چھوڑ گئے ہین جو آثار قدیمہ کے محققون کی کوششون سے بہم پہنچ رہے ہین۔

اہل مصر

ہم صرف تاریخی کوائف کی شہادت پر علم ہندسہ کی ابتدا

اور اسکی ترقی ایک خاص قوم سے منسوب کرینگے، جس سے بعد ازان اور قومون نے سیکھا اور اُنکی دماغی کوششون سے اسے نشو و نما حاصل ہوئی۔

ہندوؤن کے تمدن کی قدامت ہنوز ثابت نہین ہوئی ہے جو کچھ ثابت ہوا ہے، اُسکی بنا پر ہم اپنے تئین زمانۂ قدیم کی قدیم ترین قوم نہین قرار دے سکتے۔ مگر مصر و بابل کے پُرانے تاریخی کوائف اور قدیم زمانہ کی یادگارین اُن قومون کے نہایت پُرانے تمدّن پر معقول روشنی ڈالتی اور معتبر شہادتین پیش کرتی ہین۔ اس لیے اگر اہل مصر سے علم ہندسہ کی ابتدا منسوب کی جائے، تو غیر مناسب نہوگا منطو قدیم زمانے کا ایک نہایت ہی مشہور مصنف تھا جو مسیح سے تقریباً تین سو سال پیشتر ہو گزرا ہے۔ یہ ہیلیو پولس کے سورج دیوتا کے مندر کا پجاری اور مصری پروہتون کے جماعت کا پردھان تھا۔ یونانی زبان اور دیگر علوم و فنون کا جو اس زمانہ مین مصر یا اسکے قرب و جوار کے ممالک مین رائج تھے ماہر تھا۔ اُس نے طالمی فلڈلفس ثانی کے حسب فرمائش "تاریخ مصر" قدیم زمانہ سے لے کر اس بادشاہ کے عہد تک مرتب کی تھی۔ اس مین اُس نے اکتیس شاہی خاندانون اور تین سو ستر بادشاہون کے حالات قلمبند کیے تھے۔ اسکے بیان کی رو سے پہلا مصری بادشاہ جس کا نام مینس تھا ۵۰۰۰ ق م مین تخت نشین ہوا تھا۔ اُس نے بالائی اور نشیبی حصص مصر کو متحد کر کے حکومت کی تھی۔ اسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اہرام مصر جو تیسرے خاندان کے ایک بادشاہ نے تعمیر کیے تھے، جس کی تصدیق نیول صاحب کی دریافتون سے ہو گئی ہے۔ یہ چار ہزار سال قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ پروفیسر فلنڈرس پیٹری نے جو انگلستان کے ایک مشہور محقق ہین اور مصری یادگارون اور آثارون کے بھی بڑے ماہر سمجھے جاتے ہین، شاہی مقبرون کو کھودا ہے، اور وہان سے کئی عجیب چیزین نکالی ہین جن کی بنا پر وہ کہتے ہین کہ مصر کے پہلے بادشاہ نے تقریباً[1] ۵۵۰۰ ق م مین حکومت کی۔ گیارھوین شاہی خاندان کے بادشاہون کا زمانہ حرفتی ترقیون کے سبب سے بہت ہی مشہور سمجھا جاتا ہے۔ اسکے تیسرے رکن امینم ہات ثالث نے کئی عجیب عمارتین تعمیر کرائی تھین۔ اُس نے صحرا مین ایک مصنوعی جھیل بھی بنوائی تھی جس مین نیل سے کاٹ کر نہرین ڈالی گئی تھین۔ اسکے کنارے پر ایک مربع نما نہایت عالیشان عمارت بنوائی تھی جو بھول بھلیّون کا محل تھا۔ یہ پتھر کا تھا۔ قرن الحجر جدید اور قرن الحجر قدیم کی کئی چیزین قاہرہ کے مشرق سے نکلی ہین۔ مثلاً پروفیسر ہینز نے چند برس ہوئے قاہرہ کے قرب مین ایک پرانا کارخانہ دریافت کیا تھا جہان قدیم زمانہ مین چقماق وغیرہ کے سنگین اوزار اور ظروف بنتے تھے۔ جبل الساس متصل طیبہ مین جنرل پٹ ایورس اور پروفیسر ہینز نے زمین کے چند فٹ اندر سے پتھر کی بنی ہوئی اشیا دوران تحقیقات مین نکالی تھین۔ ان کی نسبت گیبل صاحب جو جنرل پٹ ریورس کے ہمراہ تھے لکھتے ہین "یہ چیزین مصری مندرون اور یادگارون سے بھی پُرانی ہین" یہ آثار و علامات تمدّن مصری کی قدامت پر دلالت کرتے ہین جو علمائے آثار قدیمہ کی رائے مین چھ اور بارہ ہزار سال کے مابین ہے۔

اہل بابل | براسوس شہر بابل مین تقریباً پونے تین سو سال قبل از مسیح، بلیس یا بیل دیوتا کے مندر کا پجاری تھا۔ یہ شخص بڑا مشہور فاضل تھا۔ کئی زبانون کا ماہر تھا بابل، اکاد، اسوریہ اور قرب و جوار کے ملکون کی تاریخ اور علوم سے بھی واقف تھا۔

[1] بحوالہ سیموئل لینگ "ابتدائے حال انسان" ۵۲ ہیومن اوری جنز صفحہ ۷۱ مصنفہ سیمس لینگ۔

اُس نے ڈھائی سو سال قبل مسیح میں ایک تاریخی کتاب مرتب کرکے انطیاکس اول کے نذر کی تھی جس کا نام "ہلدکہ" یعنے "ملک کلدیہ" تھا۔ اس میں اُس نے بابل اور نینوہ کی نہایت قدیم زمانہ کی تاریخ بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن دونوں ملکوں میں ایک بہت قدیم زمانہ میں علوم وفنون کا چرچا تھا اور اُن میں بہت ترقی ہوئی تھی۔ جیسے منطو کے بیانات قدیم زمانہ کی مصری یادگاروں اور کتبوں اور نیز یونانی مورخوں مثلاً ہیروڈوٹس اور دیودرس سے ہوتی ہے، اسی طرح بیروسس کے کو الفٹ کی خط میخی کے کتبوں اور خشتی کتابوں کے بیانات سے جو بابل اور نینوہ کے کھنڈروں سے برآمد ہوئی ہیں، اور نیز قدیمی یادگاروں سے، پوری تائید ہوگئی ہے۔

اس بحث سے یہ دکھانا منظور ہے کہ مصر اور کلدیہ و اسوریہ کے کتبوں اور یادگاروں اور دیگر تاریخی کوائف سے بہت قوی شہادت اس قیاس کو تقویت دینے کے لیے موجود ہے کہ وہاں ایک نہایت قدیم زمانہ میں علوم وفنون کو بہت رونق حاصل ہوئی تھی، اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا محال نہیں ٹھہر سکتا کہ علم ہندسہ کی مصر میں ابتدا ہوئی تھی۔

کلدانی ہندسہ | بعض عالموں کا یہ خیال ہے کہ ابتدا میں جو قوم دریاے دجلہ اور فرات کے کناروں پر آباد تھی اُس نے حساب اور ہیئت میں سب سے پہلے ترقی کی تھی۔ اسوریہ اور بابل کی قدیمی یادگاروں کی بناوٹ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں علم ہندسہ کا کچھ رواج تھا کیونکہ وہ اسکے وسیلہ سے آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ وہاں کے باشندے رمل کے بڑے شائق تھے۔ وہ زمین پر شکلیں بنا کر زائچے وغیرہ تیار کرتے تھے جس سے رفتہ رفتہ خطوط متوازی مثلث اور مستطیل بنانے کی طرف مائل ہوئے۔ بعدازان اُنھوں نے زاویہ قائمہ اور دوائر بنائے جن کے محیط چھ حصوں میں منقسم کیے اور پھر سے تین سو ساٹھ میں بانٹا جس سے اُن کی غرض محیط دائرہ اور قطر کے درمیان تناسب قائم کرنا تھا۔

اہل مصر کا ہندسہ | لیکن سب سے زیادہ ضروری اور قابل قدر ترقی اُس قوم کی ہے جو دریاے نیل کے کناروں پر آباد تھی۔ یونانیوں نے جو یورپ میں علوم وفنون کے اُستاد سمجھے جاتے ہیں، علانیہ اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اُنھوں نے علم ہندسہ مصر والوں سے سیکھا تھا، جسے اُنھوں نے بعدازان بہت ترقی دی تھی۔ ہیروڈوٹس نے جو تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل مسیح میں سیاحت مصر کو گیا تھا، اُس نے اپنے سیاحت نامہ میں لکھا ہے کہ علم ہندسہ کی مصر میں اُس وقت ابتدا ہوئی تھی جب سیسوسٹرس نے اپنی سلطنت کی قابل کاشت اراضی اپنی رعایا کے درمیان مساوی حصوں میں بانٹنے کا حکم دیا تھا۔ اس بادشاہ کے تاریخی وجود کی نسبت طرح طرح کے شکوک ظاہر کیے جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس اور دیودرس وغیرہ پرانے زمانہ کے مورخ کہتے ہیں کہ یہ چکرورتی راجہ تھا۔ اُس زمانہ کی معلوم دنیا اس کے زیر نگین تھی۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد اسکی سلطنت سے ملی ہوئی تھی۔ بارھویں شاہی خاندان کا ایک حکمران سنوسرت نامی بھی تھا جس سے یہ بڑے بڑے کارہاے نمایاں منسوب کیے جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس یہ بھی کہتا ہے کہ ہر سال دریاے نیل اور اسکے معاونوں میں سخت طغیانیان آتی تھیں جن سے ملک کا بڑا حصہ زیر آب ہونے کے علاوہ مٹی اور ریت سے ڈھک جاتا تھا۔ دیہات، قصبہ جات، پرگنہ جات اور اضلاع کے حدود مٹ جاتے تھے۔ اس مشکل کو حل کرنے کی غرض

سلہ بحوالہ رسالہ "مانسٹ" مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء

اہل مصر نے علم ہندسہ کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ خیال معقول معلوم ہوتا ہے۔ نیل کے سالانہ سیلابوں سے جو حدود برباد ہو جاتے تھے اُس سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مصریوں نے جو بڑے ذہین اور سمجھ والے تھے ضرور کوئی ترکیب نکالی ہوگی اور شاید یہ ترکیب علم ہندسہ کی ہو۔

اِساقرطیس نے ۳۹۰ ق م میں اپنی ایک کتاب میں لکھا تھا کہ ہندسہ کا مطالعہ ہر ایک مصری نوجوان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسیطرح افلاطون، ارسطالیس، ڈیودرس، سقولس، ہران (متوطن سکندریہ)، مشہور عالم جغرافیہ استرابو، دماقرطوس بھی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ آخرالذکر یونانیوں کے درمیان علم ہندسہ کی مہارت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔

طالیس یا تالیس ملطی جو تقریباً پونے پانچ سو برس قبل مسیح میں گذرا ہے سیاحت کرتا ہوا مصر میں بھی گیا تھا۔ ڈیوجانس لارٹس اسکی سوانحعمری میں لکھتا ہے کہ اُس نے مصر کے مشہور مندر ہلیوپولیس میں مصری برہمنوں سے علم ہندسہ سیکھا تھا، اور وہاں چند ماہ تک رہا تھا، جسکے دوران میں اُس نے کئی مصری فنون سے واقفیت حاصل کی تھی۔

ہیرداطوس کہتا ہے کہ مصریوں نے عملی مقاصد سے یہ علم نکالا تھا اور اسکا یہ خیال درست ہے۔ آجکل مصر کے پرانے شہروں کے کھنڈروں کے نیچے سے کئی بڑی عالیشان عمارتوں کے آثار نکلے ہیں اور بعض جگہ مصنوعی جھیلیں اور بند وغیرہ کے نشانات دیکھے گئے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ انھوں نے خاص عملی مقصد سے یہ علم نکالا تھا۔ آئزن لوہر (جرمن محقق علم ہندسہ قدیمہ) نے ۱۸۷۷ء میں اپنی ایک کتاب میں جس میں اُس نے مصریوں کے ریاضیات پر بحث کی ہے، یہ لکھا تھا کہ ایک مصری مسمی احمس نے ایک چھوٹی کتاب الموسوم بہ "رہنمائے تخمینہ جات" سترہ یا بیس صدی قبل مسیح میں تیار کی تھی، جو ٹیلہ گھاس پر لکھی ہوئی کھنڈروں کے نیچے سے برآمد ہوئی ہے۔ اسمیں تخمینہ جات اور حساب کی بابت بہت سی باتیں ہیں۔ مگر ہندسہ کی نسبت بہت کم اطلاع ملتی ہے کیونکہ احمس نے اس علم کو ریاضیات کی ایک شاخ نہیں قرار دیا ہے بلکہ حساب کا ایک قاعدہ مانا ہے جو تخمینوں میں کام آتا تھا۔ اس کتاب سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اہل مصر مربع کا رقبہ نکالنا جانتے تھے مگر انھیں یہ طریقہ معلوم نہ تھا کہ مستطیل، مثلث اور ذوارلعبۃ الاضلاع کا رقبہ کس طرح دریافت کیا جاتا ہے۔ سرزمین فراعنہ کے باشندے مربع کے برابر دائرے بنایا کرتے تھے جس کا ایک ضلع قطر کا $\frac{8}{9}$ ہوتا تھا۔ جو $(\frac{16}{9})^2 = 3.1604$ کے مساوی ہوتا ہے اور ان کا یہ قاعدہ تقریباً درست تھا۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ کھتوں کا حجم کس قاعدہ سے دریافت کرتے تھے مگر انھوں نے ایک خاص طریقہ حساب[1] سے مخروطی میناروں کے حجم کا مسئلہ حل کیا تھا جو ہمارے آجکل کے زاویہ کے خط مماس اور جیب مستوی کے قاعدہ سے مشابہ ہوگا۔

اس سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اہل مصر کے ہندسہ کی بابت کوئی معتبر کتاب اور کتبہ نہیں ہے جس سے اسکی ماہیت واضح ہو۔ شاید محققوں کی کوششوں سے پرانے کھنڈروں اور یادگاروں سے ایسی تحریریں دستیاب ہوجائیں جن کی بدولت یہ معلوم ہو کہ مصریوں نے کس حد تک اس علم میں ترقی کی تھی۔ جو کچھ دریافت ہوسکتا ہے وہ صرف عمارتوں اور انجنیری کاموں، بندوں کی طرز ساخت اور یادگاروں اور کتبوں سے معلوم ہوا ہے جسے علم بالواسطہ کہنا بجا ہوگا۔

---

[1] جی لوریا از "مانسٹ" ترجمہ ڈاکٹر ہانسٹڈ صفحہ ۸۳ ۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء

یونانیون کا علم ہندسہ

تاریخی کوائف کے اعتبار پر تسلیم کیا جاتا ہو کہ اہل یونان نے بابل اور مصر والون سے علم ہندسہ اور دیگر علوم و فنون حاصل کیے تھے جو ان ممالک کے ترقی کرنے والے باشندون نے اختراع کیے اور اُنھین فروغ دیا تھا۔ مگر شاگردنے اپنی مستعدی طبّاعی اور عقلی کوششون سے اُستاد کو نیچا دکھایا۔ یہ نحو بی ظاہر ہے کہ یونانیون نے اسلاف سے علوم حاصل کیے۔ اور ان مین اتنی ترقی کی کہ اُن کی خارجی اصلیت کو بالکل ملیامیٹ کرکے اُنھین خاص اپنی اختراع بنا لیا۔

یونان کی سائنس کا مبدا اور پیشوائے اعظم طالیس باشندہ ملطیہ تھا۔ یورپ مین پہلے پہل اسی نے علوم و فنون کو جنکا مجموعی نام سائنس ہے رواج دیا تھا۔ اس حکیم اور اسکے شاگردون نے ریاضیات کو بہت تھوڑی ترقی دی تھی مگر اُس نے اور اُسکے مقلدون نے طبیعیات اور حقائق الاشیا اور مظاہر طبعی کی دریافت کا ایک نیا طریقہ رائج کیا تھا اور اپنی توجہ کو اسی تک محدود رکھا۔ اگر طالیس اور اسکے مکتب کو یونانی حکما و علما کی ریاضی ترقیون کا مشعل بردار قرار دیا جائے تو غیر انسب نہ ہوگا

طالیس کے بعد فیثا غورث کا زمانہ آیا جو اطالی مکتب کا بانی سمجھا جاتا ہی۔ اسی نے ابتدا مین علم ہندسہ کی تحقیقات اور ترقی کی طرف اپنی تمام تر توجہ مائل کی تھی۔ اُس نے ہندسہ مین استعمال ہونے والے آلات بنائے تھے تناسب کا قاعدہ نکالا تھا' رقبہ معلوم کرنے کا ڈھنگ وضع کیا تھا وغیرہ۔

اسکے بعد اسکے دو نامی شاگردون نے ہندسہ کی تحقیقات کا کام جاری رکھا۔ ایک کا نام بقراط (متوطن خیاس) اور دوسرے کا ارخی) طاس (باشندہ ترن توم) تھا اسکے بعد یونان مین جو فلاسفر اور اُنکے طبقے قائم ہوئے اُنھون نے اس علم سے بے پروائی نہین برتی بلکہ ان مین سے بعض ایسے تھے جو اس کی ترقی کی طرف خصوصیت سے متوجہ رہے۔ ذینو دما قرطس' انکسا غورث' اور ہیپیاس' افلاطون' ارسطو اور کئی حکیم ہندسہ کی طرف متوجہ تھے۔

بہت سے حکیمون اور محققون کی مساعی متفقہ سے ہندسہ کی عمارت کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور اسکی تعمیر مین اتنی ترقی ہوگئی کہ بعض نے خیال کیا کہ اسے ایک علم منضبط کی صورت دی جائے اسکے علاوہ تین مشہور زمانہ مسائل کے غور و خوض کی طرف بھی ان کا خیال رجوع رہا۔ ان مین ایک تو ربع دائرہ' دوم تشاید سوم تثلیث زاویہ تھا جنکے وسیلے سے ارخی طاس وغیرہ نے خطوط مسطح اور منحنی دریافت کیے تھے۔ پھر خطوط منحنی کے خواص اور استعمالات معلوم ہوئے جن کا تعلق ارس طیوس کلان سے خاص رہا ہوتے ہوتے ان یونانی عالمون اور محققون نے ریاضیات مین غیر متناہی تسلیم کر لیا جسے ہوتے ہوتے غیر معمولی اہمیت نصیب ہوگئی۔ اسکے ساتھ حقائق ہندسہ کی تفتیش اور تشریح کے طرائق بھی محبث مطالعہ رہے۔ بقراط نے طریقۂ استخراج وضع کیا۔ افلاطون نے طریقۂ تفریق و تشریح نکالا۔ اسی زمانہ مین منطق مین بھی بڑی ترقی ہوئی کیونکہ اسے ریاضیات سے بہت گہرا علاقہ ہی۔ ایک طرف تو سوفسٹ حکما کا گروہ تھا جو عقل سے سب چیزون کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش مین طرح طرح کے مغالطات اور محالات مین پھنس گئے۔ علم مناظرہ سے بھی اُسے بہت تقویت پہنچی تھی اور سب سے زیادہ سقراط کی تعلیم سے منطق کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ ہوتے ہوتے ارسطا طالیس نے اسے خاص صورت دی۔ اسکے اصول و قوانین پر فلسفیانہ بحث کی جس سے ایک معرکۃ الآرا

کتاب تیار ہوگئی جو صدیون تک منطق کے امور مین سند تصور ہوتی رہی۔
علم ہندسہ اسوقت کمال پر پہنچا جب سکندریہ کے ہندسہ دان یونانیون کے ساتھ مل کر اُسے ترقی دینے لگے، اور یہ یونانی ہندسہ کا عہد طلا سمجھا جاتا ہے۔ اس زمانہ کے عالمان و محققان ہندسہ کا مجمل حال لکھنا محال ہے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ سقراط، افلاطون اور ارسطو کے زمانہ مین فلسفۂ یونان کو جو شہرت اور عروج نصیب ہوا تھا وہی ہندسہ کو اقلیدس، ارشمیدس اور اپالیانوس کے عہد مین فروغ حاصل ہوا تھا۔ ان مہندسون کی کوششون سے ہندسہ نے ایک نہایت عمدہ اور منضبط علم کی صورت اختیار کی۔ اسکے اصول علوم متعارفہ کے قواعد تصور ہونے لگے اور وہ مہذب دنیا مین سند سمجھے جانے لگے۔ جس کتاب مین حکیم اقلیدس نے اصول ہندسہ کو واضح کیا تھا اُسکے نام سے آج تک مشہور چلی جاتی ہے۔ یہ شخص سکندریہ کا متوطن مگر یونانی الاصل اور بطالمی اول کے زمانہ مین تین سو برس قبل از مسیح گذرا ہے۔ اسکی کتاب جو یونانیون مین "استاخیا" یعنی "عناصر" یا "اصول ہندسہ" کے نام سے مشہور تھی خلفاے ہارون الرشید اور المامون کے زمانہ مین زبان عربی مین ترجمہ ہوئی تھی۔ اسکے بعد ارشمیدس آیا جو اطالی مہندسون کے طبقہ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے ہندسہ کی باریکیون پر خوب بحث کی اور اُن مسائل کو حل کرنیکی کوشش کی جو آجکل کیل کلس یعنی شمار ادق کے متعلق سمجھے جاتے ہین یہ شخص اس علم کا اُستاد یکتا سمجھا جاتا ہے ۲۸۷ ق م مین پیدا ہوا اور ۲۱۲ ق م مین انتقال کیا۔ بعض عالمون کی راے مین ارشمیدس زمانۂ قدیم کا سب سے بڑا ریاضی دان تھا مگر بہت سے فاضل اس کے ہمعصر اپالیانوس کو (اسٹائنر جرمن ماہر ریاضیات سے پیشتر) تمام دنیا مین سب سے بڑا مہندس مانتے ہین اس مین کلام نہین ہے کہ اسٹائنر کے ایجاد کردہ مسائل ہندسہ بہت ہی نادر اور نہایت ادق سمجھے جاتے ہین بلکہ اس اعتبار سے وہ ارشمیدس سے بھی فائق نظر آتا ہے۔

ان تینون مہندسون، ان کے ہمعصرون، اور مقلدون کی کوششون سے علم ہندسہ زمانۂ قدیم مین ترقی کی انتہا کو پہنچا۔ انکے جانشینون مین قابل ذکر ہبس قلیس، دیوقلیس، نکام دس، برسیوس اور زینودورس ہین۔ سکندریہ مین ہیران اور کلادیوس بطالمی، دو نہایت نامور مہندس اور ریاضی دان گذرے ہین جنھون نے ہندسہ کے ذخیرۂ حقائق مین اضافہ کرنے مین اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ اول الذکر نے پیمائش نظری کے مسائل پر علمی اصول سے بحث کی تھی، اور ثانی الذکر نے اُسکے ہیئتی پہلو کو لیا تھا۔ ہیران سب سے پُرانا یونانی مہندس ہے جس نے پیمائش نظری کے فن پر کتاب لکھی اور اپنی تحقیقات کے نتائج مین احمس مصری ہندس کے ساتھ گہرا تعلق ظاہر کیا تھا مگر اس کی کتاب کا مسودہ بہت خراب ہوگیا تھا اس لیے صحت کے ساتھ یہ کہنا دشوار ہے کہ اسکی تفتیش کا میلان کس جانب تھا۔ مگر بطالمی کا نسخہ عمدہ حالت مین ہے جو اہل عرب نے برسون تک حفاظت سے رکھ چھوڑا اور اب تک موجود ہے۔ اس نے علم مثلث کو ترقی دینے کی کوشش کی اور اس سے اجرام فلکی کے بعد کی پیمائش مین کام لینے کی بھی سعی کی تھی۔

اسکے بعد کئی اور مہندس اور ریاضی دان بھی پیدا ہوئے مگر انھون نے اپنی تمام کوشش اپنے پیشرو اُستادون کی تصنیفات کی تشریح اور ترتیب تک محدود رکھی۔ ان مین سے کئی سکندریہ کے رہنے والے تھے، اور یہ سب یونانی نسل تھے کیونکہ اس علاقہ مین اُن کی ایک بڑی اور شاداب نوآبادی تھی جیسے

یشیانے کوچک بحیرۂ روم وغیرہ مین انکی کئی بستیان تھین۔

رومیون کا ہندسہ اہل روم نے جو لڑائی بھڑائی کے بڑے شائق اور ملک گیری کے فن مین بڑے طاق تھے تمام علوم فنون یونانیون سے حاصل کیے تھے۔ اُنھون نے انھین ترقی دینے کی کوشش نہین کی بلکہ روزانہ کاروبار بھگتانے کے لیے ضروری امور مین معقول دسترس پیدا کرلی۔ ان کا ادبیات اور ان کی نظم و نثر یونانی لٹریچر کا سانچہ یا ٹھپہ سمجھنا چاہیے۔ فن سنگتراشی مین بھی یونانی اُستادون کی تقلید کی۔ موسیقی مصوری، اور دیگر علوم تمدن یونان سے لیے، مگر روم مین جا کران کی صورت ہی بگڑ گئی۔ علم ہندسہ اور ریاضیات بھی رومیون نے یونان سے سیکھا۔ اسے ترقی دینا تو درکنار اُلٹا اسے خراب کردیا۔ فلسفہ سے رومیون کو کوئی مس نہ تھا کیونکہ وہ فن سپہ گری اور علم سیاست کا حصول اپنی زندگی کا بڑا مقصد سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنھون نے سائنس کی تحقیقات کی پروا نہیں کی۔ البتہ قانون مین اُنھون نے اپنے اُستاد یونان کو مات دی۔ انکے اصول قوانین آج تک یورپ اور امریکہ کے تمدنی آئین کی بنیاد ہین۔ اُنھون نے ہندسہ اور ریاضیات صرف ضرورت کے مطابق حاصل کیا تھا اور اس سے روزانہ کاروبار زندگی مین کام لیتے تھے۔ اگر قیصر آگسٹس اپنی سلطنت کے تمام رقبہ کو ناپنے اور نقشہ تیار کرنے کی ہدایت نہ کرتا تو ہندسہ سپرد نسیان ہو جاتا۔ جولیس قیصر بھی اپنے زمانہ مین جو مسیح سے پچاس ساٹھ برس پیشتر گذرا سلطنت روما کی پیمائش کرانے کا خواہشمند تھا۔ علاوہ ازین انھین آئے دن قلعہ بندیون اور مورچہ بنانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ان وجوہ سے ہندسہ اور ریاضیات کا مطالعہ صرف عملی مقاصد سے جاری رہا۔

زمانۂ کمال کا ہندسہ قرون وسطیٰ مین ہندسہ کے مطالعہ سے سخت لاپروائی برتی گئی جیسے اور علوم و فنون سے غفلت کا برتاؤ کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۰۰۰ء مین گربرٹ اور اسکے بعد پوپ سلوسٹر ثانی کو ہندسہ کے مطالعہ کا شوق ہوا، مگر اُنھون نے کوئی نیا مسئلہ نہین نکالا بلکہ متقدمین کی تحقیقات کے نتائج پر غور کرتے رہے۔ جب یورپ قرون وسطیٰ مین عقلی رعشہ مین گرفتار تھا اُس وقت عربون کی بیداری کا زمانہ تھا اُنھون نے یونانیون کے تمام علوم کو اپنی زبان مین ترجمہ کیا جس سے بعد ازان اہل یورپ نے حاصل کیا۔ عربون نے ہندسہ کے مطالعہ مین بڑی مستعدی ظاہر کی تھی۔ اس غفلت اور لاپروائی کے زمانہ کا خاتمہ سنہ ۱۲۰۰ء مین ہوا اور پیسرہ واقع اٹلی سے ایک مشہور مہندس اور ریاضی دان نکلا جس نے کئی نئے مسائل دریافت کیے۔ یہ شخص الجبرا مین بھی طاق تھا بلکہ یورپ مین الجبرا کو اسی شخص کے وسیلے سے رواج حاصل ہوا تھا۔ تقریباً دو سو برس تک اہل اٹلی ہندسہ اور ریاضیات کے اُستاد سمجھے جاتے رہے۔ مہندس پیسرہ کا نام لیونارڈ فیبوناسی تھا جو سنہ ۱۱۸۰ء اور سنہ ۱۲۵۰ء کے درمیان گذرا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد (سنہ ۱۴۴۵ء۔ سنہ ۱۵۱۴ء) لوکہ پاشیولو پیدا ہوا۔ اسکے ساتھ ہی اہل اٹلی کی علمی ترقیون اور عقلی مصروفیتون کے زمانہ کا آغاز ہوا۔ ٹارٹگ لیا (سنہ ۱۵۰۰ء۔ سنہ ۱۵۵۷ء) کارڈن (سنہ ۱۵۰۱۔ سنہ ۱۵۷۶ء) اور لاڈو ویکو فریری (سنہ ۱۵۲۲۔ سنہ ۱۵۶۵ء) نے علم ہندسہ مین بہت اضافہ کیا۔ انھون نے بعض بہت مشکل اور اہم مسائل ہندسہ دریافت کیے تھے۔ اسکے بعد اہل فرانس نے ہندسہ کے مطالعہ کی طرف توجہ کی۔ وی اینی نے الجبرا اور ہندسہ مین کمال حاصل کیا تھا۔ یہ شخص سنہ ۱۵۴۰ء اور سنہ ۱۶۰۳ء کے درمیان گذرا ہے۔ اُس نے ایک دو نئے مسئلے دریافت کیے تھے۔ اسکے بعد ڈیکارٹ (سنہ ۱۵۹۶۔ سنہ ۱۶۵۰ء) پاسکل (سنہ ۱۶۲۳۔ سنہ ۱۶۶۲ء) ڈزارگ (سنہ ۱۵۹۳۔ سنہ ۱۶۶۲ء) وغیرہ پیدا ہوئے جنھون زمانۂ جدید کے ہندسہ کے اصول موضوعہ قائم کیے اور نئے طریقے سے اسکے

مسائل کو سلجھایا - یہ سب اپنے ڈھنگ کے مہندس اور ریاضی دان تھے - انھون نے پہلے پہل علم تراش ہاے مخروطی یا علم اشکال مخروطی کے مطالعہ کی طرف توجہ کی، اور اسکے اصول وضع کیے - انھون نے ظرف سے عدم انتہا کا تصور معقولیت کے ساتھ ظاہر کیا اور اس سے خواص مکانی کی تفتیش مین کام لینے پر زور دیا -

جب فرانس ہندسہ مین ترقی کر رہا تھا، اُسوقت انگلستان اور جرمنی مین بھی اسکی طرف توجہ ہو رہی تھی - ہنری سیول (۱۵۴۹ - ۱۶۲۲ء) نے آکسفورڈ مین اس علم پر لیکچرون کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا - جان کیپلر (۱۵۷۱ - ۱۶۳۰ء) نے ہندسہ مین ترقی کی - خط مستقیم کی انتہا کا خیال اسی سے منسوب کیا جاتا ہے - اٹھارھوین اور انیسوین صدی مین جو ترقی ہوئی ہے اُسکے بیان کی چندان ضرورت نہین، کیونکہ یہ زمانہ حال سے متعلق ہے اور اس سے وہ لوگ جو اسکولون اور کالجون کی تعلیم سے مستفید ہوتے ہین کم و بیش واقف ہین -

(ماخوذ)

(مملکت آصفیہ کے فرمانروا خاندان)

۸ - سلطنت عماد شاہی

۱۴۸۹ء / ۸۹۵ — ۱۵۷۵ء / ۹۸۲

دارالحکومت برار

عماد شاہی سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک قوم کا برہمن تھا - بیجانگر کی لڑائی مین گرفتار ہوکر دربار بہمنی مین آیا اور اسلام قبول کرکے مقربان شاہی مین شامل ہوگیا - بعد ازان اس نے بہت سے مہمات ملکی انجام دیے جس کے صلہ مین خواجہ محمود گاوان نے عماد الملک کا خطاب دلا کر برار کی صوبہ داری تفویض کی - محمود شاہ بہمنی کے زمانہ مین جب سلطنت بہمنیہ کو انحطاط شروع ہوا تو اس نے سب سے پہلے علم بغاوت بلند کیا، اور ۱۴۸۹ء / ۸۹۵ مین اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر آزادانہ حکومت کرنے لگا - اسکے بیٹے علاء الدین نے احمد نگر والون سے بہت سا ملک لے لیا - پھر اسکے پوتے برہان عماد شاہ کو اُسکے وزیر تفال خان نے معزول کرکے خود سلطنت پر قبضہ کر لیا - لیکن بیجاپور اور احمد نگر والون نے اتفاق کرکے برار پر یورش کی جس مین تفال خان مارا گیا اور ملک پر نظام شاہی قبضہ ہو گیا -

شاہان عماد شاہی کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱	فتح اللہ عماد الملک	۱۴۸۹ء / ۸۹۵	۱۵۰۴ء / ۹۱۰
۲	علاء الدین بن فتح اللہ	۱۵۰۴ء / ۹۱۰	۱۵۲۹ء / ۹۳۶
۳	دریا عماد شاہ بن علاء الدین	۱۵۲۹ء / ۹۳۶	۱۵۶۰ء / ۹۶۸
۴	برہان عماد شاہ بن دریا عماد شاہ	۱۵۶۰ء / ۹۶۸	۱۵۷۴ / ۹۸۲
۵	تفال خان (غاصب)	۱۵۷۴ / ۹۸۲	۱۵۷۵ء / ۹۸۳

۹ - سلطنت برید شاہی

۱۴۸۷ء / ۸۹۳ — ۱۶۲۴ء / ۱۰۳۴

دارالحکومت محمد آباد بیدر

اس خاندان کا بانی قاسم برید علاقہ گرجستان کا باشندہ تھا خواجہ شہاب الدین یزدی کے ہمراہ ولایت سے آیا، اور محمد شاہ بہمنی کے غلامون مین شامل ہوگیا - خواجہ محمود گاوان کے بعد وزیر سلطنت مقرر ہوا، اور محمود شاہ کے عہد مین اسطرح دخیل سلطنت ہوا کہ بہمنی بادشاہ برائے نام بادشاہ رہ گئے - اس نے کچھ حیثیت

وزیر ہونے کے شاہان بیجاپور و برار سے کئی بار لڑائیاں کیں ۱۵۰۴ء/۹۱۰ھ میں جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے بیٹے امیر برید نے نہ صرف سلطنت پر قبضہ کر لیا بلکہ شاہی لقب بھی اختیار کر کے خودمختار بادشاہ بن بیٹھا۔ امیر برید کے بعد اس خاندان میں سات بادشاہ برسرِحکومت ہوئے امیر برید ثانی کے زمانہ میں جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا شاہ بیجاپور نے بیدر پر قبضہ کر لیا ۱۶۲۴ء/۱۰۳۴ھ میں ملک عنبر کے نظام شاہی لشکر نے اس شہر کو کر تاخت و تاراج کر کے اس خاندان کا استیصال کر دیا

شاہان برید شاہی کی فہرست حسب ذیل ہے

۱	قاسم برید	۱۴۹۲ء/۸۹۷ھ	۱۵۰۴ء/۹۱۰ھ
۲	امیر برید اول	۱۵۰۴ء/۹۱۰ھ	۱۵۴۲ء/۹۴۹ھ
۳	علی برید اول	۱۵۴۲ء/۹۴۹ھ	۱۵۷۹ء/۹۸۷ھ
۴	ابراہیم برید	۱۵۷۹ء/۹۸۷ھ	۱۵۸۶ء/۹۹۵ھ
۵	قاسم برید ثانی	۱۵۸۶ء/۹۹۵ھ	۱۵۸۹ء/۹۹۸ھ
۶	علی برید ثانی	۱۵۸۹ء/۹۹۸ھ	۱۶۰۱ء/۱۰۱۰ھ
۷	امیر برید ثانی	۱۶۰۱ء/۱۰۱۰ھ	۱۶۲۴ء/۱۰۳۴ھ

۱۰۔ سلطنت نظام شاہی

۱۴۹۰ء/۸۹۶ھ — ۱۶۳۲ء/۱۰۴۲ھ

دارالحکومت احمد نگر

اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ نظام الملک حسن بحری قوم کا برہمن اور پاتری کا باشندہ تھا۔ بیجانگر کی لڑائی میں گرفتار ہو کر آیا تو محمد شاہ بہمنی نے اُسے مسلمان کر کے اپنے غلاموں میں شریک کر لیا۔ حسن بحری چونکہ لائق آدمی تھا اس لیے بہت جلد منظورِ نظر ہوگیا۔ عہدہ بہ عہدہ منصب بہ منصب ملتے گئے۔ یہاں تک ترقی کی کہ علاقہ مرہٹواڑی کا ناظم مقرر ہوگیا اور قسمت بہم پہنچا کر خودسری اختیار کی۔ قرب و جوار کے علاقوں پر حملے شروع کیے۔ ۱۴۸۶ء/۸۹۱ھ میں بیدر کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد بہمنی لشکر کے ساتھ ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی جس میں اس کا کام تمام ہوگیا اس کا بیٹا ملک احمد اس وقت جنیر میں تھا۔ جب اس کو باپ کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو نظام الملک کا خطاب اپنے نام کے ساتھ شامل کر کے کوکن کا علاقہ فتح کر لیا۔ پھر احمد نگر آ کر اپنی مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۴۹۳ء/۸۹۹ھ میں قلعہ دولت آباد فتح کر لیا اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین بادشاہ برسرِحکومت ہوئے۔ مرتضےٰ نظام شاہ کی بیجا سختیوں سے سلطنت کو انحطاط ہونے لگا۔ امرا میں نااتفاقی پھیل گئی۔ اسی زمانہ میں مغلوں نے احمد نگر پر حملہ کیا۔ اُس وقت کم سن بہادر حسین برسرِحکومت تھا۔ احمد نگر والوں نے جب شاہزادہ مراد کا مقابلہ کرنا چاہا تو چاند بی بی کو (جو سلطان حسین نظام شاہ کی دختر تھی) سلطنت کے تمام کاروبار حوالہ کیے۔ اس لائق و ہوشیار عورت نے بحیثیت نائب السلطنت ہونے کے سارے معاملات بحسن و خوبی انجام دیے اور اس جرأت و دلیری سے مغلوں کا مقابلہ کیا کہ حملہ آوروں کو پسپا ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں بعض ناہل امرا نے سازش کر کے چاند بی بی کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر خود شہنشاہ اکبر نے احمد نگر پر چڑھائی کر دی۔ تھوڑی سی مدت میں شہر فتح ہوگیا اور کم عمر بادشاہ قید کر لیا گیا لیکن اس فتح سے نظام شاہی سلطنت کا استیصال نہ ہو سکا۔ ایک حبشی غلام ملک عنبر نے جو چاند بی بی کے زمانہ میں بہت سے اعلےٰ عہدوں پر ممتاز رہ چکا تھا۔ پرنینڈہ میں آ کر بقیہ ملک کے سنبھالنے کی کوشش کی اور مرتضےٰ نظام شاہ دوم کو بادشاہ بنا کر مغلوں کے ساتھ مدت تک معرکہ آرائی کرتا رہا۔ اس نے جہانگیر کے لشکر کو متعدد بار شکست دی لیکن جب اس کا انتقال ہوگیا تو ۱۶۳۳ء/۱۰۴۲ھ میں شاہ جہان بادشاہ نے بقیہ ملک پر قبضہ کر لیا۔

ان بادشاہون کی فہرست حسب ذیل ہے

۱	احمد نظام الملک	۱۴۹۰ء / ۸۹۶	۱۵۱۸ / ۹۲۴
۲	برہان نظام شاہ	۱۵۱۸ء / ۹۲۴	۱۵۵۴ / ۹۶۱
۳	حسین نظام شاہ	۱۵۵۴ء / ۹۶۲	۱۵۶۵ / ۹۷۳
۴	مرتضی نظام شاہ	۱۵۶۵ء / ۹۷۳	۱۵۸۶ / ۹۹۵
۵	میران حسین نظام شاہ	۱۵۸۶ء / ۹۹۵	۱۵۸۹ / ۹۹۸
۶	اسمعیل نظام شاہ	۱۵۸۹ء / ۹۹۸	۱۵۹۰ / ۹۹۹
۷	برہان نظام شاہ دوم	۱۵۹۰ء / ۹۹۹	۱۵۹۴ / ۱۰۰۳
۸	ابراہیم نظام شاہ	۱۵۹۴ء / ۱۰۰۳	۱۵۹۵ / ۱۰۰۴
۹	احمد نظام شاہ	۱۵۹۵ء / ۱۰۰۴	ـــ
۱۰	بہادر نظام شاہ	۱۵۹۵ء / ۱۰۰۴	۱۶۰۰ / ۱۰۰۹
۱۱	مرتضی نظام شاہ دوم	۱۶۰۰ء / ۱۰۰۹	۱۶۲۵ / ۱۰۳۵
۱۲	برہان نظام شاہ سوم	۱۶۲۵ء / ۱۰۳۵	۱۶۳۰ / ۱۰۴۵
۱۳	حسین نظام شاہ سوم	۱۶۳۰ء / ۱۰۴	۱۶۳۳ / ۱۰۴۳

۱۱ سلطنت عادل شاہی

۱۴۸۹ء / ۸۹۵ — ۱۶۸۶ء / ۱۰۹۸

دار الحکومت بیجاپور

اس سلطنت کا بانی یوسف عادل شاہ روم کے سلاطین عثمانیہ کی اولاد سے تھا۔ بیجاپور کی مشہور و مستند تاریخ بساتین السلاطین مین لکھا ہے کہ سلطان مراد کے دو بیٹے تھے۔ محمد خان و یوسف خان باپ کے مرنے پر ۱۴۵۱ء / ۸۵۵ مین جب بڑا لڑکا محمد خان فاتح قسطنطنیہ تخت نشین ہوا تو چھوٹے بھائی کے قتل کا حکم دیدیا لیکن ماں نے شاہی افسرون کو کچھ رشوت دے دلا کر لڑکے کی جان بچائی اور خواجہ علاء الدین گرجستانی کے حوالے کیا تاکہ اُسے لے کر کہین بھاگ جائے۔ علاء الدین یوسف خان کو لیکر ترکی دارالحکومت سے نکلا اور ساوہ مین آکر پناہ گزین ہوا۔ یہان سے تجارت کے لیے ہندوستان آیا۔ محمد شاہ بہمنی کے زمانہ مین بیدر پہنچا اور خواجہ محمود گاوان سے یوسف خان کا سارا حال کہہ کر درخواست کی کہ اُسے شاہی غلامون مین شامل کرلے۔ چنانچہ خواجہ محمود گاوان نے یوسف خان کا نام شاہی غلامون مین شریک کردیا۔ یوسف خان چونکہ پڑھا لکھا اور ہوشیار لڑکا تھا اس لیے بہت جلد منظور نظر ہوگیا ۱۴۷۸ء / ۸۸۳ مین جنیر کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ اس کے بعد بیجاپور کا شہر اس کو قرار پایا۔ محمود شاہ بہمنی کے زمانہ مین جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب آپہنچی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے اس نے بھی اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور ۱۴۸۹ء / ۸۹۵ مین بیجاپور کی جامع مسجد مین اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کے خاندان مین یکے بعد دیگرے نو بادشاہ برسر حکومت ہوئے۔ منجملہ اُن کے ابراہیم اول علی عادل شاہ اور اُس کا بیٹا ابراہیم ثانی بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے بادشاہ ہوئے ہین۔ دور طوائف الملوکی مین عادل شاہی سلطنت کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ اسکی عملداری یون تو پہلے ہی سے بڑھی ہوئی تھی مگر علی عادل شاہ کے زمانہ مین جب سلطنت بیجانگر تباہ و تاراج ہوگئی تو اُس کو اور بھی وسعت حاصل ہوگئی، اور اُس کے حدود شمال مین دریائے کرشنا سے لیکر جنوب مین آبنائے منار تک پھیل گئے اور اسمین مہاراشٹر کرناٹک میسور و ملیبار کا تمام ملک شامل ہوگیا۔ ابراہیم ثانی شہنشاہ اکبر کا معاصر تھا۔ اُس کی بیٹی شاہزادہ دانیال سے منسوب ہوئی تھی اور اُسی لڑکی کے ہمراہ مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ دربار مغلیہ مین گیا تھا۔ اس بادشاہ کو علمی معاملات سے بے حد دلچسپی تھی اسکی فیاضی اور قدردانی نے بیجاپور کو مرکز علم و فن بنادیا تھا۔ ظہوری

اور ملا ملک قمی جو فارسی کے مشہور و معروف شاعر ہیں ہی کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس کا جانشین محمد عادل شاہ بادشاہی طمطراق میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ اپنی خط و کتابت میں اسکو ہمیشہ سلطان لکھا کرتا تھا۔ اس نے اپنے لیے جو مقبرہ بنایا ہے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ روئے زمین کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اسکی بلندی ۲۰۶ فیٹ اور رقبہ ۱۸۳۳۰ مربع فیٹ ہے۔ ایسا بلند اور وسیع گنبد تمام دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا۔

سیواجی بھوسلہ جو سلطنت مرہٹہ کا بانی ہے ابتداءً محمد عادل شاہ کی فوج میں ملازم تھا۔ ترقی کرتا ہوا سپہ سالاری کے درجہ پر پہنچا۔ علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں جب عادل شاہی سلطنت میں ضعف آنے لگا تو کوکن اور کرناٹک کے بعض علاقے اس نے داب لیے جس کو اُسکے جانشینوں نے جدید فتوحات سے اور بھی وسعت دیدی۔ سکندر عادل شاہ بیجاپور کا اخیر بادشاہ ہے۔ اس کے زمانہ میں اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کیا اگرچہ سکندر نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن کچھ بن نہ آیا۔ $\frac{1686}{1097}$ء میں اورنگ زیب نے ملک پر قبضہ کرلیا اور اسکو نظر بند کرکے اُس کے لیے ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔

سلاطین عادل شاہی کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

۱	یوسف عادل شاہ	$\frac{1489}{895}$	$\frac{1510}{916}$
۲	اسمعیل عادل شاہ	$\frac{1510}{916}$	$\frac{1534}{941}$
۳	ملو عادل شاہ	$\frac{1534}{941}$	$\frac{1534}{941}$
۴	ابراہیم عادل شاہ اول	$\frac{1534}{941}$	$\frac{1557}{965}$
۵	علی عادل شاہ اول	$\frac{1557}{965}$	$\frac{1580}{988}$
۶	ابراہیم عادل شاہ ثانی	$\frac{1580}{988}$	$\frac{1626}{1038}$
۷	محمد عادل شاہ	$\frac{1626}{1038}$	$\frac{1656}{1067}$
۸	علی عادل شاہ ثانی	$\frac{1656}{1067}$	$\frac{1672}{1083}$
۹	سکندر عادل شاہ	$\frac{1672}{1083}$	$\frac{1686}{1098}$

۱۲ سلطنت قطب شاہی

$\frac{1512}{918}$ء — $\frac{1687}{1099}$ء

دار الحکومت گولکنڈہ

اس خاندان کا بانی سلطان قلی ترکوں کے قبیلہ قراقوینلی سے ہے۔ اولاد چنگیز خان کے تنزل پر آذربائیجان میں اس قبیلہ نے ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی تھی۔ مگر وہ بہت جلد ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اسی قبیلہ کے مختلف سرداروں میں تقسیم ہوگئی۔ اس سیاسی انقلاب میں کچھ علاقہ پیر قلی کے ہاتھ آگیا جس پر اُسکا بیٹا اویس قلی بھی کچھ عرصہ کے لیے حکمران رہا۔ اسی اثنا میں ایک اور ترکی قوم آق قوینلی نے دیار بکر میں نشو و نما پانا شروع کیا اور انھیں امیر یعقوب بیگ کے زمانہ میں خوب عروج حاصل ہوگیا۔ یعقوب بیگ نے اپنے بھائی قراقوینلیوں پر سب سے پہلے ہاتھ صاف کیا اور اس قوم کے بہت سے سردار جو مختلف علاقوں میں حکمران تھے پکڑ پکڑ کر قتل کرڈالے۔ اس طوفان بے تمیزی سے بچانے کے لیے اویس قلی نے اپنے لڑکے سلطان قلی کو دکن روانہ کردیا، اور وہ اپنے چچا اللہ قلی کے ہمراہ عراق عرب اور خلیج فارس سے ہوتا ہوا بیدر چلا آیا۔ سلطان محمود شاہ بہمنی نے اسکے ساتھ بہت سی مراعات کیں اور سلطانی چیلوں میں شامل کرکے اعلےٰ درجہ کی تعلیم دلائی اور جب سن رشد کو پہنچا تو مختلف خدمات ملکی تفویض کیے یہاں تک کہ $\frac{1495}{901}$ء میں قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنادیا۔ قطب الملک سولہ سال تک سلطنت بہمنی کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ لیکن $\frac{1511}{917}$ء میں جب محمود شاہ کا انتقال ہوگیا تو دوسرے سرداروں کی طرح اس نے بھی اطاعت سے انحراف کردیا، اور گولکنڈہ کو مستقر حکومت

رہ دے کر قطب شاہی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا۔

قطب الملک نے راجگان ورنگل وبیجانگر سے متعدد لڑائیاں کین اپنی حکومت کو جنوب مشرق مین دریاے گوداوری کے کنارے کنارے بڑی دور تک وسعت دی۔ اسکے بعد بریدشاہیون پر حملہ کر کے قلعہ میدک وکولاس وغیرہ بھی لے لیا۔ اسکے بعد جمشید قلی سبحان قلی ابراہیم قلی پے درپے تخت نشین ہوے۔ ابراہیم کے زمانہ مین جب سلطنت بیجانگر تباہ ہوئی تو قطب شاہی علاقہ خوب وسیع ہو گیا اور دریاے پنار کے انتہاے جنوب تک اسکے حدود پھیل گئے۔ ابراہیم کے جانشین محمد قلی اور محمد قطب شاہ بڑی شان وشوکت کے بادشاہ ہوئے ہین۔ محمد قلی نے دکن مین اس کثرت سے عمارتین تعمیر کرائی ہین کہ کسی دوسرے بادشاہ نے کبھی نہین بنوائین اور اسی وجہ سے تاریخ مین یہ دکن کی عمارات کا باوا آدم کہلاتا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ سے سلطنت کو انحطاط ہونے لگا۔ اورنگ زیب نے گولکنڈہ پر کئی مرتبہ حملے کیے ۱۶۸۷ء/۱۰۹۹ مین چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہو گیا اور سلطان ابوالحسن تاناشاہ کو جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا قلعہ دولت آباد مین قید کر دیا۔

سلاطین قطب شاہی کی فہرست حسب ذیل ہے:-

۱	قطب الملک سلطان قلی	سنہ ۱۵۱۲ء/۹۱۸	سنہ ۱۵۴۳ء/۹۵۰
۲	جمشید قلی	سنہ ۱۵۴۳ء/۹۵۰	سنہ ۱۵۵۰ء/۹۵۷
۳	سبحان قلی	سنہ ۱۵۵۰ء/۹۵۷	سنہ ء
۴	ابوالمظفر ابراہیم قطب شاہ	سنہ ۱۵۵۰ء/۹۵۷	سنہ ۱۵۸۰ء/۹۸۷
۵	ابوالمظفر محمد قلی	سنہ ۱۵۸۰ء/۹۸۷	سنہ ۱۶۱۲ء/۱۰۲۱
۶	سلطان محمد قطب شاہ	سنہ ۱۶۱۲ء/۱۰۲۱	سنہ ۱۶۲۶ء/۱۰۳۶
۷	عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۶۲۶ء/۱۰۳۶	سنہ ۱۶۷۲ء/۱۰۸۳
۸	ابوالحسن تاناشاہ	سنہ ۱۶۷۲ء/۱۰۸۳	سنہ ۱۶۸۷ء/۱۰۹۹

۱۳۔ دکن پر مغلون کا تسلط

شہنشاہ اکبر نے پہلے پہل ۱۵۹۶ء/۱۰۰۵ھ مین دکن پر حملہ کیا۔ نظام شاہیون سے مدت تک لڑائی ہوتی رہی اور احمد نگر فتح ہو گیا مگر اس سے سلطنتِ نظام شاہی کا استیصال نہ ہوسکا۔ اسکے بعد سلاطین دکن نے باہم اتفاق کر کے مغلون کا مقابلہ کیا جسکی وجہ سے مغلون کو شکست اُٹھا کر واپس ہونا پڑا۔ لیکن اسی زمانہ مین دکن مین خانہ جنگیان شروع ہو گئی تھین جن سے مغلون نے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا اور ملک پر بتدریج تسلط حاصل کر لیا۔

شاہجہان نے دکن کے فتح کرنے مین بڑی کوشش کی اور دس برس کی جنگ وجدل کے بعد نظام شاہیون کا خاتمہ ہوا۔ اسی اثنا مین عادل شاہیون سے ایک لڑائی ہوئی جسمین بیجاپور والے بڑی ہمت اور دلیری سے لڑتے رہے لیکن مغلوب ہو کر انھین صلح کرنی پڑی۔ شاہجہان بادشاہ نے اورنگ زیب کو ۱۶۳۲ء/۱۰۴۲ مین تسخیر دکن پر مامور کیا۔ اس نے سب سے پہلے گولکنڈہ پر چڑھائی کی لیکن ایک سخت لڑائی کے بعد عبداللہ قطب شاہ نے مصالحت کر لی۔ اورنگ زیب جب واپس ہونے لگا تو بیدر کو فتح کرتا ہوا بیجاپور کی جانب روانہ ہوا۔ اثنائے راہ مین شاہجہان کے بیمار ہونے کی خبر سُنی تو اس مُہم کو ادھورا چھوڑ کر دارالسلطنت کو واپس چلا آیا۔

اس وقت اہلِ دکن بڑی تباہی مین مبتلا تھے۔ شاہان دکن نے اپنے ملک کو اس غرض سے ویران کر دیا تھا کہ غنیم کو آب ودانہ تک میسر نہ آئے، اور جو کچھ باقی تھا اُسے مغلون نے لوٹ لیا تھا۔ اتفاق سے کئی سال تک بارش بھی نہین ہوئی جسکی وجہ سے ایسا تکلیف دہ قحط پڑا کہ لاکھون جانین بھوک

پیاس کے نذر ہوگئین۔

اورنگ زیب نے اپنے ایام حکومت مین تسخیر دکن کے لیے بہت کچھ جدوجہد کی، چنانچہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے میدانون مین اسکی فوج پچیس[۲۵] سال تک لڑتی رہی لیکن کامیابی نہین ہوئی پینسٹھ سال کی عمر مین خود دہلی سے نکلا کئی سال دکن مین رہ کر لڑائی جھگڑے کرتا رہا۔ ۱۶۸۶ء/۱۰۹۷ھ مین بیجاپور فتح ہوا۔ اسکے ایک سال بعد اہل گولکنڈہ نے شکست پائی، اور دونون بادشاہ مغلون کے ہاتھ گرفتار ہوگئے۔

ان جدید فتوحات سے سلطنت مغلیہ کو ایسی وسعت حاصل ہوئی کہ اس سے بیشتر کبھی نہین ہوئی تھی۔ مغلون نے بیجاپور اور گولکنڈہ کے علاقون کو ملاکر ایک صوبہ بنالیا اور اُسکے انتظام کے لیے دہلی سے صوبہ دار مقرر ہوکر آنے لگے۔ ۱۷۱۳ء/۱۱۲۵ھ مین یہ عہدہ نواب نظام الملک آصف جاہ کو ملا جو اُن کی اولاد مین اب تک وراثتاً چلا آتا ہے۔

سلاطین مغلیہ

(۱)	ظہیر الدین بابر شاہ	۱۵۲۶ء/۹۳۲ھ	۱۵۳۰ء/۹۳۷ھ
(۲)	نصیر الدین ہمایون	۱۵۳۰ء/۹۳۷ھ	۱۵۵۶ء/۹۶۳ھ
(۳)	جلال الدین اکبر	۱۵۵۶ء/۹۶۳ھ	۱۶۰۵ء/۱۰۱۴ھ
(۴)	نور الدین جہانگیر	۱۶۰۵ء/۱۰۱۴ھ	۱۶۲۸ء/۱۰۳۸ھ
(۵)	شہاب الدین شاہجہان	۱۶۲۷ء/۱۰۳۷ھ	۱۶۵۸ء/۱۰۶۸ھ
(۶)	محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۱۶۵۸ء/۱۰۶۸ھ	۱۷۰۷ء/۱۱۱۹ھ
(۷)	قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ	۱۷۰۷ء/۱۱۱۹ھ	۱۷۱۲ء/۱۱۲۴ھ
(۸)	معز الدین جہاندار شاہ	۱۷۱۲ء/۱۱۲۴ھ	سنہ ء
(۹)	فرخ سیر	۱۷۱۳ء/۱۱۲۴ھ	۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ
(۱۰)	شمس الدین رفیع الدرجات	۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ	سنہ ء
(۱۱)	رفیع الدولہ شاہجہان ثانی	۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ	۱۷۲۰ء/۱۱۳۲ھ
(۱۲)	نصیر الدین محمد شاہ	۱۷۲۰ء/۱۱۳۲ھ	۱۷۴۸ء/۱۱۶۱ھ
(۱۳)	احمد شاہ	۱۷۴۸ء/۱۱۶۱ھ	۱۷۵۴ء/۱۱۶۷ھ
(۱۴)	عزیز الدین عالمگیر ثانی	۱۷۵۴ء/۱۱۶۷ھ	۱۷۵۹ء/۱۱۷۳ھ
(۱۵)	شاہ عالم ثانی	۱۷۵۹ء/۱۱۷۳ھ	۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ
(۱۶)	معین الدین محمد اکبر ثانی	۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ	۱۸۳۷ء/۱۲۵۳ھ
(۱۷)	سراج الدین بہادر شاہ	۱۸۳۷ء/۱۲۵۳ھ	۱۸۵۷ء/۱۲۷۵ھ

۱۴۔ شاہان آصفیہ

۱۷۲۴ء/۱۱۳۷ھ ــ تاحال

دار الحکومت حیدرآباد

نواب نظام الملک آصف جاہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہین۔ ان کے آباد اجداد ماوراء النہر کے رہنے والے تھے ۱۶۵۴ء/۱۰۶۴ھ مین خواجہ عابد خان سمرقند سے آکر شاہجہان بادشاہ کے ملازم ہوگئے ماہانہ پانچ ہزاری منصب مقرر ہوا۔ ان کے فرزند نواب غازی الدین خان فیروز جنگ اورنگ زیب کے وزیر اعظم تھے۔ انھون نے نواب سعد اللہ خان علامی وزیر شاہجہان بادشاہ کی دختر سے عقد کیا جن کے بطن سے نواب آصف جاہ بہادر تولد ہوئے۔ نواب آصف جاہ اورنگ زیب کے زمانہ مین بیجاپور کے عملدار مقرر ہوئے تھے۔ بعدہٗ شاہ عالم بہادر نے اودھ کا ناظم مقرر کیا۔ پھر فرخ سیر نے دکن کی صوبہ داری عنایت کی۔ محمد شاہ کی بادشاہت مین مالوہ کے صوبہ دار پھر سلطنت مغلیہ کے وزیر اعظم قرار پائے۔ محمد شاہ رنگین مزاج اور عیش پسند بادشاہ تھا۔ امور جہانداری سے اُسکو مطلق دلچسپی نہ تھی جسکی وجہ سے سلطنت کو روز بروز تنزل ہونے لگا۔ آصف جاہ نے اس حالت کو دیکھ کر آئین شاہی مقرر کیے اور بادشاہ کو انتظام سلطنت کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن جب یہ باتین بادشاہ کو وبال جان ہوگئین تو آصف جاہ نے برداشتہ خاطر ہوکر دکن کی صوبہ داری کو وزارت عظمیٰ پر ترجیح دی

اور فرمان شاہی حاصل کرکے حیدرآباد چلے آئے ان دنون نواب مبارز خان حیدرآباد کا صوبہ دار تھا - اس نے جائزہ دینے سے انکار کیا - فریقین مین بالا گھاٹ کے نیچے لڑائی ہوئی مبارز خان اور اسکے دونون بیٹے مارے گئے - دکن کا تمام صوبہ آصفجاہ کے قبضہ مین آگیا -

آصف جاہ کے بعد نواب ناصر جنگ برسر حکومت ہوئے لیکن دوسرے بھائیون نے تخت کے لیے شورش برپا کردی - ان دنون دکن مین یورپ کی دو زبردست قومین قوت آزمائی کررہی تھین - انگریز ناصر جنگ کے اور فرانسیسی مظفر جنگ کے طرفدار تھے - فرانسیسیون کی سازش سے ناصر جنگ نے شہادت پائی - مظفر جنگ بادشاہ بنائے گئے لیکن چند مہینون کے بعد بعض فوجی افسرون نے انھین بھی قتل کرڈالا - ان کے بعد صلابت جنگ تخت نشین ہوئے جنھین نواب نظام علی خان نے قید کرکے زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی -

اس زمانہ مین دکن کی سیاسی حالت بڑی پرآشوب تھی - میسور مین ٹیپو سلطان، شمال مغرب مین مرہٹے روز بروز اپنی قوت و اقتدار کو بڑھا رہے تھے - کرناٹک مین انگریزون اور فرانسیسیون نے قسمت آزمائی شروع کردی تھی اور ہر چہار طرف قتل و خونریزی کا بازار گرم تھا - نظام علی خان کو اپنے چوالیس سالہ عہد حکومت مین مرہٹون اور ٹیپو سلطان کے ساتھ کئی مرتبہ معرکہ آرائی کا اتفاق ہوا جس کا حال خاندان آصفیہ کی تاریخون مین تفصیل کے ساتھ مذکور ہے -

شاہان آصفیہ

(١)	نواب میر قمر الدین خان بہادر المخاطب بہ نظام الملک آصف جاہ	١٧٢٤ء / ١١٣٧ھ	١٧٤٨ء / ١١٦١ھ
(٢)	نواب میر احمد علیخان ناصر جنگ بہادر	١٧٤٨ء / ١١٦١ھ	١٧٥٠ء / ١١٦٤ھ
(٣)	نواب مظفر جنگ بہادر	١٧٥٠ء / ١١٦٤ھ	١٧٥١ء / ١١٦٥ھ
(٤)	نواب میر محمد علیخان صلابت جنگ بہادر	١٧٥١ء / ١١٦٥ھ	١٧٦٢ء
(٥)	نواب میر نظام علیخان بہادر نظام الملک آصف جاہ ثانی	١٧٦٢ء / ١١٧٧ھ	١٨٠٣ء / ١٢١٨ھ
(٦)	نواب میر اکبر علیخان بہادر سکندر جاہ آصف جاہ ثالث	١٨٠٣ء / ١٢١٩ھ	١٨٢٩ء / ١٢٤٥ھ
(٧)	نواب میر فرخندہ علیخان ناصر الدولہ بہادر	١٨٢٩ء / ١٢٤٥ھ	١٨٥٧ء / ١٢٧٤ھ
(٩)	نواب میر تہنیت علیخان افضل الدولہ بہادر	١٨٥٧ء / ١٢٧٤ھ	١٨٦٩ء / ١٢٨٦ھ
(٩)	نواب میر محبوب علی خان بہادر	١٨٦٩ء / ١٢٨٦ھ	١٩١١ء / ١٣٢٩ھ
(١٠)	نواب میر عثمان علی خان بہادر	١٩١١ء / ١٣٢٩ھ	موجود

١٥ - والیان کرناٹک

١٦٩٢ء / ١١٠٤ھ — ١٨٠١ء / ١٢١٦ھ

دار الحکومت - ویلور و آرکاٹ

گولکنڈہ کی فتح کے بعد کرناٹک بھی مغلیہ عملداری مین شامل ہوگیا اور انتظام مملکت کے لیے دربار مغلیہ سے صوبہ دار مقرر ہونے لگے - بہادر شاہ اول کے زمانہ مین یہ خدمت سعادت خان کو ملی جس نے کوشش کرکے اسکو اپنے خاندان مین موروثی کرلیا - ویلور اس کا دار الحکومت تھا نظام الملک آصف جاہ نے جب دکن مین استقلال حاصل کرلیا تو کرناٹک بھی ان کا باج گذار صوبہ بن گیا لیکن سعادت خان کے جانشینون نے اطاعت سے انحراف کرنا چاہا جسکی بناپر آصف جاہ نے اُن پر چڑھائی کی اور اس ملک کو فتح کرکے اپنے ایک تجربہ کار سردار محمد انور الدین خان کو یہان کا گورنر مقرر کردیا - آصف جاہ کی وفات کے بعد انور الدین خان نے بیحد قوت حاصل کرلی اور جب مرنے لگا تو اپنے اختیار سے اپنے فرزند محمد علیخان کو اپنا جانشین قرار دیا -

کرناٹک مین مدت سے فرانسیسی اور انگریز قوت آزمائی کر رہے تھے۔ والیانِ کرناٹک کو مرہٹون اور ٹیپو سلطان کی لڑائیون مین ان سے مجبوراً مدد لینا پڑی جسکی وجہ سے ان کو اس علاقہ مین بیحد اقتدار حاصل ہوگیا۔ ۱۷۶۱ء / ۱۱۷۵ مین انگریزون نے کوشش کرکے فرانسیسون کو کرناٹک سے بیدخل کردیا اور والیان کرناٹک انگریزون کے ماتحت ہوگئے۔ سنہ ۱۸۰۱ء مین محمد علی خان کے بیٹے عمدۃ الامرا نے تمام ملک انگریزون کے حوالہ کردیا اور اپنی پرورش کے لیے پنشن منظور کرلی جو اُس کی اولاد مین ابتک جاری ہے۔

والیان کرناٹک

(۱) ذوالفقار علی خان	۱۶۹۲ء / ۱۱۰۳	۱۷۰۳ء / ۱۱۱۵
(۲) داود علیخان	۱۷۰۳ء / ۱۱۱۵	۱۷۱۰ء / ۱۱۲۲
(۳) سعادت خان	۱۷۱۰ء / ۱۱۲۲	۱۷۳۲ء / ۱۱۴۵
(۴) باقر علی خان	۱۷۳۲ء / ۱۱۴۵	—
(۵) علی دوست خان	۱۷۳۲ء / ۱۱۴۵	۱۷۴۰ء / ۱۱۵۳
(۶) صفدر علی خان	۱۷۴۰ء / ۱۱۵۳	۱۷۴۲ء / ۱۱۵۵
(۷) محمد سعید سعادت اللہ خان	۱۷۴۲ء / ۱۱۵۵	۱۷۴۴ء / ۱۱۵۷
(۸) محمد انور الدین خان شجاع الدولہ	۱۷۴۴ء / ۱۱۵۷	۱۷۴۹ء / ۱۱۶۳
(۹) محمد علی خان	۱۷۴۹ء / ۱۱۶۳	۱۷۹۵ء
(۱۰) عمدۃ الامرا (جسنے ملک انگریزون کے حوالہ کردیا)	۱۷۹۵ء / ۱۲۱۰	۱۸۰۱ء / ۱۲۱۶

شاہزادگان کرناٹک

جو پرنس آف ارکاٹ کے لقب سے مشہور ہین اور گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے پنشن پاتے رہے ہیں۔

(۱) عظیم الامرا	۱۸۰۱ء / ۱۲۱۶	۱۸۱۹ء / ۱۲۳۴
(۲) عظم جاہ	۱۸۱۹ء / ۱۲۳۵	۱۸۲۵ء / ۱۲۴۱
(۳) عظیم جاہ	۱۸۲۵ء / ۱۲۴۱	۱۸۴۲ء / ۱۲۵۹
(۴) محمد غلام غوث خان الاعظم الامرا	۱۸۴۲ء / ۱۲۵۸	۱۸۵۵ء / ۱۲۷۲
عظیم جاہ (اگر بحیثیت پرنس آف ارکاٹ)	۱۸۶۷ء / ۱۲۸۴	۱۸۷۴ء / ۱۲۹۱
(۵) ظہیر الدولہ	۱۸۷۴ء / ۱۲۹۱	۱۸۷۹ء / ۱۲۹۶
(۶) انتظام الملک	۱۸۷۹ء / ۱۲۹۶	سنہ ء
(۷) عمدۃ الامرا	۱۸۷۹ء / ۱۲۹۶	۱۸۸۱ء / ۱۲۹۹

مملکت آصفیہ کے مشہور واقعات

دکن پر رام نے یورش کی	سنہ ۲۰۰۰ ق م
راجہ اشوک برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۲۳۶ ق م
اندھرا خاندان کا عروج (تلنگانہ مین)	سنہ ۲۲۰ ق م
اندھرا قوم نے مگدھ پر حملہ کیا	سنہ ۲۶ ق م
پلاوا خاندان کرناٹک مین برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۳۰۰ ء
چلوکیا خاندان (مغربی شاخ) برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۴۰۰ ء
چلوکیا خاندان (مشرقی شاخ) برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۴۱۵ ء
اندھرا قوم کو پلاوا خاندان نے تباہ کیا	سنہ ۴۲۶ ء
راشٹر کوٹا قوم نے چلوکیا خاندان کی مغربی شاخ پر غلبہ حاصل کیا۔	سنہ ۵۵۰ء / ۱۴۰
چلوکیا خاندان کی مغربی شاخ پھر بحال ہوئی	۹۷۳ء / ۳۶۳
چلوکیا خاندان کی مشرقی شاخ کو چولا قوم نے تباہ کیا	سنہ ۱۰۲۲ء / ۴۱۳
یادو خاندان برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۱۱۰۰ء / ۴۹۴
گنپتی خاندان جسکو کاکتیا خاندان بھی کہتے ہین ورنگل مین برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۱۱۰۰ء
بیلالانے دیوگیری بسایا اور یادو خاندان کو خود مختار بنایا	سنہ ۱۱۸۷ء / ۵۸۲
چلوکیا خاندان کی مغربی شاخ کو یادو قوم نے تباہ کیا	سنہ ۱۱۸۹ء / ۵۸۵
خاندان خلجی برسرِ حکومت ہوا	سنہ ۱۲۹۰ء / ۶۹۹
دکن پر مسلمانون نے پہلی مرتبہ حملہ کیا	سنہ ۱۲۹۴ء / ۶۹۳

دکن پر ملک کافور نے حملہ کیا	۱۲۹۷ء / ۶۹۷ھ	ہمنی نام کے بادشاہون کا خاتمہ ہوا	۱۵۲۷ء / ۹۳۴ھ
دیوگڈھ کو مسلمانون نے فتح کیا	۱۳۰۶ء / ۷۰۶ھ	تالیکوٹہ کی عظیم الشان لڑائی جسمین سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہوا	۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ
ورنگل کو مسلمانون نے فتح کیا	۱۳۰۹ء / ۷۰۹ھ	عمادشاہی سلطنت کو نظام شاہیون نے تباہ کیا	۱۵۷۴ء / ۹۸۲ھ
کرناٹک کو مسلمانون نے فتح کیا۔	۱۳۱۰ء / ۷۱۰ھ	شہنشاہ اکبر نے دکن پر حملہ کیا	۱۵۹۶ء / ۹۹۵ھ
یادوا خاندان تباہ ہوا	۱۳۱۸ء / ۷۱۸ھ	محمد قلی نے شہر حیدرآباد کی بنیاد ڈالی	۱۵۸۹ء / ۹۹۸ھ
خلجی خاندان تباہ ہوا۔	۱۳۲۰ء / ۷۲۰ھ	مغلون نے احمدنگر فتح کرلیا	۱۶۰۰ء / ۱۰۰۹ھ
خاندان تغلق برسرحکومت ہوا	۱۳۲۱ء / ۷۲۱ھ	اہل بیجانگر کا چندراگری مین آباد ہونا	۱۶۱۴ء / ۱۰۲۳ھ
سلطان محمد بن تغلق برسرحکومت ہوا	۱۳۲۶ء / ۷۲۷ھ	ملک عنبر نے بریدشاہی سلطنت کو تباہ کیا	۱۶۲۴ء / ۱۰۳۳ھ
سلطنت بیجانگر قائم ہوئی اور شہر بیجانگر آباد ہوا	۱۳۳۶ء / ۷۳۷ھ	چندراگری کے راجہ نے انگریزون کو مدراس کا علاقہ دیا	۱۶۳۹ء / ۱۰۴۹ھ
امراے دکن نے بغاوت کی	۱۳۴۷ء / ۷۴۸ھ	شاہجہان نے نظام شاہی سلطنت پر قبضہ کیا	۱۶۳۶ء / ۱۰۴۶ھ
سلطنت بہمنیہ قائم ہوئی	۱۳۴۸ء / ۷۴۹ھ	اورنگ زیب نے بیجاپور فتح کیا	۱۶۸۶ء / ۱۰۹۸ھ
بہمنیون نے گولکنڈہ کو فتح کیا۔	۱۳۶۲ء / ۷۶۴ھ	اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو فتح کیا	۱۶۸۷ء / ۱۰۹۹ھ
خاندان تغلق تباہ ہوا	۱۳۹۹ء / ۸۰۲ھ	سعادت اللہ خان والی کرناٹک مقرر ہوا	۱۷۱۰ء / ۱۱۲۲ھ
عمادشاہی سلطنت قائم ہوئی	۱۴۸۵ء / ۸۹۰ھ	نواب آصف جاہ دکن کے صوبہ دار مقرر ہوے	۱۷۱۳ء / ۱۱۲۵ھ
عادل شاہی سلطنت قائم ہوئی	۱۴۸۹ء / ۸۹۵ھ	نواب آصف جاہ نے کرناٹک فتح کیا	۱۷۴۳ء / ۱۱۵۶ھ
نظام شاہی سلطنت قائم ہوئی	۱۴۹۰ء / ۸۹۶ھ	انورالدین خان والی کرناٹک مقرر ہوا	۱۷۴۴ء / ۱۱۵۷ھ
بریدشاہی سلطنت قائم ہوئی	۱۴۹۱ء / ۸۹۷ھ	انگریزون نے فرانسیسیون کو کرناٹک سے بیدخل کردیا	۱۷۶۰ء / ۱۱۷۴ھ
دکن میں پرتگیز آئے	۱۴۹۸ء / ۹۰۴ھ	عمدۃ الامرا نے کرناٹک انگریزون کے حوالہ کیا	۱۸۰۱ء / ۱۲۱۶ھ
قطب شاہی سلطنت قائم ہوئی	۱۵۱۲ء / ۹۱۸ھ		

حکیم سید شمس اللہ قادری

نیوایرا (NEWERA) لکھنؤ سے اِس نام کا ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار راجہ غلام حسین صاحب بی۔اے نے جاری کیا ہے۔ اخباری دنیا مین آپ کا نام کافی شہرت رکھتا ہے۔ کامریڈ اور انڈین ڈیلی ٹیلیگراف مین آپ مدتون کام کرچکے ہین اور کچھ شک نہین کہ جس محنت اور قابلیت سے آپ "نیوایرا" کو نکال رہے ہین وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ کاش اُردو مین بھی اس پایہ کے اخبارات شائع ہوتے۔ "نیوایرا" اپنی باطنی خوبیون کے علاوہ کاغذ اور چھپائی کے لحاظ سے بھی قابلِ رشک پرچہ ہے۔ قیمت سالانہ مع محصول عـــہ انگریزی خوان حضرات کو ضرور اس کی خریداری فرما کر راجہ غلام حسین صاحب کی قومی اور ملکی خدمات میں اُن کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ہم اپنے ہمعصر کی کامیابی کے دل سے خواستگار رہین۔ (اڈیٹر)



ہز ہائنس مہاراجہ سر گنگا سنگھ بہادر [illegible]
جی سی-آئی ای کے-سی-ایس آئی والی ریاست [illegible]

سحر

علوم قدیمہ مین علم سحر کو دنیا مین شمس تہذیب کی شعاعین پھیلنے سے پہلے بہت زیادہ عظمت و اقتدار حاصل رہا ہے۔ کتب الہیہ توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اک زمانہ مین سحر کی اہمیت و عظمت دنیا مین اسقدر رہی ہے کہ دنیا کا کوئی کام اُسکے اثر سے خالی نہ تھا۔ مذہب تھا تو اسی پر مبنی تھا اور انسانی زندگی کے امور ضروریہ تھے تو اسی سے وابستہ۔ یہان تک کہ اُس زمانہ کے لوگ دنیا کا قیام و نظام اسی پر منحصر سمجھتے تھے، لیکن تہذیب و تمدن اور علوم الہیہ کے نشو و نما پانے سے سحر و طلسمات مین تنزل پیدا ہوا اور مذہب نے تو اسکے اثر اور خیالات کے خلاف ایک ایسی زبردست جنگ کی کہ دنیا سے اُسکا اثر تقریباً مٹ ہی گیا۔ مذاہب مین سب سے زیادہ مذہب اسلام نے سحر اور اسی قسم کے دوسرے اُن ظنی علوم کی قوت توڑنے کی کوشش کی جو قدرت و کمالات الٰہی اور شان خداوندی مین ایک حد تک مداخلت کرنے والے تھے۔

اسلام نے اس قسم کے علوم حاصل کرنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کو حکم الٰہی کے خلاف قرار دیا اور آخر ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیروان اسلام نے علم سحر کو مذہب الٰہی کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کا اثر کم ہوتے ہوتے تقریباً بالکل ہی جاتا رہا۔ لیکن تعجب ہے کہ مذہب اسلام کی ان سختیون کے باوجود آج سحر کے متعلق جسقدر معلومات ہمارے پاس ہین اور جتنی کتابین اس علم مین ملتی ہین اُن مین سے زیادہ حصہ مسلمان محققین کی تحقیقات اور زور قلم کا نتیجہ ہے۔

ہمارا یہ کوئی دعویٰ نہین ہے کہ متقدمین کی تصنیفات مین سے علوم سحر کے متعلق کوئی کتاب اس وقت دنیا مین موجود نہین ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حال کی تحقیقات مین علم سحر کے متعلق جسقدر لکھا گیا ہے وہ عموماً مسلمانون کی تالیفات اور تراجم کی مدد سے، اور ہمارا یہ مضمون بھی مسلمان مورخین اور محققین کی تحقیقات کا نتیجہ ہے جو مختلف عربی تاریخون اور علمی کتابون سے ماخوذ ہے۔

علم سحر اپنے مختلف شعبون کے لحاظ سے بہت سی اقسام پر مشتمل ہے جنمین سے بعض اعمال و اسرار ہین، بعض روحانی اور جسمانی ریاضتین اور بعض ایسے حسابات، ترتیب الفاظ، حروف اور نقوش جن سے ایک خاص صورت و ہیئت حصول ظن کے لیے پیدا ہو جاتی ہے، اور ان سب سے مقصود امور غیب اور اسرار و حالات مخفی پر اطلاع حاصل کرنا یا کسی شے اور شخص پر اثر ڈال کر فوق العادت کام لینا وغیرہ ہے۔

سب سے پہلے علم سحر سے بابلیون اور کلدانیون نے کام لیا اُس زمانہ مین اس کا رواج بڑھتے بڑھتے اسقدر ترقی پر پہنچ گیا تھا کہ ایک حد تک جزو مذہب بن گیا۔ انھین سے یہ علم دوسرے ملکون اور شہرون مین پہنچا اور آج بھی جسقدر پایا جاتا ہے انھین کی یادگار ہے۔ بابلیون کے علاوہ فارس اور مصر مین بھی عرصہ تک علم سحر کا اعتقاد رہا اور ہر زمانہ مین معتقدین سحر اُس مین بہت سی عجیب غریب اور نئی باتین پیدا کرتے رہے۔

مورخین کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابلیون پارسیون اور مصریون نے علم سحر مین جو ترقی حاصل کی اور جس ریاضت و قوت اور تعجب انگیز عقیدت سے اُسکو حاصل کیا اور اعتقاداً اُسپر عمل کیا دنیا مین اس وقت تک کسی قوم اور ملک کو یہ بات نصیب نہین ہوئی چنانچہ بابل و نینوا اور مصر کی پرانی عمارتین کھنڈرات زمین دوز راستے اور معابد اور جدید دریافت شدہ آثار قدیمہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بابل و مصر وغیرہ کسی زمانہ مین سحر و طلسمات کا مرکز و معدن ہونگے۔

عرب مین اسلام سے پہلے سحر کی ایک خاص قسم کہانت کا رواج تھا

جس مین عربون نے بہت سی باتین اضافہ کین اور سحر کی اس خاص نوع کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب مین کہانت کا اسقدر رواج تھا کہ کوئی کام کاہن کے مشورہ بغیر نہین کیا جاتا تھا لیکن اسلام کے بعد اس کا اثر جاتا رہا اور سحر کی دوسری اقسام بھی اہل عرب نے فارس وغیرہ سے حاصل کرکے یا دوسری زبانون کی کتب سے ترجمہ کرکے رواج دیا اور بہت سے رسائل اور ضخیم کتابین سحر وغیرہ علوم پر تالیف و تصنیف کین لیکن اسلام کے بعد اہل عرب نے علوم سحر مین جو کچھ لکھا اُن کا اکثر حصہ محض علمی خدمت پر مبنی تھا اور بہت کم اعتقاد کے خیال سے ترتیب دیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین علم سحر کی بہت سی اقسام ہین جنکا احاطہ اس مختصر مضمون مین دشوار ہے اس لیے ہم ذیل مین صرف اُن اقسام کا ذکر کرتے ہین جو بہت زیادہ مشہور ہین۔

(۱) سحر و طلسمات

محققین علم سحر کا خیال ہے کہ علوم سحر اُن آثار یا قوت خیال و وہم پر مبنی ہین جو انسانی نفوس مین پائے جاتے ہین یعنی انسان ان آثار اور قوتون سے عالم عناصر مین تاثیر پیدا کرنے یا اُن کو اپنے اثر سے متاثر کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

اس کا ثبوت اُن کے الفاظ مین یہ ہے کہ انسانی نفس مین حالت طبعی اور اسباب جسمانی کے خلاف کچھ آثار پائے جاتے ہین جو کبھی روح کی ایک خاص کیفیت سے پیدا ہوتے ہین جیسے کہ فرحت و سرور مین جسم کا خود بخود گرم ہو جانا اور کبھی نفسانی تصورات سے جیسے غلبۂ وہم سے امر موہومہ کا وقوع پذیر ہونا۔ اسکی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ مثال کافی ہے کہ کوئی شخص مثلاً پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھ رہا ہو اور اُسکا وہم یا خیال اسپر قائم ہو جائے کہ وہ اس چوٹی سے گرنے والا ہے یقیناً وہ چوٹی سے گر جائے گا۔ اسی طرح جو شخص اپنے خیال کو قائم کرکے کسی ایسی چیز کی مشق حاصل کرے جو بظاہر مشکل اور فوق العادت ہو اور وہم دور ہو جائے جیسے بلند پہاڑ کی ترچھی چٹان پر چڑھنا، تو وہ آسانی سے چٹان پر چڑھ جائے گا اور ہرگز نہ گرے گا۔

یہ دونون صورتین ایسی ہین کہ اس علم کے جاننے والے اس سے بہت کام لیتے ہین۔ بہت دفعہ دیکھنے مین آیا ہے کہ اپنے جسم کو سادہ کر اور قوت خیال و وہم کو قائم کرکے لوہے یا تانبے کے باریک تار پر بے تکلف چلتے ہین، یہان تک کہ سائیکل تک کو خاصی رفتار سے تار پر لیجاتے ہین اور گرتے نہین۔

ان دلائل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قسم کی قوتین نفس انسانی مین موجود تو ہین لیکن حالت طبعی یا اسباب جسمانی سے اُنھین کسی نوع کا تعلق نہین بلکہ یہ تمام امور یا قوتین عارضی ہوتی ہین جو مختلف طریقون سے حاصل کی جاتی ہین اور بعض وقت خود بخود پیدا ہو جاتی ہین اور جب بدن انسانی مین اس قسم کی قوتون کا وجود تسلیم ہے تو بدن انسانی کے سوا بھی یہ قوتین دوسرے ابدان و اجسام مین بھی موجود ہونی چاہئین۔ کیونکہ ان کا تعلق جب بدن انسانی مین طبیعت اور اجسام کے اسباب سے نہین ہے بلکہ اسکے خلاف آثار و قویٰ مین تو دوسرے اجسام و ابدان مین بھی اسی نوعیت سے ضرور پائی جانی چاہئین۔ اسلیے یہ کہنا صحیح ہے کہ سحر و طلسمات کی قوت تمام اجسام مین پائی جاتی ہے اور وہ یا تو خود یا کسی دوسری قوت کی اعانت سے اُس سے کام لیتے ہین۔

اُن جانورون پر نظر ڈالو جنکے افعال و حرکات فوق العادت نظر آتے ہین، اور جن سے بازیگر، مداری، بھان متی یا ساحر عجیب و غریب کام لیتے ہین۔ ہر چند کہ جانور خود اس قسم کی قوت حاصل کرنے یا اُس سے کام لینے کی عقل نہین رکھتے کیونکہ اُن کو قدرت نے

جزئیات کا ادراک دیا ہی کلیات کا نہیں، اسیلیے انسان اُن سے اُن کی طبیعت اور اسباب جسمانی کے خلاف کام لیتے اور اُنکو مجری طبعی کے خلاف امور کا خوگر بنا دیتے ہیں، اور پھر یہ قوت ان مین مدت العمر باقی رہتی ہی۔

علم سحر کی یہ صنف نہایت جامع اور وسیع ہی اور ضرورت تھی کہ ہم اسکو ذرا وضاحت سے لکھتے لیکن طوالت کے خیال سے ہم نے اسیقدر پر اکتفا مناسب سمجھا۔

سحر اور طلسمات اپنے آثار اور قوتون کے لحاظ سے بظاہر ایک ہی چیز ہین - فرق صرف اتنا ہی کہ ساحر اپنے فوق العادت امور پیش کرنے اور حیرت انگیز کام دکھانے مین کسی خارجی چیز کا محتاج نہین ہوتا بلکہ جو کچھ کرتا ہی اپنی ذاتی قوت اور مشق وخیال سے، اور طلسمات البتہ خارجی اعانت کا محتاج ہی - ماوراے ازین سحر کے خلاف طلسمات مین اسرار اعداد، روحانیات کواکب، خواص موجودات اور اوضاع افلاک سے بھی مدد لی جاتی ہی، جو صاحب طلسمات کے نزدیک عالم عناصر مین موثر ہین بعض کا خیال ہی کہ سحر ایک روح کا دوسری روح سے متحد ہونے کا نام ہی اور طلسمات مین روح کا اتحاد جسم سے ہوتا ہی جسکی توضیح اُن کے خیال کے بموجب یہ ہی کہ طبائع علویہ سماویہ کا طبائع سفلیہ کے ساتھ متحد و مربوط ہونا طلسمات کا اصل اصول ہی اور اسی وجہ سے صاحب طلسمات اپنے کامون میں ستارون کی گردش اور اُن کی ارواح سے کام لیتا اور اُن کے آثار وطبائع سے اپنے کامون کا نتیجہ حاصل کرتا ہی۔

چونکہ سحر کے افعال وحرکات انسانی نفس کی قوت غیر طبعیہ سے ظہور پذیر ہوتے ہین اور فطرت نوعی اس قسم کی تاثیرات کے خلاف نہین ہوتین، اس لیے وہ افعال اور امور فوق العادت جو خاصان خدا سے ظہور پذیر ہوتے ہین سحر مین داخل نہین ہین - کیونکہ ان امور کا تعلق نہ فطرت نوعی سے ہوتا ہی اور نہ نفس انسانی کی قوت غیر طبعیہ بلکہ ان کا وجود پذیر ہونا قوت الٰہیہ پر موقوف ہی، جو بزرگان مذہب اور منزل من اللہ لوگون مین خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہی اور جس کے ذریعہ سے دنیا کو فوق العادت امور دکھا کر اپنے دعوے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہی - اس قسم کے امور کو جو قوت الٰہیہ کی تائید سے ظہور پذیر ہون معجزہ کہتے ہین اور جو امور فطرت نوعی یا نفس انسانی کی قوت غیر طبعیہ کا نتیجہ ہون اُن کو سحر۔

بعض دفعہ معجزہ اور سحر مین ایک غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہی اور مشکل سے پتہ چلتا ہی کہ یہ معجزہ ہی یا سحر اور یہ صورت اس وقت پیش آتی ہی جبکہ ساحر اپنے ملکۂ خاص یا تعلق روحانیات سے کواکب یا شیاطین یا ارواح خبیثہ سے امداد حاصل کرنے کی قوت حاصل کر لیتا ہی اور اُن کے ذریعہ سے بعض ایسے فوق العادت امور پیش کرتا ہی جو نفس انسانی کی قوت فطری سے بہت کچھ بلند و برتر ہوتے ہین - اسکی شناخت اس طور پر ممکن ہی کہ قوت الٰہیہ کی مدد سے جو معجزہ ظہور پذیر ہوگا وہ عین حقیقت اور واقعہ نفس الامری ہوگا اور سحر اس کے خلاف۔

ابن خلدون مشہور مورخ لکھتا ہی کہ سحر و طلسمات کے تاثیرات نفسانی ہی کے اصناف مین سے ایک اور قسم آنکھ کے ذریعہ سے کسی پر اثر ڈالنا ہی اور یہ بھی ایک خاص مشق و ملکہ ہی جو ساحر حاصل کرتے ہین اور اس قوت یا ملکہ سے معمول پر حیرت انگیز اثر ڈال کر اُس سے عجیب و غریب کام لیتے ہین بعض لوگون کی آنکھون مین فطری طور پر بھی اس قسم کی قوت ہوتی ہی کہ اُن کی نگاہ مقابل یا مخالف یا معمول پر بہت سے فوق العادت اثرات پیدا کرتی ہی - فرق صرف اتنا ہی کہ فطری قوت بے اختیار اثر کرتی ہی اور غیر فطری یا کسبی اختیاری ہوتی ہی

(۲) سیمیا یا اسرار حروف

حاملان علم سحر کی اصطلاح مین سیمیا اُن تصرفات الٰہیہ کا نام ہی

جو مخصوص حروف اسماء حسنیٰ اور کلمات الٰہیہ کے ماتحت عالمِ طبیعت میں ہوتے ہیں یعنی قدرت نے اسماء حسنیٰ اور کلمات مخصوصہ میں کچھ ایسے اسرار و اثرات ودایت رکھے ہیں کہ عالمِ کون یا طبیعت پر اُن کا اثر ہوتا ہے اور وہ حروف جو اسرار ربانی اپنے اندر رکھتے ہیں عالمِ طبیعت میں تصرف کرتے ہیں۔

حروف و کلمات اور اسماء حسنیٰ کے تصرفات میں محققین کا اختلاف ہے بعض لوگ حروف کے مزاج کو فعل تصرف کی حقیقت قرار دیتے ہیں اُن کے نزدیک حروف عناصر کی طرح طبیعت رکھتے اور حسبِ ذیل اقسام پر منقسم ہیں: آتشی - بادی - آبی - خاکی -

ان چار ون طبیعتوں کے مخصوص حروف ہیں جو بہ قاعدۂ ابجد اس طرح منقسم ہیں کہ ابجد کے مسلسل کلمات میں سے پہلا حرف آتشی دوسرا بادی تیسرا آبی اور چوتھا خاکی ہے۔ اسی طرح تمام حروف مسلسل آتشی بادی آبی اور خاکی ہیں۔ اس اعتبار سے آتشی حروف سات ہیں یعنی ابجد کے مسلسل کلمات میں سات حرف آتشی ہیں یعنی ا - ہ - ط - م - ف - ش - ذ - اور سات بادی یعنی ب - و - ی - ن - ص - ت - ظ - اور سات آبی یعنی ج - ز - ک - س - ق - ث - غ - اور سات خاکی یعنی د - ح - ل - ع - ر - خ - ض -

اہلِ سیمیا کے نزدیک حروف اپنے مذکورۂ بالا امزجہ کے لحاظ سے موجودات پر مختلف اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً آتشی حروف سرد امراض کے رفع کرنے اور قوت حرارت زیادہ کرنے میں خاص طور پر مؤثر ہیں آتشی حروف میں قوت حرارت بڑھانے میں مختلف حالتیں ہیں بعض اشیاء میں ان کی قوت حسی اعتبار سے اثر کرتی ہے اور بعض چیزوں میں حرارت حسی پیدا نہیں کرتی بلکہ حرارت کا مفہوم یا حکم پیدا کرتی ہے۔ غیر حسی حرارت کی مثال ستارۂ مریخ کا اثر ہے یعنی جس حرف سے مریخ کو نسبت طبعی ہوگی اُس کا اثر یہ ہوگا کہ جنگی کاموں اور قتل و غارت گری میں اُس سے مدد ملے گی۔ اسی طرح آبی حروف گرم امراض (بخار وغیرہ) کے دفع کرنے اور سرد قوتوں کو تقویت دینے میں خاص طور پر اثر رکھتے ہیں

بعض کے نزدیک حروف کے تصرفات عددی نسبت کے اعتبار سے ہیں یعنی حروف کے اعداد احاد عشرات اور مآت وغیرہ میں اگر باہم ایک قسم کی نسبت ہو تو اُن کا اثر قوی ہوگا اور اگر حروف کے اعداد کی نسبت باہم مختلف ہو تو اثر کمزور۔ مثلاً حرف ب کے عدد دو ہیں اور کاف کے ۲۰ اور راء کے ۲۰۰ یہ تینوں حرف احاد عشرات اور مآت میں باہم دو کی نسبت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مذکورۂ بالا حروف اور دال میم اور تاء میں (کہ باہم چار کی نسبت رکھتے ہیں) نصف اور ضعف یعنی آدھے اور دو گنے کی نسبت ہے۔

حروف کے امزجہ طبائع نسبت عددی اور حروف کے ذاتی خصائص و آثار چونکہ بظاہر عسیر الفہم ہیں اور کسی خاص فن یا علم سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ذوق و کشف پر مبنی ہیں اس لیے اُن کے متعلق کوئی خاص قاعدہ وضع نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ عاملانِ علم سحر وغیرہ نے اپنی تحقیقات اور ذوق و کشف سے جو جزئیات پیدا کی اور اُن کے متعلق مخصوص قواعد ضبط کیے ہیں اُنھیں پر قیاس کر کے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

(۳) سوالات کے جوابات نکالنا

سحر کی یہ نوع سیمیا کی ایک فرع ہے جسکو اصطلاح سحر میں زائچہ کہتے ہیں۔ اس سے مجاہدہ طاعت عبادت محبت اور تعشق وغیرہ امور متعلق ہیں اور حروف کے ذریعہ سے سوالات ضمیر وغیرہ بتائے جاتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں اسکے متعلق ایک طویل بحث کی ہے اور اُسکے قواعد و اصول کو شرح بیان کیا ہے جس کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(۴) رمل

سحر کی اقسام میں رمل کو ہر زمانہ میں عظمت واقتدار حاصل رہا ہے اسکی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابتداءً رمل یعنی ریت پر نقوش و خطوط انگلی سے کھینچ کر زائچہ بنایا جاتا تھا۔ لیکن علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ یہ قاعدہ ترک کرنا پڑا اور پتوں کاغذوں وغیرہ پر خطوط و نقوش بنا کر اشکال حاصل کی گئیں اور اب تو اس نے اتنی ترقی حاصل کی ہے کہ پانسہ یا قرعہ پھینک کر اشکال قائم کر لیتے ہیں۔

سب سے پہلے اس سے اس طرح کام لیا گیا کہ ایک سانس میں نقطوں کی چار سطریں بغیر شمار کے قائم کی گئیں اور انکو دو پر تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ نہ بچا تو خط زوج (—) اور اگر ایک نقطہ باقی رہا تو خط فرد (..) قائم کیا گیا۔ اسی دستور پر چاروں سطروں سے ایک شکل چار مرتبہ کی بنائی گئی۔ اسی طرح نقطوں کی سولہ سطروں سے چار شکلیں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان چار شکلوں سے چار شکلیں اور پھر آٹھوں کے امتزاج سے چار اور اسی طرح سولہ شکلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ ان سولہ شکلوں میں ان کے خیال کے مطابق بارہ شکلیں بارہ برج کے اعتبار سے اور چار اوتاد فلک کے لحاظ سے ۔کل سولہ شکلوں سے نتیجہ سوال حاصل کیا جاتا ہے جنکی طبیعت مرتب باہمی نسبت اور تعلق بروج وستارگان سے عالم عناصر وموجودات پر احکام لگائے جاتے ہیں۔

علم نجوم رمل ہی کے قاعدوں سے مستنبط ہوا ہے۔ فرق دونوں میں صرف اسقدر ہے کہ نجوم اوضاع طبیعت سے منسوب ہے اور رمل اتفاقات سے متعلق۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رمل اسرار نبوت قدیمہ سے ہے جس کو حضرت ادریس اور حضرت دانیال علیہم السلام نے ایجاد کیا یا اس سے زیادہ تر کام لیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نسبت کسی معتبر تاریخی ثبوت اور شہادت سے بالکل خالی اور دلائل عقل سے معرا ہے پہلے کہ نبوت اس قسم کے علوم سے کام لینے کی محتاج نہیں ہے۔ بلکہ نبی قوت الٰہیہ کے ذریعے سے امور عجیب اور اسرار خفیہ کا اظہار کرتا اور معجزہ پیش کرتا ہے۔

رمل اور نجوم کے ذریعہ سے امور غیب اور ضمائر انسانی وغیرہ کا حال معلوم کیا جاتا اور مخفی چیزوں کا پتہ بتایا جاتا ہے اور ہمیں ان سے بہت سے کام لیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اطبائے متقدمین ومتاخرین نے تو امراض کی تشخیص اور ادویات کی تجویز میں بھی ان سے مدد لی ہے۔

(۵) حساب نیم

ارسطو نے اپنی کتاب سیاست میں اس علم کا نہایت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے اور اسکو علوم سحر کی اصناف میں قرار دیا ہے۔ اس سے غالب ومغلوب کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم نہ روحانیات سے تعلق رکھتا ہے اور نہ تاثیرات نجوم سے۔ اور نہ ظن وتخمینہ سے ہے کسی خاص قسم کی نسبت ہے بلکہ یہ صرف ایک حساب ہے جس سے بادشاہوں اور دشمنوں کے باہم غالب ومغلوب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے کام لینے کا قاعدہ یہ ہے کہ بہ قاعدۂ جمل حریفین کے نام کے حروف کے اعداد علیحدہ علیحدہ جمع کیے جائیں اور انکو علیحدہ علیحدہ نو پر تقسیم کر دیا جائے۔ تقسیم کرنے کے بعد اگر دونوں نام کے بقیہ اعداد کم وبیش ہیں اور دونوں بحیثیت زوج یا فرد متحد ہیں تو جس کے نام کے اعداد کم ہیں وہ غالب رہے گا اور اگر ایک کے بقیہ اعداد زوج ہیں اور دوسرے کے فرد تو جس کے اعداد زیادہ ہیں وہ غالب ہے اور اگر تقسیم کے بعد دونوں عدد برابر ہیں اور زوج ہیں تو مطلوب غالب ہوگا اور اگر دونوں فرد ہیں تو طالب غالب۔

مذکورۂ بالا قاعدۂ تقسیم کے علاوہ اور بھی کچھ شرائط واقسام ہیں جن کا بیشتر حصہ عموماً انہیں اقسام میں اضافہ کرنے کے بعد حاصل ہوا ہے۔

یوں تو سحر کے جاننے والے اور اس علم کے عالم کامل ہر زمانہ اور ہر ملک میں رہے ہیں لیکن عرب میں اسلام سے پہلے سحر کا بہت زور تھا یہاں تک کہ بعض کامل الفن ساحروں نے اپنی قوت سحر کے بھروسہ پر نبوت تک کا دعویٰ کیا ہے جن میں سے اُنکی کاہن، بدیۃ الابرص، ابن الصیاد، سواد بن قارب، اسود عنسی، عامر بن عبداللہ، مسیلمہ کذاب، سجاح، طلیحہ اسدی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض ظہور اسلام کے بعد بھی موجود تھے۔

مسلمانوں میں علم سحر اور کیمیا کے عالموں میں جابر بن حیان بہت بڑا شخص گذرا ہے اس کے بعد مسلمہ بن احمد مجریطی، امام بونی، ابن عربی، احمد بن علی، ابو شعرانی، ابو العباس نمری، صلاح الدین صفدی، بسطامی، احمد جویری وغیرہ ساتویں صدی ہجری تک کے بہترین عالمان سحر تھے۔

علوم سحر کی قدیم کتب کا ذخیرہ اب بہت کم ملتا ہے۔ البتہ نایاب قلمی کتاب کا ایک قابل قدر ذخیرہ مصر کے مشہور خدیوی کتبخانہ میں اس وقت تک موجود ہے۔

آغا رفیق (بلندشہری)

(قدیم ہندوؤں کا نظریۂ جراثیم)

ہندوؤں کی تمام معلومات اور اُن کے علمی حقائق اس درجہ مذہب کے رنگ میں رنگے ہوے ہیں کہ بہت کم لوگ جو ان کی مذہبی کتابوں سے واقفیت تامہ نہیں رکھتے اس بات کا یقین کرسکتے ہیں کہ انھوں نے سوائے فلسفہ اور روحانیات کے کسی اور شعبۂ علم میں کمال حاصل کیا تھا باوجود اس کے یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ان کی کتب مقدسہ میں اکثر ایسی باتوں کا ذکر اشارۃً یا کنایۃً موجود ہے جنھیں لوگ بالعموم زمانۂ حال کی دریافت قرار دیتے ہیں اور جن کی ایجاد کا اہل مغرب کو فخر حاصل ہے عملی طور پر اس ایجاد کی صدہا مثالیں موجود ہیں مثلاً آلات پرواز یا ہوائی جہاز جن کو ایک تازہ ایجاد سمجھا جاتا ہے "بوان" کی صورت میں نہایت قدیم زمانہ میں ہندوستان میں موجود تھے۔ جراحی کے صدہا نکات جن پر آج مغربی طب کو فخر و ناز ہے آیورویدکا جزو بن چکے تھے۔ اسکنڈنیویا (Scandinavia) (اسکند نبھیکا) آئرلینڈ (آریہ نندم) فلسطین (پالستان) وغیرہ ملکوں کے ناموں کی ترکیب ظاہر کرتی ہے کہ قدیم آریہ ہندوؤں کی جغرافیائی معلومات منتہائے کمال کو پہنچ چکی تھیں اور ریاضی اور علم ہندسہ تو اُن کی اپنی ایجاد تھی۔ لیکن یہ اور اسی قسم کی اور دریافتیں اپنے نیم مذہبی رنگ میں اسقدر چھپی ہوئی ہیں کہ اکثر ناواقف لوگ انھیں فرضی روایات سمجھ کر ہنسی میں اُڑا دیتے ہیں۔

بیکٹریالوجی یا علم جراثیم کی نسبت زمانۂ موجودہ کے واقف حال لوگوں کا عام خیال یہ ہے کہ وہ علمائے فرنگ کی ایک دریافت ہے اور اُنھیں نے گذشتہ صدی میں اس کی نسبت تحقیقات کی ہے یہ دعوے اس حد تک تو بالکل صحیح ہے کہ یورپ کے سائنس دانوں نے اپنے تجربات اور تحقیقات کی بدولت اسے علم طب کی ایک اہم شاخ بنا دیا ہے۔ مگر یہ بیان کہ اس علم کی ابتدا مغرب میں ہوئی سراسر واقعات کے خلاف ہے کیونکہ حقیقت میں علم جراثیم آج سے صدیوں پیشتر ہمارے اسلاف میں موجود تھا اور ویدوں میں جابجا اشارۃً اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

یجروید میں ایک جگہ آیا ہے "یہ جاندار خوراک اور پانی کے رستہ بدن میں داخل ہوکر امراض پیدا کرتے ہیں"۔ یہ دریافت وہی ہے جس پر محققان فرنگ کو ناز ہے مگر حقیقت میں وہ صدیوں پہلے ہمارے اسلاف میں

موجود تھی ۔

اسی طرح اتھروید میں آیا ہے "ہم اسکو اور "ویدہوار" قسم کے جراثیم کو جو معدہ، سر اور ہڈیوں میں پائے جاتے ہیں تلف کرتے ہیں"

کیا ان منتروں سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ قدیم آریہ ہندو جراثیم کے وجود سے بے خبر نہ تھے ؟ فی الحقیقت ان میں مختلف قسم کے جراثیم کے لیے مختلف نام موجود تھے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے ۔

سطور بالا میں ایک قسم کے جراثیم کا نام "ویدہور" لکھا گیا ہے سنسکرت ترکیب سے اس لفظ کے معنی یوں ہو سکتے ہیں ۔

ویدہور = وی + ادھور

وی = مخالفت

ادھور = یگیہ

یعنی وہ جو یگیہ کا مخالف ہو ۔ یہ لفظ اس قسم کے جراثیم کے لیے مخصوص تھا جو ان مقامات میں پیدا ہوتے تھے جہاں یگیہ نہ ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ یگیہ کی بدولت صدہا قسم کے مہلک جراثیم تلف ہو جاتے ہیں ۔ ایک اور معنی اس لفظ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں ۔

وی = مخالف

ا = حرف انکاری

دھور = مارنا

گویا مراد ان جراثیم سے لی جاتی تھی جو ان مقامات میں نہ پائے جاتے ہوں جہاں مارنے کا عمل نہ ہوتا ہو ۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کا وجود صرف قدیم سے مخصوص تھا اور وہ شہری میں موجود نہ ہوتے تھے ۔

اتھروید میں بعض اور جراثیم کا ذکر ان لفظوں میں موجود ہے "نظر آنے اور نظر نہ آنے والے "کرورو" "الگنڈو" اور "شتن" جراثیم تلف کیے جا سکتے ہیں"

ان کے علاوہ ایک اور قسم "اورہ" کے نام سے بیان کی گئی ہے جن کی نسبت ایک شلوک میں مذکور ہے کہ "وہ زمین پر کرۂ ہوائی میں اور آسمان پر رہتے ہیں ۔ ہوا ان کی خوراک ہے اور بارش ان کے تیر ہیں" مدعا یہ ہے کہ وہ ہر جگہ موجود رہتے ہیں ۔

ایک منتر میں لکھا گیا ہے "نیل گریوا اور شت کنٹھ شرو قسم کے جراثیم وسیع سمندروں میں رہتے ہیں اور کرۂ ہوائی میں اور زمین پر بھی پائے جاتے ہیں ۔ وہ آکاش پر اور درختوں میں ملتے ہیں ۔

اورہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک وہ جن کی گردن نیلی ہو اور ایک جگہ گردن سفید ہو ۔ اصطلاح میں ان کے نام نیل کنٹھ اور شت کنٹھ مشہور ہیں ۔

شرو سے مراد مارنے والے سے ہے ۔ شرو قسم کے جراثیم وہ سمجھے جاتے تھے جو حیوانات کو مارنے والے ہوں ۔ ذیل میں مختلف جراثیم کے نام مع اُن کی تشریحی کیفیت کے درج کیے جاتے ہیں ۔

(۱) رودر - جس کی بدولت آنسو بہنے لگیں ۔
(۲) شرو مارنے والا ۔
(۳) وکھشینک - کمزوری پیدا کرنے والا
(۴) بھیم - خوفناک
(۵) پربھو - بہت جلد بڑھنے والا
(۶) کھیچر - آسمان میں رہنے والا
(۷) گوچر - زمین پر رہنے والا
(۸) نکتنچر - رات کو گھومنے والا
(۹) گھور - خوف پیدا کرنے والا
(۱۰) یگیہ دہن - جو یگیہ سے مارے جا سکیں
(۱۱) ویدھر - جو یگیہ کے مخالف ہوں
(۱۲) کام ناشک - قوت مردانہ کو ضائع کرنے والے
(۱۳) بل دھن - طاقت کم کرنے والے

(۱۴) خنچاری = زمین پر گھومنے والے
(۱۵) نشاچر = رات کو گھومنے والے
(۱۶) اناد = ہڈیان پیدا کرنے والے
(۱۷) کال
(۱۸) ننتتا
(۱۹) ...
(۲۰) ...جیو
} جانوروں کے لیے مہلک۔

ان کو تلف کرنے کا بہترین طریقہ قدیم ہندوؤں کے نزدیک اگنی کا تھا اور یہی باعث ہے کہ ان کی مذہبی کتابوں میں جا بجا اگنی کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ چنانچہ اتھرووید ... : ۱۰ ۱ میں مذکور ہے۔

"اے مریض میں تیرے امراض معلوم و غیر معلوم کو ... کے ذریعہ سے دور کرتا ہوں اگر مرض دیرینہ ہو تو وہ اندر ... اگنی کے ذریعہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اگر مہلک ہو تو کم درد ناک اور کم تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بدن کے اندر ہو تو سوریہ کرنے سے دور ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص لب مرگ بھی ہو تو اسکا علاج اندر، برق، اگنی، سورج وغیرہ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور جگہ مذکور ہے۔

سورج اپنے طلوع و غروب کی کرنوں سے چھوٹے چھوٹے جانداروں کو تلف کرتا ہے۔ یہ جاندار زمین اور آسمان پر رہتے ہیں اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کی چار آنکھیں ہوتی ہیں بعض سفید ہوتے ہیں بعض سرخ و علیٰ ہذا القیاس۔ میں ان سب کو تلف کرتا ہوں۔ بعض کی دو شاخیں ہوتی ہیں جن سے وہ حیوانات کو کاٹتے ہیں۔ بعض میں زہر کی ایک تھیلی ہوتی ہے۔

اس منتر میں بیان کیا گیا ہے کہ امراض پیدا کرنے والے جاندار سورج کی شعاعوں سے تلف ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے سورج اور اگنی کی تاثیر یکساں ہے۔ ویدوں میں جراثیم کو تلف کرنے والی طاقتیں تین قرار دی گئی ہیں۔

(۱) زمین پر اگنی (آگ)
(۲) کرۂ ہوائی میں ودیت (برق)
(۳) آکاش پر سورج۔

کم و بیش یہی خیال موجودہ یورپین سائنس دانوں کا ہے۔

ویدوں میں اور بہت سے منتر اس قسم کے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ کے ہندو جراثیم کی ہستی سے بے خبر نہ تھے۔ لیکن ان سب پر بحث کرنا کسی ایسے شخص کا کام ہے جو علم جراثیم کا ماہر ہونے کے علاوہ ویدوں کا بھی فاضل ہو۔

تیرتھ رام

روح انسانی

(حسب فلاسفہ و علمائے فرنگ)

قدیم الایام میں خیال کیا جاتا تھا کہ انسان کی روح ایک قسم کا لطیف مادہ ہے۔ جو تعلق ہوا کو ٹھوس مادہ کے ساتھ ہے اسی طور کا تعلق روح کو ہوا کے ساتھ ہے۔ یہ سیال اور لطیف مادہ جسم کے کل اعضا میں ساری ہے۔ مادہ گو جسم میں ہر جگہ موجود ہے پھر بھی ایک جدا ہستی ہے۔ ممکن ہے کہ موت کے بعد یہ سیال مادہ بھاپ کی شکل میں دکھائی دے، بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ عین حیات بھی بوقت خواب یا بیہوشی ہو سکتا ہے کہ یہ بخاری روح جسم سے عارضی طور پر جدا ہو اور مختلف مقامات پر لوگوں کو نظر آئے۔

افلاطون نے جس کو اعظم الفلاسفہ یونان قدیم کہنا بیجا نہ ہوگا،



امجد الشعرا خان بہادر اعتماد الملک مولوی سید احمد حسن صاحب [illegible]

اس بحث میں روح کے تصور کی تردید کی۔ اُس نے بیان کیا کہ روح اشیائے مادّی سے بالکل متغائر ہے، البتہ عقل اُسکے ادراک پر قادر ہے۔ جسم کی پیدائش سے بھی پیشتر روح کا وجود پایا جاتا ہے اور موت کے بعد موجود رہے گی۔

ارسطاطالیس، ارشد تلامذۂ افلاطون نے "روح" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی جس کو بالعموم علم النفس کا سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے مروّجہ تصوّراتِ روح کو باطل کرکے دعویٰ کیا کہ روح افعال اعضائے رئیسہ کا مجموعہ ہے۔ اُسکی توجہ اُن خصائص کی جانب مرکوز ہوئی جو حیوانات کو اشیاء غیر متحرک سے تفریق کرتی ہیں چنانچہ اُسکے نزدیک کسی موجود میں روح کا وجود سمجھنا بالکل یہی ہے کہ اُس موجود میں اُن خصائص میں سے بعض یا کُل کا اظہار پایا جائے۔ اُس نے کہا کہ میں اس امر میں کوئی مستقل رائے نہیں دے سکتا کہ ان افعال اعضائے رئیسہ کی علتِ فاعلی کسی ایسے متمائز وجود کو قرار دینا چاہیے یا نہیں جو بعد موت بھی باقی رہے گا۔

ازمنۂ وُسطیٰ کے درمیان، حکماء کے مابین، روح اور اُسکے افعال میں بحث جاری رہی جس رائے نے اُس وقت سب سے زیادہ مرتبۂ قبول پایا وہ افلاطون اور ارسطاطالیس کے ظنیات کا مجموعہ تھی۔ اس رائے کے بموجب روحِ انسانی غیر مادّی ہے اور جسمانی موت کے بعد اُسکا وجود مع افعال کے ممکن ہے۔ اس رائے کے رواج کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ روح کے افعال عقلی کی جانب بالعموم توجہ ہوئی اور افعال روحی متعلق بجسم کا بہت خیال نہیں کیا گیا جن پر ارسطو نے زیادہ زور دیا تھا اور جن کو اُس نے وجود روح کے اظہار کا خاص ذریعہ سمجھا تھا کیونکہ افعال مؤخر الذکر کے وجود سے گویا روح اور جسم کا اختلاط لازم آتا تھا۔ رائے مذکورہ کو سترھوین صدی عیسوی میں، فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ نے حدِّ کمال کو پہنچا دیا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ حیوانون بلکہ خود انسانوں کے اجسام اور دیگر اشیائے مادّی میں، بلحاظ جسمیت، کوئی خاص فرق نہیں بجز اسکے کہ یہ اجسام بمقابل دیگر اشیاء کے اپنی ساخت میں زیادہ پیچیدہ ہیں۔ پس اُن کے افعال کی تشریح مثل دیگر پیچیدہ کلون کے اصول حرکیّہ[ط] سے کی جا سکتی ہے۔ ان کُل اجسام کے درمیان صرف انسانی جسم میں روح کا وجود پایا جاتا ہے، اور قوت ارادی و قوت خیال ہی کے افعال بالخصوص اس روح کے زیرِ حکم ہیں۔

چونکہ اس زمانہ میں علوم تجربیّہ کی معلومات میں بہت سے عجیب عجیب اضافے ہوئے لہذا اس علم الحرکات والے ظنیہ کی جانب لوگون کا رجحان زیادہ ہوتا گیا حتیٰ کہ وہ خیال کرنے لگے کہ جب حیوانات کلون سے اسقدر مشابہ ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کو بھی محض ایک پیچیدہ کل نہ سمجھا جائے، روح داخلِ موہومات ہے جسکے وجود پر پادری صاحبان صرف اس لیے اصرار کرتے ہیں کہ عوام کو عذاب آخرت کے تصور سے ڈرا کر اپنے قبضہ میں رکھ سکیں۔ اس قسم کے خیالات پر ڈیکارٹ کا فلسفہ ع سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سترھوین اور اٹھارھوین صدی میں مادّیت عام طور پر پھیل گئی۔ اکثر وہ حکماء جو وجود روح کے قائل تھے، مثل جان لاک، الہام کا سہارا پکڑتے تھے، اور بعض مثل بشپ برکلے کی طرح جملہ اشیاء کی مادّیت سے انکار کرتے تھے، اور تمام چیزون کو فقط احساسات کا مجموعہ خیال کرکے اُن کے وجود کو روح کے وجود پر منحصر مانتے تھے۔ ان سب سے الگ اسکاٹ لینڈ کے متشکک ڈیوڈ ہیوم کا مذہب تھا۔ اُسکا دعویٰ یہ تھا کہ روح کا وجود نہ کبھی ثابت ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، یہ محض ایک روایت ہے جسکو لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لیا ہے۔ اس شخص نے برکلے اور دیگر متانہین کے مسائل پر نہایت بیباکی سے اعتراض

ط mechanical principles علم الحرکات یا علم الآلات کے اصول۔

وارد کیے اور اپنے عندیے میں وجود روح وغیرہ کے تصور کا قطعاً استیصال کر دیا۔

پس اٹھارویں صدی کے اواخر میں دو ہی صورتیں تھیں، یا تو آدمی مادیین کا ہمزبان ہو اور یا متشکک بن جائے یعنی یا تو روح و روحانیات کو محض افسانہ جانے اور یا ہمت ہار کر اقرار کرے کہ عالم سراسر ایک معما ہے جس کے حل پر عقل انسانی کچھ قدرت نہیں رکھتی۔ اس وقت عمانویل کینٹ خاک زمین سے اٹھا اور کوشاں ہوا کہ اہل عالم کو مذکورہ بالا ہر دو شقوں سے آزاد کرے، چنانچہ اس نے ایک نیا مذہب جاری کیا۔ اشیاء مادیہ کے احساس میں ہم کو فقط صُوَر کا علم ہوتا ہے اور ہمارے تمام تصورات عالم جسمانی پر خود ہمارے ذہن کا اثر پڑتا ہے جس کو ہم عالم قدرت یا عالم اجسام کہتے ہیں وہ کسی حقیقت کی صرف ایک صورت ہے جو ہم کو محسوس ہوتی ہے اور اس حقیقت تک ہماری عقلوں کی رسائی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ان صُوَر یا محسوسات پر ہمارے ذہنوں کی ساخت کا اثر پڑتا ہے۔ قوانین جسمانیات مثل قانون علت و معلول وغیرہ اور مکان، جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اُن کو دنیا کے اندر دریافت کیا، وہ فی الحقیقت ہمارے ذہنوں کی کیفیت کے مظہر ہیں نہ کہ اُس ماہیت کے جو ہم کو بشکل عالم مادی محسوس ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے بیان کیا کہ ہم پر اپنے ذہنوں کی ماہیت بھی مجہول ہے کیونکہ وہ ہمارے مشاہدہ سے خارج ہے؛ براہ راست ہم کو فقط کیفیات ذہنی کا علم ہوتا ہے۔ اگرچہ طرق علوم تجربیہ سے ہم روح کے وجود کو ثابت نہ کر سکیں یا اُس کی ماہیت کے بیان میں قاصر رہیں، لیکن اگر ہم اپنی اخلاقی فطرت میں غور کریں تو ہم کو غیر متزلزل یقین ہو جائے گا کہ روح انسانی ایک وجود غیر فانی ہے جو ہمارے حاسات سے محسوس نہیں ہو سکتی۔

حکمائے مابعد نے بیشتر کینٹ کے اس اہم مسئلہ کو تسلیم کر لیا کہ ہم کو عالم اجسام کی فقط صُوَر ہی کا علم ہوتا ہے، لیکن اُسکے استدلال سے اُن کو وجود روح کا تیقن نہ ہوا۔ روح کے وجود اور اس کی فطرت کی تشریح میں بعد کو مختلف فلسفیوں نے سعی بلیغ کی لیکن اُن کے مسائل ظنیات نے علماء کے درمیان قبول و فروغ نہ پایا۔

الیس۔ ڈبلیو۔ بٹلر

اعتبارالملک جناب مضطر (خیرآبادی)

اقلیم شاعری کی دنیا میں جناب مضطر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کے مختلف عاشقانہ اشعار لوگوں کو یاد ہیں۔ آپ کی طبیعت کی روانی اور زُود گوئی بھی حد کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ کلام میں عاشقانہ رنگ کے ساتھ تصوف کی جھلک بھی موجود ہے اور یہ تصوف مذاق خاندانی ہے۔ اول تو آپ سید رضوی ہیں دوسرے یہ کہ آپ کے آباؤ اجداد عارف اور صوفی گذرے ہیں جو زہد و ریاضت میں ساری عمریں گذار دی ہیں اور درویشانہ کمالات و خرق عادات کا ظہور ہوا کیا۔ جد آپ کے پردادا حضرت سید معشوق علی صاحب قدس سرہ عارف کامل تھے۔ ان کے زہد و عرفان کی روایات مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا حافظ سید احمد حسین ہے اور رسوا تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے دادا کا نام مولانا سید تفضل حسین خان صاحب ہے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا حافظ سید محمد حسین صاحب بسمل تھے۔ حضرت بسمل کی شاعری کا ہر سخن شناس معترف و مداح تھا۔ حضرت بسمل نواب صاحب بہادر ٹونک کے اُستاد تھے۔ حضرت مضطر کا قیام ٹونک میں حضرت بسمل ہی کے زمانہ سے تھا اور موجودہ خطاب (افتخار الشعراء اعتبارالملک خان بہادر اقتدار جنگ) بھی دربار ٹونک ہی سے ملا ہے اور وہی درجہ جو آپ کے برادر معظم حضرت بسمل کو دربار میں تھا آپ کو حاصل ہوا۔

مشہور زمانہ شمس العلماء مولانا محمد عبدالحق صاحب (خیرآبادی) آپکے

مامون تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ محقق فارغ التحصیل فاضلہ ہی نہ تھین بلکہ شاعرۂ بے بدل بھی تھین۔

جناب مضطر کی ولادت ۱۲۸۲ھ مین ہوئی اور عربی فارسی کی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے پائی۔ مرحومہ بڑی ادیبہ تھین اور عربی فارسی قصاید اُن کی تصنیفات مین موجود ہین۔ جناب مضطر نے شاعری مین اپنی والدہ ماجدہ ہی سے اصلاح لی۔ اُنھون نے گیارہ برس کے سن مین جو پہلی غزل لکھی اُس کا مطلع حسب ذیل ہے ؎

ڈھونڈھتے ہم کیون دوا درد دل   تم اگر ہوتے بجاے درد دل

اس مطلع کی اصلاح آپ کی والدہ نے اس طرح فرمائی ؎

ڈھونڈھتے ہم کیون دوائے درد دل   کاش تم ہوتے بجاے درد دل

پھر آپ نے اپنی ایک غزل حضرت امیر مینائی کے پاس بغرض اصلاح بھیجی۔ اس غزل کا مطلع تھا ؎

داغ ہین سیکڑون نہان اس مین   طرفہ پھولا ہے گلستان دل مین

حضرت امیر نے مصرعۂ اول کو یون بنایا

سیکڑون داغ ہین نہان دل مین

جناب مضطر نے پھر ایک اور غزل بھیجی جناب امیر نے غزل واپس بھیجکر ارقام فرمایا کہ "آپ کے کلام کو اصلاح کی حاجت نہیں اور جو کچھ دخل دیا گیا وہ استحسانا۔ تم فقیر امیر کا نام روشن کرو گے"

ریاست ٹونک سے جناب مضطر کا تعلق بہت قدیم ہے۔ آپ کے دادا سفیر ریاست تھے۔ نواب صاحب بہادر ٹونک نے ۱۸۹۳ء مین جناب مضطر کو اودے پور میواڑ کا وکیل مقرر فرمایا اسکے بعد صدر پولٹیکل محکمہ رہے پھر منصب اُستادی نواب صاحب پر فائز ہوے۔ یہ اعزاز حضرت بسمل کی وفات کے بعد حاصل ہوا۔ جناب مضطر نے نظامت نمیاہیڑہ کی خدمت بھی بہت خوبی سے ادا کی اور آپ کے نظم و نسق کا اعتراف کیا گیا۔ ریاست کے عہدۂ سول ججی پر بھی مامور رہے۔ پھر بعض وجوہ سے آپ کا تعلق ریاست گوالیار سے ہوگیا اور وہان بھی معزز عہدہ پر فائز ہوئے۔ الغرض ہر قسم کا اعزاز آپ کو حاصل ہوا اور اسکی اسناد بھی منجانب ریاست ملین۔

آپ کے سوانحی حالات طویل کو بالاختصار بیان کرنے کے بعد اب آپکی شاعری کا مختصر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

رنگ تغزل مین جناب مضطر کی بعض غزلین بہت مشہور ہوچکی ہین بعض اشعار مین داغ کا رنگ پایا جاتا ہے مثلاً ذیل کے اشعار مین داغ ہی کے کلام کا لطف حاصل ہوتا ہے ؎

علاج درد دل تم سے مسیحا ہو نہین سکتا   تم اچھا کر نہین سکتے مین اچھا ہو نہین سکتا

تمھین چاہون تمھارے چاہنے والون کو بھی چاہون   مرا دل پھیر دو مجھسے یہ جھگڑا ہو نہین سکتا

دم آخر مری بالین پہ مجمع ہے حسینون کا   پھر آنا ائے قضا اسوقت پردا ہو نہین سکتا

اُسنے یہ کہکے پس وصل پشیمان کیا   واہ وا آپنے اچھا مجھے حیران کیا

کیون خفا ہوتے ہو چاہو تو تلاشی لے لو   دوسرا دل ہو مرے پاس تو قربان کیا

ہے انکے سوا کون متاع دل و دین کا   وہ آپ ہی مالک ہین سب کچھ انھین کا

جب نزقت قصد مٹا ہوجاتی تو اچھا تھا   کسی پر جان بھی قربان ہو جاتی تو اچھا تھا

لگا کر ٹھوکرین کہتے ہین وہ گور غریبان پر   یہ بستی اور بھی ویران ہو جاتی تو اچھا تھا

ذیل کے شعر مین معشوق کے ترک ستم کو عجب خوبی سے ظاہر کیا ہے معشوق کی ستم شعاری میں بھی ایک شان محبت وفا پیدا کی ہے یعنی ہم پر معشوق کو ستم کرنے مین ایسا لطف ملتا تھا کہ پھر ہمارے بعد کسی پر ظلم ہی نہین کیا یہ اس لیے کہ ایسا ستم دوست اسکو کوئی نہ ملا اور گویا ہم نے مرکے معشوق کو بارحم بنا دیا یعنے۔

ستم کی خو نہ رہی شیوۂ جفا نہ رہا   مجھے مٹا کے انھین کوئی حوصلہ نہ رہا

ذیل کے شعر مین بعد مرگ حسرت وصال کو بہت ہی اثر انداز طریقہ سے بیان کیا ہے۔ مدفن و دامن کا قافیہ آپکے حصّے کا ہے۔ باقی اشعار بھی بہت بامزہ ہین ۔

گذر اسوقت ہوا ہے سر مدفن اُن کا
اتنولے دستِ طلب چھوڑ نہ دامن اُنکا

یا الٰہی یہ تمنا ہے کہ روزِ محشر
لب پہ ہو نام ترا ہاتھ مین دامن اُنکا

کھُل پڑا دل جو ہما تو اُٹھانے کے لیے
خاک پر چھُوٹ گیا گوشۂ دامن اُنکا

حق رسم محبت کا کچھ نہ یہ ادا کرنا
رہ رہ کے ستم کرنا تھم تھم کے جفا کرنا

اے عمر نہ ہوجانا ختم اُسکی جدائی مین
جبتک وہ جفا برتے تو مجھ سے وفا کرنا

ان دونون اشعار مین آخری شعر اے عمر نہ ہوجانا الخ مین عشق جفاے یار کو کتنا عزیز ثابت کیا ہے اور حد کیسی اچھی قائم کی ہے کہ جب تک وہ مجھ پر جفا کرے اے عمر تو مجھ سے وفا کرنا یعنی مجھ کو زندہ رکھنا ۔ سے

دعا سے کچھ نہوا التجا سے کچھ نہ ہوا
بتون کے عشق مین یادِ خدا سے کچھ نہوا

مذکورۂ بالا شعر محض عاشقانہ ہی نہین ہے بلکہ سچّا واقعہ بیان کیا ہے یعنی ہم نے بتون کے عشق مین جو یادِ خدا کی وہ بالکل رائگان گئی خدا کی یاد مین ترک ماسوا کامل طور پر نہو تو خلوص تو ضرور ہو ورنہ دعا اور التجا بیکار ہے ۔ سے

مُہرین لگی ہوئی ہین خطِ سرنوشت پر
پیشانیون پہ داغ تری آستان کے ہین

ذیل کے شعر کی شوخی ملاحظہ ہو ۔ مصرعۂ ثانی مین اہلِ وفا کا خوف معشوق کی زبان سے کس طنزیہ لہجہ مین بیان کر گئے ہین ۔ سے

کون نکلا یہ مری پاس سے کہہ کر مضطر
ان سے اللہ بچائے جو وفا کرتے ہین

ذیل کا یہ شعر بھی خاص لطف رکھتا ہے۔ گو خود عشق یار مین گم ہون مگر میرا تعلق دوست سے اسقدر گہرا اور مشہور عام ہے کہ معشوق کو دیکھکر فوراً ہی لوگ یہ کہہ اُٹھتے ہین کہ یہ معشوق مضطر کے ہین ۔ بہت اچھا رنگ تغزل اور حسن و عشق کے تعلقات کا اعلےٰ نمونہ ہے ۔ سے

تمھارے نام سے سب لوگ مجھکو جانتے ہین
مین وہ کھوئی ہوئی اک چیز ہون جسکا نام تم ہو

مرتے دم یادِ بتان جائے مری جان کے ساتھ
میرا اللہ اُٹھائے مجھے ایمان کے ساتھ

جناب مضطر کا ذیل کا شعر بھی قابلِ داد ہے۔ چارہ گر سے بدگمانی اور رقابت نئے رنگ سے ظاہر کی ہے ۔ کہتے ہین کہ میرے معشوق کو دیکھکر جو میرے علاج کو آیا ہے یعنی اسیر عاشق ہوچکا ہے اسلیے مین اُسکا علاج نہین کرانا چاہتا مجھے خوف جان ہے ۔ سے

دیا ہے اُنکو دیکھ کے میرے علاج کو
اب اور کچھ گمان مجھے چارہ گر سے ہے

ذیل کے دونون شعرون مین دوسرا شعر حد درجہ لطف انگیز ہے۔ جدائی مین کثرت یاس یا نا اُمیدیِ وصل سے راحت و سکون پیدا ہونا خبر بابت فطرت مین داخل ہے۔ جب انسان کسی شے کے ملنے سے مایوس ہوجاتا ہے تو آخر کار صبر ہوجاتا ہے اور صبر باعثِ آرام ہے ۔ سے

حُسن نے قہر کیا شام نے آفت ڈھائی
آرزو مفت مین بدنام ہوئی جاتی ہے

ہے یہی یاس تو کچھ دن مین جدائی تیری
سببِ راحت و آرام ہوئی جاتی ہے

اپنے قولِ وفا کو بھول گئے
تم تو بالکل خدا کو بھول گئے

اُن سے دو دن بھی جا نہ بیٹھ سکی
مضطرِ بے نوا کو بھول گئے

دل مین رکھے تجھے او بے جان کا نقصان کرے
ہائے ظالم تجھے کیسے کوئی مہمان کرے

مضطرا سختیِ الفت نہین جھیلی جاتی
میرا اللہ یہ مشکل مری آسان کرے

اب کون پھیرے کوسے دشمن مین سے
اللہ کے گھر کیون نہ چلے جائین یہین سے

• حال مین جناب مضطر کا ایک حمدیہ دیوان بنام "نذرِ خدا" شائع ہوا ہے اور نعتیہ دیوان "دنیاے مصطفےٰ" زیر طبع ہے۔ یہ حمدیہ دیوان اپنی سادگی بیان مین خاص انداز رکھتا ہے کچھ انتخاب ملاحظہ ہو ۔ سے

زندگی پاتے ہی اندازِ وفا کو دیکھا
آنکھ کھُلتے ہی خدائی مین خدا کو دیکھا

---

* مجلد بقیمت عہ (علاوہ محصول) منہر پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے مل سکتا ہے ۔ ۱۲

حسن نے جلوۂ وحدت کا پتہ چلتا ہے   چھپنے پردہ میں خدائی کے خدا کو دیکھا
بس گئی دل میں محبت تو کھلے راز نہان   اٹھ گیا آنکھ سے پردے تو خدا کو دیکھا

الٰہی تو ہی اپنی حکمت کو سمجھے   کہ درد وفا درد مندوں میں ڈالا

رنگ صد نقش تو ہی معنیِ تصویر میں ہے   کار پردازِ قضا پردۂ تقدیر میں ہے
دل میں کرتا ہے تو ہی شوق شہادت پیدا   جان دینے کا مزا خنجر و شمشیر میں ہے

اپنی غرض کیا غرض اسکی رضا سے کام ہے   فکر خودی میں کیوں پڑیں جسکو خدا سے کام ہے
پردۂ ناز ہے ترا جلوۂ چشم شوق ہے   دیدہ کو کیا غرض ہے تیری ادا سے کام ہے

کوئی گھر جہان میں بنا لے کیا کوئی آس نے لگا دی   یہ تو بنیاد کا سبھاؤ ہے یہ بنیادوں کی بہار ہے

گریۂ عشق میں آنکھوں کی کمی پڑتی تھی   اسلیے چھوڑ دیا قلب کا چھالا میں نے

ترے سامنے رہتے حسرت بیمار   چلے خالی ہاتھوں یہ سامان والے

سیکڑوں بزم خرابات کے جھگڑے توڑے   تو نے خود جسکو بھر اٹھا دہی شیشے توڑے
پھول گلشن کے چمن شاخ کے تیرے توڑے   تو نے کھلنے بھی نہ پائے تھے وہ غنچے توڑے

سچ ہے قدرت تری نرالی ہے   تو نے مٹی میں جان ڈالی ہے
جب میں آیا تو ہاتھ خالی تھا   جب میں اٹھا تو ہاتھ خالی ہے

صحرا میں غریبوں کا نگہبان تو ہی ہے   مشکل جو پڑی وقت پہ آسان تو ہی ہے
راحت کا غم دو دنیں سامان تو ہی ہے   یہ جان ہے کیا چیز مری جان تو ہی ہے

داروئے دردِ دلِ بیمار تیرے ہاتھ ہے   تو ہی ایک چارۂ آزار تیرے ہاتھ ہے
غنچۂ دلکو خداوندا کھلائیگا تو ہی   تو ہی رنگِ گلِ گلزار تیرے ہاتھ ہے
کون پوچھیگا بھلا میدان محشر میں مجھے   میری عزت داور دادار تیرے ہاتھ ہے

یا معبود میں ہو وارد آستانۂ حق   عشق میں پڑ کے دوائے دل بیمار نہ سوچ
اسکی رحمت کے بھروسہ پہ بسر کر اپنی   کیونکر گذرے گی قیامت میں دلِ زار نہ سوچ

باغ عالم میں ٹھہرنے کا بھروسہ کیا ہو   بوئے گل ہم نے تو دیکھی ہے ہوا کی پابند

تری حمد جاری ہے سب کی زبان پر   پکارا گیا تو زمین آسمان پر

تصدق ہے تیری خدائی تجھی پر   ہے زیبا تری کبریائی تجھی پر

یہ اسی ذوق ہے گلوں کو بو ہے شان جل جلالہ   یہ اسی کا جلوہ ہے یار سے یہی شان جل جلالہ
وہی چارہ گر دم یاس ہے وہی دردمندوں کی آس ہے   یہی غمزدوں کا حکیم ہے یہی شان جل جلالہ

الٰہی دکھا دے دیار مدینہ   بنا مجھکو گرد و غبار مدینہ
بنا مسکنِ ذاتِ محبوب خالق   زہے عزت و افتخار مدینہ
گدا کر کے لے چل کہ حاصل ہو مجھکو   سلام شہ کامگار مدینہ
الٰہی بنا دے مری خاک کو تو   غبار سر رہگذار مدینہ

حسرت دیدار کی چھپنے میں کچھ نہیں مزا   میں بھی تو تجھکو دیکھوں تو نہ نقاب کھولے

نہیں دل دکھانا گوارا ہے تجھے   سنی اسکی جس نے پکارا تجھے

اُسکا جلوہ ہر شمعِ بزمِ جہان ہے — اُسکی رحمت بہارِ عالم ہے

میرے دل کی تو آرزو جانتا ہے — یہ تو نے ہی دی اسکو تو پاتا ہے
میں کسی چارہ گر دار وے دردِ نہان — نہیں جانتا ہوں نہ تو جانتا ہے

تکبر زمانہ کا توڑا ہے تو نے — گلا نخوتوں کا مروڑا ہے تو نے

مخلوق کا سرمایۂ آرام تو ہی ہے — عالم کا معاون سحر و شام تو ہی ہے

غرض دیوان حمد یا نذر خدا میں جناب مضطر نے اپنی مشّاقی اور پُرگوئی کو ثابت کر دیا اور غالباً اپنے رنگ میں یہ پہلا دیوان ہے جسمیں صد ہا غزلیں حمد ہی میں ہیں۔ اساتذہ نے صرف تبرکاً و تیمناً اپنے دیوانوں میں کچھ اشعار لکھے ہیں یا کوئی نظم مسلسل لکھی ہے مگر جناب مضطر نے پورا دیوان لکھا ہے۔ نقادانِ سخن گو بعض تراکیب اور محاورات فصحائے اُردو کے خلاف اس دیوان میں مل سکیں گے لیکن جذبات کے خلوص کو ایک ہی طرز میں مختلف صورت ادا کرنا اہم کام ہے اس لیے نذر خدا قابل قدر شے ہے۔ ہر منصف سخن فہم حضرت مضطر کی طباعی کی داد دے گا۔

"ناظر"

اُردو یونیورسٹی حیدرآباد (دکن)

بدین مژدہ گر جان فشانم رواست — کہ این مژدہ آسائش جانِ ماست

یہ خبر موجبِ صد مسرت و انبساط ہے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست کے روشن خیال و بیدار مغز فرمانروا اس خونریزی و تباہی کے ایام میں ایک ایسے دار العلوم کے اجرا کا انتظام فرما رہے ہیں جو نہ صرف انکی ڈیڑھ کروڑ رعایا کو بآسانی قدیم و جدید علوم و فنون کی تحصیل کا موقع بہم پہنچائے گی۔ بلکہ برٹش انڈیا کے کروڑوں باشندوں اور خاصکر مسلمانوں کے لیے اُنکی علمی و مادری زبان میں اپنے نصاب سے سائنس و آرٹس کی تمام شاخوں کا قابل قدر لٹریچر مہیا کرے گی۔ گویا تعلیم کا ایک مہرِ درخشان سرزمین دکن پر طالع ہوگا جسکی روشنی و حرارت کا پورا فائدہ تو باشندگانِ حیدرآباد اُٹھائیں گے لیکن اسکی شعاعیں ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایک طرف آبنائے کی بستیوں اور دوسری جانب خلیج فارس و بحیرۂ عرب کے ساحلی علاقوں، تیسری سمت فجی و ماریشس وغیرہ بحر ہند کے دور افتادہ جزیروں اور چوتھے رخ مشرقی و جنوبی و غربی افریقہ کے ان مختلف ملکوں تک پہنچکر جنمیں ہندوستانی تارکانِ وطن اپنی ملکی زبان کو ساتھ لیگئے ہیں جہالت کی تاریکی کو دور کرنے میں مدد دیں گی اور بالواسطہ ہندوستان کی مشترک زبان اُردو کا نصیبہ بھی اسی طرح چمکا دیں گی جسطرح اسکی پیشرو زبان فارسی کا اختر قسمت مسلمان بادشاہوں کی قدردانی سے ہندوستان میں چمکا تھا!

سرکار آصفیہ اسوقت ہندوستان میں شاہانِ مغلیہ کی گذشتہ عظمت و شوکت کی ایک شاندار یادگار ہے اور اسکے رشحات کرم کی آبیاری سے ہر وقت ہر حصۂ ملک میں سینکڑوں تعلیمگاہیں اور دوسرے مفید خلائق انسٹیٹیوشن سیراب و سرسبز ہو رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً بہت سے قابل اشخاص دربار دکن کی قدردانی سے ریاست حیدرآباد کی خدمت میں اپنے اعلےٰ اوصاف ذہن و دماغ کو اُنکی قدرتی قابلیتوں کے موافق کامل نشوونما دینے کا موقع پا کر نامورئ و فارغ البالی کا وہ سامان اپنے لیے بہم پہنچاتے رہے ہیں جسکے بغیر کوئی شخص خواہ کیسا ہی لائق و مستعد کیوں نہو مگر کافی اطمینان و سرگرمی سے اپنی قوم کی خدمت انجام نہیں دیسکتا۔ اس پہلو سے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ سرسید مغفور کے ساتھ اور اُنکے بعد جتنے بزرگوں کی شاندار خدمات سے مسلمانانِ ہند نے

اپنی تعلیمی، تمدنی، سیاسی، ولٹریری لائنوں میں فائدہ اٹھایا ہے۔ ان میں سے اگر تمام نہیں تو اکثر اصحاب صرف نظام گورنمنٹ کی قدردانی سے ان خدمات کو بہر انجام دینے کے قابل ہوسکے ہیں اور اسطرح ہندوستان کے باشندگان ہند اور خصوصاً اہل اسلام اپنی موجودہ اصلاح و ترقی میں کسی پہلو سے بخط مستقیم یا بواسطہ خود گورنمنٹ آصفیہ کا مرہون احسان و منت پذیر پائے ہیں۔ لیکن جو احسان بیکراں اعلیحضرت بندگان عالی متعالی بلحاظ نتیجہ اردو یونیورسٹی کے قیام سے اب نہ صرف اپنی رعایا بلکہ اہل ہند پر فرماتے ہیں وہ اپنے حلقہ اثر کی وسعت میں ان کے اجداد و امجاد کے تمام احسانات سے بڑھا ہوا ہے اور آیندہ تمام فرقہاے آبادی کو اس سے ایسے گرانقدر فوائد پہنچنے والے ہیں کہ کوئی سوچنے والا دماغ انکی حدود کے تعین نہیں کرسکتا اور باشندگان ہندوستان پشتوں تک اسکے شکریہ سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ رعایائے دکن بڑی خوش نصیب ہے کہ اپنے بیدار مغز و مصلحت اندیش حکمران کی فیاضی و علم دوستی سے وہ جامعہ علمیہ عنقریب اسکو ملنے والی ہے جسکی برٹش انڈیا کے ساکنین عرصہ دراز سے تمنا رکھتے ہیں اور اپنی قومی یونیورسٹیوں میں بھی اسکی ہمرسانی کا موقع نہیں پاسکے ہیں۔ قبل ازیں بڑودہ، میسور، ٹراونکور، اندور، بھوپال وغیرہ متعدد ریاستوں نے مختلف اصلاحات کے اجرا کا اپنے ہاں انتظام کیا ہے اور پرائمری تعلیم کو مفت و لازمی کردینے میں بھی وہ برٹش انڈیا پر سبقت لیگئی ہیں لیکن حیدرآباد کی مجوزہ اردو یونیورسٹی ان تمام اصلاحات پر فوقیت رکھتی ہے اور نہ صرف تعلیم کو اپنی ریاست میں عام کرنے بلکہ عوام کے لیے فی الحقیقت مفید بنانے کی ابتدائی عملی کوشش سے تعبیر ہوسکتی ہے جسکی برٹش انڈیا میں بھی جلد سے جلد تقلید کی جانی لازم ہے!

زبان اردو اگرچہ دار السلطنت دہلی میں پیدا ہوئی اور بعد ازاں لکھنؤ نے بھی اسکی پرورش و تربیت میں بڑا حصہ لیا، نیز حکومت انگلشیہ نے قدیم فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی قابل قدر تصانیف و تراجم کے ذریعے اسکو تقویت پہنچائی اور آخر میں یہ باستثناء فارسی کے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں رائج کردی گئی لیکن سرزمین دکن سے بھی اردو کا ایک خاص تعلق ہے اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسکے مدارج ترقی کی وہیں سے ابتدا ہوئی ہے چنانچہ اردو کا پہلا صاحب دیوان مرد شاعر ولی دکن ہی میں پیدا ہوا۔ اگرچہ اسکے دل کو دلی نے چھین لیا اور اس نے "زبان خلق" کے ذریعے اس ستم دکی فریاد محمد شاہ تک پہنچائی۔ اسی طرح پہلی صاحب دیوان اردو شاعرہ چندا نے بھی دکن ہی میں جنم لیا اور مذہبی تاریخی واقعات کی پہلی اردو مثنوی "دہ مجلس" جو ایک حد تک نثر کی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے دکن ہی میں لکھی گئی۔ اور ابتدا سے اردو شعراء و ادباء کی قدردانی دربار دکن کی طرف سے ہوتی رہی چنانچہ نواب فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کا سابق حضور نظام مرحوم نے بعد شاعری و استادی بیقرار عطایا و انعامات کے علاوہ پونے دو ہزار روپیہ ماہوار مستقل تنخواہ و منصب مقرر فرمایا جسکی مثال دربار شاہی میں بھی نہیں ملتی۔ اسوقت بھی جناب جلیل کو اسی مد میں ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے جو بفضل خدا ہندوستانی ریاستوں ہی سے نہیں بلکہ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے درباری شعراء کی تنخواہوں سے زیادہ ہے۔ اسیطرح اب اردو کی پہلی "یونیورسٹی" بھی دکن میں قائم ہوتی ہے جو مشترکہ ملکی زبان کی سرپرستی کے بارہ میں نظام گورنمنٹ کا ایک لاثانی و قابل شکریہ حق ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں ثبت کرتی ہے اور اردو کو دنیا کی علمی زبانوں کی مجلس میں جگہ پانے کے قابل بناتی ہے۔ اب گویا سرزمین حیدرآباد نے ثابت کردکھایا ہے کہ شاہ نصیر، حضرت داغ و جناب امیر مرحومین کو اس نے کس استحقاق سے اپنے ہاں رکھ چھوڑا ہے اور زبان اردو کے جس نخل تمنا کو یہ بزرگ مدۃ العمر اپنے خون جگر سے سینچتے رہے وہ انکی خاک سے انکے جوہر کمال کی غذا جذب کرکے آیندہ کیسا پھولنے پھلنے والا ہے۔

ہمارا دل اسکے متعلق مشتاقانہ تشکر و امید دونوں سے معمور ہے اور ہم بہت جلد ملک کی اس پہلی حقیقی یونیورسٹی کے قوی سے فعل میں آنے کی دعا مانگتے ہیں۔

کلام شفق

جناب سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق (عمادپوری) کے چھوٹے چھوٹے چھ رسالے میری نظر سے گذرے۔ ان رسالوں میں زبان اردو وہ برتی نظر آتی ہے۔ جو زبان دانِ اور اہلِ کمال ہے وہ شفق کا کلام دیکھکر یہی کہے گا کہ وہ اردو نہیں جانتے۔ میں نے معنی کی تحقیق پر بحث نہیں کی ہے فقط زبان کی غلطیاں پیش کی ہیں:-

(۱) تحقیقِ سخن صفحہ ۲۱ سے

جو بات اصل میں ہو کہنا نقل کو نصیب ہوتے نہیں ہیں شاخ میں پیدا ہوئے پھول
بلبل میں گل ہی غیرت گلزار ہے تجھ کو نصیب ہے کانٹے دامن کے پھول

شاخ ہندی میں مونث ہے لیکن شاعر نے مذکر کہا ہے۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ شاخ والے مصرع میں تعقید ہے۔ ایک شعر اور جو میں نے درج کیا ہے اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ ردیف کا حسن ظاہر ہو یعنی "کے" یا "سے" مجہول سے ہے۔

(۲) تحقیقِ سخن صفحہ ۲۵ سے

یہ کیا کہ طائر نقا کو ہم کریں پرند یہ کیا کہ موسے کمر سے نکالیں بال کی کھال
بال کی کھال نکالنا محاورہ نہیں ہے۔ نکتہ گافی اور دقت پسندی کے معنوں میں بال کی کھال کھینچنا بولتے ہیں۔

(۳) حدیقۂ آخرت صفحہ ۱ سے

دامن میں لئے نکہتِ گل باد بہاری کہتی ہے کہ لے دامنِ غنچہ ترے واری
یہ وہ مسدس ہے جس میں شفق نے میر انیس کا رنگ اڑایا ہے لیکن چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔ شفق ایک شعر بھی ہیں وہ اگر زبانِ اردو جانتے تو مصرعۂ ثانی میں "واری" نہ لکھتے۔ زہرِ عشق، بہارِ عشق اور طلسمِ الفت وغیرہ میں واری کا لفظ عورتوں کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔

(۴) حدیقۂ آخرت صفحہ ۳۱ سے

تھا منظر کا جو دلپذیر میں پہ اسپند کیا تل کو بھی شعلے سی جبیں پہ
اسپند تو اس کالے دانے کو کہتے ہیں جسکو نظر بد کے دور ہونے کے لیے جلاتے ہیں اور اردو میں اسپند کرنا اسپند جلانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ پھر یہ تل کا لفظ کیا معنی رکھتا ہے میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ تل اسپند کرنا غلط ہے۔

(۵) حدیقۂ آخرت صفحہ ۴۲ سے

مرتے دم ہو جو تصور نبی کا پیشِ نظر روح خوش ہو جائے جنت کی فضا کو دیکھکر
تمہارے اندر یہ ہے دم مرتے عاشق دم نکل جائے جمالِ مصطفیٰ کو دیکھکر

ان دونوں مصرعوں کی ردیف میں "کو" خلافِ فصاحت ہے۔

(۶) حدیقۂ آخرت صفحہ ۱ سے

کعبہ ہے سینہ پوش غم قبلہ دین ہیں خورشید نہاں ہوتا ہے آغوشِ زمین میں
آغوشِ قبر کی جگہ آغوشِ زمین کہنا غلط ہے اور یہ ایجادِ بندہ ہے۔ اس کی سند دیجیے۔

(۷) آئینۂ تغیر صفحہ ۱ سے

ہو گیا مغزِ شفق یہم دہن سے اظہار بیلا پارہ۔ یہ ہوا اور دلکو بھی کر گیا شمار
رعد مونث ہے لیکن شفق نے مذکر کہا ہے صبا کا شعر ہے

سے کھاؤنی میں کیا رہی تیری اسی بھرسن تھا اک اک بات کی دو دو پہر ملتی تھیں

(۸) تحفۂ یازدہم صفحہ ۱۹ سے

تمنا ہو رہی ہے جب پہنچوں کے بھوان کہ آئے دو یہ ہیجا جنابِ غوث اعظم کا
مصرعۂ ثانی میں ہیجا کی فصاحت قابلِ دید ہے۔ اس مغزِ سخن کی داد وہی دیں گے جو دماغ رکھتے ہیں۔

(۹) تحفۂ یازدہم صفحہ ۲۲ سے

وہاں کی پاسبانی تو ولایت کی نشانی ہے سنا ہم نے یہی اکثر فرشتوں کی زبانی ہم

مصرعہ ثانی مین تعقید ہے۔

(۱۰) تحفۂ یازدہم صفحہ ۲۹ ؎

بحر امواج روان چشم گہربار مین ہے ڈگمگاتی ہوئی کشتی مری منجدھار مین ہے

مصرعہ ثانی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شفق یہ نہین جانتے کہ ڈگمگانا کے کیا معنے ہین اور فصحا اُس محل پر بولتے ہین۔ مجھ سے سُنیے۔ جب ضعف و ناتوانی کے باعث پائون مین زمین پر قیام کرنے کی طاقت نہین رہتی یا خوف و دہشت سے جب پائون کو لغزش ہوتی ہے تو کہتے ہین کہ پائون ڈگمگاتے ہین۔ اور کبھی شخص ضعیف و ناتوان کی نسبت بھی بولتے ہین میر انیس کے دو شعر مثال مین پیش کرتا ہون ؎

ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر حریف کے پائون ماہی یہ ڈگمگا گئے گاؤ زمین کے پائون

؎

حسین امام تو گھوڑے پہ ڈگمگانے لگے قریب آ کے عدو برچھیان لگانے لگے

ڈگمگانا پائون اور شخص ضعیف و ناتوان کے ساتھ مستعمل ہے۔ اگر امیر و داغ اور جلال وغیرہ نے لکھا ہو تو اُن کے دو اشعار سند مین پیش کیجیے۔

اب ریاض شفق مین جو غلطیان ہین اُنکو ارباب کمال ملاحظہ فرمائین۔ رسالہ ریاض شفق ۱۹۱۴ء مین طبع ہوا ہے شفق کی یہ سب سے عمدہ تصنیف بتائی جاتی ہے اور ۲۶ نظمین اسمین مندرج ہین۔

(۱۱) صفحہ ۸ ؎

اُٹھائے اُٹھ نہین سکتا مٹائے مٹ نہین سکتا نوشتہ ہے خط تقدیر کا تحریر پتھر کی

پتھر کی لکیر تو زبانون پر ہے۔ پتھر کی تحریر شاید اسکا ترجمہ ہے۔ اہل زبان کے اختراع و تصرف کا تو غالب کو بھی اختیار نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ بُودلی نے ایسا تصرف کیا۔ جرأت نے کس خوبی سے اس محاورے کو قلمبند کیا ہے سُنیے ؎

مر کیجے راہ عشق مین پر مُنہ نہ موڑیے پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

(۱۲) صفحہ ۹ ؎

چاندنی رات اور وہ بالین پہ محو خواب ناز چھائون مین تارون کے وہ بکھری ہوئی گیسو دراز

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفق تارون کی چھائون کے معنی نہین جانتے۔ تارون کی چھائون آخری شب و صبح کاذب کو کہتے ہین۔ سحر کہتے ہین ؎

ہر ایک داغ سینے مین ہے کوکب سحر تارون کی چھائون جان مسافر نکل چلی

اکثر قافلے تارون کی چھائون مین کوچ کرتے ہین۔ میر انیس ؎

مہندی تھا لال لال لیے ہاتھ پائون مین ۔۔۔ رخصت کو آئے بیاہ کے تارون کی چھائون مین

اس کی خصوصیت بھی تارون کی چھائون مین ہوتی ہے یعنی پچھلے کو جس مین یہ عورتون کی زبان ہے کبھی کبھی مرد بھی بول جاتے ہین۔

(۱۳) صفحہ ۱۲ ؎

درد دل کس سے کہون مر گیا ہون بیمار شفق میرے عیسیٰ بھی طبیب قلبی کہتے ہین

قلب کا لام باتفاق ساکن ہے۔ خدا جانے کس قاعدے سے شاعر نے قلبی کے لام کو متحرک لکھا ہے۔ عربی اور فارسی کے جس لفظ کا حرف دوم مفتوح ہوتا ہے اسمین یائے نسبتی لگا کر متحرک بولتے ہین جیسے سنی۔ مگر قلبی بسکون لام ہے۔ میر انیس کہتے ہین ؎

یہ کہکے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار بس ہو گئین محبت قلبی سے بیقرار

(۱۴) صفحہ ۱۶ ؎

دوپٹا ٹل کا بنا تخت گاہ تقبل ۔۔۔

تخت گاہ مونث ہے۔

(۱۵) صفحہ ۲۲ ؎

سُنتا تھا یہ کہ ہنس ہی پڑیگا کھلکھلا کر بیٹھے رہے اُس بت غنچہ دہن کے پھول

وہ ہنسنے سے پھول برسنے کی تشبیہ غلط ہے معشوق کے تبسم کو کلیون کے کھلنے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ پھول برسنا کوئی محاورہ اُردو مین نہین ہے۔ فصاحت اور خوش کلامی کی تعریف مین بولتے ہین کہ وہ جب باتین کرتے ہین تو مُنہ سے پھول جھڑتے ہین۔

(۱۶) صفحہ ۲۳ ؎

اے صبا کس کی یہ تا مرگ کیسی آئی ۔۔۔ اور بھی کچھ ہوا نا ۔۔۔ کے ۔۔۔

بلبل دھوم دھام پہل پہل تزک دھوم دھام اور اوج موج کے معنون میں مستعمل نہیں ہے۔ یہ لفظ بالاتفاق فوج کی بھاگڑ، چل چلاؤ، روا روی اور اضطراب تردد فساد ہنگامہ شورش بیقراری اور خوف کے معنون میں مستعمل ہے۔ مثالیں سنیے۔ انیس سے

بلچل میں خاک اڑکے جو ہے فلک گئی — مقتل میں غل ہوا کہ زمین بھی سرک گئی

(۲) بحر سے

رفتہ رفتہ نسیمون کو کہیں چین نہیں بحر — پرندیں میں بلچل ہے تزلزل ہے دو دن سے

(۱۷) صفحہ ۲۴ ع

ریلیں خشکی میں سمندر میں جہازیں جاری

جہاز مذکر ہے اور جہاز جاری ہونا بھی نہیں بولتے۔

(۱۸) صفحہ ۳۵ سے

مرقع حسرتون کا ہے کھنچا گور غریبان میں — مزارین مرثونکی ہیں کہ تصویریں ہیں عبرت کی

مزار مذکر ہے۔

(۱۹) صفحہ ۳۵ سے

افشائے راز عشق نے رسوا کیا شفق — رو رو کے اور دیدۂ ترکی ہنسی ہوئی

ہنسی ہونا محاورہ نہیں ہے ہنسی اڑنا بولتے ہیں۔

(۲۰) صفحہ ۳۵ سے

بیڑیاں پاؤن پڑین ہتھکڑیاں چوم لیں ہاتھ — تب کہیں نستے ہیں دو چھٹے ہوئے زندان والے

ہتھکڑیاں کی رائے ثقیلہ متحرک نہیں ہے کسی کا مشہور مصرع ہے ع

تیرے دیوانوں کی ہتھکڑیاں بھی نالاں ہو گئیں

(۲۱) صفحہ ۳۹ سے

منفعل دونوں ہوئے اک سخت جانی سے مری — مر گئی تلوار بھی شرما گیا جلاد بھی۔

ہاتھ مڑ جانا محاورہ ہے تلوار نہیں مڑتی۔ اسیر کہتے ہیں سے

پٹ پڑی شمشیر قاتل مڑ گئی خنجر کی باڑھ — پھر گئے بخت اپنے برگشتہ مقدر ہو گیا

(۲۱) صفحہ ۴۰ سے

ہم تمہیں دل دیکھے ٹھہری ہو نا اچھی کہی — خوش رہو لے میری اچھے دلربا اچھی کہی

اچھی انا، اچھی باجی، اچھی آپا، اچھے بابا عورتوں کی زبان ہے۔ ریختہ کی زبان نہیں ہے۔ میر انیس حضرت سکینہؑ کی زبانی کہتے ہیں سے

روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا — بس اب کہیں نہ جائیو مجھے مر کے چچا

(۲۴) صفحہ ۴۶ ع

نیا سرور نرالا ترنگ ہو ساقی

ترنگ مؤنث ہے۔

(۲۵) صفحہ ۴۹ سے

خیر خم کی ترے مولا مرا پیالا بھر دے — بھر دے بھر دے مری کشکول کو داتا بھر دے

پیالہ کی یائے فصحا کے نزدیک متحرک ہے ساکن نہیں ہے۔ میں اس دعوے کی دلیل میں چند شعر پیش کرتا ہوں۔

(حافظ شیرازی) سے

چو نیک در نگری روزگار عافیت تنگ است — پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل است

(صائب) سے

ساقی بیار پیالہ کہ وقت سحر رسید — یاران جہان بجان گرد دستانند

(متین) سے

از جنبش نسیم سحرگاہ لالہ ہا — بر یکدگر زنند بہ بستان پیالہ ہا

غالب دہلوی۔ ع

پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

(۲۶) صفحہ ۵۱ سے

شفق یہ دھن بھی ترانہ کوئی مزا سنے — کوئی یہ نغمہ کوئی لحن خوشنوا سے کہے

شاعر کہتا ہے کہ مجھے اس نظم کے صلے میں ایک قدردان نے نقرئی تمغہ دیا ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ لحن خوشنوا کیا بلا ہے لحن اور نوا کے تو ایک ہی معنے ہیں اسکے علاوہ لفظ خوشنوا جاندار کی نسبت بولتے ہیں۔ جیسے :۔

مطرب خوشنوا بگو تازہ بہ تازہ نو بہ نو

(۲۷) صفحہ ۶۱ سے

کعبہ و بتخانہ ادائے آگے قابو مین ترے — سر بسجدہ ہین محراب ابرو مین ترے

محراب مؤنث ہے۔

(۲۸) حدیقۂ آخرت صفحہ ۳۴ سے

پاکر یہ نشان لانے چلے تحت جگر کو — کہتے تھے کہ لے نور نظر تو ہے کدھر کو

مصرعۂ ثانی کی ردیف خلاف فصاحت ہے۔

(۲۹) حدیقۂ آخرت صفحہ ۳۲ سے

چلاتی تھی اے گیسوؤن والے ہے کدھر تو — ہے ہے مرے آغوش کے پالے ہے کدھر تو

شاعر کہتا ہے کہ جب رسول نبی، حضرت حلیمہؓ کی آنکھون سے اوجھل ہو گئے تو بی بی حلیمہؓ نے بیقرار ہو کر یہ کلمات زبان سے نکالے۔ مین کہتا ہون کہ کسی اہل سنت نے نعت شریف مین لکھنؤ کی بیگمات کی زبان نہین لکھی ہے۔ ہند اور عرب کی عورتون کی طرز معاشرت مین بڑا تفاوت ہے۔ باور نہین آتا کہ اُس خاتون نے یہ باتین زبان سے نکالی ہون۔

(۳۰) حدیقۂ آخرت صفحہ ۵۶ سے

دعوئے حسن خط اہل رقم توڑ دیے — خوشنویس ازلی نے بھی قلم توڑ دیے

شفق قلم توڑ دینے کے معنی نہین جانتے۔ سُنیے۔ جب کوئی ناظم یا شاعر کوئی لاجواب نظم یا نثر لکھتا ہے تو کہتے ہین کہ قلم توڑ دیا ہے۔ میر وحید لکھنوی کہتے ہین سے

ارم ہند آل کی مدحت سخنور کیا قلم توڑے — یہ گلدستہ بندھے نہ جب گل باغ ارم توڑے

(۳۱) شرر گیاوی کے رسالہ قطعہ شہر آشوب کی شفق نے جو تاریخ طبع لکھی ہے اُسکا پہلا شعر یہ ہے سے

قطعہ لکھا ہے شہر آشوب کیا خوب — شرر نے زور طبع نکتہ دان سے

قطعہ جس وزن پر نظم ہوا ہے غلط ہے۔ قطعہ بر وزن شمع و قلعہ ہے۔ مثالین سُنیے۔ صائب سے

بردہ نیاز آئی بچشم گلرنگش ببین — گر ندیدی قطعۂ ابر سیہ با لالہ زار

داغ سے

پند نامہ جو لکھا داغ نے بیکار نہین — وقت کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئیگا

(۳۲) حدیقۂ آخرت صفحہ ۳۶ سے

جس سمت گذر ہو گیا اُس شاہِ اُمم کا — سایہ سر اقدس پہ رہا ابر کرم کا

جناب رسول اللہ صلعم کے فرق مطہر پر ابر کا سایہ تو بیشک رہتا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ لفظ کرم سے شاعر کی کیا مراد ہے۔ "کرم" داخل حشو ہے اور شاعر زبان کی کمزوری کی وجہ سے اصل مطلب کا اظہار نہ کرسکا۔

آسد (دہلوی)

کتاب الاغانی

عرب قدیم کے متعلق اسلامی مورخین کے لیے اشعار و امثال عرب ایک بہت بڑا ذریعہ معلومات کا ہوئے، چنانچہ اسلامی مورخین یعقوبی، طبری، مسعودی، ابن اثیر، ابو الفداء، ابن خلدون وغیرہ نے علاوہ دیگر ذرائع معلومات کے، زیادہ تر اسی ذریعہ سے عرب قدیم کا حال لکھا ہے۔ اسمین شک نہین کہ اشعار عرب سے ایام عرب، ان کی لڑائیان، اور اخلاق و عادات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے لیکن یہ اشعار ایک مدت زبانی روایت ہوتے چلے آئے اس بنا پر ان کا اکثر حصہ برباد ہو گیا، اگرچہ اسلام مین ابو عبیدہ اور اصمعی اشعار عرب کے سب سے بڑے راوی خیال کیے جاتے ہین لیکن ان لوگون نے بھی جو سرمایہ جمع کیا تھا اس کا اکثر و بیشتر حصہ ضائع ہو گیا تاہم عرب قدیم کے لوگون کی تاریخ، انکے عادات و اطوار کے متعلق، لٹریری حیثیت سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ ابتک "کتاب الاغانی" مین محفوظ ہے، جسکو سب سے پہلے گورنمنٹ

مصر نے ۱۹۲۸ء مین مطبع بولاق مین طبع کراکر شائع کیا۔

کتاب مذکور اصل مین سو قسم کی ان مختلف راگنیون کے بیان مین ہی جنکو مغنیون نے خلیفہ ہارون الرشید کے لیے انتخاب کیا تھا لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہی کہ مصنف نے صرف اسی موضوع پر اکتفا کیا ہی بلکہ اخبار و اشعار و انساب و ایام عرب کے علاوہ ان تمام مغنیون اور شعرا کے حالات پر بھی کافی روشنی ڈالی ہی جنکا کلام اس کتاب مین شامل ہی، اور بعض جگہ تاریخ اور سائنس سے بھی بحث کی ہے[۵۰]

بلاشبہ عربی لٹریچر مین یہ ایک نہایت اہم اور مشہور کتاب ہی، مورخ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ مین اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہی:-

بے شبہ یہ کتاب "دیوان العرب" (عربون کا دفتر یا رجسٹر) ہی اور ان تمام اصناف شعر، تاریخ، اور موسیقی وغیرہ پر ایک جامع کتاب ہی، جو انھون نے زمانۂ قدیم مین حاصل کیے تھے۔ جہانتک مجھے معلوم ہی کوئی کتاب، اس فن مین، اسکی برابری نہین کرسکتی۔ ایک ادیب کے لیے یہ نہایت کافی ہی، جسکو دیکھ لینے کے بعد اسکو کسی چیز کی ضرورت باقی نہین رہتی[۵۱]

ابن خلکان کی روایت مندرجہ ذیل سے اس کتاب کی اہمیت بخوبی ثابت ہوتی ہی:-

کہا جاتا ہی کہ صاحب بن عباد تیس اونٹ کتابون کا بوجھ سفر مین ہر وقت مطالعہ کرنے کے لیے ساتھ رکھا کرتا تھا لیکن جب کتاب الاغانی موصول ہوئی تو اسنے صرف اس ایک کتاب کے ساتھ رکھنے پر اکتفا کیا۔

۵۰ اینشنٹ عربک پوئٹری" از مسٹر لائل ۔ دیباچہ صفحہ ۴۴
۵۱ مقدمہ ابن خلدون طبع بیروت صفحہ ۵۱۱
۵۲ ہسٹری آف دی سارا سینز از سید امیر علی صفحہ ۴۶۹
۵۳ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۱۱
۵۴ یہ بہت بڑا فاضل اور ادیب شخص مؤید الدولہ اور فخر الدولہ کا وزیر تھا۔
۵۵ وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان لابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۳۴۔

اس لحاظ سے یہ نہ صرف موسیقی عرب کی ایک ڈکشنری ہی بلکہ اہل عرب کی شاعری، انکی تاریخ، اور ادب کی ایک جامع و مانع انسائیکلوپیڈیا ہی۔

اس مشہور امام کتاب کا مصنف قاضی علی بن حسین بن محمد بن احمد بن ہیثم اموی مشہور بہ ابوالفرج اصفہانی ہی۔ وہ ۲۸۴ھ مطابق ۸۹۷ء مین اصفہان مین پیدا ہوا۔ وہ عرب عربا، قریش کی خاص نسل سے اور سلاطین امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے خاندان سے تھا۔ علاوہ دیگر تصانیف متعددہ کے وہ ملقب باصفہانی اور صاحب کتاب الاغانی کے نام سے زیادہ مشہور و معروف ہی۔ اسکا خاندان اگرچہ اصفہان مین مقیم تھا لیکن اسکا عنفوان شباب زیادہ تر بغداد ہی مین گذرا جہان وہ بطور ایک عالم اور مصنف کے مشہور تھا۔ کتاب الاغانی کی تصنیف مین اس نے اپنی عمر کا ایک معتدبہ حصہ یعنی پچاس برس صرف کردیے اور اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ سیف الدولہ حاکم شام کی خدمت مین پیش کیا تو اس نے ایک ہزار دینار عطا کیے اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی زبردست کتاب کی تصنیف پر اتنی قلیل رقم دینے پر ندامت کے ساتھ معذرت خواہی کی لیکن اسکے وزیر نے اس رقم کو دوچند کردیا۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہی کہ عضد الدولہ نے اس کتاب کا ایک مسودہ چار ہزار درم کو خرید لیا، اور سفر و حضر مین کسی وقت اپنے پاس سے جدا نہین کرتا تھا۔

اسکے زمانہ مین اندلس مین حکم (ثانی) ابن ناصر جسکی وفات ۳۶۶ھ مین ہوئی، بہت بڑا علم دوست اور کتابون کا جمع کرنے والا تھا۔ اسکا یہ شوق تھا کہ عباسی خلفاء کے کتبخانہ سے میرا کتبخانہ بڑھ جائے، اس کوشش مین وہ بہت

۵۶ ابن خلکان ۵۷ ابن خلکان نے وفیات الاعیان مین لکھا ہی کہ ابوالفرج کو عربون کے اشعار اور گیت کثرت سے حفظ تھے اسکے علاوہ فن تاریخ، علم حدیث، لغت، نحو، طب، نجوم، بیطاری وغیرہ مین اسکو بدرجۂ کمال مہارت تھی اسکی تصانیف حسب ذیل ہین:- (۱) کتاب القیان (۲) کتاب الاماء والشواعر (۳) کتاب الدیارات (۴) کتاب دعوة الاطباء (۵) کتاب مجرد الاغانی (۶) اخبار جحظة البرمکی (۷) مقاتل الطالبیین (۸) کتاب الحانات (۹) آداب الغرباء (۱۰) کتاب نسب بنی عبد شمس (۱۱) کتاب ایام العرب (۱۲) کتاب التعدیل والانتصاف (۱۳) جمہرة النسب (۱۴) کتاب نسب بنی شیبان (۱۵) نسب المہالبة (۱۶) کتاب نسب بنی تغلب و بنی کلاب (۱۷) کتاب غلمان المغنین وغیرہ۔
۵۸ ابن خلکان ص۲۳۳ کشف الظنون جزو اول صفحہ ۱۲۶ ۵۹ اور نکلسن بائیگرافیکل ڈکشنری از ولیم بیل صفحہ ۲۲ ۶۰ کشف الظنون جزو اول صفحہ ۱۲۶۔

کچھ مال و دولت صرف کیا کرتا تھا۔ جب اسکو یہ خبر معلوم ہوئی کہ ابوالفرج کتاب الاغانی کو تصنیف کر چکا ہے تو اس سے درخواست کی کہ قبل اسکے کہ تم اپنی کتاب کی نقل عباسی خلفاء کو دو مجھے دیدو اور اسکے عوض میں ایک ہزار اشرفیان بھیجیں۔

ابوالفرج نے چہارشنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۶ء میں بغداد میں وفات پائی مرنے سے کچھ دنوں قبل اسکے حواس معطل ہو گئے تھے۔

کتاب الاغانی یورپ میں عام طور پر متداول ہے اور بڑے بڑے فاضل یورپین جو عرب کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو سب سے پہلے اسی سے رجوع کرتے ہیں۔ اہل یورپ کے نزدیک عربی شاعری کی تاریخ میں اس سے بڑھکر کوئی مستند کتاب نہیں۔ یورپ میں سب سے اول جب مصر پر فرانس سے جنگ ہوئی اسوقت یہ کتاب مسٹر [illegible] کو دستیاب ہوئی جسکا قلمی نسخہ اتبک پیرس کی رائل لائبریری (شاہی کتبخانہ) میں رکھا ہوا ہے غالباً اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں تو نہ ہوا ہو لیکن جرمنی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اختر جوناگڈھی

[illegible]

عثمانیہ یونیورسٹی کا فرمان

ہم اس مژدۂ جانفزا پر اپنی دلی مسرت و امتنان کا اظہار کر چکے ہیں کہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے اپنی سالگرہ کی تقریب مسعود پر ممالک آصفیہ میں ایک عثمانیہ یونیورسٹی قائم کرنے کا حکم دیا ہے جسمیں ذریعۂ تعلیم اردو زبان ہوگی۔ اور انگریزی بطور ایک لازمی مضمون کے تمام درجوں میں پڑھائی جائیگی چونکہ ہم انگریزی کی ضرورت سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ لیکن تعلیم کی عام اشاعت صرف ملکی و مادری زبان ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے اور اردو ذریعۂ تعلیم ہی تعلیم کی حقیقی اغراض کو پورا کر سکتی ہے جس کا سلسلہ شروع کرنے پر حضور نظام مد اقبالہم کا اسم گرامی یقیناً ملک و قوم کے محسنین [illegible] میں بہ حروف زرین لکھا جائے گا۔ اور اہل ہند کی موجودہ و آئندہ نسلیں اپنے قلوب کو ان کی شکرگذاری سے معمور پائینگی۔ اردو یونیورسٹی [illegible] ایک عظیم الشان تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم معزز ہمعصر صحیفہ حیدرآباد سے وہ فرمان نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو معتمدی [illegible] (صیغۂ تعلیمات) کی اس عرضداشت پر کہ "حیدرآباد کے خاص حالات کے لحاظ سے یہاں ایک یونیورسٹی قائم کرنی ضروری [illegible]" شرف صدور لایا ہے۔ وھو ھذا:-

ایک ایسی یونیورسٹی قایم کی جائے جسمیں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور پر کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقایص دور ہو کر جسمی و دماغی اور روحانی تعلیم کی قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جسمیں علوم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبا کے اخلاق کی درستی کی نگرانی اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری رہے۔ اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو کو قرار دیا جائے۔ مگر انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازم گردانی جائے۔ لہذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں حسب اصول مولہ عرضداشت کے موافق ممالک محروسہ کیلیے حیدرآباد میں یونیورسٹی قایم کرنے کی کارروائی شروع کیجائے اور اس یونیورسٹی کا نام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہو

ملک آصفیہ کی اردو یونیورسٹی کے لیے "عثمانیہ یونیورسٹی" ایک نہایت ہی موزون نام ہے۔ اور ہم بہت خوش ہوکر اسکے قیام کے انتظامات کی راہ دیکھ رہے ہیں اس امر کا اجرائے یونیورسٹی پر حضور نظام کا خیال سررشتۂ تعلیم ریاست حیدرآباد کی عرضداشت سے رجوع ہوا اور ظاہر ہے کہ مسٹر راس مسعود کے دکن میں ڈائرکٹر بنکر تشریف لیجانے سے جو خوشگوار امیدیں باندھی گئی تھیں وہ پوری ہونے لگی ہیں۔

(شکر یا شکایت)

باندھا تھا عہد اُنے اُن سے اگر دفا کا — فرمان تھا یہ کہ شکوہ ہو نہ کچھ جفا کا
لیکن میں آدمی ہون کبتک کرو صبر مجھسے — تھا ہی مین نے دامن تب الرضا کا
جب اُن کے جو مجھ پر حدسے گذر گئے ہین — اب چشم تر ہے ... دم ہے ... انتہا کا

جب دیکھتا ہون اُنکا مین جلوہ جلالی — آتا نہین ہے لب تک آگے حرف مدعا کا
آفت مین پڑ گیا ہون مین کرکے جرم الفت — اُلٹا اثر ہوا ہے شاید مری دعا کا
اعمال کی جزا بھی ہو اُن کا اک ترحم — قائل ہوا ہون ایسے اُنکی ہر ادا کا
ہر فعل کا نتیجہ ہر کام کی جزا ہے — یہ انتظام ہے قانون ہر خدا کا
صورت کا ہر ہیولا ہی پردہ دار معنی — ہر انتہا کرشمہ گویا ہے ابتدا کا
سیل گنہ نے آخر کشتی ڈبو کے چھوڑی — چھوڑا انجام اُنکا اُنکا ... ہون ... کا

بنا کہ عاشقی کا ہر دم ہی ہے تقاضا — محبوب کی جفا مین یادن مراد نا کا
کم زور دلون سے لیکن ہوتا ہون شکوہ — کہتا ہون درد شہ مین منھ دیکھ کا کا

زان یار دلنوازم شکریست با شکایت
گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت
(حافظ)

ہوتی ہے درد دل سے جب میری آنکھ پر نم — پاتا ہون کہ جہاں کی بزم نشاط و درہم
جب جی ہوا پریشان منعت ہوئی منتشر — ہر ایک صدا ہستی کی بنتی ہے شور ماتم
رہ رہ کے بیخودی مین لاکھون نفس گذارے — ذوق وصال نے کئی کر کرتا ہی ہمدم
سچ ہے کہ بیکسی مین کوئی نہین کسی کا — دل سے رفیق کوئی پاتا نہین ہون ہمدم
معلوم تو ہے سب ہے دنیا نہین مین شکوہ ہے — دعوی ہو عشق کا اب کیسی شکایت غم
لیکن ہے سخت مشکل خود ہی کو بھول جانا — کہتے ہین کر ہے دانا اس کو جہاد اعظم
حسرت تو ہے ہون مگر کچھ فطرت ضعیف بھی ہے — احساس دل کا میرے سب سے جدا ہے عالم
ہر حال مین ہم ... ہر ... جانان — دیر و حرم مین مین نے برسون کیا ہے سر خم

لیکن رقیب یا ہم مین مانتی مراد مین — کیونکر کرون نہ مین پھر یہ شکوہ نہ بیہم

بے مزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردم
یاران مباد کس را مخدوم بے عنایت
(حافظ)

مسلم نہین بنا تا معبود اپنے نفوس — ذکر خدائے واحد کرتا ہے وہ تو وادس
سکھا نہین ہے اس نے یادس ہو کے جینا — ہوتا نہین پریشان گر لاکھ ہو وہ بیکس
مشکل کو اس نے مشکل سمجھا نہین جہان مین — آزاد ہی رہیگا یون ہو اگر چہ بے بس

اس کی سخاوتون نے مفلس کیا ہی اسکو — لیکن کبھی بنایا دنیا کو اس نے جبر رس
سارے جہان کی اس نے کی تھی کبھی درستی — چیٹے ہوئے ہین اس کو گو آج خار و خس
یہ حرم کا اب بھی وہ زندہ رہا ہے — پامال کر رہے ہین لیکن کسون کو نا کس
جن کو یہان پلایا آب حیات اُس نے — نادان سمجھ کے اسکو ہنستے ہین اب یہ جو کس

زندان تشنہ لب را آبے نمیدہد کس
گویا ولی شناسان رفتند زین ولایت
(حافظ)

(رباعیات صفی)

تو سوئے چراغ صبحگاہی نہ لگا — دل جز طرف یاد الٰہی نہ لگا
پیری کو خدا سے نہ دے رنگ خضاب — اے شیخ اسپیدی مین سیاہی نہ لگا

تا حد نظر جلوۂ گہ یار ہے سب — اک پرتو آئینہ رخسار ہے سب
جو کچھ ہے سوا اُس کے دکھائی دیتا — صورت گری وہم غلط کار ہے سب

جبتک کہ بدن مین ہے روان جوئے حیات — ہر موج نفس ہے فیض یار ب حرکات
کر تشنہ لبون کیون کنارہ اید وست — بہتا ہوا دریا ہے ابھی دھوئے ہات

دنیائے دنی ہے اک سرا سر آفات — کیون فکر مین مبتلا ہے اسکی ذرات
جس کو غم دنیا سے نہین آزادی — زندان بلا ہے اُس کو خود قید حیات

عالم متغیر ہو تو فانی ہے ضرور بے بہرہ عمر جاودانی ہو ضرور
ہر شے میں ہو انقلاب پایا جاتا حادث ہو لیکن یہ نشانی ہو ضرور

(واردات عشق)

وہ جدا ہو گئے دن ڈوب گیا رات آئی پھر وہی ہم ہیں وہی غم ہو وہی تنہائی
کبھی ہو قصد کہ بس ترک تعلق کیجے کب تلک آخر یہ ملامت کشی و رسوائی
کبھی آتا ہو خیال اُس کو بھی سمجھا لیجے کہ ہمیں بھی وہ ذرا یاد کرے ہرجائی
کبھی یہ وہم کہ شاید وہ ہمارا ہو جائے چھوٹے اب ہم سے وہ سب چھیڑ یہ خود رائی
کبھی آتا ہو خیال اُسکے کبھی احسانوں کا کہ کیا لطف بھی بایں ہمہ بے پروائی
سرکشی ہی سے سہی ہم سے وہ ملتا تو رہا بے رخی ہی سے سہی شکل نظر تو آئی
گو جفا کوش رہا پھر بھی ہم آغوش رہا قابل قدر رہی اے شوخ تری رعنائی
نہ ترے وصل میں آرام نہ فرقت میں چین یہ گلہ کس سے کہ کیوں تجھ پہ طبیعت آئی
ہاں نہ کرنی تھی محبت مگر افسوس کہ کی ہاں نہ آئی تھی طبیعت مگر اپنی آئی
ہاں خطا اپنی ہو خود اپنا ہو تقصیر اپنی جو کیا ہم نے سزا اُس سے بہت اچھی پائی
اپنے نزدیک ذلیل اور وں کی نظروں میں حقیر ساتھ ذلت کے محبت میں ہوئی رسوائی
سنتے آتے ہیں محبت میں ہو رسوائی بھی اس سے کچھ پاتا ہو تسکین دل شیدائی
طعن و تشنیع کے اندیشے تو مٹ جاتے ہیں یعنی بدگویوں سے ہو جاتی ہے یکسوئی
ہمتیں طے کر چکے یہ منزل دشوار گذار دلشکن طعنوں سے اب ہوتی ہو دل افزائی
حوصلے عشق کے ہوتے ہیں بلند اور رسوا عہد پیری میں بھی آجاتی ہو پھر برنائی
غمزے وہ کرتے ہیں جس کا نہ کبھی دیکھا تھا جانتے ہیں کہ نیا رنگ محبت لائی
سبب نفرت کا نتیجہ ہو کہ جاہیں اُسکو اور چاہیں بھی تو اصلاح کرے دانائی
دیکھ کیجائیو کا غلبہ اُسے ہوتا ہے غرور سطلیں وہ تیں ہیں زیبائی نازیبائی
پیار آتا ہو کبھی عار بھی آتی ہو کبھی کہ دل آنے ہی سے پہلے ہمیں موت آئی
ایک کے بعد نہ رد جانی نہ غیرت نہ خودی تاکجا منت و تاچند جبین فرسائی
نہ محبت نہ مروت ہو نہ آداب اخلاق بات وہ بات ہو جو اُسکی سمجھ میں آئی
اُف نصیب دا ترے کس سے شکایت کیجے کہ ہو بیکار یہاں داد گری دارائی

خدمت عاشق معشوق کی تھی اکبھی اور باوفائی نہ ہوئی عشق ...
عاجزی پر ہو توجہ نہ خوشامد پہ نظر ناز کیا عُجب و تکبر کا ہے دل آرا...
کیا نہیں آتے ہیں اصلاح کے آداب ہمیں ہم بھی کر سکتے ہیں اصلاح سے بے پروا...
اک زلیخا ہی نہ تھی عاشق معشوق آزار پائی ہو ہم نے بھی کچھ ایسی سودائی...
لیکن اپنا یہ طریقہ ہو نہ شیوہ نہ شعار بندۂ عشق کو زیبا نہیں تنہا ...
دعوی عشق بھی پھر آئی حکومت کیا خوب یا کبھی ہم کہتے ہیں ایسے مگر ...
اے وہ معشوق کہ ہو آپ کا پایا فرمانبردار حسرت دل بھی عجب طرح کی ہیں سودا...
اُس کا لائی چاہا ملا اور نہ چاہا نہ ملا اُٹھ گیا اُسکی طبیعت سے ذرا گھبرا...
وہ گیا جانے دو وہ دن ڈوب گیا ڈوبنے دو غم ہی کیا بات ہو آنے دو اگر شام آ...
دن جو ڈوبا ہو تو پھر نکلے گا انشاء اللہ سو رہو اب کہ بڑی رات آئی نیند...
جانے والے نے پھر آنے کا کیا ہو وعدہ بس یہی کافی ہو دل سوز شب تنہا...
یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں غلط ہوں کہ صحیح ناز یہ دل کو کروں کیا کہ ہو یہ ...
نہیں سنتا کوئی برہان نہ حجت نہ دلیل رائی کو کوہ کبھی کوہ کو کہہ دے ...
کبھی یہ زور کہ اب ہم نہ ملیں گے اُس سے کبھی یہ شور کہ بے اُس کے بس اب ...
کبھی یہ تخیل کہ دل اس شوخ سے اُس سے کبھی جان اپنی فدا کرنے میں حاتم طا...
ہو عجب طرح کی یہ کشمکش یاس و امید
کیفیت کیا ہو یہ ابتک نہ سمجھ میں آئی
سعید ...

(رباعیات حضرت کوثر خیرآبادی)

شاہ و گدا کہ زار و مجبور ہیں سب تدبیر و حیلے دل سے معذور ہیں ...
ہے لطف مایشاء ایمان کو تو مختار وہی ہو اور مجبور ہیں سب

بیماروں کو صحت و شفا دیتا ہے دکھ درد و مصیبت سے چھڑا دیتا
اپنے فضل و کرم سے لمحے بھر میں بگڑے ہوئے سب کام بنا دیتا

ہو عشق جانسوز کی اُفتاد وہی اور حسن دل افروز کی بنیاد ...

نیرنگیِ قدرت سے عیاں ہو کوثر   شیرین کی وہی ہے اور فرہاد وہی

تیر نظر پری رخوں پہ مرنا کیسا   دے کر دل جان سے گذرنا کیسا
جس نے دل سے بھلا دیا ہو کوثر   پھر یاد اس بے وفا کو کرنا کیسا

ہے حسرتِ دیدِ مومن کا دل میں تعشقا ابتک   اللہ کے گھر میں ہے اندھیرا ابتک
کعبہ میں گئے تھے بت شکن بننے کو   کوثر بت پندار نہ ٹوٹا ابتک

ہے پاؤں زاہدوں کا اب یہ چرچا ابتک   سر پہ ہے پری زادوں کا سایا ابتک
ہے دل میں خیالِ زلف عارض کوثر   اصنام کا کعبہ میں ہے تمنا ابتک

مضطر (خیرآبادی)

شاعر دوراں میں ترا ذکر رہے گا مضطر   تو سلامت رہے مشہور زمانہ مضطر
کچھ جھکا سا ہے کلمہ تیری بلاغت نے   تو سخنداں کی قسمت کا ہے اختر مضطر
انتہا آج ترے دم سے ہوئی اردو کی   مرکزِ حرمتِ فن تجھ سے ہے نشتر مضطر
صداقت تیرے اشعار میں ہیں   تو فصاحت کی ہے تصویر سراسر مضطر
جوش صحیح زباں تری انتخاب میں ہیں   اصفہان والوں نے پوچھے ترے جوہر مضطر
نغمہ ناز ہی ہے تیرے نام سے پیدا ہو گئی   ہر زباں پر ہے یہی شکوہ مضطر
شاہ تک اس کی رسائی ہوئی تیرے منہ سے   تیرا احسان یہ کیا کم ہے سخن پر مضطر
وہ مضطر ہے کہ ہے جان کو تجھ سے راحت   تو وہ مضطر ہے کہ دل لوٹ لے تجھ پر مضطر
لبیں ہے حسرت و ارمان و تمنا کا ہجوم   دیکھو تو ہے یہ نئی وضع مولانا کی مضطر
وہ شوق بجھانے کو میں دیتا ہوں تجھے   اس سے بہتر نہ ملے گا کوئی بستر مضطر
تیری آرام سے اسود رکھے تجھ کو مدام   خواب میں بھی ہو نہ تو اے مرے مضطر مضطر

خوش کیا تیری ملاقات نے اس کو از حد
تو بھی بشاش ہوا رشک سے مل کر مضطر

رشک (جاودی)

سیر کہسار

سہے اب دیدنی منظرِ کوہسار   درختانِ خود رو کی ہر سو قطار
پرندوں کی شاخوں پہ وہ بولیاں   وہ گلہائے رنگیں سے پر جھولیاں
ہوا سے وہ پتے کھڑکتے ہوئے   وہ دل طائروں کے پھڑکتے ہوئے
وہ بہتی ہوئی نہر آغوش میں   دلِ مضطرب لہر آغوش میں
ہوا سے منقش ہے یوں سطحِ آب   کہ انگڑائی لے جیسے مستِ شراب
تحمل خرامِ نسیمِ چمن   پڑی جاتی ہے پیرہن میں شکن
گلوں سے بڑھی ہے عجب شانِ کوہ   کہ پھولوں کی ڈالی ہے دامانِ کوہ
کھلا گل ادھر لطف دیتا ہوا   تو سنبل ادھر بل کی لیتا ہوا
سہے گلہائے قدرت کی ہر سو بہار   حسینوں کی چوٹی میں پھولوں کا ہار
شگفتہ ہر اک حسرتوں کی ہے بوٹ   صبا خود ہے اپنی اداؤں پہ لوٹ
تحیر نما دل پہ لالہ کے داغ   تہ دامنِ صبح روشن چراغ
زہے حسن آئینہ ہے سطحِ آب   کہ منہ اپنا ہے دیکھتا آفتاب
زمرد نما ہے یہ جوئبار   کہ ہے لہلہاتا ہوا سبزہ زار
محرک نظر کو ہیں حیرت کے پھول   کھلے ہیں گلستانِ قدرت کے پھول
دعائیں صبا سب کو دیتی ہوئی   بلائیں ہیں پھولوں کی لیتی ہوئی
سہانی سحر ہے سہانا سماں   کھلی حمد پر طائروں کی زباں
گل و برگ و اشجارِ صحنِ چمن   یہ سب گا رہے ہیں اسی کا بھجن
ہوا دامن کوہ جنت نشاں   کہ انوارِ رحمت ہے ہر سو عیاں
رواں کیوں سر سے ہے خود آبشار   صدا دے رہا ہے کہ تجھ پر نثار
جھکی ہے ہر اک شاخ بہرِ رکوع   ہوا میں صدا ہے خضوع و خشوع
اطاعت کا خود دشت سے ہے نمو   ہر اک ذرۂ خاک سر بر سجود
زہے شوق رحمت سے راز و نیاز   ادا عشق کی ہو رہی ہے نماز

یہ منظر سبق لینے کا ہے سلام
مرقع محبت کا ہے لا کلام

مضطر

قدر شناسان العصر کی خدمت مین

اپیل

معزز معاونین العصر کی خدمت مین ہم ادب سے التماس کرتے ہین کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہین اور اس کو ملک اور قوم کے حق مین مفید تصور فرماتے ہین، تو آپ کا یہ ملکی اور قومی فرض ہے کہ اس کی توسیع اشاعت مین دل سے کوشش فرمائیے کیونکہ اس کی مالی حالت جب خطرے مین نہین رہیگی، تو ہم اس کو مفید ترین اور اعلیٰ ترین درجے پر پہنچانے کی کوشش مین کامیابی کر سکین گے ہم اپنے معزز خریدارون کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہین چاہتے کہ ہر خریدار اسکو اپنا فرض جان لے کہ وہ العصر کے لیے دو خریدار اور پیدا کریگا، اور جبتک یہ جدید خریدار پیدا نہو جائین اس فرض سے اپنے تئین سبکدوش خیال نکرے ہم امید کرتے ہین کہ العصر کے معزز قدر شناس ہماری اس ناچیز درخواست پر تہ دل سے توجہ مبذول فرمائین گے۔

اطلاع

اکثر حضرات [illegible] بعد پیشگی [illegible] ایسے حضرات سے [illegible] کے پرچے ابھی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع [illegible] بعد کو پرچہ باقی رہنے کی وجہ سے تعمیل ارشاد نہین ہو سکتی [illegible] خصوصیت کے ساتھ [illegible]

کلیات شادان

یعنی راجہ راجایان مہاراجہ چندو لال بہادر شادان مغفور وزیر اعظم دولت آصفیہ کا اردو مجموعہ کلام مع تصاویر

کلیات کے شروع میں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای مدار المہام نے ۴۴ صفحہ کا ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جسمیں اپنے جد اعلیٰ کے مختصر حالات اور ان کے کلام کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں مہاراجہ چندو لال بہادر ایک عالی درجے کے فیاض اور نغزگو شاعر تھے ملک کو مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انکی توجہ سے ایک صدی کے بعد یہ بیش بہا اعلیٰ تحفہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اس کلیات کا ایک ایک شعر عشق و محبت کا دفتر ہے اور زیادہ تر تصوف کا رنگ بقدر غالب ہے انکی شاعری دیکھنے کے بعد مشکل سے کوئی کہہ سکے گا کہ وہ موحد اور صوفی نہ تھے یا ان کا مذہب صلح کل نہ تھا۔ زبان بھی مقابلتہً نہایت شستہ اور صاف ہے۔ غرض یہ کلیات اس قابل ہے کہ ہاتھوں ہاتھ خرید لیا جائے۔

تقطیع ۲۲×۲۹ ضخامت ۵۰۰ صفحات کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔

قیمت بلا جلد عہ فی جلد۔ مجلد عہ فی جلد

فرخندۂ آفاق ترجمۂ عشرتکدۂ آفاق

یہ کتاب بھی راجہ راجایان مہاراجہ چندو لال بہادر شادان مغفور وزیر اعظم دولت آصفیہ کی تصنیف کا نمونہ ہے جس کو راجہ راجیشور راؤ بہادر اصغر نے فارسی زبان سے نہایت قابلیت کے ساتھ سلیس اور عام فہم اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں دلچسپ اور سبق آموز حکایات اور نادر نکات کے تذکرے درج ہیں۔ جو قابل دید ہیں۔

حجم ۴۴ صفحات قیمت فی جلد آٹھ آنے مجلد بارہ آنے

محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار ہوگا۔

المشتہر

سکریٹری منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس، لکھنؤ (اودھ)

پہلے درویش کے جنگی کارنامے

یعنی ان بڑی بڑی لڑائیوں کا بیان جنمیں خود حضور سرور کائنات شریک ہے عنوان بالا کے تحت میں نہایت عمدہ اور دلکش تاریخی مضامین کا ایک قابل دید سلسلہ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب نے میرٹھ کے باہوار مذہبی و ادبی رسالہ "راز و نیاز" کیلئے لکھنا شروع کیا ہے اس دلکش سلسلہ کا پہلا حصہ رسالہ راز و نیاز کے نوروز نمبر عرف درویش جنتری ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا ہے جو صاحب اس نرالے تاریخی مضمون کے مطالعہ سے لطف اٹھانا چاہیں وہ صرف ۴۰ کے ٹکٹ بھیجکر ہم سے درویش جنتری ۱۹۱۷ء منگائیں جسمیں سال بھر کے لیے پنجگانہ نماز اور سحر و افطار کے نہایت معتبر اوقات ایک ہزار سے زائد بزرگان دین کے عرسوں کی تاریخیں حضرت جرجیس علیہ السلام کا عبرت آموز قصہ اولیاء اللہ کی دلسوز حکایت فقہی مسائل شرعی آداب اعمال و نقوش نفت۔ عجیب علاج اسلامی اخبارات و رسائل کی فہرست اور بہت سی کار آمد اور دلچسپ باتیں درج کی گئی ہیں اور جس کی ایک ایک سطر پڑھنے کے قابل ہے۔ رسالہ راز و نیاز کے ذریں کی سالانہ قیمت عہ ر ششماہی ۱۲ اور سہ ماہی ۷ رہے۔ کے مستقل خریداروں کو درویش جنتری مفت دی جاتی ہے۔ صرف ۷ خرچ کرکے آپ درویش جنتری اور راز و نیاز کے دو پرچے خرید سکتے ہیں۔

منیجر رسالہ "راز و نیاز" درویش جنتری کمپ میرٹھ

انقلاب یورپ

یورپ کے جدید سیاسیات پر ایک حیرت خیز فرانسیسی ناول کا ترجمہ ہے جس کا ایک ایک ورق، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ پڑھنے والے کو ورطۂ فکر و تحیر میں ڈال دیتا ہے اس کے مترجم بابو روشن لال صاحب ہیں یہ ناول ہر ماہ ۲۰ صفحے پر رسالہ ترجمان لاہور میں شائع ہوتا ہے جسمیں اسکے علاوہ ملک کے بہترین انشاء پردازوں کے مضامین بھی نکلتے ہیں۔ اس ناول کے بہت کم ابتدائی پرچے باقی ہیں انھیں بہت جلد چندہ سالانہ عہ بھیجکر طلب کیجیے ورنہ شاید پھر کبھی آپ اس ناول کو مکمل نہ دیکھ سکیں نمونہ کے لیے ۵ کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

لال برادرس نمبر ۱ پارسنز روڈ، نولکھا، لاہور

نوشتۂ تقدیر آپ ایک پوسٹ کارڈ پر اپنا نام اور تاریخ پیدائش اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو تخمینا عمر اور پوسٹ کارڈ لکھنے کی تاریخ اور وقت لکھکر بھیجدیجیے ہم آپکو آئندہ بارہ مہینے کے مفصل آنے والے حالات و واقعات یعنی خوشی و غم کن مہینوں میں کس تجارت سے نفع ہوگا روزگار کے متعلق ترقی تبدیلی موقوفی علالت کیا اولاد ہوگی وغیرہ جملہ باتوں کا خلاصہ عہ میں بذریعہ ویلیو پی ایبل ارسال کردینگے نا مطابق ہونے پر قیمت بلا عذر واپس ہوگی جنم پترہ وغیرہ بھی تیار کیا جاتا ہے فیس صرف نہایت عہ لاٹری گھوڑ دوڑ ریس اور قسم کی بازی لگانے سے پیشتر آپ ہم سے مشورہ کریں تو یقینا نفع میں رہینگے فیس واجبی لیجائیگی۔

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

المشتہر پروفیسر ایف۔ ای۔ بیرال، وکٹوریہ گنج لکھنؤ

تصنیفات مولوی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم

الحقوق والفرائض - ضخیم کتاب تین جلدون مین ہی جلد اول مین پہلے ایک تمہید ہی۔ اُس کے بعد **حقوق اللہ** یعنی ایمان باللہ ایمان بالانبیاء ایمان بالکتب ایمان بالملائکہ ایمان بالیوم الآخر ایمان بالقدر توحید ممانعت شرک صلوٰۃ طہارت نجاست حقوق قرآن اور خدا کی قسم کا ادب وکفارہ وغیرہ کا بیان ہی جلد دوم مین **حقوق العباد** یعنی حقوق پیغمبر حقوق النفس حقوق علما حقوق اولاد حقوق والدین حقوق زوجین حقوق قرابت ہمسایہ حقوق یتامیٰ حقوق اہل معاملہ حقوق دشمن وغیرہ کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہی اور جلد سوم مین مضامین اخلاق وآداب مطابق حکم شریعت درج ہین مثلاً علو ہمتی صدق مدارات عفو درگذر تواضع عجز حفظ لسان صبر آداب حاکم و محکوم آداب ملاقات آداب مجلس آداب النظر دت آداب اللباس اور آداب السفر وغیرہ وغیرہ کو نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہی۔ یہ کتاب عمدہ سفید ولایتی کاغذ پر طبع ہوئی ہی قیمت تینون جلدون کی للعہ مجلد صہ

اجتہاد - اس کتاب مین یہ بات ثابت کی گئی ہی کہ اسلام اور اُسکے معتقدات اور اصول اعمال سب فطری ہین یعنی انسان خواہ کسی مذہب کا گرویدہ ہو اگر پورے غور وفکر سے کام لے تو قطع نظر کسی دلیل خارجی کے اُس کی طبیعت کا تقاضا خود بخود اسلام وارکان اسلام کی معقولیت کو قبول کرنے پر مجبور کرے گا۔ کاغذ سفید ولایتی قیمت عسصر مجلد عسصر

ادعیۃ القرآن - یہ کتاب ان لوگون کے لیے ہی جنھین تلاوت قرآن کے ساتھ اوراد اور وظائف کا بھی شوق ہی اِس مین ایک مختصر مگر نہایت مفید دیباچہ ہے اور دیباچہ کے بعد چار تمہیدی ابواب ہین جن مین (۱) دعا کے انسانی فطرۃ مین داخل ہونے (۲) حکم دعا اور وعدۂ قبول (۳) خدا کے سوا کسی دوسرے سے دعا کی ممانعت (۴) دعا کی قبولیت کے اسباب و شرائط۔ زبان بعد سول عربی سے لیکر آدم تک جسقدر انبیا ہو گزرے ہین اُن کی سب دعائین ترتیب وار درج ہین ہر دعا کے الفاظ عربی خط مین لکھے گئے ہین اور بالمقابل ترجمہ۔ نیز نوٹ مین ہر دعا کی تاریخ نزول ہی اور پیشانی پر جلی حرفون مین ہر دعا کا خاصہ ہی غرض وظیفہ خوان مردون عورتون بچون کے لیے نہایت مفید کتاب ہی۔ قیمت صرف ۶ر

دو سورہ فی احسن صورہ - یہ بتانا مشکل ہی کہ پنج سورون کا رواج کب اور کیون ہوا۔ مگر بہت پرانے پنج سورے دیکھنے مین آئے ہین اِس سے ثابت ہوتا ہی کہ پنج سورون کا رواج سینکڑون برس پہلے سے چلا آتا ہی سارے قرآن کی تلاوت دیر طلب ہی کسی نے اتفاقی طور پر اپنی رائے سے سورہ یٰسین الرحمٰن تبارک الذی واقعہ مزمل پانچ سورتین منتخب کرکے ان کا ورد بنالیا لوگون کی فرمائش سے مولانا نے متداول پنج سورے مین پانچ اور سورتین بڑھاکر دہ سورہ مرتب کیا ہی قیمت ۸ر

حیاۃ النذیر - شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد خان ایل ایل ڈی ڈی او ایل دہلوی کے زندگی کے مفصل حالات اور اُن کی مذہبی قومی اور علمی خدمات کا مفصل بیان مرتبہ سید افتخار عالم بلگرامی تم المارہروی۔ بڑی تقطیع کے لمبے سات سو صفحہ پر کتاب ختم ہوئی ہی۔ قیمت صرف سے مجلد سے ر

سکرٹری منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس لکھنؤ (اودھ)

ان گولیون کو غیبی امداد سمجھیے

ہماری آتنگ نگرہ گولیان اُن مریضون کے حق مین جو جسمانی اور دماغی
اور اعصابی قوت کو کھو کر زندگی سے مایوس ہوگئے ہون غیبی امداد ہین
ہر قسم کے ضعف کو دور کرکے ازسرِنو نوجوان بنا دینا ان گولیون کا ادنیٰ کرشمہ
ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ... عمر علاوہ محصول ڈاک۔

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی و آرام کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے اگر
تندرستی حاصل نہین تو ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے بس اگر آپ تندرستی
کے بھیدون سے واقف ہونا اور ہمیشہ طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہین
تو ہماری کتاب کام شاستر جیسے بلا قیمت منگا کر مطالعہ کیجئے جو گجراتی ناگری تامل
مرہٹی تلنگو بنگالی انگریزی وغیرہ مختلف زبانون مین موجود ہے۔
پتہ۔ ویدیہ شاستری منی شنکر گوند جی شہر جام نگر (کاٹھیاوار)

روزنامہ ہمدم لکھنؤ

جو ظاہری شان اور باطنی خوبیون دونون کے اعتبار سے اُردو زبان کے
بہترین "روزنامہ" کا لقب حاصل کرچکا ہے جنگ کی خبرین تمام اُردو صحائف
سے پہلے پہنچانا اس کی ممتاز خصوصیت ہے کم از کم نمونہ ضرور منگائیے
منیجر
روزنامہ ہمدم نمبر ۲ لاٹوش روڈ، لکھنؤ،

دیوان غالب اُردو

اردو دیوان غالب کا یہ خاص اڈیشن نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔
شروع مین ایک پرلطف دیباچہ اور مرزا غالب کی مختصر سوانح عمری درج ہے
نیز مرزا غالب کی عکسی تصویر بھی شامل ہے۔ کلام غالب کے دلدادگان
اس نسخہ کو ضرور منگائین۔ قیمت عمر مجلد عہ
شرح دیوان غالب مع مقدمہ مشتمل بر حالات و تنقید کلام غالب از سید فضل الحسن
صاحب حسرت موہانی بی اے قیمت عمر مجلد عہ
المشتہر۔ منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس، لکھنؤ (اودھ)

العصر جلد چہارم و پنجم بابت سنہ ۱۹۱۶ء

العصر کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد کا کوئی پرچہ اب دفتر مین نہین ہے
بہت مشکل سے چوتھی اور پانچوین جلد کے چند سیٹ مرتب کیے گئے ہین جن حضرات
کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمالین ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکیگا جلد چہارم
مین ۵ مضامین نظم و نثر اور بیس رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویرین ہین اور جلد پنجم مین تقریباً ۸ مضامین
نظم و نثر اور اٹھارہ ہاف ٹون عکسی تصویرین ہین قیمت علاوہ محصول ڈاک جلد چہارم عا جلد پنجم
عسہ اگر دونون جلدین یکساتھ خریدئیے تو صرف للعہ قیمت ہوگی محصول خریدار کے ذمہ ہوگا
المشتہر۔ منیجر رسالہ العصر، نولکشور پریس، لکھنؤ

کم خرچ بالا نشین اسکو کہتے ہین

اُردو لٹریچر کی دلچسپیون کا ہموار مجموعہ رسالہ تاج ضرور ملاحظہ فرمائیے
جو جنوری سنہ ۱۹۱۴ء سے جاری ہوا ہے۔ آپ یقیناً اسکو دیکھ کر خوش ہونگے بارہ
جزو کے رسالہ کی سالانہ قیمت صرف عمر اور وہ بھی مع محصول۔ نمونہ کیلئے
دو آنہ کے ٹکٹ ارسال کیجیے مفت ہرگز نہ ملیگا۔
المشتہر۔ منیجر رسالہ تاج۔ کمانی کمان۔ حیدرآباد (دکن)

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسیٰ نہ لاسکے!
یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردے مین قدرت کی تجلیان مخفی مین دنیائے علم کے تماشائی
کہان ہین آنکھین کھولین اور اس جام جہان نما کی سیر کرین اخلاقی تمدنی ادبی
معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب
عالمتاب کیطرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا مین ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے اہل نظر
نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھین اور علم کی جیتی جاگتی تصویرون کا جن کو
ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگون مین نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہین تماشا
دیکھین قیمت بھی کچھ نہین صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال
تک گھر بیٹھے ہوسکتی ہے۔ نمونہ ۵ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔
منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

مرد عورت اور لڑکون کے لیے سر مین لگانے کا خوشبودار تیل

(رجسٹری شدہ) کامی نیا آئیل (رجسٹری شدہ)



یہ تیل نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ مین سب اسی کا استعمال کرتے ہین کیونکہ یہ مفید اجزا سے مرکب ہی کامی نیا آئیل سر پر لگانے سے ٹھنڈک رہتی ہی اور اسی باعث طالبعلمون وکیلون بیرسٹرون اور دماغی کام کرنے والون اور جن کے سر مین درد رہتا ہو بہت مفید ہی کامی نیا آئیل سر کی ہر ایک قسم کی بیماریون کو دور کرتا ہی اور گرتے ہوے بالون کو بچاتا ہی نیز بے وقت بال سفید ہونے نہین دیتا۔ سر کے بال نرم سیاہ و چمکدار ہو جاتے ہین دماغ کی خشکی درد سر دیگر دردی وغیرہ کو دور کرتا ہی۔ بالون کو بڑھاتا ہی ضعف دماغ و زیادہ رنج و غم و فکر کی وجہ سے بالون کی جڑین کمزور ہو جاتی ہین اور پھر بال ٹوٹ کر گرنے لگتے ہین اور یہ عارضہ اکثر بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی عورتون کو ہوتا ہی جسکے لیے کامی نیا آئیل نہایت مفید ہے نقلی تیل جو بازار مین لوگ فروخت کرتے ہین دماغ کو نقصان پہنچاتے ہین ایسا ضرر رسان تیل نہ خریدیں بلکہ ہمیشہ ہمارا اصلی کامی نیا آئیل طلب کرو جس کی عمدگی کے لیے ہم کو میسور کی گذشتہ نمائش گاہ سے ایک سونے کا تمغہ انعام ملا ہی۔ کامی نیا آئیل خریدتے وقت اگر کوئی دوکاندار آپ کو دوسرا تیل دے اور یہ کہے کہ اس سے سستا اور عمدہ ہی تو اس کی خریداری سے اجتناب کرو کیونکہ نقلی تیل فروخت کرنے والے زیادہ نفع کی لالچ سے خراب مال دینے کی کوشش کرتے ہین اسلیے جب خریدو کامی نیا آئیل کی سر بند بوتل دیکھ لو قیمت فی بوتل عہ محصول ڈاک وی پی خرچہ چار آنہ تین بوتل دو روپیہ دس آنہ وی پی خرچہ سات آنے۔

استعمال کرنے کی ترکیب سال اور بالون کی جڑون کو ہر دوسرے تیسرے روز صاف کر کے اُن مین تیل کی مالش کی جاے۔

آٹو دل بہار (رجسٹری شدہ)

واقعی آپ کے مزاج کے مطابق قدرتی پھولون کا کیمیاوی طریقہ سے جوہر نکالا گیا ہی خوشبو کی پائداری اور پاکیزگی مین لاثانی ہی ایک چند قطرے آپکے رومال پر لگانے سے آپکے گرد مہکتے ہوے پھولون کا باغ ہونے کا شبہ ہونے لگے۔ اچھی خوشبو کے طلبگار اسمین کفایت کا پہلو نہ ملاش کرین اسمین شراب کی آمیزش نہین ہی قیمت چھوٹی شیشی ۸ درمیانی ۱۲ بڑی عہ محصول ڈاک علاوہ ماکی بڑھتی ہوئی فروخت دیکھکر حریفون نے نقل بنانا شروع کی۔

ہر ایک شیشی پر لفظ "آٹو دل بہار" چھپا دیکھ کر خریدا کرین

سول ایجنٹس اینگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی جامع مسجد مارکیٹ بمبئی

لکھنؤ کے لیے ایجنٹ :- سرکار کمپنی سوداگران و دواسازان قیصر باغ۔ لکھنؤ

منشی پیارے لال صاحب منیجر دفتر منشی مالک و ایڈیٹر کے لیے بابو منوہر لال صاحب بی اے نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپا پر شائع کیا

العصر

جلد ۵ نمبر ۱ — جولائی سنہ ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

قواعد وضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔
(۲) اسکی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے ہے مع محصول ہے۔
(۳) نمونہ کے لیے ۷ آنا چاہیئے مفت نہین ملے گا۔
(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے مابعد کا حساب نہین۔
(۵) خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیئے۔
(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
(۷) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔
(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیئے کتابین تبادلہ کے اخبارات ورسایل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیئے جائین۔
(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا، ناتمام مضامین نہ لیے جائین گے۔
(۱۰) اعلیٰ علمی وادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا، مگر اسمین ادبی تکمیل مضامین کی تخصیص ہے۔

زبانِ اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ (حصہ اول) علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر اٹھارویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہیں، سیاروں، ستاروں، بجلی، کہربا، برق، ہوائی وزن، حیوانوں کی تشریح، نباتات و حیوانات کیمیاے عضوی، کیمیائی تجربات، قطب نما، نظام شمسی، حیوانات و نباتات کی درجہ بندی، فلوجستان، میجک لالٹین، آفتاب کے داغ وغیرہ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ بتایا گیا ہو کہ مذکورہ بالا دریافتوں میں قدیم و جدید حکما تالیس، فیثا غورث، بطلیموس، ارسطو، جابر ابن حسن، موسی، بیکن، کولمبس، اسکوٹ، گلیلیو، سر رابرٹ، بوئل، جمیس واٹ، فرینکلن، کالاونی، لابلیس، سر ولیم وغیرہ نے کیا کیا حصہ لیا تھا۔ مفید کتاب ہو (با تصویر) قیمت عہ ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - حصۂ دوم (دریافت انیسویں صدی) اس مفید کتاب میں سیاروں اور ستاروں کے حالات تعرض و توجح انحلال النور، روشنی کا رنگ و رفتار، فوٹوگرافی، حرارت و قوت کے مسائل، بجلی و مقناطیس و حرارت کا تعلق و مسائل، آفتاب کے داغ، گیس کے ذرات اور ان کی تحلیل، تجربۂ کہربائیہ، کیمیاوی نسبت و اجزاے مرکبات، تبدیل صوت و تولیہ، علم ہیولی، مسائل علم الارض و علم ترکیب جزئیات کے متعلق نہایت تفصیل اور تشریح کے ساتھ بحث کرکے تمام مسائل ذہن نشین کیے گئے ہیں علاوہ ازیں انیسویں صدی کے تقریباً تمام سائنسدانوں مثل سر جان ہرشل، سر ولیم ہرشل، ایمیری، فریڈے، سیبک، ہرشوابی، ہلیری، ڈارون وغیرہ کے مسائل و کلیوں میں محققانہ کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ قیمت ۱۲ ر

دونوں حصے مجلد یک جائی قیمت عما ر

عجیب و غریب صدی - دی ونڈرفل سینچری ریڈ مصنفہ الفریڈ رسل والس کا اُردو ترجمہ۔ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیئے۔ اس میں وہ تمام باتیں بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہیں جو انیسویں صدی میں حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہیں حرارت، روشنی اور برقی نے جو عجیب کام بری اور بحری دنیا میں کیے ہیں وہ عالمانہ طور پر اس کتاب میں مندرج ہیں، علاوہ ازیں آتش فشاں پہاڑوں، اجرام فلکی، علم الارض اور مسئلہ ارتقا، کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۹ ر مجلد ۱۳ ر

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہو جسمیں چاند سورج، ستاروں، سیاروں، دمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، اُن کی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں زمین پر رہکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ ر مجلد ۱۲ ر

حیات شمع - جسمیں شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت، شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہیں شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت، کوئلہ، کوئلہ کی گیس، کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ قیمت ۶ ر

پھولوں کی کہانی - جسمیں پھول کے اعضا، افعال، خواص، بناوٹ، اصطلاحی نام، درجہ بندی، تولید، شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے، رہنے سہنے وغیرہ کے مفصل اور با تصویر حالات درج ہیں۔ قیمت ۸ ر

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - کتاب کیا ہو، ایک عبرت کا دفتر ہے یا یوں کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع، جس میں یہاں کی نہایت قدیم قوموں کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو۔ نہایت قدیم اقوال مثلاً فنیکی، حتی، بابلی، خالدی، اسوری، عرب، ایرانی، مصری، یہودی وغیرہ کے تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہیں جو تہذیب و شائستگی کا مسلمہ معیار سمجھے جاتے ہیں۔ قیمت ۶ ر

اصول پالیٹکس - تعریف نام سے ظاہر ہے، جو لوگ پالیٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، مناسب ہو کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھیں۔ قیمت ۱۲ ر مجلد عہ ر

ملنے کا پتہ سکرٹری منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ (اودھ)

تاریخ تمدن - ہنری ٹامس بکل کی معرکۃ الآرا تصنیف ہسٹری آف سولزیشن کا ترجمہ جسکو حسب فرمایش انجمن ترقی اردو منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم نے نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو مین کیا ہی جابجا اپنی طرف سے کثرت سے نوٹ بھی دیے ہین کتاب کے شروع مین ایک مبسوط مقدمہ لکھکر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہی جس سے مترجم کی خوش مذاقی اور قابلیت علمی کا اعتراف کیے بغیر نہین رہا جاتا۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد عـــہ

ہمارا کی حکمت - لارڈ بیکن کی مشہور و معروف کتاب وزڈم آف دی اینشنٹس کا ترجمہ۔ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ۔ قیمت ۶/

رہنمائے تعلیم - یہ کتاب نولسن صاحب کی نہایت مفید اور بیکار آمد کتاب سینیچری ہنڈ بک ٹیچرس گائیڈ سے تیار کی گئی ہی اس مین تعلیم کے اصول اور بہترین طریقون پر بڑی خوبی اور جامعیت سے بحث کی گئی ہی معلمین و متعلمین دونون کے کام کی چیز ہی قیمت ۴/

داستان مریخ - سیارۂ مریخ کی جس قدر اس وقت تک تحقیقات ہو چکی ہی اسکو اختصار کے ساتھ اس مین قلمبند کر دیا ہی۔ قابل دید کتاب ہی قیمت ۱۰/

مشاہیر عالم - دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ درج ہی۔ یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تعلیم بخش ہی اس کے مطالعہ سے نوجوانون مین ہمت اور رفاہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸/

طالبان حق - اس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سنیکا (۲) ایپک ٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہین۔ نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہی قیمت ۹/

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہے۔ قیمت ہر دو جلد عـــہ - مجلد عـــہ

مصر کی نا یابلیت - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہی۔ حجم ۳۲۴ صفحہ۔ قیمت مجلد عـــہ

بچون کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و مدظلہا - ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہی جسمین وہ تمام باتین نہایت صاحت سے درج کی گئی ہین جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہی بچون کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہی قیمت عـــہ

تاریخ اودھ - مؤلفہ مولانا حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری۔ یہ کتاب بہت چار ضخیم جلدون مین مکمل ہوئی ہی اودھ کی مستند و مبسوط تاریخ ہی۔ اس سے بہتر اودھ کی کوئی تاریخ نہین چھپی قیمت ہر چہار جلد عـــہ مجلد کیلیے عہ زائد

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام - مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم جسمین بعض یورپین علما کے ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہین جو انھون نے اسلام پر کیے تھے ضمناً صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کی گئی ہی قیمت ہر دو جلد ـــہ

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر - یہ مشہور سیاح بعہد شاہجہان و اورنگ زیب ہندوستان آیا تھا۔ اسی کا یہ سفرنامہ ہی جسکو دو ضخیم جلدون مین خلیفہ سید محمد حسین خان نے ترجمہ کیا ہی۔ نہایت عجیب کتاب ہی حجم ۸۳۰ صفحہ قیمت ـــہ

نپولین اعظم - مترجمہ سید معین الدین صاحب یہ کتاب بڑے سائز کے کاغذ پر چھپی اور پانچ جلدون مین ختم ہوئی ہی۔ اسکی عمدگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ انجمن ترقی اردو نے اسکو چھاپا ہی۔ نپولین اعظم کے اوصاف فوق العادت تھے اسکے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہی کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہنچ سکتا ہی پانچ جلدون کا حجم ۲۲۰۰ صفحہ قیمت عـــہ مجلد ـــہ

شباب لکھنؤ - اس کتاب کے مولف و مترجم منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم ہین۔ نہایت قابلیت کے ساتھ لکھنؤ کی تاریخ قلمبند کی گئی ہی۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہین تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمایئے دیکھنے کی چیز ہی۔ قیمت عـــہ

مرقع ادب - ہندوستان کے مشہور انشا پردازون اور محققین اساتذۂ سخن کے نہایت دلچسپ اور پراز معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ مع ان کے مختصر حالات کے۔ اس مرقع مین امیر، داغ، ریاض، جلیل، برہم، اکبر وغیرہ کے خطوط بڑی محنت سے تلاش کرکے یکجا کر دیے گئے ہین۔ قیمت عہ

زینونی - مصنفہ لارڈ لٹن۔ اس ناول کا نہ صرف لٹریچر انسکے ملکی تعلقات سے خاص تعلق ہی بلکہ اس مین انسان کے اعلیٰ دماغی نشوونما اور بالائے قدرت طاقتون کا ذکر کرکے بہت سے صوفیانہ مسائل کو حل کرنیکی کوشش کی گئی ہی جانی طول ہی عـــہ

روح لیلی۔ یہ کتاب میری کوریلی کی تصنیف ہے مصنفہ نے اسمین ایک روحانی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اسکی وفات کے وقت ایسا محبوس کر لیتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو زندہ کر کے اسکے ذریعہ سے بہت سے کام نکالتا ہے۔ یہ ایک نہایت عجیب قصہ ہے۔ قیمت عـ مجلد عـہ

آئندہ کی قوم۔ ایک سو دلچسپ اور علمی ناول ہے جسمین ۱۲۰ برس آئندہ دنیا کی ایک قوم کے نہایت دلچسپ مفید اور سبق آموز حالات درج ہین قیمت ۶ر

ڈاکٹر جے کلن اور مسٹر حمید۔ (یا دو جسم والا آدمی) یہ ایک بامال شخص کی زندگی کا عجیب و غریب مرقع اور سبق آموز قصہ ہے قیمت ۷ر

زرین ملک کی تلاش۔ چند نوجوانون کے انگلستان سے جنوبی امریکہ تک کے سفر و مصائب اور ممالک جنوبی امریکہ کے باشندون حیوانات نباتات اور دیگر عجائبات کے حالات نہایت دلچسپ طور سے ناول کے پیرایہ مین بیان کیے گئے ہین قیمت ۸ر

ہند کی کایا پلیٹ۔ لارڈ کلایو کے زمانہ کا ایک ناول جسمین انگریزون کی فرانسیسیون نظام سراج الدولہ مرہٹون اور دیگر دیسی فرمانروا اون کے ساتھ معرکہ آرائیان، فتح کے حالات اور ہندوستان مین انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے مفصل حالات درج ہین قیمت ۸ر

مونگے کا جزیرہ۔ دریائی سفر کا نہایت مفید اور دلچسپ بیان قیمت ۸ر

رومتہ الکبری کی آتشزدگی۔ قیصر نیرو کے زمانہ یعنی پہلی صدی عیسوی کا ایک دلچسپ تاریخی ناول حجم ۴۰۰ صفحات قیمت مجلد ۱۰ر

آولیس رومتہ الکبری کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے قیمت ۸ر

اوٹوپیا۔ اس ناول مین سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۳ر

علمی کہانیان۔ اردو زبان مین اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے۔ کہانیون یا مکالمون مین بہت سی ایجادون اور علوم و فنون کے اصول بیان کر دیے گئے ہین۔ یہ کتاب خورد و کلان سب کے مطالعہ کے قابل ہے دماغ کو روشن اور ایجاد و اختراع کی طرف مائل کرتی ہے قیمت ۸ر

طلسم انگلستان۔ انگلستان کے مشہور ناولسٹ سر والٹر اسکاٹ کے مشہور عالم ناول "طالسمان" کا ترجمہ جس مین مجاہدین صلیب اور سرفروشان اسلام کی معرکہ آرائیون کے مفصل اور نہایت دلچسپ تاریخی حالات درج ہین قیمت ۸ر

جولیس کی کشمکش۔ نہایت دلچسپ اور پرتاثیر ناول ہے قیمت ۶ر

سوانح عمری پیغمبر عالم۔ حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین، اردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن "پیغمبر عالم" اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہے کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمری نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کئے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیئے ضخامت ۵۰ جز قیمت صرف عـ ر

السنہ مشرقیہ۔ عربی فارسی اور سنسکرت کی جامع تاریخ، از منشی محمد شفیع الدین خان مراد آبادی قیمت ۶ر

اکسیر سخن۔ مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتوسنگھار) کا اردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور فسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہم کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہے اور آپکی تصویر بھی شامل ہے نیز ان نظمون کے مترجم منشی بہارے لال صاحب شاکر میرٹھی کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے۔ قیمت صرف ۶ر

مکتوبات امیر۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے خطوط کا مجموعہ مع حالات و تنقید کلام۔ قیمت عـہ مجلد عـہ

تحقیق سخن۔ مولفہ مولانا شفق عماد پوری۔ عیوب سخن، قیود سخن، اور اصناف سخن پر ایسا جامع اور مختصر رسالہ پہلے نہین لکھا گیا۔ نہایت مفید و کارآمد کتاب ہے مبتدیون کو ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے قیمت ۸ر

کفایت شعاری۔ سموایل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ۔ قیمت ۸ر

آئینہ ہارمونیم۔ مصنفہ پروفیسر نند لال صاحب ہارمونسٹ۔ ہارمونیم سیکھنے والون کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے قیمت ۸ر دو حصہ (رعایتی) ۱۲ر

جذبات نادر۔ منشی نادر علی خان صاحب نادر کاکوروی (مرحوم) کی دلکش نظمون کا

ملنے کا پتہ سکرٹری منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ (اودھ)



العصر

سلاطین معبر

خاکسار مؤلف اس ناچیز مضمون کو اپنے معزز محترم اور عالم و فاضل دوست

ای۔ ہنڈرسن ہنٹ اسکوئر

ایم۔ اے، ایم۔ بی، ایف۔ آر۔ سی۔ ایس، ایم۔ سی۔ ایچ، ایل۔ آر۔ سی۔ پی، میڈیکل آفیسر نظامس گیارنٹڈ اسٹیٹ ریلوے

کے نام نامی و اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے

سر جان مارشل ڈائرکٹر جنرل آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا نے چند ماہ پہلے اپنی ایک عالمانہ تقریر میں فرمایا تھا کہ تاریخ دکن کا جو حصہ تاریک ہے اس پر ڈاکٹر ہنٹ نے روشنی ڈالنے کی عملی کوشش شروع کی ہے۔ اس مضمون کے ذریعہ سے چونکہ تاریخ دکن کا ایک تاریک رخ منکشف ہوتا ہے اس لیے آپ سے بہتر اس کا کوئی دوسرا قدردان نہیں ہوسکتا اور اسی لیے یہ مضمون آپ کے نام پر ڈیڈیکیٹ کیا جاتا ہے۔

۱۔ معبر کے جغرافیانہ حالات

اہل عرب دکن کے مغربی ساحل کو مالابار اور شرقی ساحل کو معبر کہتے ہیں۔ معبر کے معنی گھاٹ کے ہیں، ساحل عموماً گھاٹ کہلاتے ہیں اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ عربوں نے گھاٹ کا ترجمہ کر لیا ہے۔

شریف ادریسی (سنہ ۱۱۰۰ء) کے جغرافیہ میں یہ نام موجود نہیں ہے جس کی بنا پر گمان ہوتا ہے کہ یہ نام بارھویں صدی کے بعد ایجاد ہوا ہے سب سے پہلی کتاب جس میں یہ نام پایا جاتا ہے عبد اللطیف بغدادی کا جغرافیہ مصر ہے۔ اس کے بعد تاریخ و جغرافیہ کی کتابوں میں یہ نام بار ہا مستعمل ہوا ہے، چنانچہ ابوالفدا اور عبد اللہ وصاف کی تصنیفات میں بھی یہ نام موجود ہے یہ دونوں مصنف عبد اللطیف کے کچھ ہی عرصہ بعد گزرے ہیں۔

قدیم زمانہ میں دریاے کاویری اور ریالار کے درمیان چولا خاندان حکمران تھا، اسی مناسبت سے اس خطہ کو ہندو مورخ 'چولا منڈل' کہا کرتے



تھے جسکے معنی ہین چولا کا ملک۔ پرتگیزون نے اسمین تھوڑی تبدیلی کرکے کارومنڈل اختیار کیا، اور اس نام سے مشہور کیے جانے لگے۔

زمانہ حال کے جغرافیہ دانون نے معبر کا دوسرا نام کرناٹک لکھا ہے لیکن حقیقت مین یہ اُن کی غلطی ہے کرناٹک کن کیلئے اس علاقہ کا نام ہے جسمین کنڑی زبان بولی جاتی ہے برخلاف اسکے معبر کے باشندے تامل زبان بولتے ہین کرناٹک دریائے کرشنا کے جنوب کوہستانی سلسلون کے درمیان واقع ہے اسکی جنوبی حد اس مفروضہ خط سے قرار دیجاتی ہے جو مدراس کے شمال مین پولیکٹ سے بنگلور تک کھینچا جائے اس کے جنوب مین جانب شرق معبر اور جانب مغرب مالابار کے ساحل ہین انکے درمیان ڈراوڈین کا ملک ہے جسے آج کل انگریزی کتابون مین تامل کنٹری لکھتے ہین۔ اور اس مین خود معبر بھی شامل ہے۔[1]

ابوالفداء نے لکھا ہے کہ مالابار راس کماری پر ختم ہوتا ہے اور یہان سے معبر شروع ہوتا ہے جسکی حد نیلور تک ہے۔[2] مورخ وصاف نے بھی اس کے حدود کی یہی تصریح کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ معبر کولم سے شروع ہوکر نیلور پر ختم ہوتا ہے اور اس کی لمبائی تین سو فرسخ کے قریب ہے۔[3] پرتگیز اور فرانسیسی سیاحون نے بھی کسی قدر اختلافات کے ساتھ وہی حدود بیان کئے ہین جو اوپر مذکور ہوئے ہین موسیو تھیونو جس نے ۱۶۶۵ء مین ہندوستان کا سفر کیا ہے لکھتا ہے کہ عام لوگ کارومنڈل کی حد راس ناگاپٹم سے راس سی لی ہیم تک سمجھتے ہین[4] مگر بعض مصنفین نے اُسے اور آگے تک بیان کیا ہے اور کہتے ہین کہ یہ علاقہ راس کماری سے شروع ہوکر دریائے کرشنا کے شمال مین اڑیسہ تک چلا گیا ہے

[1] ملاحظہ ہو مسٹر ڈبلیو ایلیٹ کی کتاب کائنز آف سدرن انڈیا ۱۲

[2] تقویم البلدان ذکر ہندوستان ۱۲

[3] تاریخ وصاف ج ۴ صفحہ ۲۰۶

[4] سیاحت موسیو تھیونو طبع آگرہ صفحہ ۱۱۲

۲۔ قدیم حالات

اسلامی تسلط سے پہلے معبر میں ہندوؤں کی دو سلطنتیں قائم تھیں شمال میں چولا خاندان حکمران تھا جسکا ذکر اشوک (۲۷۳ ق م تا ۲۳۲ ق م) کے کتبوں میں بھی آیا ہے اس کی مملکت کے شمال میں پنار اور جنوب میں ویلار کے دریا بہتے تھے مشرق میں سمندر اور مغرب میں گورگ کا علاقہ واقع تھا، یہ خاندان نہایت قدیم زمانے سے نویں صدی تک حکمران رہا ہے ابتدا میں اس کا دار السلطنت اورائیور تھا جس کو قدیم تمل بولی میں کہتے ہیں اس خاندان میں راجہ راجا (۱۰۱۲ء – ۹۸۵ء) بڑا نامی فرمانروا ہوا ہے اس کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان کے تمام راجہ مطیع ہو گئے تھے اس نے قدیم دار السلطنت کے بجائے تانجور کو اپنا مستقر حکومت مقرر کیا اخیر زمانہ میں راجندر کلوتنگا (۱۱۱۸ء – ۱۰۷۰ء) کی بہن سے ویلو کیا راجہ ویملادیتا نے شادی کی جس سے راجندر پیدا ہوا اور وہ راجندر کے بعد تخت نشین کیا گیا ویلو کیا خاندان کا یہ پہلا راجہ تھا جو چولا سلطنت پر حکمران ہوا اس نے اپنا دار الحکومت تانجور سے کانچی میں منتقل کر دیا جو مدراس کے قریب واقع ہے۔

دوسری سلطنت پانڈیا خاندان کی تھی یہ لوگ انتہائے جنوب میں حکمران تھے، قدیم زمانہ میں ان کا دار السلطنت کورکائی تھا جو دریائے تامرپرنی کے دہانے پر ضلع تینیولی میں واقع ہے اسکے بہت عرصہ بعد ان لوگوں نے مدورا کو اپنا مستقر بنایا جسکو مسلمان مورخ شہر پانڈی کہتے تھے اور جو امتداد زمانہ سے بگڑتے بگڑتے فارسی کتابوں میں ماندی یا مندی ہو گیا ہے۔

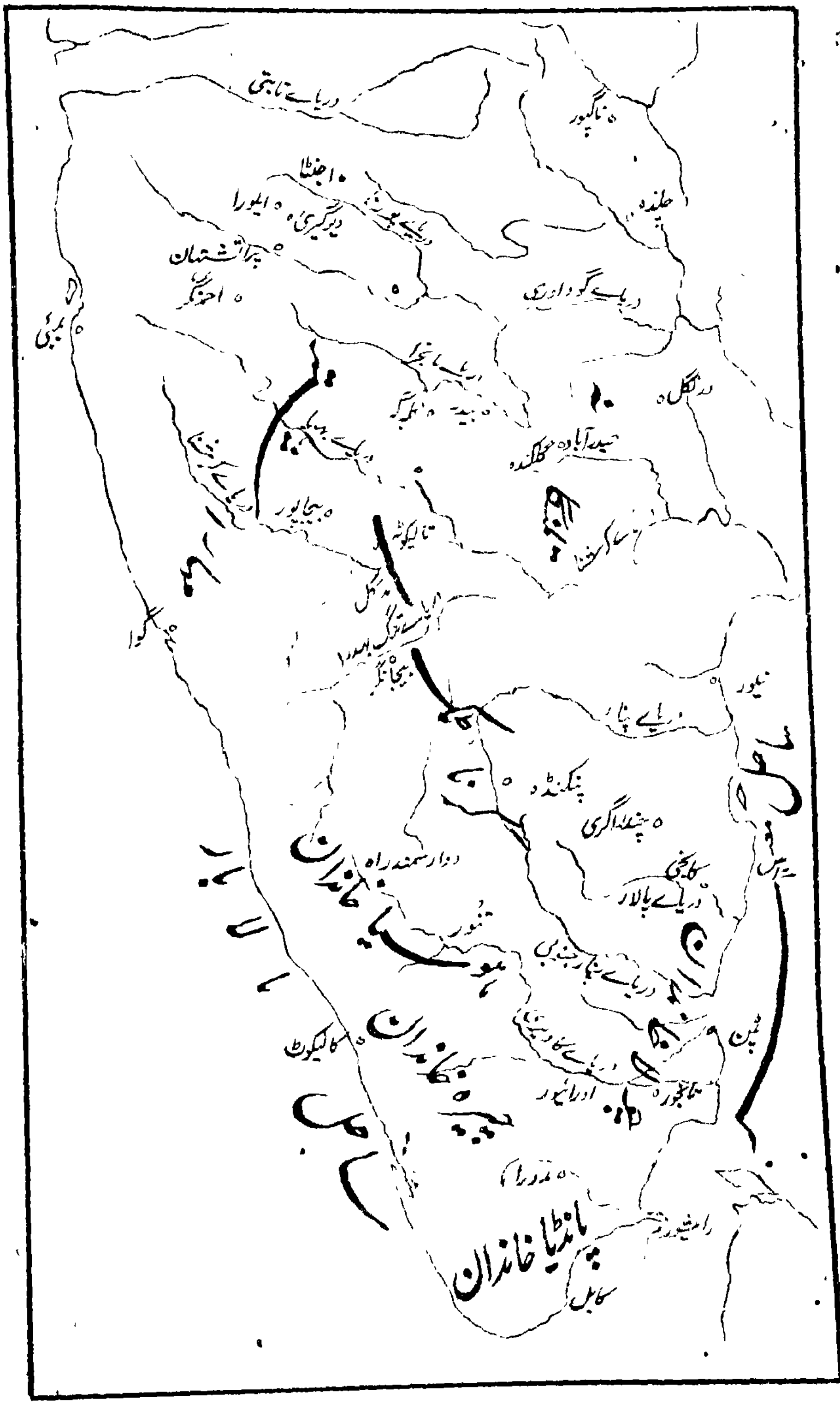
جناب مسیح سے صدیوں پہلے اس خاندان کی بنیاد پڑ چکی تھی اس واقعہ کی صحیح تاریخ کا بتانا مشکل امر ہے تاہم اس کی قدامت ایک سنگلی تصنیف سے بخوبی ثابت ہوتی ہے جسکا نام مہاونس ہے اور جس میں سیلون کے تاریخی حالات مرقوم ہیں اس میں لکھا ہے کہ سیلون کا پہلا راجہ وجایا جب اس جزیرہ میں آکر برسر حکومت ہوا تو اس نے پانڈیا راجہ کی دختر سے شادی کی وجایا کس زمانہ میں گزرا ہے؟ اس کا تعین کرنا مشکل امر ہے لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ بودھ (۴۸۲ ق م تا ۵۶۲ ق م) کی وفات سے پہلے اس کا انتقال ہو چکا تھا، یونانی مورخ میگاستھینز نے بھی جو جناب مسیح سے تقریباً تین سال پہلے گزرا ہے اس خاندان کا ذکر کیا ہے پلینی نے لکھا ہے کہ پانڈیا خاندان کے ایک راجہ نے رومی قیصر آگسٹس کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تھا[1]

۳۔ معبر پر مسلمانوں کا تسلط

چودھویں صدی کے اوائل میں دکن میں ہندوؤں کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ دیوگیری میں یادو، ورنگل میں کاکتیا، کرناٹک میں ہوسیالا اور تانجور میں چولا، مدورا میں پانڈیا خاندان حکومت کرتے تھے ۱۲۹۴ء میں علاء الدین خلجی نے اس انتظام میں خلل ڈالا اس بادشاہ نے سب سے پہلے دیوگیری پر حملہ کیا ۱۳۰۳ء میں ورنگل کو مطیع کرنا چاہا ۱۳۰۷ء میں دوسری مرتبہ دیوگیری پر حملہ ہوا اسی زمانہ میں بادشاہ نے ملک کافور کو لشکر جرار دیکر جنوب کی جانب روانہ کیا اس نے سب سے پہلے ورنگل کے راجہ کو مطیع کیا اسکے بعد دوارسمند پر قبضہ کرکے ہوسیالا خاندان کو خراج گزار بنایا پھر معبر اور مالابار میں لوٹ مار کرتا ہوا انتہائے جنوب تک چلا گیا لڑائی کا یہ سلسلہ ایک سال جاری رہا اس جنگ میں بہت سے قدیم ہندو مندروں کی بیخ و بنیاد ہل گئی اور وہ سب تباہ ہونے کے قریب ہو گئے ہیں۔

ملک کافور نے معبر پر جو فوج کشی کی ہے مورخ فرشتہ نے اس کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے جس کا مجمل مطلب یہ ہے کہ علاء الدین نے سنہ ... میں ملک کافور کو کرناٹک کی تسخیر کے لیے بھیجا ملک کافور دہلی سے دیوگیر میں آیا اور وہاں سے تین مہینے سفر کرنے کے بعد کرناٹک پہنچا یہاں کے راجہ بلال دیو سے لڑائی ہوئی مسلمان لوٹ مار کرتے ہوئے دوارسمند چلے گئے جب یہ مقام فتح ہو گیا تو ملک کافور نے معبر کا رخ کیا مدورا اس علاقہ کا دار السلطنت تھا اور سندر پانڈیا یہاں کا راجہ تھا راجہ سے جب مقابلہ

[1] مسٹر اسمتھ نے اپنی کتاب ارلی ہسٹری آف انڈیا میں ان پانڈیا سلاطین کا مفصل حال لکھا ہے۔


دریاے تاپتی
ناگپور
اجنٹا
ایلورا
دیوگیری
پراتشتهان
احمد نگر
بمبئی
دریاے گوداوری
ورنگل
بیدر
حیدرآباد
گولکنڈہ
بیجاپور
گوا
نیلور
دریاے پنار
پنکنڈہ
چندراگری
کانچی
دریاے پالار
تنجورہ
مدورا
کالیکوٹ
دوار سمندرا
ہوسالا خاندان
پانڈیا خاندان
رامیشورم

نہ ہو سکا تو جنگل میں بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے مدورا پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے نکل کر ملک کافور سیت بند رامیشورم تک چلا گیا اور وہاں ایک مسجد بنوائی اور اس میں علاء الدین کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ یہ مسجد جہانگیر کے زمانہ تک موجود اور مسجد علائی کے نام سے مشہور تھی۔ مدورا کی لوٹ میں تین سو بارہ ہاتھی، بیس ہزار عربی گھوڑے، چھیانوے ہزار من سونا، جواہرات اور موتیوں کے بے شمار صندوق ہاتھ آئے۔ انکے علاوہ وہ خزانے اور دفینے تھے جو اثنا راہ میں مل گئے تھے۔ ملک کافور یہ تمام دولت لیکر ۱۳۱۱ء میں دہلی کو واپس آیا[1]

ملک کافور کی واپسی کے بعد دیوگیری اور کرناٹک میں فساد برپا ہو گیا جسکی مدافعت کے لیے ۱۳۱۲ء میں ملک کافور پھر دکن پر حملہ آور ہوا۔ سب سے پہلے دیوگیری کو فتح کرکے وہاں کے راجہ سنگل دیو کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد گلبرگہ، رائچور، مدکل، رایل، دوارسمندر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ کرناٹک اور معبر کے راجاؤں نے اطاعت قبول کرکے خراج دینے کا وعدہ کیا تھا اس لیے انھیں ان کی آبائی حکومت پر بحال کر دیا[2]

ملک کافور کی ان یورشوں کے بعد سلاطین دہلی نے پانچ سال تک دکن کی طرف توجہ نہیں کی، اس لیے وہاں کے راجاؤں اور زمینداروں نے خود سری اختیار کر لی۔ اس عرصہ میں علاء الدین خلجی کا انتقال ہو گیا اور اسکے بجائے اسکا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء تا ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء برسر حکومت ہوا۔ اس نے بذات خود دیوگیری میں آکر یہاں کی بغاوت فرو کی اور یہاں سے خسرو خان کو فوج کثیر دے کر معبر کی جانب روانہ کیا۔ خسرو خان تلنگانہ سے ہوتا ہوا معبر پہنچا اور تقریباً ایک سال وہاں مقیم رہ کر سارے ملک کو فتح کر لیا۔ اسی زمانہ میں اس نے ارادہ کیا کہ بغاوت کرکے معبر میں خود بادشاہ بن بیٹھے مگر ملک تلبغہ حاکم کوا، ملک تمر حاکم چندیری، ملک تگل وغیرہ امرا جو اُس کے ساتھ تھے، یہ راز سمجھ گئے۔ خسرو خان جب مجبور ہو گیا تو اپنے ارادے سے باز آکر دہلی چلا آیا۔ اور انتظام کے لیے اس ملک میں بہت سے شاہی امرا چھوڑ دیئے۔ اس فتح کے بعد سلاطین دہلی کی طرف سے معبر میں حکام مقرر ہو کر آنے لگے لیکن افسوس ہے کہ قطب الدین کے زمانہ سے معبر کی بغاوت تک اس ملک میں کس قدر حکام دہلی سے آئے ان کا حال کسی تاریخ میں نہیں ملتا[3]

قطب الدین مبارک شاہ کی وفات کے چار سال بعد محمد تغلق ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء تا ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء دہلی میں تخت نشین ہوا۔ محمد تغلق ایک عجیب و غریب اور نادر روزگار آدمی تھا۔ اس میں متضاد صفات جمع تھے۔ اور اسکی ہر بات فوق العادت تھی، وہ بڑا فیاض اور رحم دل تھا، خصوصاً اہل ہنر کی بڑی قدر کرتا تھا اس نے مریضوں کے لیے شفا خانے، بیواؤں اور یتیموں کے لیے خیرات خانے کھولے تھے۔ اس کو بہت سے علوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ منطق، ہیئت، ریاضیات اور فلسفۂ یونان سب میں مہارت رکھتا تھا۔ فرائض مذہبی کا بھی سختی سے پابند تھا۔ بایں ہمہ اس کے دل میں نام کو رحم نہ تھا۔ بندگان خدا کا خون بہانا اسکے نزدیک ایک معمولی بات تھی جب کبھی اس طرف متوجہ ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانی نسل کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔

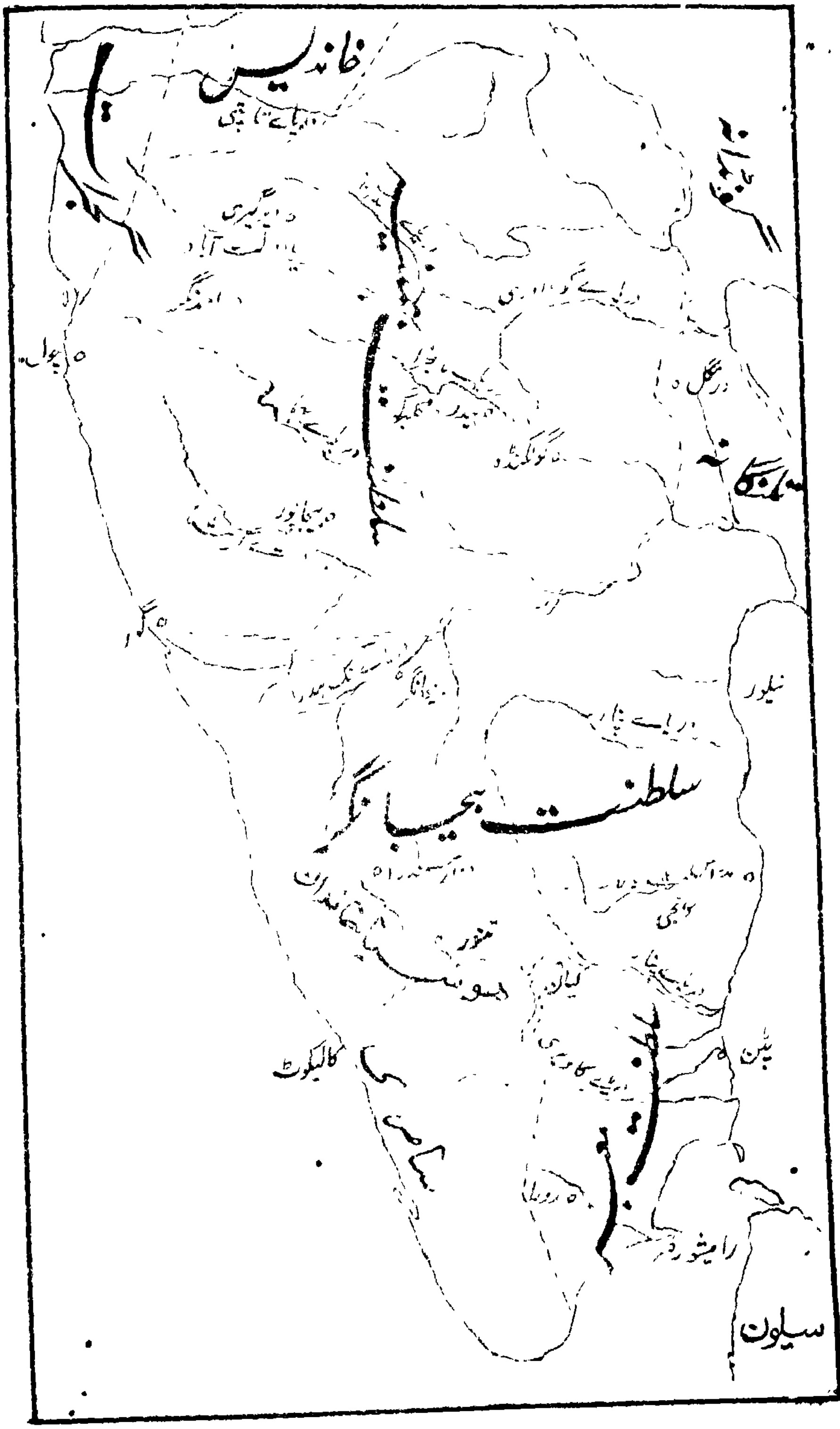
ایک دفعہ مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو محمد تغلق نے ان سے لڑائی نہیں کی بلکہ بہت سی دولت دیکر واپس کر دیا۔ اسکے بعد اُس نے ایران کی تسخیر کا ارادہ کیا اور اس کی تکمیل کے لیے تین لاکھ ستر ہزار کی فوج تیار کی لیکن جب ان لوگوں کو تنخواہ نہیں ملی تو انھوں نے ملک میں لوٹ مار مچا دی۔ پھر اس نے چین پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ سپاہ ہمالیہ کی طرف بھیج دیے جہاں سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ ان بے جا مصارف سے جب خزانہ خالی ہو گیا تو بادشاہ کو دولت جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا

[1] تاریخ فرشتہ جلد (۱) صفحہ ۱۲۳۔

[2] تاریخ فرشتہ جلد (۱) صفحہ ۱۲۱۔

[3] تاریخ فرشتہ جلد (۱) صفحہ ۱۲۶۔

[4] تاریخ فرشتہ جلد (۱) صفحہ ۱۳۳۔


خاندیس
دریائے تاپتی
دریائے گوداوری
گولکنڈہ
بیجاپور
نیلور
سلطنت بیجانگر
کالیکوٹ
رامیشورم
سیلون

اور اس غرض سے ایک کم قیمت پیتیل کا سکہ بنا کر سونے کی قیمت پر چلانا چاہا۔ مگر جب اسکو رواج نہو سکا تو اس نے رعایا پر بھاری بھاری محصول لگائے جسکی وجہ سے زراعت برباد ہو گئی۔ کاشتکاروں نے کاروبار چھوڑ دیا۔ رعایا بھوکون مرنے لگی۔

ہمالیہ سے راس کماری تک تمام ہندوستان محمد تغلق کے قبضہ مین تھا۔ ۱۳۲۴ء مین بادشاہ نے غیاث الدین بہادر پر چڑھائی کر کے بنگالہ فتح کر لیا۔ ۱۳۲۳ء اور ۱۳۲۶ء مین ورنگل دوار سمدر کنپیلہ وغیرہ مقامات کر مفتوح ہو گئے۔ ۱۳۴۷ء مین گجرات تسخیر ہو گیا لیکن یہ فتوحات حقیقت مین فتوحات نہین تھے کیونکہ بادشاہ جب ایک ملک کو فتح کرتا تو دوسرے مین بغاوت ہو جاتی تھی۔ فتنہ و فساد کا یہ سلسلہ اس کی وفات تک برابر جاری رہا اور اس عرصہ مین سلطنت دہلی کے اکثر صوبے باغی اور خود مختار ہو گئے[۱]۔

محمد تغلق کے عہد مین نربدا کے نیچے تین نئی سلطنتین قائم ہوئین۔ ان مین ایک سلطنت ہندؤن کی اور دو مسلمانون کی تھین۔ ۱۳۲۷ء مین جب کنپیلہ فتح ہو گیا تو محمد تغلق نے ملک نائب کو وہان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن اس سے جب انتظام نہو سکا تو بادشاہ نے ملک پھر ہندؤن کے حوالہ کر دیا اور ہری ہر کو راجہ اور اسکے بھائی بکا کو وزیر مقرر کیا۔ ہری ہر اور بکا ورنگل کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۲۳ء مین جب ورنگل تباہ ہو گیا تو دونون بھائی بھاگ کر انا گندی مین چلے آئے جسکا نام فرشتہ نے کنپیلہ لکھا ہے اور یہان انھون نے نوکری کر لی، ترقی کرتے کرتے ایک بھائی وزیر اور دوسرا خزانچی ہو گیا۔ ہری ہر جب راجہ مقرر ہوا تو اس نے اپنے مذہبی پیشوا مادھوا چاری کی امداد سے جس کا لقب ودیارانیا یعنی علم کا جنگل تھا، دریائے تنگبھدرا کے نیچے ایک نئے شہر کو آباد کر کے اسے اپنا مستقر حکومت بنایا اور اس کا نام ودیا جنار رکھا جو کثرت استعمال سے وجیا یا نگر ہو گیا۔ ہری ہر کے بعد اس کا بھائی بکا تخت نشین ہوا جس نے ۲۷ سال حکومت کی۔ اسکے بعد اس کا بیٹا ہری ہر دیو راے برسر حکومت ہوا جسکا لقب ہری ہر دوم ہے۔

سلطنت بیجانگر کو برق و باد کی طرح نشو و نما ہوتا گیا۔ ابن بطوطہ جس نے ۱۳۳۳ء سے ۱۳۴۲ء تک ہندوستان مین سیاحت کی ہے بیان کرتا ہے کہ ہند کے مغربی ساحل کا ایک رئیس سید جمال الدین ہری ہر کا باج گزار تھا۔ اسکے ایک سو سال بعد ایران کے بادشاہ ابو سعید مرزا کا سفیر عبدالرزاق بیجانگر مین آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ بیجانگر کی سلطنت مین جنوبی ہندوستان کا تمام ملک شامل ہے۔ اس کی وسعت ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی ہے اور سیلون سے گلبرگہ تک تمام ملک پر اس کا قبضہ ہے۔ اس زمانہ مین مسلمان خانہ جنگیون مین مصروف تھے جسکی وجہ سے ہری ہر اور اسکے جانشینون کو توسیع ملک کا خوب موقع مل گیا اور کنپیلہ کی چھوٹی سی سلطنت آن واحد مین حیرت انگیز ترقی کر کے بیجانگر کی عظیم الشان سلطنت بن گئی۔

جس زمانہ مین بیجانگر آباد ہوا ہے قریب قریب اسی زمانہ مین سید حسن نے بغاوت کر کے معبر مین اپنی خود مختار حکومت قایم کر لی اس کے قریباً آٹھ سال بعد دولت آباد مین بغاوت ہوئی۔ محمد تغلق نے اگرچہ دو سال تک امرائے دکن سے مقابلہ کیا لیکن اس کا استیصال نہ کر سکا۔ بالآخر ۷۴۶ھ مین بمقام گلبرگہ علاء الدین حسن بادشاہ بن بیٹھا اور اس سے ایک نئے خاندان بہمنیہ کی بنیاد پڑی جنھون نے ایک سو چالیس سال تک دکن کے شمالی علاقہ مین سلطنت کی۔

۴۔ معبر مین مسلمانون کی سلطنت

سلطنت معبر کا بانی سید حسن کیتھلی کے سادات سے تھا[۲]۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ کیتھلی سرکار سرہند کا قصبہ ہے جسمین راجپوت رہا کرتے ہین۔ اسمین خشت پختہ کا ایک قلعہ بھی بنا ہوا ہے جسکی حفاظت کے لیئے دو سو سوار اور تین ہزار سپاہی تعینات ہین[۳]۔

---

[۱] ملاحظہ ہو الفنسٹن صاحب کی "تاریخ ہند"۔

[۲] منتخب التواریخ طبع لکھنؤ صفحہ ۶۰

[۳] آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

بدایونی سے سید حسن کے متعلق ایک سخت غلطی ہوگئی ہے اور اسکی پیروی بعض دیگر مورخوں نے بھی کی ہے۔ اس نے سید حسن اور حسن کانگو کو جو گلبرگہ کا بادشاہ تھا ایک ہی شخص سمجھا ہے اسکے نزدیک یہی سید حسن گلبرگہ میں بادشاہ ہوکر علاء الدین کے لقب سے مشہور ہوا ہے۔ چنانچہ اسکے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

در سنہ ۷۴۲ھ سید حسن کیتھلی پدر ملک ابراہیم خریطہ دار سلطان کہ بہ حسن کانگو مشہور ست و آخر کار سلطنت دکن برقرار گرفتہ مخاطب بہ علاء الدین بہمنی گشتہ در معبر بہ سبب ضوابط صعب سلطانی و قوانین اختراعی سر طغیان و عصیان برآورد۔[1]

حسن کانگو گلبرگہ کا بادشاہ تھا۔ سید حسن کی حکومت معبر میں تھی جو گلبرگہ سے تین مہینے کے دور دراز راستہ پر واقع ہے۔ سید حسن نے بادشاہ ہونیکے بعد سلطان جلال الدین احسن شاہ کا لقب اختیار کیا تھا[2]۔ حسن کانگو جب برسر حکومت ہوا تو اس نے سلطان علاء الدین حسن گنگوی بہمنی لقب رکھا تھا[3]۔ سکوں کے بموجب سید حسن نے ۷۳۴ھ سے ۷۴۰ھ تک حکومت کی ہے۔ حسن کانگو سید حسن کی وفات کے آٹھ سال بعد ۷۴۸ھ میں بادشاہ بنا ہے[4]۔

ابن بطوطہ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حسن محمد تغلق کے امرائے دربار سے تھا۔ محمد تغلق نے اسے معبر کا حاکم مقرر کیا تھا۔ قبل اس کے سید حسن دہلی میں رہا کرتا تھا۔ اسکے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ بڑے لڑکے کا نام سید ابراہیم تھا۔ وہ بادشاہی دربار میں ملازم تھا خریطہ دار کی خدمت اسکے تفویض تھی۔ بادشاہ کے قلم کاغذ اسکے پاس رہا کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے اُسے ہانسی اور سرسہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ سید حسن کی بغاوت کے بعد سید ابراہیم نے بھی اپنے علاقہ میں بغاوت کرنا چاہی لیکن جب اُسکے ارادے سے بادشاہ کو اطلاع ہوگئی تو بادشاہ نے اُسے قتل کرا دیا[5]۔ سید حسن کی بڑی لڑکی جس کا نام حور نسب تھا مشہور سیاح ابن بطوطہ سے منسوب تھی۔ دہلی میں اس کا نکاح ہوا تھا۔ وہ نہایت نیک بخت بی بی تھی رات کو تہجد پڑھتی تھی۔ پڑھنا بھی جانتی تھی لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔ دوسری لڑکی معبر کے بادشاہ سلطان غیاث الدین دامغان شاہ سے منسوب تھی اور سید حسن کی وفات کے بعد معبر میں اس کا نکاح ہوا تھا[6]۔

سید حسن کی بغاوت اور خود مختار ہونے کا حال مورخ فرشتہ نے اس طرح تحریر کیا ہے:۔

بہرام خان کی وفات کے بعد ملک فخر الدین نے بنگالہ میں بغاوت کی قدر خان کو قتل کرکے لکھنوتی کے خزانہ کو لے لیا اور لکھنوتی سنارگانو وساتگام وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت بادشاہ قنوج میں قتل و غارت کر رہا تھا۔ اسی دوران میں معبر سے خبر آئی کہ سید حسن پدر سید ابراہیم خریطہ دار نے وہاں خود سری اختیار کی ہے اور شاہی عمال و امرا کو مار کر ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ بادشاہ فخر الدین کو اسی حالت میں چھوڑ کر قنوج سے دہلی چلا آیا اور یہاں سید ابراہیم اور سید حسن کے دیگر قرابتداروں کو قید کرکے لشکر کی تیاری میں مصروف ہوا۔

۷۳۵ھ میں بادشاہ لشکر لیکر معبر کی جانب روانہ ہوا جب دیوگیری میں پہنچا تو وہاں کے عمال سے بڑی بڑی رقمیں طلب کیں اور اس علاقہ کا خراج بھی بھاری مقرر کیا اور اسکے وصول کرنے پر سخت گیر آدمی تعینات کئے جسکے سبب سے بہت سے آدمیوں نے جانیں دیں

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۶۰۔

[2] سکہ نمبر (۱) ابن بطوطہ صفحہ ۱۶۱۔

[3] تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۲۷۷، گلبرگہ میں ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء کا ایک کتبہ موجود ہے جس پر اس بادشاہ کا لقب "سلطان علاء الدنیا والدین ابوالمظفر بہمن شاہ" کندہ ہے اس بادشاہ کے جو سکے اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان پر بھی اسکا یہی لقب پایا جاتا ہے۔

[4] تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۲۷۷۔

[5] ابن بطوطہ صفحہ ۱۶۸۔

[6] ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۶۔

اس کے بعد خواجہ جہان کو نائب بنا کر دہلی روانہ کیا اور خود تلنگانہ کی راہ سے معبر کی جانب کوچ کرنے لگا۔ جب ورنگل میں پہنچا تو لشکر میں وبا شروع ہوئی۔ کثرت سے آدمی مریض ہو گئے۔ چند بڑے بڑے سردار مر گئے۔ خود بادشاہ بھی بیمار ہو گیا۔ جس کے سبب سے بادشاہ نے معبر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ملک نائب و عماد الملک وزیر کو تلنگانہ میں چھوڑ کر خود دولت آباد کو واپس آ گیا۔[51]

ابن بطوطہ نے بھی اس بغاوت کے وہی حالات لکھے ہیں جو فرشتہ کی تحریر میں مذکور ہیں لیکن ان میں صرف اس قدر اختلافات ہے کہ ابن بطوطہ نے ورنگل کے بجائے بمقام بیدر لشکر میں وبا پھیلنا لکھا ہے اور اسی جگہ سے بادشاہ کا واپس ہونا بیان کرتا ہے۔[52]

محمد تغلق کے حالات میں مورخ ضیاء الدین برنی کی تاریخ سب سے زیادہ معتبر مانی جاتی ہے کیونکہ یہ شخص محمد تغلق کے مصاحب خاص سے تھا اور اس نے اپنی تاریخ بادشاہ کی وفات کے تھوڑے ہی مدت بعد لکھی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس نے کسی واقعہ کا سنہ نہیں لکھا ہے۔ اس لیے سید حسن کے خود مختار ہونے کا زمانہ کسی ہم عصر مورخ کی تحریر سے معین کرنا محال ہے۔ مورخ فرشتہ اور بدایونی نے اس واقعہ کا ۷۴۲ھ میں سرزد ہونا لکھا ہے[53] لیکن ظاہر ہے یہ تاریخ غلط معلوم ہوتی ہے اور بعض بیرونی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ۷۳۵ھ سے پہلے سید حسن خود مختار ہو گیا تھا:-

(۱) سید حسن کے بہت سے سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر ۷۳۵ھ مسکوک ہے اور یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ ۷۳۵ھ میں سید حسن خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا۔

(۲) فرشتہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں ملک فخر الدین نے بنگالہ میں بغاوت کی ہے اسی زمانہ میں سید حسن نے معبر میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ مسٹر ایڈورڈ ٹامس نے اپنی تاریخ میں فخر الدین کے ایک ایسے سکہ کا ذکر کیا ہے جس پر ۷۳۷ھ مسکوک ہے اور اس کی عبارت حسب ذیل ہے:-

السلطان الاعظم	یمین الخلیفۃ
فخر الدنیا والدین	ناصر امیر
ابو المظفر مبارک شاہ	المومنین
السلطان	ضرب ہذہ السکہ بحضرت جلال سنار گانو
	سنہ سبع وثلثین وسبع مائۃ

اس سکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فخر الدین ۷۳۷ھ میں باغی ہو کر خود مختار ہو گیا تھا [illegible] کی بغاوت اور خود سری کا قرار پاتا ہے۔

(۳) مورخ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ محمد تغلق جب معبر کی مہم سے دہلی میں واپس آیا تو ہندوستان میں سخت قحط تھا۔ اس لیے بادشاہ دریائے گنگا کے کنارے ایک عارضی کیمپ قائم کر کے سکونت پذیر ہوا اور اس کا نام سرگ دواری رکھا۔[54] ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ بادشاہ اڑھائی سال سرگ دواری میں مقیم رہا اس کے بعد دہلی چلا آیا۔[55] بدایونی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ تین سال تک بادشاہ کا قیام رہا۔[56] ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ بادشاہ جب سرگ دواری سے دہلی آیا تو اپنے نام کے بجائے خلیفہ کے نام سے سکے مضروب کرائے۔ مسٹر ایڈورڈ ٹامس نے اپنی تاریخ میں محمد تغلق کے ایک ایسے سکہ کا ذکر کیا ہے جس پر خلیفہ کا نام اور ۷۴۱ھ مسکوک ہے[57] اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ ۷۳۸ھ

---

[51] تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۷۔
[52] ابن بطوطہ صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲۔
[53] تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۷۔ منتخب التواریخ صفحہ ۲۰۔
[54] تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ [55] ابن بطوطہ صفحہ ۱۳۸۔
[56] منتخب التواریخ صفحہ ۲۰۔
[57] اس سکہ کی عبارت حسب ذیل ہے:-

فی زمان الامام المستکفی	ضرب ہذہ الدینار
باللہ امیر المومنین ابو الربیع	الخلیفتی الدہلی فی شہور
سلیمان خلد اللہ خلافتہ	سنہ احدی و اربعین و سبعمائۃ

سے [illegible] میں سرگرمی [illegible] متعین رہا اور [illegible] میں [illegible] [illegible] سید حسن کا [illegible] [illegible] اور بادشاہ [illegible] مدافعت کے لیے [illegible] تک [illegible] واقعات [illegible] ہونا چاہیے۔

سید حسن کے خود مختار ہونے کے بعد [illegible] واقعات [illegible] سلطانوں کی [illegible] تک [illegible] ان باتوں کو [illegible] [illegible] بیان نہیں کیا ہے [illegible] ابن بطوطہ حالات لکھتا اور [illegible] اتنا [illegible] ان بادشاہوں کے [illegible] [illegible] ہو گیا تھا۔

ابن بطوطہ بیان کرتا ہے کہ سید حسن باغی ہونے کے بعد [illegible] سال تک بالاستقلال حکومت کرتا رہا۔ اسکے بعد [illegible] قتل [illegible] اور [illegible] علاء الدین اودیجی [illegible] راجہ پر حملہ کیا اور بہت سامان و دولت لے کر [illegible] اس واقعہ کے [illegible] سال بعد [illegible] جنگ میں ایک تیر آکر لگا جس کے صدمہ سے فوراً مر گیا۔ علاء الدین کے بعد اُس کا داماد قطب الدین برسر حکومت ہوا لیکن وہ اچھے خصائل کا آدمی نہ تھا اس لیے چالیس دن کے بعد لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد [illegible] الدین [illegible] کے موافق تخت نشین ہوا۔ یہ شخص [illegible] الدین [illegible] نوکر تھا [illegible] سید حسن کی بیٹی [illegible] [illegible] آیا اور جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنا لقب سلطان غیاث الدین اختیار کیا اور سید حسن کی بیٹی سے اپنا نکاح کر لیا۔

کرناٹک کے اُس علاقہ میں جہاں اس وقت میسور کی ریاست قائم ہے قدیم زمانہ میں ہوسیالا خاندان حکمران تھا اور دوار سمندر اس کا دارالحکومت تھا۔ ملک کافور نے دوار سمندر فتح کرکے یہاں کے راجہ

ف۱ ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۵ و ۳۵۶۔

بلال دیو کو خراج گزار بنا لیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے دوار سمندر کے بجائے [illegible] کو اپنا مستقر قرار دیا۔ [illegible] میں اس خاندان کا ایک راجہ ویر بلال دیو سوم [illegible] پر برسر حکومت ہوا۔ ابن بطوطہ اسکی نسبت لکھتا ہے کہ "یہ بڑا عظیم الشان راجہ تھا۔ اسکے یہاں ایک لاکھ فوج تھی۔ اسکے علاوہ [illegible] ہزار مسلمان بھی تھے جن میں اکثر چور ڈاکو اور بھاگے ہوئے غلام تھے۔"

بلال دیو نے سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں معبر پر حملہ کیا۔ اس وقت بادشاہ کے پاس چھ ہزار کا لشکر تھا جس میں آدھے آدمی ناکارہ اور ردی تھے۔ [illegible] کے قریب [illegible] میں مقابلہ ہوا۔ مسلمان شکست پاکر [illegible] راجہ نے [illegible] کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر [illegible] محصور [illegible] تو انھوں نے غیاث الدین کو اپنی تباہی کا حال لکھا۔ بادشاہ نے تین ہزار سپاہی لیکر [illegible] روانہ ہوا [illegible] راجہ پر حملہ آور ہوئے ہندوؤں کو [illegible] لڑائی پر کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے دل توڑ کر مقابلہ کیا [illegible] ہندوؤں کے لشکر میں [illegible] پھیل گئی۔ اسی اثنا میں راجہ گرفتار ہو گیا۔ بادشاہ نے اسکی بہت تعظیم و تکریم کی اور [illegible] رہا کرنے کا وعدہ کرکے بہت سامان اور ہاتھی گھوڑے خزانہ میں لے لیے اور جب اسکے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا تو اسے قتل کر ڈالا اور اس کی کھال [illegible] بھروا کر [illegible] فصیل پر لٹکا دیا۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد مدورہ میں وبائی بخار شروع ہوا جس سے ہزاروں آدمی مر گئے۔ اسی مرض میں مبتلا ہو کر بادشاہ بھی فوت ہو گیا۔

ف۲ تاریخ فرشتہ جلد [illegible] صفحہ ۱۲۰
ف۳ ملاحظہ ہو [illegible] صاحب کی کتاب [illegible] صفحہ ۱۷
ف۴ ابن بطوطہ صفحہ [illegible]
ف۵ ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۵ و ۳۵۶۔
ف۶ ابن بطوطہ صفحہ ۳۶۱۔

غیاث الدین کے بعد اس کا بھتیجا ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ اسکو غیاث الدین نے اپنے انتقال سے پہلے ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ یہ شخص پہلے دہلی میں تغلق سلطان کا ملازم تھا۔ جب اس کا چچا معبر میں بادشاہ ہو گیا تو تغلق کا بھیس بنا کر دہلی سے بھاگ آیا۔ ناصر الدین جب بادشاہ ہوا تو شعراء نے اسکی تعریف میں قصیدے لکھے اور بڑے بڑے صلے حاصل کئے سب سے پہلے ایک شاعر کا قصیدہ پیش ہوا۔ بادشاہ نے اسے پانسو دینار اور وزیر نے دو ہزار دینار عنایت کئے۔ خطیب نے جب اس کا نام خطبہ میں لیا تو اس پر درہم و دینار نثار کئے گئے۔ ناصر الدین نے سب سے پہلے قدیم وزیر کو معزول کر کے اسکی جگہ کمال الدین کو مامور کیا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو خواجہ سرور امیر البحر کو وزیر بنایا۔ پھر اپنے پھوپھی کے بیٹے کو جسکے ساتھ غیاث الدین کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی قتل کرا دیا اور اسکی بیوی سے آپ نکاح کر لیا۔[۵۱]

مدورا ان بادشاہوں کا دار السلطنت تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ بہت بڑا شہر ہے بازار اور کوچے نہایت وسیع ہیں۔ سب سے پہلے سید حسن نے اس کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ دہلی کے نمونہ پر اس کی بنیاد ڈالی اور اس میں بہت سی اچھی اچھی عمارتیں بنوائیں۔[۵۲]

سلاطین معبر کی عملداری میں مدورا کے بعد پٹن کا درجہ تھا۔ یہ شہر سمندر کے کنارے دریائے کاویری کے دہانہ پر واقع تھا۔ اطراف عالم کے جہاز تجارت کی غرض سے یہاں آیا کرتے تھے۔ شاہان معبر کا جنگی بیڑہ بھی اسی جگہ رہا کرتا تھا جسکے لیے بندرگاہ کے قریب لکڑی کا ایک عجیب و غریب برج بنایا گیا تھا۔ جب کبھی مخالفین کا خوف ہوتا تو اہل جہاز اس برج پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتے تھے۔ غیاث الدین کے زمانہ میں خواجہ سرور امیر البحر کے عہدہ پر مامور تھا۔ ناصر الدین جب تخت نشین ہوا تو اسکو اپنا وزیر بنا لیا اور یہ خدمت کسی دوسرے کو تفویض کر دی۔ ابن بطوطہ کی ترغیب سے غیاث الدین نے جزائر مالدیپ کی تسخیر کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض کے لیے اس نے کئی جہاز مقرر کئے اور وہاں کی ملکہ کے لیے تحفے، اعیان و امراء کے واسطے خلعتیں تیار کیں۔ ابن بطوطہ کے لیے تین جہازوں میں صدقہ بھروایا لیکن یہ زمانہ مالدیپ کے سفر کا نہ تھا اس لیے یہ مہم تین مہینے کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ اسی اثنا میں غیاث الدین کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے اسکی تکمیل نہ ہو سکی۔[۵۳]

ابن بطوطہ نے ناصر الدین کے جلوس تک پانچ بادشاہوں کا حال بیان کیا ہے لیکن اس نے ان کے سنین حکومت نہیں بتائے ہیں لیکن اس کے مختلف بیانات کو باہم مقابلہ کرنے سے اور سکوں کی مدد سے ان کا دور حکومت آسانی سے معین ہو سکتا ہے۔

(۱) سید حسن کے سکہ کی آخری تاریخ [illegible] ہے۔

(۲) علاء الدین کا ایک سکہ [illegible] میں مسکوک ہوا۔

(۳) سید حسن خود مختار ہونے کے بعد پانچ سال حکمران رہا۔[۵۴]

(۴) قطب الدین کے سکہ پر [illegible] مسکوک ہے۔

(۵) قطب الدین چالیس یوم حکومت کرنے کے بعد قتل کیا گیا اور اسکی جگہ غیاث الدین بادشاہ مقرر ہوا۔[۵۵]

(۶) ابن بطوطہ جزائر مالدیپ سے نکل کر [illegible] میں معبر میں آیا۔[۵۶] اس کے سامنے غیاث الدین نے انتقال کیا اور اسکی جگہ ناصر الدین بادشاہ بنا دیا گیا۔

مذکورہ بالا تاریخوں کی رو سے ان بادشاہوں کا حسب ذیل زمانہ قرار پاتا ہے:

(۱) جلال الدین احسن شاہ	[illegible]
(۲) علاء الدین اودجی شاہ	[illegible]

---

[۵۱] ابن بطوطہ صفحہ [illegible]۔

[۵۲] ابن بطوطہ صفحہ [illegible]۔

[۵۳] ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۲۔

[۵۴] ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۵۔

[۵۵] ابن بطوطہ صفحہ ۳۵۶۔

[۵۶] ابن بطوطہ صفحہ ۳۲۵۔

۳۔ تاج الدین فیروز شاہ سنہ ۷۴۰ھ

۴۔ غیاث الدین دامغان شاہ سنہ ۷۴۱ھ سنہ ۷۴۵ھ

۵۔ ناصر الدین محمود شاہ سنہ ۷۴۵ھ

ناصر الدین کے بعد سکون کی مدد سے تین نام اور دستیاب ہوئے ہین مگر انکی صحت پر کامل بھروسہ نہین ہے اور نہ انکا زمانہ حکومت صحیح طور پر تحقیق ہوا ہے۔ نامون کے مقابل وہ سنین درج ہین جو سکون پر پائے گئے ہین مگر نہین چونکہ سلسلہ نہین ہے اسلیئے احتمال ہوتا ہے کہ اس فہرست مین بعض نام جن کے سکے ابھی تک دستیاب نہین ہوئے ہین چھوٹ گئے ہین:-

۶۔ عادل شاہ سنہ ۷۵۹ھ

۷۔ مبارک شاہ و شاہ جہان سنہ ۷۶۱ھ سنہ ۷۶۵ھ

۸۔ علاء الدین سکندر شاہ سنہ ۷۶۵ھ

سلطنت معبر کی تباہی کا حال کسی تاریخ مین نہین ملتا ہے تاہم بہت سی بیرونی شہادتین ایسی موجود ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سلطنت چودھوین صدی کے اخیر ایام مین تباہ ہوئی ہے اور ملک کو راجگان بیجا نگر نے فتح کرکے اپنی سلطنت مین شامل کر لیا تھا:-

۱۔ ترچناپلی کے ایک مندر پر بیجا نگر کے تیسرے راجہ ہری ہر دوم کے نام کا ایک کتبہ کندہ ہے۔ ہری ہر دوم کے زمانہ حکومت مین مورخین کا اختلاف ہے لیکن اس وقت تک اس راجہ کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہین انکی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳۷۹ء سے سنہ ۱۳۹۹ء تک اس نے حکمرانی کی ہے اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۳۹۹ء سے پہلے دریائے کاویری کے نیچے تک راجگان بیجا نگر کی عملداری تھی اور راجہ ہری ہر دوم نے معبر کو فتح کر لیا تھا۔ اگر اس وقت تک معبر پر ہندوون کا کامل قبضہ نہین ہوا تھا تو یقینی بات ہے کہ ہندوون نے سلاطین معبر سے ان کے شمالی علاقے ضرور لے لیے تھے۔

۲۔ ایک پرتگالی سیاح فرنانڈ نونیز بیجانگر کے چوتھے راجہ بکا دوم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اس راجہ نے مسلمانون سے بہت سی لڑائیاں کین اور ان سے دابل چول اور کاروردمنڈل کے تمام ملک کو فتح کر لیا۔ یہ وہی ملک تھا جہان کے سرداران نے بہت عرصہ پہلے محمد تغلق کے زمانہ مین بغاوت کی تھی۔ بکا کے بعد اس کا بھائی دیو رائے اول تخت نشین ہوا ہے۔ ڈاکٹر رائس نے اس کے ایک کتبہ کا ذکر کیا ہے جسمین لکھا ہے کہ دیو رائے اول سنہ ۱۴۰۶ء مین برسر حکومت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۴۰۶ء سے پہلے بکا نے کارومنڈل کا تمام ملک فتح کر لیا تھا۔

۳۔ مدورا کے اطراف مین دیو رائے اول کے بہت سے کتبے پائے جاتے ہین منجملہ ان کے ایک کتبہ پیرا ملی مین ہے جسکی تاریخ سنہ ۱۴۲۸ء ہے اس سے ثابت ہے کہ سنہ ۱۴۲۸ء سے پہلے مدورا اور اسکے اطراف کا علاقہ بیجانگر کی سلطنت مین شامل ہو گیا تھا۔

پندرھوین صدی کے اخیر ایام مین بیجا نگر کے ایک ماتحت سردار نے مدورا مین ایک چھوٹی سی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا جس پر سات مختلف سردار حکمران رہے اور آٹھوین فرمانروا وشوناتھ نے آبائی خاندان کی بنیاد ڈالی اس خاندان مین سب سے پہلے متو کرشنپا نے خود مختار ہو کر شاہی القاب اختیار کئے تھے۔ اسکا لڑکا متو ویرپا بڑا زبردست نایک ہوا ہے بہت سے راجہ اسکے ماتحت تھے۔ ایک دفعہ تانجور کے نایک سے اسکی لڑائی ہوئی جسمین طرفین کے دس لاکھ آدمی برسرپیکار تھے۔ پرتگالی مصنف براد اس بیان کرتا ہے کہ یہ نایک بیجانگر کے راجہ کو سالانہ چھ لاکھ پگوڈا خراج دیا کرتا تھا۔ یہ خاندان سترھوین صدی تک مدورا مین حکمران تھا۔ ارکاٹ کے نواب نے اس کو تباہ کرکے ملک پر قبضہ کر لیا[۱]

۵۔ سکہ جات سلاطین معبر

سلطان جلال الدین احسن شاہ

۱	سنہ ۷۳۴ھ	۳۴۵ گرین	جلال الدنیا	شاہ
			والدین	احسن
۲		۷۵ء۶ گرین	السلطان	شاہ

---

[۱] مسٹر نلسن نے اپنی کتاب "مدورا کنٹری" مین ان نایکون کا مفصل حال لکھا ہے۔

الاعظم احسن
السلطان

۳۔ سنہ ۷۳۵ھ ۵۰ گرین سلطان شاہ
السلاطین احسن
سنہ... ثلثین وسبعماتہ

۴۔ ۸۵ء۴ گرین السلطان جلال الدنیا
الاعظم والدین

سلطان علاء الدین اودجی شاہ

۵۔ ۵۷ء۴ گرین علاء الدنیا اودجی شاہ
والدین السلطان

۶۔ سنہ ۷۴۰ھ ۵۵ گرین ایضاً شاہ
اودجی
سنہ اربعین وسبعماتہ

سلطان قطب الدین فیروز شاہ

۷۔ سنہ ۷۴۱ھ ۱۷ گرین قطب الدنیا شاہ
والدین فیروز
۷۴۰

سلطان غیاث الدین محمد دامغان شاہ

۸۔ سنہ ۷۴۱ھ ۵۵ گرین السلطان شاہ
الاعظم غیاث دامغان
الدنیا والدین محمد
سنہ احدی و اربعین
وسبعماتہ

۹۔ ۶۷ء گرین السلطان غیاث الدنیا
الاعظم والدین

سلطان ناصر الدین محمود شاہ

۱۰۔ سنہ ۷۴۵ھ ۵۵ گرین ناصر الدنیا شاہ
والدین محمود غیال
سنہ خمسین و اربعین دامغان شاہ
وسبعماتہ السلطان

سلطان عادل شاہ

۱۱۔ سنہ ۷۵۹ھ ۵۰۵ گرین السلطان عادل
الحلیم شاہ
سنہ تسع و خمسین
وسبعماتہ

۱۲۔ الف ۴۶ء گرین السلطان عادل
ب ۵۱ء۲ گرین الاعظم شاہ
ج ۵۵ء۴ گرین السلطان

مبارک شاہ شاہ جہان

۱۳۔ سنہ ۷۶۱ھ ۳۳ گرین برگزیدہ مبارک شاہ
الدہر شاہ شاہ جہان
شاہان ۷۶۱

۱۔ سنہ ۷۶۳ھ گرین
۲۔ سنہ ۷۶۵ھ گرین

۱۴۔ سنہ ۷۶۵ھ ۵۰ء۲ گرین برگزیدہ خادم
اللہ مصطفے
۷۶۵

۱۔ سنہ ۷۶۹ھ ۷ء۲ گرین
۲۔ سنہ ۷۷۰ھ ۵ء۲ گرین

سلطان علاء الدین سکندر شاہ

۱۵۔ سنہ ۷۷۵ھ ۳ء۴ گرین برگزیدہ شاہ

سکندر رحمان

السلطان

۷۷۵

۷۹۹ھ ۲۴ گرین

۱۶ ۷۲ گرین علاء الدنیا سکندر شاہ

والدین السلطان

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ محمد تغلق نے معبر کے ملک کا حاکم سید جلال الدین احسن شاہ کو مقرر کیا تھا۔ اس نے بادشاہ کی مخالفت کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ دینار کے ایک طرف یہ عبارت نقش کی شاہ السلطان یمین ابو الفقراء والمساکین جلال الدنیا والدین دوسری طرف یہ نقش کروایا۔ الواثق بتائید الرحمن احسن شاہ السلطان[1] یہ سکہ اور نیز سلاطین معبر کے چاندی سونے کے دیگر سکے اس وقت بالکل دستیاب نہیں ہوتے ہیں یہی حال سلاطین بہمنیہ کے سکوں کا ہے۔ اس کی وجہ غالباً وہی ہوگی جو بہمنی سکوں کے کمیاب ہونے کی نسبت مورخ فرشتہ نے بیان کی ہے کہ محمد شاہ نے جب اپنے سکے جاری کیے تو ہندو صرافوں نے تعصب کی وجہ سے اور نیز راجگان تلنگ و بیجانگر کی تحریک سے اسکے رواج نہ پانے میں بڑی کوشش کی اور بکثرت سکے گلا ڈالے بادشاہ نے انھیں ہر چند منع کیا مگر جب وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آئے تو ۷۶۰ھ میں ان کا قتل عام کیا گیا۔[2]

ان سکوں پر کپتان ٹفنل نے سب سے پہلے روشنی ڈالی ہے اور اپنی کتاب "ہنٹس ٹو کائن کلکٹرس ان سدرن انڈیا" میں ان کے متعلق بہت سی باتیں درج کی ہیں۔ تاہم چند غلطیاں بھی اُن سے سرزد ہو گئی ہیں۔ پہلی فروگذاشت یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے حاشیہ کی عبارت چھوڑ دی ہے۔ پھر گیوہ قمو بن کریہ پڑھا ہے۔ رحمان غادم مصطفےٰ۔ فخر شاہ جہان کو مختلف بادشاہان ہو

[1] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ (۱۶۱)

[2] تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ (۲۸۵)

کے نام سمجھے ہیں۔ حالانکہ یہ القاب ہیں اور انھیں مبارک شاہ نے اپنے مذہبی علو اور عظمت و جلال کے اظہار کے لیے سکوں پر کندہ کرایا تھا کپتان ٹفنل نے ایک اور سکہ درج کیا ہے جسکی ایک طرف "فخر الدنیا والدین" اور دوسری طرف السلطان الاعظم نقش ہے۔ اگر یہ سکہ واقعی ہے تو فخر الدین کا نام بھی سلاطین معبر کی فہرست میں شریک کر لینا چاہیے۔

ضمیمۂ اول معبر کا قدیم محول

ملک کافور نے جب معبر کو فتح کیا تو وہاں کی لوٹ میں جو مال مسلمانوں کو ملا ہے مورخین نے اسکی تفصیل حسب ذیل بیان کی ہے۔ "تین سو بارہ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے چھیانوے ہزار من سونا، موتی اور جواہرات کے بیشمار صندوق انکے علاوہ وہ خزانے اور دفینے تھے جو اثنائے راہ میں ملے"

سونے کی مقدار کا موجودہ وزن میں حساب لگانا کسی قدر مشکل امر ہے کیونکہ ہندوستان میں مختلف زمانوں میں مختلف اوزان کے من جاری رہے ہیں۔ سونے کے چھیانوے ہزار من ہونے پر نہ صرف نظام الدین احمد بدایونی اور فرشتہ کا اتفاق ہے بلکہ امیر خسرو اور ضیاء برنی نے بھی جو علاء الدین کے ہمعصر تھے یہی وزن بیان کیا ہے۔ اس لیے ہم اس کی مقدار کا حساب اُس من سے معین کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو علاء الدین کے عہد میں یا اسکے بہت ہی قریب زمانے میں مقام دہلی رائج تھا۔

۱۔ ابن بطوطہ بیان کرتا ہے کہ دہلی کا ایک من مغرب کے بیس یا مصر کے پچیس رطل کے برابر ہوتا ہے[3] ابن بطوطہ کے فرانسیسی مترجموں نے اس حساب سے ایک من کا وزن ۲۹ پونڈ قایم کیا ہے۔

۲۔ شہاب الدین دمشقی مسالک الابصار میں محمد تغلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دہلی کا سیر ستر مثقال کا ہوتا ہے۔ بابر بادشاہ نے اپنی توزک میں مثقال

[1] طبقات اکبری طبع لکھنؤ صفحہ ۷۸۔ منتخب التواریخ بحوالہ خزائن الفتوح مصنفہ امیر خسرو دہلوی طبع لکھنؤ ۱۸۶۸ صفحہ ۱۵۱۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۲۰۔

[2] ابن بطوطہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ و ۲۲۴۔

کا وزن ۵ ماشہ لکھا ہے۔ اس حساب سے ایک سیر ۲۹ تولہ ۲ ماشہ کا ہوا اور من ۳۰ سیر ۱ چھٹانک یا ۷۰ پونڈ کا۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں ۱۳½ سیر سے ½۱۴ سیر تک کا من رائج تھا۔ پس ہم اس کا اوسط وزن ۱۴ سیر پختہ یا ۲۸ پونڈ قرار دیں تو چھیانوے خزانوں سونے کی مقدار چھبیس لاکھ اٹھاسی ہزار پونڈ ہوتی ہے۔

یہ بیان بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے لیکن میرے خیال میں کوئی وجہ اس میں شک و شبہ کی نہیں پائی جاتی ہے کہ کافور نے ملوک سے قریباً ۵ سال پہلے اس علاقہ میں دو دریا مشہور ہیں ان کو لوٹا تھا۔ اس نے یہاں کے راجاؤں کی دولت مندی کا جو حال بیان کیا ہے اس کی بنیاد یہ ہے اگر معبر میں مسلمانوں کو اس قدر دولت میسر آئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ سیلون سے ... کے فاصلہ پر معبر کا ملک آتا ہے جس میں ۵ راجہ حکمرانی کرتے ہیں۔ اور ان کی سلطنت میں بڑے بڑے نایاب موتی نکلتے ہیں یہاں کے راجہ کا حکم ہے کہ نسبت مثقال سے زیادہ وزن کا موتی اس کے ملک سے باہر نہ جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عمدہ عمدہ موتی اپنے یہاں رکھتا ہے وہ ہر سال ڈھنڈورہ پٹوا دیتا ہے کہ جس کے پاس عمدہ موتی یا جواہرات ہوں راجہ کو دیکر ان کی دوگنی قیمت وصول کرے۔ اس وجہ سے ہر شخص اسے عمدہ موتی اور جواہرات دیدیتا ہے۔ راجہ کا خزانہ بے شمار ہے۔ کیونکہ جب ایک راجہ کے مرنے پر دوسرا تخت نشین ہوتا ہے تو پہلے راجہ کے خزانہ کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ خود ایک نیا خزانہ جمع کرتا ہے اس کے باعث ملک میں بے شمار خزانے جمع ہو گئے ہیں اس ملک میں گھوڑے پیدا نہیں ہوتے۔ ہرمز سوہار او رعدن کے سوداگر ہر سال معبر میں گھوڑے لاتے ہیں پانچوں ملکوں میں سالانہ دو دو ہزار گھوڑے خرید کئے جاتے ہیں اور ایک گھوڑے کی پانسو دینار قیمت دی جاتی ہے۔"

ضمیمہ دوم۔ سلاطین معبر

سنہ ع	سلاطین معبر	راجگان بیجانگر	سلاطین بہمنیہ	سلاطین دہلی
۱۳۲۴	..	..	..	محمد بن تغلق
۱۳۳۶	جلال الدین احسن شاہ	ہری ہر اول	..	..
۱۳۴۰	علاء الدین	..	..	..
۱۳۴۰	قطب الدین فیروز شاہ	..	..	..
۱۳۴۰	غیاث الدین دامغان شاہ	..	..	..
۱۳۴۳	..	بکا رائے اول	..	..
۱۳۴۴	ناصر الدین محمود	..	..	..
۱۳۴۷	..	..	علاء الدین بہمن شاہ	..
۱۳۵۱	..	..	..	فیروز شاہ
۱۳۵۷	عادل شاہ	..	محمد شاہ اول	
۱۳۶۱	مبارک شاہ		..	..
۱۳۶۵	سکندر شاہ		..	..
۱۳۷۵	..	..	مجاہد شاہ	..
۱۳۷۸	..	..	داؤد شاہ	..
۱۳۷۸	..	..	محمد شاہ دوم	..
۱۳۷۹	..	ہری ہر دوم	..	..
۱۳۸۸	..	..	..	تغلق شاہ
۱۳۸۸	..	..	..	ابوبکر
۱۳۸۹	..	..	..	محمد شاہ چہارم
۱۳۹۲	..	..	..	سکندر شاہ
۱۳۹۲	..	..	..	محمود شاہ

سلاطین ...

۱۳۹۷	..	..	غیاث الدین	..	۱۳۹۹	..	بکارلے دوم	..		..
۱۳۹۷	..	..	شمس الدین	..	۱۴۰۲	..	دیورائے اول	..		..
۱۳۹۷	..	..	فیروز شاہ	..						

حکیم سید شمس اللہ قادری

ماخذ تالیف۔ اس مضمون کی ترتیب مین زیادہ ترحسب ذیل کتابون سے مدد لی گئی ہو :-

(۱) تاریخ فرشتہ مطبوعہ لکھنؤ (۲) منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ لکھنؤ (۳) سفرنامہ ابن بطوطہ مترجمہ مولوی محمد حسین ایم اے طبع لاہور (۴) سیول صاحب کی کتاب "فارگاٹن ایمپائر" طبع سنہ ۱۹۰۰ء (۵) طامس صاحب کی کتاب "کرانکلس آف دی پٹھان کنگس آف دہلی" طبع سنہ ۱۸۷۱ء (۶) سیول صاحب کی کتاب "انٹی کوئیرین ریمینس ان سدرن انڈیا" (۷) "ایپی گرافیا انڈیکا" جلد ۸ (۸) "مدورا گزیٹیر" مصنفہ نیلسن صاحب (۹) "کائنس آف دی کنگس آف ملابار" مصنفہ جیرٹ صاحب۔

(قادری)

رباعیات کوثر

چند غلطیان رہ جانے کے باعث یہ رباعیان مکرر شائع کی جاتی ہین

کھانون کا مذاق فکر خوش پوشی ہے بازارون کی سیر شغل سے نوشی ہے
چیخو چلاؤ کوئی سنتا ہی نہین اللہ ! یہ آواز گران گوشی ہے

ہر دعوی حسن یار رکھتا ہون مین اپنی صورت پہ آپ شیدا ہون مین
آنکھون نے جو اٹھا دیا دوئی کا پردہ مجنون یہ پکار اٹھا کہ لیلی ہون مین

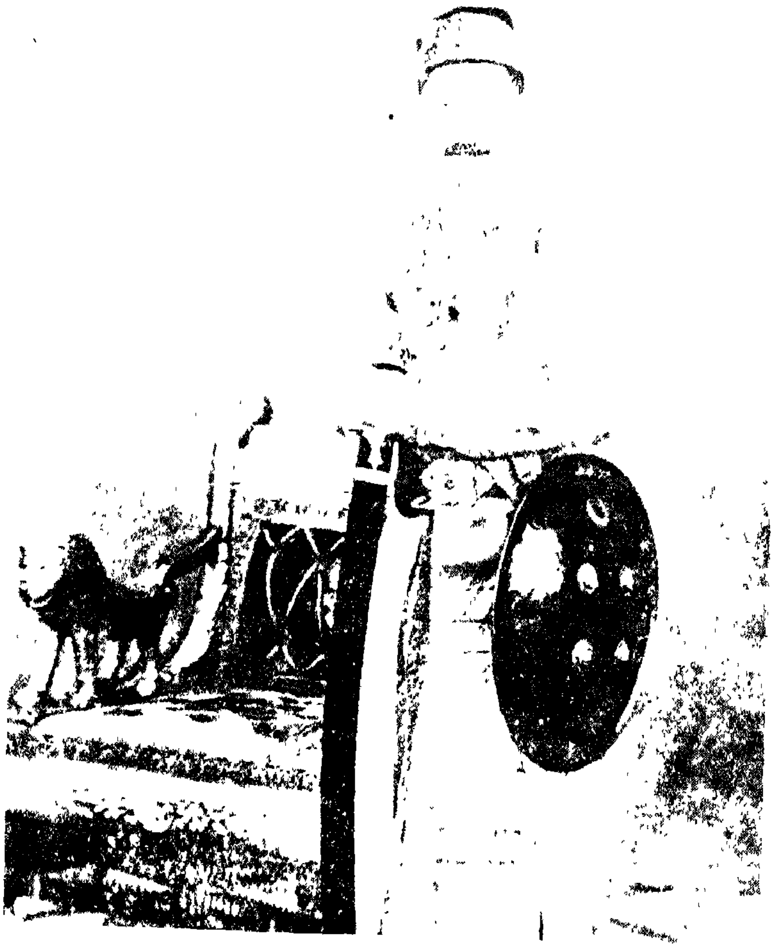
عابد بھی ہے وہی اور معبود وہی ساجد بھی وہی ہے اور مسجود وہی
آئینۂ وحدت مین جو دیکھا کوثر شاہد بھی وہی ہو اور مشہود وہی

جب تک ہے دوئی رہیگی کثرت باقی پندار و غرور و کبر و نخوت باقی
مٹ جائیگی جب یہ ماسوائی ظلمت رہ جائے گی اک شمع وحدت باقی

پیدا کئے شاہدان طناز شکیل جو حسن و جمال مین ہین بے مثل و عدیل
رنگ گل و لالہ بوئے نسرین و سمن گویا بزبان حال اللہ جمیل

پائی ہر دو تون کی بزم خلوت مین جگہ اس سے اچھی ہو گی جنت مین جگہ
مین حاصل کائنات کوثر سمجھون مل جائے جو آرام کی تربت مین جگہ

کوثر (خیرآبادی)



[illegible]

مذہب و سائنس

۱۔ سائنس کی بنیاد

خدا کی عالیشان مملکت کو حل کرنے مین سائنس نے کہانتک ترقی کی ہے؟

منطق کا یہ ایک نہایت ضروری اصول ہے کہ قدرت اپنے تمام امور مین ایک ہی سیدھے راستہ پر چلتی ہے۔ جان اسٹوارٹ مل صاحب اپنی کتاب سسٹم آف لاجک کے صفحہ ۲۰۲ مین تحریر فرماتے ہین کہ:۔

قدرت کا غیر مبدل روش پر چلنا ہی کل نتائج استقرائیہ کے لیے آخری مقدمہ کبریٰ ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام استدلال اسی اصول پر دلالت کرتے ہین کہ قدرت کے قوانین غیر مبدل ہین۔ جس صورت مین وہ ازل سے چلے آتے ہین، ابد تک ویسے ہی رہین گے۔ اگر دو اور دو کو جمع کیا جائے تو اس کا حاصل عدد چار ہوگا۔ کشش اجسام یا کشش ثقل بدستور ہمیشہ قائم رہے گی۔ ایک قسم کا سبب ایک ہی قسم کا نتیجہ پیدا کریگا، تمام قوانین قدرت ایک دوسرے کے معاون و موافق ہین۔ کوئی قانون کسی دوسرے قانون کا نقیض و مخالف نہین۔

قوانین قدرت کے غیر مبدل ہونے کا یہ اصول کسی اور دلیل یا ثبوت کا محتاج نہین۔ اسمین اُس رفعت و جلال کی جھلک نظر آتی ہے جو ایک حکیم و منصف ہستی کے شایان شان ہے۔ اگرچہ یہ بیان کہ قوانین قدرت ایک دوسرے سے ارتباط و مطابقت رکھتے ہین، کسی قدر صراحت کا محتاج ہے، لیکن اسمین شک نہین کہ موثر اور دلنشین ضرور ہے۔

اب ہم یہ دریافت کیا چاہتے ہین کہ قدرت کے اس ربط و تناسب کے دلائل کیا ہین؟ اور وہ کیا چیز ہے جس کو ہم اس عظیم الشان موافقت و یگانگت کی کُنجی کہہ سکتے ہین۔

سوال لازم آتا ہے کہ قدرت کا وہ کونسا سیدھا راستہ، عمل، یا قانون ہے جس پر اُس کے تمام شعبون کا اتحاد و ارتباط مبنی ہے؟ اور یہ کہ اس کا اصل اصول کیا ہے؟

علم منطق کے ماہرین اس اصل اصول کو اپنی اصطلاح مین ایک غیر مبدل سلسلہ کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ مسٹر مل اپنی اُسی متذکرہ کتاب کے صفحہ ۲۱۳ مین لکھتے ہین:۔

یہ غیر مبدل سلسلہ ازروے مشاہدہ، قدرت کے ہر موجودہ و مستقبل واقعہ کے درمیان پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ ماقبل کے واقعہ کو ہم اصطلاح مین سبب یا علت اور اُس کے نتیجہ کو معلول کہین گے۔

ماہرین علم منطق کے نزدیک قدرت کے ارتباط و مطابقت کی کنجی یہی، علت و معلول کا سلسلہ، ہے۔ اس سلسلہ سے یہ مراد ہے کہ قدرت کے تمام کامون مین ایک تسلسل پایا جاتا ہے، یعنی سبب سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ نتیجہ بالکل اپنے سبب کے مطابق ہوتا ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ سیب پھول کا نتیجہ ہے، پھول درخت سے نکلا، اور درخت بیج سے پیدا ہوا۔ یہ ایسی صاف بات ہے کہ کوئی شخص اس سے ناواقف نہوگا۔ یہ ایک عام اصول ہے کہ ٹھیک اسباب ہی کے مطابق اُن کے نتائج و مشاہدات بھی ہوتے ہین۔

آؤ اب ہم اس اصول کا، انسان کے معمولی کاروبار سے شروع کرکے مختلف صیغون کے مشاہدات و تجربات مین سراغ لگائین۔

(۱)۔ روزمرہ کے تجربات

جب کوئی شخص دیا سلائی کو ڈبیہ پر رگڑتا ہے، پنسل بناتا ہے، پانی اُبالنے کے لیے برتن کو چولھے پر رکھتا ہے، یا دیوار کی مرمت کرتا ہے، تو وہ نتائج کو مدنظر رکھتا ہے۔ مین اپنے دل مین کہتا ہون

کر کیا مین اپنا کوٹ بدل لون؟ کیا چاء کا ایک اور پیالہ پیون؟ یا
پا پیادہ چلون کہ گھوڑے پر سوار ہون؟ تو ہر سوال کا جواب ٹھیک
اُسی تخمینہ کے مطابق ہوگا، جو نتیجہ کی نسبت مین اپنے دل مین
قائم کر چکا ہون۔ جب ہم زمین مین تخم بوتے ہین، کوئی گلاب کی قلم
یا باغ لگاتے ہین، تو ہمارے دل مین اس بات کی امید ہوتی ہے کہ
ہم اس کا پھل پائین گے۔ بعینہ اسی قسم کی امیدین ہمارے دل
مین اس وقت بھی ہوتی ہین جبکہ ہم کسی کتاب کا مطالعہ کرتے، مکان
کی چھت کو مرمت کرتے، یا سڑک بناتے ہین۔

"افسوس"، کس چیز کا نام ہے؟ بالعموم یہ نتائج کے متعلق
ہماری غفلت یا ہمارے غلط اندازہ کی یاددہانی ہے۔ حالانکہ پچھتانا
اور اصلاح کا خیال اس امر کی بدیہی دلیل ہے کہ ہم نتائج سے باخبر
ہوگئے ہین۔ ہماری دلچسپی وحیرت، ہمارے تفکرات وخطرات،
ہماری امیدون وآرزوون، سب کا انحصار نتائج پر ہوتا ہے۔ جب
نتائج کی نسبت ہمارے دل مین شبہات پیدا ہوجاتے ہین، تو ہم کسی
سے مشورہ ونصیحت کے طالب ہوتے ہین۔ نصیحتین اور تمثیلین
نتائج کی وضاحت کے لیے نہایت ضروری ہین۔ ہماری محنت
وآرام، کھانا اور پینا، تجویز وتدبیر، جمع وخرچ یہ سب نتائج کے لیے
ہین۔ ہماری نفس پرستی یا ایثار نفسی نتائج سے کبھی خالی نہین ہوتی
سسرو نے دس لاکھ انسانون کو محض اپنی عارضی خوشی کے لیے
جلا کر خاک کر ڈالا، سینٹ سیمن اسٹائلیس نے ابدی فائدہ کی غرض
سے اپنے آپ کو طرح طرح کی اذیتین پہونچائین۔

وہ دل نہایت روشن دل ہے، جو ہر بات کے نتیجہ کی نسبت
نہایت مکمل وصحیح اندازہ کر سکتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ پرلے درجے
کے بیوقوف اور کوتاہ عقل ہین جو نتائج سے غافل اور بے خبر ہین۔
ہم جو کچھ علم منشیات ومسکرات، مقویات، تریاق، حفظان صحت،
جراحی، کیمیا، زراعت، جر ثقیل، تجارت، پیداوار کے متعلق
رکھتے ہین، وہ سب تجربہ ومشاہدہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا ہے۔
بہترین اُسترا، ہل، اسکول، طریق حفظ صحت، اعلیٰ ترین تدبیر
ترقی تمدن واخلاق وہی ہے جس سے بہترین نتائج پیدا ہون۔ تجارت
کے اعلیٰ سے اعلیٰ اقوال صرف مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ سے
مستنبط ہوئے۔ نظام تمدن ومعاشرت کے اصول ملکیت، اراضی
محاصل، مال وتجارت کے مختلف امور انتظامیہ کے عیوب ونقائص
یا فضائل کو ممتاز طور پر ظاہر کرتے ہین۔ جہانبانی کے آئین بتاتے
ہین کہ رعایا کے لیے کونسا قانون بہتر اور کونسا رواج مناسب ہوگا
یہی حالت انسان کے تمام کاروبار اور روزمرہ کے تجربات ومشاہدات
مین پائی جاتی ہے۔ علم ہمیشہ اسی کھوج مین لگا رہتا ہے کہ عمدہ
نتائج پیدا کرنے والے امور کو، ان امور سے جدا کرے جو بُرے
نتائج پیدا کرنے والے ہین۔

(۲)۔ تدلیل واستدلال

ہم بیشتر بیان کر چکے ہین کہ علم منطق کا دارومدار اس
اصول پر ہے کہ نتائج ہمیشہ اسباب کے مطابق ہوتے ہین۔ روزمرہ
کے نہایت سادہ نتائج اور نہایت باریک نکات کا انحصار بھی
اسی اصول پر ہے۔

استدلال دو قسم کا ہے۔

اول لمّی: وہ برہان جس مین علت سے معلول پر دلیل لائین۔

دوم انّی: جس مین معلول سے علت پر دلیل لائین۔

قضیۂ منطقی، منطق کی وہ شکل ہے جسکی امداد سے ہم حالات
وواقعات مستقبل کو سامنے رکھ کر کوئی خاص نتیجہ اخذ کرین۔ نتیجہ صریح،
انجام، خاتمہ، ماحصل، تخمینہ، اندازہ، یہ اسباب وعلل کے نتائج
کی مختلف شکلین ہین۔

استدلال استقرائی کے ذریعے سے ہم حالات مشین سے نتیجہ تک پہونچ سکتے ہین، اور استدلال استخراجی کی رو سے ایک عام اصول سے جو تجربی و حسّی مقدمات کی بنا پر قائم ہو، ایک نتیجہ اخذ کر سکتے ہین - جب پیشتر کے حالات یا تجربات معلوم نہین ہوتے تو ہم تمثیل و تشبیہ سے کام لیتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ ہمارے مفید مطلب اسباب کا مشاہدہ ہوگا - مثلاً اگر ریاستہاے متحدہ (امریکہ) کے باشندگان کوئی نوآبادی قائم کیا چاہتے ہین، جسکا انھین پہلے کچھ تجربہ نہین، تو آبادی قائم کرنے سے پہلے یہ لازم ہوگا کہ وہ انگلستان، ہسپانیہ، فرانس، اور دیگر ممالک کے استعماری نتائج (Colonial Policy) پر غور کرین -

ہم تحلیل کیمیاوی مین کُل کو جاننے کے لیے تمام اجزا کی چھان بین کرتے ہین - اگر پانی مین کوئی مضر جزو شامل ہے، تو اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ پانی خراب ہے - اگر پانی مین کوئی ایسا جزو شامل نہین ہے جو مضر یا ناقص ہو، تو ہم پانی کو خالص اور عمدہ سمجھتے ہین -

کان یا آنکھ کی مدد سے کسی چیز پر استدلال کرنے کے لیے بھی ہمین تجربہ اور مشاہدہ سے کام لینا پڑتا ہے - فرض کرو، گاڑی مین میرے سامنے والی نشست پر چند اجنبی مسافر بیٹھے ہین - از روے تجربہ مین جانتا ہون کہ یہ سب کے سب آدمی ہین - ان مین سے ایک کو مین دیکھتا ہون کہ ضعیف ہے، کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے بال سفید ہو گئے ہین، اور چہرہ پر جُھرّیان پڑ گئی ہین، ایک اور شخص کے ہاتھون پر محنت و مشقت کے آثار نمایان دیکھ کر مین یہ نتیجہ نکالتا ہون کہ وہ مزدور ہے - ایک اور شخص ہے جو عینک لگائے ہوئے ہے، جس سے اسکی بینائی کی کمزوری ثابت ہوتی ہے - اسی طرح تجربہ مجھے بتا رہا ہے کہ فلان شخص شرابی ہے، فلان مصیبت زدہ؛ اس ساتھ والے آدمی کی آواز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تربیت یافتہ و مہذب ہے، اور اُس دوسرے کی آواز سے اس کا جاہل و غیر مہذب ہونا ظاہر ہوتا ہے -

اگر مین ملک کے کسی ایسے حصے مین جا نکلون، جہان کے حالات سے مین واقف نہین، تو وہان کے اِردگِرد کے مناظر سے مجھے وہان کے لوگون کے طریق بود و باش اور طرز معاشرت وغیرہ کا حال بخوبی معلوم ہو جائے گا - ایک مقام پر کھیت اور عمارات کی حالت سے کسان کے محنتی اور جفاکش ہونے کا ثبوت ملتا ہے - دوسرے مقام پر کچھ اور ہی کیفیت نظر آئے گی - کسان کے گھوڑے کی حالت سے مین کسان کے چال چلن کا بخوبی اندازہ لگا لون گا - دیگر علامات سے مجھ پر یہ بھی ظاہر ہو جائے گا، کہ یہان کفایت شعاری سے کام ہو رہا ہے، وہان غربت و افلاس کا سکہ جما ہوا ہے؛ یہان خودداری، اور وہان غلاظت و بدسلیقگی ہے -

واقعات، اقوال، خیالات، اصولات وغیرہ کے اسباب اور نتائج ایسے ہی بدیہی اور صریح ہین جسطرح عام محسوسات کے - کسی کَل (مشین)، گائے، یا اور جانور کی قیمت کا اندازہ ہم اُن کے پھل یا پیداوار سے کرتے ہین - ایک تصویر، منظر، کھیل، تماشا، شعر، گیت، کتاب، یا خیال کی اچھائی اور بُرائی کا اندازہ ہم اُس کی خوشنمائی اور خوش اسلوبی اور عمدگی سے کرتے ہین - کسی عقیدہ، تدبیر، پالیسی (حکمت عملی)، رواج، فلسفہ وغیرہ کی خوبی کا اندازہ بغیر اُن کے موجودہ یا آیندہ نتائج کے ناممکن ہے -

کسی قوم کی بُرائیون یا خصلتون کا اندازہ کرنے کے لیے ہمین اُس قوم کی تاریخ یا گذشتہ واقعات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے - آیندہ واقعات کا اندازہ بھی واقعات ماقبل پر مبنی ہے - اگر ہم یہ دریافت کیا چاہین کہ آیندہ کیا ہوگا، تو بیشتر ہمین زمانۂ ماضی پر بھی نظر ڈالنی ہوگی - ہم عمدہ تخم اور مُضر جراثیم دونون کی تلاش مین یکسان رہتے ہین، تاکہ ایک کو ترقی دیکر

پھیلا سکین، اور دوسرے کو تباہ و برباد کرنے مین کامیاب ہون۔

فرض کرو، تمھارے پاس ایک بیج ہی، لیکن تم یہ نہین جانتے ہو کہ یہ بیج کس درخت یا پودے کا ہی؟ اسکی واقفیت کے لیے تم اُسے زمین مین بوکر دیکھوگے۔ کسی جرم کے مشکلات کو حل کرنے کے لیے اُس واقعہ کے حالات پیشین کا دریافت کرنا ضروری ہی۔ نہایت مختصر امور پر استدلال کرتے وقت بھی اسی اصول کو مد نظر رکھنا پڑیگا۔ کسان ہو یا سیاح، مدبر ہو یا مزدور، فلاسفر ہو یا سراغ رسان سب کے سب ایک ہی اصول پر چلتے ہین یعنی نتائج سے واقعات ماقبل کا سراغ لگانا یا گزشتہ حالات سے نتائج اخذ کرنا۔ حقیقی امر یہ ہی کہ ہم ہرگز یہ نہین کہہ سکتے کہ سبب کچھ اور ہی اور نتیجہ کچھ اور یعنی یہ بالکل ناممکن ہی کہ سیب کے درخت مین آڑو پیدا ہون، یا شاہ بلوط کے درخت مین آلو لگین۔

(۳)۔ فلسفۂ اخلاق

اخلاق کے اُن شعبون کی تہ مین، جو ایک دوسرے کے نقیض ہین، ایک خاص مطابقت پائی جاتی ہی جس کا یہ منشا ہی کہ افعال انسانی کو اُن کے نتائج سے اندازہ کرنا چاہیے۔ ارسطو "اعتدال" پر زور دیتا ہی کہ میانہ روی سے بہترین نتائج پیدا ہوتے ہین۔ فرقۂ کلابیہ (سینک) کے پیرو یہ خیال کرتے ہین کہ گوشہ نشینی کی سادہ زندگی بسر کرنے سے ہراس و بیم اور حسرت و یاس پاس نہین آنے پاتے ہیڈونسٹ اور نیز ایپکیورین (لذتیہ) بھی اُن کامون کو برتر قرار دیتے ہین، جن سے فرحت حاصل ہو۔ رواقیہ (اسٹوئک) کے نزدیک سب سے بڑی شجاعت و دلیری یہ ہی کہ غصہ، رنج، اور حرص کے جذبات کو ضبط کیا جائے۔ یوٹلی ٹیرین کی دانست مین سب سے اچھے کام وہ ہین جن کے ذریعہ سے عوام کی بے انتہا بھلائی متصور ہو۔ منڈیول اور ہلویٹیس کی راے مین "خود غرضی" بہت عمدہ شے ہی، کیونکہ کسی ایک شخص کے حق مین اُس سے بہت عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہین۔ بڑے بڑے فلسفہ دان اس امر پر متفق الراے ہین کہ اخلاق انسانی میل جول کا نتیجہ ہی۔ اس کا یہ مطلب ہی کہ انسان اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم کر چکا ہی کہ جماعت (سوسائیٹی) کے لیے کون سی چیز مفید ہی۔ الٰہیات بتاتے ہین کہ انسان کا سب سے بڑا فرض یہ ہی کہ وہ الٰہی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرے، کیونکہ اطاعت و فرمان برداری سے ابدی راحت اور سرکشی و غرور سے دائمی عذاب حاصل ہوتا ہی۔

علم اخلاق کا کوئی بھی مسئلہ ایسا نہین، جو افعال انسانی کے نتائج و مشاہدات پر مبنی نہو۔ وہ کونسا معیار ہی جسکی رو سے ہم یہ سمجھتے ہین کہ دروغ کے مقابلہ مین راستی بہترین صفت ہی؟ جب ہم سچ بولتے ہین تو ہمین ایک قسم کی راحت محسوس ہوتی ہی، حالانکہ جب جھوٹ کہا جاتا ہی تو یہ بات نہین ہوتی۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر ہی کہ باہمی ربط و ضبط کے لیے راستی نہایت ضروری شی ہی جب ہم کسی کو دروغ گوئی کا غلام پاتے ہین، تو ہمارا دل اُس سے نفرت کرنے لگتا ہی۔ کیون؟ اسلیے کہ یہ بُری عادت ابتری، بے یقینی، دشمنی اور دیگر بُرے نتائج کا پیش خیمہ ہی۔ اسی طرح ہمارا تجربہ وفاداری و بیوفائی اور نمک حلالی و دغابازی، رحمدلی و بے رحمی اور دیانتداری و بددیانتی کے اثر سے بخوبی آگاہ ہی۔

ہم خوب جانتے ہین کہ فلان فعل بُرا ہی اور فلان اچھا۔ ہمین اس بات کا بھی علم ہی کہ غذا کے لیے روٹی مفید ہی اور گھاس مضر۔ اس بات کو بھی ہم مانتے ہین کہ غلاظت کے مقابلہ مین صفائی بدرجہا اچھی ہی۔ یہ اصول بھی عام ہی کہ انسان کو ہمیشہ آگے بڑھنا چاہیے نہ کہ پیچھے ہٹنا، اور اسی طرح خوشی کو رنج کے مقابلہ مین زیادہ مسرت انگیز سمجھا جاتا ہی۔

جس طرح کسی کل (مشین) کی قدر و قیمت کا اندازہ اُس کے

پرزون کی عمدگی اور تیز رفتاری سے کیا جاتا ہی، یا جس طرح درخت اپنے پھلون سے پہچانا جاتا ہی، ٹھیک اُسی طرح ہمارے افعال کی خوبی یا عیب کا اظہار بھی نتائج سے ہوتا ہی۔

(۴) - علم ہندسہ

علم ریاضی مین ۲ + ۲ جزو ہین، جن کا حاصل جمع ۴ ہی؛ اسی طرح ۹ - ۷ جزو ہین جن کا حاصل تفریق ۲ ہی۔ ریاضی کے سادہ سے سادہ سوال سے لیکر طبعی، ریاضی یا اصول ارقام کے نہایت پیچیدہ و مشکل مسائل تک غور کر جاؤ، ہر جگہ یہی اصول کام کرتا ہوا نظر آئے گا کہ علت و معلول کا باہمی تعلق صحیح و درست ہو۔

ریاضی کے ہر قسم کے سوالات کو حل کرنے کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہی کہ جمع، ضرب، تفریق اور اُن کے حاصل کے درمیان پورا اور درست فرق ہو۔ اس علم کے تمام اہم قاعدون اور اصولون کی یہی حالت ہی۔

(۵) - طبعیات

اگر علم سائنس اور علم فلسفہ صحیح ہین، تو اس دنیا مین جسمین ہمارا قیام ہی، کوئی ایسی جگہ اور کوئی ایسی چیز نہین ہی، جسمین دائمی حرکت نہ پائی جاتی ہو۔ سنگ خارا کے پہاڑ مین جو ازلی حرکت موجود ہی، ویسی ہی دائمی حرکت جسم انسانی کے ہر رگ و پے مین پنہان ہی۔ کہین یہ حرکت ظاہر ہی اور کہین پوشیدہ، اور کسی مقام پر ایسی سختی سی محسوس ہوتی ہی کہ اسکا نتیجہ ہر طرف تباہی اور بربادی ہوتا ہی، اور کہین اسکا اثر شفقت آمیز ہوتا ہی۔

زمین اپنے دائمی دورے مین آفتاب کے گرد اٹھارہ میل فی سکنڈ یا ایک ہزار اسی میل فی منٹ کے حساب سے گردش کرتی ہی۔ یہ رفتار بہت تیز ہی۔ یون سمجھو کہ اگر انسان کے پر لگ جائین تو وہ نیویارک سے یانکرس تک ایک سکنڈ مین، البنی تک دس سکنڈ مین، بفیلو تک تیس سکنڈ مین، شکاگو تک ایک منٹ مین، اور سان فرانسسکو تک تین منٹ مین پہونچ سکتا ہی۔ یعنی اس حساب کے مطابق انسان ایک بہت تیز رفتار اکسپرس ٹرین سے ایک ہزار گنا زیادہ اور بندوق کی گولی سے پچاس گنا زیادہ تیزی کے ساتھ سان فرانسسکو مین داخل ہو سکتا ہی۔ کبھی کبھی ہم اپنے چھوٹے چھوٹے منصوبون یا ایجاد و اختراع کے نتائج سے ششدر رہ جاتے ہین، مگر یہ کبھی خیال نہین کیا کہ یہ عالی شان کرۂ ارض اپنی اس حیرتناک رفتار مین ہمین کوئی صدمہ یا ضرر پہونچا سکتا ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ زمین کی رفتار ایسی پوشیدہ اور غیر محسوس ہی کہ اگر ہئیت دان اس راز کا انکشاف نہ کرتے تو ہمین ہرگز اسکی حرکت کا احساس نہوتا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ ہئیت دان اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر متفق الرای ہین کہ (۱) اجسام فلکی کی حرکات مین باقاعدگی اور پابندی پائی جاتی ہی اُن کی پیشین گوئیان اِن حرکات کے باب مین اعتبار کے قابل ہین، اور (۲) قدرت اپنے جلیل القدر مظاہر مین ترتیب و تناسب کی تابع ہی۔

اس باقاعدگی و ترتیب کی کنجی کیا ہی؟ نیوٹن صاحب اپنے "اصول حرکت" کی تیسری دفعہ مین عالمگیر حرکت کی نسبت جسکو علم طبعیات کا نہایت ضروری اصول مانا گیا ہی، تحریر فرماتے ہین کہ ہر عمل کے لیے ایک عمل معکوس ہی۔ اڈگبی صاحب کہتے ہین کہ اگر آگ اپنی تپش سے پانی کو گرم کرتی ہی، تو پانی بھی آگ کے جوش کو سرد کر دیتا ہی۔

جب سپاہی اپنے تھیلے کو اٹھاتا ہی، تو تھیلے کے وزن کے برابر ہی اُسے اپنی قوت صرف کرنی پڑتی ہی۔ اگر دستانہ پہن کر دیوار مین مکا مارین تو دیوار بھی اسکا جواب دستانہ پہن کر دیگی، لیکن اگر تم بغیر دستانہ کے (ننگے ہاتھ) دیوار پر گھونسا مارو، تو تم جان لوگے کہ قدرت نے بے جان اشیا کو بھی اپنے بچاؤ کی، بلکہ اظہار ناراضی کی بھی، قوت عطا کی ہی۔ اگر کوئی شخص کسی حادثہ سے اتفاقاً سنگین دیوار پر

گر پڑے تو اُس وقت بھی دیوار برابر کی قوت سے اسکا جواب دیگی گویا قوانین قدرت ایسے مکمل ہین جس پر یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے کہ:۔

اس مسلہ مسئلہ کہ عمل اور عمل معکوس باہم برابر طاقتین ہین، کی عدم موجودگی مین علم ہیئت کے ذریعہ سے کبھی قابل وثوق پیشین گوئیان نہین کی جا سکتین۔

جس طرح علم ہیئت کے وسیلے سے نہایت دور دراز حصص مین اور نیز نہایت ہولناک مظاہر قدرت مین کہ جہانتک انسانی خیال کی رسائی ہوسکتی ہے عمل اور عمل معکوس کے درمیانی واسطے دریافت ہوتے ہین اسیطرح کیمسٹری (کیمیا) کائنات کے اُن نفیس ترین اجزا کا جن کا انسان کو علم ہوچکا ہے، باہمی ٹھیک ترتیب و تناسب کا پتہ لگاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کیمیا ساز کیمیائی عمل کو ہمیشہ ایک مساوات سے لکھتے ہین، یعنی وہ کیمیائی نسخہ کو مرتب کرتے ہوئے ہمیشہ، مختلف چیزون کو اس تناسب سے جمع کرتے ہین کہ مطلوبہ نتیجہ ان سے حاصل ہو جاتا ہے۔

فعل معکوس فعل اصلی کا، اثر سبب کا، اور حاصل مطلب واقعات ماقبل کا نتیجہ ہے۔ اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہین کہ عمل معکوس، اثر، حاصل مطلب سب ایک ہی اصول کی مختلف صورتین ہین جسکو عام طور سے قانون علت و معلول کہا جاتا ہے لیکن میرے خیال مین اگر اس اصول کو "قانون موازنہ" نام دیا جاتا تو زیادہ موزون ہوتا کیونکہ اس اصول کا اصل مطلب یہی ہے کہ سبب و نتیجہ اور علت و معلول باہم مساوی اور ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہین۔ یون بھی کہہ سکتے ہین کہ سبب اور نتیجہ ایک ہی ترازو کے دو پلڑے ہین، جو لازمی طور پر ایک دوسرے کے برابر ہی ہون گے۔ رہے نتائج سو وہ عین اسباب کے مطابق اور تابع ہوتے ہین۔

ہم پیشتر ذکر کر چکے ہین کہ ہر جگہ اور ہر مقام مین عالمگیر حرکت موجود ہے۔ یہ ازلی حرکت، جو کل کائنات عالم مین جلوہ گر ہے، اسباب اور نتائج کے باہم مساوی، ایک دوسرے کا عوض، یا بدل ہونے کے باعث باقاعدہ اور باترتیب ہوتی ہے۔ اگر کائنات عالم پر غور کی نظر ڈالوگے، تو تمھین معلوم ہو جائے گا کہ حرکت معکوس ہمیشہ اصلی حرکت کے مطابق، نتیجہ ہمیشہ سبب کے مطابق، اور معلول ہمیشہ علت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس مطابقت و موافقت سے عالم کی باقاعدگی تناسب، اور ترتیب بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

(۶) - صداقت کی ہم آہنگی

سچائی، خواہ وہ کیسی معمولی کیون نہو، دوسری سچائیون کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے۔ نظام عالم کے متعلق کوئی بھی ایسا حقیقی یا مسلمہ امر نہین، جو قدرت کے باقی تمام اصولون سے پوری پوری مطابقت نہ رکھتا ہو، یا اپنے تعلقات کی وجہ سے خود ان اصولون پر مشتمل نہو۔

علم سائنس اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ گردش سیارگان کے متعلق جو کپلر کے تین اصول ہین، وہ بالکل نیوٹن کے "اصول حرکت" کے مشابہ ہین، یعنی گردش سیارگان اُنھین قوانین پر مبنی ہے جن پر تمام کائنات کی حرکت کا دارومدار ہے۔ اسمین بھی کسی کو کلام نہین ہو سکتا کہ نیوٹن کے "اصول حرکت" کے تینون قاعدے صرف ایک اہم اصول کے ماتحت ہین۔

اسکا پہلا اصول یہ ہے کہ

ایک جسم کی حرکت مین کچھ تیزی یا تبدیلی پیدا نہین ہو سکتی تاوقتیکہ اسے قوت ایسا کرنے پر مجبور نہ کرے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ حرکت مین صرف اسی وقت تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے جبکہ اسکا کوئی سبب موجود ہو۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ

حرکت کی رفتار کا تغیر اُس قوت کے مطابق ہوتا ہے جو اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے صرف کی جائے۔ یہ تغیر ٹھیک اُسی سمت کو واقع ہوگا جس طرف قوت کا عمل ہوا ہے۔

اس سے یہ مراد ہے کہ کسی قوت کے عمل مین لانے کا نتیجہ مین اپنی علت کے مطابق ہوگا۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ

ہر فعل یا ہر حرکت کے لیے ایک حرکت معکوس ہوتی ہے۔

اسکا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر فعل کا نتیجہ اپنے سبب یا علت کے مطابق ہوتا ہے۔

نیوٹن کے یہ ہر سہ قواعد حرکت اسکی اصطلاح مین اس اصول کے تابع ہین کہ نتائج ہمیشہ اسباب کے مطابق ہوتے ہین۔

(۷) ۔ مسئلہ ارتقاء

ڈاروِن صاحب کی راے کے مطابق مسئلہ ارتقاء کا تعلق زیادہ تر انتخاب طبعی (NATURAL SELECTION) کے ساتھ ہے۔ اسکی لغوی تعریف یہ ہوگی:۔

اس مسئلہ سے یہ مراد ہے کہ جو حیوانات یا نباتات اپنے ارد گرد کے حالات کے ساتھ سب سے زیادہ مناسبت رکھتے ہین، وہ زندگی کی جد و جہد مین اُن حیوانات وغیرہ سے سبقت لیجاتے ہین جن کے تعلقات خارجی اسباب سے نسبتًہ کم ہوتے ہین۔

مسئلہ ارتقاء کے لحاظ سے اِن خارجی اسباب کی لغوی تشریح حسب ذیل ہوگی:۔

اُن وسائل و اثرات کا مجموعہ جو ایک جان دار شے پر باہر سے اثر ڈالتے ہین۔

یعنی وہ خارجی اسباب کا ایک مجموعہ ہے جو باہر سے ذی ارواح اشیاء پر اثر ڈالتا ہے۔

ذی روح اشیاء دو قسم کے اثر کا حاصل ہین۔ یعنی ایک مجموعہ اُن خارجی اسباب کا ہے جو اُس پر باہر سے اثر ڈالتے ہین، اور دوسرا مجموعہ فطرت کا ہے، جو قدرت نے ورثہ کے طور پر عطا کی ہے۔ اسی کو دیگر الفاظ مین یون کہہ سکتے ہین کہ ذی روح اشیاء، حالات پیشین یا واقعات ماقبل کا کامل نتیجہ ہین۔ ذی روح اشیاء زندگی کی جد و جہد مین خواہ کسی حالت مین دوسرون سے سبقت لیجائین مگر ان کا سبقت لیجانا اُنھین اسباب کا نتیجہ ہوگا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

حیوانات کی ہلاکت و موت بھی ایک یا زیادہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔

دُنیا کی تمام چیزین، چھوٹی ہون یا بڑی، مثلاً بیج، مچھلی، فرد واحد، گورنمنٹ، نسل، تہذیب سب کی سب اُن واقعات ماقبل کا نتیجہ ہین جو اُن کے پیدا ہونے یا اُن پر اثر ڈالنے کا باعث ہوئے ہین۔ دراصل مسئلہ ارتقاء کا دار و مدار صرف اسی ایک اصول پر ہے کہ نتائج اسباب کے تابع ہوتے ہین۔

(۸) ۔ دیگر اہم و جدید مسائل

سوال لازم آتا ہے کہ مادہ کے غیر فانی ہونے اور قوت کے ہر وقت موجود ہونے کے جدید مسائل کا اس اصول سے کیا تعلق ہے کہ نتائج اسباب کے تابع ہوتے ہین؟ جدید مسائل سے یہ مراد نہین ہے کہ وہ زمانۂ حال کے ایجاد ہین، بلکہ اس لیے کہ اِس زمانے مین انھین عام قبولیت حاصل ہوئی ہے۔

قوت کے غیر فانی ہونے کا اصول ان الفاظ مین ادا کیا جا سکتا ہے کہ، جب قوت کی ایک شکل غائب ہوجاتی ہے، تو وہ قوت بالکل اُسی مقدار مین کسی دوسری شکل مین ظاہر ہوجاتی ہے۔ مادہ کے غیر فانی ہونے کو بھی ہم انھین الفاظ مین ادا کر سکتے ہین یعنی جب

مادہ کی ایک شکل غائب ہوجاتی ہے، تو وہ ٹھیک اُسی مقدار میں
دوسری شکل میں نمودار ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
قوت کے ہرحالت میں موجود رہنے اور مادہ کے غیرفانی ہونے کے
مسئلے حقیقت میں دو مختلف مسائل نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔

قوت اور مادہ غیرفانی ہیں! اس جملے سے یہ مراد ہے کہ مادہ
اور قوت خواہ لاکھ صورت و شکل بدلیں، مگر اُن میں کسی قسم کی کمی
واقع نہیں ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہہ سکتے ہیں
کہ ہیئت کی تبدیلی سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے، وہ مادہ یا قوت کی پہلی حالت
یا صورت کے مساوی ہوتا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ نتائج اسباب کے
مطابق ہوتے ہیں۔

حرکت کے مسلسل موجود ہونے سے یہ مراد ہے کہ قدرت ہر وقت
قلب ہیئت و تبدیل صورت میں مصروف ہے، اور اُسمیں کسی طرح
کی رکاوٹ یا خلل واقع نہیں ہوتا۔ علت اور معلول کا باہمی رشتہ
کبھی نہیں ٹوٹے گا، اور نہ کوئی ایسا وقت آئے گا جبکہ سبب نتیجہ
پیدا نہ کر سکے۔

(۹) - کیا قدرت معاوضہ دیتی ہے؟

کیا یہ درست ہے کہ مسلسل حرکت یا تبدیل صورت کے پردے
میں جو نتائج یا واقعات ظاہر ہوتے رہتے ہیں، وہ بطور معاوضہ
ہوتے ہیں؟ بے شک! ایک ہی قسم کے سبب سے جو ایک ہی
قسم کا مساوی نتیجہ پیدا ہوتا ہے، وہ ہمارے اُس کام کا جسکو ہم کرتے
ہیں، پورا معاوضہ ہوتا ہے۔ حرارت اُس ایندھن کا معاوضہ ہے
جس سے وہ پیدا ہوتی ہے۔ بجلی اُس قوت کا معاوضہ ہے جو تبدیل
صورت کے بعد اُسمیں آموجود ہوتی ہے۔ پانی کا چھوٹے سے چھوٹا قطرہ
ہیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک جزو لایتجزی کا معاوضہ
(یا مجموعہ) ہے۔ مادہ یا قوت کی ایک خاص مقدار ایک جگہ سے
غائب ہوکر ٹھیک اُسی وزن و مقدار میں دوسری صورت
میں موجود ہوجاتی ہے۔ جو چیز، بادی النظر میں، ہمارے سامنے
سے غائب ہوجاتی ہے، اور وہ چیز جو غائب ہوجانے والی کی جگہ
اختیار کرتی ہے، پہلی شے کا معاوضہ ہوتی ہے۔ ایندھن سے گرمی پیدا ہوتی
ہے، لہذا گرمی ایندھن کا معاوضہ ہے۔ ہرحالت میں حساب برابر ہے۔
قدرت کے محکمہ میں نفع و نقصان کا حساب نہیں۔ اُدھار اور قرض
سے اُسے سخت نفرت ہے۔ وہ معاوضہ دینے میں تساہل سے
کام نہیں لیتی۔

یہ خیال کر لینا کہ کوئی شے بغیر ٹھیک سبب یا معاوضہ کے طبعی
دنیا میں وجود پذیر ہوسکتی ہے، سائنس اور عقل دونوں کے لحاظ سے
قابل نفرت ہے۔ واشنگٹن کا پٹینٹ آفس ایسے ایجادات کو پٹینٹ کرنے
سے صاف انکار کر دیتا ہے جو ازلی حرکت پیدا کرنے کے لیے کیے گئے
ہوں، کیونکہ سبب کے بغیر نتیجہ اور طاقت بغیر قیمت کے ناممکن ہے۔

(۱۰) - اہم اصول

قوانین قدرت کے باہمی ارتباط و تناسب کے اصول کی جانچ
کرتے ہوئے ہم نے اس امر کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ نتائج ہمیشہ اسباب
کے مطابق ہوتے ہیں۔ منطق و استدلال کا اصل اصول یہی ہے۔
یہ بھی دریافت کر چکے ہیں کہ اخلاق، ریاضیات، طبعیات، اور نیز
مسئلہ ارتقا کی تہ میں بھی یہی اصول کام کر رہا ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا
ہے کہ روزمرہ کے انسانی کاروبار سے لیکر علم کے اعلیٰ درجوں تک یہ
اصول صداقت و راستی کا معیار ہے۔ یہ بھی ہم پر ظاہر ہوگیا کہ یہ
اصول مادہ اور قوت کے غیرفانی ہونے کے مسئلہ کا مبدا ہے کہ نتائج
اسباب کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس کا یہ منشا ہے کہ نتائج ہمیشہ اسباب
کا معاوضہ یا قیمت ہوتے ہیں۔ یہ بھی روشن ہوگیا کہ حرکت کے
ہونے کا مسئلہ بھی اسی اصول کی ایک صورت ہے، کیونکہ علت اور نتیجہ

تبدیل نہونے والا باہمی تعلق کبھی شکست نہیں ہوتا۔

اب ان مشاہدات کا نتیجہ صاف صاف نظر آرہا ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ ایک قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ نتائج اسباب کے مطابق دائمی اور صلہ بخش ہوتے ہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ قدرت کا نہایت اہم اعلیٰ اور واحد اصول ہے، جو قدرت کے تمام دیگر قوانین و مظاہر کا مرجع و مرکز ہے۔

(باقی آئندہ)

بعض قدیم ہندو نوآبادیات

اس میں کلام نہیں کہ زمانہ قدیم کے ہندو زیادہ دلیر اور اولوالعزم ہوا کرتے تھے جس کا بہترین ثبوت اس طرح پر ملتا ہے کہ آج سے قریب دو ہزار سال پہلے انھوں نے طویل بحری سفر اختیار کرکے ہندوستان کے باہر ملکوں اور جزیروں میں نوآبادیات قائم کیں۔ یہ نوآبادیات بجائے خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ زمانہ سلف کے ہندو فن جہاز رانی میں کمال حاصل کرچکے تھے۔ ان میں سب سے قابل ذکر جاوا (یودویپ) کی نوآبادی تھی گو قدامت کے لحاظ سے وہ سماٹرا (سمترادویپ) کا کچھ مقابلہ نہیں کرسکتی جہاں سے بتدریج قدم بڑھا کر ہندوؤں نے باقی جزائر یعنی جاوا، بورنیو (بحری دویپ)، سلیبز (شلیبھ دویپ)، مدہرا، بالی، سمبوا (سمبھودویپ) وغیرہ پر قبضہ کیا تھا۔ سماٹرا کا جزیرہ احاطہ مدراس کے برابر ہے اور ہندو نوآبادکاروں کا ابتدائی مسکن ہونے کی حیثیت میں اسکے تاریخی حالات معلوم کرنا یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے ہندوؤں میں تاریخ نگاری کا شوق موجود نہ ہونے کی جو شکایت عام طور پر کی جاتی ہے وہ اس حالت میں ایک نہایت رنجدہ صورت اختیار کرلیتی ہے جزیرہ میں کہیں کہیں متفرق کتبے پائے جاتے ہیں مگر انقلابات زمانہ نے ان کی صورتیں اسقدر مسخ کردی ہیں کہ ان کی عبارت پڑھ کر کسی خاص نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کرنا ایک مایوسی بخش کام ہے۔ باوجود اس کے اگر مستقبل قریب میں مستشرقین کا کوئی گروہ جو روپیہ اور وقت صرف کرنے کی توفیق رکھتا ہوا اس جزیرہ میں کچھ عرصہ گذارنے پر آمادہ ہو سکا تو کچھ شک نہیں کہ وہ اس قسم کے نتائج حاصل کرسکے گا جس سے وہاں کی تاریخ مرتب کرنے میں بہت کچھ سہولت پیدا ہو سکتی ہے۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جزیرہ کا نام اس شخص کے نام پر جس کی رہبری میں تارکان وطن کی پہلی جماعت اس جگہ پہونچی سمترا دویپ رکھا گیا تھا جو بگڑتے بگڑتے سماٹرا رہ گیا۔ ایک فریق کی یہ بھی رائے ہے کہ ہندو نوآبادکاروں نے سب سے پہلے مغربی صوبہ اشنی پر قبضہ کرکے اسی کا نام سمترا رکھا تھا اور قصبہ سمترا جو موجودہ قصبہ ایشنی کے قریب واقع تھا صدیوں تک اسکا صدر مقام رہا۔ بعدازاں یہ نام رفتہ رفتہ سارے جزیرہ سے منسوب کیا جانے لگا۔ جزیرہ سماٹرا کے اس قدیم صدر مقام کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ جزیرہ میں املی کے درخت بکثرت ہیں جن کی شاخوں پر لاکھوں بندر رہتے ہیں لوز باشندوں میں سے بعض کا بیان ہے کہ کشکندہا جس کا ذکر رامائن میں آتا ہے در اصل یہی جزیرہ تھا۔ وہ بعض مقامات کو سگریوا و ربالی کا مسکن بھی ظاہر کرتے ہیں۔

طبعی حالات | چونکہ کسی ملک کے تاریخی حالات جاننے سے پہلے اسکے جغرافیائی حالات سے واقف ہونا اشد ضروری سمجھا گیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر طور پر ذکر کردیا جائے۔ جنوب مشرق سے شمال مغرب تک اس جزیرہ کی سب سے زیادہ لمبائی ۱۰۴۷ میل

اور سب سے زیادہ چوڑائی ۲۳۰ میل ہے۔ رقبہ کم و بیش ۱۶۱۶۱۲ مربع میل ہے۔ آبادی بہت پاشان اور صرف ۳۵ لاکھ کے قریب ہے بالمقابلہ جزیرہ جاوا کی آبادی جو اس سے نسبتاً زیادہ چھوٹا ہے ۳۴ لاکھ سے کم نہیں۔ جزیرہ کے اندر مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ طولاً ایک سلسلۂ کوہ ہے جسے وہان کے اصلی باشندے کلین یہ دَم کہتے ہین جس کے لفظی معنے "سلسلۂ کوہ" ہو سکتے ہین۔ یہ پہاڑ ہندوستان کے مغربی گھاٹ سے مشابہ ہین۔ زمین عام طور پر چٹانی ہے اور دریا بہت بلندی سے گرتے ہین۔ خاص دریاؤن کے نام حسب ذیل ہین (۱) اندرگری (۲) جمبی یا ہری (۳) اساہن (۴) پاتی (۵) سیاک (۶) کمپار (۷) موسی (۸) کوپو (۹) پلیم بانگ (۱۰) طامنگ اور (۱۱) سمینک۔ یہ سب کے سب اس سلسلۂ کوہ سے نکل کر شمال مشرقی سمت مین بہتے ہوئے سمندر مین جا گرتے ہین۔ ان کے علاوہ توبارا، منتجی، اور رشنکرام کی تین بڑی اور نہایت شاندار جھیلین ہین۔ جزیرہ مین کئی قسم کے لنگور اور بندر بکثرت پائے جاتے ہین۔

پیداوار یہان کی دھان، نیشکر، قہوہ، کمئی، روئی، آلو، بھٹا وغیرہ ہے۔ حیوانات قریب قریب ویسے ہی ہین جیسے ہندوستان مین پائے جاتے ہین۔ جزیرہ مین بٹک (بٹاہ)، گوب۔ وغیرہ جو اقوام آباد ہین وہ ہندوستان کے اصلی باشندون سے مشابہ ہین اور خیال یہ ہے کہ وہ آریہ نسل کے نوآبادکارون سے پہلے یہان آباد ہین۔ سنہ عیسوی کے آغاز سے تھوڑی مدت پہلے جب ہندو اول اول اس جزیرہ مین آ پہونچے تو یہان کے اصلی باشندے مردم خوار تھے۔ اس لیے اُنھون نے ان کا نام دانسیہ اور راکشش رکھا۔ وہ عرصۂ دراز تک ان لوگون مین تہذیب کی روشنی پھیلانے کی کوشش کرتے رہے اور آخرکار اپنی کوششون کو بار آور ہوتے نہ دیکھ کر اُنھون نے جاوا وغیرہ کی بہتر نوآبادیات کا رخ کیا۔ بہرصورت اس مین کلام نہین کہ ہندو تارکان وطن کا سب سے پہلا اور دوامی مسکن جزیرہ سماٹرا ہی تھا اور یہین سے انھون نے بتدریج مختلف وحشی اقوام مین تہذیب کی روشنی پھیلائی اور دوسرے مقامات پر اپنا قبضہ قائم کیا۔

سب سے پہلے تارکان وطن | تمام مورخان قدیم اس پر متفق الرائے ہین کہ ہندوون نے جاوا پر ۷۵ء مین قبضہ کیا اور اسے اپنی نوآبادی بنایا تھا اس لحاظ سے سماٹرا پر ان کا قبضہ بہت مدت پہلے قائم ہو چکا ہو گا۔ مونٹ سٹوارٹ الفنسٹون صاحب کا بیان ہے کہ ہندو تارکان وطن اول دفعہ ۷۵ ق م مین سماٹرا پر قابض ہوئے تھے۔ اس زمانے مین ہندو تارکان وطن کا ایک گروہ جس کا لیڈر سمتر تھا شریکاکولم واقع ضلع کستنا جو اس زمانے مین دریائے کرشنا کے دہانہ کے قریب آباد تھا اس جزیرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے بعد جو تارکان وطن اس جزیرہ کو گئے ان کی نسبت معلوم نہین کہ وہ کس نظیر سے حوصلہ پا کر روانہ ہوئے تھے یا اس مزاحمت کو دور کرنے کے لیے جو قدرتی طور پر وہان کے وحشی باشندون کی طرف سے کی گئی ہو گی۔ بہرصورت آخرکار حملہ آورون نے تربیت یافتہ جوان ہی یہان کے غیر مہذب باشندون پر غالب آ گئے۔

ابتدا مین جو تارکان وطن اس جگہ پہونچے اُنھون نے یہان پر قصبہ سمتر کی بنیاد ڈالی جو پہلے اُسی نام کے صوبہ اور بعد ازان سارے جزیرہ کا صدر مقام بنا۔ رفتہ رفتہ ہندوون کی حکومت پولی کے قدیم صوبہ پر اور اس کے بعد جزیرہ کے مغربی نصف حصہ پر بھی پھیل گئی۔ چوتھی صدی عیسوی مین گھورسیہ (گجرات) اور سندھو دیش (سندھ) کے بودھ تارکان وطن لنکا (سنگل دیپ) کے راستہ سماٹرا پہونچے جہان کے ہندو نوآبادکارون نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بودھ تارکان وطن دوارکا سے نوآبادیات کی تلاش مین روانہ ہوئے تھے۔ آخرکار جب اس جزیرہ مین بودھون نے عروج پکڑا تو اُنھون نے پسیر کو اُس کا صدر مقام بنایا تھا۔

موجودہ حالت مین جزیرہ سماٹرا گیارہ اضلاع پر منقسم ہے (۱) اُچین یا آچ (جس کا قدیم نام سمترا اور پولی تھا) (۲) دیلی (۳) اساہن (۴) سیاک (۵) رایو یا اندر گری (۶) جمبی (۷) پلیم بانگ (۸) لمپونگ (۹) بنکولن (۱۰) پدنگ اور (۱۱) تپنلی۔ ان مین سے آخر الذکر تینون جنوب مغربی ساحل پر واقع ہین اور باقی ماندہ شمال مشرقی ساحل پر۔ سب سے بڑا شہر پلیم بانگ ہے جسکی آبادی ۵۲۷۰۰ ہے۔ اس وقت اس جزیرہ کی حکومت ایک گورنر جنرل کے اختیار مین ہے جس کے ماتحت مختلف ریزیڈنٹ ہین۔

جزیرہ مین کئی مقامات پر ہندوون اور بودھون کے مندر بالکل ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہین جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونون قومین یہان بڑے امن و آشتی کے ساتھ رہا کرتی تھین۔ ایک جگہ شو بدھ کا مندر ہے جو صریحاً دونون اقوام کا مشترکہ ہوگا۔ اس کے علاوہ مہادیو، دھیان بودر، مہاکال وغیرہ کی مورتین ہین جو جزیرہ کے جنوب مشرقی حصہ مین بکثرت موجود ہین۔ اسی طرح کئی شہر ہندوون اور بودھون کی مشترکہ تعمیر کی یادگار ہین اور بعض ایسے ہین جو صرف بودھون ہی کے بسائے ہوئے ہین۔

چونکہ جزیرہ مین شیوجی کے مندر بکثرت ہین اس لیے بعض مورخون کا خیال ہے کہ یہان کے لوگ شکتی ہی نہین بلکہ شیو کے پرستار تھے اور بودھمت صرف درجہ دوم کی اہمیت رکھتا تھا۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تارکان وطن نے شمالی سماٹرا مین بالکل ہندوستانی طرز کی ایک باجلال سلطنت قائم کرلی تھی۔ باشندون پر ہندو تہذیب کا اثر اس درجہ پڑ چکا تھا کہ جن دنون جزیرہ مسلمان سلاطین کے زیر حکومت تھا اس زمانہ مین بھی لوگ شرع کے پابند نہ تھے بلکہ "کوتھارمانو" کے اصول پر چلتے تھے جو منوسمرتی کی ایک مستند شرح خیال کی جاتی ہے۔ الحاصل جزیرہ مین عیسائیت پھیلنے کے وقت تک لوگ زیادہ تر ہندوانہ مراسم اور ہندو مذہب کے پابند تھے۔

سماٹرا کی قدیم تاریخ ہندوستان کی قدیم تاریخ کے مانند سماٹرا کی قدیم تاریخ بھی بہت کچھ مبہم سی ہے۔ ایک فریق جو اہل سماٹرا مین زیادہ باثر سمجھا جاتا ہے اپنے آپ کو چندر یا سورج بنس اور بعض حالتون مین سکندر اعظم کی نسل سے ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اس وقت تک جو کتبے برآمد ہوئے ہین وہ مٹے ہوئے یا بعید از فہم ہین اس لیے تا حال یہ مسئلہ پورے طور پر حل نہین ہو سکا اور لوگون مین بسا اوقات اسی بنا پر تنازعہ بڑھ جاتا ہے۔ جا بجا رامو (رام) سیتو (سیتا) ہنومو (ہنومان) سگریو (سگریو) مہاکال، رودر، سودر (شو)، مہادیو، بھیمش، بھوانو (بھوانی) درگو (درگا) وغیرہ کے جو مندر پائے جاتے ہین ان کے صرف کھنڈر باقی ہین اس لیے ان سے بھی کوئی خاص تاریخی معلومات حاصل نہین ہو سکتین۔

منک بو (مینانک بھو) کا قدیم صوبہ پانچوین صدی مین جزیرہ کے جنوبی حصہ مین قائم کیا گیا تھا جس کا مدتون تک جاوا سے گہرا تعلق رہا۔ ہیورد مین مہاراج (ہیام ورک) نے جو ۱۳۵۰ء سے ۱۳۸۹ء تک صوبہ مجوپہت واقع جاوا کا حکمران تھا، قدیم صوبجات آرو، پلیم بانگ، اور منک بو واقع سماٹرا کے بادشاہون کو شکست دی تھی، اپنی جغرافیائی پوزیشن کی بدولت جنوبی سماٹرا کا آباد اور طاقتور جاوا سے ہمیشہ گہرا تعلق رہا ہے۔ جاوا کی تاریخ مین اس جزیرہ کا کئی جگہ ذکر آتا ہے اور جا بجا اس کی نسبت جو حوالجات پائے جاتے ہین ان سے پتہ چلتا ہے کہ صدیون تک سماٹرا کے اندرونی معاملات کا انتظام شاہان جاوا کے ہاتھ مین تھا۔ ایک مورخ لکھتا ہے:-

معلوم ہوتا ہے منک بو پر ہندوستانی تہذیب کا بہت گہرا اثر پڑا تھا کیونکہ ملایا لوگون کے بیان کے مطابق سری توری بومن (جو

ہند و ستانی یا جاپانی نسل کا شہزادہ تھا اور روایت جسے سکندر اعظم کی نسل سے منسوب کرتی ہے، لوگوں کی ایک کثیر التعداد جماعت کو ساتھ لیکر سمندر کے راستے سے جزیرہ نما ملکا میں گیا تھا اور وہاں ۱۱۶۰ء میں اس نے سنگاپور میں اپنی حکومت کا مرکز قائم کیا۔

ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سری توری بومن دراصل سنسکرت لفظ سری تربھوں کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ وہ شہزادہ جاپانی نسل کا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ گو سکندر اعظم اس جزیرہ کی ہستی تک سے بے خبر تھا تاہم لوگ اسکو بیدرو کے نام سے اسکا بیحد احترام کرتے ہیں۔ سنگاپور دراصل ساٹرا کی نوآبادی تھا اور والی موجو بھت نے اسے ۱۲۵۲ء میں فتح کیا تھا جس کے بعد وہ جاوا والوں کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد ملکا کی بنیاد قائم کی گئی اور وہ ایک مشہور تجارتی مقام بن گیا۔ چنانچہ مذکور ہے۔

تیرھویں صدی کے آخری حصہ میں ملکا قدیم تنکاس بوسے زیادہ با اقتدار صوبہ بن گیا اور یہی اہل ملایا کی سیاسی زندگی کا مرکز سمجھا جانے لگا۔

صوبہ شری بھوج کی بنیاد ۸۰۰ء اور ۹۰۰ء کے درمیان ڈالی گئی تھی۔ یہ جگہ صدیوں تک سنسکرت اور پالی کی زبان کے ادیبوں کی بدولت مشہور رہی حتی کہ چودھویں صدی میں جب کہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اس کے زوال کا زمانہ شروع ہوا۔

سلطنت پیم بنگ ۱۵۴۲ء تک سرسبز رہی اور آخر کار اسی سال ڈیا کب واقع جاوا کے جیدی سور تی نامہ ایک حکمران نے اسے فتح کرلیا۔ اس شخص کی نسل ۱۶۴۹ء تک وہاں حکمران رہی حتی کہ ایک اور جاوائی نے اسے شکست دی اور ۱۸۲۴ء تک نئے حکمرانوں کا اس پر قبضہ رہا۔

آشن میں پندرھویں صدی تک ہندوؤں کا غلبہ رہا اور آخر کار اس زمانہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی رو نے ان کی طاقت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ مسلمان کب اور کس طرح اس جزیرہ میں داخل ہوئے۔ ظن غالب ہے کہ اول اول عرب اور ایرانی تاجر اس کے شمالی اور مغربی سواحل پر اُترے اور پھر رفتہ رفتہ جزیرہ میں اپنا قدم جاتے گئے۔ مارکوپولو کا بیان ہے کہ تیرھویں صدی میں جزیرہ کے شمالی حصہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

مختلف قسم کے تردیدی بیانات کی چھان بین کرنے کے بعد ہم آخر کار اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ مسلمانوں نے آشن کی ہندو حکومت کو سولھویں صدی کے شروع میں زیر کرلیا تھا اور ان کا پہلا سلطان ۱۵۰۰ء سے ۱۵۲۲ء تک اس پر حکمران رہا۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین القہار ۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۲ء تک اس جگہ حکومت کرتا رہا اور اس کے عہد میں اسلام شمالی علاقہ میں پھیلا۔

صوبہ شری بھوج چودھویں صدی میں ہی اسلام کے زیر اثر آگیا تھا مگر پلیم بنگ سترھویں صدی تک بچا رہا مگر اس صدی کے خاتمہ پر ساٹرا میں ہر طرف اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

ساٹرا میں یورپی اقوام کی آمد مشہور اطالوی سیاح مارکوپولو ۱۲۹۵ء میں اس جگہ پہونچا تھا جس کے دو سو سال بعد ۱۵۰۹ء میں ایک پرتگیز امیر البحر ڈیگو سویزڈ اسکو نیرا چند جہازوں سمیت ساحل ساٹرا پر اُترا مگر باشندگان ملکا سے شکست کھا کر بھاگ گیا۔ ۱۵۱۱ء میں الفانسو البوکرک نے یہاں پہونچکر سلطان ملکا کو شکست دی اور اپنی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد والیان آشن و تبنگ نے اس پرتگیزی علاقہ پر حملے شروع کیے جن میں سے آخر الذکر ۱۵۲۷ء میں پسپا ہو گیا۔ ۱۵۹۵ء میں ولندیز اس جزیرہ میں پہونچ گئے اور انھوں نے دیسیوں سے مل کر کئی بار پرتگیزوں پر حملے کیے جس سے آخر الذکر کی طاقت کمزور

ہوتی چلی گئی۔ ۱۶۱۵ء میں ولندیزون نے پلیم بنگ میں ایک کوٹھی قائم کی اور وہان کے سلطان سے کئی مرتبہ لڑنے کے بعد آخر کار ۱۸۲۳ء میں اس علاقہ کو ولندیزی نوآبادیات میں شامل کر لیا صوبہ آشن عرصہ دراز تک ولندیزون کا مقابلہ کرتا رہا اور سلطان محمد شاہ کے جو ۱۸۶۷ء میں تخت نشین ہوا بارہا ولندیزون سے خونریز معرکے ہوئے۔ آخرکار مارچ ۱۸۲۴ء کے معاہدہ لندن کی رو سے آشن کو ایک خود مختار حکومت تسلیم کیا گیا لیکن مارچ ۱۸۷۳ء میں پھر ولندیزون نے آشن کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ اس جنگ کا خاتمہ جنوری ۱۹۰۸ء میں ہوا اور اُس وقت آشن کو بھی ہالینڈ کی نوآبادیات میں شامل کر لیا گیا۔

اخلاقی اور تمدنی رنگ میں جزئیات

یکصد حسن ہر پا یوسفے ہست   غلام روئے زیبائے تو باشد

اب یہ مقولہ بڑی بڑی فلسفی درسگاہون میں بھی مانی گئی ہے کہ جس کائنات میں ہم رہتے ہیں اور جس میں ہم خود بھی شامل ہیں ذرات سے مرتب اور مرکب ہے۔ اگرچہ مختلف اجسام اس وقت بڑے بڑے نظر آتے ہیں لیکن اگر ان کا بنیادی سلسلہ دیکھا جائے تو وہی ذرات ہیں جو جو اجسام سے چھوٹے اور اُن کے جزئیات ہیں۔

یہ کپڑا جو انسان پہنتا ہے اور بمصداق الناس باللباس جس پر تہذیب اور شعائر تہذیب کا بہت کچھ مدار ہے یا جس پر انسانیت کے شعائر کا ایک حد تک انحصار ہے۔ شروع میں چند مختلف اور منتشر تار اور اجزا ہی تھا۔ رشتہ بر رشتہ پیوستہ ہو کر کپڑا بنتا ہے یہ قیمتی غلے اور لذیذ پھل جن پر انسانی زندگی کا بہت کچھ مدار ہے اُن بیجون کے ذرات ہیں جو دیکھنے میں بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔

پیپل اور بڑ کا بیج کیسا چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں دیکھو پیپل اور بڑ کا درخت کس قدر بڑا اور سایہ دار ہوتا ہے بظاہر کون خیال کر سکتا ہے کہ اس قدر خفیف اور چھوٹے سے بیج سے اس قدر بڑے بڑے درخت پیدا ہو سکتے ہیں کہ اُن کے سایہ میں صدہا لوگ آرام پا سکیں۔ یہ دیودار کا درخت کس قدر لمبا ہوتا ہے اور اُس سے انسان کس قدر کام لیتا ہے! اُس کا تخم بھی بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔

آگ کی چنگاری کی حقیقت ہی کیا ہے لیکن ہزارہا مکان اور صدہا سامان کے جلانے اور راکھ سیاہ کرنے کے واسطے وہی کافی ہے۔ پانی کے قطرہ قطرہ سے دریا اور سمندر بن جاتے ہیں۔ بارش کے بھی قطرات اور بوندیں ہی ہوتی ہیں۔ دیکھو آخیر میں ان ہی منتشر قطرات اور متفرق بوندوں سے بڑے بڑے دریا اور بڑی بڑی نہریں بن جاتی ہیں۔ انسان کی پیدائش بھی ایک قطرہ یا چند قطرات ہی سے ہوتی ہے۔ وہ ایک قطرہ سے نشوونما پاتا ہوا کس قدر قدوقامت اختیار کرتا ہے اور اپنے اندر کس قدر جذبات اور کس قدر قوتیں رکھتا ہے۔

یہ انواع و اقسام کی کتابیں، رسائل اخبارات و دساتیر سیاسی و تمدنی و شرعی چند حروف اور چند نقاط ہی کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ دیکھو ایک ایک حرف کے ملانے اور جوڑنے سے کس طرح یا کس خوبی سے الفاظ، جملے کلمات فقرات سطریں اور صفحات بن جاتے ہیں۔

یہ سانس اور دم جس پر انسان کی زندگی کا شروع اور خاتمہ ہے ایک منتشر سلسلہ ہی تو ہوتا ہے۔ اس منتشر سلسلہ کی گنتی بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ جزئیات ہی تو ہیں۔ دیکھو ان ہی جزئیات کے ماتحت کس خوبصورتی سے نظام حیات انسانی قائم ہے۔

اس قسم کی متفرق مثالون سے یہ ثابت ہے کہ تمام کلیات تمام مجامیع تمام نظام کا بر کا وجود اور ہستی جزئیات اور اصاغر ہی سے ترتیب اور ترکیب پاتی ہے۔ اگر اصاغر، ذرات اور جزئیات نہ ہون تو کلیات اور اکابر بھی نہون دیکھو بادشاہ کوئی کوئی ہی ہوتا ہے لیکن اس کا عملہ اور سپاہ بے شمار ہوتی ہے اور یہ عملہ فعلہ اور سپاہ و افراد اور جزئیات ہی سے ترتیب پاتی ہے اور بادشاہ بھی بجائے خود ایک جزو اور ایک فرد ہی ہوتا ہے۔

دنیا مین جزئیات ہی سے زیادہ تر کام لیا جاتا ہے اور کلیات کی بنیاد جزئیات ہی ہین۔ اجسام ذرات سے ترکیب پاتے ہین۔ ذرات اور جزئیات ہی ہمارا شروع ہین۔ ایک گاؤن یا ایک شہر کب بنتا ہے جب اس مین مختلف قسم کے لوگ آباد اور جمع ہون۔ جہان صرف ایک ہی آدمی رہتا ہو اسے گاؤن اور شہر نہین کہتے۔ جزئیات، اصاغر، افعال عامہ اور اخلاق عامہ کی نہ صرف چند ترکیبی اور ترتیبی صورتون ہی مین ضرورت ہوتی ہے، بلکہ تمدنی اور سوشل مراحل مین بھی ضرورت پڑتی ہے۔ جب انسان جزئیات، افعال عامہ اور ترک افعال عامہ سے بے خبر اور لاپروا ہو جاتا ہے تو سلسلہ تمدن اقتصادیات اور اخلاقیات کی وہ عظمت و شہرت اور احساس ضرورت باقی نہین رہتا جسکی انسانی حیات کے واسطے ایک لازمی ضرورت ہے۔

جیسے اجسام مختلف ذرات سے ترکیب پاتے ہین ایسے ہی تمدنی اقتصادی، اخلاقی، سیاسی اور سوشل سلسلے اور اجسام بھی جزئیات نیز ذرہ سے اچھی یا بُری ترتیب اور ترکیب پاتے ہین۔ بہت سے لوگ کسی معمولی عامہ یا جزوی فعل یا ترک فعل کے وقت یہ کہا کرتے ہین:

مجھسے کوئی خون تو نہین ہوگیا۔
کوئی آدمی تو نہین مار دیا!
کوئی چوری تو نہین کی!
کوئی ڈاکہ تو نہین مارا!
کوئی قانون تو نہین توڑا!

ایسے کہنے والا یہ خیال خود یہ سمجھے ہوئے ہو کہ جب تک خون نہ کیا جائے ڈاکہ نہ مارا جائے، اسوقت تک کوئی فعل یا ترک فعل کچھ اثر اور نتیجہ نہین رکھتا، اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ اس پر اعتراض کرے یا ٹوکے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے
مین بھلا کیا احسان کر سکتا ہون!
مین کیا بضاعت رکھتا ہون!
میری کیا طاقت!
کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا!
پیر آپ ہی درماندہ شفاعت کس کی!

دونون صورتون مین مطلب یہ ہوتا ہے کہ معمولی باتون کا سرزد ہو جانا یا معمولی فروگذاشتین اور معمولی غلطیان اور معمولی نیکیان اور معمولی مروتین کوئی بڑا اور کوئی قیمت اور کوئی خوبی نہین رکھتین۔ غلطی تو وہ ہو سکتی ہے جو بہت بڑی ہو اور نیکی بھی وہ ہے جو بہت بڑی ہو۔

ایسا سمجھنا اور ایسا کہنا بھی غلطی اور وہ فروگذاشت ہے جو ہمارے کیرکٹر ہماری سیرت اور ہماری تمدن کے واسطے ایک سخت نقصان اور تکلیف دہ عمل دیتی ہے۔ یا تین ہین جن کی بدولت کوئی قوم دولت تہذیب اور دولت سعادت سے محروم اور بے بہرہ رہ سکتی ہے جس قوم کے افراد کیسے ایسے خیالات ہون وہ قوم ترقی یافتہ اقوام مین جگہ نہین لے سکتی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہین کہ دنیا مین جس قدر کام ہوتے ہین وہ سب ان طاقتون کی وجہ سے ہوتے ہین جنکو بڑی بڑی طاقتین کہا جاتا ہے۔ یہ خیال درست نہین۔ اس کائنات اور بالخصوص انسانی کائنات مین وہ طاقتین بڑے بڑے کام کر رہی ہین جو چھوٹی چھوٹی ہین۔ ذرات ہی سے اجسام ترکیب پاتے ہین۔ اجزا ہی سے کلیات کی نوبت آتی ہے۔ اگر اس دنیا مین سعادت اور نیکی کا کوئی مجسمہ ہے تو وہ مختلف اور جزوی نیکیون ہی بنا ہے جس طرح ایک بڑا عالی شان محل یا مکان پتھر کے مختلف ٹکڑون یا مختلف

نیکیوں سے تعمیر ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں مختلف نیکیاں مختلف لوگوں ہی کی بدولت
وجود پذیر ہوتی ہیں اور ان کا اکثر حصہ جزوی رنگ رکھتا ہے۔ یہ پبلک
جس کا مہذب ملکوں اور مہذب قوموں میں بہت کچھ زور اور چرچا ہوتا ہے
ان افراد و جزئیات ہی کا تو مجموعہ ہوتا ہے۔ خواص اور اکابر سے تو پبلک
نہیں بنتی چھوٹی چھوٹی اور منتشر ہستیوں کا نام ہی پبلک ہے۔

اگر ہم چھوٹی چھوٹی شرارتوں اور چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچ سکتے
ہیں تو ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم ان سے محفوظ رہیں کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی
برائیوں ہی سے بڑے بڑے منصوبوں اور گناہوں کی بنیاد پڑتی اور
نوبت آتی ہے۔ ایک قاتل یا ایک ڈاکو شروع ہی میں قتل اور غارتگری
نہیں کرتا۔ بلکہ اسکی برائیوں کا شروع معمولی فروگذاشتوں اور معمولی غلطیوں
ہی سے ہوتا ہے کبھی کبھی ایک ڈاکو اپنی پہل مرغی ہی سے کرتا ہے اور پھر
رفتہ رفتہ اس کا ہاتھ بڑے بڑے جرائم پر بھی دراز ہونے لگتا ہے۔

اگر تم بڑے بڑے گناہوں اور غلطیوں سے بچنا چاہتے ہو تو تمھیں
چاہیے کہ معمولی اور چھوٹے چھوٹے گناہوں اور فروگذاشتوں سے بچو ع
سرچشمہ شاید گرفتن بہ بیل۔ جو شخص شروع میں ایک روپیہ یا ایک
پیسہ رشوت لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے وہ رفتہ رفتہ بڑی بڑی رقوم
کے لینے سے بھی شرم نہیں کرتا۔

اطفال کی تعلیم و تربیت کا یہ اہم جزو ہے کہ انھیں شروع ہی میں چھوٹے چھوٹے
افعال پر بھی ٹوکا جائے اور جزوی چیزوں میں انکی نگرانی کیجائے۔ جو بچہ اپنے قمیص یا کرتہ
پر تھوکنے سے کراہیت نہیں کرتا وہ کسی دن دوسروں کے منھ پر تھوکے گا۔

ہندوستان میں بمقابلہ دنیا کے دیگر ممالک کے دشنام دہی کا
زیادہ خبط ہے۔ اس کا شروع سب سے اول اپنی ماں کی گود یا اپنے گھر ہی سے
ہوتا ہے گالی میں یہ طاقت ہے کہ وہ بتدریج الفاظ میں مختلف رنگ
اختیار کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ایسی مشق اور عادت ہو جاتی
ہے کہ رک نہیں سکتی جو لڑکا چاقو سے اپنا ہاتھ زخمی کر لیتا ہے اس کے واسطے
دوسروں کو زخمی کر دینا کیا مشکل ہے۔

اب نیکیوں کا خیال فرمائیے۔ بہت سے لوگ صرف اسواسطے نیکیوں سے
محروم رہتے ہیں کہ ان کے خیال میں نیکی کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے
یا وہ نیکی کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہذا باطل۔ اگر بڑی بڑی نیکیاں ہیں
تو ان کے مقابلہ میں چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی ہیں چھوٹی چھوٹی نیکیوں ہی سے
بڑی بڑی نیکیوں کی بنیاد پڑتی ہے۔ اگر ہم بڑی نیکی کرنے کے قابل نہیں یا
ایسی ہمت نہیں رکھتے تو کیا چھوٹی نیکی بھی نہیں کر سکتے؟ کوئی شخص ایسا
نہیں جو کچھ نہ کچھ نیکی نہ کر سکے!

کسی بزرگ ملت سے ایک شخص نے پوچھا "میں نیکی کی ہمت نہیں رکھتا"
بزرگ ملت نے کہا نیکی کرنے کے لیے کسی بڑے رتبہ اور بڑی ہمت کی
ضرورت نہیں، کوئی شرط اور کوئی قید نہیں، ہر شخص بمقدور خود نیکی
کر سکتا ہے۔ نیکی ہر مقدور اور ہر ہمت کے موافق ہوتی ہے راہ میں سے
ایک تنکا اٹھانا بھی ایک نیکی ہے کسی رہرو کو خوش اخلاقی سے راہ بتانا
بھی ایک نیکی ہے کسی کے ساتھ خوش خلقی سے بات کرنا بھی ایک نیکی ہے۔
اگر کسی نیک کام میں ایک روپیہ دینا نیکی ہے تو اپنی ہمت کے مطابق ایک
پیسہ دینا اس سے بھی زیادہ نیکی ہے۔ ایک روٹی میں سے جو اپنے کھانے
کے واسطے ہے نصف روٹی کسی بھوکے کو کھلا دینا صدہا روٹیوں کے کھلانے
سے زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ اپنا پیٹ خالی رکھکر اپنی جیب کاٹ کر دینا!
ابنائے جنس کی مدد کرنا ایک ایسی نیکی ہے جو بہت قیمت رکھتی ہے جو لوگ
لاکھوں روپیہ نہیں دے سکتے جو سرائیں، عبادت خانے، چاہ، مدارس
نہیں بنا سکتے، جو لوگ یونیورسٹیوں میں ہزارہا روپیہ دینے کا مقدور
نہیں رکھتے ان کا اپنی ہمت اپنے حوصلہ اور اپنی بضاعت کے مطابق
ایک روپیہ یا ایک پیسہ بھی دینا ایک اجر عظیم رکھتا ہے کسی بیمار سے ہمدردی کرنا
اور حسن سلوک اس سے پیش آنا امیروں اور مخیروں کی بڑی بڑی داد و دہش
اور جود و کرم سے بھی زیادہ ہے کچھ بھی نہ ہو صرف صادق ہمدردی مخلصانہ

سلوک بھی سو نیکیون کی ایک نیکی ہی۔

اس کائنات مین ابنائے جنس اور دیگر انواع کو بڑی بڑی نیکیون اور بڑے بڑے کارنامون کی تو کبھی کبھی ہی ضرورت پڑتی ہی، عام طور پر تو چھوٹی چھوٹی باتون ہی کی ضرورت ہوتی ہی اور ان ہی پر دنیا کی بہبود کا زیادہ تر مدار بھی ہوتا ہی۔ غربا عام طور پر جوش خلقی کے بھوکے ہوتے ہین انھین خطابات اور القاب کی کم ضرورت ہوتی یا کم احساس ہوتا ہی۔ ان کے ساتھ سلوک سے پیش آنا ایک بڑا اثر اور ایک بڑی قیمت رکھتا ہی۔

اگر ہم اپنی بضاعت کے مطابق چند غریب لڑکون کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہین تو ہمین اعلےٰ تعلیم کی ہمت اور وقت کا انتظار نہین کرنا چاہیے کیونکہ اعلیٰ تعلیم کے واسطے تو خال خال ہی جا سکتے ہین اور ابتدائی تعلیم کی عموماً ضرورت ہے۔ اگر کوئی جج اور کوئی مجسٹریٹ صرف قتل و خون کے مقدمات ہی مین انصاف کرنے کا متوقع ہی تو وہ غلطی مین ہی۔ قتل کے مقدمات کبھی کبھی دایر ہوتے ہین۔ معمولی مقدمات کثرت سے ہوتے ہین۔ ان مین انصاف کی کوشش کرنا اور انصاف کرنا ہزارون کے حق مین ایک منصفانہ امداد ہی۔ بعض وقت لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ جب تک ان سے ہر قسم کی نیکی ہو سکے ایک آدھ نیکی سے کیا حاصل ہی۔ یہ ان کی غلطی ہی، جس قدر نیکی ہو سکتی ہی وہ کی جائے! جو شخص کسی رفیق کی ایک معمولی رفاقت کی قدر نہین کرتا اور اس کی داد نہین دیتا وہ کسی بڑی رفاقت کی بھی قدر و منزلت نہین کر سکتا۔ ایک چھوٹی سی خوبی بھی قیمت رکھتی ہی۔ ایک چھوٹا سا احسان بھی شکریہ چاہتا ہی۔ جزئیات پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے بعض اوقات وہ باتین کس مپرسی مین رہجاتی ہین جو کسی وقت بڑے بڑے اہم واقعات بن سکتی ہین۔ جو کاتب کتابت مین حرکات اور نقاط کا چھوڑ دینا جائز سمجھتا ہی اور بعض حروف چھوڑتا جاتا ہی وہ الفاظ اور فقرات کا خون کرتا ہی اور عبارات کو بے ربط اور مہمل و بیمعنی بناتا ہی۔ اسی طرح جو ہستیان چھوٹی چھوٹی نیکیون سے منہ پھیرتی ہین وہ بڑی بڑی نیکیون کی راہین بند کرتی ہین۔ جو شخص باوجود ہمت اور باوجود احساس کے کسی بڑی نیکی کے انتظار مین رہتا ہی وہ چھوٹے چھوٹے مواقعہ کو ایک بے رحمی کے ساتھ جان بوجھ کر رایگان جانے دیتا ہی اور جو وقت اُسنے میسر ہوا اُسے کام مین نہین لاتا۔

اس طریق عمل سے صدہا نیکیون کا خون ہوتا ہی اور صدہا روشن واقعات تاریکی مین رہ جاتے ہین۔ ایک عام یا کوئی گمنام آدمی کسی غرق ہونے والے کو دریا مین سے نکالتا ہی، لوگ اُس کی کوئی قدر و منزلت نہین کرتے، کوئی نوٹس نہین لیتے۔ ایک غریب جان لڑا کر ایک نیک کام کرتا ہی اور اُس مین وہ کوئی خود غرضی بھی نہین رکھتا، لوگ اسطرف توجہ ہی نہین دیتے۔ اور نہ اُس کا اعتراف کیا جاتا ہی۔ لوگ ہمیشہ نسبتی معیار کے ماتحت خوبیون کی قدر کرنے کے عادی ہین۔ اگر ایک امیر ایک مقتدر شخص کوئی تھوڑی سی نیکی اور مروت بھی کرے تو لوگ اُسکے اعتراف اور اُسکے احترام مین دیر نہین لگاتے، مبالغہ سے اُس کی قدر بڑھاتے ہین لیکن اگر کوئی ایسا ہی کام کوئی غریب کرے تو اُس پر توجہ بھی نہین کی جاتی!

ایک غریب کوئی غلطی کرے تو شور پڑ جاتا ہی لیکن اگر کوئی مقتدر شخص ایسا کام کرے تو اُسے ایک تفریح یا ایک قابل معافی غلطی سمجھا جاتا ہی حالانکہ دنیا مین غربا اور رعایا ہی کی بدولت اور اُن ہی کی ہمتون اور خوبیون کے ماتحت کام چل رہا ہی۔ یہی چھوٹی چھوٹی ہستیان ہی اس کائنات کی رونق کا موجب ہین! لوگ چاہتے ہین کہ ہمیشہ ان کے سامنے بڑے بڑے واقعات ہی لائے جائین۔ یہ ایک فریب دہ مغالطہ ہی جو قومین ترقی یافتہ ہین جن کا عروج اور جن کی تہذیب چوٹی پر اور ٹکسالی ہی، اُن کی تمام قسم کی ترقیات اور معارج کی بڑی بھاری وجہ اور مدار چھوٹی چھوٹی باتون پر ہی رہا ہی۔ چھوٹے چھوٹے واقعات ہی سے انھین یہ درجہ نصیب ہوا ہی۔ اُن مین سے جب ایک ادنیٰ فرد بھی کوئی خوبی رکھتا اور کوئی ہمت اور نیکی کا کام کرتا ہی تو دوسری صبح یا دوسری شام ہی کو اُس کا اعتراف کیا جاتا ہی۔ ملک بھر کے اخبارات مین تعریفی نوٹ نکل جاتے ہین۔ لوگ ایک شوق کے ساتھ اُنھین پڑھتے ہین۔



آنریبل مسٹر ایس سنہا

(اڈیٹر رسالہ ہندوستان ریویو الہ آباد)

صرف پڑھتے ہی نہین بلکہ مختلف طریقون سے اُسکی ہمّت افزائی بھی کرتے ہین - اگر ملک مین کوئی رسالہ یا کوئی اخبار خوبی کے ساتھ نکلتا ہو اور ملک و قوم کی خدمت کرتا ہو تو اُسکی امداد اور ہمّت افزائی لازمی سمجھی جاتی ہو -

قوم کے افرادِ صغیرہ شوق اور ہمت دکھاتے ہین اور قوم کے نامور مقتدر اور باہمّت لوگ اُن کی ہمّت بڑھاتے اور ہمّت افزائی کرتے ہین - جو قومین ادبار زدہ ہین یا ادبار مین گھر چکی ہین اُن کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا ہی - افرادِ صغیرہ کی ہمتین پست ہو جاتی ہین - اور بوجہ پستی کے اُن کی باری ہی نہین آتی کہ کوئی کام کر کے دکھائین اور اپنی لیاقت اور ذہانت کا ثبوت دین اور اگر کبھی اُن کی جانب سے ذہانت کا کوئی علمی ثبوت دیا بھی جاتا ہی تو اُس کی قدر نہین کی جاتی ہے بلکہ اُسکے خود ابناے جنس ہی دل شکنی پر آمادہ ہو جاتے ہین - ایسے حاسد یہ نہین چاہتے کہ کوئی دوسری یا عام ہستی بھی اُن کی موجودگی مین کوئی کام کرنے کا حق رکھتی ہو یا اور کسی اور کے حصہ بخرہ مین بھی شہرت آئے ؎

اے بستہ کمر شکست مارا — برہم زدہ بند و بست مارا

دنیا مین وہی قوم ترقّی کرتی ہو جس کے افراد صغیرہ اور عوام اغراض مشترکہ مین عملی حصہ لیتے ہین - اس وقت دنیا کے ہر حصہ مین جس قدر کلین مشینین ایجادات اور مصنوعات پائی جاتی ہین اُن سب کے موجد مخترع اور بانی عام لوگ ہی ہوے ہین ! یہ ریل تار، ٹیلیگراف اور گراموفون وغیرہ وغیرہ اُن ہی افراد کی ذہانت کا نتیجہ ہین جو عوام مین سے تھے - بہت کم لوگ ان مین سے بی اے ایم اے یا اعلے التعلیم یافتہ تھے - وہ معمولی تعلیم یافتہ تھے - اگر یہ لوگ انسانی کائنات کے اجزاے صغیرہ یا ارکانِ عامہ ہونے کی وجہ سے اپنی خداداد ذہانت سے یون کام نہ لیتے تو دنیا مین یہ عجوبات اور یہ حکمتین بھی نہوتین -

یہ سُننے مین نہین آیا کہ کبھی کسی امیر بادشاہ اور راجہ نواب نے بھی کوئی مشین ایجاد کی ہو یا اور کوئی اختراع کی - ایسے لوگون کی طبیعت اس قابل ہی نہین ہوتی کہ ایسے کام کر سکین - یہ کام تو وہی لوگ کرتے ہین جو اصاغر اور عوام الناس مین شمار ہوتے ہین - اور جو انسانی کائنات کے جزئیات کا شبہ ہین جس طرح یہ ساری کائنات مختلف ذرّات سے مرتب اور مرکب ہو اُسی طرح دنیا کے بڑے بڑے کام بھی جزئیات کی بدولت انصرام پاتے ہین - فوج اُسی وقت بنتی ہو جب اُس مین صدہا فرد شامل ہون - صرف ایک کمان افسر کی شمولیت اور ذات سے فوج نہین بن سکتی -

جس طرح ہم چھوٹی چھوٹی نیکیان کثرت سے کر سکتے ہین اُسی طرح ہم نہایت خوبی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گناہون سے بھی بچ سکتے ہین اور اِس طرح سے گناہون اور بُرائیون کا نمبر بہت کچھ کم کر سکتے ہین ایک غریب شخص روز دو تین پیسے کسی نیک کام مین دے سکتا ہو اور ایک دو بیمارون کی خبر بھی لے سکتا ہو لیکن بڑے سے بڑا آدمی بھی ہر روز دو دو سو روپیہ کسی کام مین نہین دے سکتا -

چھوٹے سے چھوٹا گناہ اور بُرائی ترک کرنے مین پیش قدمی کرو اور اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اگر ہو سکتی ہو تو اُسمین تامل نہ کرو - یہ تمھارا فرض نہین کہ تم بڑے بڑے کامون کے انتظار مین چھوٹے چھوٹے کام بھی نکرو - جن بُرائیون کو تم چھوڑ سکتے ہو چھوڑ دو خواہ وہ کیسی ہی چھوٹی ہون اور جو نیکی تم کر سکتے ہو کر دیا ہے وہ کیسی ہی خفیف ہو - چھوٹی برائیون کو ترک کرنے اور چھوٹی خوبیان ہاتھ مین لانے ہی سے انسان بڑے بڑے گناہ چھوڑ سکتا اور بڑے بڑے نیک کام کر سکتا ہی - یاد رکھو جس طرح چھوٹے کلاس کے دوست ہمیشہ وفادار ثابت ہوتے ہین اور اُن سے بہت کچھ کام نکلتا ہو اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتون ہی سے بڑی بڑی باتون اور بڑے بڑے واقعات کی بنیاد پڑتی ہو - عام نیکیون اور عام خوبیون کے بانی اور وارث ہمیشہ افراد صغیرہ ہی ہوتے ہین اور افراد صغیرہ پر ہی ہماری دنیا کی خوبی اور ہمارے تمدن اور رونق کا بہت کچھ مدار ہی - چھوٹی چھوٹی باتون پر دھیان دو اور اُن پر

خیال رکھو، تاکہ انسانی تمدن اور انسانی اخلاق کی سرسبزی ہو۔ اگر تم چھوٹا کام شروع نہیں کروگے تو کوئی بڑا کام کس طرح کرسکوگے؟ بچے بڑھتا کہ تم جوان ہوکر پڑھے ہو! ابجد شروع کرو تاکہ تم خود فقرات اور جملے بنانے لگ جاؤ۔ جب تک الف ب ت نہیں پڑھوگے فقرہ اور جملہ نہیں پڑھ سکتے۔ بڑی باتیں بڑے بڑے لوگوں کے واسطے رہنے دو۔ جو تم کرسکتے ہو کرو۔ تم بھی دنیا کی بہتری کا ایک جزو اور اس مشین کا ایک پرزہ ہو۔ کل کی ہستی تم ہی پُرزہ تو نہیں ہو سے

ترا کہ گفت کہ نائل بسیر بستان باش
بہ نوش یکے و سہ جامے خود گلستان باش

سلطان احمد

(خدا کی تعریف)

اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا گیت جو خدا کی تعریف میں گایا جاسکتا ہے وہ ایک پاکیزہ اور مصروف زندگی ہے۔ خدا کی سچی محبت کسی خیال کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مضبوط اور عمدہ اصول ہے جو نہ صرف دل کو اس کی یاد میں مصروف رکھتا ہے بلکہ کیرکٹر اور چال چلن پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے۔ یہی محبت اپنے آپ کو صرف جذبات ہی میں ظاہر نہیں کرتی بلکہ وہ اپنی سچائی کو ایک پاکیزہ اور پارسا زندگی کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ وہ تعلقات جو انسانی روح کو خدا سے وابستہ کرتے ہیں قبل الذکر کو نیکی اور تقدس کی طرف لیجاتے ہیں۔ اس لیے اگر ہمیں خدائے بزرگ سے سچی محبت ہے تو ہمارے افعال نیکی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں گے۔ بلکہ ہمارے خیالات اور ہمارے جذبات بھی خداوند کی مرضی کے مطابق ہونگے۔ اور اگر ایسا ہو تو ہماری زندگی سراپا خدا کی تعریف میں ملبوس ہوگی۔ مثلاً جس طرح سے کہ ایک بیجان چیز کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرنے میں خدائے جلیل کی حمد کرتا ہے اور آسمان میں بھی تمام سیاروں کا یہی ایک گیت ہے[1]۔ اسی طرح سے اگر انسانی زندگی بھی جبکہ وہ بالکل پاک ہو خدا کی مرضی کے مطابق عمل کرے تو گویا وہ اس کی تعریف میں ایک مجسم گیت ہے۔ لیکن خدا کی محبت زبان کو خاموش نہیں کرسکتی۔ زبان کو خود بخود اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر کرنا اور اسکی بے ہمتا شان میں بھجن گانا ایسا ہی اچھا ہے جیسا کہ اُس کی سچی مہربانی اور برکات کا صبح کے وقت اظہار کرنا۔ اور اُس کی محافظت کا رات کو۔

حی علی الصلاح کی آواز خداوند جل و علا کے تخت پر پہنچائی جاتی ہے لہذا اسکی منظوری حاصل کرتی ہے۔ اللہ اُس بھجن کو بھی پسند فرماتا ہے جو اُس وقت گایا جائے سورج کی روشنی مدھم پڑ رہی ہو۔ دوپہر کی نماز سے بھی وہ اپنے کانوں کو پرے نہیں ہٹاتا (یعنی وہ صبح اور عصر کی نمازوں کے مانند ظہر کی نماز بھی قبول فرماتا ہے) اس لیے آؤ اور رات کو شکر اور تعریف کا گیت اُس کی شان میں گائیں۔

اپکٹیٹس پہلے تو خدا کی اُن رحمتوں اور برکتوں کا ذکر کرتا ہے جن سے کہ انسانی زندگی پُر ہے اور پھر خود ہی سوال کرتا ہے اور کہتا ہے "کیا خدا کے احسان بس یہی صرف اتنے ہی ہیں۔ نہیں نہیں وہ بیشمار ہیں۔ اور زبان میں اتنی بھی یارا

[1] بعض قدیم حکما کا خیال تھا کہ سیارے جن پر ساری کائنات مشتمل ہے گردش کرتے وقت ایک قسم کا گیت گاتے ہیں۔ اس خیال کی ابتدا حکیم فیثاغورث سے جو موسیقی کا عاشق تھا شروع ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ساتوں سیارے (زحل۔ زہرہ۔ مشتری۔ عطارد۔ مریخ۔ قمر۔ شمس) موسیقی کے سات سُروں کی طرح حرکت کرتے وقت ایک سُر میں آواز پیدا کرتے ہیں جن کو میں سُن سکتا ہوں۔ یہی گویا خدا کی حمد ہے جو تمام سیارے آسمانوں میں گاتے ہیں۔ زحل جو زمین سے بہت فاصلہ پر ہے گہری اور مدھم آواز پیدا کرتا ہے اور چاند جو زمین سے نہایت نزدیک ہے تیلی اور تیز کی آواز نکالتا ہے (مترجم)

نہین کہ وہ ٹھیک طور پر بیان کر سکے اور اُن کا شکر ادا کر سکے کیونکہ کاش اگر ہم مین عقل سلیم ہوتی تو اسوقت بھی یہی فرض ہم پر زیادہ ضروری ہوتا کہ ہم جلوت و خلوت غرض ہر جگہ خدا کے مقدس نام کی تسبیح کرین اسی کے نام سے برکت چاہین، اور اسکے برکات دیکھکر اُسکی حمد و ثنا کرین۔ کیا ہمین اُسکا جَس نہین گانا چاہیئے۔ اسوقت جبکہ ہم زمین کو کھودین اُسمین ہل چلائین یا جب کبھی ہم دسترخوان پر بیٹھین یہ سمجھکر کہ خدا بزرگ ہی کیونکہ اُس نے ہمین اُن آلات سے مہیا کیا ہی جن کی مدد سے ہم زمین مین کاشت کرتے ہین، خدا بزرگ ہی، کیونکہ اُس نے ہمین اپنے برکات کی قدر کرنے اور اُسکو استعمال کرنے کی طاقت عنایت کی ہی داس لیے جبکہ ہم تم مین سے اکثرون کو دنیاوی مشغولیت نے اندھا کر دیا ہی۔ کیا کوئی شخص ایسا نہین ہونا چاہیئے جو تمھارے بجائے اس خدمت کو اپنے ذمے لے اور تمھاری سب کی طرف سے خدا کی شان مین حمد و ثنا کے ترانے گائے۔ اور مین جو کہ لنگڑا اور بوڑھا ہون اسکے علاوہ اور کیا کر سکتا ہون کہ خدا کی حمد کیے جاؤن۔ اگر مین ایک بُلبل ہوتا تو یقیناً مین بلبل کی طرح گیت گاتا۔ اور اگر قمری ہوتا تو قمری کی طرح چہچہاتا لیکن اب ایک عقلمند آدمی ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہی کہ مین خدا کی حمد و ثنا کے بھجن گاؤن۔ یہی میرا کام ہی یہی میری زندگی کا مقصد ہی اور اسے ہی مین پورا کرنا چاہتا ہون۔ مین حتی الامکان اس کام سے کنارہ کشی نہین کرون گا۔ اور تم سے بھی مین بنت اس کام کے کرنے کی استدعا کرتا ہون "

شیخ سعدیؒ فرماتے ہین کہ ساری تعریف اللہ جل کو سزاوار ہی جو ہر ایک سانس جو اندر جاتا ہی زندگی کو بڑھاتا ہی۔ اور جب باہر آتا ہی تو جسم کیلیے فرحت بخش ثابت ہوتا ہی۔ اس لیے ہر ایک سانس مین دو نعمتین موجود ہین اور ہر ایک نعمت کے لیے علحدہ شکر واجب ہی ؎

از دست و زبان کہ بر آید　　کز عہدۂ شکرش بدر آید

مندرجۂ ذیل الفاظ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے صبح کے بھجن سے لئے گئے ہین جس کو ملٹن اپنی کتاب PARADISE LOST کی پانچوین جلد مین لکھتا ہی کہ علی الصباح جبکہ وہ دونون باغ کی طرف جا رہے تھے۔ اُن کی نظر پو پھٹنے اور سورج کے نکلنے پر پڑی تو بیساختہ وہ عاجزی کے ساتھ جھکے اور خدا کی تعریف مین یون رطب اللسان ہوئے :-

"اے نیکی کے مالک! یہ تیرے ہی شاندار کام ہین اے قادر مطلق یہ ساری کائنات جو انسان کو حیرت مین ڈال دیتی ہی تیری ہی ہے۔ جب تیری کائنات کا یہ حال ہی تو تیری خبر نہین تو کیسا ہے۔ تیری ذات صفات ناقابل بیان ہی تو آسمانون پر ہی اگرچہ تو ہمین اپنے معمولی معمولی کامون مین نہین دکھائی دیتا لیکن یہ تمام چیزین تیری اُس نیکی اور اُس خدائی طاقت کو ظاہر کرتی ہین جو احاطۂ خیال سے باہر ہی۔ اے روشنی کے بیٹو تمھین کچھ کہو۔ اے فرشتو! بولو کیونکہ تم اُس ذات نے ہمتا کو دیکھتے ہو اور راگ، روحانی گیت گاکر اُس کے تخت کے ارد گرد حلقہ باندھے بشاش کھڑے ہو۔ اے آسمان اور زمین کے رہنے والو! آؤ اور ہمارے ساتھ اُس کی نہ ختم ہونے والی حمد مین شریک ہو جاؤ۔

اے سب سے روشن ستارے! تو یقیناً صبح کا ہراول ہی کیونکہ تو اپنے چمکدار اور خوبصورت ہالے کی وجہ سے صبح کے سر پر گویا تاج ہی جب صبح نمودار ہو تو تو اپنے حلقہ مین اس لاثانی ذات کی تسبیح و تقدیس کر۔

اے سورج! اگرچہ تو اس دنیا کے لیے بمنزلہ آنکھ اور روح کے ہی لیکن اُس لاثانی ذات کو اپنے سے بزرگ جان اپنی گردش کے چکر مین ہر وقت جبکہ تو خط سرطان ہو یا نصف النہار پر اُس کی حمد کا نقارہ بجا۔

اے چاند! تو اگرچہ اب سورج کے قریب ہوا جاتا ہی لیکن اس کے نکلنے پر ستارون سمیت نظر سے غائب ہو جانے کا اسے پانچ گشت کرنے والے آگ کے پتلو! تم ایک مستانہ ناچ مین بغیر گانے کے حرکت کر رہے ہو تم کو چاہیئے کہ اُس کی حمد کے ترانے گاؤ جس کی قدرت نے تاریکی مین روشنی پیدا کر دی ہی۔

اے ہوا! اور اے عناصر! تم قدرت کے سب سے بڑے بچے ہو۔ تم جو چاروں کے اجزا میں ہمیشگی کا چکر لگاتے رہتے ہو، اور چیزوں سے مل کر ان کی پرورش کرتے ہو آؤ۔ اور اپنے خالق کی شان میں نئے انداز سے حمد کے گیت گاؤ۔

اے بخارات! تم جو کسی پہاڑی یا جھیل سے اٹھتے ہو اور جب تک کہ سورج کی کرنیں تمھیں سنہری رنگ سے نہ رنگ دیں سیاہ خاکی رہتے ہو، دنیا کے بڑے خالق کی شان میں اٹھو۔ خواہ بلند ہو کر تم صاف آسمان کو بادلوں سے آراستہ کر دو یا گر کر پیاسی زمین کی پیاس کو بارش کی بوچھار سے بجھا دو، غرض بلند ہو کر یا گر کر جس طرح سے تمھارا جی چاہے اُس کی تعریف کرو۔

اے ہوا تو دنیا کے چاروں کونوں میں آہستگی یا زور سے چلتی رہتی ہو اُس کی تعریف کر۔ اے صنوبر کے درختو! تم دوسرے درختوں کے ساتھ مل کر عبادت کے طور پر حرکت کرو!

اے چشمو! تم سب بہنے کی حالت میں ایک دل خوش کن گیت گاتے ہو۔ اب سب اکٹھا ہو کر اُس کی تعریف کرو۔

اے تمام زندہ روحو! اُس کی تعریف میں ہم آہنگ ہو جاؤ۔ اے پرندو! تم گاتے گاتے آسمان پر چڑھ جاتے ہو۔ اپنے پروں اور دلچسپ نغموں میں اُس کی تعریف اوپر لیجاؤ۔ اے آبی باشندو! اور اے زمین میں بسنے والو! میری گواہی دے دینا۔ اگر میں پہاڑیوں، وادیوں، چشموں اور سایہ دار جگہوں کو جن کو میں نے اپنے گانے کی طاقت سے گویا بنا دیا ہو مخاطب نہ کروں!

"ہمیشہ رہنے والے خدا کی تعریف کرو۔ اے خدا ہم پر مہربان ہو اور اپنی نیکی میں سے ہمیں حصہ دار بنا۔ اور اگر کبھی رات کچھ شر یا برائی اپنی آغوش میں جمع کر لے تو تو اُسے اُسی طرح سے ہٹا دے جس طرح سے کہ روشنی تاریکی کو ہٹا دیتی ہے۔

اے محبت! مجھے اپنے سنہری پروں پر بٹھا کر اس نکمی دنیا سے اپنی روحانی بلندی پر لیجا تاکہ میں اُن قابل تعریف چیزوں کو دیکھ سکوں جن کو تو اپنے شہنشاہ کی طاقت کے زور میں انجام دے رہی ہے۔ اے محبت! مجھے اس جہانی منظر کی وسعت سے دور لیجا تاکہ میں محبت کے خدا کی تعریف میں جو آسمانوں کا نہ اہو روحانی گیت گاؤں۔"

(ترجمہ) **ضیاء الدین احمد برنی**

شکریہ۔ ذیل کے علم دوست اصحاب کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے گزشتہ ششماہی میں العصر کی توسیع اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے احباب کو اس کی خریداری پر مائل کیا۔ آئندہ بھی ایسے علم دوست حضرات کا شکریہ ادا کیا جائے گا:۔

(۱) مسٹر ایس ایم طالب الہ آباد (۲) شیخ نیروز الدین مرادابی اے ایم ایس سی علیگڑھ (۳) راجہ دیبی پرشاد صاحب حیدرآباد دکن (۴) مولوی خلیل احمد صاحب بی ایس سی علیگڑھ (۵) بابو تارا چند صاحب پٹیالہ (۶) منشی ملوک چند صاحب محرر ڈیرہ اسمٰعیل خان (۷) سید عبد الغفار شاہ صاحب ریلی (۸) بابو محمد بخش صاحب خلیق سرگودہا (۹) مولوی محمد بشیر الحق صاحب باقی پور (۱۰) منشی محمد غوث صاحب نصفا حیدرآباد دکن (۱۱) مسٹر ظہور مسیح بیادر (۱۲) پروفیسر ڈبلیو اے جوہری اندور (۱۳) حافظ محمد یعقوب صاحب آج گیا (۱۴) منشی عبد الغنی صاحب خلیق دہلی (۱۵) ابوالفیض سید عبد العلی رنگ پور بنگال (۱۶) حکیم مرزا اشرف بیگ لکھنؤ۔

(معاد)

(۴)

کیا روح اکتساب سعادت و شقاوت کرتی ہے؟ یہ مسئلہ بلا شبہ نہایت دقیق ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے اگرچہ عینی دلیل کا ہونا قانون قدرت کے خلاف ہے مگر ایسے قیاسی دلائل موجود ہین جو اس بات پر یقین لا سکتے ہین کہ روح سعادت یا شقاوت کا اکتساب کرتی ہے۔ یہ امر تسلیم ہو چکا ہے کہ تعقل اور ارادہ روح کا خاصہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہین کہ انسان ان چیزون کو کتساب کرتا ہے جو اُسمین پہلے نہ تھین۔ وہ جاہل ہوتا ہے پھر علوم کا اکتساب کر کے عالم ہو جاتا ہے۔ وہ حقایق اشیا کو یہان تک اُن کا جاننا قانون قدرت کی رو سے ممکن ہے نہین جانتا ہے پھر تجربے اور تحقیقات سے اُن کا اکتساب کر لیتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوا تھا اُس کے خیالات بالکل سادے حیوان کی مانند تھے رفتہ رفتہ وہ مختلف باتون کو اکتساب کیا جاتا ہے جس سوسائٹی مین پرورش پاتا ہے اُسکی تمام مادی و غیر مادی عادتین اور خیالات کو اکتساب کر لیتا ہے۔ بعض دفعہ انسان نہایت نجس اور ناپاک میلے کچیلے سور کی طرح زندگی کے دن کاٹتا ہے اور کبھی نہایت صفائی ستھرائی اور اُجلے پن سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھتے ہین کہ کبھی وہ نہایت سفاکی اور بے رحمی کا خوگر ہو کر مردم آزاری کرتا ہے تمام قواے بہیمیہ اُسپر ایسا غلبہ کرتے ہین کہ وہ ایک حیوان درندہ بصورت انسان نظر آتا ہے۔ کبھی اُسمین ایسی صلاحیت اور نیکی رحم تواضع بردباری اور سب کے ساتھ محبت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسان دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام فضائل و رذائل کو وہی شے اکتساب کرتی ہے جس کا خاصہ تعقل و ارادہ ہے یعنی روح۔ کیونکہ انسان کا جسم اور تمام اعضا اندرونی تو برابر تبدیل ہوتے رہتے ہین۔ اس لیے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ تعقل و ارادہ اُن اعضا کا خاصہ تھا۔ یہ ایسی واضح دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح سعادت و شقاوت کا اکتساب کرتی ہے اور اسکی حالت بمناسب اُسکے جس کا اُس نے اکتساب کیا ہے تبدیل ہو جاتی ہے

(۵)

انسان کے لیے بیشک موت ہے۔ پس حقیقت موت کی کیا ہے؟ روح کا اپنے بدن سے مفارقت کرنا ہے۔ امید ہے کہ ہم اور معزز ناظرین ایک دن اسکی اصلی حقیقت سے واقف ہون گے۔ مگر اس زندگی مین جس قدر موت کا حال معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اخلاط کا تغیر پا کر یا اپنے عضو مین نقصان پہنچنے کے سبب سے جس سے اُن بخارات کی تولید یا بقا کو زیادہ تعلق ہے جو ترکیب اخلاط سے پیدا ہوتے ہین اور جنکو نسمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کی تولید موقوف ہو جاتی ہے اور اعضا مضمحل ہو جاتے ہین۔ بس قوت انسان یا حیوان مر جاتا ہے اور روح جسکو جسم سے تعلق اسی نسمہ کے سبب سے تھا جسم سے علٰحدہ ہو جاتی ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ جب تک روح کو نسمہ سے مصاحبت رہتی ہے اس سے کچھ تاثر روح مین ہوتا ہے یا نہین اور اگر ہوتا ہے تو بعد مفارقت جسم وہ تاثر اس مین باقی رہتا ہے یا نہین۔ ہم دنیا مین دیکھتے ہین کہ تمام اجسام لطیف جب آپس مین ملتے ہین تو ایک اور تیسرا جسم حاصل کر لیتے ہین۔ اگر کیمیاوی ترکیب پر خیال کیا جائے تو تمام سخت سے سخت اور ثقیل سے ثقیل اجسام کی ترکیب صرف اجسام لطیف ہوائی سے ہے جن کو علم کیمیا مین گیس یا بخارات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہین پائی جاتی کہ روح پر نسمہ کے ساتھ ملنے سے اثر نہ ہوا اور اُس نے کوئی جسم جدا اسکے پہلے جسم سے کسی امر مین مختلف ہو حاصل نہ کیا ہو۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد کوئی وجہ نہین پائی جاتی کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد پھر فی الفور روح کا وہ جسم بھی جو اُس نے نسمہ کی مصاحبت سے حاصل کیا تھا تحلیل ہو جائے۔ نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ روح نسمہ کی مصاحبت سے ایک اور جسم لطیف حاصل کرتی ہے اور وہ جسم روح اور نسمہ سے ترکیب پایا ہوا ہوتا ہے اور بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی

وہ جسم علیٰ حالہٖ باقی رہتا ہی گو بعد کو روح کا کسی وقت نسمہ سے علیحدہ ہو جانا
بھی ممکن ہو کیونکہ جن اسباب سے وہ جسم لطیف آپس مین ملکر ایک نیا جسم
پیدا کرتے ہین وہ دیگر اسباب سے تحلیل بھی ہو جاتے ہین یعنی ایک دوسرے
سے علیحدہ بھی ہو جاتے ہین ایسی ہی حال روح و نسمہ کا ہوتا ہی ہوا مین خوشبو
کے اجزاے لطیف ملنے سے تمام ہوا مین ایک قسم کی لطیف خوشبو پیدا ہو جاتی
ہی اور غلیظ چیزون کے اجزا اُن مین ملنے سے ایک قسم کی [illegible] پیدا ہو جاتی
ہی اور پھر وہ اجزا تحلیل ہو جاتے ہین اور ہوا حالت واحدہ [illegible] رہ جاتی ہی
اسی طرح وہ اجسام جو ترکیب کیمیاوی سے مرکب ہین دیگر اسباب کے تاثرات سے
تحلیل ہو جاتے ہین پس روح نسمہ مین ترکیب کیمیاوی ہو یا غیر کیمیاوی
اس کا تحلیل ہونا ممکن ہی جب روح کو ایک جسم لطیف جوہر مستقل بالذات
تسلیم کیا جاوے تو اس کا فنا ہونا محالات سے ہی تمام چیزین جو دنیا مین موجود
ہین کوئی بھی ان مین سے معدوم نہین ہوتی صرف تبدیل [illegible] ہوتی ہی
پانی آگ سے یا دھوپ کی تیزی سے خشک ہو جاتا ہی [illegible] ہوتا
صرف صورت تبدیل ہوتی ہی آکسیجن اور ہیڈروجن [illegible] علیحدہ ہو جاتی
ہین - آکسیجن آکسیجن ہین اور ہیڈروجن ہیڈروجن [illegible]
[illegible] کوئی چیز معدوم نہین ہوتی [illegible]
وجہ نہین ہی غایت مافی الباب یہ ہی کہ جب تمام اشیا موجودہ مین تبدیل
صورت ہوتی رہتی ہی تو روح مین بھی تبدیل صورت ہوتی ہوگی - اسکے
امتناع پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہین ہی مگر اسکے تسلیم کرنے سے کوئی
مشکل مذہب اسلام مین پیش نہین آتی غرضکہ [illegible] تسلیم
کرنے کے ساتھ ہی اسکے بقا کا تسلیم کرنا بھی لازمی ہی

(۴)

اگر ہم روح کے بقا کو تسلیم کرین تو کچھ تحقیقات بحث حشر و نشر کی
کیا ہی؟ میرے خیال مین جب روح نسمہ سے مل جاتی ہی تو خود ایک
جسم پیدا کر لیتی ہی اور جب انسان مرتا ہی اور روح اس سے علیحدہ ہوتی ہی
تو خود ایک جسم رکھتی ہی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہی پس حشر مین کوئی نئی
زندگی نہین ہی بلکہ پہلی ہی زندگی کا تتمہ ہی - شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی
یہی قول ہی جیسا کہ انھون نے حجۃ اللہ البالغہ مین کہا ہی کہ جسمون کا اُٹھنا
اور روحون کا اُن مین پھر آنا یہ کوئی نئی زندگی نہین ہی بلکہ اُسی پہلی
زندگی کا تتمہ ہی مگر اس جسم کی نسبت جو دنیا مین قبل الموت تھا اسکے
دوبارہ اُٹھنے اور اس مین روح آنے کے شاہ ولی اللہ صاحب بھی
قائل نہین ہین اور صاحب تفسیر کبیر نے سورۂ قیامہ کی تفسیر مین جو تقریر
لکھی ہی اس سے بھی اسکی تائید ہوتی ہی -

جو اعتراض کیا جاتا ہی کہ انسان تو یہی موجودہ بدن ہی پھر جب
انسان مر گیا تو بدن کے اجزا متفرق ہو گئے اور مٹی مٹی مین
مل کر مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک پھیل گئی
اب ان اجزا کا دوسری مٹی کے اجزا سے ممتاز ہونا ناممکن
ہی تو قیامت بھی ناممکن ہوگی تو یہ اعتراض دو طور سے مندفع
ہوتا ہی (۱) ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ انسان اس بدن کا نام ہی بلکہ
ہم کہتے ہین ایک ایسی چیز ہی جو اس بدن کی مدبر ہوا اور جب بدن خراب
ہو جاتا تو وہ اپنی حالت پر زندہ رہتی (۲) خدا کو اس بات پر قدرت
ہی کہ اس کو کوئی اور بدن عطا کرے چنانچہ اس آیۃ مین بھی اس بات
کی طرف اشارہ کیا گیا ہی کیونکہ خدا نے پہلے تو نفس لوامہ کی قسم کھائی
پھر فرمایا کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہی کہ ہم اسکی ہڈیان نہ اکٹھی کرین گے -
اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ نفس اور بدن دو چیزین ہین -

قرآن مجید سے بھی موجودہ جسم کا دوبارہ اُٹھنا نہین پایا جاتا بلکہ ایک
اور ہی جسم ثابت ہوتا ہی مثلاً نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ
وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
ترجمہ ہمنے تمکو پیدا کیا پھر کیون نہین تم مانتے بھلا کیا تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم

آیت ۶۰ سورۂ واقعہ۔

اس آیت مین لفظ امثال کا جمع ہو لفظ مثل بفتح المیم و الثاء کی اور تمام آیات ماسبق و ما لحق سے جو اس مقام مین ہین صاف ظاہر ہو کہ حالات حشر اُنمین مذکور ہین۔ خدا تعالی فرماتا ہو کہ ہم نے موت کو تم مین مقدر کیا اور ہم اسبات سے عاجز نہین ہین کہ جو اس زندگی مین تمھارے اوصاف ہین ان کو بدل دین اور ایسے اوصاف پیدا کرین جنکو تم نہین جانتے۔ لفظ پیدا کرنے سے صاف پایا جاتا ہو کہ موجودہ اوصاف کے معدوم ہونے کے بعد پیدا کرنا مراد ہو۔ جو لوگ روح کے قائل نہین تھے وہی حیات بعد الموت کے بھی قائل نہ تھے اور وہی لوگ ان آیتون مین مخاطب ہین۔ اس بدن کو جو انسان اس دنیا مین رکھتا ہو انسان کے اوصاف سمجھتے تھے طویل القامت بادی البشرہ عریض الاظفار ماشی علی قدمیہ وغیر ذالک۔ اب خدا تعالی نے فرمایا ہو کہ ان اوصاف یعنی اس جسم کے فنا ہونے کے بعد ہم اسبات سے عاجز نہین ہین کہ ان اوصاف کو بدل کر تم کو اور اوصاف یعنی دوسری قسم کے جسم مین جسکو تم نہین جانتے پیدا کرین۔ پس یہ آیت صاف دلیل اسبات کی ہو کہ حیات بعد الممات مین روح کے لیے جو جسم دنیا مین ہو نہو گا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہوگا۔

اب ہم قرآن مجید کی اور آیتون کو جو اس مضمون سے زیادہ تعلق رکھتی ہین اس مقام پر لکھتے ہین اور بتاتے ہین کہ جب با معان نظر دیکھا جائے اور منکرین روح کے عقائد کو بھی مدنظر رکھا جائے تو ان مین اس جسم کا جو دنیا مین ہو دوبارہ اُٹھنا ثابت نہین ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ[۱] نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا (سورۂ نوح آیات ۱۶ و ۱۷)

هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰىٓ اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[۲] (سورۂ اعراف آیت ۵۵)

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ[۳] (سورۂ ملائکہ آیت ۱۰)

پہلی آیت مین ظاہر ہو کہ انسان زمین سے مثل نباتات کے نہین اُگا اور نہ مثل نباتات کے دوبارہ زمین سے نکلے گا۔ پہلی آیت مین تشبیہ صرف معدوم ہونے کے بعد پھر پیدا ہونے کی ہو نہ اسبات کی کہ انسان ایسے مرنے کے مثل نباتات کے پھر زمین سے نکلین گے۔ دوسری آیت مین بھی صرف بعد معدوم ہونے کے پھر موجود ہونے کا بیان ہو اس سے زیادہ اور کسی چیز کا بیان نہین ہو۔ پھر تیسری آیت مین "نخرج" کا لفظ استعمال نہین ہوا بلکہ نشر کا لفظ استعمال ہوا ہو۔ اور اس لفظ کے معنی قاموس مین احیاء المیتہ کے ہین جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ صرف مردون کے پھر موجود ہونے کی تشبیہ ہو نہ اُس جسم کے زمین سے نکلنے کی جو دنیا مین موجود تھا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى[۴] (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۷)

انسانون کو خدا نے زمین سے نہین پیدا کیا ماں کے پیٹ سے پیدا کیا ہو پس اُسکا زمین سے پیدا کرنا مجازاً با دنی ملابست بولا گیا ہو اسیطرح اُسکے مقابلہ مین زمین سے دوسری دفعہ نکلنا بھی مجازاً با دنی ملابست بولا ہو پس اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ یہی جسم جو دنیا مین موجود تھا پھر دوبارہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۸) عورتون کے رحم مین ڈالتے ہو کیا تم اُس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہین۔ ہم نے مقدر کی ہو تم مین موت اور ہم اسبات سے پیچھے نہین رہے یعنی عاجز نہین ہین کہ ہم بدل دیوین اوصاف تمھارے اور ہم تمکو پیدا کرین اس صفت مین جسکو تم نہین جانتے۔ انتہی (آیات ۶۰ سورۂ واقعہ)

[۱] ترجمہ اور خدا نے اُگایا تمکو زمین سے ایک قسم کا اُگانا پھر تمکو پھیر لیجاوے گا اُسمین اور نکالے گا تمکو ایک طرح نکالنا (سورۂ نوح آیات ۱۶ و ۱۷)

[۲] ترجمہ یہ وہ ہو جو بھیجتا ہو ہواؤن کو خوشخبری دینے والیان اپنی رحمت کے آنے کی۔ یہان تک کہ جب اُٹھاتی ہین بوجھل بادل کو تو ہم اُن کو ہانک لیجاتے ہین مرے ہوئے شہر

زمین سے نکلے گا۔

فَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ (سورۃ ق آیات ۴۰ و ۴۳)

اس یوم تشقق الارض سے یوم قیامت مراد ہے نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن سب روحیں اکٹھی ہوں گی۔ اس آیت کو اُن اجسام سے جو دنیا میں تھے دوبارہ اُٹھنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ (سورۃ النازعات آیات ۱۰ و ۱۲)

• منکرین حشر کے یہ الفاظ "أئذا کنا عظاما نخرۃ" اس آیت میں اور مثل اسکے اور آیتوں میں آئے ہیں جیسے "أَئِذَا كُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا" اور "مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ" اور "أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ" اسی خیال پر مبنی ہیں کہ وہ انسان کو بجز اس جسم موجودہ کے اور کچھ نہیں جانتے تھے یعنی روح کے وجود کے قائل نہ تھے اور اسی سبب سے وہ متعجب تھے کہ اس جسم کے گل جانے اور معدوم ہو جانے کے بعد وہ پھر کیونکر اُٹھے گا اور اسی استبعاد کے سبب وہ اس قسم کے شبہات کرتے تھے۔ روح کی حقیقت وہ نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اس کی ماہیت مثل دیگر اشیاء کی ماہیت کے انسان کی سمجھ سے خارج تھی۔ اور خدا تعالیٰ طرح طرح سے ان کے استبعاد کو دور کرتا تھا اور حشر کے ہونے پر یقین دلاتا تھا۔ کبھی تمثیل میں اور کبھی اپنے قادر مطلق ہونے میں۔ پس اُن الفاظ سے جو منکرین روح استبعاد رکھتے تھے اور اُن کے جواب تمثیلی یا اُس کے مقابلے میں اظہار قدرت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس جسم کا جو دنیا میں رکھتے تھے اور جس کا گل جانا اور معدوم ہو جانا کہتے تھے اسی جسم کو خدائے تعالیٰ پھر اُٹھائے گا۔ سورۃ مومن، سورہ صافات اور سورۃ واقعہ میں بالفاظ متحدہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے قَالُوا أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۹) پھر اس سے برساتے ہیں پانی پھر ہم اس سے نکالتے ہیں ہر طرح کے میوے اسیطرح ہم نکالیں گے مردوں کو ۱۲۔

ترجمہ۔ اور اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ہوا ان کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر ہم اُس کو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کیطرف پھر اس سے زندہ کرتے ہیں زمین کو اسکے مرجانے کے بعد اسی طرح مردوں کا زندہ ہونا ہے۔ (سورہ ملائکہ آیت (۱۰) ۱۲

ترجمہ۔ ہم نے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اسی میں پھر لیجاوینگے اور اسی سے تمکو دوسری دفعہ نکالیں گے۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۵۷)

ترجمہ۔ اور سن ایک دن پکارے گا پکارنے والا پاس کے مقام سے۔ ایک دن سنیں گے زور کی آواز۔ یہ ہی دن نکلنے کا (یعنی اپنی اپنی جگہوں سے روحوں کے نکلنے کا معہ ان کے اجسام کے جو مفارقت بدن کے وقت اُن کو حاصل ہوئے تھے اور ایک جگہ جمع ہونے کا نہ یہ کہ ان اجسام کا جو دنیا میں موجود تھے دوبارہ پیدا ہو کر نکلنے کا) ترجمہ بیشک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مار ڈالتے ہیں اور ہماری طرف پھر آنا ہے جلدی کرتے ہوئے اُس دن کہ پھٹ جائیگی ان سے زمین پھر اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے۔ (سورہ ق آیات ۴۰ و ۴۴)

ترجمہ۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم لوٹائے جائیں گے اُلٹے قدموں کیا جب ہوں گے ہم ہڈیاں گلی ہوئی کہتے ہیں کہ یہ (لوٹانا) اسوقت پھر آنا ہے نقصان کا اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک سخت آواز ہو پھر یکایک وہ ایک میدان میں ہوں گے جس میں نیند نہ آتی ہو۔ (سورہ النازعات آیت ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ۔ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم اٹھائے جاوینگے۔

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (سورہ واقعہ آیت ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰)

اُس آیت مین سوال تھا کہ کیا ہم اور ہمارے باپ دادا اُٹھائے جاینگے اس کا جواب یہ ملا کہ بیشک اکٹھے کیے جاینگے۔ اُس سے صاف ظاہر ہو کہ جہان جہان قرآن مجید مین بعث کا لفظ آیا ہو اُس سے جمع کرنا مراد ہو نہ اس جسم کو جو ہم دنیا مین رکھتے ہین بعد معدوم ہوجانے کے پھر پتلا بنا کر اُٹھانا۔ بعث کا اطلاق لشکر پر اُن معنون مین آتا ہو جبکہ اُن کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ہو۔ اس آیت مین خود خداے تعالیٰ نے بعث کے معنون کی تشریح کر دی ہو اور اس لیے اسکے کوئی دوسرے معنی نہین لیے جاسکتے

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ (سورہ حج آیات ۵ و ۶ و ۷)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ (سورہ یٰسین آیات ۵۱ و ۵۳)

اگرچہ ان آیات مین خداے تعالیٰ نے ان لوگون کا قبرون مین سے اُٹھنا اُنکو جو بعث کے بہ سبب نہ یقین کرنے روح کے منکر محض تھے زیادہ تر یقین دلانے کو من فی القبور اور من الاجداث کہہ بیان فرمایا ہو یعنی جن کو تم قبرون مین گرا ہوا اور گلا سڑا خاک مین ملا سمجھتے ہو وہی قبرون مین سے اُٹھین گے۔ مگر درحقیقت مقصود اور موضوع کلام پاک کا یہ نہین ہو کہ وہ کہان سے اُٹھین گے۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہین جو قبرون مین نہین ہین آگ مین جلا دیے گئے ہین جانور کھا گئے ہین بلکہ مقصود مردون کا یعنی جنکو ہم مرا ہوا سمجھتے ہین اور جن پر مرنے کا اطلاق ہوتا ہو قیامت مین اُن کا موجود ہونا ہو لیکن اگر ہم کچھ غور کرین اور یہی سمجھین کہ جو لوگ قبرون مین دفن ہوے ہین وہی اُٹھین گے تو بھی ان آیات سے یہ بات کہ اُن کا یہی جسم ہوگا جو دنیا مین رکھتے تھے کسی طرح سے پایا نہین جاتا۔ قرآن مجید مین دو اور عجیب آیتین ہین جن سے ثابت ہوتا ہو کہ قیامت کے دن نہ کسی معدوم جسم کا دوبارہ پتلا بنا کر اُٹھایا جائیگا نہ کوئی جدید جسم اُن کو ملیگا بلکہ وہی جسم ہوگا جو روح و نسمہ کے اختلاط سے روح نے حاصل کیا تھا اور بعد مفارقت بدن روح نے مع اُس جسم کے مفارقت کی تھی جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ "نشاء آخرت تکملہ

ترجمہ سلہ۔ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم مر جاوین گے اور ہم ہو جاوین گے مٹی اور ہڈیان کیا ہم اُٹھائے جاوین گے کیا ہمارے باپ دادا بھی (اُٹھائے جاوین گے) کہدے کہ بیشک اگلے اور پچھلے ضرور اکٹھے کیے جاوین گے وقت دن معین مین۔ (سورہ واقعہ آیات ۴۷ و ۵۰)

ترجمہ سلہ۔ اور تو دیکھتا ہو کہ زمین خشک ہو گئی پھر جب ہم برساتے ہین اُس پر پانی تو پھولتی ہے اور بڑھتی ہے اور اُگاتی ہو ہر قسم کی خوش آیند چیزین۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ وہی برحق ہے اور یہ کہ وہی زندہ کرتا ہو مردون کو اور یہ کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اُس مین کچھ شک نہین اور یہ کہ اللہ اُٹھا دے گا اُن کو جو قبرون مین ہین (سورہ حج آیات ۵ و ۶ و ۷)

ترجمہ سلہ۔ اور پھونکا جاوے گا صُور پس یکایک وہ قبرون مین سے اپنے پروردگار کے پاس دوڑین گے کہین گے اے واے ہم پر کس نے اُٹھایا ہم کو ہمارے مرقد سے یہ وہی ہو جسکا وعدہ کیا تھا خدا نے اور سچ کہا تھا پیغمبرون نے یہ نہین تھا مگر ایک تند آواز مین پھر دفعتاً وہ سب ہمارے پاس حاضر ہونے والے ہین۔ (سورہ یٰسین آیات ۵۱ و ۵۳)

ایسی خیالات کا ہوگا نہ خلق جدید، بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۞ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۞ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا (سورہ والاسریٰ آیات ۵۰ و ۵۱ و ۵۲)

وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۞ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (سورہ سجدہ آیات ۹ و ۱۰)

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں اگرچہ ایک سوال خلق جدید سے تھا مگر خدا تعالیٰ نے اس کو قابل جواب نہیں سمجھا کیونکہ خود سوال ہی باطل تھا کہ خلق جدید خلق سابق کے اعمال کی جزا و سزا کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ تم کو پھر وہی حشر میں لائے گا جس نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا اور لانے کی کچھ تفصیل نہیں بتائی اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ان کی یہ باتیں اس بنا پر ہیں کہ پروردگار کے پاس جانے کے منکر ہیں

آیتوں سے بھی اس جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اٹھنا ثابت نہیں ہوتا۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۞ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (سورہ یٰسین آیات ۵۸ و ۵۹)

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۞ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ (سورہ قیامہ آیات ۳ و ۴)

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورہ جاثیہ آیت ۲۵)

ان تین آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں ایسی ہیں جن پر متکلمین نافیین نفس ناطقہ استدلال کر سکتے ہیں جیسا کہ شرح مواقف میں مذہب اول بیان کیا گیا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ جب انھیں گلی ہوئی ہڈیوں کے زندہ کرنے کا بیان ہوا ہے اور انگلیوں کے پوروں تک کا بنا دینا فرمایا ہے تو اس سے اسی جسم کا جو دنیا میں ہے پتلا بنکر اٹھنا پایا جاتا ہے مگر یہ خیال دو طرح غلط ہے۔ ایک اس لیے کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں صرف اظہار قدرت سے اس بات کا ثبوت لازم نہیں آتا کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اٹھایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اسی کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ "وهو بكل خلق عليم"

ترجمہ سلہ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جاویں گے تو کیا ہم [illegible] نئے پیدا ہوں گے۔ کہدے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اس قسم کی جو پیدائش جو تمھارے دل کو بڑی مستحکم لگتی ہو تب بھی تم کہو گے کہ کون ہم کو لوٹا دے گا۔ کہدے وہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی دفعہ پھر جھکا دیں گے اپنے سروں کو تیری طرف اور کہنے لگیں گے وہ کب ہوگا۔ کہدے کہ شاید ہونے قریب (سورہ والاسریٰ آیات ۵۰ و ۵۱ و ۵۲)

ترجمہ سلہ اور انھوں نے کہا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے (یعنی گل گلا کر مٹی ہو کر زمین میں مل جاویں گے) تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آویں گے بلکہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں کہدے کہ تمکو ملک الموت مارے گا جو تم پر متعین ہے پھر اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ گے (سورہ سجدہ آیات ۹ و ۱۰)

ترجمہ سلہ ہمارے لیے یہ مثال لاتے ہیں کہ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو اور وہ تو گل گئی ہوں گی اور اپنے پیدا ہونے کو بھول جاتے ہیں کہدے کہ ان کو زندہ کریگا وہ جس نے تم کو پیدا کیا پہلی دفعہ اور وہ ہر قسم کی پیدائش کو جانتا ہے (سورہ یٰسین آیات ۵۸ و ۵۹)

ترجمہ سلہ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو اکٹھا نہ کریں گے یہ بات نہیں ہے بلکہ اس پر قادر ہیں کہ انگلیوں کی پوریوں کو بھی درست کریں (سورہ قیامۃ آیات ۳ و ۴)

ترجمہ سلہ کہدے کہ اللہ تمکو جلاتا ہے پھر تمکو مار ڈالے گا پھر تمکو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا (سورہ جاثیہ آیت ۲۵)

یعنی وہ ہر قسم کے پیدا کرنے کو جانتا ہے کہ گلی ہوئی ہڈیوں کی زندگی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر ہوتی ہے۔ پھر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ گلی ہوئی ہڈیاں دوبارہ ایسی ہی ہو جائینگی جیسے کہ اب اس زندگی میں ہیں ایک صریح غلطی ہے ایک آیت کے معنی دوسری آیت سے حل ہوتے ہیں سورہ جاثیہ میں صاف لفظوں میں خدائے تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے۔ پھر تم کو مارتا ہے پھر تمکو قیامت کے دن اکٹھا کریگا۔ پس یہ آیت نہایت صاف ہے اور یہ اسی آیت کے سیاق سے تمام آیتوں کے معنی حل ہو جاتے ہیں فقط۔

(اقتباس) **حکیم سید شاہ ولی الدین چشتی**

دعا کی عظمت

(۱)

(الف) ایک آنکھ ایسی ہے جو رات کی تاریکی میں بھی جاگتی رہتی ہے اور ایک کان ایسا ہی جو روشنی کی شعاعوں کے غروب ہونے پر بھی سننے کیلئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے

(ب) ایک ہاتھ ایسا ہے کہ جب انسان کی طاقت کوئی کام کاج کرنے کے قابل نہیں رہتی تو اُسوقت بھی وہ کبھی نہیں تھکتا۔ اور ایک محبت ایسی ہے جو اُسوقت بھی قائم رہتی ہے جبکہ تمام دنیاوی محبتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

(ج) جس آنکھ پر نیند کا غلبہ نہیں ہوتا اُسکے سامنے فرشتوں کی صفیں کھڑی رہتی ہیں۔ اور وہ کان جو ہمیشہ دعاؤں کے سننے کیلئے کھلا رہتا ہے فرشتوں کے گیت سُنا کرتا ہے۔ اور وہ ہاتھ جس سے تھکن کوسوں دور رہتی ہے آسمان پر سے ہی دُنیا کو سنبھالے ہوے ہے اور جو محبت کہ لازوال ہے اُسکا تخت آسمان سے کہیں پرے ہے۔

(د) لیکن اُس آنکھ اُس ہاتھ اُس محبت اور اُس سننے والے کان تک باریابی حاصل کرنیکے لیے ایک ایسی قوت موجود ہے جسکو انسان اُسوقت کام میں لاسکتا ہے جبکہ دنیاوی ذریعے سود ثابت ہو چکی ہو وہ طاقت **دعا** ہے جسکی پرواز بہت اونچی ہے اور جو آسمان کی تسکین اور خوشی پر گذارہ کرتی ہے۔

(۲)

(الف) تھمے ہوے سورج اور خاموش سمندر آسمان و زمین پر دعا کی عظمت و طاقت کا اظہار کرتے ہیں۔ دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جو مایوس کو امید دلاتی ہے اسی سے کمزور لوگ طاقت حاصل کرتے ہیں۔ وہی تیز رؤں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور طاقتوروں کو جھکا دیتی ہے۔ دعا ہی دل کے قوت تیر کو نقصان پہنچانے سے باز رکھتی ہے لو وہی انسانوں کو وبا کے اثر سے جو رات کو پھیل جاتی ہے بچاتی ہے۔

(ب) دعا کی طاقت کے سامنے تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔ اسکی وسعت غیر محدود ہے وہ ہر جگہ موجود ہے اور کائنات کی کل چیزیں اُسی کے ماتحت ہیں۔ وہ کسی خاص طبقہ یا خاص موسم سے تعلق نہیں رکھتی۔ اُس کا کام تو یہ ہے کہ وہ انسان کو تمام بنی نوع انسان کے ساتھ ملا دے۔ اور ایک دل سے دوسرے دل کا رشتۂ تعلق قائم کرا دے لیکن ایسا رشتہ جسکی بنیاد محبت اور صفائی قلب پر قائم ہو۔

(ج) اس لیے جن مونہوں نے ابتک دعا نہیں مانگی انہیں شروع کر دینی چاہئے کیونکہ دعا کا مانگنا یا نہ مانگنا، گناہ کا کرنا یا نہ کرنا خود ہماری ہی مرضی پر منحصر ہے ہر ایک سفلی خواہش اور ہر ایک نفسانی حرارت جسکے پہچاننے یا سمجھنے میں ہم بسا اوقات غلطی کرتے ہیں نہایت ہی ارذل چیز ہے لیکن ایسا کونسا دلیر شخص ہے جو خدا تعالیٰ سے اُس چیز کے حاصل کرنیکی دعا مانگے جو دراصل اچھی نہیں ہے۔

(د) ہماری دعائیں حضرت خدا تعالیٰ کو کسی چیز کے دینے کے لیے زیادہ تیار کر دیتی ہیں بلکہ اُسکا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم خود اُن برکتوں کے لینے کیلئے زیادہ قابل ہو جاتے ہیں۔ آسمانی خزانے میں دولت لا انتہا ہے اور وہاں ہر کسی دعا کرنے والے کو آزادانہ طور پر جانے کی اجازت ہے لیکن جو شخص کہ کبھی دعا نہیں کرتا وہ اس خزانے کی کنجی کے لینے سے انکاری ہے۔

(۳)

اتنی تعجیل نہ کرو تاکہ میٹھی نیند تم پر غلبہ پاکر تمہیں غفلت کے حوالہ کر دے تاوقتیکہ تم اچھی طرح اپنے تمام کاموں پر جو تم نے دن میں انجام دیے ہیں تنقیدانہ نظر نہ ڈال لو مثلاً تم اپنے دل سے پوچھو کہ تو دن بھر کیا کرتا رہا ہے اور تو نے ایسا کون سا اچھا کام کیا ہے جو تیری شان کے زیادہ مناسب تھا اور کونسا بُرا کام تجھ سے ہو گیا ہے اور جب تم اس طرح سے تمام دن کا حساب اپنے دل سے لے چکو تو برائی کے دھبوں کو خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے پشیمانی کے آنسوؤں سے دھو ڈالو۔ اور جو اچھے کام تم نے دن بھر میں کیے ہیں اُن پر اظہار خوشی کرو۔

(ترجمہ) **ضیاء الدین احمد برنی**

کسان کی لڑکی

(۱)

گوالیار کے آگے دہلی کے راستہ میں بہت دور تک میدان چلے گئے ہیں جن میں چلنے والوں کو اس راستہ میں بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ دور دور تک پانی نہیں ملتا۔ آبادی کا کوسوں پتہ نہیں، [illegible] کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔ مسافروں کے حلق خشک ہو جاتے ہیں اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس راستہ میں سایہ دار درخت نہ ہوتے تو مسافر گرمی کے مارے تڑپ تڑپ کر مر جاتے۔

ٹھیک دوپہر کا وقت ہے۔ ایک نیم کے درخت کے سایہ میں کوئی [illegible] دم لینے کے لیے ٹھہر گیا ہے۔ باد سموم کے تھپیڑے چل رہے ہیں۔ [illegible] بچاؤ کے لیے دامن سے منہ ڈھانپ لیا ہے اور دل ہی دل میں [illegible] [illegible] اس طرف کسی کو دیکھتا ہے [illegible] نکل آیا۔ سب کے ساتھ رہتا تو اچھا تھا [illegible] تو لگ گئے ہیں، اور جب آبادی نظر نہ آئے [illegible] کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور ایڑ لگانی [illegible] خشک ہو گیا تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث وہ غش کھا کے گرا چاہتا تھا [illegible] میں ایک گاؤں نظر آیا۔ سوار فوراً گاؤں کے کنوئیں پر جہاں ایک [illegible] کی بھولی بھالی لڑکی پانی بھر رہی تھی جا پہنچا۔ گاؤں کی لڑکی نے مشکل سے اس ٹھاٹھ کا کوئی سوار دیکھا ہوگا۔ اجنبی کے آنے سے وہ کچھ گھبرا سی گئی اور ڈول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گر پڑا۔ لڑکی نے گھبراہٹ میں جلدی سے رسی پکڑ لی [illegible] اس کے ہاتھ [illegible] سے تھے۔

سوار نے کہا "گھبراؤ نہیں، میں تمہارا [illegible] کا شہنشاہ ہوں۔ [illegible] ڈول [illegible] کر [illegible] پانی پلا دو۔ اور خود بھی پیوں۔" اتنا کہہ کر وہ گھوڑے سے اترا، اور ڈول کھینچ کر لڑکی کو پانی دینا چاہا، مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب دوبارہ سوار نے کہا تو وہ ڈرتے ڈرتے بولی "مہاراج! تم پی لو۔ میں نہ پیوں گی۔"

غرض سوار نے پانی پی کر گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا، اور خود کنوئیں کی جگت پر نیم کے سایہ میں پڑ کر سو رہا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یکبارگی چونک کر اٹھا، تو دیکھتا کیا ہے کہ وہی لڑکی دودھ لیے کھڑی ہے۔ وہ بولی "مہاراج! یہ تھوڑا سا دودھ حاضر ہے، پی لو۔"

سوار نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا، اور لڑکی کی سادہ دعوت پر مسکرا کر بولا "لڑکی! ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملیں گے۔ مگر کسی دوسری زمین پر، اور [illegible] صورت میں۔ مجھے بہت سے ہمراہی معلوم کرتے ہیں۔ دیکھیں تم مجھے پہچانتی ہو کہ نہیں!" اتنا کہہ کر اس نے زین کسی اور گھوڑے پر سوار ہو کر [illegible] اور اسی میدان میں غائب ہو گیا۔

(۲)

"ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملیں گے!" یہ کون تھا؟ کسی ملک کا راجہ ہوگا، جبھی تو ایسے کپڑے پہنے تھا۔ مگر راجہ کو کیا پڑی تھی کہ یوں مارا مارا پھرتا۔ راجہ نہیں تھا، کسی دیوتا کا اوتار تھا۔ یا کوئی اچھا آدمی تھا" ———— سوار کے چلے جانے کے بعد لڑکی ان باتوں پر غور کرتی رہی جو اس نے چلتے وقت کہی تھیں۔ [illegible] ان کچھ ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتی تھی کہ میں کیونکر سوار سے ملوں گی۔

[illegible] اسی حالت میں گذر گئے۔ وہ زیادہ بے چین ہونے لگی کہ ابھی تک سوار [illegible] آیا۔ دن پر دن گذرنے لگے۔ [illegible] کہیں نام و نشان نہ تھا۔ [illegible] والدین بھی واقف ہو گئے [illegible] انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس کو کہیں ٹھکانے لگا دیں۔ مگر لڑکا ان باتوں کو زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بنے میرا سوار آگیا ہے میں

بھی اُسی طرح نکل کھڑی ہوں گی۔ شاید کہیں نہ کہیں ایشور اُس سے بھینٹ کرا دے!

(۳)

مصیبت کی ماری کالکا اپنے سوما کی تلاش میں پانی پت کے میدان میں جا پہنچی۔ راستہ میں ترکوں نے اُسے تنگ کیا، مگر اپنے بھولے پن اور سادگی کی وجہ سے وہ اُن کے پھندے سے نکل گئی۔

"شکر ہے تیرا بڑی ماں، سے تونے بچایا۔ ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں، دکھوں اب بھی سوما ملتا ہے کہ نہیں۔ اگر یہاں بھی پتہ نہ پایا، تو کہاں جاؤں گی، کب جوگن بنی پھروں گی؟ خدایا! اب تو جی گرا جاتا ہے، پاؤں میں طاقت نہیں ہے، تلووں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ آہ! ذرا آگے بڑھ کر دیکھوں، یہ کس کا ڈیرہ ہے، یہاں تو لڑائی کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ضرور میرا سوما ہوگا۔ مگر میری ہمت ٹوٹی جاتی ہے۔ راجپوت تو ہمت نہیں ہارا کرتے! میرا باپ دن بھر اکیلا ہی ہل چلایا کرتا ہے، اور میں اتنے ہی پر تھکی جاتی ہوں" — غرض بیچاری کالکا اپنے دل سے اس قسم کی باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھی۔

ایک طرف احمد شاہ دُرانی کی فوج پڑی ہے، اور دوسری طرف مرہٹوں کا پڑاؤ ہے۔ یہ بھولی بھالی لڑکی اپنے سوما کی تلاش میں بادشاہ کے خیمے کے پاس جا پہنچی۔ افغان سپاہی لڑکی کو پکڑ کر اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ کو بھی خبر پہنچی۔ اُس نے اپنے حضور میں بلا کر پوچھا "تو کون ہے؟ اور کہاں جانا چاہتی ہے؟" بالکی نے سب حال سچ سچ بتا دیا۔ بادشاہ کو بھی اسکی باتوں پر یقین ہو گیا۔ لڑکی فوراً رہا کر دی گئی۔

آگے بڑھ کر وہ مرہٹوں کے پڑاؤ کے پاس جا پہنچی۔ وہ بہت سہم سہم کر قدم اُٹھاتی تھی۔ ایک جگہ کسی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ "میرے رام! کہیں سوما یہی تو نہیں؟ ذرا آگے بڑھ کر اُن کا نام پوچھوں!" سیندھیا اپنے خیمہ میں جانے ہی کو تھا کہ لڑکی کے سامنے آجانے سے رُک گیا۔

لڑکی "مہاراج! مجھے میرے کالی کالی آنکھوں والے سوما کا پتہ بتا دو"

یہ بھولی بھالی آواز سُنکر پہلے تو سیندھیا اُس کی بھولی صورت دیکھتا رہا، مگر جب اُسے کچھ یاد نہ آیا، تو بولا "تو کس کو پوچھتی ہے؟"

لڑکی "میرے راجہ کا نام سوما تھا۔ بندھیاچل کے پاس جہاں میرے ماں باپ رہتے ہیں، اُنھوں نے ایک دفعہ مجھسے کہا تھا، کہ 'ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملیں گے' مہاراج! اُس سوما میں دیوتا کی سی باتیں تھیں۔ میں کیا بتاؤں، کہ کہاں کہاں اُسے ڈھونڈھ پھری ہوں۔ اسکے لیے میں جوگن بن گئی۔ یوں تو مہاراج! ہم غریب کسان ہیں، مگر ہم میں چھتری خون ہے جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ مہاراج! تمھاری صورت، تمھاری آنکھیں اُس سے ملتی جلتی ہیں، کہیں تمھارا ہی نام تو سوما نہیں ہے؟"

سیندھیا لڑکی کی ان باتوں کو سُن کر بے چین ہو گیا، اور اس روز کا سماں اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اُسے حیرت تھی کہ گاؤں کی لڑکی نے جس سے اُس نے ذرا قاپھر ملنے کے لیے کہہ دیا تھا، اس قدر بے چین ہو کر اُسکی تلاش میں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ سیندھیا کے دل پر بھی اب اس لڑکی کی محبت کی چوٹ لگی۔ اُس نے کہا، "لڑکی! تیرا سوما میں ہی ہوں، تونے بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ آ، اس ڈیرے میں چل، تو میں اطمینان کے ساتھ تجھ سے بات چیت کروں۔"

(۴)

پانی پت کے میدان میں جہاں ہمیشہ ہندوستان کے بادشاہوں کو شکست ہلائی ہے، مرہٹے بھی ہار گئے اور ایسے ہارے کہ پھر نہ پنپے۔ سیندھیا جی توڑ کر لڑا۔ مگر جب پانسہ پلٹتا ہے تو بنائے نہیں بنتی۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا۔ تاہم کالکا کی محبت اس نازک وقت میں بھی نہیں بھولی۔ جب تک لڑتا رہا، تو بار بار خیمہ میں جا کر اُسے دلاسا دیتا رہا، اور اب بھاگا، تو اُسکو بھی ساتھ لیکر بھاگا۔ ایک افغان نے جب دیکھا کہ جس سکار کو پہلے اُس نے پکڑا تھا، اُسے ایک مرہٹہ لیے جا رہا ہے تو وہ اس کے پیچھے ہو لیا۔ سیندھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کیا۔ دو گھنٹے تک وہ لگاتار گھوڑے کو دوڑاتا رہا۔ اور اب اس کا

سمجھا کر افغان نا امید ہوکر واپس چلا گیا ہوگا لہذا گھوڑے کو آہستہ کر دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں افغان پھر نظر آیا۔ سیند ھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کر دیا۔ مگر افسوس جمنا چڑھی ہوئی تھی اور تھکے ہوے جانور کو پار لے جانا بہت مشکل تھا۔ سیند ھیا کو بے حد صدمہ ہوا۔ افغان برابر پیچھے چلا آ رہا ہی۔ کالکا نے جب یہ کیفیت دیکھی تو کہا "مہاراج! مجھے یہان چھوڑ دو مجھ کمبخت کے لیے اپنی جان نہ گنواؤ۔ کالکا کی محبت کو آزمانے کا یہی وقت ہی۔ آئندہ جنم مین اسے اس خیال سے بڑی خوشی ہوگی کہ وہ پانی پت کی لڑائی مین اپنے سوامی پر سے نچھاور ہوگئی"۔

مگر سیند ھیا کو یہ کب گوارا تھا۔ جان جانے پر کالکا پاس سے جدا نہو۔ اسی اثنا مین افغان سر پر آن پہنچا۔ سیند ھیا نے کالکا کو گھوڑے سے اُتارا، اور خود دشمن پر جھپٹا، دونون مین بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سیند ھیا کے سر پر ایک ایسی تلوار پڑی، کہ وہ اپنے گھوڑے کی گردن سے لپٹ کر بیہوش ہوگیا۔ گھوڑے نے جب اپنے مالک کی یہ حالت دیکھی، تو کسی طرف کو بھاگ نکلا۔ مگر ہائے! کالکا کہان ہی؟ وہ اسی جگہ ہی۔ جہان اس کے سورما نے اس کو اُتار دیا تھا۔ اُس کے چہرے پر خون کے چھینٹے پڑے ہوے ہین، اُس نے خود ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا ہی۔ جس وقت اس افغان نے اُسے اُٹھانا چاہا تو کالکا کے منھ سے "سورما" نکلا، اور دُنیا سے چل بسی۔

"پاشم"

خدا ایک ہی: (۱) تمام قدرت چلا چلا کر کہہ رہی ہی کہ "خدا ایک ہی" ہزارہا زبانین اُس کے طاقتور یا د (۲) اور اُس کے عقل کل ہونے کی منادی کرتی ہین۔ اور ہر آواز کو حکم دیتی ہین کہ اُسکے بلند نام کی حمد و تقدیس کے ترانے مین شریک ہوجائے (۳) اے وسیع قدرت کے مقدس حکمران! ہم تیرے ہی نام کی کتھا کرتے ہین اور تیرے مقابلے مین تمام دیوتاؤن کے خیال کو رد کرتے ہین جن کے مندرون مین گمراہ قومون کا خوان بیفائدہ چڑھایا جاتا ہی (۴) وہ بے شمار دنیائین جو کرۂ ہوائی کی لا انتہا وسعت مین ہر گھنٹہ لاکھون میل کی مسافت اپنے مقرر کردہ راستون پر طے کرتی ہین، ایسی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہین جیسے کہ ایک رنگ دار پھول کے ارد گرد تتلی دہاری (۴) لیکن تو نے ہی اُس ننھے سے خوشنما پھول کو بنایا تھا کہ وہ صبح کے وقت نہایت آب و تاب سے چمکے جس ہاتھ نے کردون کے لمپ روشن اور چمکتے ہوے دُمدار ستارے کو جگہ سے بے جگہ کیا ہی اُسی نے ننھی گھاس کے فرش کو منقش بنایا ہی (۵) جس طرح سے کہ ایک چڑیا تیری مرضی کے مطابق زمین پر گر پڑتی ہی اُسی طرح یہ کل زمینین جھکی ہوئی رہتی ہین اور اگرچہ ایک کرہ دوسرے کرہ کو اپنی مقناطیسی قوت سے کھینچتا رہتا ہی لیکن وہ سب کے سب ایک حکم، ایک قانون، ایک مرضی اور ایک اصول کی متابعت کرنے کے لیے ایک ہی نظام مین مقید کر دیے گئے ہین۔

سچائی کی طاقت: ہر قسم کے جھوٹ سے ہماری اخلاقی قوت کو ضعف پہنچتا ہی لیکن سچی انکساری خواہ اُسکا نتیجہ ہمارے لیے کتنا ہی گران کیون نہو، دراصل واقعات اور سچائی کی چٹان پر اپنی بنیاد قائم کرتی ہی مثلاً اپنی لاعلمی اور گناہ کا اقرار کرنا، اپنی قابلیت کو مان لینا، ایسی شہرت کے حصول سے انکار کرنا جس کا ہم کو کوئی حق حاصل نہین ہی، یہ اور ایسی اور باتین اُس منکسر المزاجی کو ظاہر کرتی ہین جسکا نتیجہ افعال کی صورت مین برآمد ہوا ہی۔ ایسے کام اگرچہ سخت اور دقت آمیز ہونے مین بہت مشہور ہین لیکن اخلاق اور چال چلن کی درستگی مین بہت سود مند ثابت ہوے ہین۔ اگر ہم کمزور اور گناہگار ہین تو اِس سچائی کو جاننا اور محسوس کرنا زیادہ بہتر ہی بہ نسبت اِسکے کہ ہم بیوقوف کی طرح جھوٹی باتون سے خواہ مخواہ خوش ہون۔

(کلام اکبر)

نہ یہ قیدِ شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
تمھیں دھوکے میں ڈالا ہے مثالِ اہلِ یورپ نے اُدھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہان توپ سے
جدا مجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی چاہتے تھے شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

الا یا ایہا الطفلک بچو راحت بناول ہا کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تر زمیں پائے خود بہ بوٹ و اسُن پتلون کہ سرسید خبردار د زراہ و رسم منزلہا

دیکھیے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کریگا پیش ہم پر جلوہ حور و بہشت جب تھیٹر کا سماں دل کو تڑپانے لگا

ابتریِ کارِ دین پر میں نے اک نوحہ لکھا داغ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا
دوستوں نے دین و عالمِ دل اسے کہیں ہمدرد کیں دشمنوں نے تیرا رے کربلا ہو بجا دیا

(کیفیتِ نظارہ)

جس طرح نیر اعظم سے ہے دنیا روشن تیری تنویر سے دل ہے یوں ہی میرا روشن
کچھ سوا تیرے نہیں دیتا دکھائی مجھ کو ہے تری جلوہ گہہ نازِ خدائی مجھ کو
ہر ستارے میں ضیا دیکھ رہا ہوں تیری ہر گلِ تر میں ادا دیکھ رہا ہوں تیری
قطرہ قطرہ میں مجھے تو ہی نظر آتا ہے آئینہ خانہ سمندر ترا بن جاتا ہے
ذرہ ذرہ میں تری جلوہ گری پاتا ہوں محو دلچسپیِ دیدار میں ہو جاتا ہوں
پتے پتے سے ترا عکس دکھاتا ہے مجھے بوٹا بوٹا ترے انداز دکھاتا ہے مجھے
تجھکو ہر منظرِ پیدا میں تہاں دیکھتا ہوں تجھ کو ہر ہستیِ پنہاں میں عیاں دیکھتا ہوں
میری آنکھوں کے لیے حُسنِ تبسم تو ہے میرے کانوں کے لیے لطفِ ترنم تو ہے
واسطے دل کے مرے مرکزِ جذبات ہے تو سببِ لذتِ نیرنگِ خیالات ہے تو
مجھکو جس نیند میں تو چاہے سُلا دیتا ہے جس فضا میں تو اجی چاہے جُھلا دیتا ہے
دوڑتا پھرتا ہوں میں وادیِ ایمن میں کبھی تیرنے لگتا ہوں سرچشمۂ روشن میں کبھی
کبھی پرواز شعاعوں میں کیا کرتا ہوں کبھی تاباںیوں کا ساتھ دیا کرتا ہوں
جا پہونچتا ہوں کبھی برق کی رخشانی میں کبھی آ جاتا ہوں پھر پیکرِ انسانی میں
کر دیا تو نے مے دید سے مخمور مجھے دیدیا عالمِ نظارگی نور مجھے

وقفِ مصروفیتِ جذبِ تماشا ہوں میں
سچ تو یہ ہے، ہمہ تن دیدۂ بینا ہوں میں

کلام جاوید (انتخاب)

اٹھو ڈرتے ہیں عیادت کو بھی وہ آتے ہوئے جب سے دیکھا ہے کسی کا دم نکل جاتے ہوئے
ایک مطلب سے ہوئی ہیں بند آنکھیں بعد مرگ تا نہ دیکھیں اپنے سر کو ٹھوکریں کھاتے ہوئے
جب نفس نے ساتھ چھوڑا تو کسی سے کیا امید اب ہوا اڑتی ہے میری قبر تک آتے ہوئے
کچھ چراغوں کو نہ شادی ہے نہ ماتم سے ہے کام ان کو ہر محفل میں دیکھا ہم نے جل جاتے ہوئے
پہلے تربت، بعد محشر آخر ان کا سامنا ہم کہاں تک دل کو وعدے پر ہیں بہلاتے ہوئے

وہ آکے جاں کنی میں یہ احسان کر گئے آنکھوں کی پتلیوں کی طرح سے ٹھہر گئے
میری بہار قبر خزاں گر ہوئی تو کیا تم نے تو پھول چُن لیے دامن تو بھر گئے
آج اس پتے سے لوگ آنکھیں لگ رہے ہیں خط قاصد کا انتظار تھا جن کو وہ مر گئے
کیوں جل رہے ہو گورِ غریباں میں ناز سے جو اس ادا کے دیکھنے والے تھے مر گئے

جب اندھیری رات میں آیا خیال گیسوئے دوست مل گئی صبح قیامت سے شب گیسوئے دوست
شانہ کش میں غیر آئینہ ہے پیش روئے دوست کس شکنجے میں کھچی ہے قسمتِ گیسوئے دوست

اب قیامت سے خبر کردو کہ آئے دیکھنے — جسقدر اٹھنے کی حد تھی اٹھ چکے گیسوئے دوست
رات کو مین کروٹین لینے مین تڑپا اور بھی — جسطرف دل تھا اُسی پہلو سے آئی بوئے دوست
وصل کی شب کا یہ مطلب ہے کہ جاگو صبح تک — سو بھی جاؤ شام سے، کہتا ہے یہ زانوئے دوست
اُس سے کیا جاوید پوچھے کوئی لطفِ زندگی
جس کے شانے پر نہ بکھرے ہون کبھی گیسوئے دوست

کیا چاہیے؟

سوچیے انسان مین کیا چاہیے
مہر و وفا چاہیے — صدق و صفا چاہیے
جود و سخا چاہیے — شرم و حیا چاہیے
خوفِ نبیؐ و خدا چاہیے

جان و خرد سی تجھے نعمت ملی
رفعت و عزت ملی — علم کی دولت ملی
خوئے شرافت ملی — راہِ ہدایت ملی
اے بشر اور اب تجھے کیا چاہیے

ہو نہ اگر صاف تو سینہ ہی کیا
خواہش و حرص و ہوا — سر مین نہ ہو مطلقا
کینہ و حقد و ریا — ہان نہ ہو دل مین ذرا
چاہیے کیا دل مین؟ وفا چاہیے

سُن بُرے افعال سے ڈر اے بشر
تو ہے گہر اے بشر — سیکھ ہنر اے بشر
حرص نہ کر اے بشر — دیکھ مگر اے بشر
سوچ لے، کرنا تجھے کیا چاہیے

کر نہ گھمنڈ اور نہ اتنا اکڑ
دامِ طمع مین نہ پڑ — فتنہ و شر کی ہے جڑ
بات پر اپنی نہ اڑ — جائیگا یہ پیڑ اکھڑ
شرم تجھے، مردِ خدا! چاہیے

تو ہے بشر چاہیے تجھ مین نہ شر
شر و بدی ترک کر — ہے یہ رہِ پُر خطر
عقل ہے تجھ مین اگر — خوفِ خدا کر بشر
حق سے تجھے شرم و حیا چاہیے

عقل اگر تجھ کو ہے کچھ، کہہ نہ جھوٹ
تا پڑے آفت نہ ٹوٹ — لے تری عزت نہ لوٹ
ڈالدے باہم نہ پھوٹ — ساتھی سب جائین چھوٹ
اس سے حذر صبح و مسا چاہیے

سارے نصائح کا یہی ہے نچوڑ
راستی اصلا نہ چھوڑ — حق سے کبھی منھ نہ موڑ
جھوٹ سے ناتا نہ جوڑ — رشتۂ الفت نہ توڑ
دل مین ترے صدق و صفا چاہیے

پھیلا ہے دنیا مین یہ کیا شر و کین
نیک بشر اے ذہین — ڈھونڈھے بھی ملتے نہین
ہو گئے کیا اہلِ دین — ساکنِ خلدِ برین
فضل ترا بارِ خدا چاہیے

سیّد غلام مصطفےٰ ذہین۔

(قطعہ)

غمِ ہجران سے تنگ آ آ کر — پوچھتا ہون یہی مقدر سے
کر رہا ہے تو کیون حلال نہ مجھے — طولِ فرقت کے کُند خنجر سے
سامنے میرے کوئی دم توڑے — اور دیکھون مین دیدۂ تر سے
حسرتِ مرگ ہو، مگر نہ مرون — جان ہو جائے سخت پتھر سے
دیکھتے کا مین دیکھتا رہجاؤن — جب جنازہ اُٹھے مرے گھر سے
در و دیوار سے اُٹھین نالے — جو زیادہ ہون شورِ محشر سے
گھر پہ چھا جائے ایک تاریکی — اثرِ دورِ رخِ اختر سے
جلکے شمسان مین وہ تن پھک جائے — ہو جو نازک سوا گل تر سے
آتشِ گل سے ہو جسے آسیب — داغ کھائے ہجوم اخگر سے
اور معصوم ایک سال کی جان — گر کے آغوشِ مہرِ مادر سے
خاک پر لوٹ لوٹ کر روئے — ہون روان اشکِ ناب گوہر سے
ہائے یہ واقعات دیکھون مین — گردشِ چرخِ فتنہ پرور سے
اور کلیجہ مرا نہ پھٹ جائے — یہ بھی ہو جائے سخت پتھر سے
موت گھر مین ہو۔ اور یون میری — جان بیزار موت کو تر سے
آہ! سیلاب مین رہون پایا — اور رہو سیل کا گزر سر سے

مدعا کیا تھا اے قضا! تیرا — کچھ تو کہہ مجھ غریب مضطر سے
کیا مجھے اور بھی ہے ترسانا — طولِ عہدِ فراقِ دلبر سے
زندہ چھوڑا ہے کس لیے مجھ کو — تو نے دنیا مین حال ابتر سے
ہوگا احسان جو فیصلہ کردے — پیشتر ساعتِ مقرر سے
بخشتا ہون تجھے حیات کے دن — کچھ ہین باقی اگر مقدر سے
شکوہ روزِ جزا نہ اب ہرگز
نہ کرونگا جنابِ داور سے

تلوک چند محروم

(جھولا)

بتان شوخ ہوے ہین سوار جھولے پر — اُڑا رہے ہین مزے سے ملار جھولے پر
غضب دکھاتا ہے جوبن اُبھار جھولے پر — کہین ہین ناز کہین ہین اتار جھولے پر
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

چڑھی جو پینگ تو ڈر کر مچل گیا کوئی — ترپ کے برق کی صورت نکل گیا کوئی
گرت ہونی جو گھٹا مین دہل گیا کوئی — کسی کا ہاتھ پکڑ کر سنبھل گیا کوئی
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

جہان مین حسن پرستون کی کھل گئی تقدیر — کہ جھولا جھولنے آئے ہین سب ستم بے پیر
ہوئی ہے شوق مین جھولے کے دل کی تدبیر — کہ پاؤن جوڑ کے بیٹھی ہے چاند سی تصویر
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

کسی کی پتلی کمر تھام کر ہلا دینا — کسی کے پاؤن اکڑتے ہوے ملا دینا
کسی کو جام مین بھر بھر کے مے پلا دینا — کسی کو غنچہ و گل کی طرح کھلا دینا
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

دکھایا عالمِ مستی مین ناچ مورون نے — فلک پہ گھیر لیا چاند کو چکورون نے
برہ کی آگ لگائی جنون کے زورون نے — جگر کو پھونک دیا پی کہان کے شورون نے
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

جو بجلی کالی گھٹا سے پھوار پڑتی ہے — ستم کشون کے دلون پر کٹار پڑتی ہے
کھنور کا زور ہے دریا مین دھار پڑتی ہے — اُمنگ دل کی چمن مین پکار پڑتی ہے
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

ہے پھول لوگون کی میلے کی سیر امرائیان — کہ جھولا جھولتے ہین جوڑ جوڑ کر پائیان
حسین حسین کے ڈالے ہوے گلے بانہیان — خلیق پھرتے ہین جھلاتے ہوے سیان
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

فصلِ بہار

ہے نوید جوشِ گل فصلِ بہار — دید کے قابل ہے گلشن کا نکھار
فرشِ مخمل کا زمین پہ ہے بچھا — رشکِ گلزارِ جنان ہے سبزہ زار

دشت و صحرا بھی ہوئے ہین سبز پوش   جا بجا ہین گل بداماں کوہسار
کلک قدرت کی نئی گلکاریان   ہر طرف صحن چمن مین آشکار
غنچۂ رنگین سراحی ہو لیے   گل ہین شاخون مین کہ جام زرنگار
چشم نرگس سے ہی مستی عیان   دشمن ایمان گلبانگ ہزار
پھر رہی ہو ہر طرف باد نسیم   عطر مین ڈوبی ہوئی مستانہ وار
محو آرایش جو ہین سرو و سمن   ہوگئی جو سے چمن آئینہ وار
چشم صنعت بین مین سرسون پھولا ہے   سوئے کشت زعفران گر ہو گزار
کوئلون کی پھر صدا آنے لگی   باغ مین طاؤس کی ہو پھر پکار
پھول والون کی یہ میلے مین ہو صف   گل کف ہین یا کھڑے سیب و انار
موتیون مین تل رہی ہو موتیا   سرسبز گلپوش ہو ہر شاخسار
آگ پانی مین لگا دے چار سو   ہو کنول کے رخ پہ پھولون کی بہار
جھومتی ہین ہر شجر کی ڈالیان   ناز سے پہنے ہوئے پھولون کے ہار
چاک داماں کی خبر گل کو نہین   اس قدر ہو مستیٔ جوش بہار
بلبلون کی بیخودی ہو جائے رشک   سیر گل مین محو ہین لیل و نہار
حسن و خوبی کی نرالی شان ہو   ہو ہر اک خار چمن مژگان یار
رنگ مین ہو لعل لب ہر برگ گل   شاخ گل ہو ساعد رنگین عذار
پیچ و تاب زلف سنبل دیکھ کر   یاد آتے ہین ہمین گیسوئے یار

سرو عکس قامت رعنائے دوست
لالہ و گل پرتو روئے نگار

اے بہار دلکشا! اے جان خلق!   مجھ پہ ہین احسان تیرے بیشمار
تیرے آنے سے ملا غم سے فراغ   اب ہی بیتابی نہ ہو صبر و قرار
بیخودی آئی ہوا جوش جنون   اب مرا مسکن ہو دشت و کوہسار
دل ہو سو ٹکڑے تو ہو۔ کچھ غم نہین   مجھ کو کیا گر ہو گریبان تار تار

ایک بے ہوشی ہو سو غم کی دوا
تجھ پہ قربان اے بہار غمگسار

سرور (جہان آبادی)

ندی کا کنارہ

اے کنار آب جو دیکھے گا کون   کیون اُگاتا ہو تو سبزہ اسقدر
زخم دل پر کیون چھڑکتی ہو نمک   پیاری بلبل! اپنے نغمے بند کر
چڑیو! کیون کرتی ہو نغمہ سنجیان   کر نہین سکتے یہ اب دل پر اثر
یاد آتا ہو وہی پچھلا سمان   سیر کو آتا تھا جب مین پیشتر
پھرتا تھا [illegible] یون سے ہر طرف   لطف حاصل کرتا تھا دل کھولکر
کچھ نہ پاتا تھا مسرت کے سوا   جس طرف اُٹھ جاتی تھی میری نظر
ساری چیزین مجھ کو دیتی تھین خوشی   غم کا ہوتا ہی نہ تھا دل مین گزر
آہ، اب پوچھو نہ مجھ سے حال دل   بیٹھ جاؤ گے کلیجہ تھام کر
یا یہ حالت تھی کہ اپنے وقت کو   آکے کرتا تھا یہان پر مین بسر
کھیلتا رہتا تھا مین پھولون سے روز   لوٹتا رہتا تھا پہرون سبزہ پر
سنتا رہتا تھا پپیہے کی پی پی   اور وہ کرتے تھے میرے دل مین گھر
ہر طرف سے تھا مسرت کا سمان   اور دل مین تھی مسرت جلوہ گر
یا خوشی کا اب نہین ملتا پتا   غم ہو اور ہے بے انتہا درد جگر
آہ لب پر ہو تو دل مین درد ہو   اور ہین بہتا بیان آنسو نہ ہو
اب نہ سبزہ ہی سے ہوتی ہو خوشی   اور نہ موجون کی روانی دیکھ کر
وہ دماغ و دل ہی اب باقی نہین   جن مین ہوتا تھا مسرت کا گزر
پہلے دلکش تھے تو اب ہین دلخراش   ہوگیا نغمون کا سب اُلٹا اثر
ابر غم چھایا ہوا ہو ہر طرف   اور مایوسی کا پھیلا ہے کہر
مین سمجھتا ہون خوشی جاتی رہی   اب نہ آئے گی کبھی وہ بھول کر
آہ کیا تم سے کہون اسکا سبب   کیا نہین ہو تم کو کچھ اس کی خبر
لے گیا باغ جہان کا تازہ پھول   دیکھتے ہی دیکھتے وہ توڑ کر
میرے دل کو لے اُڑا وہ ہائے ہائے   چل دیا وہ اس کے کانٹے چھوڑ کر
گل تو گل بو اُس کی آسکتی نہین   پھول یون لاکھون کھلین گو عمر بھر
اب نہین لطف بہار و سیر گل   مجھ کو تم رہنے دو میرے حال پر

بلبلو! اب نغمہ سنجی چھوڑ دو   سبزہ! ہان خاک مین تو سوکھ کر
ندی! بہ جا میرے اشکون کی طرح   موجو! مار دو تم بھی اب ساحل پہ سر
رنج! میرے ساتھ ہو سے چل مجھے   جس طرف کو وہ گیا ہے عشوہ گر

آہ! کوئی میری کچھ سنتا نہین
تو ہی اے اللہ مجھ پر رحم کر

اسیرِ قفس

نمو کا جوش ہے شاید گئی خزان صیاد   نہال ہو گئین پنجرے کی تیلیان صیاد
قفس سے اُڑ کے چمن تک نہین پہنچ سکتا   مین ہو گیا ہون بہت زار و ناتوان صیاد
کبھی تو منت و زاری بغور سن لیتا   بلا سے گو نہ سمجھتا مری زبان صیاد
تو ایک خاک کا پتلا تری حقیقت کیا   ہماری آہ سے ہلتا ہے آسمان صیاد
گزر گئی مری اک عمر تیری صحبت مین   مین ہو گیا ہون ترا اب مزاج دان صیاد
ہمین رہا نہین کرتا تو فائدہ اس سے   ملے گا کیا تجھے جز چند استخوان صیاد
کشش ہوئی یہ فقط آب و دانہ کی ورنہ   کہان یہ کنج قفس مین کہان کہان صیاد
صدائے نغمۂ بلبل چمن سے آتی ہے   بہار آ گئی کیا اب گئی خزان صیاد
ہمارے بعد خدا جانے اُس پہ کیا گزری   ذرا بیان تو کر حال آشیان صیاد
قفس مین بیٹھ کے ملتا ہے آب و دانہ مگر   مجھے پسند ہین محنت کی روٹیان صیاد
بُرا ہو خوش دہنی کا اسی کے باعث سے   چمن ہے دور اُڑین پر کی دھجیان صیاد
مین وہ نہین کہ تجھے چھوڑ کر کہین جاؤن   قفس کا کھول کے در لے نہ امتحان صیاد
پھڑک کے توڑ نہ پنجرے کی تیلیان بلبل   ملا ہے خوبیٔ قسمت سے مہربان صیاد

تڑپ کے جان ہی دی ہجر گل مین بلبل نے
لہو سے سرخ ہین پنجرے کی تیلیان صیاد

سید علی اختر واسطی اختر

محفل مین رہین منتِ شمع نہین   داغِ غمِ دل کو حسرتِ شمع نہین
ہم جلتے ہین اپنی آگ مین خود شاکر   پروانے کی طرح حاجتِ شمع نہین

(۲) غزلین

۱۔ پنڈت امرناتھ صاحب ن بی اے (دہلوی) تخلص ساحر

حیاتم نقش بند صورت موج ست آبسا   وجودم در نظر جنگامۂ وہم ست حباب آسا
شود ہر ذرہ از نور جمالت آفتاب آسا   اگر از درمیان یار ابر اندازی نقاب آسا
سوار توسن ناز ست و معشوقانہ می آید   بیا تا لب تہی کن بہر پابوسش رکاب آسا
صفائے معرفت زنگ دورنگی بر نمی تابد   کہ باشد رحمت حق بر سر عالم سحاب آسا
کمال سرد مہری راحت تسکین اثر دارد   تف ہا سوخت ذوق تپیدن اضطراب آسا
شکست شیشۂ دل را صدا برنمی خیزد   تماشا می کنم دلہا شکستہ بیاب آسا
دل من نسخۂ اسرار الفت ہست تا دانی   بمعنی آشنا گردی اگر خوانی کتاب آسا
مرا کرد قسمت سوز و ساز اندر غم عشقت   بشرط آنکہ از من برنخیزد بو کباب آسا
بغفلت زندگانی صورت آب روان بگذشت   بحیرت ماندہ ام تا چشم بکشادم حباب آسا
بیادش ہر نفس تار رگ جانم ہمی نالد   چہ آہنگ ست ہر تار رگ جانم رباب آسا

منم سرمست جام بادۂ عشق و فنا ساحر
حرامم باد شربے کو خمار آرد شراب آسا

۲۔ سید فضل الحسن صاحب حسرت (موہانی) بی اے

ہر لحظہ ہے تصور اے رشک حور تیرا   آنکھون مین نور تیرا دل مین سرور تیرا
فریاد غم نہین ہو میری دعائے مقصد   اب نام بھی نہ لون گیا مین ناصبور تیرا
دنیائے عاشقی مین ہر دم رہے مبارک   مجھکو شعور میرا تجھکو غرور تیرا
بیباکی عدو سے نا حق ہے بدگمان دل   حب دشمنِ ہوس ہے حسن غیور تیرا
محفل مین اُس کے کی ہون گستاخیان کسی نے   پر وہ یہی کہین گے سب ہے قصور تیرا
بیتاب دل کے ہاتھون اے بندۂ محبت   پھر اُس گلی مین جانا ٹھہرا ضرور تیرا
کا ہیکو رشک دل کی اب انتہا رہیگی   شہرہ پہنچ گیا ہے جب دور دور تیرا
دنیائے عشق مین ہے ثابت مرا سلیقہ   دنیائے دلبری مین دائم شعور تیرا
رکھ لے مری بھی یا رب شرم گناہگاری   [illegible]

کر کے وہی رہے گا جو دل میں ٹھان لی ہے
روشن ہے ہم پہ حسرت عزم امور تیرا

۳- سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق (عماد پوری)

جسے نیند آئے نہ کل پڑے وہ نحیف و مضطر زار ہوں
نہ حریص صبر و شکیب ہوں، نہ اسیر ضبط و قرار ہوں

نہ اجل ہوں میں نہ قضا ہوں میں کہ کسی کے سر پہ سوار ہوں
نہ جنازہ بعد فنا ہوں میں کہ کسی کے دوش کا بار ہوں

نہ میں بوئے گل کہ نہفتہ ہوں، نہ میں غنچہ ہوں کہ شگفتہ ہوں
نہ کسی چمن کی بہار ہوں، نہ کسی گلے کا میں ہار ہوں

کبھی تو یہ ہے کبھی سرکشی، کبھی ہوش ہے کبھی بیخودی
جو میں سر چڑھا تو سرور ہوں، جو اتر چلا تو خمار ہوں

مرے دل میں شعلے تھے عشق کے، جو پس فنا بھی نہ بجھ سکے
جو جلا تو شمع مزار ہوں، جو بجھا تو دل کا بخار ہوں

کبھی لب [illegible] باغباں، کبھی نخل گل پہ ہے آشیاں
کبھی میں ہوں نالہ کش خزاں، کبھی نغمہ سنج بہار ہوں

جو تپش سے قلب ہے بے سکوں، تو جگر میں ہے خلش دروں
جو تپک رہا ہے وہ آبلہ، جو کھٹک رہا ہے وہ خار ہوں

کبھی اس سے مجھ سے ہو گفتگو، تو بر آئے دل کی کچھ آرزو
وہ کہے فدائی ہے کس کا تو، میں کہوں تجھی پہ نثار ہوں

وہ ہوں مشت خاک پس فنا، کہ اٹھوں نہ صورت نقش پا
جو نہ مٹ سکا وہ نشان ہوں، جو نہ اڑ سکا وہ غبار ہوں

وہ مکان ہوں کہ ہوں لامکاں، ہے شفق نشاں مرا بے نشاں
میں طلسم ہستی و نیستی کا فریب نقش و نگار ہوں

۴- سید الشعرا حضرت صمیم (بلند شہری)

کیا چیز ہے اے ساقی جادو کی بھری نکلی — دیوانے پکار اٹھے شیشہ سے پری نکلی

ٹھکرا کے جہاں چھوڑا نظروں سے وہ دل توڑا — چالوں سے تری بڑھ کر یہ فتنہ گری نکلی

مے خانے کے خم ٹوٹے اب غم سے سبھی چھوٹے — رندوں نے مزے لوٹے بادل سے پری نکلی

دل پر جو نظر بیٹھی پھر اٹھ نہ سکا کوئی — جب تیر کوئی ڈوبا باہر نہ سری نکلی

باغوں میں گھٹا چھائی ساقی کو امنگ آئی — رندوں کی کھلی آنکھیں پھولوں میں نمی نکلی

وعدہ کی جو شب آئی مسند وہ لگا بیٹھے — آخر مری قسمت کی یہ دردسری نکلی

ذروں کی جھلک دیکھی تاروں کی چمک دیکھی — جس رنگ میں تو نکلا اک جلوہ گری نکلی

قدر اس کی کوئی پوچھے دولت وہ اٹھا دی ہے — جب دل کی رقم پرکھی لاکھوں میں کھری نکلی

خون جگر و دل سے گو نخل وفا سینچا — کیا شاخ کوئی پھلتی کونپل نہ ہری نکلی

تو نے تو صمیم آخر تڑپا ہی دیا دل کو
اے یار غزل تیری وہ درد بھری نکلی

۵- منشی محمد مسلم صاحب (عظیم آبادی)

بدگماں کیوں ہو؟ تمہارا کچھ گلہ کرتے ہیں ہم — اپنے درد دل کا صرف اک تذکرہ کرتے ہیں ہم

تھی کبھی خودداری ایسی مانع اظہار شوق — وائے غیرت غیر سے اب التجا کرتے ہیں ہم

عشق مجنوں کی جنوں ہی آخری معراج تھی — لیکن اس منزل سے اپنی ابتدا کرتے ہیں ہم

پنجۂ غم گھونٹنے لگتا ہے جب اپنا گلا — حلق تر کرنے کو تھوڑی پی لیا کرتے ہیں ہم

خیر و شر دونوں کا اصل ایک ہے اعتقاد میں — پھر برا کرتے ہیں ہم تو کیا برا کرتے ہیں ہم؟

محفل جاناں کہاں اب ہم سوختہ ساماں کہاں — مثل شمع نیم شب تنہا جلا کرتے ہیں ہم

پھر چلے آئے ہیں بے پردہ سر محفل جو آپ — پھر وہی ناقابل بخشش خطا کرتے ہیں ہم

خاک اڑاتے پھرتے ہیں صحرا کی ہم دیوانہ وار — حضرت مجنوں کی یوں سنت ادا کرتے ہیں ہم

ایک جان زار پر سنگ غم دارین ہے — رات دن ان چکیوں میں پس لیا کرتے ہیں ہم

کچھ غزل کہتے نہیں۔ اپنے دل مرحوم کا
مرثیہ گویا کہ اے مسلم پڑھا کرتے ہیں ہم

ہموار نہیں ظاہر و باطن جن کے — جھنوائے گی ان کو یہ دو رنگی تن کے
گر دل میں نہیں چور تمہارے شاکر — کیوں رکھتے ہو ڈر ڈر کے قدم گن گن کے

العصر

اگست سنہ ۱۹۱۶ع

جلد ۵ — نمبر ۲

فہرست مضامین

تصاویر:- (۱) ہزہائنس مہاراجہ صاحب گوالیار (۲) منشی تلوک چند صاحب محروم (۳) بستر مرگ

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہی۔

(۲) اس کی سالانہ قیمت للعہ رمع محصول ہی دو ممالک غیر سے صہ رمع محصول ہی اوسمین کمی ناممکن ہی۔

(۳) نمونہ کے لیے ۷ر آنا چاہیئے مفت نہین ملے گا۔

(۴) خریداری کے لیئے پیشگی قیمت آنا ضرور ہی، ہز مابعد کا حساب نہین۔

(۵) خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیے۔

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

(۷) ترسیل زر و درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لئے کتابین تبادلہ کے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کئے جائین۔

(۹) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا، تاہم مضامین بھی نہ لئیے جائین گے۔

(۱۰) اعلی علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائیگا، مگر حسین اور تخیل مضامین کی تخصیص ہی۔

سرمایۂ عمر چودھری دیبی پرشاد بلگرامی

نام ادویات	قیمت	نام ادویات	قیمت
معجون کایا پلٹ مقوی باہ		بار بار پیشاب [illegible] فی پیکٹ	۲/
بال سیاہ کرے جسم کو موٹا کرے بھوک		لعوق خشخاش [illegible]	
بڑھاوے مصفی خون خواہش نفسانی زیادہ		صاف کرے فی تولہ	۱/
جسم کو موٹا اور شکن دور کرے بڑھاپا دور کرے		لعوق بھوانی [illegible]	
قوت بینائی زیادہ کرے انجماد کم کرے فی تولہ	۸/	[illegible] فی چھٹانک	عہ/
مرہم کنٹھ مالا فی ڈبی	۱۲/	لعوق [illegible]	
مرہم چھاجن نئی پرانی کھجلی داد خورد	۵/	[illegible]	
طلا تریاقی جو شخص پیدائشی نامرد ہو		[illegible]	۲/
میں باعث زیادتی یا کمی صحبت یا کسی		لعوق مغز [illegible] مقوی دماغ	
نقصان کے باعث نامرد ہو گیا ہو فی شیشی	۳/	[illegible] مقوی باہ [illegible]	
نامرادوں کو اولاد دینے والا چورن		[illegible]	
فی پیکٹ	۳/	[illegible]	
بال صفا تکلیف [illegible] میں تمام		[illegible]	
عمر کو [illegible] پیکٹ	۳/	[illegible]	
آئینہ سلیمانی پرچہ ترکیب ملاحظہ کیجیے فی نسخہ	۱/	بیاپ کیوڑہ کبس	
گولی مرچ سفید [illegible] ہاضمی		قوت باہ [illegible] ایک ہفتہ کے استعمال	
[illegible] قولنج بادی و درد شکم		[illegible] فی چھٹانک	۸/
[illegible] بلغمی کھانسی سینہ [illegible] میں		کرشمہ حب [illegible]	
[illegible] اسہال دست [illegible]		اگر [illegible]	
منجن دندان [illegible] دانتوں [illegible]		دشوار ہو [illegible] فی چھٹانک	۸/
میں خون آنا کرم گندہ دہنی [illegible]		سفوف فتق [illegible] فی پیکٹ	۳/
[illegible] دانتوں کو [illegible]	۳/	روغن فتق فی شیشی	عہ/
ورم رحم جو باعث طرح طرح کے عوارض		ڈھلا سینہ [illegible] فی پیکٹ	۱/
سے ہو پیکٹ	۲/	روغن گٹھیا فی شیشی	۸/

نوٹ :- اگر جناب صاحب بلا تکلف مجرب ادویات قیمتی دس روپیہ خرید فرمائیں گے تو مہمان ... کے نام ایک ہفتہ وار اخبار ایک سال تک مفت مرسل ہوگا ادویات کا ... خرید کر ...

چودھری دیبی پرشاد بلگرامی گنگا پرشاد روڈ ... لکھنؤ

نہایت عمدہ اور تیر بہدف علاج

ڈاکٹر سلطان صاحب کے آکسی ڈنٹل بام کی طبی دنیا
میں جو شہرت ہے وہ محتاج بیان نہیں
اعصاب، کمر، سینہ وغیرہ کے درد پر تھوڑی مقدار
میں اس کی مالش تکلیف کو دور کر دیتی ہے

دمہ، کھانسی، اور درد سر
میں علاوہ مالش کے سونگھنا بھی نافع ہے

"آکسی ڈنٹل بام"

کو مقام ماؤف پر ملنے سے بچھو و دیگر حشرات الارض کا
زہریلی اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے

غرض

یہ دوا ہر شخص کے لیے بحالت سفر و حضر ایک لاثانی طبیب و ڈاکٹر کا
کام دیگی پرچہ ترکیب استعمال دوا کے ہمراہ ہوگا قیمت فی شیشی ۱۲/

(محصول ڈاک ذمہ خریداران ہوگا)

مشتہر

ایس اے رزاق اینڈ کمپنی چار کمان حیدرآباد دکن

سول ایجنٹ ... کو ... میڈیکل کمپنی چیلپوری اسٹریٹ دہلی

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکماء نے اِن علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصّہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے۔ مضامین کی وضاحت کے لئے صدہا تصویرین دی گئی ہیں۔ قیمت ہر دو جلد عہ۱۲ - مجلد عہ۱۴

عجائب غریب صدی - دی ونڈرفل سنچری رڈ مصنفہ الفریڈ رسل ولس کا اُردو ترجمہ۔ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیئے۔ اس میں وہ تمام باتیں بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہیں جو انیسوین صدی میں حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہیں۔ حرارت، روشنی اور برق نے جو عجیب کام بَرّی اور بحری دنیا میں کیئے ہیں وہ عالمانہ طور پر اس کتاب میں مندرج ہیں۔ علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون، اجرام فلکی، علم الارض، اور مسئلۂ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ حجم ۰۰ ۴ صفحات قیمت ۹ ر مجلد ۱۳ ر

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمین چاند سورج، ستارون، سیّارون، دُمدار تارون، ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری، اُن کی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات، گردش کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ زمین پر رہکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اِس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ ر مجلد ۱۲ ر

حیات شمع - جس میں شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت، شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہیں، شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت، کوئلہ، کوئلہ کی گیس، کاربونک ایسڈ، ہیڈروجین، نائٹروجن، آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ قیمت ۶ ر

پھولون کی کہانی - جسمین پھول کے اعضا، افعال، خواص، بناوٹ، اصطلاحی نام، درجہ بندی، تولید، شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، وغیرہ کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہیں۔ قیمت ۸ ر

مشرق کی نابودشدہ تہذیب - کتاب کیا ہے، ایک عبرت کا دفتر ہے یا یون کہو کہ مشرق کی نابودشدہ تہذیب کا ہوبہو مرقع، جس میں یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہے۔ نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیکی، ہتی، بابلی، خالدی، آسوری، عرب، ایرانی، مصری، یہودی وغیرہ کے وہ تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہیں جو تہذیب و شائستگی کا مسلّمہ معیار سمجھے جاتے ہیں۔ قیمت ۶ ر

اصول پالٹکس - تعریف نام سے ظاہر ہے، جو لوگ پالٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، مناسب ہے کہ وہ اِس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین۔ قیمت صرف ۱۲ ر مجلد عہ

فلسفۂ الوہیت - یعنی سریمد بھاگوت گیتا، مع ترجمہ و تشریح، مولفہ رائے بہادر پنڈت بانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی۔ حجم ۲۰۰ صفحات، لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز۔ توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ طبع چہارم۔ مجلد قیمت عہ۱۲

اپنشدون کی تعلیم - اس کتاب میں اپنشدون کا مذہب یعنی خدا، انسان، دنیا کی پیدائش، قائمی اور انتہا، انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت، اور بندھ اور موکش کا بیان ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

ویدون کی تعلیم - انگریزی کی مشہور و معروف کتاب ٹیچنگ آف دی ویداز کا ترجمہ قیمت مجلد ۱۲ ر

خدا کی ہستی - انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر اور بیش قیمت تصنیفات کا انتخاب، عبارت نہایت سلیس اور عام فہم۔ قیمت مجلد ۱۲ ر

مکالمات افلاطون - جسمین مشہور حکیم و فلسفی افلاطون کے تین مکالمات یعنی (۱) فائڈون (۲) یوتھوفرون اور (۳) پروٹاگورس شامل ہیں۔ ان مکالمات میں افلاطون نے بہت سے عقلی، اخلاقی اور فلسفانہ نکات کو حل کیا۔

منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس، لکھنؤ (اودھ)

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - یہ اسم بامسمی کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت ۴ر

اسرار ادویہ - اس کتاب میں انگریزی پیٹنٹ ادویات کی قلعی کھولی گئی ہے ضرور دیکھیے قیمت ۸ر

مسدس حالی مع ضمیمہ - لکھائی چھپائی بہت عمدہ صحت و صفائی اعلیٰ اخیر میں مولانا حالی کی مختصر لائف بھی درج ہے قیمت ۸ر

رباعیات حالی - مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید اڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں قیمت ۳ر

چپ کی داد - مولانا حالی مرحوم کی مشہور و معروف نظم - قیمت ۱ر

جذبات بھاشا - مولفہ حضرت نیاز فتحپوری - اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بھاشا شاعری درحقیقت کس چیز کا نام ہے اور یہ سحر کس قدر پر آشوب ہے تو آپ اس کتاب کو ضرور دیکھیے - قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲ر

لوری نامہ - تازہ دلچسپ اور معنی خیز لوریوں کا مجموعہ - اگر مائیں اپنے بچوں کو یہ لوریاں سنائیں تو وہ نہایت خوش ہوں گے - اور ان میں جرأت، ہمدردی اور قومی محبت کا جذبہ ابتدا ہی سے پیدا ہو جانے گا قیمت ۸ر

پہیلی نامہ - مہذب اور دلچسپ اور معنی خیز پہیلیوں کا مجموعہ پہیلیاں بچوں کی ذہانت اور دماغی قوت کو ترقی دینے کے واسطے نہایت کارآمد ہیں طلبا کے لیے تو نہایت مفید ہیں قیمت ۵ر

ناول

روح لیلیٰ - یہ کتاب میری کوریلی کی تصنیف ہے مصنف نے اس میں ایک روحانی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اسکی وفات کے وقت ایسا محبوس کر لیتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً وہ اس کو زندہ کر کے اس کے ذریعہ سے بہت سے کام نکالتا ہے حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت عـہ مجلد عـہ

زرین ملک کی تلاش - چند نوجوانوں کے انگلستان سے جنوبی امریکہ تک کے سفر و مصائب اور ملک جنوبی امریکہ کے باشندوں حیوانات، نباتات اور دیگر عجائبات کے حالات نہایت دلچسپ طور سے ناول کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں قیمت ۸ر

وصال - تفتیش درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

مونگے کا جزیرہ - دریائی سفر کا نہایت مفید اور دلچسپ بیان قیمت ۸ر

روما الکبریٰ کی آتشزدگی - قیصر نیرو کے زمانہ یعنی پہلی صدی مسیحی کا ایک دلچسپ تاریخی ناول حجم ۲۱۴ صفحات قیمت مجلد ۱۰ر

آدیس - روما الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے - قیمت ۸ر

اوٹوپیا - اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴ر

دہن بشیر - روسی بادشاہوں کے ظلم و جور کا ایک دردناک قصہ قیمت ۸ر

خلق مجسم - شائستہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویر، انسانی ہمدردی کا سبق، اخلاق کی مجسم صورت قیمت عـہ

بوالہوس - عورتوں کی مستقل مزاجی، درستی تعلیم، پابندی قول اور قیامت خیز شناسائی پر روشنی ڈالی گئی ہے حسن و عشق کی چاشنی بھی موجود ہے قیمت ۱۲ر

ماہتاب - حسن و دوستی، عشق آموزی کا آئینہ، دلفریب کرشموں کا گنجینہ قیمت ۱۲ر

طلسمی فریب - ایک مصری شیطان سیرت جادوگر کے ہاتھ سے ایک معزز رئیس کی تباہی کا ہیبتناک نظارہ قیمت ۱۰ر

جرمن جاسوس - مشہور و معروف انگریزی کتاب "جرمن اسپائی" کا ترجمہ قابل مطالعہ کتاب ہے حجم ... صفحہ قیمت مجلد عـہ

حسینہ ارمن - ایک دلچسپ بنگالی ناول کا ترجمہ اسم بامسمی قیمت ۸ر

بنگالی جاسوس - یہ بھی ایک دلچسپ بنگالی ناول کا ترجمہ ہے قیمت ۸ر

ہاجرہ کی کامیابی - اس میں معاشرت و تمدن پر بحث کی گئی ہے قیمت ۴ر

حور العین - غدر ۱۸۵۷ء کے ہاتھوں دو شریف خاندانوں کی تباہی قیمت عـہ

اسرار رہنما - قیافہ شناسی کا آئینہ، فہم و فراست کا گنجینہ - قیمت ۱۰ر

کرشن کانتا - طلسم زرنگار کے عبرتناک حالات نہایت دلچسپ قیمت عـہ

خوبی قسمت - مسمریزم کے ذریعے سے انسان کیونکر قابو میں لایا جاتا ہے قیمت ۱۰ر

محل خانہ شاہی - واجد علی شاہ کے محلات عظمیٰ کے حالات قیمت ۸ر

شونبرگ کوٹہ - یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے جسکا تعلق سولھویں صدی سے ہے اس زمانے کے جرمنی کے تمدنی، دینی، ملکی اور تاریخی حالات جاننے کا شوق ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے حجم ۲۸۰ صفحہ قیمت ۱۲ر

سبز باغ - تعریف نام سے ظاہر ہے - قابل دید - ۵ر



العصر

بحرِ مواج

(از مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای یاشاد)

صحرا دیکھوں کہ سیر دریا دیکھوں ۔ یا معدنِ کوہ کا تماشا دیکھوں
ہر سو تری قدرت کے ہین لاکھوں جلوے ۔ حیران ہون کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

عرف مین "نئی دنیا" امریکہ کے برِ اعظم کا نام ہو مگر اسوقت ہم ایک اور نئی دنیا کا ذکر کرنا چاہتے ہین جسکا نام سب سنتے آئے ہین جسکو سب نے دیکھا ہو اور پھر کسی نے نہین دیکھا۔ وہ کیا ؟ سمندر۔ ناظرین کو غالباً حیرت ہوگی کہ یہ نئی دنیا کہان سے پیدا ہو گئی۔ بحر و بر مین تو ابتدائے آفرینش سے چولی دامن کا ساتھ ہو۔ مگر ہم ثابت کرین گے کہ واقعی نئی دنیا سمندر ہی ہو۔ امریکہ کو نئی دنیا صرف اسوجہ سے کہتے ہین کہ ہم لوگ اُس سرزمین اور اس ملک اور وہان کے باشندون سے پہلے واقف نہ تھے۔ سوا اس کے اور کوئی جدت نہین ہو۔ وہی انسان وہ بھی وہی انسان ہم بھی۔ ناطقہ سامعہ وغیرہ اُن مین بھی ہم مین بھی۔ طرزِ معاشرت کے اصول قریب قریب ایک۔ وہی زمین و آسمان وہان وہی یہان۔ پوشاک خوراک سب متحد۔ اسلحہ حرب کا استعمال وہان بھی یہان بھی۔ بخلاف اسکے سمندر وہ عالم رکھتا ہو جسکو ہماری اس دنیا سے کوئی مناسبت نہین۔ وہان کی مخلوق جدا۔ غذا جدا۔ پہاڑ مختلف۔ باغ کی قطع نرالی۔ وہ نئی دنیا اور بیشک نئی دنیا ہو۔

قدرت نے نئے نئے جلوے جو اس عالم مین ظاہر کیے ہین وہ ایسے نامحدود ہین کہ فہم و ادراک قاصر اور عقل حیران ہو۔ اُن لاتعد و لاتحصیٰ قدرتون کا اعلیٰ نمونہ حضرتِ انسان ہین۔ بنی نوع انسان کی خلقت کوئی معمولی قدرت اُس خالقِ یکتا کی نہین سمجھی جا سکتی۔ بلکہ یہ کہنا لازم آتا ہو کہ قدرت کے چمنستان مین جو پھول گلِ سرسبد مانا گیا ہو وہ یہی مشتِ خاک انسان ہو، اور اُس سبدِ حقیقی کا معادیہی بندہ تابع فرمان ہو۔

کوئی شک نہین کہ خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا لُبِّ لُباب انسان
ہی ہو اور انسان کی فضیلت ہیجدہ ہزار عالم مین تمام مخلوقات سے برتر
ہی نہین بلکہ افضل تر ہو۔ اس کو خزانۂ رحمت سے عقل کا ایک ایسا جوہر
مرحمت ہوا ہی جو یہان کسی اور مخلوق کے حصّے مین نہین آیا۔ دیکھو گُلبن حقیقی
کے رنگا رنگ گل بوٹون کی بہار اس باغِ عالم مین کیسا اپنا جوبن دکھا رہی
ہو گویا بحرِ ناپیدا کنار مین اونچی اونچی زوردار لہرین قدرت کے کھیل دکھاتی
ہوئی باہم موجین کر رہی ہین اور ہر چشم زدن مین اس کا ثبوت دیتی
ہین کہ بحرِ ہستی مین ہمارا وجود حبابِ آب سے زیادہ ثبات نہین رکھتا۔
اُن پر یہ ہرگز مخفی نہین ہو کہ دنیا کی کشتی مین حضرتِ انسان صفاتِ حمیدہ سے
ممتاز سوار ہو کر اس دریائے موّاج کے تماشے دیکھ رہے ہین جن کے مقابل
آج تک کوئی مخلوق قدرت نے خلق نہین کی۔

یہ مسلّم ہو کہ اشرف المخلوقات انسان ہی ہو اس لیے کہ ہیجدہ
ہزار عالم مین کسی مخلوق کو وہ فضیلت نہین ملی جو اسکو ملی ہو۔ انسان
ہی کا کام ہو کہ وہ اپنی قوتِ دراکہ کے ذریعہ سے ہر بُرے بھلے کو میزانِ عقل
مین وزن کرنا تو ایک ادنیٰ سی بات ہو اُسکی کنہ حقیقت کو جہان فرشتون
کے پر جلتے ہین پہنچ سکتا ہو اور نیک و بد مین تمیز کرنے کی قابلیت رکھتا
ہو۔ پس ایسی حالت مین کہ انسان مین ہر شے پر امر ہر واقعہ ہر معاملہ
پر اظہارِ رائے کرنے کا مادہ موجود ہو مناسب نہین ہو کہ وہ بُت کی طرح
چُپ بیٹھا رہے اور اپنے پُرجوش دل کے ولولے ظاہر نہ کرے اور
دریائے دل کی موجین جو ہر آن ایک نیا لطف نیا سین دکھا سکتی ہین
اُن کی سیر سے شائقین کو محروم رکھے۔ نظر بران مناسب معلوم ہوا
کہ قدرتِ کاملہ کی جلوہ نمائیون پر ہم گہری نظر ڈالین اور بالخصوص
زمانۂ حال کے حکمائے یورپ نے جو اپنی مدبرانہ اور فلسفیانہ چالاکیون
سے بحرِ قدرت مین غوطے لگا کر عمدہ عمدہ بیش بہا موتی نکالے ہین جنکو چشمِ فلک
نے بھی نہین دیکھا وہ پبلک مین تحفۃً پیش کرین۔

پہلی موج - مار دریائی

بحرِ قدرت کی پُر زور موجین جہان مختلف جلوہ نمائیان اور
سحر پردازیان دکھاتی ہین وہان ایک موج اُس کی یہ بھی ہو کہ سمندر
کی تہ مین بہت سی قسم کی مخلوق موجود ہو جو مصداقِ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَان
قدرت نمائی کا ثبوت دے رہی ہو۔ منجملہ اُن کے ایک جانور عجیب الخلقت نادر الجثہ
جو بحیثیت مجموعی سانپ کے مشابہ مار بحری کے نام سے مشہور ہو اسی سمندر
کا باشندہ ہو۔

اُس کی پرورش و پرداخت سمندر ہی مین ہوتی ہو۔ اس کی نسل
وہین بڑھتی ہو۔ اسکے رزق کے لیے وہی دریا خوانِ نعمت بنا ہوا
ہو۔ اُس کا بستر پانی اور اُس کا تخت اُسی دریا کے پہاڑ ہین جو تہ
مین موجود ہین۔ اُس کے جسم کی ضخامت انسان کے بازؤن کی ضخامت
سے بالکل مشابہ ہو اور وہ طویل القامت بھی ہو جس کا طول ۹ فٹ سے
کم نہین ہوتا۔

اُس عجیب الخلقت مار بحری کے اوپر کے حصے کا رنگ نہایت ہی
خوشنما دلچسپ اور بھورا ہوتا ہو اور نیچے کا حصہ اُسکے جسم کا بہت
چمکتا ہوا جیسے چاندی کا پترا۔ اپنے حسن اور رنگ مین یگانہ دلفریبی
مین فرد ہے۔

یورپ کے مورخین جن کی بدولت ایسے عجائب و غرائب کے وجود کا
پتا چلا ہو اور جن کے اوصاف ناظرین کے روبرو ہم پیش کر رہے ہین
اُن کا یہ قول مسلمہ ہو کہ اس نادر الخلقت مار بحری کا مسکن اور اُس کا پایۂ تخت
بحرِ مڈیٹرینین ہو۔ مگر یہان اُسکا اور بھائی بند دوسرے سمندرون مین بھی
قیام پذیر ہین۔ یہ نئی چیز نہ کوئی دیوتا ہو جو پوجنے کے لائق ہو اور واجب التعظیم
سمجھی جائے نہ کوئی معشوقِ زرین کمر ہو کہ اُسکی پیاری صورت کو دیکھ کر
دریائے عشق مین غوطہ لگایا جائے۔ بلکہ درحقیقت یہ ایک مار بحری ہو
جسکے یقین کرنے مین کوئی شک و شبہ ہو ہی نہین سکتا۔

روما کا ایک مورخ لکھتا ہی کہ قدیم زمانہ کے اہل روما اس قسم کے ایک ار دریائی کو جو ٹڈیہ میین مین ہوتا ہی قدر اور تعجب کی نظر سے دیکھتے ھے اور عجیب الخلقۃ ہونے کے باعث سمندر کے کنارے ایک خوشنما ردض مین رکھتے تھے چونکہ یہ کمیاب و نادر الوجود شے ہے اس کی قدر و منزلت ویسی ہی ہوتی تھی جیسے ہم لوگون مین اُن خوشنما سنہری روپہلی مچھلیون کی ہوتی ہی جو کمیابی سے انمول سمجھی جاتی ہین۔

ہمارے اُن کے فرق اسقدر ہی کہ روپہلی سنہری مچھلیون کو ہم اپنے دستر خوان کی زینت نہین سمجھتے اور وہ لوگ ایسی مچھلیون کو نوش جان کرتے تھے بلکہ اُسکے گوشت پر جان دیتے تھے۔ انسان کی فطرت مین داخل ہی کہ اکل و شرب ہو و پوشش و لباس ہو یا اور کوئی شے ہو جس کا وہ عادی ہو جاتا ہی، بالطبع اُسکو پسند کرتا ہی اور جہان چند لوگون نے اُسے اختیار کیا وہ رواج مین داخل ہو جاتا ہی بلکہ بعض اوقات تحفہ سمجھا جاتا ہی چنانچہ وہی روما کا مورخ لکھتا ہی کہ وہان کا شاہنشاہ جس کا نام جولیس سیزر تھا مچھلی کا بہت شایق تھا، اور اُس کی خواہش نے یہان تک مبالغہ کیا کہ کسی تقریب مین اُس نے احباب و امرا کی پر تکلف دعوت کی تھی، اُس دعوت مین میوسی نام ایک مچھلی جو بام مچھلی کے مثل ہوتی ہی اپنے مہمانون مین تقسیم کی جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔

ہم لوگ خشکی کے رہنے والے آسمان اور ستارون کے دیکھنے والے اونچے اونچے ٹیلے اور بلند بلند پہاڑون کے بسنے والے سطح الارض کے عجائب و غرائب مین ایسے متحیر اور از خود رفتہ ہین کہ ہم کو اسکی خبر ہی نہین کہ سمندر مین بھی قدرت الٰہی اپنی لہرین دکھا رہی ہی جسکی حیرت انگیز اور جادو بھری خوشنمائی نئی نویلی دلہن کی پیاری پیاری صورت کی طرح گھونگھٹ کے پردہ مین روپوش ہی۔

شاخ در شاخ مرجان انواع و اقسام کی ہری ہری تر و تازہ جھاڑیان ہر طرف اپنی اپنی جگہ جلوہ کنان ہین گلہاے عنبر رشک نسرین و نسترن یاسمین و سمن رشک دہ صد ہزار چمن بنچۂ مرجان رد کش بنجۂ حسینان کو مہار کی بہار دوبالا کرتے ہین اور معلوم ہوتا ہی کہ عروس باد بہاری نے الن بنکر دریائی پہاڑون کی چوٹیون کو رنگا رنگ پھولون کے ہارون سے گوندھا ہی کثرت لالہ زار سے سمندر کے پہاڑ خشکی کے پہاڑون سے ٹکر لڑتے ہین وہان بھی کہین چمپا اور سیوتی کہین بیلا اور چمبیلی ہی، کہین جوہی کا پھول اور گلاب کی کلی ہی۔

اس بہارستان بیخزان مین مختلف رنگ کی مچھلیون کا ادھر اُدھر تیرنا اور لہرانا ایک عجیب دلفریب سان دکھاتا ہی۔ کوئی مچھلی دھانی ہی، کوئی زعفرانی کوئی آبی ہی کوئی گلابی۔ کوئی لباس مخملی در بر کوئی زنار بہمن در کمر قدرت حق کا تماشا دکھاتی ہی اور کافر کو مسلمان بناتی ہی۔

دوسری موج کوہ آتش فشان

جن شہرہ بار کوہسار کے متعدد منفذون سے جلتی ہوئی راکھ اور شعلہ ہاے جوالہ اور پتھر کے ٹکڑے اور مرکبات کیمیائی نکلتے ہین اُن کو عربی مین جبال النار، فارسی مین کوہ آتش فشان، ہندی مین جوالا مکھی اور انگریزی مین والکینو کہتے ہین۔

خدا کی عجیب قدرت ہی کہ بعض پہاڑون کی چوٹیان ابتداے آفرینش سے آجتک برف سے ڈھکی ہوئی ہین بعض پہاڑ ایسے ہین کہ وہان گو برف پڑتی ہی مگر کم اور کسی خاص فصل مین نینی تال، نیلگری، آبو دارجلنگ اور ڈلہوزی وغیرہ پہاڑون پر انتہا سے زیادہ سردی ہوتی ہی اور بعض جنکا ہم اب ذکر کرتے ہین ایسے گرم ہین کہ تمام دنیا کے آتشکدے اور گلخن اور بھٹیان اُنکے سامنے ہیچ ہین۔ کیونکہ اور آتشکدون مین تو حضرت انسان کی کوشش و سرگرمی سے گرمی پیدا ہوتی ہی اور آتش فشان پہاڑون مین محض خلاق بحر و بر کی قدرت کاملہ سے آگ نکلتی ہی۔

کوہ آتش فشان مثل خشکی کے سمندر مین بھی ہوتے ہین جسطرح سطح زمین پر دیکھتے دیکھتے نئے نئے کوہ آتش فشان بنجاتے ہین، اسی طرح بحر مین بھی

ایسے پہاڑ جو پہلے نمودار نہ تھے سطح آب پر دفعتًا نظر آنے لگتے ہین جن کا ذکر اس سے پیشتر نہ جغرافیہ مین تھا نہ کچھ تاریخی واقعات اُنکے متعلق تھے نہ جہاز والون سے کبھی سننے مین آیا تھا۔

بڑے بڑے پہاڑون مین مادہ آتشین سوراخون سے نکلتا ہے۔ اور وہ مادہ رقیق منجمد اور بکثرت جمع ہوکر پہاڑ کا پہاڑ ہو جاتا ہے۔ اگر مادہ بہت رقیق اور قلیل ہوا تو سمندر مین موجون کے تھپیڑون سے وہ سطح منتشر ہوجاتا ہے جیسے کائی ہوا کے جھونکون مین ٹھہر نہین سکتی۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ غلیظ اور کثیر مادہ نے پانی مین ایک جگہ جمع ہوتے ہوتے ٹاپو کی صورت پیدا کردی ہے یہ جزیرے رفتہ رفتہ وسیع بھی ہوجاتے ہین اور بلند بھی۔ بعض بعض ایسے جزائر کا رقبہ دو ڈھائی میل سنا گیا ہے اور وہ سطح آب سے کئی ہزار فٹ بلند ہوگئے ہین۔

اب ذرا ایک قدرت خدا کا نمونہ دیکھیے کہ سطح پانی کی ہموار سطح دیکھتے دیکھتے پہاڑ اور ٹاپو نظر آنے لگتے ہین اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ جس پہاڑ کی روشنی اُسکے شعلون کی وجہ سے آٹھ آٹھ میل سے نظر آتی تھی اور حرارت وحدت کی کوئی حد نہ تھی وہان کچھ سال بعد سبزہ لہلہاتا نظر آتا ہے جس سے باغ ارم شرماتا ہے۔ اس کا سبب محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب مادۂ آتشین خارج ہوتے ہوتے دفعتًا موقوف ہوجاتا ہے تو وہ پگھلا ہوا خارج شدہ مادہ مدتون سڑ کر پانس ہوجاتا ہے اور اُس سے درخت اور گل بوٹے اُگ آتے ہین

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کوہ آتش فشان کی چوٹی کسی قوت کے سبب سے اندر دھنس جاتی ہے اور پھر کچھ وقفہ کے بعد پانی کے باہر نکل آتی ہے۔

کوہ اتنا جو جزیرہ سسلی کے مشرق مین واقع ہے سطح بحر سے گیارہ ہزار فٹ بلند ہے اور رقبہ اُس کا اتنا ہے کہ اس سرے سے اُس سرے تک آدمی اڑھائی روز مین پہنچے۔ دو سو برس ہوے کہ اس پہاڑ سے نہایت ہی سخت اخراج مادہ کا ہوا تھا۔

کوہ ویسو ویس اٹلی کے جنوب مین واقع ہے۔ اسکی چوٹی راکھ سے ڈھکی رہتی ہے نیچے کے حصہ مین کوہ اٹنا کے مثل خلاق حقیقی کی قدرت کا ثبوت ملتا ہے یعنی اُس مین مرغزار اور اشجار اور چمن زار بیشمار ہین اور مجموعی حیثیت سے یہ پہاڑ ہیبت ناک معلوم ہوتا ہے۔

کوہ ہکلا جزیرہ آئسلینڈ کے جنوب مین ہے۔ ایک بار آتشین مادہ اُس سے ایسا نکلا تھا کہ کئی جھیلین لبریز ہوگئی تھین اور دریا پھٹ گئے تھے۔

ماہ نومبر ۱۸۶۶ء مین بحر الکاہل کی تہ سے کوہ آتش فشان کے علامات دفعتًا ظاہر ہونا شروع ہوے۔ اس کی تیزی اور حرارت اور جوش کی دمبدم ترقی سے سمندر مین ہلچل پڑ گئی۔

بعض اوقات سمندر کی تہ سے بہت زور کے ساتھ پتھر کے ٹکڑے اور شعلے نکل کر اپنی غضبناک قوت دکھاتے ہین جب ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو ہزارون لاکھون کیڑے اُڑتے ہوے اور پروانون کی طرح جل جل کے جان دیتے ہوے نظر آتے ہین۔

کبھی کبھی ان جزائر کی بلندی سطح بحر سے بھی بڑھ جاتی ہے اور اُسکی وجہ یہ کہی جاتی ہے کہ جب گندھک کی قوت سمندر مین اپنی تیزی دکھاتی ہے تو اُسکے مقابل مین اور تمام قوتین کمزور اور پست ہو جاتی ہین اور اُس قوت کے تابع فرمان رہنا لازم ہوتا ہے اور بعض اوقات اسکے خلاف بھی وقوع مین آتا ہے یعنی یہی سر برآوردہ جزائر سطح آب سے نیچے ہوجاتے ہین۔ اس کا سبب خاص یہ ہے کہ کوئی قوت سمندر کی تہ مین پہاڑون کی بنیاد کو دبا دیتی ہے اور وہ ایک ٹھوس پہاڑ کے ٹیلے بنکر رہجاتے ہین۔

اکثر اوقات تجربہ ہوا کہ پہاڑ نظرون سے ایسے غائب ہوجاتے ہین جیسے کسی نے کبھی دیکھے ہی نہ تھے۔ یہ صورت اُس وقت ہوتی ہے جب سمندر کے اندر کوہ آتش فشان کے اجزاے کبریتیہ زورون پر ہوتے ہین، اور قدرتی طور پر اُن کی آتش فشانی کا اثر مؤخر ہوتا ہے۔ ایک تاریخ کا واقعہ مورخ بیان کرتا ہے کہ اتفاق سے ایسا سخت زلزلہ آیا کہ تمام جزائر کے پیچھے

بل گئے اور وہان کے معدودے چند باشندون کو جانکاہ صدمہ پہنچا ان جزائر مین سے ایک جزیرہ کا پانی گندلا ہوگیا اور جابجا بڑے بڑے بھنور پڑ گئے اور تلاطم سے مینڈھے اُچھلنے لگے جسوقت پانی کو غیر معمولی جوش ہوا مردہ مچھلیان سطح آب پر تیرنے لگین - اس طوفان کی بدولت ہزارون آبی جانورون کا خون ہوگیا اور تھوڑی دیر کے بعد دھوان اس کثرت سے اُٹھا جیسے دھوان دھار گھٹا چھا جاتی ہے - گرم گرم ریت اور مٹی اُچھلنا شروع ہوئی - جزائر کا پانی اونچا ہوکر اپنی حد سے بڑھ گیا. سطح بحر کا عرض بہت پھیلا ہوا معلوم ہوتا تھا اور ایسی مہیب صدائین آتی تھین گویا کئی توپون کو ایک ساتھ بتی دیدی گئی ہو - پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے اڑ اڑ کر دو دو ہزار فٹ کی بلندی تک جاتے تھے - ان سب باتون سے ثابت ہے کہ سمندر کے اندر جو اجزا جمع تھے وہ نہایت ہی تند مد اور زور کے ساتھ نکلنا چاہتے تھے گو سطح آب پر کوہ آتش فشان کی کوئی علامت نہین پائی جاتی تھی -

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہاڑون کے خروج کے زمانہ مین قریب کے سمندر کے پانی مین تلاطم عظیم پیدا ہوتا ہے اور خلاف معمول کھولنے لگتا ہے اور بخارات اور اسٹیم کی گھٹا چھا جاتی ہے -

تیسری موج - پانی کا رنگ

صانع بیچون کی صنعت اور قدرت لاتعد ولاتحصیٰ ہے - انسان ضعیف البنیان اسکی کنہ حقیقت کو پہنچے محال ہے منجملہ اسکی قدرت نمائیون کے جنکا ذکر اوپر کیا گیا ایک اور مضمون معرض بیان مین آتا ہے جو لطف سے خالی نہین - وہ یہ ہے کہ جب جہاز پانی کی سطح پر گذرتا ہے تو سطح آب کی خوشنمائی اُسوقت قابل سیر ہوتی ہے قسم قسم کی رنگا رنگ لہرین سُرخ سبز اودی، سنہری، نگاہون کو عجیب بہار دکھاتی ہین - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جہاز کے گرداگرد آگ روشن کی گئی ہے اور اس کی چمک سطح آب پر گلکاریان کر رہی ہے -

یہ رنگا رنگ بہار نظر آنے کے کئی سبب ہین بعض اوقات البینس نام مچھلیان جو خوشنما و خوشرنگ ہوتی ہین پانی پر لہراتی اور تیرتی نظر آتی ہین - ان مچھلیون کی ایک تو قدرتی رنگینی دوسرے ان کی چمکیتی ہوئی شعاعین جو سطح آب پر پڑتی ہین تو سیاحان بحر کو عجب پُر لطف سین دکھاتی ہین - ایک ایک چمک اُن رنگین شعاعون کی یاقوت و لعل و زمرد کی آب و تاب کا مقابلہ کرتی ہے اور نگاہون کو اپنے دام مین اُلجھا لینا اُن کو بہت آسان ہوتا ہے -

اس رنگینی کا ایک سبب فاسفوس بھی ہے - فاسفورس ایک زہریلی شے کا نام ہے جو انسان حیوان کے جسم مین شامل رہتی ہے اور جب وہ جسم سے علٰحدہ ہوتا ہے تو اس کی صورت سفید لکڑی سی ہو جاتی ہے -

خاصیت اس کی یہ ہے کہ پانی مین ڈالنے سے دھوان نمودار ہوتا ہے اور جب تک وہ دھوان قائم رہتا ہے اس مین نمی موجود رہتی ہے جسوقت پانی کا اثر زائل ہوتا ہے آگ پیدا ہو جاتی ہے - اگر فاسفورس کو پانی سے نکالتے ہی کسی چیز پر رگڑ دیا جائے تو فوراً شعلہ نمودار ہوتا ہے - اسکی بدولت شعبدہ باز ہزارون شعبدے دکھاتے ہین جن کو نافہم سحر اور عمل خیال کرتے ہین -

فاسفورس سے اگر دیوار پر کچھ لکھ دیا جائے یا کوئی صورت بنا دی جائے تو وہ خطوط تاریکی مین آتشی نظر آتے ہین اور ایک عجیب تماشا ہوتا ہے -

بعض اوقات رات کو قبرستان مین غیر معمولی روشنی نظر آتی ہے - وہ فاسفورس ہی کی جلوہ گری ہوتی ہے جو گلے ہوے جسمون سے نکل کر چمکتا ہے اور لوگ اُسے شیطان اور بھوت پریت کی مشعل بتاتے ہین -

چونکہ دریا مین چھوٹے چھوٹے جانور بھی بیشمار ہوتے ہین جن کی مقدار بود ذرون کے مثل ہوتی ہے اور جنھین بغیر خوردبین کے دیکھنا نہین ہو سکتا - وہ جسوقت سطح آب پر صف کے صف اور غول کے غول اکٹھے ہو جاتے ہین

ف اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا جو راقم پر گذر چکا ہے میری عمر جب اٹھارہ برس

اُن کے جسمون کا فاسفورس پانی مین طرح طرح کی رنگینی اور چمک دمک پیدا کردیتا ہی۔ اور ایک وجہ رنگینی کی یہ بھی ہی کہ کبھی کبھی طوفان کے باعث درمیٔین سی زمین کی مٹی جو مختلف رنگ کی ہی دریا مین آگرتی ہی۔ اُسکی وجہ سے پانی رنگین نظر آتا ہی اور اکثر اوقات اُس رنگ مین قوس قزح کی کیفیت نظر آتی ہی۔ بحر الاذ فرجینیا درکیتن سی کیلیفورینا بحر الاحمر بحر الاسود وغیرہ اس کیفیت اور جلوہ نمائی کے لیے مخصوص و مشہور ہین۔

اور یہ معمول ہی کہ جو دریا گہرا نہین ہوتا اُس کا پانی مٹی کے رنگ کے موافق نظر آتا ہی اور جو عمیق دریا ہین عموماً ان کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہی۔ اور بعض دریاؤن کا پانی بالکل صاف و شفاف ہی جیسے بحر الکاہل کا۔

چوتھی موج۔ اُڑنے والی مچھلی

اس قسم کی مچھلیون کو ڈاکٹر گنتھر نے ٹیوب بلیڈر کی جنس مین شامل کیا ہی اور پروفیسر کوپ کا بھی یہی خیال ہی مگر اور بہت سے محققین اس کے خلاف ہین۔ ان کا قول یہ ہی کہ صرف پرون کی مشابہت ہمجنس ہونے کیلیے کافی نہین ہی بلکہ قابل وثوق وہ سائنس ہی جو جانورون کی بناوٹ اور صورت سے متعلق ہی۔

اس کی پشت پر پر اور دوشاخہ دُم نہین ہی۔

اس جنس کی مچھلیون کا حلیہ یہ ہی کہ حلق کے قریب ایک پر ہوتا ہی اور گلپھڑا چھوٹا سا اور معدہ ایسا ہوتا ہی جو پھیلتا رہتا ہی۔

یہ مچھلیان گوشت خوار ہین اور اُن سمندرون مین پائی جاتی ہین جن کی آب و ہوا کبھی گرم اور کبھی معتدل ہوتی ہی۔ از روے تحقیقات جیالوجی یہ جنس قدیم ہی۔

گاریائیک نام موجودہ جنس کی مچھلیون کے ساتھ شمالی امریکہ مین استعمال کیا جاتا ہی اور جو یونی پائیک کو گاریائیک کہا کرتے ہین از روے تحقیقات سائنس یہ کہنا مناسب نہین ہی۔ گاریائیک کی قریب قریب پچاس قسمین گرم اور معتدل سمندرون مین پائی جاتی ہین۔ بلون ولکرس انگلستان کے ساحل پر بکثرت پائی جاتی ہی اور شمالی یورپ کے سمندرون مین عموماً ہوتی ہی۔

اس جنس کی مچھلیان اپنی لمبی چونچ سے بآسانی پہچانی جاتی ہین اور علاوہ اس کے حلق کے قریب کے پر اور پشت کی وضع بھی انھین سب سے ممتاز کرتی ہی۔

یہ قسم ٹیوب بلیڈر سے ناک اور منہ کی بناوٹ مین مختلف ہی اور رسالہ برین بڑی چونچ بڑی مچھلیون کے لیے مخصوص ہی چھوٹی مچھلیون مین گلپھڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷ کی تھی مین بطور سیر و تفریح اپنے باغ کو گیا تھا جو سر درنگر مین ہے اور کئی روز وہان قیام رہا۔ ایک شب کھانے کے بعد بطریق چہل قدمی مین پیادہ پا تھوڑی دور چلا گیا۔ اس جگہ قبرستان تھا۔ دفعتاً چند مشعلین جلتی ہوئی نظر آئین۔ جیسے جیسے مین اُس طرف بڑھتا تھا وہ دور ہوتی جاتی تھین، اور کبھی وہ روشنی نظر سے غائب بھی ہو جاتی تھی۔ مین نے چونکہ بچپن مین ہمہا سے بھوت شیطان کے قصے اور اس قسم کی کہانیان سُنی تھین وہ توہمات کی صنوعی تصویرین میری آنکھون مین پھرنے لگین۔ ہمت پست ہوگئی اور خوف کا اثر میرے ہوش و حواس پر ایسا پڑا کہ آگے قدم اُٹھانے کی سکت باقی نہ رہی۔ مین نے بے اختیار لاحول پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت ایک صاحب میرے رفیق تھے جن کو علوم جدیدہ و قدیمہ مین بہت کچھ بصیرت حاصل تھی۔ اُن کو میری حالت پر آگہی ہوئی تو گھبرا کر دریافت حال کیا۔ مین نے اُن مشعلون کو جنھین میرے وہم نے خدا جانے کیا کچھ بنا رکھا تھا دکھا کر کہا کہ دیکھیے وہ شیطان نظر آ رہے ہین۔ انھون نے زور سے ایک قہقہہ مارا اور مجھ سے کہا کہ جناب یہ وہی شیطان ہین جو اس وقت آپ کے ہوش و حواس پر حملہ کر رہے ہین۔ دراصل یہ روشنی فاسفورس کی ہی جو اپنی قوت سے مشعل کا کام کر رہی ہی۔ مین اسوقت تک فاسفورس کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ مگر انھون نے مختصر طور پر اس کے وجود اور ماہیت و خاصیت سے مجھے آگاہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مہیب وہمی صورتین میری نظر سے چشم زدن مین کافور ہو گئین۔ ۱۲ منہ

معمولی ہوتے ہین اور یہ غور کے قابل ہو کہ جس زمانہ مین چونچ بڑھتی ہو اسوقت ایک مدت تک نیچے کی چونچ اوپر کی چونچ سے بڑھی ہوئی رہتی ہو۔ دونون کلپھڑون پر بہت سی شکنین ہوتی ہین۔ بڑے دانت فاصلے سے ہوتے ہین اور ان مچھلیون کی ہڈیان علی العموم سبز ہوتی ہین۔

انگلستان مین ان کی لمبائی دو فٹ سے زیادہ نہین دیکھی گئی مگر دیگر ممالک مین پانچ فٹ تک کی مچھلی ہوتی ہو۔

ڈاکٹر کنتھر کا بیان ہو کہ یہ مچھلی کنارے پر تیرتی ہو اور اپنی چونچ سے چھوٹی مچھلیون کو سطح پر لیتی ہو جیسے چڑیان مچھلی کو شکار کرتی ہین۔ چونکہ حلق اُس کا تنگ ہوتا ہو اس لیے یہ صرف چھوٹی مچھلیون کو نگل سکتی ہو۔

یہ مچھلیان اس صورت سے تیرتی ہین کہ ان کا جسم کبھی ظاہر ہوتا ہو اور کبھی چھپ جاتا ہو یعنی اُن کی حرکت مین چڑھاؤ اتار مثل موج کے ہوتا ہو۔

کرل مچھلی رفتار مین بہت تیز ہو۔ غول کی غول ساحل پر چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہین۔ اُن کو بہتی ہوئی کوئی چیز نظر آجاتی ہو تو بطور کھیل کے ایک اُچک کر اس پر جا گرتی ہین اور جہان اُس سے ٹکر لگی نہایت پیچ و تاب کے ساتھ اپنے آپ کو سطح آب پر ڈال دیتی ہین۔

ساوری، اسکیپر بہت ہی چھوٹی قسم کی مچھلیان ہین گار ریائیک مین اور ان مین اختلاف یہ ہو کہ انکے دانت اور پیٹھ کے پر بہت چھوٹے ذرا ذرا سے ہوتے ہین۔

ہاف بینگ ایسی مچھلی ہو کہ وہ اکثر اوقات تازہ پانی مین زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہو۔ اسکے نیچے کی چونچ اوپر کی چونچ سے لمبی ہوتی ہو

ان مچھلیون سے زیادہ دلچسپ مچھلی روے زمین پر کوئی نہین ہوتی یہ نیچر مین ایک نئی بات ہو کہ مچھلیان اُڑتی ہین۔ سمندر کے بڑے بڑے سفرون مین دلچسپی و تفریح کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی سیر نہین ہو کہ آدمی جہاز کے آگے کے حصے مین کھڑا ہوا اور اڑنے والی مچھلیون کی پرواز کا لطف اُٹھائے۔ کمتر یہ ہوتا ہو کہ کوئی مچھلی تنہا اُڑتی ہو ورنہ غول کے غول اُڑا کرتی ہین۔ جہاز کے نیچے سے جو پرواز کی تو موج کی بلندی تک گئین اور پھر دیکھتے دیکھتے سمندر کے نیلے پانی مین نظر سے غائب ہوگئین۔

اُڑنے والی مچھلی جسکی عام قسم ایکزوکوٹس ابولانس ہو اپنے لمبے پرون کی وجہ سے بآسانی پہچان لی جاتی ہو۔ اس کا کلپھڑا اور سر چھوٹا اور مستطیل بڑے بڑے فلس سے بھرا ہوتا ہو اور دانت اگر ہوتے ہین تو چھوٹے ہوتے ہین۔

ایک قسم کی مچھلی سمندر پیسفک کی جانب خاک کنارے پناما مین پائی جاتی ہو جو اپنے پرون کی درازی سے سب قسمون مین ممتاز ہو۔ اس کے پر بہت بڑے بڑے ہوتے ہین اور اسی سے وہ سب سے زیادہ اُڑنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

اس قسم کی مچھلیون کا غول بہت بڑا ہوتا ہو جب یہ اڑتی ہین تو انکے پر سفید یا بھورے نظر آتے ہین۔

قیاس چاہتا ہو کہ مچھلیون مین جو اُڑنے کی صلاحیت ہو اُس کا سبب اُن کے پر نہین ہین۔ بلکہ یہ مچھلیان ابتدا مین اپنے دشمنون سے بچنے کیلیے بھاگتی اور سطح آب سے اُچھلتی ہین رفتہ رفتہ وہ بھاگنے اُچھلنے کی عادت اُڑنے کی حد تک پہنچ جاتی ہو۔ ہم اپنے تجربہ سے کہ سکتے ہین کہ جب یہ مچھلی پانی سے باہر آجاتی ہو تو چند سکنڈ تک متحرک رہتی ہو اور یہ حرکت اسکے پانی پر تیرنے کا آخری سلسلہ ہو۔ اسکے بعد وہ بالکل ساکت ہوجاتی ہو۔

جہان تک مین نے دیکھا ہو اُڑنے والی مچھلی اپنی رفتار کا رُخ نہین بدل سکتی لیکن اسمین دیکھنے والون کا اختلاف ہو۔ ڈاکٹر سیدمیس نے ڈاکٹر کنتھر کا بیان جو شائع کیا ہو وہ یہ ہو کہ اُڑنے والی مچھلیان زیادہ تر اسوقت دیکھی جاتی ہین جب سمندر مین طوفان ہوتا ہو۔ جسوقت اُن کے دشمن اُن کا پیچھا کرتے ہین یا جہاز سے وہ خوف زدہ ہوجاتی ہین تو پانی سے اُچک جاتی ہین اور کبھی بغیر کسی سبب کے بھی اُڑتی ہین۔ اور اُڑنے مین ہوا اور موج کے رُخ کا لحاظ نہین ہوتا۔ وہ اپنے پرون کو کھلا ہوا رکھتی ہین اور ان مین کوئی حرکت نہین ہوتی۔ مگر بعض مرتبہ ان مین ہوا سے حرکت ہوتے دیکھی گئی ہو۔

اسوقت اُن کے پَر ہوا کے متوازی ہوتے ہین۔ اُن کی رفتار اُڑنے مین اُس جہاز سے تیز ہوتی ہو جسکی چال ایک گھنٹے مین دس میل ہو۔ پانسو فٹ تک اُن کی تیز پروازی قائم رہتی ہو۔ پھر رفتہ رفتہ اُس مین کمی واقع ہوتی ہو لیکن اگر پرواز ہوا کے رُخ سے خلاف ہو تو تیزی زیادہ دور تک علی حالہا رہتی ہو۔

مچھلی کی رفتار خطِ مستقیم سے اپنی خواہش سے نہین بلکہ ہوا کے رُخ سے بدل جاتی ہو۔ یہ جس وقت اُڑتی ہو اپنے خطِ مستقیم کو قائم رکھتی ہو چاہے وہ ہوا کے رُخ ہو یا اُسکے خلاف ہو لیکن کسی قدر ایک طرف جھک جاتی ہو جب ہوا کا رُخ اُڑنے کے رُخ سے ایک گوشہ مین واقع ہوتا ہو۔ بہرحال یہ ہوتا ہو کہ اُڑنے کے وقت مچھلی اپنی دم کو موج مین چھپائے رہتی ہو۔ اسوقت وہ دہنی یا بائین جانب پھر سکتی ہو۔ اور اسوقت بھی مچھلی ٹھیک خطِ مستقیم پر اُڑتی ہو جب ہوا نہین ہوتی۔ تُند ہوا مین جسوقت مچھلی موج کے رُخ کے خلاف اُڑتی ہو تو اُس کی چال لہریا ہو جاتی ہو۔ ایسی حالت مین مچھلی ہر موج کے ساتھ اُٹھتی ہو اور تیز ہوا اُسکو بہا لیجاتی ہو۔

اُڑنے والی مچھلی اکثر جہاز مین آجاتی ہو۔ ایسا واقعہ اُسوقت ہوتا ہو جب ہوا تند نہین ہوتی۔ دن کو جہاز کی صورت دیکھ کر بھاگتی ہو بہت دُور چلی جاتی ہو مگر رات کو جب وہ دیکھ نہین سکتی اکثر ہوا کے خلاف رُخ اُڑتی ہو۔ اور وہان ہوا کے زور سے رُک جاتی ہو۔

ایک اور جگہ مورخ تحریر کرتا ہو کہ جب ہوا تیز نہین ہوتی تو اُڑنے والی مچھلی تین سو گز تک تیر جاتی ہو۔ اُڑنے مین تیرنے کی نسبت دو چند مسافت طے ہوتی ہو۔ جب یہ مچھلی ہوا مین ہوتی ہو اُسی وقت اپنے دہنے گوشہ کی طرف پھر جاتی ہو یا ایک سرے سے پلٹ کر اُس رُخ ہو جاتی ہو جدھر سے چلی تھی۔

مین نے مچھلیون کو اُڑتے وقت دوربین سے بغور دیکھا ہو۔ اُن کے پرون مین نہایت سُبک مگر تیز حرکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہوا مین قائم رہتی ہین تُند ہوا مین اُڑنے والی مچھلی بہت بلند ہو جاتی ہو اور وہ جلد جلد اُڑتی ہو

شاد عفی عنہ

الاخلاق

تمہید

مشرق کے علوم وفنون، صنائع وتجارت، معاشرت وسیاست مختصراً یہ کہ تمام مظاہرِ زندگی اصلاح طلب ہین۔ اس لیے یہ صحیح ہو کہ مشرق کو کسی اصلاح سے استغنا نہین لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار صداقت ہو کہ قوم مین مذہبی سیاسی اجتماعی وغیرہ گونہ گون اصلاحات کا آغاز اُس وقت تک کامیاب نہین ہوتا جب تک کہ اسکے افراد مین ایک ایسا گروہ نہ موجود ہو جس مین طولِ افکار، حسنِ تمیز، اصابتِ رائے اور جراءتِ اخلاقی ہو۔

یہ گروہ عموماً نوجوانون مین سے پیدا ہوتا ہو کیونکہ اُن مین بڑھاپے کی عافیت اندیشیون کے بدلے جوانی کی ولولہ خیزیان ہوتی ہین جو اُن کو جرئت، پستی، بلندی اور حق گوئی کی طرف بڑھاتی ہین۔ اس لیے ایک مصلح کا فرضِ اولین نوجوانانِ قوم کی اخلاقی اور دماغی پرداخت ہو۔

تعریف

جس طرح کہ سنگِ چقماق مین آگ پوشیدہ ہو اسی طرح انسان مین گوناگون صدہا قوی پوشیدہ ہین۔ ان قوی سے جب ابتداً کام لیا جاتا ہو تو کسی قدر تعمد وتکلف کی ضرورت ہوتی ہو لیکن جب عرصہ تک برابر سلسلۂ استعمال جاری رہتا ہو تو پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہو کہ ان کے استعمال کے لیے قصد وارادہ کی ضرورت نہین رہتی بلکہ حسبِ موقع وہ ازخود کارفرما ہونے لگتے ہین اور اگر بہت زیادہ عرصہ تک اُن کا استعمال جاری رہتا ہو تو وہ اسطرح جزوِ زندگی بنجاتے ہین کہ اُن سے علٰحدگی کے لئے نہ صرف ارادہ کی ضرورت ہوتی ہو بلکہ تکلیف ہوتی ہو جب انسان کسی قوت

سے استعمال کا اس درجہ تک خوگر ہوجاتا ہے تو یہ خوگری عادت یا خلق کہلاتی ہے۔

اخلاق کی شکل پذیری

تم نے بارہا دیکھا ہوگا ایک آہنی تار بالکل سیدھا تھا، مگر جب کسی شکل پر لپیٹا گیا تو اسکی بھی وہی شکل ہوگئی اور اگر زیادہ عرصہ تک لپٹا رہا تو وہ شکل تار میں اُس درجہ راسخ ہوگئی کہ اس کا سیدھا کرنا دشوار ہوگیا۔ تو یہی اخلاق کی بھی بعینہ یہی حالت ہے۔ وہ ابتداءً بے شکل ہوتے ہیں لیکن جب عرصہ تک ایک مخصوص اسلوب پر استعمال کیئے جاتے ہیں تو وہ ایک خاص شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اقسام اخلاق

گو ہماری زبان میں اخلاق کا استعمال اکثر اخلاق حسنہ یا اخلاق حسنہ کی ایک خاص صنف یعنی خاطر مدارات کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ خوش اخلاق اُس شخص کو کہتے ہیں جو ملاقات میں اخلاص و التفات کو کام فرماتا ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ اخلاق کا دائرہ معانی اس قدر تنگ نہیں۔ اخلاق مجموعۂ عادات کا نام ہے اگر عادات اچھے ہیں تو وہ شخص خوش اخلاق ہے اور اگر بُرے ہیں تو بداخلاق ہے۔

میں اسوقت اخلاق کی بحث یا اخلاق حمیدہ و ذمیمہ سے گذر کے دو اور تقسیمیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اخلاق طبیعی۔ یہ وہ اخلاق ہیں جو انسان اپنے ساتھ لیکے پیدا ہوتا ہے۔ اِن کا استیصال ناممکن مگر تقویت و تضعیف ممکن ہے تم نے دیکھا ہوگا بعض لوگوں میں ان کی صحبت کے عام اخلاق کے خلاف بعض عادتیں پائی جاتی ہیں، یہ وہی عادات ہیں جن کو ہم فطری کہتے ہیں۔

(۲) اخلاق کسبی۔ یہ وہ اخلاق ہیں جو انسان صحبت سے سیکھتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اُس میں قریباً اسقدر جاگزین ہوجاتے ہیں، جتنے کہ اخلاق طبیعی راسخ ہوتے ہیں۔

یہ تقسیم ہنٹ کی تھی، پروفیسر ڈیوی امریکی نے اخلاق کی حسب ذیل تقسیم کی ہے۔۔

(۱) وہ اخلاق جن کا تعلق۔

۱۔ ادراک سے ہے۔

۲۔ جذبات سے ہے۔

۳۔ ارادہ سے ہے

اخلاق متعلق بادراک وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعہ سے کذب و صدق وہم و شک ظن و یقین وغیرہ میں تمیز ہوتی ہے۔

اخلاق متعلق بہ جذبات وہ اخلاق ہیں جن کا تعلق جذبات سے ہے جیسے حسن و دوستی، الم، ناپسندی وغیرہ۔

اخلاق متعلق بارادہ وہ اخلاق ہیں جن کا تعلق ارادہ سے ہے جیسے صبر، استقلال، حلم وغیرہ۔

سرچشمہائے اخلاق

انسان میں اخلاق کے تین سرچشمے ہیں

(۱) وراثت

(۲) مؤثرات

(۳) ارادہ

وراثت۔ عموماً بچہ جس شخص سے جس قدر قریب ہوتا ہے اُسی قدر اس سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے، مثلاً بچہ سب سے زیادہ والدین سے قریب ہوتا ہے، اس لیے وہ نسبتاً سب سے زیادہ والدین سے مشابہ ہوتا ہے۔ والدین کے بعد والدین کے والدین سے قریب ہوتا ہے اس لیے تیسری یا چوتھی پشت کے لوگوں کی بہ نسبت اُن سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے و ھلم جرا۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثر اوقات اس کے خلاف شہادتیں آتی ہیں۔

مؤثرات خارجیہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔۔

(۱) فضا، مادی جیسے آب و ہوا چنانچہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ معتدل

ممالک کے لوگ عموماً راحت طلب، عیش پسند اور کاہل ہوتے ہین لیکن غیر معتدل ممالک کے لوگ چاق و چوبند چست چالاک محنتی اور جفاکش ہوتے ہین۔ غیر معتدل ممالک مین گرم ممالک کے باشندے سریع الانفعال ہوتے ہین، وہ جسقدر جلد خوش ہوتے ہین اُسی قدر جلد ناراض ہوتے ہین سرد ممالک کے باشندے بطی الانفعال ہوتے ہین کہ سبب متاثر ہو جاتے ہین تو وہ تاثر پھر جلد زائل نہین ہوتا۔ وغیرہ

۳۔ فضاء اخلاقی؛ اسباب، اصدقاء معلمین و بیان لفظ صحبت یا سوسائٹی۔

اسپنسر کہتا ہے کہ انسان اپنے والدین سے زیادہ اپنے ہم نشینون سے مشابہ ہوتا ہے صحبت کے اثر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، ایک پیشے کے لوگون مین بہت سے اخلاق مشترک ہوتے ہین، بلکہ یہان تک دیکھا گیا ہے کہ اگر دو نہایت ہی قریبی رشتہ دار دو مختلف پیشے کرتے ہون تو اُن دونون کے اخلاق باہم دیگر اس سے کم مشابہ ہوتے ہین جتنے کہ دونون کے اخلاق اپنے اپنے ہم پیشہ لوگون سے مشابہ ہوتے ہین۔" ایک فرانسیسی مثل ہے کہ تم اپنے ہم نشینون کو مجھے بتا دو مین تمھین یہ بتا دون گا کہ تم کیسے ہو،

ارادہ اخلاق کے دو سبب یعنی اسلاف اور صحبت (سوسائٹی) کا انتخاب انسانی قدرت سے باہر ہے، لیکن تیسرا سبب یعنی ارادہ اسکی قدرت مین ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ وراثت اور صحبت کا اثر نہایت سخت راسخ ہوتا ہے مگر تاہم جو سکے انسان کا ارادہ اگر قوی ہے تو اس اثر کو زائل کرسکتا ہے۔

اگر ہم عبرت آموز نظر سے اشخاص کی زندگی کا مطالعہ کرین گے تو ہم کو بہت سے لوگ ملین گے جن مین اُن کے بزرگان خاندان اور اُن کی صحبت کے خلاف اخلاق موجود ہونگے۔ یہ بالکل بدیہی ہے کہ ان اخلاق کا سرچشمہ نہ وراثت ہوگی اور نہ صحبت بلکہ جو چیز رہجاتی ہے وہ طبیعت کا میلان اور ارادے کی مساعدت ہے پس یہی دو چیزین انکا سرچشمہ ہونگی اسی بنا پر علماء اخلاق کا یہ خیال ہے کہ انسان کا مستقبل وراثت اور صحبت سے زیادہ اُسکے ارادے پر موقوف ہے۔ اس نظریہ کی تردید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ دنیا مین جتنے ارباب اخلاق پیدا ہوے ہین وہ ایسی قومون مین سے پیدا ہوئے ہین جن کی اخلاقی حالت نہایت بدتر تھی اور قطعاً ان مین سے اتنے بڑے ارباب اخلاق کے پیدا ہونے کی امید نہین کی جاسکتی تھی۔

ارادے کے مدارج مختلف ہین۔ بعض اشخاص کا ارادہ فطرتاً نہایت قوی ہوتا ہے، اور بعض کا کمزور، اور بعض کا متوسط درجہ کا۔

جس طرح جسم ورزش اور نگہداشت سے بڑھتا ہے، بعینہ یہی حالت ارادے کی بھی ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو ایک کمزور ارادہ قوی اور ایک قوی ارادہ قوی تر ہوسکتا ہے۔ بچپن مین تمام قوی انسانی کا آغاز ظہور ہوتا ہے اس وقت وہ ہر طرح کی تربیت قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہین اس لیے ارادے کی تربیت اور تقویت کا بہترین زمانہ طفولیت کا زمانہ ہے۔ اسی لیے مغرب مین بچون کو تیسرے یا چوتھے ہی برس سے استواری عزم و پختگی ارادہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔

اخلاق کی آراستگی

اخلاق کی ماہیت اور اسباب کے معلوم ہونے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُن کی آراستگی یا تہذیب کا کامیاب ترین ذریعہ کیا ہے؟

قدرت نے انسان مین مختلف قوی ودیعت کیے ہین، جن کی نشوونما کے لیے غذا اور ورزش کی ضرورت ہے۔ مگر جس طرح کہ اُن قوی کے جوہر مختلف ہین اسی طرح اُن کی غذا اور ورزش مختلف ہے جسمانی قوی کی غذا اور ورزش ماکولات و مشروبات اور العاب ریاضیہ (جمناسٹک) ہین، مگر اخلاقی قوی کے لیے یہ چیزین بیکار ہین، ان کی غذا افکار عالیہ اور ان کی ورزش زمانہ کی کشمکش ہے جس طرح کہ ہر شخص کے جسم کے لیے ایک ہی قسم کی غذا اور ایک ہی نوعیت اور ایک ہی حد تک کی ورزش مفید نہین، اسیطرح ہر شخص کے لیے ایک ہی نوعیت کے افکار عالیہ اور ایک ہی نوعیت و شدت کی کشمکش زمانہ مفید نہین اس لیے آراستگی اخلاق کے شایق کیلیے دو امر نہایت ضروری ہین۔

۱۔ اخلاقی غذا کے لیے ایسے افکار کا انتخاب، جو اُس کی طبیعت کے

کے مناسب ہوں۔
۲۔ زندگی کی اُن کشمکشوں سے اجتناب جو اُس کی طبیعت کے غیر مناسب ہوں۔

شرائط کامیابی

جس طرح انسان کی جسمانی ترقی کیلیئے اسلاف کی صحت آب و ہوا کی عمدگی قویٰ کے استعمال و تعطیل میں اعتدال حزن و مسرت میں توازن وغیرہ شرائط ہیں اسی طرح اخلاقی ترقی کے لیے بھی چند شرائط ہیں۔

اولین شرط والدین کے جسم و عقل کی تندرستی ہے۔ مگر افسوس کہ جسقدر یہ شرط مقدم ہے اُسی قدر اس کی طرف سے غفلت کی جاتی ہے۔ مائیں جو بچوں کے پالنے میں رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھتیں اور باپ جو اولاد کی تعلیم و تربیت میں کسی چیز سے بھی دریغ نہیں کرتے عموماً اس نہایت اہم شرط سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ وہ اپنی صحت لذائذ زندگی یا غفلت کی بدولت تباہ کر دیتے اور اُس کا خمیازہ نہ صرف وہ خود کھینچتے ہیں بلکہ اُن کے بعد آنے والی نسلیں پشتہا پشت تک کھینچتی رہتی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہزارہا بچوں کی جسمانی دماغی اور اخلاقی کمزوری کے ذمہ دار اُن کے والدین کی کمزوری ہے۔

دوسری شرط حسن تربیت ہے بیشک یہ صحیح ہے کہ جوانی یا بڑھاپے میں اصلاح اخلاق محال نہیں لیکن قریب محال ضرور ہے کیونکہ انسان جسوقت پیدا ہوتا ہے اُسوقت وہ ایک لوح سادہ ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کے نقش قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک نقش کھینچ جاتا ہے تو اُس کا مٹنا اکثر دشوار طلب اور کبھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو قوم چاہتی ہے کہ اُس کی آئندہ نسلوں کی اخلاقی حالت عمدہ ہو اُس کو چاہیئے کہ اس سادہ لوح پر شروع ہی سے عمدہ نقش کھینچے۔ اس کے لیے اس کو حسب ذیل امور ملحوظ رکھنا چاہئیں:۔

۱۔ ایسی فضا کا انتخاب جو اخلاق رذیلہ کی سمیت سے محفوظ ہو۔
۲۔ اخلاقی قویٰ کا صحیح اندازہ تاکہ جو حصہ کمزور ہو اُس کو خاص طور پر قوی کیا جائے۔
۳۔ مرکز نظر کے لیے کوئی بلند شئے پیش کرنا۔
۴۔ افکار عالیہ کی تلقین۔
۵۔ روزانہ زندگی میں اصول اخلاق کا نفاذ۔

حسب ذیل قوی کو خاص طور پر اُبھارنا چاہیئے:۔
۱۔ حقیقت پرستی۔
۲۔ جرأت اخلاقی۔
۳۔ استواری عزم۔

ابتدائی تربیت اور مشرق

مشرق میں بچوں کی اخلاقی تربیت کا بہترین آلہ "قمچی" یا "تسمہ" سمجھا جاتا ہے یہ نہایت سخت غلطی ہے۔ مارنے سے بجز اسکے کہ بچے کے دل میں معلم کی ہیبت اور اس عادت سے نفرت پیدا ہو اور کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

بچے کی اخلاقی تربیت کا صحیح ترین اصول یہ ہے کہ جس عادت سے باز رکھنا منظور ہو پہلے اُسکے فوائد اور نقصانات اُسکو سمجھائے جائیں، اور اُس کے بعد اسکے چال چلن کی نگرانی رکھی جائے۔ فراموشی کے وقت اُسکو یاد دہانی کی جائے، یاد دہانی کے ساتھ بچے کو اُس کے فوائد و مضار کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس طرح بچہ بہت جلد خود بخود تعمیل حکم کرنے لگے گا۔

بچے کی پہلی اخلاقی درسگاہ گھر ہے اور اس کے بعد مدرسہ کا نمبر ہے گو گھر میں صرف زمین تیار ہوتی ہے تخم پاشی در حقیقت مدرسہ میں آکے ہوتی ہے۔ اس لیے جسطرح زمین کے تیار کرنے میں سخت توجہ کی ضرورت ہے اسی طرح تخم پاشی اور اُس کی آبیاری کے لیے بھی اعتنا شدید کی حاجت ہے۔ نصاب میں اخلاقی کتابوں کا داخل کرنا یا دارالطلبہ وغیرہ میں اخلاقی تقریروں کا ہونا اُسوقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود مدرس کی شخصیت با اخلاق نہ ہو۔ کتاب کے نقوش اور تقریروں کے ہوائی توجہات معلم ہیں۔ مگر مردہ، لیکن مدرس زندہ معلم ہے اور یہ ظاہر ہے کہ

کہ انسان پر جو ایک زندہ معلم کا اثر ہو سکتا ہے وہ ایک مردہ معلم کا نہیں ہو سکتا۔ پس اگر مدرس کی کتاب زندگی میں اخلاقی سبق نہیں تو محض نصاب کی کتابوں یا دار الخطابہ میں بلاغت کا تقریر دن سے اخلاقی تربیت کی امید غلط امید ہے۔

دیگر امور کی طرح یہ نکتہ بھی مغرب کے پیش نظر اور مشرق کے پس پشت ہے۔ مغرب میں بچوں کے لیے مصنف معلم اور مربی زبردست شخصیت و علمیت کے لوگ ہوتے ہیں مگر مشرق میں اس کے بالکل برعکس ہے۔ موخر الذکر میں بچوں کی تعلیم و تربیت کم درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے۔ اس کو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دیگر ذرائع سے معاش پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مشرق کے فرزند اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی مغرب کے فرزندوں سے اخلاق میں پیچھے رہتے ہیں۔

ابو الکلام آزاد

مذہب و سائنس

مذہب کی بنیاد

مذہب کا خیال بہت قدیم اور عالمگیر ہے۔ اسٹائیلے ورڈ ن ٹیلر بھی جو ازمنۂ قدیم کے مذہب و اعتقادات کے مستند محقق ہیں اس کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کی تحقیقات کرتے ہوئے کہ دنیا میں ایسی ادنیٰ قومیں بھی موجود ہوں گی جو مذہب سے ناآشنا ہوں محقق موصوف تحریر فرماتے ہیں:—

..... یہ امر ان اقوام کی حالت سے بہت کچھ مشابہ ہے جن کے لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی کوئی زبان ہی نہیں یا ان کو آگ کے استعمال سے نا واقف سمجھا جاتا ہے، اگرچہ ایسا ہونا ممکنات سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی اقوام دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی کہ زمانہ قدیم میں چند ادنیٰ درجہ کی لامذہب اقوام موجود تھیں، اگرچہ قیاساً ممکن ہے اور شاید واقع میں صحیح ہو لیکن اس بارے میں کافی ثبوت نہیں ملتے یعنی وہ ثبوت جو اس قسم کی عجیب روایات پر یقین کرنے کے لیے ہم طلب کرنے کے مستحق ہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب میں جو اعتقادی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس کے متعلق ٹیلر صاحب فرماتے ہیں:—

ایسا مذہب ایک بھی نہیں ہے جو اپنے اعتقادات کے لحاظ سے دیگر مذاہب سے بالکل مختلف ہو۔ چنانچہ مسیحیت کے موجودہ اصول و خیالات ان ذہنی و عقلی نشانات سے وابستہ ہیں جن کا سلسلہ مسیحیت سے بہت پہلے انسانی تہذیب و شائستگی کی بنیاد تک بلکہ ابتدائے انسانی ہستی کے آغاز تک چلا جاتا ہے۔

مسٹر ہربرٹ اسپنسر تحریر فرماتے ہیں:—

مذہب کے بارے میں ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ باوجود اپنی بہت سی غلطیوں اور خرابیوں کے اس نے ایک برتر سچائی کا اظہار اور اس کی اشاعت کی ہے۔ اس اعلیٰ سچائی کو پہچاننا گو نامکمل اور ناقص طور پر ہی سہی ابتدائے عالم ہی سے مذہب کا ایک ضروری مقصد رہا ہے۔ اور مذہب نے اپنے مختلف نقائص کی وجہ سے جو بہت زیادہ تھے لیکن رفتہ رفتہ کم ہوتے رہے ہیں اس برتر سچائی کا مکمل و صحیح اندازہ کرنے میں بے حد زکیں اٹھائی ہیں حتیٰ کہ مذہب مشکل سے اس کے ایک حصہ کو پہچان سکا ہے لیکن ہمیشہ مذہب کا حقیقی مذہبی عنصر رہا ہے اور غیر مذہبی عنصر وہ ہے جو بلحاظ عقائد نا پائدار اور بلحاظ افعال و اعمال پر عیب ثابت ہوا ہے۔ اور مذہب نے ہمیشہ اس عنصر سے پاک رہنے کی کوشش کی ہے۔

دنیا کے نظام کو حل کرنے میں مذہب نے کس قدر کامیابی حاصل کی ہے؟ وہ بیج کہاں ہے جو اس عالمگیر اور ترقی پذیر درخت کے پھلنے، پھولنے اور بڑھنے کا

باعث ہوا ہی؟ اُس "برتر سچائی" کا مسکن کہان ہی جس کی طرف اسپنسر نے اشارہ کیا ہی؟ اور مذاہب کے اعتقادات کی وہ "ہم آہنگی" کہان نظر آسکتی ہی جس کو ٹیلر نے بیان کیا ہی؟

ان سوالات کا جواب دینے سے قبل اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا مذہب سے کوئی خاص مذہب مراد ہی؟ نہین! بلکہ مذہب سے وہی مذہب مراد ہی جس کا اطلاق اُس لفظ "مذہب" پر ہی جو ساری دنیا مین مشترک ہی یعنی وہ فطرت جو بنی نوع انسان کو مشترکہ طور پر قدرت کیطرف سے بخشی گئی ہی۔

یہ ناممکن ہی کہ مذہب کی نسبت ساری دنیا کا خیال یکسان ہو۔ اسلاف نے اس بحث پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہی۔ کسی نے مذہب سے نفرت ظاہر کی، اور کسی نے اس کو صداقت و راستی پر مبنی قرار دیا۔ کسی نے مذہب کے خیال کو اچھا کہا، اور کسی نے بُرا۔ ہماری یہ آرزو بھی نہین بر آسکتی کہ ہم دنیا کے تمام مذاہب کے درمیان کوئی خاص تعلق یا ہم آہنگی پا سکین۔ ممکن ہی کہ کوئی فرقہ یا گروہ جو مذہب کا پابند ہونے کا دعویٰ کرتا ہی حقیقت مین اُسکے اصول بے دینی پر مبنی ہون!

خاص مذاہب یا خاص فرقون کو جانے دیجئے۔ ہمین مذہب کے "معانی" اُن عام اصولون مین تلاش کرنا چاہیئے جن کے آگے دنیا والون کی ایک بڑی تعداد نے مختلف زمانون مین سر تسلیم خم کیا ہی۔ یا اُن "معانی" کو خیالِ مذہب کے مستقل مظاہر اور اُن اعتقادات مین ڈھونڈھنا چاہیئے جو کرۂ زمین کے نہایت قدیم باشندگان مین کسی تعلیم و ہدایت کے بغیر یعنی خود بخود پیدا ہوئے، اور ابتک زمانۂ موجودہ کے مہذب و شائستہ گروہون مین زیادہ پختہ اور مکمل صورت مین پائے جاتے ہین۔ اور سب کے آخر مین ہمین اِن موجودہ بڑے بڑے مذاہب کے متفقہ و مشترکہ عقائد مین دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ موجودہ مذاہب مین قدرتی طور پر صرف وہی مذہبی عقائد موجود ہون گے جو دیگر اعتقادات کے مقابلہ مین موجود رہنے کے زیادہ قابل ثابت ہوئے ہین۔

(۱) معاد اور سزا و جزائے روح

حکیم سقراط کا قول ہی کہ "مجھے کامل یقین ہی کہ مرنے کے بعد انسان پر ضرور کوئی نہ کوئی حالت گذرتی ہی، اور یہ حالت بمقابلہ بدون کی حالت کے نیک لوگون کے لئے بدرجہا بہتر ہوگی۔"

مرنے کے بعد سزا و جزا کا خیال بہت قدیم خیال ہی۔ انسان اپنے اعمال کی سزا و جزا یا موت کے بعد کسی خوفناک شئے سے بیحد مؤثر ہوا ہی۔ وہ اس سے بچنے کی ہمیشہ ایسی ہی کوشش کرتا رہا ہی جیسی کہ خونخوار جنگلی حیوانات طوفان یا آگ سے محفوظ رہنے کے لئے کرتے ہین۔ اِس "کامل یقین" کی وجہ موجہ کیا ہی؟ علم ہمیشہ محسوسات و مشاہدات سے پیدا ہوتا اور جاری رہتا ہی۔ دنیا کے قدیم باشندون نے بھی مشاہدات ہی کے ذریعے سے علم حاصل کیا۔ مشاہدات ہی کے ذریعہ سے اُنھون نے یہ دریافت کیا کہ پانی سے پیاس بجھتی ہی، فلان فلان حالتون مین شکار ملتا ہی، غار پناہ دیتا ہی، دو چیزون کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہی، آفتاب روشنی اور گرمی کا سرچشمہ ہی، بعض پودے زہر آلود ہین، جاڑے کی شدت پژمردہ کر دیتی ہی، بجلی ہلاک کرتی ہی!

شیرخوار بچہ بھی جب اپنا پہلا سبق سیکھتا ہی تو وہ محسوسات کا ہوتا ہی۔ وہ سمجھتا ہی کہ ماں "خوراک، حفاظت، اور مہربانی کا منبع ہی۔" تھوڑے دن بعد اُسے معلوم ہوتا ہی کہ کوشش کرنے سے وہ چل پھر سکتا ہی۔ پھر یہ معلوم ہوتا ہی کہ بعض اشیا ضرر رسان اور بعض فائدہ مند ہین، بعض تلخ اور بعض شیرین، یہ گرم اور وہ سرد، بعض ہلکی اور بعض وزنی۔ پھر یہ دریافت ہوتا ہی کہ بعض کامون کا نتیجہ اچھا ہی، اور دوبارہ اُن کے کرنے مین کوئی ہرج نہین، فلان کام نقصان دہ ہی، اس لیے اُس سے پرہیز لازم ہی۔ فائدہ بخش کامون کو وہ اچھا سمجھتا ہی، اور نقصان رسان کامون کو بُرا۔ زبان سے پہلا لفظ نکالنے سے پہلے اس کو یقین ہو جاتا ہی کہ فلان اسباب سے فلان نتائج پیدا ہوتے

ہیں؛ یعنی نتائج ہمیشہ اسباب کے مطابق ہوتے ہیں!

یقیناً سب سے پہلا مذہبی خیال سزا و جزا کا خیال تھا جو انسان کے دل میں پیدا ہوا، اور کچھ شک نہیں کہ اس خیال کی بنیاد سلسلۂ علل و نتائج پر رکھی گئی تھی اور اب تک اسی پر قائم ہے۔ یہ ایک ایسا مناسب اصول ہے جو ہر کہ و مہ پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ دنیا کے قدیم باشندوں نے سب سے پہلے یہی معلوم کیا کہ فلاں کام کا نتیجہ اچھا ہے اور فلاں کام کا برا۔ اس علم اور یقین کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ انھوں نے علت و معلول میں ایک خاص تعلق دریافت کر لیا۔

علت و معلول یعنی سزا و جزا کا خیال یا احساس انسان کی سرشت میں داخل ہے جب اس نے اپنے ان تعلقات کو معلوم کر لیا جو بیرونی دنیا اور سلسلۂ قدرت سے ہیں؛ اور ان تعلقات کی بنا پر اس نے ایک "برتر ہستی" کا اعتراف کیا، تو یہ فطرتی احساس خود بخود پیدا ہو گیا۔ قدرت کے انسانی تعلقات دو ضروری احکام کے پابند ہیں اور اس نے زبان حال سے قدیم انسان کو یہی پکار کر کہا کہ "یہ کر" اور "وہ نہ کر"۔ بالاتر قوتوں کی موجودگی میں، جن میں سے بعض خوفناک اور بعض مہربان ہیں انسان کو اس کی تابعداری کے مادہ نے اس بات کو یقین کرنے پر مجبور کیا کہ اس پر ایک صاحب اختیار طاقت حکمران ہے، جو زبردست ہے؛ وہ گناہوں کی سزا اور نیکیوں کا اجر دیتی ہے؛ نیک و بد افعال کا ثمرہ بخشتی ہے۔ جیسے جیسے اسکے فہم و ادراک میں ترقی ہوتی گئی اس کی ذمے داری کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا گیا؛ حتی کہ اس کا خیال اس دنیوی زندگی سے گذر کر حیات بعد الممات کی طرف رجوع ہونے لگا۔ یہ امر اس کے دلنشین ہو گیا کہ وہ آئندہ زندگی بہ نسبت برے آدمیوں کے اچھوں کے لیے بہتر ہوگی۔

برہمن کا خیال ہے کہ "انسان کے افعال محض فوری فائدہ کے خیال سے نہیں ہوتے، بلکہ جو فرائض اس کے ذمے عاید کیے گئے ہیں ان کی غایت بہت ارفع و اعلی ہے اور کوئی "برتر ہستی" ان کی مقرر کرنے والی ہے"، اس نظریہ کو قدیم ادنی اقوام نے بہت کم سمجھا، لیکن زمانۂ مابعد کے مذاہب نے رفتہ رفتہ اس کو مکمل طور پر تسلیم کیا۔ دنیا میں اب کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے پیرؤں کو کسی نہ کسی بالاتر قوت یا قوتوں کی کامل اطاعت و ذمہ داری کی تاکید و تلقین نہ کرتا ہو۔

جملہ مذاہب کا سنگ بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان کے اعمال و افعال میزان عدل میں تولے جائیں گے۔ اس عقیدہ کا اثر نہ صرف موجودہ زندگی میں محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ آئندہ زندگی میں بھی جاری رہتا ہے۔ یہی عقیدہ پرستش و رضا جوئی کا باعث ہے اور یہی تمام مذہبی مسائل سزا و جزا، آخرت، نجات، ابدی عذاب، اور بہشت و دوزخ کی بنیاد ہے۔

(۲) بقائے روح کا اعتقاد

مسٹر اڈورڈ ٹیلر فرماتے ہیں کہ "مذہب کی ادنی تعریف روحانی ہستیوں کا اعتقاد ہے، جو ان تمام ادنی اقوام میں بھی پایا جاتا ہے جن سے ہم نے گہرے تعلقات پیدا کیے ہیں"۔ اگر روحانی ہستیوں کے اس اعتقاد کو کمال تک پہنچایا جائے اور اس کے معانی کو زیادہ وسعت دی جائے تو ٹیلر صاحب کے قول کے مطابق اس کی تشریح "روحانیات کو ماننا اور حیات بعد الممات کا اعتقاد" رکھنا ہوگی۔

بقول مسٹر ٹیلر فلسفۂ مذہب کا سنگ بنیاد یہی اعتقاد ہے، جس پر وحشی سے لیکر ترقی یافتہ انسان تک سب یقین رکھتے ہیں؛ اور یہی اعتقاد ایک قدیم و عالمگیر فلاسفی قرار دیا گیا ہے۔

گرانٹ الین کے خیال کے مطابق ایک یا متعدد معبودوں پر یقین رکھنے بلکہ نذر و نیاز کے ذریعہ سے جیسے ارواح اور دیوتاؤں کی پرستش و رضا جوئی حاصل کرنے کی رسم سے بھی زیادہ اور ضروری ایک اور عنصر ہے، جو مذہب اپنے دیگر عناصر کے ساتھ اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ عنصر "حیات بعد الممات" کا خیال ہے۔ آئندہ زندگی کے یقین ہی پر مذہب کی بنیاد قائم ہے"۔

برٹن لکھتا ہے: "میں تحقیق کئی ایسے ادنیٰ اور بودے مذاہب کا
نام دے سکتا ہوں جن کا کوئی معبد یا قربان گاہ نہیں، جو مذہبی رسوم
اور عبادت سے محض معرا ہیں۔ لیکن کسی ایسے مذہب کا پتہ دینا میرے
امکان سے باہر ہے، جو روحانی قوتوں اور انسان کے باہمی میل جول
و بات چیت پر اعتقاد رکھنے کی تعلیم نہ دیتا ہو"

ن الویلا لکھتا ہے: "گزشتہ بیس سال کی دریافتوں نے جو بالخصوص
س بلجیم کے غاروں میں کی گئی ہیں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ نہایت
قدیم زمانہ کے انسان بھی جنازہ کی رسم ادا کرتے تھے، "آئندہ زندگی"
کے قائل تھے، اور دیویوں اور بتوں کی پرستش بھی کرتے تھے"

ٹائلر لکھتا ہے: "بہت سی ایسی وحشی اقوام موجود ہیں جو مطلق خدا
کی ہستی سے بےخبر ہیں، لیکن کوئی قوم ایسی نہیں جو خبیثہ ارواح کی
قائل نہ ہو"

ہربرٹ اسپنسر کے قول کے مطابق "فنائے جسم کے بعد بقائے روح کا
نوع اپنے ان لا انتہا اور پیچیدہ قیاسات کے جو اس سے پیدا ہوتے
..... دنیا کے تمام حصوں میں ..... اور ہر جگہ برابر پایا جاتا ہے، خیال
اقوام میں بھی جو صورت و شکل میں ایک دوسرے سے متغائر ہیں اس قدر
نی کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ ماہرین فن کو مجبوراً یہ رائے قائم کرنا پڑی ہے
زمین کی بحر و بر کی موجودہ تقسیم سے بہت پہلے ہر چہار اطراف عالم میں پھیل
یہی حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہر نوع کے انسان میں موجود ہے اور ہم اس
کو غیر مہذب، نیم مہذب، اور مہذب غرض جملہ اقوام میں یکسان
پاتے ہیں"

کوئی مذہب بقائے روح کے اعتقاد سے معرا نہیں۔ البتہ قدیم عبرانیوں کا
یہ عقیدہ تھا کہ فنائے جسم کے بعد روح ایک ایسی مہمل زمینی حالت میں
رہتی ہے، جس کو کسی صورت میں "زندگی" کے نام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔
نہ خیال کے عبرانیوں نے قدیم یہودیوں کی مادیت یعنی انکار روح کی
تردید کر دی ہے۔ چھ سو برس سے زائد مدت تک یہودیوں کا ایک فرقہ
حشر روحی کا معتقد رہا ہے۔

ای لیان جین نے بھی کنفیوشس کی تعلیم کو غلط قرار دیکر ایک حد تک اسکو
رد کر دیا ہے، کیونکہ کنفیوشس کا عقیدہ روحانیت سے معرا و مبرا تھا، اور
چینی مذاہب سراسر روحانیت سے پر ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ
چینیوں کا ایسا واجب التعظیم فلاسفر کنفیوشس اور نہ عہد عتیق کے اور
مصنف ہی اپنے پیروں کو "آئندہ زندگی" پر یقین رکھنے سے مستقل طور پر باز
رکھ سکے۔

عالمگیر اور پائدار مذہب اسی کو کہا جا سکتا ہے جو انسان کی حیات بعد الممات
پر کوئی حد قائم نہ کرے۔ بعض ایسے معلم بھی گذرے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف
مستورات یا شاہل لوگ یا بزرگ و برتر اشخاص ہی اس طبیعی موت کے بعد
زندہ رہیں گے۔ اور بعض معلموں نے تو یہ فتویٰ بھی دیدیا ہے کہ حیات بعد الممات
کوئی چیز ہی نہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان تعلیمات نے کوئی خاص یا مستقل اثر
انسان کے دل پر نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام موجودہ مذاہب فنائے
جسم کے بعد بقائے روح کے قائل ہیں یعنی وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ انسان
کا سلسلہ حیات فنائے جسم کے ساتھ منقطع نہیں ہو جاتا بلکہ یہ سلسلہ آئندہ
بھی برابر جاری رہتا ہے۔

(۳) ایک صاحب اختیار اور اعلیٰ طاقت کا اعتقاد

جہانتک ہمارا علم رہبری کرتا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ہستی سے
بالاتر طاقتوں اور قوتوں کا اعتقاد ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر مذہب
و مشرب کا آدمی ان طاقتوں کا قائل ہے حتیٰ کہ دہریے اور ناستک بھی
ان طاقتوں کے مقر ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی ایسی اعلیٰ اور زبردست
طاقت موجود ہے، جسکو ہم نہیں جان سکتے۔

مشہور ہے کہ بودھ مذہب خدا کا قائل نہیں، اور اس بنیاد پر دعویٰ کیا
جاتا ہے کہ مذہب کے لئے خدا کا یقین لازمی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کسی اعلیٰ

وبرتر ہستی یا خدا کا قائل نہو۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہو کہ وہ کسی اعلیٰ منصف طاقت کو تسلیم نہین کرتا۔ بو وہ مذہب سے زیادہ کسی اور مذہب مین سزا و جزا کے ابدی اثرات تسلیم نہین کئے گئے جیسا کہ "کرم" کی تعلیم سے ظاہر ہو۔ قدیم انسانون کا خیال کسی صاحب اختیار ہستی کی نسبت بہت بھونڈا اور ناکمل تھا۔ وہ اس ہستی کو بصورت پہاڑ دریاؤن سورج، چاند، ستارون اور اپنے بزرگون مین پر تو فگن پاتے تھے بلکہ حیوانات مچھلیون اور رینگنے والے جانورون مین بھی اس کا ظہور پاتے تھے۔ بہ کیف خواہ وہ کسی صورت مین اس برتر ہستی کو تسلیم کرتے ہون مگر اسمین کلام نہین کہ وہ قوت ان کے لیے ایک منصف اور صاحب اختیار ہستی تھی جس کے آگے ان کا سر اطاعت خم ہوتا تھا۔

رفتہ رفتہ یعنی انسانی تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ اس عظیم الشان طاقت کے متعلق علم بھی وسیع ہوتا گیا۔ پرانے اور ادنیٰ خیالات کی جگہ نئے اور اعلیٰ خیالات پیدا ہونے لگے۔ توہم پرستی کی جگہ بت پرستی نے لے لی۔ پھر بت سے معبودون کی پرستش شروع ہوئی جو آخر کار ایک معبود کی عبادت مین تبدیل ہو گئی۔

قدیم انسان کے تنگ و محدود عقائد کے مقابلہ مین ترقی یافتہ قومون نے اُس سب سے بڑے حاکم اور منتظم حقیقی کی طرف نہایت اعلیٰ اور شاندار صفات منسوب کی ہین۔ قدیم آریہ اپنے بڑے دیوتا "ورن" مین؛ ہندو اپنے پرمیشور "برہما" مین؛ عبرانی اور مسیحی اپنے قادرِ مطلق "یہواہ" مین؛ اہلِ ڈنمارک اپنے مطلق باپ "اودن" مین؛ یونانی اپنے سب سے بڑے دیوتا "زیوس" مین؛ رومی اپنے خدائے عظیم "مشتری" مین؛ اور مسلمان اپنے وحدہٗ لاشریک "اللہ" مین شان الوہیت و معبودیت تسلیم کرتے ہین۔ اُس برتر و اعلیٰ ہستی کی قدرت و فضل کے اظہار کے لئے نہایت موزون و مناسب الفاظ اختیار کئے گئے، مثلاً پروردگارِ عالم، الٰہی، حی القیوم، قادرِ مطلق، حاضر و ناظر، زمین و آسمان کا مالک، حاکمون کا حاکم وغیرہ۔ یہ وہ الفاظ ہین جو بالعموم خدا کی طرف منسوب کیے جاتے ہین۔ بہرحال خدا سے مراد وہی خدا ہو، جو نیکون کو جزا اور بدون کو سزا دیتا ہو؛ جو ہمین ہمارے اعمال و افعال کا بدلہ دینے والا، اور ایک صاحب اختیار اور منصف حقیقی ہے۔

(باقی)

پایل اور گھایل (بفتح یای تحتانی)

ان دو لفظون کو شعرائے متقدمین و متاخرین دل اور قاتل وغیرہ کے قافیے مین ہمیشہ لاتے اور لاتے ہین۔ غالباً یہی وجہ ہو کہ صاحب نفائس اللغات نے پایل کو بکسر ہمزہ لکھا ہو اور گھایل کا کچھ پیرہ نہین بتایا۔ اسکی نسبت چاہے جو کچھ اُن کا خیال ہو۔ حضرت جلال لکھنوی نے اپنے لغت "سرمایۂ زبان اُردو" مین دونون کو بکسر ہمزہ تحتانی لکھا ہو۔ حقیقت یہ ہو کہ کسرے کی دُم اُن مین اس ہمزہ کی بدولت لگی جو تحتانی پر بڑھایا گیا ہو۔ اس دُم کا ڈنگ یہی ہمزہ ہو۔ نہ یہ ڈنگ زائد مانا بڑھاتے نہ انہین کسرے کی دُم پیدا ہوتی۔ واضح ہو کہ یل اُردو مین ایک کلمہ ہو جو کسی لفظ کے ساتھ مل کر کبھی فاعلیت اور کبھی مفعولیت اور کبھی نسبت اور کبھی صاحب کے معنی کا فائدہ دیتا ہو۔ بعض کلمات مین شامل ہونے سے اسکی تحتانی ساکن اور بعض مین مفتوح ہوتی ہو۔ یا یون سمجھئے کہ اسکے مرکبات مین جن کا جزو اول استعمال مین متحرک الآخر ہو اُن مین اس کی تحتانی ساکن؛ اور جن کا جزو اول ساکن الآخر ہو اُن مین مفتوح ہوتی ہو۔ سوا ان دو صورتون کے تیسری صورت اسکی نہین ہوتی جیسے ہٹیل، نکیل، بڑھیل، دبیل، وغیرہ مین ساکن اور رانڑیل، بٹیل، سٹریل، کرٹیل، مرل، جٹیل، وغیرہ مین مفتوح ہو۔ اسی قبیل سے پایل اور گھایل بھی ہین کہ اول پانون اور یل سے اور دوم گھاو اور یل سے



ماسٹر تلوک چند صاحب ''محروم''

New Press Lahore

لب ہے۔ پہلے جزون مین بسبب ثقالت و کثرتِ استعمال تخفیف ہوکر یہ صورت رہ گئی۔ اب کہیے، یہ دونون الفاظ پھر بکسرِ ہمزہ کیون مشہور ہو گئے اصل تو یہ ہے کہ بول چال روزمرہ مین بکسرِ ہمزہ مشہور ہی نہین بلکہ بفتح یا زبانون پر ہین۔ صرف قافیے مین شعرا کو پرانی تقلید مجبور کر دیتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ زبان اُردو جو پیدا ہوئی تو اُسکی نشو و نما انھین لوگون مین ہوئی جن کی زبان اصل فارسی و عربی تھی۔ انھین کے آغوش مین اس نوزائیدہ بچے نے پرورش پائی۔ اس لیے انھون نے اکثر الفاظ اس زبان کے جو صورت یا تلفظ وغیرہ مین فارسی و عربی الفاظ سے ملتے جلتے پائے اُنکی شکل بعینہ ویسی سمجھ لی۔ یہی سبب ہے کہ اکثر اردو الفاظ کے املا مین حروف مخصوصۂ تازی بھی پائے جاتے ہین۔ پس پیشترِ اُردو کے اگلے شعرا نے پایل اور گھایل کو قایل سایل حایل مایل وغیرہ سے ملتا جلتا دیکھ کر اُنکی تحتانی پر بھی مثل اُنکے ہمزہ لکھ دیا، اور جب ہمزہ لکھا تو از رو۔ے قاعدہ اُسکو مکسور کرنے کے لیے مجبور رہے، کیونکہ ہمزہ جب حروفِ علت مین سے کسی پر آتا ہے اور اُن حروف کا مابعد ساکن ہوتا ہے تو اُسکی حرکت انھین حروف کے موافق ہوتی ہے۔ مثلاً واو مابعد ساکن پر جب آئے گا تو واو کی مناسبت سے مضموم ہوگا جیسے طاؤس کاؤس وغیرہ۔ اور الف مابعد ساکن پر جب آئے گا تو الف کی مناسبت سے مفتوح ہوگا جیسے ہیأت جرأت وغیرہ۔ اور یای مابعد ساکن پر جب آئے گا تو یے کی مناسبت سے مکسور ہوگا جیسے سائل مائل طائر زائر وغیرہ۔ پس اسی آخری صورت نے متقدمین کو پایل اور گھایل کی یے پر ہمزہ لکھ دینے کی وجہ سے دھوکے مین ڈالا، اور اُنھون نے بلا تامل ہمزہ کو مکسور کرکے قافیے مین باندھ دیا۔ اصل مین ان اُردو الفاظ کا چہرہ بگاڑنے کا باعث ہمزہ ہے۔ نہ یہ بڑھتا اور نہ قدما کو اسکے مکسور کرنے کے لیے قاعدہ مجبور کرتا۔ چوک صرف یہی ہوئی کہ ہمزہ لکھ کر یہ الفاظ قائل سائل مائل وغیرہ کے ہمشکل بنائے گئے۔ جب یہ جڑ پڑ گئی تو متقدمین کی دیکھا دیکھی شعرائے مابعد (حضرت ناسخ و آتش وغیرہ) نے بھی انھین کا تتبع کیا۔ مگر یہ تتبع شعرا ہی کے حصے مین اور وہ بھی صرف قافیہ بندی تک محدود رہا، اس لیے کہ یہ ہمزہ دیکھ کر ان کو قاعدۂ مذکورۂ بالا کے موافق اسے بالکسر ماننا اور نظم مین دل قاتل محمل وغیرہ کے قافیے مین لانا پڑتا تھا۔ جملہ ثقاتِ اہلِ زبان جو شاعر نہ تھے اور جنھین قافیہ بندی کی ضرورت نہ تھی اُن کا لہجہ برابر بفتح یا رہا اور اب بھی ہے، بلکہ بول چال روزمرہ مین شعرا کی زبان پر بھی یون ہی رہا۔ لہٰذا استاذی جناب بحر مرحوم نے اس کی اصلاح کی اور اس دھوکے کی ٹٹی (ہمزہ) کو بالکل دور کرکے قاتل باطل وغیرہ کے قافیے مین لانا ترک کر دیا اور تحتانی کے فتح کے ساتھ مقتل بادل وغیرہ کے قافیے مین لانا شروع کیا۔ مگر یہ تصرف اُن کا صرف گھایل کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ فرماتے ہین ؎

یہ دی سہتے بیکلی تو نے کہ دل مین ہے یہی کل سے
کہ دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھون تیرے آنچل سے
ستم کیا کیا نہ ہوگا اُس قمر طلعت کے کشتے پر
کرے گی چاندنی اب نازِ معشوقانہ گھایل سے

باغ میرا ہوا برباد جو بادل آئے پتھرون کی ہوئی بوچھار اگر پھل آئے
تیرے دیدار کی حسرت نے چھڑی پھیری ہے یون تڑپتے ہوے ہم آئے کہ گھایل آئے

حضرت استاد کے اس تصرف کو اکثر شعرا مثل جلال لکھنوی، امیر مینائی، تسلیم لکھنوی، داغ دہلوی وغیرہ نے مستحسن تسلیم کرکے کم و بیش ان کی تقلید کی۔ اِن سب کے کلام مین "گھایل" مائل اور قائل وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ نہین۔ ان مین سے بعض نے تو صرف بکسرِ تحتانی اسکے استعمال سے احتیاط کی مگر بوجہ پرانے اثر اور عادتِ قدیمہ کے دھڑکے سے بفتحِ تحتانی مقتل اور بادل وغیرہ کے قافیے مین لانے کی یکایک جرأت نہ کر سکے اور بعض نے پوری تقلید کی۔ چنانچہ حضرت تسلیم لکھنوی بفتحِ تحتانی قافیے مین یون فرماتے ہین ؎

گمان کیونکر نہ ہو گلدار بن کا صحنِ مقتل پر تصدق ہوتی ہین حورین تمھارے گھایل پر

تقریر مہاراجہ گوالیار

ذیل میں وہ مسلم تقریر درج کی جاتی ہے جو ہز ہائنس مہاراجہ سیندھیا بہادر نے بحیثیت پرو چانسلر ہندو یونیورسٹی کے جلسہ میں پڑھنے کے لیے بھیجی تھی۔ حضور ممدوح بنفس نفیس بوجہ ناسازیِ مزاج، شریک نہ ہو سکے، اگر حضور کی تقریر آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی نے پڑھی تھی۔ ہندو مسلمان کے معاملہ میں جو کچھ حضور نے ارشاد فرمایا ہے وہ حروف زرین میں لکھے جانے کے قابل ہے گزشتہ چند سال سے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات یا مسئلۂ اتحاد نے جو پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے، اگر اس کا کوئی حل ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ دونوں قومیں حضور مہاراجہ بہادر کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ برادرانِ وطن عالیجاہ مہاراجہ سیندھیا بہادر کی نصیحت پر نہ صرف غور بلکہ عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہندوستان کو ایسے ہی نفس شناس اور صاحب بصیرت مہاراجوں کی ضرورت ہے۔ (ایڈیٹر)

اگرچہ میں اس اعلیٰ عزت افزائی کا معترف ہوں جو آپ کی تحریک پر گورنمنٹ نے مجھے بنارس ہندو یونیورسٹی کا پہلا پرو چانسلر منتخب کر کے فرمائی ہے تاہم مجھے سخت افسوس ہے کہ میرے معزز دوست اور بہادر والی ریاست مہاراجہ صاحب میسور یونیورسٹی کورٹ کے پہلے جلسہ میں ہمارے چانسلر کی حیثیت سے صدر نہ بن سکے۔ میں اس تحریک کی ترقی کو نہایت دلچسپی سے دیکھتا رہا ہوں، جو برٹش گورنمنٹ کی ہمدردی اور فیاضی سے ایک مکمل یونیورسٹی کی شکل میں نمودار ہوئی ہے۔ لارڈ ہارڈنگ کی گورنمنٹ ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے کہ اُس نے ہندوستان کی تعلیم کی تائید اپنی روشن ضمیری سے کی۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ بحث ہو چکی ہے کہ آیا ہندوستان کی تعلیم کے لیے قوم وار یا فرقہ وار یونیورسٹیاں مفید ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ ایسے لوگ کچھ تھوڑے نہیں ہیں جو نیک نیتی کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایک ایسی یونیورسٹی جیسی کہ بنارس یونیورسٹی ہے اس کا فائدہ مشتبہ ہے لیکن ان کے نقطۂ نظر کو پورے طور پر ذہن نشین رکھتے ہوئے مجھے آپ کو یہ بتانے کی مشکل ضرورت ہے کہ خود مجھے اس قسم کا کوئی خوف نہیں ہے۔ دراصل کسی تحریک کی نوعیت اور اس کے نتائج کا انحصار کام کرنے والوں کی نیت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان کی نیت مقابلہ کی ہے یا مل کر کام کرنے کی ہے۔ حضرات! مجھے یقین ہے کہ آپ کے اعمال کی محرک مقابلہ کی روح نہ ہوگی، بلکہ یہ کہ آپ کا اصول اتفاق ہوگا اور اس وجہ سے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ ہماری یونیورسٹی ملک کو سوائے خالص نفع پہنچانے کے کوئی اور صورت اختیار کرے گی۔

اس کے چارٹر کی نسبت یہ کہنا ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر سچی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ جن اغراض سے یونیورسٹی قائم ہوئی ہے وہ حقیقی طور پر جامع اور نافع ہیں، اور میرے لیے یہ امر خاص طور پر قابل اطمینان ہے کہ زراعتی و حرفتی تعلیم نے بھی اُن اغراض و مقاصد کے اندر ایک نمایاں جگہ حاصل کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان مضامین کی سائنٹیفک تعلیم کے لیے بھی چیئرز قائم کرنے کے واسطے جلد سے جلد موقع پیدا کیا جائے گا۔

ایک اور بات ہے جو میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے، اور جس پر میں یونیورسٹی تحریک کے بانیوں کو جتنا بھی متوجہ کروں کم ہے۔ مہربانی کر کے میرے مفہوم کو غلط نہ سمجھیے، میرا مقصد ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں ہے کہ منتظمین یونیورسٹی اس نکتہ کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ وہ نوجوان جو اس یونیورسٹی میں تعلیم پائیں گے اور جن کی تعداد سال بسال بڑھتی جائے گی، ان کے اندر دوسری قوموں کے افراد کے ساتھ (اور خصوصاً اپنے ہم وطن مسلمانوں کی قوم کے ساتھ) ہمدردی کا قوی احساس پیدا کرنا چاہیے۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اول ہندوستانی ہیں اور بعد ازاں کچھ اور۔ یاد رکھیے کہ ہماری اکثر مشکلات در حقیقت عدم اتحاد و انتظام کا نتیجہ

تنقید کتب

کلیات شادان | ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ کے جد اعلیٰ مہاراجہ چندو لال صاحب باشی کے اُردو کلام کا ایک قابل قدر مجموعہ مندرجہ عنوان نام کا معقول اہتمام و انتظام کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مہاراجہ موصوف اُردو کے ایک واجب التعظیم شاعر تھے اور اس لیے اُن کے دیوان کو پبلک سے روشناس کرانے کی ضرورت واقعی ہے ورنہ اُن کے سیاسی اور ملکی کارنامے ایسے نہیں جن سے وہ افکار اصحاب لا علم ہوں۔ مہاراجہ چندو لال حیدرآباد کے اُن وزرا میں ہیں جن کی خدمات کی تاریخیں معترف ہیں اور جنکی قدردانی اور فن پروری کا یہ عالم تھا کہ اُن کے عہد میں دکن مرجع انام بنا ہوا تھا۔ عام لوگوں کے ساتھ اُن کے بذل و جود اور داد و دہش کا یہ حال تھا کہ لوگ جوق جوق ان کے یہاں آتے تھے اور بانیل مرام واپس جاتے تھے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ حیدرآباد دکن آجتک "چندو لال کا حیدرآباد" کہا جاتا ہے۔ اس جگہ واقعات بیان کرنے کی گنجایش نہیں ہے ورنہ اُن کے اکثر سوانحی حالات بار بار سننے اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ اُنکے دیوان سرسری طور پر دیکھنے کے بعد بھی اس امر کا تعجب خیز اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مدبر ہونے کے ساتھ ہی ایک نغز گو شاعر بھی تھے اس اعتبار سے اُن کے کلیات کی اشاعت نہ صرف ایک گرانمایہ علمی خدمت ہے بلکہ اس کی وجہ سے ایک قابل اعتنا سخنور کا سرمایۂ ذہنی تلف ہونے سے محفوظ رہ گیا۔

کلیات شادان کی ضخامت ۔۔۹ صفحات پر ختم ہوئی ہے اور اس حجم کے اندر اُن کے اُردو کلام کا کامل ذخیرہ موجود ہے۔ غزلیات کی تعداد زیادہ ہے لیکن قصائد اور رباعیات و قطعات بھی کافی ہیں۔ غزلیات کس پایہ کی ہیں؟ اس سوال کا جواب ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق دے سکتا ہے لیکن اسمیں بھی کلام نہیں کہ اس مجموعہ میں ہر شخص اپنے مذاق کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور پا سکتا ہے۔ اخلاق، تصوف، معرفت، عشق و محبت غرض ہر قسم کے مضامین نظم کیے گئے ہیں، اور اپنی اپنی جگہ ہر ایک قابل قدر و لایق تحسین ہے سب سے بڑی خصوصیت کلام شادان کی یہ ہے کہ اُس کا ایک ایک شعر اُس عہد کی اُردو زبان کا دلپذیر نمونہ ہے مثلاً یہ اشعار:۔

اس کی قدرت کا بیان کیا کیجے — آنت کس طرح سے اُسکا لیجے
قطرے قطرے سے کہاں سیری ہو — اس طرح دیجے کہ دریا دیجے

ایسے صاحب کی ثنا کیونکر زبان سے کیجے — بخشے سب جرم، مکافات نہ دے پائی
بیخودی بھاگی کہیں پھر تو خوشی کے مارے — کہہ میاں تیری مدارات نہ دے پائی

جناب شادان کے کلام میں سب سے گہرا رنگ تصوف کا ہے، اور ہونا بھی ایسا ہی تھا کیونکہ وہ ذاتی طور پر نہایت فقیر دوست تھے، اور متصوفین کی صحبت سے فیض اُٹھانے کے علاوہ وہ خود بھی صوفی منش تھے۔ اُن کے کلام سے ان کے صلح کل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی حالت میں انھوں نے جو کچھ کہا اس کی بنیاد سچے جذبات پر قایم ہے اور پڑھنے والا اس سے یقیناً اثر پذیر ہوتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:۔

جلوہ گر تھا ہر جگہ کعبہ تھا یا بتخانہ تھا — گھر ہزاروں تھے مگر وہ ایک صاحب خانہ تھا

تلاش یار میں اس طرح گم ہو خود ہوا ہوں میں — کہ اکثر ڈھونڈھتا ہوں میں نہیں پاتا سراغ اپنا

قطرہ کہیں دریا سے ہوتا ہے جدا یارو — دم سے جدا کب ہے جو تم نے جدا جانا

اکثر عاشقانہ اشعار نہایت چست واقع ہوئے ہیں مثلاً:۔

کسی کے پڑ کے گلے دل کو ہار ہو رہنا — بنے تو پھول بنے ورنہ خار ہو رہنا
آ دیکھ چشم جانان مخمور ہے تو یہ ہے — نرگس کی آنکھ کیا ہے مشہور ہے تو یہ ہے

ہے، جس کی غرض و غایت کار آمد و نفع بخش لٹریچر کا فراہم کرنا ہے۔ اُس کی جانب سے حسب ذیل کتب بغرض اظہار رائے وصول ہوئی ہیں:۔

(۱) مکتوبات امام ربانی اردو (۲) دنیائے اسلام اور عیسائیت (۳) سلطنت برطانیہ کا مستقبل (۴) داستان مریخ (۵) اسرار ادویہ

(۱) پہلی کتاب علم تصوف سے تعلق رکھتی ہے، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اسمین حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات کا اردو ترجمہ مندرج ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان مین تھی، جس کو اردو دان طبقہ کے لیے مولوی عبدالرحیم صاحب منشی فاضل مولوی عالم اسسٹنٹ ایڈیٹر وکیل نے اردو مین ترجمہ کیا اور اس کا ایک حصہ جسمین سترہ مکتوب ہین کتابی صورت مین شائع ہوا ہے۔ آغاز کتاب مین حضرت مجدد صاحب کے سوانحی حالات بھی شریک کردیے گئے ہین جو یقیناً ایک مفید اضافہ ہے۔ اصل کتاب کے متعلق بلا ریب و شک کہا جاسکتا ہے کہ صوفیانہ لٹریچر کے خزانہ مین اس کتاب سے ایک نادر الوجود اضافہ ہوا ہے۔ ترجمہ سلیس و بامحاورہ ہے۔ مطالب کی تفہیم کے لیے بابجا ضروری حاشیے لگا دیے گئے ہین۔ مضامین کی نسبت کچھ لکھنا تحصیل حاصل سے زیادہ نہین کیونکہ یہ ایک ایسے بزرگ کے خیالات و جذبات کا پرتو ہے جسکی لافانی عظمت و تقدس کی داستان آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔ متصوفین کے لیے یہ ایک گرانمایہ خزینہ ہے جس مین معرفت و خداشناسی کے جواہر گرانمایہ کثیر تعداد مین موجود ہین۔ شائقین کو اس دریائے معارف سے سیراب ہونے مین دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ قیمت ۱۲ ہے۔

(۲) "دنیائے اسلام اور عیسائیت" اُن بعض مضامین کا مجموعہ ہے جو مولوی محمد عبداللہ منہاس نے ۱۹۱۱ء مین بحیثیت ایڈیٹر اخبار وکیل لکھ کر اُس اخبار مین شائع کئے تھے۔ مولوی صاحب ایک زبردست مضمون نگار کی حیثیت سے کسی خاص معرفی کے محتاج نہین، اسی طرح ان مضامین سے بھی ان کی اصابت رائے اور استقامت خیال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان مضامین مین ایک طرف اُن اسلامی سیاسیات کی صحیح تصویر دکھائی گئی ہے جو زمانہ دراز تک اقصائے عالم پر اپنا اثر ڈالتی رہی ہین، اور دوسرے جانب ان خطرات پر نظر ڈالی گئی ہے جو اسلام اور اسلامی دنیا کے لیے مضمون نگار کے خیال مین آئندہ عیسائیت کے ہاتھون پیش آنا ضروری ہین یہ ایک اہم سوال ہے کہ یہ خطرات حقیقی معنون مین کس حد تک قابل اعتنا ہین لیکن اسمین کلام نہین کہ جب دو ایسی قومون کا تصادم ہوتا ہے جن مین سے ایک عروج پذیر ہو اور دوسری مائل بہ انحطاط تو ایسے امکانات اکثر ہوتے ہین جن کی طرف مولوی محمد عبداللہ منہاس کا ذہن گیا ہے۔ ممکن ہے کہ عیسائیت کے ہاتھون کچھ اور زیادہ نقصانات عالم اسلام کو پہنچ جائین، لیکن رواداری اور تحمل کے اصول پر عمل کرکے کسی قوم کو اپنی ایک دوسری ہمسایہ قوم سے، جس نے اپنی تہذیب و ترقی سے انسانی سوسائٹی پر بہت سے احسانات بھی کیے ہون اس قدر بدگمان نہونا چاہیئے۔ اس موقع پر وسیع الخیالی سے کام لیکر اپنی بہتری کے وسایل اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نکتہ سے قطع نظر کرکے کہنا چاہیئے کہ اس کتاب کا مطالعہ عام طور پر اور بالخصوص مسلمانون کے لئے یقیناً دلچسپی کا ذریعہ ہوگا۔ اسکی قیمت ۲ ہے۔

(۳) "سلطنت برطانیہ کا مستقبل" ایک جاپانی اہل الرائے کی ایک مشہور کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام اصل زبان مین "سلطنت برطانیہ کا انحطاط و زوال" رکھا گیا تھا۔ اس مین بتایا گیا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت برطانیہ کی حالت اب سے سو سال بعد کس طرح کیا ہوگی، اور اس مین کیا کیا نقائص پیدا ہو جائین گے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جاپانی قومی مدارس مین یہ کتاب شامل نصاب تعلیم ہے، اور اس کی اشاعت کے بعد انگلستان مین بھی اس پر معرکۃ الآرا رائے زنی ہوتی رہی ہے۔ لیکن غالباً متفقہ طور پر مصنف کی نیک نیتی معرض شک مین نہین لائی گئی۔ اخبار اسٹینڈرڈ نے تو یہان تک صاف صاف لکھ دیا ہے کہ "کتاب نہایت دیانتداری اور نیک نیتی سے لکھی گئی ہے، حزم و احتیاط کے معنی بھی یہی ہین کہ اگر کوئی شخص ہمارے عیوب ظاہر کرے یا آئندہ

ملا طلکون کو جہان اور درسی کتب فارسی پڑھائی جاتی ہین وہان "پندنامۂ کاظم" بھی کسی نہ کسی طرح کام آسکتا ہی۔ مولوی محمد کاظم صاحب نے اپنی کتاب مین جہان اور بہت سی اخلاقی اور نصیحت آمیز باتین بتائی ہین وہان موجودہ ضروریات کا بھی خیال رکھا ہی، جو روشن خیالی اور وسیع النظری کی دلیل ہی۔ مثلاً آپنے تحصیل علم کے ضمن مین انگریزی زبان حاصل کرنے کی ترغیب ان الفاظ مین دلائی ہی:—

چونکہ انگریزند برما حکمران   لاجرم حاصل کنی انگلش زبان
گر بود منظور سرکاری عمل   ہیچ در دین زین زبان ناید خلل
گر نیاموزی زبان انگلشی   شغل سرکاری نیابی لے اخی
نغز بہ انگریزی نیابت ہیچ کار   مشکل افزاید ترا در کاروبار

× × × × × × × × × × × × × × ×

"پندنامۂ کاظم" جس کی قیمت ۲ ہی، حضرت مولف سے مندرجۂ بالا پتہ پر مل سکتا ہی۔

عطر سخن | اس نام سے حضرت ناظر دہلوی نے ادبیات اردو اور قومی منظومات کا ایک دلکش مجموعہ حال مین شائع کیا ہی، اس کا دوسرا نام "جذبات مسلم" ہی، اور اسی سے ظاہر ہی کہ اس مجموعہ مین جو نظمین شامل کیگئی ہین وہ کسی نہ کسی پہلو سے اسلامی جذبات و خیالات کی مظہر ہین۔ اس قسم کی کتابین گویا "عطر مجموعہ" ہوتی ہین کہ مختلف لوگون کے خیالات ایک جگہ جمع کر کے خوبصورت گلدستہ کی شکل مین پیش کئے جاتے ہین، اس سے اتنا فائدہ ضرور متصور ہی کہ ایک ہی صنعت کے مضامین کے لیے متلاشی کو ادھر اُدھر سرگردان نہین ہونا پڑتا۔

عطر سخن مین حضرت ناظر نے اپنی قوت انتخاب سے کام لیا، جن جن شعرا کی نظمین شامل کی ہین ان مین سے اکثر و بیشتر شہرت و ہردلعزیزی کے مدارج طے کر چکے ہین، اور اُن کی بعض نظمین بھی قبولیت عام کی سند حاصل کر چکی ہین مثلاً اقبال، اکبر، ظفر، وجاہت، حالی، شبلی، یہ وہ لوگ ہین جو علمی دنیا مین کسی تعارف کے محتاج نہین ہین۔ ان کے کلام کا جو حصہ "عطر سخن" مین جگہ پا چکا ہی وہ بھی کوئی نئی چیز نہین لیکن اسکے باوجود اسکے بار بار پڑھنے اور محظوظ ہونے کا شوق غالباً ہر ایک کو ہوگا۔ ایسے حضرات کے لیے یہ مجموعہ نعمت غیر مترقبہ ہی۔ کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ، سب قابل اطمینان ہین۔ اور ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت عصہ زیادہ نہین کہی جاسکتی ہی ملنے کا پتہ یہ ہی:۔ منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ۔

کلام محروم | منشی تلوک چند صاحب محروم کا نام نامی علمی دنیا مین بہ حیثیت ایک نغز گو سخنگو کے تعارف کا محتاج نہین ہی۔ آپ کے دلچسپ و شگفتہ مضامین نظم نے جو ایک عرصہ سے ملک کے علمی رسائل کے لیے دلفریبی و دلپسندی کا سامان وافر بہم پہنچا رہے ہین، آپ کی شہرت کو چار چاند لگا رکھے ہین۔ حضرت محروم اُن چند شعرا زمانہ حال مین سے ہین جو ایک طرف اپنی نوعیت کلام کی وجہ سے حقیقی قدر و منزلت کا استحقاق رکھتے ہین اور دوسری جانب اُن کا کلام اپنی خوبی و نفاست کی بدولت ماہانہ پرچون اور موقت الشیوع رسالون مین بڑے فخر و مباہات سے جگہ پاتا ہی۔ محروم کی انھین نظمون کا یہ مجموعہ مندرجہ عنوان نام کے ساتھ، خاص اہتمام و التزام سے امسال مین شائع ہوا ہی، اور کیا بہ اعتبار حسن ظاہری اور کیا بہ لحاظ عظمت باطنی اس قابل ہی کہ ہر شیدائے علم و ادب اُسے اپنی لائبریری مین جگہ دے۔

حضرت محروم طبع رسا رکھتے ہین اور فکر بلند، اور ان کے کلام کے مطالعہ کے بعد اُن کی قادر الکلامی اور جوش فکر کا خاص اثر ناظرین کے طبائع پر پڑتا ہی۔ وہ کسی میدان مین بند نہین ہین بلکہ اُن کا توسن فکر ہر جگہ یکسان سلامتی و تیز رفتاری سے جاتا ہی اور مشکل سی مشکل منزل کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے طے کرتا ہی۔ اس مجموعہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے شاعر کی فکر کی گوناگونی کا اندازہ بہ آسانی ہوسکتا ہی، مثلاً وہ نظمین جو اس مجموعہ مین شامل کی گئی ہین مختلف عنوان اور مختلف مضامین پر ہین۔ اخلاقی، ادبی، نیچرل، تاریخی، سوانحی، غرض ہر رنگ پر طبع آزمائی کی گئی ہی اور مناظر قدرت،

نغمہ سحر نما سے بنسی اسے لو وہ شام نے لگا دی
ہر ایک ترانہ دلربا ہے جنگل نغمون سے گونج اُٹھا ہے
عالم طاری ہے بیخودی کا نغمہ ساری ہے بانسری کا
طائر اشجار پر ہین خاموش محوِ لذّاتِ جنت گوش
مرغ تصویر ہر پرندہ پا بزنجیر ہر درندہ
سکتے مین کھڑے ہوے ہین آہو گویا کوئی کر گیا ہے جادو
اک جذبۂ بیخودی مین آکے لہراتے ہین سانپ پھن اُٹھا کے

جب وحشیون کا ہوا ہے یہ طور
حالت انسان کی کیون نہو اور

مضامین کی دلفریبی اور جذبات کی بلند پایگی کے ساتھ اگر کوئی فروگذاشت کلام محرم مین قابل گرفت ہی تو وہ زبان سے متعلق بعض بعض خامیان ہین، مثلاً تقدیم و تاخیر کے علاوہ اکثر الفاظ اس طرح نظم مین استعمال ہوے ہین کہ اُن کا آخر حرف ساقط ہو گیا ہی لیکن یہ مثالین شاذ ہین، اور اسکے علاوہ اس مختصر مین کلام محرم پر ہر پہلو سے رائے زنی بھی محال ہی۔ مندرجۂ بالا چند اقتباسات سے اُن کی شاعری کا اصلی رنگ ذہن نشین ہو سکتا ہی۔ اس سے زیادہ کے لیے اصل مجموعہ کا مطالعہ ضروری ہی جو بہر صورت ادبی و اخلاقی فوائد سے خالی نہین کہا جا سکتا۔ اُسکی ضخامت تقریباً ۱۶۰ صفحات کی ہی، کاغذ، لکھائی، چھپائی، ترتیب مضامین ہر پہلو سے کتاب مکمل ہی۔ آخر مین مشاہیر ملک مثلاً حضرت اکبر لسان العصر، حضرت اقبال، مہر دہلوی، مولانا خواجہ حسن نظامی وغیرہم کی آرا شامل ہین جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ مصنف کی قابلیت اور سخنگوئی کے متعلق یہ اکابر کیسا بلند خیال رکھتے ہین۔ آغاز مین مولوی میر کرامت اللہ صاحب میر امرتسری کے قلم سے ایک دیباچہ ہی، جو بجاے خود ایک دلچسپی کی چیز ہی۔ میر صاحب نے اُردو شاعری کی تاریخ بیان کرتے ہوے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ ازمنۂ سابقہ مین ہندو اور مسلمان دونون یکسان اُردو زبان کی خدمت کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔ آپ نے ثبوت مین اُن شعرا کے نام بھی گنا دیے ہین جن کا نام اور کام اُن کی اُردو شاعری کی بدولت آجتک زندہ اور روشن ہی۔ اسی کے ساتھ اُن کا ذہن قدرتی طور پر موجودہ تنگ خیالی و تعصب کیطرف حسرت و افسوس کے ساتھ منتقل ہوا ہی جو آجکل کئی وجوہ سے افراد ملک کے بعض طبقون مین اُردو کی طرف سے پایا جاتا ہی لیکن اِس تنگ خیالی و تعصب کے وجود کا اعتراف کرنے کے باوجود علم و یقین یہی ہی کہ ہندو اہل قلم اردو کی خدمت اُسی فراخ حوصلگی سے کر رہے ہین، اور اُن پر جاہلانہ خیالات کا پرتو نہین پڑنے پایا۔ ثبوت کے لیے حضرت محرم کے علاوہ اور کئی قابل ہندو شعرا کا نام پیش کیا جا سکتا ہی، جنکے کارنامے اردو زبان مین بہت ہین اور مفید مطلب ہین اور وہ دوسرون کے بہکانے سے صراط مستقیم سے ہٹے نہین۔

کلام محرم کی قیمت ۱۲/ رہا ہو رلالہ منی رام صاحب کالرہ ہیڈ ماسٹر ولٹوریہ پرائمری ہائی سکول، ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحدی) سے طلب کرنا چاہیئے۔

"رشید القلم"

ناظرین العصر یہ سنکر خوش ہون گے کہ ہمارے کرم منشی عبد الخالق صاحب خلیق (دہلوی) کا مجموعۂ کلام زیر طبع ہی۔ اس مجموعہ مین قدیم و جدید شاعری کو پہلو بہ پہلو دکھایا گیا ہی حضرت خلیق فکر بلند اور طبع رسا رکھتے ہین، اور جن لوگون کو اُن کی نظمین پڑھنے کا اتفاق ہوا ہی وہ ان کی قادر الکلامی اور نغز گوئی کے قائل ہین۔ اسی سے تو کہا جاتا ہی کہ قبول عام خدا کی دین ہی! "این سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خداے بخشندہ" نہایت افسوس ہی کہ دلی کے بعض حضرات ذاتی کشیدگی و مخالفت کی وجہ سے حضرت خلیق کے متعلق بے سر و پا افواہین اور غلط فہمیان پھیلانے کی کوشش کر رہے ہین۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہی۔ مصرع "نور می فشاند و سگ بانگ می زند"۔
(ایڈیٹر)

ممالک حاصل کیا ہے۔ مگر یہ بھی یقینی بات ہے کہ عرصۂ دراز سے فلیاس لندن سے باہر نہیں گیا؛ اور جو لوگ اُسے اچھی طرح پہچانتے ہیں اُن کا بیان ہے کہ اگر فلیاس اپنے سکونتی مکان یا کلب یا ان دونوں کے راستہ میں نہ دیکھا جاسکے تو کسی دوسری جگہ اس کا پیدا کرنا ممکن نہیں؛ زیادہ تر اُس کا وقت اخبار بینی میں صرف ہوتا ہے۔ اُس سے فرصت ملی تو تاش کھیلنے لگتا ہے۔ چونکہ "وہسٹ"، ایک طریقہ اس کھیل میں ایسا ہے کہ اُس میں شور و غل نہیں ہوتا، اس لیئے یہ سکون و اطمینان کا کھیل اُسے پسند ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ بازی بد کر کھیلتا ہے جیتتا زیادہ ہے اور ہارتا کم؛ اگر جس قدر رقم وہ جیتتا ہے اُسے اپنے استعمال میں نہیں لاتا؛ بلکہ صدقات و خیرات میں صرف کردیتا ہے۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ وہ ہارنے یا جیتنے کے لیے نہیں کھیلتا بلکہ تفریح کے لیئے۔

مسٹر فلیاس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ، جیسا کہ دنیا میں اور بھی آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ مگر اسکے نہ کوئی عزیز ہے نہ آشنا؛ یہ ضرور ایک عجیب بات ہے۔ اسکے سکونتی مکان نمبر ۷ ساویل روڈ میں کسی شخص کی آمد و رفت نہیں اس لیئے وہاں کے متعلق کوئی شخص گفتگو نہیں کرسکتا۔ صرف ایک ملازم فلیاس کی خدمت کے لیئے کافی ہے۔ صبح اور شام کا کھانا وقت مقررہ پر جس میں منٹ اور سکنڈ کا تفاوت بھی ناممکن ہے، وہ کلب میں کھاتا ہے؛ اور "ڈائننگ ہال" میں اس غرض سے ایک میز اپنے لیئے مخصوص کرلی ہے کلب کے کسی ممبر یا کسی اور بیرونی شخص کو مدعو نہیں کرتا۔ روزانہ معینہ وقت پر نصف شب کو سونے کے لیئے اپنے گھر آتا ہے۔ کلب میں باوجودیکہ ممبران کے آرام کے لیئے نہایت مزین و پرتکلف کمرے سونے کے لیئے موجود ہیں، مگر وہ کبھی یہاں نہیں سوتا۔ ۲۴ گھنٹہ میں صرف دس گھنٹہ خواب، غسل، تبدیل لباس کے لیئے مکان پر گذارتا ہے اور باقی وقت کلب میں بسر کرتا ہے۔ اگر ٹہلنے کو جی چاہتا ہے تو کلب کے بڑے ہال میں، سنگ سماق کے چالیس ستونوں پر آبی رنگ کے بلور کی پڑی ہوئی خوبصورت اور شاندار چھت کے نیچے، شفاف و رغنی تختوں کے فرش پر نہایت منتظم قدم رکھتا ہوا، گن گن کر چہل قدمی کرلیتا ہے۔

کھانا بہت ہی اعلیٰ درجہ کا کھاتا ہے۔ اس کا کلب نے بیحد انتظام ملحوظ رکھا ہے امریکہ کے مشہور تالابوں کی لذیذ ترین مچھلیوں سے لیکر نہرہائے منجمد شمال کی قدرتی برف تک کثیر مصارف برداشت کرکے مسٹر فلیاس کے لیئے مہیا کی جاتی ہے اور دنیا کے بہترین سگار اور اعلے سے اعلیٰ شرابیں تو اُسکے لیئے مخصوص ہی ہیں۔

اس کے سکونتی مکان پر اگرچہ کسی قسم کی شان و شوکت نہیں پائی جاتی لیکن انتظام و یک آہنگی جیسی وہاں ہے شاید ہی کسی دوسری جگہ ہو۔ وہ اپنے خدمتگار سے بھی ایک غیر معمولی بلکہ فوق العادت یکسانی نظام کا خواہاں تھا ہے۔ چنانچہ اُس نے ۷ نومبر مطابق برج قوس کو "فورسٹر" نامی اپنے خدمتگار کو محض اس لیے جواب دیدیا کہ داڑھی دھونے کا پانی اُس نے ۸۴ درجہ حرارت پر پیش کردیا تھا، حالانکہ ۸۶ درجہ گرم ہونا چاہیئے تھا۔

اس روز مسٹر فلیاس اپنے مکان واقع ساویل روڈ میں ایک خوبصورت کوچ پر بیٹھا، دیوار پر لگی ہوئی اُس گھڑی کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے جس میں سکنڈ، منٹ، گھنٹے، دن، مہینے، اور سنہ کے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ وہ دراصل اس وقت اپنے نئے ملازم کی آمد کا انتظار کررہا ہے۔ اور اپنی عادتِ غیر متغیرہ کے مطابق آج بھی ٹھیک دس بجکر ۳۰ منٹ پر اسکو کلب چلا جانا چاہیئے؛ اور اب دس بجکر ۲۵ منٹ ہوچکے ہیں . . . . . صرف پانچ منٹ باقی تھے کہ برخاست ہونے والے ملازم فورسٹر نے جو جدید خدمتگار کی آمد کا منتظر تھا فلیاس کے کمرہ کا پٹ کھولا اور اندر آکر کہا "نیا نوکر حاضر ہے"

فورسٹر اتنا کہکر واپس گیا، اور ایک تیس سالہ شخص فلیاس کے سامنے کمرہ میں جا کھڑا ہوا۔

فلیاس - تم فرانسیسی جون ہونا؟

ملازم - جون نہیں بلکہ جان۔ معاف کیجیئے گا نیز میرا عرف بلحاظ کارگذاری کے،

یعنی قوی اور قد بلند ہے۔ اور چونکہ جمناسٹک سے اُسے ہمیشہ شوق رہا ہے، اس لیے توانائی و قوت بھی اُس مین بہت ہے۔

کیا پاسپارٹو اپنے جدید آقا کی یک آہنگی و باضابطگی سے مانوس ہو سکے گا؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کا جواب تجربہ ہی دیسکتا ہے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ اپنے ایّامِ جوانی مین پاسپارٹو نے اس قدر آوارگی کی ہے کہ اب تھک کر اُسے یکسوئی کا خواستگار ہونا پڑا۔ اور چونکہ اہالیانِ انگلستان کے سکون و استقلال اور افسردہ خونی کی صفات اسکے گوش زد ہوتی رہی ہین، اسلیئے یہان آکر سلکِ خدمتگاری مین داخل ہوگیا ہے۔ لیکن ہنوز اسکے بخت نے مساعدت نہین کی تقریباً دس گیارہ جگہ وہ نوکر ہوا مگر کہین نہ ٹھہر سکا۔ کیونکہ جن جن لوگون کے یہان وہ ملازم ہوا، سب سفیہ و آوارہ مزاج نکلے۔ یہان کی آخری ملازمت مین وہ لارڈ لونگفسفری کے ہان تھا جو پارلیمنٹ کے ممبر لیکن بیحد اوباش طبیعت کے آدمی تھے۔ بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ میخانہ اور قمارخانہ سے پولس ان کو بحالتِ بیہوشی لاد کر مکان پر پہنچاتی تھی حالانکہ ان ہی حرکات سے متنفر و بیزار ہوکر اُس نے نقلِ مکان کیا تھا۔ اور اب بہت ہی تنگدل و افسردہ خاطر ہو رہا تھا کہ یکایک اُس نے اخبار مین مسٹر فلیاس کی طرف سے خدمتگار کی ضرورت کا جو چند شرائط سے مشروط تھی، اشتہار پڑھا۔ مشتہر کی عادت و خصائل کے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کین، بالآخر کافی تجسّس کے بعد اُسے اطمینان ہوگیا کہ مسٹر فلیاس ایک نہایت مستقل مزاج اور شریف الخصائل جنٹلمین ہے جو سوا اپنے گھر کے کہین شب خوابی نہین کرتا، اور نہ کہین سیاحت کو جاتا ہے۔ ہر کام کے لیئے ایک وقت مقرر ہے، اور ہر وقت کے لیے ایک کام جسمین تغیر و تبدیل ناممکن ہے۔ پاسپارٹو کو تو مدت دراز سے آرزو ہی ایسے شخص کی تھی۔ فوراً ایک خاص سفارش حاصل کرکے اُس کے پاس پہنچا اور جیسا کہ باب اول مین بیان کیا جا چکا ہے، اس عجیب غریب آقا کے زمرہ ملازمت مین داخل ہوگیا۔

جبکہ گھڑی نے ۱۱ بجائے، یہ فرانسیسی نژاد شخص سیول روڈ کے خانہ نمبر ۷ مین تنہا موجود تھا۔ اسی وقت اُس نے مکان کے تمام اطراف و جوانب کو دیکھنا شروع کیا، اور زمین کے کونہ کونہ چپہ چپہ سے لیکر چھت گیری کے ہنڈولون تک کو بغور دیکھ ڈالا۔ تمام گھر نہایت صفائی، سادگی اور نظم کی حالت مین تھا، جسکے ہر حصہ مین گیس کی گرمی اور روشنی پہنچتی تھی۔ دوسری منزل مین اُسے اپنے رہنے کا مخصوص کمرہ نظر آیا، جسکے معائنہ سے اُسے بہت ہی فرحت ہوئی۔ اس کمرہ مین برقی گھنٹیان و ٹیلیفون لگا کر مکان کے زیرین و بالائی حصون سے سلسلہ ملا دیا گیا تھا۔ آتشدان پر ایک برقی گھڑی آویزان تھی اور اسکے وقت کا معیار برابر رکھنے کے لیئے مسٹر فلیاس کے کمرہ کی گھڑی کے آلات کے ساتھ اُسکی رفتار کو مشترک کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے خفیف ترین احتمال بھی تفاوت کا باقی نہ رہا تھا۔ اسی گھڑی کے قریب ایک سائن بورڈ لٹکا ہوا تھا۔ اس پر مسٹر فلیاس کے ملازم کے روزانہ فرائض درج تھے۔ اور یہ اندراجات نہایت تفصیل و احتیاط کے ساتھ، مسٹر فلیاس کی بیداری کے وقت سے دوسرے دن کے سونے کے وقت تک کے تھے جملہ خدمتین گھنٹہ، منٹ اور سکنڈ کے حوالے سے لکھی گئی تھین مثلاً ۸ بجکر ۹ منٹ پر چاء؛ ۹ بجکر ۳۷ منٹ پر مُنھ دھونے کو پانی؛ ۱۰ بجکر ۲۰ منٹ ۲۰ سکنڈ پر تبدیل پوشاک؛ وغیرہ۔ اسی طرح آخر تک سلسلہ وار تفصیلات دی گئی تھین۔ پاسپارٹو اس پروگرام کو پڑھ کر بیحد خوش ہوا، اور اوّل سے آخر تک تمام فہرست کو ازبر کر لیا۔ اس سے فرصت کرکے کپڑون وغیرہ کی طرف متوجہ ہوا، تو لباس کا انتظام بھی بہت باقاعدہ پایا۔ ہر سوٹ پر ایک ایک نمبر پڑا ہوا تھا، اور اس کا اندراج ایک کتاب مین کیا گیا تھا، جسکے ذریعہ سے بہت آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتا تھا کہ کونسا سوٹ کس موسم مین اور کس روز پہنا جائے گا۔ یہی طریقہ بوٹون اور سلیپرون مین بھی ملحوظ رکھا گیا تھا۔

تمام گھر مین لائبریری کا کوئی کمرہ نہ تھا۔ نہ کوئی کتاب موجود تھی غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ ریفارم کلب کے ممبرون کو اسکی ضرورت ہی نہین پڑتی کیونکہ کلب نے دائمی ممبران کے لیئے دو کتب خانے مخصوص مقرر کر رکھے ہین۔ ایک مین ادبیات کا ذخیرہ ہے، اور دوسرے مین حقوق و سیاسیات کے



بستر مرگ

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا   دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

جاتی رہی جبکہ وہ رجسٹر آمدنی کے اندراجات کرنے میں مصروف تھا اور اسی انہماک کی وجہ سے اپنے گردوپیش کا مطلق خیال نہ رکھ سکا۔ اگرچہ بنک مذکور کے محرر کا یہ عذر اتنی کثیر رقم کے ضائع کردینے کی نسبت بظاہر قابل قبول نہ تھا۔ لیکن بلحاظ اُس اعتبار کے جو لندن بنک کو دنیا بھر کے بنکوں سے معزز وممتاز بنائے ہوئے ہے، کوئی اشتباہ نہ پیدا ہوسکا۔ اور پہلے تو کبھی اہالیان بنک پر اس قسم کا شک یا اندیشہ کیا ہی نہیں گیا۔ باہمی اعتماد کی کیفیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بنک میں باوجود اتنے بڑے کاروبار کے کوئی محافظ تعینات ہے نہ پولیس۔ آہنی کٹھرے مطلق استعمال نہیں کیے گئے، سونا چاندی، جواہرات وغیرہ علانیہ رکھے رہتے ہیں۔ اور ہر شخص بآسانی انھیں اُٹھا سکتا ہے۔ فی الحقیقت بھروسا اور اعتبار اسی کا نام ہے کہ آیندہ روندگان یا دیگر معاملہ داران بنک کی نیتوں پر شبہ کرنا ہی ان کی توہین سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ وہیں کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اس بنک کے بڑے ٹریزری ہال میں جہاں اشرفیوں کے لبالب صندوق رکھے تھے، کوئی سو آدمیوں کا مجمع ہوگیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے طلائی سکوں کی ایک تھیلی، جو وزن میں آدھ سیر سے کسی طرح کم نہ تھی، اُٹھا کر لوگوں کو دکھلانا شروع کی اور ایک سے دوسرے کے ہاتھ میں منتقل ہوتی ہوئی وہ تھیلی ہال سے باہر تک پہنچ گئی۔ اور پھر دست بدست ہوتی ہوئی اپنی جگہ پر آکر رکھی گئی حالانکہ جس شخص کی تحویل میں یہ کثیر رقم تھی اس نے سر اُٹھا کر اتنا بھی نہ دیکھا کہ کسنے تھیلی اُٹھائی اور کس نے پھر لاکر واپس رکھ دی۔ لیکن افسوس کہ اس مرتبہ ایسا نہ ہوا، پانچ ہزار پانسو پونڈ کے نوٹوں کی گڈی ایک بار ایسی گئی کہ پھر واپس نہ ہوئی۔ آخرکار جب شام کو بنک بند کیا گیا تو اس غیر معمولی رقم کو بنک کے حسابی کاغذات میں بذیل خسارہ درج کرنا پڑا۔ پولس کو وقوعہ سرقہ کی اطلاع کی گئی۔ پتہ لگانے والے کے واسطے انعام مقرر ہوا۔ اور برآمد کنندہ مال کے لیے رقم بازیافتہ میں سے پانچ فی صدی کا حصہ مقرر کرکے اشتہار دیا گیا۔ دنیا کے مشہور بندرگاہوں مثلاً گلاسگو، ہاور، سوئیز، نیویارک وغیرہ کی طرف سراغرسان روانہ کیے گئے۔ غرضکہ کوئی دقیقہ متاع بردہ کی واپسی کیلیے سعی کا اُٹھا نہیں رکھا گیا۔

یہ تھا چوری کا واقعہ جس پر ریفارم کلب کے ممبران، تاش کی میز پر بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے، اور پولس والوں وسراغرسانوں کی کامیابی و عدم کامیابی کے امکانات معرض بحث میں تھے، مسٹر رالف اس پر زور دیتے تھے کہ رقم بازیافتہ میں جو حصہ مقرر کردیا گیا ہے اُس کا لازمی نتیجہ رقم مسروقہ کو بازیافت کرادے گا لیکن مسٹر اسٹوارٹ کو اس رائے سے اختلاف تھا۔ انھوں نے مضطرب لہجہ میں کہا "میرے خیال میں سارق نکل جائے گا اور بیچارے خفیہ پولس والے ناحق زحمت وپریشانی اُٹھائیں گے۔"

رالف۔ جناب! یہ ناممکن ہے۔ تمام راستوں اور گھاٹوں کو زیر نظر کرلیا گیا ہے۔ آخر جائے گا کدھر سے؟

اسٹوارٹ۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کدھر سے اور کہاں جائے گا البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ دنیا بہت وسیع ہے۔

مسٹر فلیاس نے اس جملے پر سر اُٹھایا، اور کہا: "اس سے قبل دنیا بڑی تھی۔ اب نہیں۔"

ٹامس۔ یہ کیونکر؟ پہلے دنیا بڑی تھی اور اب چھوٹی ہوگئی۔ آخر کس طرح؟ آپ کی بھی ہر بات عجیب ہوتی ہے! شاید آپ کا مطلب دنیا کے مختصر ہوجانے سے یہ ہے کہ آج کل دنیا کے گرداگرد سہ مہینے میں دورہ کیا جاسکتا ہے۔

فلیاس۔ سہ ماہ میں نہیں بلکہ ۸۰ روز میں۔

رالف۔ ہاں مسٹر فلیاس! آپ صحیح فرماتے ہیں۔ جب سے ہندوستان کی ریل کلکتہ سے بمبئی تک تیار ہوگئی ہے کل دور زمین کا سفر ۸۰ دن میں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اخبار مارننگ پوسٹ نے اس کا حساب بھی بتلا دیا ہے:-

لندن سے براہ برنڈسی سوئز تک ریل اور دخانی کشتی کے ذریعے	۷ یوم
سوئز سے بمبئی تک بذریعہ جہاز	۱۳ یوم
بمبئی سے کلکتہ تک بذریعہ ریل	۳ یوم

کلکتہ سے ہانگ کانگ تک بذریعہ جہاز	۱۳ یوم
ہانگ کانگ سے یوکوہامہ تک بذریعہ جہاز	۶ یوم
یوکوہامہ سے سانفرانسیسکو تک بذریعہ جہاز	۲۲ یوم
سانفرانسیسکو سے نیویارک تک بذریعہ ریل	۷ یوم
نیویارک سے لندن تک بذریعہ ریل اور جہاز	۹ یوم
جملہ	۸۰ یوم

ٹامس - ہان، حساب تو ٹھیک ہی بشرطیکہ سمندر کے طوفان اور ریل کے راستون کی خرابی یا دیگر حادثات پیش نہ آئین۔

فلیاس - نہین۔ باوجود ان سب باتون کے پیش آنے کے بھی حساب درست ہی۔

اسٹوارٹ - اگر ہندوستان یا امریکہ کے وحشی لوگ ریلوے لائن کو خراب نکار ڈالین، جس کی وجہ سے گاڑی نہ چل سکے، اور وہ مسافرون پر حملہ کردین، یا سمندر مین طوفان آجائے اور جہاز بیکار ہوکر رہ جائے!

فلیاس - باوجود اسکے بھی!

اسٹوارٹ - یہ تصور کرلینا تو کہنا آسان ہی، مگر عملاً مشکل۔

فلیاس - عملاً بھی آسان ہی۔

اسٹوارٹ - یہ بات ہی تو مین بھی دیکھون آپ کیونکر کر دکھاتے ہین۔

فلیاس - بہت مناسب۔ آئیے ہم اور آپ ساتھ سفر شروع کردین تاکہ آپ کو عمل کرکے بھی دکھا دون۔

اسٹوارٹ - خدا مجھے اس مجنونانہ حرکت سے محفوظ رکھے۔ البتہ مین آپ سے چار ہزار پونڈ کی شرط کرتا ہون کہ ۸۰ دن مین زمین کے ارد گرد گھومنا محال ہی۔

فلیاس - نہین نہین۔ بالکل ممکن ہی۔

اسٹوارٹ - کہتا تو ہون اگر آسان ہی تو کرکے بتلائیے۔

فلیاس - ۸۰ دن مین؟

اسٹوارٹ - جی ہان۔

فلیاس - بہت اچھا۔

اسٹوارٹ - تو کب سفر شروع ہوگا۔

فلیاس - ابھی۔

اسٹوارٹ - اچھا، مسٹر فلیاس، مین آپ سے چار ہزار پونڈ کی شرط بدتا ہون۔

فلیاس - مجھے بھی منظور ہی، مسٹر اسٹوارٹ۔

پھر دیگر حاضرین کو فلیاس نے مخاطب کرکے کہا "بارنیک بنک مین میرے بھی بیس ہزار طلائی پونڈ جمع ہین۔ اپنی طرف سے مین بھی شرط لگاتا ہون کہ اگر ۸۰ یوم مین زمین کے گرد گھوم کر مین نہ آسکون تو یہ رقم آپ صاحبان کی ہو جائے گی۔"

مخاطبین مین سے جان سولن نے گھبرا کر کہا "افسوس! یہ بیس ہزار پونڈ، ایک واقعۂ ناگہانی کے نذر کئے جارہے ہین۔"

فلیاس - کچھ پروا نہین۔

سولن - مسٹر فلیاس، ذرا غور تو کیجئے۔ اخبار مارننگ پوسٹ نے جو حساب کیا ہی، اسمین نہایت اختصار [illegible] سے کام لیا ہی۔

فلیاس - ہرچہ گیرد مختصر گیرد۔

ٹامس - لیکن مسٹر، ایسا سفر کرنے مین ریل سے جہاز اور جہاز سے ریل پر افتان و خیزان جانا ہوگا۔

فلیاس - ہان۔ از روئے حساب تو کرنا ہی پڑے گا۔

سولن - آپ تو مذاق کررہے ہین۔

فلیاس - جب شرط ہوچکی ہی، تو مذاق کیا معنی۔ ایک انگریز ایسا نہین کرسکتا مین پھر کہتا ہون کہ ۸۰ دن، یا ایک ہزار نو سو بیس گھنٹے، یا ایک لاکھ پندرہ ہزار دو سو منٹ، یا اس سے بھی کم مین زمین کے گرد مین گھوم سکتا ہون کہئے اس مدت کے تعین کے ساتھ آپ شرط لگاتے ہین۔

پانچون ممبرون نے ایک ساتھ جواب دیا۔ ہان شرط منظور ہی!

فلیاس۔ بہت خوب! شرط قرار پاگئی۔ ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر ڈوور کو ریل جاتی ہی۔ مین اُسی سے روانہ ہون گا۔

اسٹوارٹ۔ کیا آج ہی رات کی شرط ہی۔

فلیاس۔ جی ہان! (جیب سے ایک جنتری نکال کر) آج تاریخ ۲ اکتوبر مطابق برج عقرب اور بدھ کا دن ہی اور پورے ۸۰ روز بعد بتاریخ ۲۱ دسمبر مطابق برج جدی، سنیچر کے دن مجھکو اسی کمرہ مین واپس آجانا چاہیئے۔ اگر مین اس مقررکردہ وقت پر نہ آسکون تو مبلغ بیس ہزار پونڈ، جو بازنیک بنک مین میری طرف سے جمع ہین، وہ آپ کی ملکیت ہو جائین گے۔ یہ لیجیے سرٹفیکٹ!

اس گفتگو کے خاتمہ پر ایک دستاویز مرتب کی گئی جس پر مسٹر فلیاس اور پانچون ممبران کلب نے اپنے اپنے دستخط ثبت کیے اور اُس کے بعد فلیاس کلب سے چلدیا۔

۴

فلیاس نے پاسپارٹو کو حیران کر دیا

فلیاس وہسٹ کھیلنے مین ۲۰ گنیان جیت چکا تھا۔ وہ کلب سے ۷ بجکر ۲۵ منٹ پر روانہ ہوا، اور دس منٹ مین راستہ طے کرکے مکان پر پہنچا اور فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

پاسپارٹو چونکہ اپنے آقا کا پروگرام اچھی طرح یاد کر چکا تھا، وہ فلیاس کے اس خلاف قاعدہ، قبل از وقت چلے آنے سے متحیر ہوگیا۔ ابھی آدھی رات گذری تھی، جو واپسی کا وقت مقرر تھا۔ فلیاس نے اپنے کمرہ مین پہنچکر پاسپارٹو کو پکارا۔ اُس نے سُنا، مگر جواب نہ دیا۔

فلیاس نے دوبارہ اسی آواز سے بلایا۔ اب پاسپارٹو سامنے جا کھڑا ہوا۔

فلیاس۔ مین دو مرتبہ تمکو پکار چکا ہون۔

پاسپارٹو۔ (اپنی گھڑی دیکھکر) لیکن ابھی رات آدھی نہین ہوئی۔

فلیاس۔ مین سمجھا۔ اسی لیے پہلی آواز پر نہ آنے کا نوٹس نہین لیتا۔ خیر۔ سنو۔ مین دس منٹ کے اندر ڈوور والی ٹرین سے روانہ ہو رہا ہون۔

پاسپارٹو۔ کیا ہم سفر کو جاتے ہین۔

فلیاس۔ ہان۔ کُل دورِ زمین کے سفر پر۔

اتنا سنتے ہی پاسپارٹو سناٹے مین آگیا۔ اُسکی آنکھین خلاف معمول کھلی کی کھلی رہ گئین۔ ابرو تن گئین۔ ہاتھ اور بازو ڈھیلے پڑ گئے، اور منھ ہی منھ مین کہنے لگا "دنیا کے گرد اگرد"؟

فلیاس۔ ہان! دنیا کے چارون طرف! اور صرف ۸۰ روز مین۔ اس پر مین بیس ہزار پونڈ کی شرط لگا چکا ہون۔ لہذا ایک سکنڈ بھی ضائع نہ کرو۔

پاسپارٹو نے بے اختیارانہ سر ہلا کر کہا "لیکن مین کوئی تیاری سفر کی نہین دیکھتا۔ کچھ سامان.... اسباب وغیرہ؟"

فلیاس۔ کچھ ضرورت نہین صرف ہینڈ بیگ لیلو۔ اُسی مین دو اونی قمیضین اور ۳ جوڑی جراب کھ لینا۔ یہی چیزین تمھین اپنے لیے بھی ساتھ لینا کافی ہون گی۔ باقی اسباب راستہ مین خرید لین گے۔ ہان میری بارانی اور لحاف بھی رکھ لینا۔ تمھارے بوٹ تو مضبوط ہین نا؟

پاسپارٹو اتنا سنکر اپنے کمرے مین آیا اور [illegible] لقدیر! مین کچھ دنون آرام سے بیٹھنا چاہتا تھا، الٹے دورِ عالم کی گردش مین مبتلا کر دیا۔" پھر ایک بے کسانہ انداز سے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل مین مصروف ہوگیا، اور ٹھیک ۸ بجے ضروری سامان ہمراہ لیے حیران و پریشان، کمرہ سے نکلکر دروازہ بند کیا اور فلیاس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

مسٹر فلیاس اپنی یادداشت کی کتاب جس مین آغاز سے اختتام سفر تک کے تمام نقاط و ذرائع پر نشانات بنا دیے تھے بغل مین دبائے تیار بیٹھا تھا۔ پاسپارٹو کو دیکھتے ہی بکس اُسکے ہاتھ سے لے لیا، اور بنک کے نوٹون کی گڈی بیگ مین رکھ کر بند کر دی پھر پوچھنے لگا "کچھ بھولے تو نہین؟"

پاسپارٹو - کچھ نہیں -

فلیاس - بارانی اور سفری لحاف -

پاسپارٹو - یہ موجود ہے -

فلیاس - اچھا - یہ بکس لو - ذرا احتیاط رکھنا - اس میں بیس ہزار پونڈ کے نوٹ ہیں -

بیس ہزار پونڈ کا لفظ سنتے ہی پاسپارٹو کے ہاتھ سے بکس چھوٹ گیا - گویا کاغذی نوٹ اپنی واقعی قیمت کا سونا بن گئے جس کا بوجھ غریب نوکر نہ سنبھال سکا -

بہرحال آقا اور ملازم زینہ سے ہوکر نیچے اُترے - مکان مقفل کیا، اور ایک کرایہ کی گاڑی میں بیٹھکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے - ۸ بجکر ۲۰ منٹ پر گاڑی رکی - اسٹیشن آگیا تھا - پہلے پاسپارٹو گاڑی سے اترا بعد کو اس کا متموّل آقا - کوچبین کو کرایہ دیکر رخصت کردیا گیا -

اُسی وقت ایک فقیر عورت چیتھڑے لگائے ہوئے ایک عریان بچہ کا ہاتھ پکڑے سامنے آکر بھیک مانگنے لگی - مسٹر فلیاس نے یہ کہکر "نیک عورت! شکریہ کہ مجھے خدمت کا موقع دیتی ہو - لو" وہی بیس گنیاں جو تاش میں جیتی تھیں اُسکے حوالہ کردیں -

پاسپارٹو اپنے آقا کے اس ایثار سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اُسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور مسٹر فلیاس کی طرف سے دل میں ایک خاص عقیدت و عظمت پیدا ہوگئی -

چونکہ گاڑی کا وقت قریب تھا - اسلئے فوراً دونوں مسافر بکنگ آفس میں پہنچے اور اوّل درجہ کے دو ٹکٹ خرید کر پلیٹ فارم پر آگئے ریفارم کلب کے پانچوں ممبر بھی اپنے بلند ہمت دوست کو رخصت کرنے اسٹیشن پر آگئے تھے - اُن سے فلیاس کہنے لگا "صاحبان! میں اب جارہا ہوں - میرے سفر دورِ عالم کی تصدیق میرے پروانہ ہائے راہداری سے ہوگی - جسمیں دنیا کے شہروں اور موقعوں کی مہریں اور وہاں کے افسران متعلقہ کے دستخط وغیرہ ہوں گے - اُن سے آپ کو میری سیاحت کے متعلق پورا اطمینان ہوجائیگا"

رالف - یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ اسکی کوئی ضرورت نہیں - ہم لوگ آپکے ذاتی شرف پر اعتماد رکھتے ہیں -

فلیاس - اگر مجھ پر اعتبار فرمائیں تو بہت ہی باعثِ ممنونی ہے -

اسٹوارٹ - تاریخ واپسی نہ بھولئے گا -

فلیاس - ہرگز نہیں - آج سے ۸۰ روز بعد ۲۱ فروری ۱۸۷۲ء سنیچر کے دن ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر ہم ایک دوسرے کو دیکھیں گے - اچھا صاحبان خدا حافظ! -

۸ بجکر ۴۵ منٹ گذرنے پر فلیاس مع اپنے خدمتگار کے فرسٹ کلاس میں تھا اور ریل چل رہی تھی - رات اندھیری تھی کچھ کچھ ترشح بھی ہو رہا تھا - ایک گوشہ میں فلیاس خاموش اور دوسری طرف پاسپارٹو نوٹوں کے بکس کو بغل میں بہت زور سے دبائے بیٹھا تھا کہ یکایک اُسکے منہ سے نکلا "افسوس!"

فلیاس - "کیا ہوا؟"

پاسپارٹو - ہوا کیا؟ ... جلدی ... اور ... گھبراہٹ میں .. ایک چیز بھول گیا -

فلیاس - کیا بھولے؟

پاسپارٹو - میرے کمرہ میں جو گیس کا لیمپ جل رہا تھا، اُسے گل نہیں کیا -

فلیاس - اونہہ - ہوگا بھی - واپسی تک اپنے حساب سے جلتا رہے گا -

ارشد تھانوی

نغمۂ بہار

دیدہ ام چمن بدل با چنین بہار ہا   دادہ موج باد او جان بجان زار ہا
ہر طرف لصحن او سوز و ساز بلبلان   بہر گوش ہر گلے شور جوئے بار ہا
سر دست آب جو قریان بہا و ہو   حسن یار پیش رو بہر ہوشیار ہا
پیش لالہ سر نہادہ نرگس از نیاز خود   لالہ زار داغ دل نازش نگار ہا
غنچہ در تبسمے از مسرت نہان   گل بناز حسن خود آفت ہزار ہا

سر کشادہ بر استیے در چمن چو آتیے   باغ را جاستے طعنہ بہ نار ہا
ناگہان ز عرشیان آمد این ندا این   اے شہید خنجر شش کشتہ نگار ہا
دامنے کشادہ کن نوبتے ندائے ست   نہند بہر تو گنج عیش نگار ہا
عشق را ستودہ حسن دل فزودہ   کار ہا نمودہ جان نثار دار ہا
حالیا فغان مکن شکوۂ بتان مکن   برہمن ہمین نمط دارد انتظار ہا
می شود کہ نور را رہ بہر دلے دہ   مرغ جان عالمے باشد شکار ہا
اے حمید زار او مژدۂ بہار گو
جز رہ صفا بجو بہ ازین چہ کار ہا   قاضی حمید

شبیہ غالب

"العصر" میں دیکھ کر فی البدیہ

سامنے آنکھوں کے کس کا پیاری تصویر ہے   جس کی خاموشی میں بھی اک لذتِ تقریر ہے
دیکھنے والے پہ طاری ہے ارادت کا وفور   چشمِ نظارہ کو حاصل ہے زیارت کا سرور
آئینہ ہے غالب جنت نشین خلد آشیان   باعثِ اعزاز دلی نازشِ ہندوستان
جو نظیر اپنی تھا خود اس عالم ایجاد میں   اور اب خوابیدہ ہے خاکِ جہان آباد میں
زندگی بھر جو رہا سرمست صہبائے سخن   مرتے مرتے بھی نہ چھوڑا جام مینائے سخن
مر گیا لیکن ہجوم شوق باقی رہ گیا
مٹ گیا پھر بھی نہ ذوقِ باقی رہ گیا

آہ اے جلوہ فروز روئے زیبائے سخن   تو وہ مجنون تھا کہ تھی جس پہ لیلائے سخن
تجھسے اردو کا ہوا روشن چراغِ شاعری   آسمان پر تو نے پہنچایا دماغ شاعری
شاعرانہ کیف سے دیکر عوام الناس کو   تو نے زندہ کردیا موسیقی احساس کو
تو بہارستانِ وجدانی کو لایا جوش میں   اور کی تحریک پیدا فطرتِ خاموش میں
دل میں جذبات لطیفہ کا تلاطم کر دیا   روح کو ممنون انداز تبسم کر دیا
فلسفہ رنگِ تصوف کا عیان تجھسے ہوا   عام فیض لطف ادراکِ نہان تجھسے ہوا
ہان بقول خویش ماکرشے دہر را مستانہ
ورتہ ہے تہمت غالب حیدرے میخانہ   ارشد تھانوی

موتیوں کی لڑی

تخمیس بر غزل حضرت غالب مغفور

ملی کیا شمع ازل میں یہ ایک قسمت دارگون بھی   اسی سے زندگی وابستہ لیکن بے سکون وہ بھی
بہ جز سرمایۂ عمر دو روزہ ہر کہوں نہ وہ بھی   بساطِ عجز میں تھا ایک دل یکقطرہ خون وہ بھی
سو رہتا ہے بہ انداز چکیدن سرنگون وہ بھی

محبت گو ہے بیگانہ تصنع سے تکلف سے   مگر جب غیر ہی بننے لگے کچھ بے تکلف سے
مزاج اپنے کو کیا ہم نے تکلف سے   رہے آزردہ ہم اس شوخ سے بنے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنون وہ بھی

اجل کے آتے ہی پرہم جاہا تھا کہ دل ٹھہرے   ٹھہر جاتا ہوتے تھرتے جیتے جی کے یہ دمے
نہ ہو جب مرکے بھی امید آسایش تو کیا کیجئے   خیال مرگ کب تسکین دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبون وہ بھی

تغافل پیشتر بھی دل تڑپتا تھا مگر کم کم   معاذ اللہ اب تو تیزی کا ہو گیا عالم
کہ گویا اک جہان بیقراری ہے دل پر غم   نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم!
کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

تغافل دلستانی کا ہے کوئی اندازہ فرماؤ   تحیر دلبری کا ہے کوئی اندازہ فرماؤ
نہ یون خون تمنائے دل جانباز فرماؤ   نہ آتنا برشِ تیغ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خون وہ بھی

ملے آرام زیر چرخ کیا یہ جو سلامت ہے   امید کامیابی ہو تو [illegible]
تھی ظاہر فوت کیوں بیکار کوئی التجا کیجے   [illegible] عشرت کی [illegible] گردواں کیا کیجے

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] مانی (بنارسی)

بستر مرگ

[illegible]   [illegible]
بہار گل [illegible]   [illegible]
جو تھی [illegible]   [illegible]
گئے دنیا سے سب ہی [illegible]   جنھیں تھا زندگی میں [illegible] یکتائی
نشاط عمر کی رنگینیاں مٹ جائیں گی [illegible]   اجل آکر کرے گی سب فنا کی نقش پیرائی
مریض ناتواں ہوں کیا بھروسہ میرے جینے کا   [illegible]
فنا سامانیاں [illegible]   حیات [illegible]
مکان کے بام و در دیوار سے وحشت برستی ہے   اداس [illegible]
نظر آتے ہیں تنکو اور ہی طور اب تو [illegible]   ہوا جاتا ہے [illegible]
یہاں کچھ سنتا ہے کہیں کچھ کہتی باتیں ہیں   [illegible]
پٹی آنکھیں [illegible]   [illegible]
بصارت گھٹتی جاتی ہے نظر آتا ہے کچھ دھندلا   مری آنکھوں سے رخصت ہو رہی ہے اب بینائی
کلیجہ کٹ رہا ہے کوئی دل ہاتھوں اچھلتا ہے   [illegible]
اٹھا لو پاس سے میرے دوا کیا فائدہ دے گی   طبیبوں کی [illegible] سب سازی آنائی
[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
مگر اک التماس آخری کو یاد رکھنا [illegible]   [illegible]

کہ وہ جیسے گئی [illegible] اپنی جان لیکر

لیے بیٹھے رہیں بس آپ اپنی شان مرزائی

زمانہ تھا، کہ اُن کو دیکھ کر میں زندہ رہتی تھی   گئے وہ دن بس اب تہ کر رکھیں اپنی مسیحائی
یہ سچ ہے دل والے کیا کوئی اپنی جان کھوتے ہیں   بھلا کب تک کرے میری کوئی یوں چارہ فرمائی
زمانہ کی ہوا بیمار جو برسوں کی کھایا ہو   پھر اُسکی تندرستی کے لیے ہو دشت پیمائی؟
[illegible] اب اُس سے کیا مطلب مجھے اب اسکی کیا پڑا   بہار آئی ہر گلشن میں کسی کے یا خزاں آئی

کھلیں کلیاں چمن میں ہر برس، تو کیا غرض مجھکو
کلی دل میں بھی اک جو اس طرح سے آج مرجھائی

سنبھالو مجھکو [illegible]   بہت کچھ اب تو میرے جسم پر بستر کی چھائی

[illegible] ہوئی تب کو وہ آئی آخری ہچکی
وہ آئی آخری ہچکی خلاصی روح نے پائی   قیصر

تو پی کہے سو کون

پپیہے او پپیہے! کس لیے آنسو بہاتا ہے   زبان پر تیری پی پی کس لیے رہ رہ کے آتا ہے؟
[illegible] کیوں [illegible] سناتا ہے   جو خود ہی جل رہا ہو اور کیوں اسکو جلاتا ہے؟

کاٹوں توری چونچ پپیہا ڈاروں ان پر نون
مین پیو کی اور پی مورا۔ تو پی کہے سو کون   پپیہا تو پی کہے سو کون!

نسیم زلف عنبر بیز [illegible] کیوں ظالم   تجھے افسانۂ ساز و دستاں بھاتا ہے کیوں ظالم
[illegible] ترانۂ عشق کا گاتا ہے کیوں ظالم   کسی کا نام تو لے لے کے چلاتا ہے کیوں ظالم

کاٹوں توری چونچ پپیہا ڈاروں ان پر نون
مین پیو کی اور پی مورا۔ تو پی کہے سو کون   پپیہا تو پی کہے سو کون!

غم آرام جان میں او بے آرام کرتا ہے   رموز خاص عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے؟
سر بازار نام یار کیوں بدنام کرتا ہے؟   کسی کا راز کیوں منجت طشت از بام کرتا ہے؟

کاٹوں توری چونچ پپیہا ڈاروں ان پر نون
مین پیو کی اور پی مورا۔ تو پی کہے سو کون   پپیہا تو پی کہے سو کون!

تجھے [illegible] نالہ دوسرا کوئی نہ کام آیا   خدا کو مان ظالم اب تو چپ ہو وقت شام آیا
تری آواز کیا آئی! اجل کا اک پیام آیا   خبردار اب اگر تیری زبان پر پی کا نام آیا

کاٹون توری چونچ پپیہا ڈار دون اپر نون
مین پیو کی اور پی مورا۔ تو پی کہے سو کون پپیہا تو پی کہے سو کون!

نہ کر اب امجد خستہ کو ظالم چیخ کر مضطر   بہ رنگ بوئے گل ناداں جلے تنہو باہر
اری ننھی سی چڑیا، جان ننھی سی زبان گز بھر   چڑھائے کا کون متصل کے مانند بولی پر

کاٹون توری چونچ پپیہا ڈارون اپر نون
مین پیو کی اور پی مورا۔ تو پی کہے سو کون پپیہا تو پی کہے سو کون!

سید احمد حسین امجد

چشمۂ وطن

(سرور مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم)

جاری رہیگا یونہی تو اے وطن کے چشمے!   انداز خوشخرامی ہر گز یہ کم نہون گے
انے عمگسار طفلی! لیکن یہ غم ہے مجھکو   ساحل پہ آہ تیرے اپنے قدم نہون گے

گزرے گا سبزہ زارون مین کھیلتا ہوا تو   موجون مین تیری دلکش کیا پیچ و خم نہونگے
یونہی رواں رہیگا تو سبز وادیون مین   ساحل پہ آہ تیرے، اپنے قدم نہونگے

ملتے رہیگے یونہی پھولون کی تیری بیلین   جھونکے نسیم کے یہ کیا صبحدم نہون گے
تیرا کرین گے یونہی مرغابیون کے جوڑے   ساحل پہ آہ تیرے اپنے قدم نہون گے

کھیلا کرین گی تجھسے سورج کی دن مین کرنین   کیا شب کو چاندنی کے سامان بہم نہونگے
رونق یہی رہیگی تیری۔ وطن کے چشمے!   ساحل پہ آہ تیرے اپنے قدم نہونگے

رباعی مرزا دبیر

کس گل مین نہین بوئے محبت تیری   روشن نہین کس رنگ مین رنگت تیری
دریا مین گہر، باغ مین گل، سنگ مین لعل   سب پر ہے عطا حسب لیاقت تیری

تازہ غزلین

۱۔ سید الشعرا حضرت ضمیم (ملیح آبادی)

دل کا جو کچھ اک لیا ہی [illegible] تار ہا   [illegible] آنسو رکھا جاتا رہا
اس گلی کا عشق کیا جسکے گلے کا ہار تھا   جب ہی بت نے گلا باندھا گلا جاتا رہا
لگ گئے تھے یہ دل ہندو کا دیکھا با نکر   کیا کہوں ہائے ہاتھوں ہاتھ کیا جاتا رہا
حسن کا [illegible] سے پانے آ گئے تھا   غیرت ملکا یہ جلوہ آپ کا جاتا رہا
اب تمھی ارزو [illegible]   [illegible] شوق جینا جاتا رہا
غیر کے لیتے ہیں باتین ہمسے وہ کرنے لگے   اب تو ان سے دل لگی کا بھی مزا جاتا رہا
تھی شب وعدہ عجب تصویر شکل اضطراب   رنگ سو سو رنگ سے آتا رہا جاتا رہا
جلوہ گاہ ناز خلوت ہو اب کیسا حجاب   اٹھ گیا پردہ دوئی کا سا سنا جاتا رہا
توڑ کر دل تجھسے کہتا ہے مرا ایمان شکن   اب ستم کا دور رہے عہد وفا جاتا رہا
غیر کی نظرون سے چھپ کر دیکھا تو پایا آہی گیا   بانی کا کسی کی اب گلا جاتا رہا

لیگیا وہ دل تو لیجانے بھی دو اسکو ضمیم
یا ایسی چیز کیا تھی ایسا کیا جاتا رہا

۲۔ سید کلب احمد صاحب بانی (اجانسی)

درست لے گریۂ بیجا آج دل لیتا ہے پہلو مین   کہ کچھ پارہ ملے دل بھی تھے مخلوط آنسو مین
کسی کی آنکھ سے افسانۂ غم پر جو نکلا ہو   جزائے خلد ہزار آلام ہے اُس ایک آنسو مین
شمول خون دل سے ہو گیا گلرنگ یا شاید   تمھارے رنگ عارض کا اثر ہے میرے آنسو مین
اثر لوز جوان کی نگاہ اولین مین تھا   الٰہی منتقل ہو جائے اب ڈھیر سے آنسو مین
مین سوز ہجر سے آتش بجان ہو کر بھی انسی ہی   کیا اک نسبت ہے میرے حال مین ادراک کی خو مین
وہی آج آشیان برباد جو کل ناز کرتا تھا   کہ ہے میرا نشیمن شاخ گل پر گل کے پہلو مین
مین ڈرتا ہون خدا کے واسطے تیور نہ بدلو تم   نظر آتی ہے مجھ خون دل ان چین ابرو مین
تعین زیست ہوگی گتھی کھلنے نہ پائے تمنا سے   مگر جی چاہتا ہے کر دو ہو میرے قابو مین
یہ معلوم لیکن دسترس [illegible] بانی   ہمارا ان کی [illegible] دل ہے [illegible] گیسو مین

العصر

ستمبر ۱۹۱۹ء

جلد ۵ — نمبر ۳

فہرست مضامین

تصاویر:- (۱) مہاراجہ گائکوار بڑودہ (۲) مسز اینی بیسنٹ

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) اس کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے مع محصول ہے سالانہ بیرون کی تا ممکن ہے۔

(۳) نمونہ کے لیے ۷ آنا چاہیئے [illegible]

(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے ورنہ حساب نہیں۔

(۵) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے۔

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

(۷) ترسیل زر و درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ و ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلہ کے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کئے جائیں۔

(۹) العصر میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا، نا تمام مضامین بھی نہ لئے جائیں گے۔

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی [illegible] کیا جائیگا، مگر اسمیں اور تکمیل مضامین کی تخصیص ہے۔

نوٹ:- تصاویر کا سلسلہ کچھ خراب ہو گیا تھا مگر اب ہم نے خاص انتظام کیا ہے اور آئندہ ماہ سے امید ہے کہ یہ شکایت رفع ہو جائے گی چنانچہ آئندہ نمبر میں کم از کم دو ہاف ٹون تصویریں ہونگی جن میں کئی تصویریں خاص طور پر تاریخی اہمیت رکھتی ہیں ناظرین منتظر رہیں۔ (ایڈیٹر)

سرمایۂ عمر چودھری دیبی پرشاد بلگرامی

نام ادویات	قیمت	نام ادویات	قیمت
اٹبن جھائین یا داغ سیاہ زمین پر		بمطر شاہی جس سے مفعول نکوت	
چہرہ صاف و ملائم ہوتا ہے چھٹانک	۵ر	ہو شیشی کلان ۱عص خرد	۱۲ر
روح چیگ مفید سوزاک کہنہ		تار و ٹڈی	۸ر
سالہا سال کا بگڑا ہو اور خواہ عورت		روغن کٹھیا شیشی	۸ر
ہو نہ کل امراض چشم کو مفید شیشی کلان		آتشک جس میں ہر ہو یا زار	
(سے ر) خرد	عگہار	سکیو شنگرف اندرانٹ وغیرہ	
اگر دودھ ہو اسطے بچے دانی		نہیں منہ تے دست نہیں آتے	
نہ دانت نور اک میں بکثرت ہوتا ہے	عہر	بر پرہیزی اس کا پرہیز اجالکے	
غمزہ شاہی چہرہ سیاہ تمام کو		ہمراہ کھائی جاتے آنکھ نور اک	عہہر
گلفام کرے چھٹانک	۱۰ر	بوے ناخوش اندام نہاتی چند	
ضیق النفس کہنہ رتی	۸ر	یوم میں جاتی ہے فی تولہ	۳ر
ناسور کہنہ پکت	۱۲ر	روغن گنج سر شیشی کلان	عصر
اگر عادی مسہل ہوں تو معدہ		شیشی خرد	۶ر
پر اسہال سوداوی زیر بغل سفراوی		روغن خنازیر شیشی کلان	۸ر
پشت پر بلغمی چند منٹ میں آ جاتے		شیشی خرد	۲ر
ہیں شیشی	۸ر	کراماتی ڈبی اگر معدہ پر لگا دیں	
عرق النساء پیٹ میں نفع ہو	عہر	تے نات پر اسہال پیڑو پر ادرار	
ممسک حیض و رطوبت اندام		پیشاب حیض بند ہو جاری	
نہانی درجن	سے	کرے ڈبی	۸ر
بلا تکلیف اعضا شکنی درست		گولی عرق النساء پر بیٹھ جاتے	
کے عادت افیون نفع ہو درجن	۶ر	ہی رفتہ ہے فی عدد	۴ر
عرق النساء یہ جادو کی گولی ہے		کالرا کیور علاوہ اسکے بہت سے	
ایک پیٹ میں گئی درد رفع ہوا ایک گولی	۴ر	امراض کو مفید ہے بکس	۱۲ر

بلگرامی آئینہ جہان نما عجائبات دنیا کی سیر کے علاوہ اسکے ذریعہ تشخیص مرض ہو جاتی اور ایام صحت کی میعاد وغیرہ بھی معلوم ہوتی ہے قیمت صرف ۸ر آنے

چودھری دیبی پرشاد بلگرامی۔ گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال پر ڈپو نمبر ۱ لکھنؤ

نہایت عمدہ اور بے نظیر علاج

ڈاکٹر سلطن صاحب کے **آکسی ڈنٹل بام** کی طبی دنیا

میں جو شہرت ہے وہ محتاج بیان نہیں

اعصاب کمر سینہ وغیرہ کے درد پر تھوڑی مقدار

میں اس کی مالش تکلیف کو دور کر دیتی ہے

دمہ کھانسی اور درد سر

میں علاوہ مالش کے سونگھنا بھی نافع ہے

"آکسی ڈنٹل بام"

کو مقام ماؤف پر ملنے سے بچھو و دیگر حشرات الارض کا

سمی اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے

غرض

یہ دوا ہر شخص کے لیے بحالت سفر و حضر ایک لائق طبیب و ڈاکٹر کا

کام دیگی پرچہ ترکیب استعمال دوا کے ہمراہ ہوگا قیمت فی شیشی ۱۲ر

(محصول ڈاک ذمہ خریداران ہوگا)

المشتہر

ایس اے رزاق اینڈ کمپنی چار کمان حیدرآباد دکن

سول ایجنٹ: ساکو ٹو میڈیکل کمپنی جیلیوری اسٹریٹ دہلی

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبیعیہ کی تاریخ۔ علوم طبیعیہ کی ان تمام دریافتون اور ایجادون کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر انیسوین صدی تک وقتاً فوقتاً عمل مین آتی رہی ہین مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہو کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتون اور ایجادون مین کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہو۔ مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویرین دی گئی ہین۔ قیمت ہر دو جلد عہ۔ مجلد عہ

عجیب و غریب صدی۔ دی ونڈرفل سنچری ریڈر مصنفہ الفریڈ رسل ولس کا اردو ترجمہ۔ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم [illegible] کہنا چاہیے۔ اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی مین سلطنت نے دریافت و تحقیق سے ظاہر کی ہین حرارت روشنی اور برق نے جو عجیب کام [illegible] دکھائے ہین [illegible] اس کتاب مین مندرج ہین علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون اجرام فلکی علم الارض اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہین حجم [illegible] صفحات قیمت ۹ مجلد ۱۲

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہو جس مین چاند سورج ستارون سیارون اور دمدار تارون ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری ان کی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین۔ زمین پر بیٹھکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیے حجم [illegible] صفحات قیمت صرف ۸ مجلد ۱۲

حیات شمع۔ جس مین شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت، شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہین شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت کوئلہ، کوئلہ کی گیس، کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین۔ قیمت ۶

پھولون کی کہانی۔ جسمین پھول کے اعضا افعال خواص بناوٹ اصطلاحی نام [illegible] تولید، شادی بیاہ کرنے، ملکر رہنے سہنے [illegible] کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہین قیمت ۸

مشرق کی نابود شدہ تہذیب۔ کتاب کیا ہو ایک عبرت کا دفتر ہو یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع جس مین یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو۔ نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیقی، حتی، بابلی، کالدی، اسوری، عرب، ایرانی، مصری، یہودی وغیرہ کے وہ تمام عجیب اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب و شائستگی کا مسلم معیار سمجھے جاتے ہین قیمت [illegible]

اصول پولیٹکس۔ تعریف نام سے ظاہر ہو جو لوگ پولیٹکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین مناسب ہو کہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین قیمت [illegible] مجلد [illegible]

فلسفہ الوہیت۔ یعنی مسٹر [illegible] کی تصنیف کا ترجمہ تشریح مولفہ [illegible] پنڈت [illegible] صاحب [illegible] چھپائی [illegible] اور کاغذ دبیز [illegible] توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہین طبع چہارم مجلد قیمت [illegible]

اپنشدون کی تعلیم۔ اس کتاب مین اپنشدون کا مذہب یعنی خدا، انسان، دنیا کی پیدایش، قائمی اور انتہا، انسان کی موجودہ اور آیندہ حالت اور [illegible] مکتی کا بیان ہو قیمت [illegible] مجلد [illegible]

ویدون کی تعلیم۔ انگریزی کی مشہور و معروف کتاب [illegible] آف دی ویدز کا ترجمہ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خدا کی ہستی۔ انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر و دلپسند تصنیفات کا ترجمہ۔ عبارت نہایت سلیس اور عام فہم قیمت مجلد ۱۲

مکالمات افلاطون۔ جسمین مشہور حکیم و فلسفی افلاطون کے تین مکالمات یعنی (۱) فائیڈون (۲) یوتھیفرون اور (۳) پروٹاگورس شامل ہین ان مکالمات مین افلاطون نے مبحث سے عقلی اخلاقی اور فلسفیانہ نکات کو حل [illegible]

کیا ہو نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہے جو اصل یونانی سے ترجمہ کی گئی ہے
حجم ۴۳۳ صفحات قیمت مجلد عمہ

سلیقۃ الاخلاق - اسکا نوی آف بیوٹی الاطف کا اُردو ترجمہ اس کتاب کی نصائح موتیوں میں تولنے کے قابل ہیں۔ تقریباً تمام مہذب زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور رسامہ فہم ہے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک اچھا انعام ہے قیمت ۱۲ر

حیات بعد الموت - انگلستان کی نامور مصنفہ فلارنس میریت کی لاجواب کتاب ... کا ترجمہ ... جس میں منشی اختر محمد خان صاحب ... نے فصاحت و دقیقہ رسی ... اور تعلیم یافتہ ... کے لیے ... والی غذا ... قیمت مجلد ...

ہوائی کرہ کے عجائبات - اس کتاب میں ہوائی ... نہایت دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ... قیمت ...

تاریخ مذہب - اس میں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور ... مذاہب ... اور دیگر ... مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ... مجلد ...

قدما کی حکمت - ... کی مشہور کتاب ... ترجمہ نہایت دلچسپ ... قیمت ...

داستان مریخ - ... مریخ کی ... تحقیقات ... ہو اسکو اختصار کے ساتھ ... قابل دید کتاب ہے قیمت ...

مشاہیر عالم - دنیا میں جو مشہور اشخاص گزرے ہیں اس کتاب میں انہیں کا تذکرہ درج ہے یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تعلیم بخش ہے۔ اس کے مطالعہ سے نوجوانوں میں ہمت اور ... کاموں کی تحریک و شوق پیدا ہوگی قیمت صرف ۸ر

طالبان حق - اس کتاب میں ... کے تین مشہور و معروف فلاسفروں یعنی (۱) سینکا (۲) ایپکٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہیں نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے قیمت مجلد ۱۲ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین - اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ وہ کیونکر ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہو گیا۔ نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے
قیمت ہر دو جلد عیصہ مجلد ...

مصر کی کایا پلٹ - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہے حجم ۴۲۲ صفحہ قیمت مجلد عیصہ

بچوں کی پرورش مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ملکہا۔ ۱۵۳ صفحہ کی کتاب ہے جس میں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے۔ بچوں کے کھانے کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے قیمت عیصہ

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم جس میں بعض یورپین علماء کے ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں جو انھوں نے اسلام پر ... و سائل متعلق معاشرت و سیاست پر ... قیمت ہر دو جلد ...

وقائع سیاحت اکبر برنیر - یہ مشہور سیاح عہد شاہجہان اور ... میں ہندوستان آیا تھا۔ اسی کا یہ سفرنامہ ہے جسکو ... دو جلدوں میں خلیفہ سید محمد حسین خان نے ترجمہ کیا ہے نہایت دلچسپ کتاب ہے حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت صرف ...

تاریخ تمدن - ہنری ٹامس بکل کی معرکۃ الآرا تصنیف ہسٹری آف سویلیزیشن کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کتاب کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس سے مترجم کی خوش دماغی اور قابلیت علمی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاتا قیمت مجلد عیصہ غیر مجلد عیصہ

دولت درانیہ - احمد شاہ درانی کے مفصل حالات ہندوستان پر متواتر حملے سکھوں اور مرہٹوں کی مشہور معرکہ آرائیاں بڑے بسط و توضیح سے بیان کی گئی ہیں قیمت عـه

تاریخ اسپین - مسلمانوں کا اسپین پر حملہ اور پوری طرح تسلط ہونے تک جو واقعات پیش آئے ہیں وہ سب نہایت عمدگی سے مختصر طور پر درج کر دیے گئے ہیں قیمت ...

نپولین اعظم - یہ کتاب بڑے کاغذ پر چھپی اور پانچ جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اسکو چھاپا ہے نپولین اعظم کے اوصاف فوق العادت

تھے اسکے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہی کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہنچ سکتا ہی۔ پانچون جلدون کا حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت مجلد [illegible]

سوانح عمری پیغمبر عالم ۔ حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین۔ اردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہی کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمر نہایت [illegible] قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کئے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا [illegible] کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ ضخامت ۵۰۰ صفحہ قیمت [illegible]

رسول عربی ۔ پیغمبر اسلام کی جامع سوانح عمری اور سچے حالات حجم ۱۵۴ صفحہ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت [illegible]

بنت الرسول ۔ [illegible] حضرت فاطمہ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبر آبادی نے لڑکیون اور مستورات کے لیئے لکھا ہی حجم [illegible] صفحہ قیمت [illegible]

اکسیر محبت ۔ [illegible] کی رومی نظمون [illegible] کا اردو ترجمہ نظم کیا ہی [illegible] کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب [illegible] مقدمہ [illegible] [illegible] یہ کتاب مقبول ہوگی تو اس کا دوسرا حصہ [illegible] [illegible] نظمون کے ترجمہ [illegible] لال صاحب شاد [illegible] بھی کتاب [illegible] اس قابل ہی کہ [illegible] خریدی جائے بہت کم نسخے اب باقی ہین قیمت ۶ ر

کفایت شعاری ۔ [illegible] کی مشہور و معروف کتاب [illegible] کا خلاصہ [illegible] قیمت [illegible]

مرقع ادب ۔ ہندوستان کے مشہور انشاپرداز اردو [illegible] کے نہایت دلچسپ اور پر از معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ [illegible] کے مختصر حالات کے اس مرقع مین امیر، داغ، ریاض، جلیل، [illegible] اکبر وغیرہ کے خطوط بڑی محنت سے تلاش کرکے یکجا کر دیئے گئے ہین قیمت [illegible]

قاسم و زہرہ ۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی [illegible] کے مصنف ہین [illegible] شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ [illegible]

شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کر بھرا ہی فقرے چست لطیفے برجستہ [illegible] دلکشی جگہ بہ جگہ مذاق سے خالی نہین معاشرت کے سین [illegible] دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین ترمایہ ڈراما ڈوبا ہوا ہی قیمت [illegible]

عالم خیال ۔ حضرت شوق قدوائی کی ایک بے اضافت [illegible] اردو نظم جو ایک مدت سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہی چارون رنگون کے ساتھ با اعلانہ [illegible] شامل ہی نیز منشی [illegible] لال صاحب [illegible] نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی شروع مین ایک محو خیال عورت کی نادر تصویر [illegible] ایک [illegible] بنائی ہی قیمت [illegible]

جذبات مسلم یعنی قومی منظومات کا ایک دلکش مجموعہ اس مجموعہ مین [illegible] منظومات شامل ہین [illegible] چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی [illegible] کتاب محاسن ظاہری و باطنی کا بے نظیر مرقع ہی اس قسم کی کتاب آج تک شائع نہین ہوئی قیمت [illegible]

رباعیات انیس و دبیر ۔ اس کتاب مین [illegible] کے ان دونون مشہور قادر الکلام [illegible] [illegible]

رباعیات دبیر ۔ حضرت دبیر کی رباعیات [illegible] [illegible]

پالکی ۔ [illegible] کتاب [illegible] نہایت [illegible] تفصیلے کے [illegible] طرز بیان سب سے [illegible] تعزیر [illegible] کی گئی ہین [illegible] کے لیئے عمدہ کتاب ہی قیمت ۱۲ ر

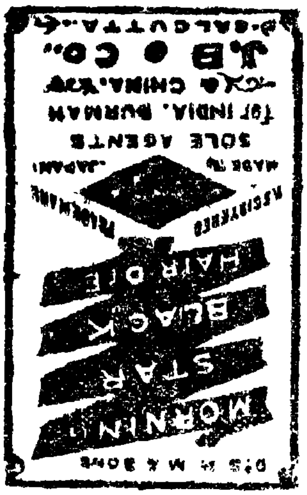
برکات سلطانی ۔ یعنی ملیا حضرت [illegible] نواب سلطان جہان بیگم [illegible] جی سی ایس آئی جی سی آئی ای [illegible] [illegible] مختصر حالات [illegible] کی عکسی تصویر بھی [illegible] کی گئی ہی لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہی قیمت [illegible]

درۂ دانیال ۔ [illegible] انگریزی اس کتاب مین [illegible] دانیال کی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہی قیمت [illegible] مجلد [illegible]

ناول

چاک گریبان۔ رینالڈ کے ایک دلچسپ انگریزی ناول کا ترجمہ
حجم تقریباً ساڑھے تین سو صفحہ قیمت عہ
افسون۔ بالکل سچی سرگذشت اور تاریخی فسانہ غدر ۱۸۵۷ء کے
ایک واقعہ کی دردناک تصویر قیمت ۱۲ر
فرانسیسی معلمہ۔ تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ جسکو مولوی
جلال الدین صاحب ایم اے نے انگریزی سے ترجمہ کیا ہے قیمت ۸
ثالث بالخیر [illegible] زندگی کی زندہ تصویر سید
سجاد حیدر صاحب بی اے (علیگ) نے ترکی سے ترجمہ کیا ہے قیمت ۱۴ر
زہرا۔ یہ بھی ایک دلکش ترکی ناول کا ترجمہ ہے جو سید سجاد حیدر صاحب
بی اے [illegible] قیمت ۱۰ر
نیرنگی دہر۔ [illegible]
شریعت اللہ [illegible] قیمت ۸
شاہد رعنا۔ دہلی کی [illegible] لطافت کی [illegible]
[illegible] سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی قیمت ۹ر
سعادت۔ چند شریف زادوں اور ایک طوائف کا [illegible]
ازقادری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی قیمت ۱۴ر
سعید۔ ایک نوجوان شخص کا حسن [illegible]
طوائف کے مکان پر جانے سے تائب ہونا ازقادری محمد سرفراز حسین
صاحب عزمی دہلوی قیمت ۱۴ر
سلیمہ۔ ایک معصوم شریف زادی کی دردناک کہانی جسمیں دکھایا
ہے کہ ایک شریف عورت [illegible]
کس [illegible] قیمت ۱۴ر
دغا۔ یعنی بنگلہ بھکت اور اُس کی [illegible] ناول کے پیرایہ میں ایک
سچے واقعے کا بیان قیمت ۱۰ر
خلق مجسم۔ شائستہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویر۔ اخلاق کی مجسم صورت
قیمت عہ

بوالہوس۔ عورتوں کی مستقل مزاجی پابندی قول اور قیافہ شناسی قیمت ۱۲ر
ماتا۔ حسن فروشی و عشق آموزی کا آئینہ دلفریب کرشموں کا گنجینہ قیمت ۱۲ر
طلسمی فریب۔ ایک معزز رئیس کی تباہی کا حسرتناک نظارہ قیمت ۱۰ر
کرشن کانتا۔ طلسم زرنگار کے عبرتناک حالات نہایت دلچسپ قیمت عہ
حورعین۔ ۱۸۵۷ء کے [illegible] شریف خاندانوں کی تباہی قیمت عہ
اسیر ہند۔ قیافہ شناسی کا آئینہ [illegible] فراست کا گنجینہ قیمت ۱۰ر
خوبی قسمت [illegible] انسان کیونکر قابو میں لایا جاتا ہے قیمت ۱۲ر
سبز باغ۔ مسلمانوں کی فضول خرچی اور بیجا اسراف کی تصویر قیمت ۸ر
زرین ملک کی تلاش۔ جنوبی امریکہ کے سفر کے دلچسپ حالات قیمت ۸ر
دہن [illegible] بادشاہ [illegible] ظلم کا ایک دردناک قصہ قیمت ۸ر
جوش جوانی۔ [illegible] داستان قیمت عہ
سرتاج فرنگ۔ [illegible] تصنیف کا ترجمہ قیمت عہ
جانباز [illegible] کی تباہی قیمت ۹ر
جفا و وفا۔ ایک حسینہ دلنواز کی وفاداری۔ عاشق کی [illegible] قیمت ۹ر
بادشاہ [illegible] قیمت ۱۲ر
گنجینہ [illegible] کی کہانی قابل دید [illegible]
جرمن جاسوس۔ انگریزی کتاب جرمن سپائی کا ترجمہ قیمت [illegible]
محل [illegible] کے حالات قیمت عہ
وصال۔ منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر
ماجرہ کی کامیابی۔ اسمیں معاشرت و تمدن پر بحث کیگئی ہے یہ کتاب
قابل دید ہے قیمت ۱۴ر
روضۃ الکبریٰ کی آتشزدگی۔ پہلی صدی مسیحی کا ایک دلچسپ تاریخی
ناول [illegible]
جنگ جرمن و بلجیم۔ ۱۹۱۴ء کی مشہور جنگ کے ہولناک کارنامے قیمت ۱۰ر
ولایتی پرستان۔ دربار لندن کے اسرار مصنفہ رینالڈ قابل دید قیمت عہ
اسرار حرم۔ اسم بامسمیٰ رینالڈ کی تصنیف قیمت عہ
تالیف [illegible] اخلاق کا مصلح فطرت انسانی کا رہنما قیمت ۸ر



سرزمین دکن سے مقبولیت کی آواز

جاپان کی نرالی ایجاد بوڑھی دنیا کو جوانی کی یاد

جاپانی شباب کی طرف سے ہندوستانی بڑھاپے کو پیغام دعوت

بڑھاپے پر جوانی کی دہشت

صبح کا ستارہ

اقتباس چٹھی مورخہ غرہ مہر ۱۳۲۵ف از جناب مولانا مولوی رکن الدین صاحب مدظلہ اللہ العالی (۱۸۔ اگست سنہ ۱۹۱۶ء) رئیس سوکھا حوض۔ حیدرآباد دکن۔

مین نے آپ کی کمپنی کا خضاب (صبح کا ستارہ) استعمال کیا سبحان اللہ خضاب مذکور بہت عمدہ اور آسان ہی۔ رنگ بھی بہت اچھا آتا ہی اور بال بھی نرم رہتے ہین اور اضافہ یہ کہ جلد پر دھبہ نہین پڑتا ہی۔ جب سے مین آپ کے خضاب کا استعمال کر رہا ہون اور دوسرے خضاب کا استعمال موقوف کر چکا ہون۔

(رکن الدین)

تینون کتابوں کے یکجائی خریدار کو محصول ڈاک معاف قدیمی خریداران

بیش بہا پانچ پانچ روپے کے نسخے صرف ایک روپیہ مطلوب ہین

تینون کتابوں کا ویلیو خرچ اخراجات ڈاک ... لگیگا

(۱) انتخاب اردوئے معلی یعنی دہ سالہ رسالہ اردوئے معلی علیگڈھ کی گذشتہ دس جلدون کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید انتخاب مجلد قیمت عـ

(۲) مکتوبات امیرمینائی یعنی منشی امیر احمد مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ مع تصویر و سوانحعمری امیر و موازنہ داغ و امیر ۳۲۰ صفحے مجلد عـ

(۳) تذکرۃ الشعرا حصہ اول مکمل۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے مرتبہ حسرت موہانی جس مین تذکرہ شعرا و دیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان امیر شہیدی۔ تنہا۔ عشقی۔ تعشق۔ آتش۔ قائل۔ سائل۔ ہوس۔ مومن۔ نسیم۔ تسلیم۔ رشکی۔ حالی۔ شیفتہ۔ مست۔ فضل خیرآبادی و حسرت موہانی کے دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہی جن مین سے اکثر دیوان ایسے ہین جو کسی اور جگہ دستیاب نہین ہو سکتے قیمت عـ

نوٹ طبع ثانی تک حسرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرۃ الشعرا مل سکتا۔ علیحدہ نہین مل سکتا۔

المشتہر: بیگم حسرت موہانی دفتر اردوئے معلی علیگڈھ

روزنامہ ہمدم لکھنؤ

جو ظاہری شان اور باطنی خوبیون دونون کے اعتبار سے اردو زبان کے بہترین "زرانہ" کا لقب حاصل کر چکا ہی۔ جنگ کی خبرین تمام اردو صحائف سے پہلے پہنچانا اس کی ممتاز خصوصیت ہی۔ کم از کم نمونہ ضرور منگائیے۔

منیجر روزنامہ ہمدم
نمبر ۲۷۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

رسالہ "دار العلوم" فیض آباد

رسالہ دار العلوم زبان اردو کا خاص حامی ہی اسکو زبان مین فروغ کا لحاظ ہی۔ اس مین اخلاقی تاریخی تمدنی علمی اور سائنٹیفک مضامین اور صنعتی و حرفتی اور دیگر چھوٹے چھوٹے کارخانون کے اجرا کے طریقے بھی شائع ہوتے ہین دار العلوم کے دلچسپ و ہر دلعزیز ہونے کا ثبوت ان حضرات کے اسماء گرامی سے ہو سکتا ہی جن کے مضامین اس مین شائع ہوتے ہین نمونہ طلب فرما کر دیکھیے صرف ۲ آنہ کا خرچ ہی قیمت سالانہ تین روپے۔

المشتہر: منیجر رسالہ دار العلوم فیض آباد (اودھ)



ہز ہائنس مہاراجہ سر سیاجی راؤ ثالث

جی-سی-ایس-آئی، گیکوار بڑودہ

(حال میں جو کانفرنس والیان ملک کی دہلی میں منعقد ہوئی تھی،
اسمیں والیان ملک کی جانب سے حضور ممدوح نے حضور
وائسرائے کی افتتاحی تقریر کے جواب میں نہایت
شاندار تقریر سے جواب دیا)

العصر

تمدّن کا مفہوم

تمدّن کیا ہی؟ اور اُس کا مفہوم کیا ہی؟ یہ سوال بڑا دقیق ہی جسپر کافی بحث کرنا اور اُسکے اصلی مفہوم کو واضح کرکے عوام کے دلون پر نقش کرنا بہت دشوار ہی چونکہ اُسکے متعلق بہت غلط فہمیان مروّج ہین اس لئے ضروری ہی کہ جہان تک ہوسکے غلط خیالات کی تردید کی جائے۔

اِس امر سے اہلِ ذوق اور اہلِ علم ناآشنا نہین ہین کہ اب سے پندرہ بیس سال پیشتر اہلِ ہند متمدّن قومون کے شمار سے خارج تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ "نیم متمدّن" کے ناموزون نام سے اُنھین موسوم کیا جاتا تھا "متمدّن" کا مبارک نام فقط یورپ اور امریکہ ہی کے لیئے مخصوص تھا۔ مگر شکر کی بات ہی کہ مغربی عالمون کو جب ہندوستان کے علوم و فنون اور نیز ہندوستانیون کے طور طریقون سے واقفیت ہوئی تو "نیم متمدّن" کا نامبارک نام استعمال کرنے مین تامل ہونے لگا۔ تھوڑے دنون کا ذکر ہی کہ راقم کو ایک انگریز مصنف کی ایک کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا جسمین وہ اہلِ ہند کو "ہندوستان کے کروڑون ناخواندہ مگر بہت مہذب باشندے" کا لقب دیتا ہی۔ اصل بات یہ ہی کہ تمدّن کے باب مین اگر اس ملک مین غلط فہمیان رائج ہین تو یورپ اور امریکہ کے پڑھے لکھے لوگون مین بھی اُس کی ماہیت کی بابت نادرست خیالات مروّج ہین۔ اگر اہلِ ہند اہلِ مغرب کے رسوم وغیرہ سے قطعی ناواقف ہونے سے طرح طرح کی خام خیالیون کا شکار ہو رہے ہین تو اہلِ یورپ بھی اہلِ مشرق کے معاشرتی دستورون سے ناآشنا رہنے سے کئی قسم کی نادرستیون مین گرفتار ہین۔ مغرب مین طرزِ معاشرت کی شستگی اور ظاہری ٹیم ٹام کا نام تمدّن ہی۔ اعلیٰ قسم کے کپڑے، گھرون مین بجلی کی طاقت سے مختلف کام لینا، ٹیلیفون، ٹرام وغیرہ شخصی آرائش کی اشیا کو تمدّن کا لازمہ سمجھا جاتا ہی۔ راقم کو سنہ ۱۹۱۵ء مین یورپ جانے کا اتفاق ہوا اور اثنائے مسافت مین دنیا کی بہت سی قومون کے افراد سے ملنے جلنے اور رہنے سہنے کا موقع ملا تو مین نے اس امر کی تحقیقات کی کہ ہم ہندوستانیون اور یورپینون مین کس امر مین فرق ہی۔ اُن کو کہان سے

گفتگو بھی کی۔ یورپینوں نے جنمیں یونان، اٹلی، فرانس، ہسپانیہ، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، روس وغیرہ کے باشندے تھے، میرے ساتھ وہی برتاؤ روا رکھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ رنگت اور نسل کا تعصب بالکل دیکھنے میں نہیں آیا۔ بلکہ وہ ہندو مجھکو میری بڑی عزت کرتے تھے۔ فرانس میں لوگوں نے مجھے لفظ "ہندو" بولنے پر زور دیا کیونکہ اُن کے نزدیک انڈین (INDIAN) امریکہ کے سُرخ رنگ کے قدیم باشندے ہیں۔ اہل ہند تمام مہذب دنیا میں "ہندو" اور قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں چاہے ہمارا مذہب کچھ ہی ہو۔ یورپ امریکہ اور باقی ایشیائی قوموں کے لیے ہم "ہندو" ہیں۔

قصہ کوتاہ عدم واقفیت کے باعث "تمدن" کے باب میں شرق اور مغرب میں یکساں غلط فہمی ہے کیونکہ عوام الناس اہل نظر نہیں ہوتے، جو بال کی کھال اتارنے میں مغز پاشی کریں۔

تمدن، تہذیب اور معاشرتی ترقی کا مترادف ہے۔ انگریزی لفظ سولی زیشن (CIVILISATION) ہے جو اسی اصطلاح کا مطلب ادا کرتا ہے اور لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جس سے مراد "متعلق بہ شہر" ہے۔ تمدن اکٹھے مِل جُل کر رہنے کی حالت سے مراد ہے۔ مگر وسیع معنی میں جیسا کہ زمانہ بڑے بڑے عالی دماغ اہل قلم اور فلاسفر اُسے استعمال کرتے ہیں اِس کا مفہوم بہت وسیع اور ارفع ہے، جس کی تشریح یہاں پر کرنا ضروری ہے۔

میتھیو آرنلڈ ایک مشہور شاعر اور اہل قلم تھا۔ وہ تمدن کی تشریح یوں کرتا ہے: "تمدن انسان کے جامۂ انسانیت سے کما حقہ آراستہ ہونے کا نام ہے" "دوسرے لفظوں میں (میتھیو آرنلڈ کے خیال کے مطابق) آدمی کا انسانیت کی جملہ خوبیوں میں کامل ترقی کرنا تمدن میں کمال حاصل کرنا ہے اور انسانی خوبیاں گویا اخلاقی خواص کی شستگی اور رفعت ہے۔ اپنی گفتار، اپنے اطوار، اپنے اخلاق، الغرض معنوی اور باطنی اوصاف میں اعلیٰ پایہ کی شستگی اور ملائمت پیدا کرنا تہذیب سے کامل آشنائی حاصل کرنا ہے۔"

چند برس ہوئے "ہندوستان ریویو"[۱] میں جان ہوپس کا ایک مضمون تمدن کے بارے میں شائع ہوا تھا جس سے ذیل کا اقتباس لیا جاتا ہے۔ میرے سامنے وہ پرچہ نہیں ہے مگر میں نے اُس سے کچھ ضروری باتیں ایک کاغذ پر نوٹ کر لی تھیں :-

تمدن مِل جُل کر رہنے کے ہنر ([illegible]) کا نام ہے۔ متمدن قوم وہ ہے جو ذات پات اور دیگر رکیک امتیازات نسلی سے بالاتر ہے، اور جہاں حکومت افراد کی جان اور مال اور دیگر تمدنی معاملات اور ضروریات کا اہتمام کرتی ہے حکومت کو اُس سے اسقدر ہمدردی ہے جسقدر قانون کو۔ المختصر تمدن اخوت ہے۔ لاطینی لفظ "سولی زیشن" سے دو مفہوم ہیں۔ (۱) وہ شے جو اہلِ شہر سے متعلق ہو (۲) وہ طرز عمل جو ایک شہری اس مقصد سے اختیار کرتا ہے کہ دوسرا اُس سے اسی قسم کا برتاؤ کرے۔ تمدن کا تعلق طرز عمل اور چال ڈھال سے ہے۔ اس کا بہت قریبی رشتہ انصاف پروری اور رحم سے ہے۔ اپنی رفتار گفتار نہایت مستحسن بنانا جس سے کسی فرد بشر کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے، یا اُس کی کسی طرح سے بھی خاطر شکنی نہ ہو۔ جسمانی آرائش اور عیش و عشرت کی طرز معاشرت سے اُسے کوئی اصلی لگاؤ نہیں ہے۔ تمدن ایک عمل کا انجام ہے، اور یہ عمل ارتقائے ضمیر سے بہت مشابہ ہے۔ اسکی رو سے اوّل ماؤشما کا ابتدائی سبق پڑھنا پڑتا ہے، اور یہ غُرانے اور ناخنوں اور دانتوں کی نمائش سے سکھایا جاتا ہے، اور یہ کیفیت اخلاق اور تمدن کے اوّل مرحلہ میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اُسکے بعد اور لازم معلوم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے جواز اور تحفظ لاحق ہوتا ہے، یعنی یہ کلام جائز نہیں ہے، اور یہ حرکت خالی از خطرہ نہیں ہے۔ پھر لازم فعل اور انفعال کا قانون ظاہر ہوتا ہے، یعنی جب انسان جواز اور تحفظ کا قانون تسلیم کر لیتا ہے تو وہ دوسروں کے حقوق ماننے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اُن کا لحاظ کرتا ہے۔ جب اس قسم کا خیال ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو ذہنی قوت میں ایک اور تغیر پیدا ہوتا ہے، یعنی انسان کے اندر ضبط نفس و خود اختیاری کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جواز

---

[۱] ہندوستان ریویو جلد ۱۸ نمبر ۱۰۴ صفحات ۱۳۵ و ۱۳۶۔

اور تحفظ کے خیال کو چھوڑ کر آئندہ کی بابت پیش بندیاں اختیار کرتا ہو اُسکے استدلال میں ترقی ہوتی ہو جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ اُسے فرض، انصاف پسندی اور آشتی کا احساس معلوم ہوتا ہو۔ وہ سوچتا ہو کہ میرے واسطے کیا واجب ہو۔ اسکے آخر کار فرض کا خیال بہت زبردست ہو جاتا ہو کئی وحشی قبائل اسی اصول کے پابند ہیں۔ وہ سب کے ساتھ انصاف کا سلوک کرنے کا بڑا خیال کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ کئی مہذب گروہوں پر فائق ہیں تمدن کی انتہا اس بات پر ہوتی ہو بلکہ دوسرون کی خاطر تکلیف اُٹھائی جائے، اور اپنی ذاتی آسائش و آرام کو دوسرون پر قربان کر دیا جائے۔ ہر شخص راحت کا طالب ہو ورد راحت رسانی کے طالب بہت تھوڑے آدمی ہوتے ہین"

اس مصنف کے خیال کے مطابق وہ شخص سب سے زیادہ مہذب ہے جو دوسرون کی خاطر دُکھ اُٹھائے، اور یہ تو اعلیٰ ترین مذہب کا سب سے بڑا اصول ہو کہ انانیت (Egoism) کو دوسرون کی بہتری کے لیے نثار کیا جائے۔

وینڈل فلیپس نے ۱۸۶۵ء میں نیویارک میں "مسئلہ نسوان" پر تقریر کرتے ہوئے تمدن کی ماہیت اور اس کی کسوٹی پر حسب ذیل اظہار خیال کیا تھا:-

عورت کی حالت چاہے وہ کسی ملک اور کسی حالت میں ہو تمدن کا معیار ہو۔ تعلیم اور قومی تمول اور جرائم کے اعداد دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو مجھے فقط اتنا بتادو کہ عورت کی حالت کیا ہو، اُس سے قوم کی ترقی کا اندازہ ہو جائیگا۔ جیسے عورت کی حالت ارفع ہوتی ہو اسی کے تناسب سے تہذیب بالیدگی حاصل کرتی ہو۔ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالو تو یہ اصول بالکل صحیح ثابت ہوگا۔

اس خیال کی رو سے عورت کی اچھی بُری حالت تمدن کی اصلیت کا آئینہ ہو یعنی اگر عورتون کی حالت عمدہ ہو اور اُن کے حقوق کا پورا خیال کیا جائے اور اُن کے ساتھ عمدہ برتاؤ ہوتا ہے تو گویا وہ قوم مہذب ہو۔ امریکہ کا مشہور اہل قلم ایمرسن کہتا ہو "نیک اور پاکیزہ عورت کے مبارک اثر کا نام تہذیب ہو"۔ اس خیال کی رو سے عورت کا اثر آدمی کی طبیعت کی خشونت اور ناہمواری کو درست کرنے والا ہوتا ہو۔ اسی وجہ سے جہاں کی عورت میں یہ خوبی ہوگی وہان کی حالت اور قوم مہذب کہلانے کی مستحق ہے۔

گلیڈسٹون مرحوم نے ایک لکچر میں بیان کیا تھا کہ "جس نسبت سے کسی ملک کی عورتون کی حالت اچھی ہوگی اُسی نسبت سے اُس ملک کی تہذیب اعلیٰ شمار ہوگی"۔ عورت کی حالت کو بیشتر علماء نے تمدن کا معیار قرار دیا ہو اور یہ خیال بہت زبردست ہو کیونکہ قومون کا بنانا اور بگاڑنا عورت کے ہاتھ میں ہو۔ اگر وہ خود شائستہ اور تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ اولاد کو بھی اعلیٰ اور ہموار بنا سکتی ہو۔

دس بارہ برس ہوئے کسی انگریز لیڈی نے "ایسٹ اینڈ ویسٹ" (بمبئی) میں ایک مضمون ایٹرنل میٹرنٹی (ETERNAL MATERNITY) "مادریت دائمی" پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا:-

ہر ملک کی کتابون اور روایتون میں دو قسم کی عورتون کا ذکر پایا جاتا ہو ایک تو نیکی کو ترقی دینے والی اور دوسری دُکھ اور آفت میں پھنسانے والی۔ حوا والدۂ گناہ، اور مریم والدۂ مسیح ہو۔ اُن دونون اقسام کی عورتون کے نمونے موجود ہین۔ ایک تو بُرائی کی ترغیب دیتی ہو، اور دوسری دنیا کو برکت دیتی ہو جس سے مسیحی مذہب کا بانی وجود میں آیا اور جس کے توسط سے تمدن اُس کمال پر پہنچا جسے دنیا کے عالی دماغون کی اعلیٰ ترین کوششیں بھی وہان تک نہ پہنچا سکین۔ عورت کے وسیلہ سے انسان کو زوال آیا اور پاکیزگی سے محروم ہوگیا۔ سب ملکون کی روایات میں اسکا ذکر موجود ہو۔ ہندو روایات میں حوا کی ثانی پینڈورا کا ہو۔ اس کی بابت پرمتھ کہتا ہو "ہائے! افسوس! میری دانائی، میری دوراندیشی، اور میرے استقلال پر پانی پھر گیا ایک عورت کے ہاتھ سے سب برباد ہو گیا"۔ چینیون کی تاریخ میں مذکور ہو کہ "ابتدا میں سب چیزیں انسان کے تابع تھین، دانشمند شوہر نے ہر طرف دیوارون کی پناہ کھڑی کرلی۔ مگر عورت نے علم حاصل کرنے کی خواہش سے مجبور ہو کر اُن سب کو برباد کر دیا۔ ہمارے دُکھ آسمان سے نہیں اُترے بلکہ عورت نے بنی آدم کو

برباد کیا۔ یونانیون کے ہان بھی دیوتاؤن کے قصون مین پینڈورہ (PANDORA) کا قصہ ہے۔ شادی کے موقع پر دیوتاؤن نے اُسے ایک بڑا قیمتی اور خوبصورت ڈبہ تحفۃً دیا۔ جب اُس نے خوشی خوشی کھولا کر دیکھے اُسکے اندر کیا ہے جب ڈھکنا اُٹھا کر دیکھا تو اُسکے اندر ہر قسم کی آفات اور بلائین بند تھین۔ ڈبہ کا ڈھکنا اُٹھتے ہی تمام انسان طرح طرح کے دُکھون مین پھنس گئے۔ گرہمی مین پھنسانے والی عورت کے مقابلہ مین ایک اور اعلیٰ صفت عورت کا ذکر بھی ملتا ہے جو نیکی کی قائم مقام ہے۔ مصری مندرون مین ایک عورت کی پوجا ہوتی تھی جس کی گود مین ایک بچہ تھا۔ تو انیون کے معبدون مین بھی اُس کی عبادت ہوتی تھی۔ اُس سے مریم اور مسیح کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ قصہ کوتاہ جبتک مرد عورت کو ہر قسم کی بدی اور نحوست کا محرک اور بانی سمجھتے رہین گے، بلا چون و چرا یہ ماننا پڑے گا کہ عورت تمدّن مین برابر زبردست محرک رہے گی۔"

مشہور رومی مورخ ٹیسی ٹس کہتا ہے:۔

شمالی قومون مین عورتون کا رُتبہ مردون کے برابر تھا، گو وہ ادبیات اور فنون لطیفہ سے ناآشنا تھے۔ اُنکے ہان یہ دستور تھا کہ دعوتون مین عورتین مردون کے ساتھ شریک ہوتی تھین۔ اُن کی رائے مین جب محفل برخاست کرنے کا وقت آتا تو وہ اُٹھ جاتی تھین، گویا جلسہ ختم ہو گیا۔ ہر ایک سردار سے پوچھا گیا، تمھارا مذہب کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگا "مجھے کچھ معلوم نہین، عورتون سے پوچھو، وہ خدا کی نزدیک تر ہین۔ جو کچھ وہ ہمین کہتی ہین، ہم مان لیتے ہین، گو اُس پر ہمیشہ عمل پیرا نہین ہوتے۔"

اِس سے ظاہر ہے کہ عورت تمدّن کو کس طرح متاثر کرتی ہے اور یہ بھی کہ وہ مذہب کی کسقدر محافظ ہے۔

فرانس کا مشہور و معروف مدبر اور عالم مُوسیو گیزو تمدّن پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "یہ ایک نسبتی اصطلاح ہے جو انسان کی ایک خاص حالت مدنی پر عائد ہوتی ہے جو وحشت کی نقیض ہے۔ انسان اپنے ہمجنسون کے ساتھ مل جل کر رہنے کو پیدا ہوا ہے۔ علٰحدہ رہنے مین اُس کی عقلی اور اخلاقی قوتین ترقی نہین کر سکتی ہین۔ جس نسبت سے انسان کے معاشرتی تعلقات توسیع باقاعدگی اور کمال حاصل کرتے ہین اسی نسبت سے انسان شائستہ، مہذب اور برتر بنتا ہے۔ مختلف تمدّنی نظام راہِ ترقی مین اُس کی ہدایت کرتے ہین مگر سوسائٹی کا ملکی ڈھانچہ جسے حکومت یا ریاست کے نام سے پکارا جاتا ہے درجہ اول پر ہے اور اُسکے وسیلے سے باقی تمام نظام کو مستقل استحکام اور تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سب سے ضروری ہے۔ سوسائٹی کے ملکی ڈھانچے یعنی قیامِ حکومت سے لفظ تمدّن نکلا ہے۔" اسی عالم کے خیال کے مطابق کسی آدمی کو مہذب بنانا گویا نیک شہری بنانا ہے۔ تمدّن ایک عظیم محرک ہے جسمین آئین و قوانین، تجارت، مصنوعات، جنگ، فنون، گورنمنٹ سبھی شامل ہین۔ یہ سب تمدّن کے معاون ہین اور اسی تناسب سے اُنکی قدر و قیمت ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے جو خیال تمدن کی ماہیت اور غایت کی نسبت ظاہر کیا ہے وہ واقعی بہت قابلِ تعریف ہے۔ اسکے مطابق "اخلاقی رفعت اور پاکیزگی تمدّن کا سب سے بڑا معیار ہے۔ صلح جوئی اور نیکو خواہی تہذیب کا سب سے بڑا امتیاز ہے، اور اس کے لیے لاپ لینڈ کے باشندے مثالاً پیش کیے جاتے ہین، جو جنگ و جدال اور قتل و خون سے بالکل محترز رہتے ہین۔ ٹوٹے پھوٹے گھرون، میلے کچیلے جسمون، ابتدائی لباس، ادبیات اور سائنس کی کامل ناواقفیت کے باوجود بھی وہ تمدّن مین ہم سے بڑھے ہوئے ہین۔" ایک اور مصنف کہتا ہے کہ "سب سے زیادہ مہذب قوم جس کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے جزیرۂ ہیٹی کے باشندے تھے جب کولمبس نے اُنھین پہلی مرتبہ دیکھا تو وہ بڑے خوشحال اور صابر تھے۔ اُن کی خوراک بہت سادہ اور اُن کے مکان آرائش سے بیگانہ تھے۔ اُن کی ضروریات بہت محدود تھین۔ وہ کام تھوڑا کرتے تھے مگر قاعدہ سے۔ سادگی اور رہتات کے ساتھ اُنکی مہمان نوازی بہت اعلیٰ قسم کی تھی۔ اہل ہسپانیہ کو اُنھون نے خوشی خوشی ہر قسم کی اشیا

ہم پہنچا ئین۔ وہ تمدنی فنون یعنی موسیقی، شاعری، اور بات چیت کے بڑے شائق تھے اُنکے راحت و آسائش کے لوازم طبعی تھے۔ مثلاً فرصت کا وقت تازہ ہوا کھانے، طبعی مناظر کی سیر، اور باہمدگر بے تکلفانہ میل جول مین بسر کرتے تھے۔"

سنجمن کِڈ تمدن کے مسائل کے اسوقت سب سے بڑے ماہر ہین۔ وہ تمدن کی شرح یون کرتے ہین:-

لغوی معنی اِس اصطلاح کے متعلق بہ شہر ہین۔ مگر وسیع معنی مین یہ لفظ آج کل تمدنی حالت پر عائد ہوتا ہی جو کسی باقاعدہ حکومت اور اُس کی مختلف صورتون کے سبب سے وجود مین آتی ہی۔ قدیم روما کی حکومت مین شہری یا افراد جزو حکومت تھے، اور یہی حالت یونان کی شہری حکومتون کی تھی۔ اس محدود معنی سے نکل کر آج کل تمدن کا اطلاق علوم و فنون، طرز حکومت، نظام معاشرت اور باہم دگر استمداد، اور شستگی ذہن پر ہوتا ہی جس سے انسان وحشی انسانون کی قومیت سے ممتاز، اعلیٰ طبقہ قومیت کا رکن تصور ہوتا ہی (ملاحظہ ہو انسائکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس)

"چیمبرس انسائکلوپیڈیا" مطبوعہ ۱۸۶۱ء مین لفظ تمدن یا "سولی زیشن" کی اِس طرح پر تشریح کی گئی ہی:-

یہ ایک عام لفظ ہی، جو ترقی یافتہ قومون کو وحشی قومون سے ممتاز کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہی۔ ہم یورپ کی بڑی بڑی قومون کو متمدن کہتے ہین۔ چینی اور تاتاری قومین کم تر مہذب ہین۔ امریکہ کے سُرخ رنگ کے قدیم باشندے، آسٹریلیا اور گرین لینڈ اور شمالی جزائر کے پُرانے باشندے اُس سے بالکل بیگانہ ہین۔ مل کہتا ہی جو وحشیانہ طرز معاشرت کی جانب کوئی خصوصیات ہون مگر اُن کی نقیض خاصیتین جو کوئی سوسائٹی اختیار کرلے اور وحشیانہ باتون کو چھوڑتی جائے وہ تمدن کا لازمی جزو قرار پاتی ہی۔ وحشی قبیلا ان افراد پر مشتمل ہی جو کھُلے میدان مین اِدھر اُدھر منتشر رہتے ہین۔ برعکس اسکے گنجان آبادی جس کا کوئی خاص ٹھکانہ ہو قصبون کا نون اور شہرون مین بستی ہو، متمدن کہلاتی ہی۔ وحشی قومون مین ہر آدمی اپنے طور پر نقل و حرکت کرتا ہی، گو حالت جنگ مین وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہین۔ مگر امن کی حالت مین وحشی کوئی بڑا کام ایک دوسرے کے ساتھ مل کر انجام نہین دیتے اور نہ ایک دوسرے کی صحبت مین وحشیون کو کوئی خاص لطف حاصل ہوتا ہی۔ اس وجہ سے ہم جب بنی آدم کے ایک حصّہ کو مشترکہ مقصد اور فائدہ کی غرض سے متحد پاتے اور آپس مین مِلنے جُلنے سے خوش ہوتے دیکھتے ہین تو ہم اُنھین مہذب قرار دیتے ہین۔

جب ہم اس اصطلاح کی تشریح کرنے کو آمادہ ہوتے ہین تو طرح طرح کے خیالات سے دوچار ہوتے ہین جس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ یہ مضمون بڑا پیچیدہ ہی۔ اگر اس لفظ کی اصلیت پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہی کہ اُس کا اطلاق شستہ اطوار پر ہوتا ہی، جس سے شہرون کے باشندے ممتاز ہوتے ہین۔ مگر اس لفظ کے اطلاق نے بڑی وسعت اختیار کرلی ہی۔ گرو ([illegible]) کی تشریح مین انسان کی ترقی بالانفراد اور بالاجتماع شامل ہی۔ سوال یہ ہی کہ "ترقی" سے کیا مراد لی جائے۔ اِس کی بابت بھی بہت اختلاف ہی۔ جیسے "تمدن کی مکروہات" وغیرہ الفاظ سے ظاہر ہی۔ سوال یہ ہی کہ متمدن زندگی کی بُرائیون کو اس کی خوبیون سے کسطرح الگ کیا جائے؟ اگر بنی آدم کی ترقی کے خیال اور اسکی عملی صورت مین امتیاز کیا جائے، تو یہ مسئلہ بہت واضح ہو جاتا ہی۔ جملہ کشتافات اور اختراعات اور معاشرت کے ہر شعبہ مین ہر قسم کے ردوبدل سے ہماری معاشرتی حالت وحشیانہ حالت سے بہت بہتر بن جاتی ہی۔ لیکن کیا کسی نئی اختراع سے درحقیقت ہماری اصلی حالت سنورتی ہی؟ اسکی بابت بہت ہی اختلاف ہی۔ اگر بنی آدم کی زندگی کی بہتری کے لیے تبدلات کیے جائین تو تمدن کی تشریح مین کوئی بڑی رکاوٹ حائل نہوگی۔ امور متنازعہ فیہ سے قطع نظر تمدن کی تشریح اِس طرح ہونا چاہیئے کہ "بعض ایسی باتین ہین جن کا اثر بنی آدم کی خوشحالی اور قیام پر بہت گہرا ہوتا ہی، اُنھین تمدن سے خارج کر دیا جائے۔ تمدن کا مطلب ہی طبعی فوائد مثلاً آب و ہوا اور ملک، بنی آدم کی

جسمانی اور ذہنی قابلیت کی خوبی تمدن مین شامل نہین ہو۔ اور نہ اُس سے مراد خوبیِ قسمت کے اسباب یا شخصی ہنرمندی اور دانائی ہو جو دوسرون مین منتقل نہین کی جا سکتی۔ تمدن کا مفہوم راحت بھی نہین جو بعض مرتبہ ادنیٰ قسم کے تمدن مین تو ہوتی ہو مگر اعلیٰ تمدن مین نہین پائی جاتی؛ بلکہ تمدن سے مراد وہ مستقل تغیرات ہین جو انسان اپنی دانائی اور کوشش سے اپنی حالت اور معاشرت کے کاروبار کی ترتیب مین پیدا کرتا ہو۔ جو نعمتین ہمین حاصل ہین تمدن کے وسیلہ سے اُن کا نصف مصنوعی حصّہ ہم پہنچاتا ہو۔ قدرت نے ہمین بہت کچھ عطا کیا ہو مگر ہم اپنی حکمت سے اور بہت سی چیزین بہم پہنچا لیتے ہین تو ایجاد علت اور تمدن معلول ہو۔ تمدن کی اس تشریح کے بعد مہذب معاشرت کے لوازم کا تذکرہ ضروری ہو:—

(۱) فنون حرفتی۔ دنیا مین جو قدرتی پیداوار مین اُن سے فائدہ اُٹھانا جو بلا شبہ ہماری ترقی کا ضروری حصّہ ہین (۲) گورمنٹ یا ملک کا انتظام مہین بھی بنی آدم کی حقیقی ترقی شامل ہو۔ قومون کی شان و شوکت ان کے ملکی انتظام کی خوبی پر منحصر ہو۔ سوشل رفارمرون کا ایک مقصد یہ رہا ہو کہ حکومت کے اختیارات کو شخصی آزادی کے موافق کیا جائے؛ اُس کے ساتھ انسانیت کی ترقی کا خیال بھی وابستہ ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ مجرمون کو وحشیانہ سزائین ملتی تھین؛ اب اُن مین بہت اصلاح ہو گئی ہو۔ جادوگرنیون کو اب کوئی نہین جلاتا۔ اسلیے تمدنی ترقی تمدن کی اصلی ترقی ہو۔ انسان کی حالت بہتر ہو گئی ہو۔ (۳) باہم گروہ بندی و ضبط کے فنون؛ جن مین کلون کی اختراع اور ریل گاڑیان، اور جہاز، تار، ٹیلیفون، وغیرہ شامل ہین۔ اس کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کے وسائل کی ترقی، جیسے جلسون کی ہدایت کے لیے قواعد، اور دیگر اوضاع و اطوار کی شستگی (۴) اخلاقی ضابطہ جو کسی قوم مین مروج ہو، تمدن سے واسطہ رکھتا ہو۔ اسکی نسبت کچھ اختلاف ہے، کیونکہ اُس کا تعلق زمانہ اور ملک سے ہوتا ہو۔ اخلاق مذہب کا حصّہ ہو، اور یہ بھی مہذب قومون کا خاصہ ہو، خواہ کسی انسان نے اُسے وضع کیا ہو یا مافوق الفطرت طریقہ سے حاصل ہوا ہو۔ ہر مذہب کے ساتھ کچھ نہ کچھ انسان کی وضع کردہ باتین بھی شامل ہین مگر اُس کا مقصد انسان کی فلاح ہو۔ (۵) سائنس، تمدن کا ایک لازمی جزو ہو جس کی بابت بہت ہی کم اختلاف ہو۔ (۶) ادبیات اور فنون لطیفہ، اور یہ تمدن کا لازمی حصّہ ہین۔ اس سے نئی قسم کی خوشیون کا اضافہ ہوا ہو کیونکہ ادبیات اور موسیقی اور نقاشی وغیرہ ہمارے حواس خمسہ پر بہت خوشگوار اثر ڈالتے ہین۔ فنون باہمی میل جول اور رفاقت کی ترقی کے باعث ہوتے ہین۔ موسیقی، نقاشی، اور فن تعمیر کی تمام ترقیان انسان کی قوت ایجاد سے تعلق رکھتی ہین۔

اس بحث سے تمدن کے لوازم ظاہر ہو جاتے ہین۔ ناظرین خود اندازہ کرلین کہ آیا اہل ہند کو مہذب قومون مین شریک ہونے کا استحقاق حاصل ہو یا نہین؟ راقم کے خیال مین تمدن کے چھ لوازم ہین اور ہندوستان اِن مین روپیہ مین سولہ آنے پورا اُترتا ہو۔ اس ملک کے پرانے باشندون نے اُس زمانہ مین علوم و فنون کو ترقی دی تھی جب کہ دنیا کی موجودہ مہذب قومون کے آبا و اجداد جنگلون مین تیر و کمان سے شکار مار کر اپنی شکم پری کرتے تھے، اور اُسی سے تن پوشی کا سامان بہم پہنچتا تھا۔ اِس پر تفصیلی بحث آئندہ کسی مضمون مین ہوگی۔

جے۔ آر۔ رائے

ذوق اور ناسخ

اُردوے معلّٰی کے شباب کے زمانہ مین باکمال سخنورون اور قدر دانون کے نفوس غنیمت تھے۔ ایک طرف دلّی مین محمد ابراہیم ذوق، حکیم مومن خان، مرزا غالب علوی و صہبائی وغیرہم کی نوا ریزیون سے اُردو زبان کا طوطی بول رہا تھا اور دوسری طرف لکھنؤ مین ناسخ و آتش کی معرکہ آرائیون سے اُردو شاعری مین جان تازہ پڑ گئی تھی۔ دلّی و لکھنؤ کے مشاعرون مین جو لوگ خداداد قابلیتون کے جوہر دکھاتے رہے اُن کا زبان اُردو پر یہ احسان ہے کہ آج اُردو نے ہندوستان مین عام شہرت و مقبولیت حاصل کر لی ہے۔

زمانہ بدل گیا، اگلے لوگون کا مذاق جاتا رہا۔ اور وہ دلچسپی جو اُن لوگون کو اپنی پیاری زبان کے ساتھ تھی اب روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ اُردو علم ادب مین مغربی خیالات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ مجموعی حیثیت سے زبان اُردو مین ترقی کی صورتین نظر آ رہی ہین اور اُردوے معلّٰی کی حمایت و حفاظت کے لیے جابجا جلسے اور انجمنین قائم ہو رہی ہین مگر زمانہ کا بے رحم ہاتھ اُردو کے ابتدائی کارنامون کے نقش کو مٹاتا جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اُردو کے حامی اس زبان کی تاریخی حکایتون اور روایتون کو سینون سے سفینون مین لائین۔ اب تک اُس زمانہ کی یاد بہت سے دلون مین تازہ ہے اور سچ یہ ہے کہ اُن باکمالون کے نام نامی اُردوے معلّٰی کے ساتھ ہمیشہ یادگار رہین گے جو اس نونہال کو اپنے خون جگر سے عمر بھر سینچتے رہے ہین۔ ابھی چند سال گزرے ہین کہ دلّی اور لکھنؤ کی گلی گلی مین شعر و سخن کے چرچے تھے کاملین فن کی صحبتین آب حیات کے سرچشمے تھین۔ شعراء لکھنؤ کا جو کلام شائع ہوتا وہ دلّی مین بھی قدر کی نگاہون سے دیکھا جاتا تھا اور دلی کے سخن سنج دادِ سخن دیتے تھے۔ اسی طرح اساتذہ دلی کا کلام لکھنؤ مین اکثر حسن قبول حاصل کرتا تھا، اور اسے دیکھ کر لکھنؤ کے سخنور تقلید و تنقید کا حق ادا کرتے تھے۔ اُس وقت لکھنؤ کے شاعرون مین خواجہ حیدر علی آتش اپنے خاص انداز بیان سادگی اور معنی آفرینی کے لحاظ سے اُستاد مانے گئے اور اُن کے شاگردون مین رند اور صبا کے ایسے صاحب دیوان شاعر گزرے ہین مگر شیخ امام بخش ناسخ اصلاح زبان اور پختگی کلام کی وجہ سے امام فن تسلیم کیے گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ لکھنؤ مین مذاق شاعری ترقی کر رہا تھا اور دلی مین اُردو شاعری کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا تھا۔

دلی مین حکیم مومن خان شوخی مضامین لطف ترکیبات اور معاملہ بندی مین مشہور ہوئے لیکن محمد ابراہیم ذوق اپنے زور طبیعت قادر الکلامی اور دقت نظر کی وجہ سے اُستاد مسلم الثبوت سمجھے گئے اور "خاقانی ہند" کے خطاب سے سرفراز ہوئے خصوصیات امتیازی کے سوا ذوق اور ناسخ کا مذاق طبیعت بھی قریب قریب یکسان ہے۔ اسی وجہ سے ان دونون اساتذہ کے کلام مین جہان کہین توارد ہوا ہے یا قصداً ایک نے دوسرے کا جواب دیا ہے اُس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہین ہے۔

شیخ امام بخش ناسخ کی ایک غزل کا یہ مشہور مطلع ہے

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا　　آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

جب یہ غزل دلی مین پہنچی اور مطلع کی شہرت ہوئی تو اُستاد ذوق نے بھی اسی زمین مین غزل تیار کی جس کے ایک مطلع مین قافیہ کا رنگ چمکایا ہے[1]

یون تن لاغر کی مین دل کا دشمن ہمارا ہو گیا　　جس طرح پانی کنوئین کی تہ مین تارا ہو گیا

شمس العلما آزاد لکھتے ہین کہ ایک بزرگ عاشق نہال نامی دلی مین وارد ہوے۔ ان کی خدمت مین ذوق مرحوم نے کمال عقیدت سے ایک قصیدہ اور ایک غزل اس زمین مین پیش کی ع عاشق نہال کیون نہ ہون عاشق نہال کے

اسی زمین مین ناسخ کی بھی شاعرے کی غزل ہے جس کا مطلع ہے

---

[1] ملاحظہ ہو دیوان ذوق مرتبہ پروفیسر آزاد مرحوم ۱۲

مشتاق سب ہین بدستے افزون ہلال کے   دنیا مین قدردان نہین صاحب کمال کے

دیوان چندو لعل نے ایک بار ذوق کو دکن مین طلب کیا تھا مگر ذوق نہین گئے اور جواب مین بطور عذر خواہی ایک غزل بھیج دی جس کا مقطع یہ ہے

آجکل گرچہ دکن مین ہے بڑی قدر سخن   ذوق جائے کون پر دلی کی گلیان چھوڑکر

اس زمین مین بھی ناسخ مرحوم کی غزل ہے فرماتے ہین

ہو وطن مین خاک بیگر گوہر مضمون کی قدر   لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشان چھوڑکر

ناسخ کا مشہور مطلع ہے

رات کو کیا کیا ستارون مین گرانی دان تھا   تیغ کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

ذوق کا مطلع بھی ایسا ہی روشن ہے

جبین تو نے افشان جو لگائی جبین ہر   ستارون مین کیا کیا چنان جبین ہر

ذوق کا ایک اور مطلع ہے

بعد مردن بھی خیال چشم فتان ہی رہا   سبزۂ تربت مرا وقف غزالان ہی رہا

ناسخ نے بھی اپنے ایک شعر مین اسی مضمون کو اور زیادہ صفائی سے باندھا ہے گو ردیف بدلی ہوئی ہے

بعد مردن بھی جو الفت شوخ چشمون سے مجھے   سبزۂ تربت چراگاہ غزالان ہو گیا

اسی طرح ذوق اور ناسخ کی طولانی غزلین ہین جن مین ردیف کا خفیف فرق پایا جاتا ہے مثلاً:-

ذوق
ہم تو جون کرہ نہین کرتے سخن مین سبقت
پردہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہمکو
دیکھا آخر کہ نہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیون آپ نے چھیڑا ہمکو

ناسخ
سرکشی اور ہوا کس کی گوارا ہمکو
راست خوش آئی نہ جب گردن مینا ہمکو

پروفیسر آزاد آب حیات مین لکھتے ہین کہ میان شہید دلی مین [illegible]

اور ایک جلسے مین فرمایا کہ آج کل ہندوستان بھر مین تین شیخ ہین لکھنؤ مین ناسخ دکن مین حفیظ اور دلی مین محمد ابراہیم ذوق۔ پھر شیخ ناسخ کی وہ غزل سنائی جس کی زمین ہے چمن کی شاخ یاسمن کی شاخ۔ ذوق مرحوم نے بھی اسی زمین مین دو غزلہ تیار کیا۔ دونون صاحبون کی غزلین دواوین مطبوعہ مین ملتی ہین۔

مشہور ہے کہ ذوق اور ناسخ کے کلام مین درد و سوز نہین اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ اس لیئے کہ ناسخ کو تمام عمر اصلاح زبان اور مشق سخن کی وجہ سے آورد سے کام لینا پڑا۔ اور ذوق کی عمر کا بڑا حصہ بادشاہ کی غزلین بنانے اور قصیدہ گوئی کی نذر ہو گیا۔ مگر پھر بھی سچے خیالات و جذبات شاعر کی زبان سے موزون ہو ہی جاتے ہین اگر ان دونون اُستادون کے چمنستان شاعری کی گلچینی کی جائے تو ہر رنگ کے پھول بوٹے نظر آتے ہین۔ اس لحاظ سے ہم چاہتے ہین کہ مضمون ہذا مین پہلے اُن اشعار کا انتخاب درج کیا جائے جو ایک ہی زمین مین کہے گئے ہین۔ اور اُن کے بعد اُن اشعار کا اقتباس کیا جائے جن مین کوئی نہ کوئی صنعت پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اشعار بھی ان اساتذہ کے پہلو بہ پہلو حوالہ قلم کیے جائین جن کا مضمون ایک مگر طرز جداگانہ ہے۔ آخر مین ذوق اور ناسخ کے حالات زندگی مختصراً ہدیہ ناظرین کیے جائین گے۔ ذیل مین اُن غزلیات کا انتخاب دیکھنے کے قابل ہے جو ایک ہی زمین مین ہین۔

ناسخ
گردون بزنگ دود سیہ بے ثبات ہے
پاتا ہون ہر ستارہ مین عالم شرار کا

ذوق
ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

ناسخ
رنگ عشرت باغ عالم مین نظر آتا نہین
گل کو گلچین کا خطر بلبل کو ڈر صیاد کا

ذوق سے — باندھتے ہین سرو کو آزاد اور وہ پا بگل
کیسی آزادی کہ یان یہ حال ہے آزاد کا

ناسخ سے — ترے رخسار کا مضمون جو لے جان جہان باندھا
تو گویا ہم نے اک گلدستۂ باغ جنان باندھا

ذوق سے — ترے جوڑے کے کھلنے نے مرا دل داستان باندھا
عجب تقدیر نے عقدہ وہان کھولا یہان باندھا

ناسخ سے — پاک ہین آلودگی سے جو ہین وارستہ مزاج
تر نہین ہوتا کبھی صرصر کا دامن آب مین

ذوق سے — چشمۂ آئینہ مین کب تر ہوا پائے نگاہ
اس طرح جاتے ہین دیکھا پاکدامن آب مین

ناسخ سے — وہ اُدھر رخصت ہوا اُٹھا اِدھر طوفان عشق
تیرتا جاتا تھا اُس قاتل کا توسن آب مین

ذوق سے — خط جو ہم لکھنے کو بیٹھے آنکھ سے اُمنڈے یہ اشک
بہ گیا خط لکھتے لکھتے مشق من آب مین

ناسخ سے — نہین داغ جنون کو کچھ مضرت آہ و زاری سے
چراغ اپنا ہے مثل برق روشن باد و باران مین

ذوق سے — شکایت تشنہ کامی کی تجھے بھی چاہیئے اے دل
بہت ہے آب اُس کی جبتک تیغ مین خنجر مین پیکان مین

ناسخ سے — سیہ بختی مین کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا ہوتا ہے انسان سے

ذوق سے — زبان پیدا کرون جون آسیا سینے مین پیکان سے
دہن کا ذکر کیا یان سر ہی غائب ہے کمر یان سے

ناسخ سے — صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو
چوٹ دل کو جو لگے آہ رسا پیدا ہو

ذوق سے — یان کچھ اسباب کے ہم بندے ہی محتاج نہین
نہ زبان ہو تو کہان نام خدا پیدا ہو

ناسخ سے — چاند سا چہرۂ تابان ہے مگر اسے سیر بھی
زلف مین رنگ شب تار نظر آتا ہے

ذوق سے — کیا تمھین اے اولی الابصار نظر آتا ہے
یان تو اغیار مین بھی یار نظر آتا ہے

ناسخ سے — ہے چشم تیرہ باز عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

ذوق سے — مشتاق خال لب سے صنم ہون مثلے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے

مختلف صنائع و بدائع لفظی و معنوی مین ذوق اور ناسخ نے ایسے ایسے تکلفات کیے ہین جو اُردو کا سرمایۂ شاعری اور عروس سخن کا زیور سمجھے جاتے ہین اگرچہ افسوس ہے اُس زبان کی شاعری پر جس مین حسن انسانی کی طرف زیادہ التفات کیا جائے معانی و مطالب کا انتخاب ہم بعد مین کرین گے۔ ذیل مین چند مثالین لطف بیان کی پیش کی جاتی ہین۔

تشبیہات و مناسبات

ناسخ سے — جب سے پڑا ہے عکس مرے گلعذار کا
صاف آئینہ مین طور سے تنج بہار کا

ذوق سے — اُس رُخ تابناک پہ ہر قطرۂ عرق

گویا کہ اک ستارہ ہے صبح بہار کا

تشبیہ سے شعر میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے اور اگر تشبیہ یا تمثیل ایسی چیزوں کے ساتھ دی جائے جو روزمرہ پیش نظر رہتی ہیں تو تشبیہ کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے جیسے میر انیس فرماتے ہیں ؎

تھا چرخ چنبری پہ یہ رنگ آفتاب کا
جیسے چمن میں پھول کھلا ہو گلاب کا

اسی تشبیہ کو ناسخ بھی اپنے ایک شعر میں لاتے ہیں ؎

کہتے ہیں تیرے عارض و قامت کو دیکھ کر
بالائے سرو پھول کھلا ہو گلاب کا

دریا سے دہلی کی رفتار کو دیکھ کر ایک فارسی شاعر نے کہا تھا ع پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است ÷ ذوق نے ایک قصیدہ کی تشبیب میں ابر بہار کا سماں یوں دکھایا ہے ؎

ہوا پہ دوڑتا یوں پھر رہا ہے ابر سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

استعارات

ناسخ ؎

کیا یاں ہی اور سرخی لالہ دار آنکھوں میں ہے
چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے

ذوق ؎

دنبالے سے سرمہ کے دھواں ہیں تری آنکھیں
کر بیٹھیں نہ کچھ سیف زباں ہیں تری آنکھیں

حسن تعلیل

روزمرہ واقعات کی شاعرانہ توجیہ بھی لطف سے خالی نہیں ہوتی ستارے کیا چیز ہیں اور ان میں نقل و حرکت کیوں ہے ان باتوں کا جواب ایک فلسفی ہیئت دان کے نزدیک یہ ہوگا کہ ستارے منیر نما نقش ہیں آفتاب سے کسب نور کرتے ہیں اور کشش مرکزی کی وجہ سے اُن میں حرارت و حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ اسی طرح کسی نجومی سے پوچھئے تو وہ کہے گا کہ یہ پاک روحیں ہیں جو انسانی حرکت کی دیکھ بھال کرتی ہیں اور مختلف آدمیوں کی قسمتوں پر اثرات ڈالتی ہیں۔ لیکن شاعر کی تخیل اُن کی ہستی پر اور ہی روشنی ڈالتی ہے۔ آتش لکھنوی کہتے ہیں ؎

جستجو میں تیرے انجم کی طرح اے آشنا حسن
ذرہ ذرہ ہو کے خاک عاشقاں گردش میں ہے

اسی زمین میں ناسخ کا شعر ہے ؎

تو وہ ماہ مصر خوبی ہے کہ تیرے عشق میں
مدتوں سے اختروں کا کاروان گردش میں ہے

ذوق فرماتے ہیں ؎

پھر اگر آسماں تو شوق میں تیرے ہے سرگرداں
اگر خورشید نکلا تیرا گرم جستجو نکلا

آتش کا بھی ایک شعر اسی مضمون کا ہے جو بلحاظ صفائی زبان بہت خوب ہے ؎

قیامت تک یہی گردش رہے گی روز و شب انکو
مہ و خورشید حسن یار سے آتے ہیں چکر میں

ثبوت

ناسخ ؎

چشم بتاں اور ہے چشم غزالاں اور ہے
وضع انساں اور ہے ترکیب حیواں اور ہے

ذوق ؎

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

رعایت لفظی

محض گرمی کلام کی غرض سے خلاف واقعہ امور کا بیان کر دینا شاعری کے موضوع کے خلاف ہے مگر جب کسی قوم کا مذاق بگڑ جاتا ہے تو شاعری کا مفہوم یہی رہ جاتا ہے جس کو اصطلاح میں مذہب کلامی کہتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں عربوں کی شاعری کا بڑا زور شور تھا۔ اور کفار عرب اسی حیلہ سے طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان ہذا لشئ عجاب۔ فارسی میں مرزا صائب اور بیدل وغیرہ کا کلام اسی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اردو شعرا میں ناسخ و ذوق نے بھی اسی طرف توجہ کی ہے ؎

ناسخ ؎

دل لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا
بجھتا ہے چراغ آج سر شام ہمارا

ذوق ؎

دیکھا دم نزع دل آرام کو
عید ہوئی ذوق دمِ شام کو

واقعہ نگاری

سچی اور سیدھی بات کو موثر و دلنشین پیرایہ مین بیان کر دینا اصل شاعری ہے اور اسی کا نام فصاحت و بلاغت ہے۔

ناسخ ؎ دو دن بھی ایک رنگ پہ باغ جہان نہین
وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزان نہین

ذوق ؎ پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معاملہ بندی

ناسخ ؎ رات بھر جو [illegible] لے لے بس [illegible] سی
[illegible] بدن حزین بھوٹی سی

ذوق ؎ عبث رکاوٹ سے جان منہ بناتے ہو
وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

لطف زبان

ناسخ ؎ بار دامن سے لچک جائے نہ کیون تیری کمر
آستین کا یہ ہوا بوجھ کہ شانہ اُترا

ذوق ؎ تو ہو کے ترش رو مجھے گالی ہزار دے
یان وہ نشے نہین جنھین ترشی اُتار دے

محاورہ بندی

ناسخ ؎ ٹٹی کی آڑ مین وہ کیا کرتے ہین شکار
منہ کو چھپائے رکھتے ہین اپنے نقاب مین

ذوق ؎ ہے دل کی داؤگھات مین مژگان چشم یار
کرتی ہے قصد ٹٹی کی اوجھل شکار مین

تلمیح و اشارات

ناسخ ؎ نظر آتا نہین جب سے کسی کا کعبۂ ابرو
ہمارے دیدۂ تر مین ہے عالم چاہ زمزم کا

ذوق ؎ دلیران محبت کو خلش ہے اُسکی مژگان کی
پس مردن لحد مین بھی ہے عالم چاہ رستم کا

ناسخ ؎ جلد رنگ لے دیدۂ خونبار اب تا رنگاہ
ہے محرم اُس پری پیکر کو نارا چاہیئے۔

ذوق ؎ اسیری عشق کو منظور تھی پیری لڑکپن مین
پہنایا طوق منت کے بہانے میری گردن مین

رمز و کنایات

شعر مین کسی بات کو کنایتًا بیان کرنا شاعری کی خاص خوبی ہے جیسے ناسخ دہن کے معدوم ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہین ؎

محروم جو رکھنا اُسے منظور ہے میرا کہتا ہے ظرافت سے کہ لے بوسہ ہان کا

ذوق نے سادگی و خودبینی کو کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے ؎

لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہان لینے لگا

ایہام

شعر مین ذو معنی الفاظ کا استعمال بھی پر لطف ہوتا ہے اور ایک ہی لفظ یا الفاظ کئی معنون مین بار بار آئین تو تند و شکر کا مزہ دے جاتے ہین۔

ناسخ ؎ کیا عجب عنبر اگر بن جائے سارا موم شمع
آج محفل مین کسی کی زلف عنبر بیز ہے

ذوق ؎ رشک زلف یار سے اک مشک ہی کیا ہے سیاہ
بلکہ جل کر سوختہ عنبر بھی سارا ہو گیا

ناسخ ؎ ہوا سے بال آتے ہین جو اُڑ کر تیرے چہرہ پہ
غزال چشم شوخی کر رہے ہین چین گیسو مین

ذوق کی مشہور غزل ہے جس کی ردیف مین لطف و رنگی ظاہر ہے ؎

ہے تیرے کان زلف معنبر لگی ہوئی رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا چھٹتی نہین ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

تجنیس لفظی و معنوی

ادا ے مطلب کے لیے ایسے الفاظ لانے سے جن مین کسی قسم کی مناسبت ہو کلام کا لطف زیادہ ہو جاتا ہی اسی کو مراعاۃ النظیر کہتے ہین۔ ذوق اور ناسخ کی سخن آفرینیان ملاحظہ ہون۔

ناسخ ؎ خانہ برباد ہین صحرا مین بگولون کی طرح
ستف و بام و در و دیوار سے کچھ کام نہین

ذوق ؎ مستی و نا آشنائی وحشت و دیوانگی
یا تری آنکھون مین دیکھی یا ترے دیوانے مین

ناسخ ؎ نہین ہین یہ صنم بھولے جو چپکے بُت سے بیٹھے ہین
بھری ہے یون شرارت ہون شرارے جیسے پتھر مین

ذوق ؎ تجھے اے سنگدل آرام جان بتلاتے تجھے
پڑین پتھر سمجھ پر ایسی ہم سمجھے تو کیا سمجھے

عکس

اجتماع اضداد سے شعر مین عجیب لطف پیدا ہو جاتا ہی ناسخ اور ذوق کا حسن بیان ملاحظہ طلب ہی ؎

ناسخ ؎ کیا ہے آگ سے مچھلی کو پیدا
یہ اعجاز زُلفِ رنگین بیان ہے

ذوق ؎ اس سے تو ادراگ دہلے درد ہو گیا
اب آہ آتشین سے بھی دل سرد ہو گیا

تفریق

مشابہ چیزون مین تفریق پیدا کرنا ایسی صنعت ہی جس سے شاعر کی نازک خیالی معلوم ہوتی ہی دونون صاحبون کے کلام کا فرق دیکھیے۔

ناسخ ؎ خاک پر دونون نظر آتے ہین لیکن فرق ہے
سنبلستان اور ہے زلف پریشان اور ہی

ذوق ؎ "غنچے ترے غنچہ دہنی کو نہین پاتے
ہنستے ہین مگر تیری ہنسی کو نہین پاتے"

لف و نشر

ناسخ ؎ کبھی ہو دھیان عارض کا کبھی یادِ مژہ دل کو
کبھی ہے خار پہلو مین کبھی گلزار پہلو مین

ذوق ؎ نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونون کو بلا سمجھے
اسے تیرِ قضا اُس کو پرِ تیرِ قضا سمجھے

تضمین

ناسخ ؎ سوالِ وصل پر ملنا پریرو تیرے ابرو کا
اشارہ ہی براتِ عاشقان بر شاخ آہو کا۔

ذوق ؎ سوالِ بوسہ کو ٹالا جواب چین ابرو سے
براتِ عاشقان بر شاخ آہو اس کو کہتے ہین

ترجمہ

ناصر علی بیدل ؎ "گویند کہ شب بر سر بیمار گرانست
گر سرمہ بچشم تو گرانست ازانست"

ناسخ ؎ یون نزاکت سے گران سرمہ ہو چشم یار کو
جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

لامد ہر نگہ از چشم او مستانہ می آید برون
ہمچو بد مستے کہ از خمخانہ می آید برون

ذوق یون نگہ نکلی ہے چشم یار سے
مست جیسے خانۂ خمار سے

اہل نظر جانتے ہین کہ خمخانہ کی بجاے خانۂ خمار کے تغیر الفاظ سے ذوق کے شعر مین کیا ن شان پیدا ہو گئی ہی مگر ناسخ کے یہان نزاکت زیادہ ہی۔

تعقید

شاعری کے عیوب مین تعقید بھی داخل ہی مگر اکثر فارسی شاعرون نے اپنے کلام مین یہی رنگ اختیار کیا ہی چنانچہ مرزا ... کے قصاید اسی طرز کے ہین۔

ناسخ ؎ کیا ہے قاتل کی تیغ لب نے شہید شاید کسی کو ناسخ
کہ بیضۂ مرغ مثل خط کے نمود مشہد سے ہو رہا ہے

ذوق ؎ چاک آتا ہے نظر پیراہن صبح بہار
کس شہید ناز کو دیکھا ہے کفناتے ہوئے

مشابہ الفاظ

فارسی و عربی الفاظ و محاورات اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں اگرچہ ذوق و ناسخ نے استادانہ طریق سے اکثر ایسے الفاظ و ترکیبات استعمال کیے ہیں جو اردو میں غیر مانوس ہیں۔

ناسخ ؎ یہ تیری ہے ساعد کی عالم آرائی جس نے دیکھا ہوا وہ حیراں
نیام تیغ قضا سے ہے مراقب ہے قاتل کی آستین کا

ذوق نے اپنے ایک قصیدے میں گھوڑے کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

شہا وہ تیرا ہے اسپ تازی کرے جو میدان میں ترک تازی
تو کھینچ گوئے فلک کو بازی پہ اے گوئے بدست چوگاں

ذوق اور ناسخ کو زبان اردو کی اصلاح و ترقی کا خاص خیال رہا ہے ناسخ اصلاح سخن میں مشہور تھے اور محمد ابراہیم ذوق بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے ہیں چنانچہ پروفیسر آزاد خود استاد ذوق کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لال قلعہ کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا بادشاہ کی غزل بنا رہا تھا۔ اتفاقاً ادھر سے ایک انگریز آیا اور پوچھنے لگا۔ ول آپ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا شاعر ہوں ایک غزل دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے پھر پوچھا۔ آپ انگریزی جانتا ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ جی نہیں اُردو تو میری زبان ہے اور فارسی عربی بھی جانتا ہوں۔ کہنے لگا۔ "ہاں اکرام آپ کا تین زبان سیکھا آپ ہمارا ایک زبان بھی نہیں جانتا" میں نے ہنس کے جواب دیا کہ صاحب ہم زبان کا سیکھنا اس کو کہتے ہیں کہ جس زبان کو سیکھیں اُسمیں تحریر و تقریر ایسے ہی کر سکیں جیسے کہ خود اہل زبان بولتے اور لکھتے ہیں بھلا یہ کیا سیکھنا ہے کہ ول ہم آپ کا تین زبان سیکھا اسکو سیکھنا نہیں زبان کا خراب کرنا کہتے ہیں۔

انگریزی الفاظ اور انگریزی چیزوں کا استعمال ذوق اور ناسخ کے زمانے میں جاری ہو گیا تھا اسی وجہ سے ان دونوں استادوں کے کلام میں کہیں کہیں انگریزی کے الفاظ بھی نظر آتے ہیں۔

ناسخ ؎ ترے رخسار تاباں کا کبھی جو عکس پڑتا ہے
فریم آئینہ کے بنتے ہیں ہالہ ماہ کامل کا

ذوق ؎ نہیں لگتی ہیں وہ لنٹرن کی زد [illegible]
ماہ سے ہے تیرے [illegible] ہوا [illegible] میں

زبان اُردو کی آرائش میں ان دونوں استادوں کا عمل اس مقولہ پر رہا ہے کہ متاع خوش ہر دکان کہ باشد اسی وجہ سے الفاظ و تراکیب کے سوا مضامین و مطالب میں بھی زیادہ تر عربی فارسی کلام کی تقلید نمایاں ہے مثلاً فارسی شاعری کا ایک کمال مضمون ہے جسکو شیخ سعدی نے اپنے مشہور قطعہ میں ادا کیا ہے۔

اسکندر و شہنامہ کہ آوردہ اند — رستم و اسکندر و اسفندیار
تا بدانند ایں خداوندان دہر — کز بسے شاہ گذشت دنیا یادگار

اسی مفہوم کو شیخ ناسخ نے اُردو کا جامہ پہنایا ہے ؎

گزر ناگاہ جو میرا ہوا شہر خموشاں میں — عجب عبرت نظر آیا وہاں شاہان عالم کا
کہیں آئینہ زانوے سکندر کا شکستہ تھا — کسی جانب پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

اسی طرح ذوق نے ایک فارسی تضمین خوب کی ہے ؎

دیکھتے ہیں جلوہ گلہائے رنگارنگ ہم — مثل نرگس اس چمن میں جب تلک ہے چشم وا
عاقبت ہو گا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے — جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا
در عدم بودیم و باز اندر عدم خواہیم رفت — ایں تماشا بہر آمد شد بیہودہ ما

غزل میں مضامین مسلسل شاذ ہوتے ہیں لیکن ذوق کی ایک غزل کا یہ قطعہ مشہور اور دیوان مطبوعہ میں موجود ہے ؎

وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں دوپہر — اور شام تلک یوں ہی ٹل جائے تو اچھا
پھر شام سے تا صبح رہے اُس سے یہی ذکر — گر جانا ہے آج اُس کو تو کل جائے تو اچھا
باتیں میں یونہی ذکر کروں صبح سے تا شام — دل اُس کا اسی طرح بہل جائے تو اچھا

غالب دہلوی اور خواجہ حیدر علی آتش کی کئی غزلیں اسی رنگ میں ہیں اور ناسخ و ذوق نے بھی اس پہلو کو اختیار کیا ہے لیکن تلاش کا موقع نہیں ملا۔

شعراے اُردو نے تمام اصناف سخن مین زیادہ توجہ غزل پر صرف کی اور غزل مین چونکہ مضامین کی کوئی ترتیب نہین ہوتی اسلیے ناسخ اور ذوق کے کلام کا مقابلہ مین بیتی کرنا دشوار ہے تاہم دواوین کی ورق گردانی اور تلاش سے ایسے اشعار بکثرت مل سکتے ہین جن مین ایک ہی مضمون پران دونون اساتذہ نے طبع آزمانیان کی ہین مختصراً چند اشعار متفرق درج ہین۔

نیرنگِ حُسن

ناسخ ؎ کی خدا نے کافرون پرلے صنم جنت حرام
ورنہ کس کی آنکھ پڑتی تیرے ہوتے حور پر

ذوق ؎ جاتے ہین آج کوے بتِ لاالہٰ نام کو
اپنا تو بس سلام ہے دارالسّلام کو

بیقراری

ناسخ ؎ اس ابر مین یار سے جدا ہون
بجلی کی طرح تڑپ رہا ہون

ذوق ؎ ابر تر آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
برق مضطر تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

شوق دیدار

ناسخ ؎ خلق نے قرآن دیکھا جب ہوا ماہِ رجب
ہم نے دیکھا مصحفِ رخسار اپنے ماہ کا

ذوق ؎ وصل مین مجھکو اگر ہو رویتِ ماہِ رجب
رُخِ جانان ہی کو دیکھون مین تو قرآن چھوڑکر

شادی وغم

ناسخ ؎ خیالِ یار مین دل شادمان ہے
نہین ہے غم جو نظرون سے نہان ہے

ذوق ؎ نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزین ہے
نہین یہ بھی معلوم ہے یا نہین ہے

حسرت

ناسخ ؎ نخل بریدہ ہون مجھے کیا برگ و بار سے
شاخِ شکستہ ہون نہین مطلب بہار سے

ذوق ؎ بلبل ہون صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہون چراغ سے دور اور شکستہ پر

تمنّاے مرگ

ناسخ ؎ اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب فرقت مین تو احسان ہوتا

ذوق ؎ یا تو پاسِ دوستی تجھکو بتِ بیباک ہو
یا مجھی کو موت آجائے کہ قصّہ پاک ہو

جنون

ناسخ ؎ جنون پسند مجھے چھاؤن ہے ببولون کی
عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولون کی

ذوق ؎ اے جنون ہم پا برہنہ گرم پتھر زیر پا
دوپہر ہے سایہ بھی بیٹھا ہے دب کر زیر پا

یاد ایّامِ شباب

ناسخ ؎ صبح فراق مین ہوئی قدرِ شبِ وصال
آیا ہے یاد شیب مین عالم شباب کا

ذوق ؎ وقت پیری شباب کی باتین
ایسی ہین جیسے خواب کی باتین

برشکال

ناسخ ؎ برسات ہے پلائے گلرنگ ساقیا
ہندوستان مین ہے یہی موسم بہار کا

ذوق ؎ ساون مین دیا لومہ شوال دکھائی
برسات مین عید آئی قدح کش کی بن آئی

باران رحمت

ناسخ سے
رحمتِ حق ہے سبب اپنی گنہگاری کا
ابر گرتا ہے اشارہ ہمین مے خواری کا

ذوق سے
ابر و باران کے نہ کیون لطف اٹھائین میخوار
کہ اڑاتے ہین گنہگار رہی رحمت کے مزے

شوق شراب

ناسخ سے
غرۂ ماہ مبارک ہے یہ دین داروں کا
پی شراب آج تو لے دشمن دین تھوڑی سی

ذوق سے
ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے
کہ مے آشام پیاسے ہین مہینا بھر کے

تاثیر نظر

ناسخ سے
اُس کی ہر دم کی نصیحت سے مین تنگ آتا ہون
کبھی ناصح سے بھی آنکھ اُس نے لڑائی ہوتی

ذوق سے
دیکھو اُس چشم مست کی شوخی
جب کسی پارسا سے لڑتی ہے

منزل ہستی

ناسخ سے
محو ایسے خانۂ رنگین مین مہان ہو گئے
یہ نہین کھلتا کسی پر کون صاحب خانہ ہو

ذوق سے
دنیا مین جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لیے ہو
آراستہ یہ گھر اسی مہان کے لیے ہے

شمع حیات

ناسخ سے
روشن فروغ شمع سے عالم مین ہو گیا
پروانے سر نہین جسے وہ سرفراز ہے

ذوق سے
اے شمع تیری عمر طبیعی ہو ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنسکر گزار دے

جبر و قدر

ناسخ سے
ہم خواب مین وان پہنچے تدبیر اسے کہتے ہین
وہ نیند سے چونک اُٹھے تقدیر اسے کہتے ہین

ذوق سے
اس بسیر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہو
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

جُرم اولین

ناسخ سے
حسن گندم گون یہ ہو یہ خانہ بربادی بجا
مین آدم ہین نہ کیون تقلید آدم کیجیے

ذوق سے
سٹے کیا دل سے شوق حسن گندم گون کہ گندم پر
ہمارے جدِ امجد چھوڑ کر خلد بریں نکلے

مضامین تصوف

اُردو مین تصوف کا رنگ اگرچہ کمتر ہو مگر ہوا ریختہ گوئی مین فارسی شاعری کا تتبع کیا گیا ہو مولانائے روم سعدی اور حافظ شیراز وغیرہ نے فارسی شاعری کے شیشے مین مذاق تصوف کی شراب بھر دی ہو اور اسی کا یہ چھینٹ ہو جو اُردو شاعرون کے حصے مین آیا ہو اس کے علاوہ مضامین سوز و گداز سے خاک ہند کو ایک مناسبت خاص ہے ہی ہر من بہ سے اُردو کے چند شعرا مثلاً ولی دکنی مرزا مظہر جانجانان اور خواجہ میر درد کا کلام صوفیانہ مذاق سے لبریز ہو لیکن اور شعرائے اُردو نے اس طرف توجہ کم کی، ہو شیخ ناسخ کو تصوف سے کوئی واسطہ نہ تھا مگر شیخ محمد ابراہیم ذوق کے کلام مین جا بجا تصوف کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہو پروفیسر آزاد لکھتے ہین کہ اخیر زمانے مین خواجہ میر درد کا کلام شوق سے پڑھا کرتے تھے اور اپنے کلام مین بھی وہی درد و سوز پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن کلام مین ایسے اشعار اکثر ملتے ہین جو درحقیقت مزے سے خالی نہین چند مثالین نذر ناظرین کی جاتی ہین سے

ہم اول ہی سے خود کو نابود سمجھے کہا جس کو موجود اُس نے وہ سمجھے

راتوں کو لاتے ہو حق کر لے شیخ مناجاتی   نشے میں ہوے بیٹھے ہیں رندان خراباتی

مضامین تصوف کے علاوہ ناسخ مرحوم کو قصیدہ گوئی کا بھی موقع نہیں ملا مگر زور طبیعت کی بدولت اکثر آپ کی غزلوں میں قصیدے کی شان پیدا ہو گئی ہے جیسے کہ ناسخ کی مشہور غزل کا مطلع ہے

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا   طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

حضرت ذوق علیہ الرحمۃ ایک قصیدے کی تشبیب میں فرماتے ہیں

پیری میں پر تصور رہی یاد شراب ناب   چلنے لگا رخ صبح ہے بے نور آفتاب
جو دن خوشی سے گزرے غنیمت سمجھ اسے   گردش ہے آسمان کو زمانے کو انقلاب

ذوق کو طبع آزمائی کے لیے قصیدے کا میدان وسیع ہاتھ آیا اور حق یہ ہے کہ ذوق نے اردو قصیدہ گوئی کو معراج کمال تک پہنچا دیا جس قصیدے پر خاقانی ہند کا خطاب ملا اس کا مطلع یہ ہے

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن   آب و ایلول ہوئے نشو و نمائے گلشن

ایک اور قصیدے میں کثرت سے اصطلاحات علمی صرف کئے ہیں اُسکے صلے میں ایک گاؤں کی جاگیر حاصل کی ہے

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت   نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت
مزے لیتا تھا پڑا علم و حکمت کے لیے   تھا تصور ... ہر مرحلہ قصیدہ صنعت

اسی قصیدے میں ایک جگہ تلوار کی تعریف کی ہے

وہ تری تیغ کی برش ہے کہ سایہ جس کا   کر دے اک دم میں ہیولائے مفارق صورت

اسی مضمون کو میر انیس فرماتے ہیں ع کرتی تھی شکل کو وہ ہیولا سے منفصل۔
ایک قصیدے میں بالکل فارسی رنگ اختیار کیا ہے

فصل ربیع و موسم اُردی معتدل   ... جاگزین ...
... عناصر سو سے طبائع ...

ایک مسدس دعائیہ لکھا ہے جس کا ہر بند مرصع ہے اور اکثر شاعروں نے طبیعت پر زور دیا مگر اس کا جواب کسی سے آج تک بن نہیں پڑا

منبر آرائے گردون جب تک سلطان ذکاء   تمر دستور ... اعظم حسب اعلیٰ سعد اکبر ہو
عطارد میر منشی زہرہ ناظر آسمان پر ہو   زحل میر عمارت ترک گردوں میر لشکر ہو
سر ہفت آسمان جبتک کہ دور ہفت اختر ہو
الٰہی یہ بہادر شاہ شاہ ہفت کشور ہو[1]

غزلیات و قصائد کے علاوہ تاریخ گوئی بھی لوازم شاعری میں داخل ہو گئی ہے ناسخ نے نواب وزیر کی شادی کی تاریخ کہی ہے ع شدہ نوشہ وزیر من امروز — ایک اور تعمیر کی تاریخ مشہور ہے

از جائے حکیم ہفت برگیر   سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

ذوق کو تاریخ لکھنے کے موقعے بارہا پیش آتے رہے۔ ابوظفر بہادر شاہ کی بیگم نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے ایک محل بنوایا جو زینت محل کے نام سے اب تک موجود ہے اس کی تاریخ تعمیر ذوق نے کہی ہے جو دروازہ پر کندہ ہے

کرد آن زینت محل تعمیر قصر بے بدل   شد رقم سال بنا این خانہ زینت محل

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذوق اور ناسخ کے کچھ حالات زندگی بھی ہدیہ ناظرین کئے جائیں۔

شیخ امام بخش ناسخ کے حالات | امام بخش نام ناسخ تخلص خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے یا متبنٰی تھے ... ذریعہ معاش تھی آدمی سیر خوار تھے اور مشق سخن کے علاوہ ورزش جسمانی کا بھی شوق تھا اپنے ایک مقطع میں لکھتے ہیں

لڑتے ہیں پریوں سے کشتی پہلوان عشق ہیں   ہم کو ناسخ راجہ اندر کا اکھاڑا چاہیے

شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے مگر شوق شاعری طبیعت میں بہت تھا اپنی ایک غزل میں فرماتے ہیں

---

[1] اسی وزن پر حضرت محسن کاکوروی نے بھی ایک قصیدہ واجد علی شاہ اختر کی شان میں ہو اور قابل دید ہو ع فلک پر سات اختر ہیں زمین پر ایک اختر ہو۔ شہنشاہ اودھ کی ... میں ایک قصیدہ اسی زمین میں دیکھا تھا یہ مصرع خوب تھا ع ترے ہی نام کا سکہ رواج ہفت کشور ہو۔

کون سی طرزِ سخن ہے جو اُسے آتی نہیں   کیون نہ ہو شاگرد ہو ناسخ ہر اک اُستاد کا

کہتے ہین کہ ایکدن میر تقی میر کی خدمت مین غزل لیکر حاضر ہوے انھون نے اصلاح نہ دی دل شکستہ ہو کر چلے آئے مگر اپنے کلام پر آپ اصلاح دیتے رہے یہان تک کہ خود اُستاد ہوگئے اور بہت سے شاگرد اصلاح لینے لگے۔ قدرت نے شاعرانہ طبیعت اور مذاق سلیم دیا تھا ایکدن خواجہ وزیر سے فرمایا کچھ فکر کی ہو تو سناؤ۔ وزیر نے یہ مطلع پڑھا ؎

وہ زلف لیتی ہے تاب خور و توان اپنا   اندھیری رات مین لُٹتا ہو کاروان اپنا

سنکر بہت خوش ہوے۔ اُس وقت ایک تسبیح عقیق کی ہاتھ مین تھی خواجہ وزیر کو عنایت ہوئی ناسخ و آتش کے معرکے لکھنؤ مین یادگار ہین ناسخ کے کئی دیوان مشہور ہین جن مین ایک دیوان کا نام دفتر پریشان رکھا ہو مگر غدر کے زمانے مین اکثر کلام پریشان و برباد ہوگیا ۱۲۵۴ھ مین انتقال کیا اور اُن کے شاگرد میر علی اوسط اشک نے تاریخ کہی ؎ دلا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

اِس حساب سے ۶۴ سال کی عمر پائی۔ سال پیدائش غالباً ۱۱۹۰ھ ماہ محرم ہے جیسے اپنے ایک مطلع مین اشارہ کیا ہو ؎

رہے ہر دم نہ دل کیونکر نشانہ ناوکِ غم کا   کہ ہے میرا تولد ہفتم ماہِ محرم کا

ذوق کے حالات

خاقانی ہند محمد ابراہیم نام ذوق تخلص اور خاقانی ہند خطاب ہو جو بادشاہ سے حاصل ہوا۔ شیخ محمد رمضان نامی کے یہ اکلوتے بیٹے تھے محلہ کے ایک مکتب مین معمولی درسیات پڑھتے رہے لیکن مذاق شاعری طبیعت مین خداداد تھا۔ چند روز بعد شاعری مین شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد ہوگئے مگر اُستاد اور ہونہار شاگرد مین نباہ مشکل تھا۔ دونون مین چشمک ہوگئی۔

ایکدن سودا کی غزل پر غزل کہہ کر لے گئے جس کی زمین ہے ہوش نقش پا آغوش نقش پا۔ شاہ نصیر بگڑے کہ اُستادون کے کلام پر غزل کہتا ہے اور اُس دن سے اصلاح دینا چھوڑ دی۔ بعد کو اکثر مشاعرون مین جاتے تھے اور کلام سُن کے لوگ تعریفین کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کلام کی شہرت دور دور پہنچی شاہ ظفر دکن گئے تو ولیعہد کی غزل بھی بناتے تھے۔ للعہ مشاہرہ مقرر ہوا۔ بعد کو شاہ نصیر واپس آئے اور مرزا ابو ظفر بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوے۔ بدستور ظفر کے اُستاد رہے اور خطاب خاقانی ہند کے علاوہ ماہ تنخواہ مقرر ہوئی جشن و تقریب کے موقعون پر خلعت و انعام و اکرام بھی لیتے رہے مزاج مین قناعت اور ہمیشہ سے فقیرانہ عادت تھی۔ اپنے ایک مقطع مین قسمت کی شکایت کرتے ہین ؎

قسمت ہی سے لاچار ہون اے ذوق وگرنہ   ہر فن مین ہون مین طاق مجھے کیا نہین آتا

بادشاہ کے علاوہ بہت سے شاگرد تھے۔ خدا کی قدرت انھی کے ایک شاگرد نواب مرزا خان داغ نے بادشاہی اُستادی کا رتبہ حاصل کیا اور فصیح الملک کا خطاب پایا۔ ذوق کے شاگردون مین محمد حسین آزاد شمس العلما اور نواب الٰہی بخش خان معروف ہین نواب الٰہی بخش خان خود ہی شاعری مین باکمال اور بلند فکر تھے۔ ذوق مرحوم کہا کرتے تھے کہ نواب صاحب کی غزل بنانے مین ہم آپ بن گئے (از آب حیات آزاد) بڑے قادر الکلام شاعر تھے غدر کے ہنگامہ مین بہت سا کلام ضائع ہوگیا۔ سنہ ۱۲۷۱ھ مین وفات پائی واقعہ تعجب خیز اور اُستاد ذوق رحمدن (الف) وفات کی تاریخین زیادہ مشہور ہین آبائی پیشہ کی مناسبت سے کلام مین اکثر سپاہیانہ شان پائی جاتی ہے۔ پنڈارون کے پڑاؤ کو دیکھ کر ایکدن غزل کہی جسکا مطلع ہے ؎

ہوے سرداران سپہ کا ایک سراسر لشکر ہے   مانگ ہے اک رسفیہ اُس لشکر کا سرلشکر ہے

اسی غزل مین فرماتے ہین ؎

گاہ ہجوم یاس مین ہے گاہ ہجوم حرمان مین   ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

موسیقی کو سرحد تک سیکھا فلسفہ و علوم حکمیہ کا بھی شوق تھا۔ ایک صاحب کی فرمائش سے غزل کہی جسکا مطلع ہے ؎

وصف چشم و دہن مطلب اُس یار کا لکھتے شب بھر   آج ہم درس اشارات و شفا کھنے کو ہین

کہتے ہین کہ مرنے سے چند گھنٹے پہلے یہ شعر زبان پر جاری تھا ؎

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گزر گیا   حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حافظ حبیب علی (کاکوروی)

اعتماد علی النفس

ازرہ گذرِ خاک سرِ کوے شما بود ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

حافظ

اس سے پیشتر کہ اصل مضمون نذر کرین چند سطور بطور تمہید عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہو آج اگرچہ علمی تمدنی اقتصادی بلکہ بعض اخلاقی اکتسابات کیلئے بھی ہم یورپ کے محتاج ہورہے ہین لیکن یہ بے بضاعتی بتدریج بڑے دلفریب طریقون سے ہماری نامسعود تقلید پسندی اور سہل انگاری کے سبب پیدا ہو گئی ہو مقدس اسلام نے بڑی وسعت فراخی اور بلند نظری سے بیخ استبداد کی بیخ کنی کرکے نوعِ انسان کے واسطے وہ تمام بابرکت راہین کھولکر سامنے رکھدین جن کے آخری سرے اخلاق و عمل اور علم وعقل کی انتہائی ترقیات کی مبارک منزلون سے پیوستہ ہین "راہ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست"۔

اس مین کلام نہین کہ آج یورپ مین اہل علم وفن کی ایک کثیر تعداد ایسی موجود ہے جن کے علمی کارنامے لذائذ ادراک واحساس کا بہت کچھ سامانِ علم وعقل اپنے اندر رکھتے ہین لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ یورپ جو آج سے کچھ مدت پہلے اوہام وجہالت کی سخت تاریکیون مین مبتلا تھا، اُس نے یہ سب کچھ کہان سے لیا۔ اِس سوال پر جس قدر غور کیا جائے تاریخی شہادت سے یہ بات مسلّم ہوتی ہو کہ یہ سب کچھ اسلام کا فیض ہو اور احرار اسلام کی آزادانہ علمی عملی اخلاقی اور تمدنی مساعی حسنہ کا نتیجہ۔ مگر کاش مسلمان مسلمان رہتے ؎

غیر تم کشت کہ محبوب جہانی لیکن
روز و شب عربدہ با خلق خدا نتوان کرد

آج سے کچھ پہلے تمام اربابِ علم و تعلیم کا یہ خیال تھا کہ علم گویا انسان کے اندر باہر ہی سے ڈالا جا سکتا ہو، مگر جب حقائق علمیہ زیادہ واضح ہوتے تو یہ ماننا پڑا کہ چونکہ سب کچھ انسان کے اندر ہی موجود ہو لہذا تعلیم اس نہج ہونی چاہئے کہ انسان کی حسّی اور ادراکی دماغی اور روحی قوتین معقول طور پر نشو ونما پاسکین تاکہ وہ حقائق اشیا و اسباب علم و فن کا ادراک اچھی طرح کرسکے۔ اِن خیالات کو ملحوظ رکھکر غالباً سب سے پہل علماے جرمنی یورپ مین "کنڈر گارٹن" کا طریقۂ تعلیم جاری کرکے اپنے نونہالان وطن کی اندرونی قوتون کو نشو ونما دینے کی ابتدا کی، اور پھر تمام ممالک مین نقاد تعلیم نے اِس تحریک و عمل کو پسند کیا۔

مسلمانون کے واسطے بھی بظاہر یہ ایک نئی بات تھی لیکن اگر ذرا بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو یہ اصول تعلیم اسلام ہی کی نراز فلک کا پرزہ ہے کیونکہ خدائے برتر نے اس ارشادِ حق کو کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سناکر اِس علمی حقیقت کو صاف کردیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزون کے نام سکھا دیے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ انسان مین خدائے جل و علیٰ نے تمام کمالات ظاہری اور باطنی حاصل کرنے اور جملہ موجوداتِ عالم سے کام لینے کی استعداد اور قابلیت ودیعت فرمادی۔ ملائکہ مقربین تو عالم بالا ہی کی بزم طرب کا سامان تھے، وہ اِس راز کو کہان سمجھ سکتے تھے کہ کائنات مین فرائض اور خدمات حضرتِ انسان کو انجام دیکر پھر خالق اکبر کے حضور واپس آنا ہو وہ ہمارے بل بوتے سے بھی بالاتر ہین وہ صرف ذکر و تسبیح ہی شرف خلقت سمجھکر آفرینش آدمؑ کے خلاف تھے لیکن انسان کے اخلاقی تمدنی علمی اور عقلی کارنامون کو اللہ ہی کی ذات علام الغیوب سمجھتی تھی لہذا آوازِ حق نے فرشتون کو ڈانٹ کر فرمایا کہ چپ رہو۔ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ عزازیل نے اس حقیقت کو پھر بھی نہ سمجھا اور وہ سمجھ ہی کہان سکتا تھا، فخر و غرور حقیقت سے بہت دور کر دیتے ہین، عارف شیراز سچ لکھتے ہین ؎

…بی خواست کہ آید بہ تماشاگہِ راز دستِ غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

الغرض انسان کو خداوند تعالیٰ نے بڑی برتری بخشی ہے اور اس شرفِ انسانی کی حقیقت کو دنیا میں اہل عالم پر اگر نمایاں طور پر آشکارا کیا تو بے شبہ اسلام مقدس اسلام ہی نے کیا۔ خود مدد ی یا سیلف ہلپ جس پر آج یورپ نازاں ہے کبھی مسلمانوں ایک مبیش پا افتادہ مسئلہ تھا، ورنہ سعدی کی گلستاں میں ذیل کا شعر جس …ن سیلف ہلپ کے موضوع پر گویا قلم توڑ دیا ہے کبھی نہ ملتا ؎

…اکہ با عقوبتِ دوزخ برابر است رفتن بہ پائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

مزید براں تعلیم اسلام کا یہ اصل الاصول کہ خدائے برتر کے سوا کسی کے …منے نہ جھکو، کسی کی ستایش و پرستش نہ کرو، غیر اللہ کسی چیز پر سہارا نہ …کاؤ، ہر حالت میں خدا ہی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھو اور اپنے ہر عقدۂ دشوار …و اسی پر بھروسہ کیے ہوئے خود حل کرنے کی کوششوں میں لگے رہو، یہ تمام …رشادات "اعتماد علی النفس" ہی کے حصول کا سرمایہ ہیں اور قرآن پاک …س موضوعِ عظیم کی تفصیلی بحثوں سے مملو ہے۔

آج حاملینِ توحید بے شبہ بہت ناتوان اور ایسے کمزور ہو چکے ہیں کہ اُن سے …پنے جسموں کا بوجھ بھی اُٹھ نہیں سکتا۔ لیکن اگر ہم میں ایمانی ضعف …یدا نہ ہوتا اور ہم اپنے چال چلن کو شرمناک بد اخلاقیوں سے نہ بگاڑ بیٹھتے …نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور فاینما تولوا …وجوھکم ثم وجہ اللہ بل فی انفسکم افلا تبصرون …کے نغمہائے ہمت ٹھوس استقامت اور سچا اعتماد علی النفس سکھانے کے واسطے کافی سے زیادہ سامان ذوق و سرور اپنے اندر رکھتے ہیں …عتماد علی اللہ در اصل اعتماد علی النفس ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔ خدا پر بھروسہ کرنے اور اُسے ہر جگہ علیم و بصیر سمجھتے رہنے سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور نہ وہ ہماری کسی طرح کی مدد کا محتاج ہے۔ یہ سب کچھ انسان ہی کے فائدے کے واسطے ہے۔ انسان چونکہ اللہ کی ایک بہت عزیز اور شریف مخلوق ہے لہذا وہ البتہ یہی چاہتا ہے کہ انسان اپنی شرافت اور عزت قائم رکھ کر صحیح معنوں میں انسان بنا رہے۔

آمدم بر سرِ مطلب۔ مضمون ذیل جسے "اعتماد علی النفس" کے عنوان سے پیشکش کیا جاتا ہے، ایک صوفی منش انگریزی مصنف کے خیالات کا ترجمہ ہے اور ترجمہ میں ہم نے مصنف کے نفسِ مدعا کو ملحوظ رکھا ہے نہ کہ الفاظ کو، مگر ایک ہی فطرت ہے اور ایک ہی حقیقت۔ اسے جو سمجھے گا وہی سمجھے گا جو سمجھنا چاہیے۔ اس لیے ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ؎

از رہ گذرِ خاکِ سرِ کوئے شما بود ہر نافہ کہ در دستِ نسیمِ سحر افتاد

ہمیں امید ہے کہ معزز ناظرین مسٹر جیمس ایلن کے ان خیالات سے بہت محظوظ ہوں گے۔

سمجھو اور پڑھو

وہ شخص جو اپنے سینۂ صفا میں روشنی رکھتا ہے اپنے باطن کے مرکزِ نور میں بیٹھ کر روزِ روشن کی روشنی سے سرور حاصل کر سکتا ہے۔ (ملٹن)

بابرکت زندگی کے لیے انسان کو خود اعتمادی نہایت ضروری ہے۔ جہاں امن اور یقین و اطمینان ہے وہاں قوت ہونی چاہیے۔ جہاں اعتماد کی پختگی ہے وہاں استحکام ضروری ہے۔ اگر کسی دل میں غیر فانی اور دائمی مسرت ہے تو ضروری ہوگا کہ اس میں فانی اور حادث چیزوں کی رغبت و الفت کا جھکاؤ نہ ہو جو زندگی کے کسی لمحہ میں انسان سے ہمیشہ کے واسطے چھینی یا علیحدہ کی جا سکتی ہیں۔

انسان راستی اور سچائی کے ساتھ اُس وقت تک جینا شروع نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنے عالمِ وجود کے باطنی نظام میں پائدار اور نہ پھر سکنے والا مرکز معلوم نہ کر لے جس پر وہ استقامت سے کھڑا ہو سکے، اور دمیں اُسے امن بھی مل سکتا ہے۔ ایک شخص اگر ایسی چیز پر بھروسہ کیے ہوئے ہے جو گھٹتی بڑھتی یا آگے اور پیچھے ہوتی رہتی ہے، تو لامحالہ وہ شخص خود بھی ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ اگر وہ ایسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے ہے جو بآسانی کبھی اُس سے علیحدہ ہو جانے والی ہے تو وہ یقیناً گرے گا اور سخت …

ہوگا! اور اگر وہ اپنی تسلیوں کو ضائع اور برباد ہونے والی چیزوں میں ڈھونڈتا ہے تو اُس کی مثال ایسی ہوگی کہ گویا اُس نے حقیقی مسرتوں کے ہوتے ہوئے آسائشوں کی کثرت میں بھی راحت کو مطلق نہیں پایا۔

لہذا انسان کو خود ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے دو، کسی خارجی مدد اور مددگار کا خیال بھی اُسے نہ کرنے دو، کسی قسم کی مہربانی اور معاونت کی اُمید بھی اُسے مت دلاؤ، کسی دوسرے کی ذات سے کسی قسم کی فائدہ مندی کی جستجو بھی اُسے نہ کرنے دو، حتیٰ کہ نہ اُسے کسی کے سامنے التجا کرنے دو، نہ شکایت کبھی نہ کرے اور نہ تاسف۔ لیکن ہاں اُسے اپنے ہی باطن کی ربانی سچ پر پورا اعتماد کرنے دو۔ اُسے اپنا امن جان و دل خود اپنے ہی اندر مہیا کرنا چاہئے۔

اگر ایک شخص اطمینان اور امن اپنے دل میں نہیں پاتا تو وہ اُسے دوسری جگہ کہاں پاسکے گا۔ اگر وہ تنہا یا اکیلا ہوتے ہوئے ڈرتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ رہ کر حقیقی استقلال اور ہمت و استقامت کیونکر حاصل کرسکے گا۔ اگر وہ اپنے خیالات کے سلسلہ میں راحت اور سرور نہیں پاتا تو اُسے دوسرے لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے سے [illegible] کیونکر مل سکے گا؟ کیا یہ ممکن ہے [illegible] اور [illegible] انسان [illegible] استقامت [illegible] راحت و امن کا مقام جس کی اُسے آرزو ہے دنیا میں کہیں بھی نہ پاسکے گا؟

لوگ اکثر اس اوہام انگیز تخیل میں پڑے رہتے ہیں کہ اُن کی راحتیں دوسرے لوگوں یا خارجی اسباب و اشیا پر منحصر ہیں، اور چونکہ خیال ہی گویا خیال باطل ہے، بالانجام اس دُھن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لگاتار ناکامیوں اور نامرادیوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ اپنی حالت پر ہمیشہ متاسف ہوتے اور سہارے کے لیے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

مگر جو شخص اپنی مسرتوں کے لیے دوسروں پر آس نہیں لگاتا یا فانی اور بے ثبات چیزوں پر نظر نہیں جاتا بلکہ اپنے ہی دل میں اپنی سچی راحتوں کے دائمی سرچشمہ کو تلاش کرتا اور پالیتا ہے وہ ہر جگہ اپنی ذات پر اعتماد رکھنے اور قناعت کرنے والا ہوگا، اور ہر قسم کی حالتوں اور کیفیتوں میں مطمئن رہے گا، وہ تباہی اور رنج و آلام کا شکار یا مایوس نہ بنے گا کیونکہ اُسے فی الحقیقت سچی راحت کا سرچشمہ معلوم ہوچکا ہے۔

مگر ہاں وہ شخص جو اپنی مدد و استعانت کے واسطے دوسروں کی طرف نظریں دوڑاتا ہے اور اپنی تمام راحتوں کو دوسرے اشخاص کے طرز عمل اور چال چلن سے موازنہ کرتا ہے لیکن اپنے کردار و اعمال کا جائزہ کبھی نہیں لیتا اور نہ اُس کی طرف کچھ توجہ ہی کرتا ہے اور نیز اکثر دوسرے لوگوں بزرگوں اور عارفوں ہی کی عملی جد و جہد کو اپنے لیے مفید اور سود مند ہو جانے کی حریصانہ بلکہ ابلہانہ آرزوؤں میں پڑا رہتا ہے ایسے شخص میں روحانی استقامت گویا نام کو نہیں حالانکہ روح اُسے ہی بخشی گئی ہے۔ اُسکے دل و دماغ بوجہ جہالت لگاتار خیالی تبدیلیوں کے زیر اثر اِدھر اُدھر کے توہمات میں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں اور وہ ایک قسم کا بھٹکنے والا جاندار ہے نہ کہ انسان جو ایک قسم کے پریشان کن اوہام کے بہاؤ میں پڑے ہوئے کسی خاص مقصد کے بغیر بہا چلا جارہا ہے اور انسان کی یہ حالت درحقیقت ایک قسم کی روحانی تباہی یا اپنی ہی بربادی ہی سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔

ایسے شخص کو یہ بات معلوم کرنے جاننے اور سمجھنے کی سخت ضرورت ہے کہ اُس کا مرکز ثقل کیونکر کارآمد ہوسکتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے دوسروں کی دستگیریوں سے بچ کر اپنا شرف انسانی قائم کرکے جی سکے۔ مگر ایسے شخص کو صحیح معنوں میں انسان نہیں بلکہ بچہ سمجھنا چاہئے اور جس طرح ایک بچہ بسا اوقات اِدھر اُدھر چلتا پھرتا، کسی کی مدد کے بغیر دیوار ہی کے سہارے سے سیکھ جاتا ہے بس ایسے ہی اُس شخص کو اپنے ہی بل پر کھڑے ہونا سوچنا سمجھنا اور رنگ ڈھنگ کا اندازہ کرکے کام کرنا سیکھنا چاہیے اور اسے اپنے ہی دل و دماغ

بھی قوت سے راستہ معلوم کرکے چلنا چاہیئے۔ سب کچھ اُسکے اندر موجود ہی۔

انسان کے وجود کے باہر تبدیلیان تباہیان اور بے اعتمادیان ہین مگر اُسکے اندر کلیۃً اعتماد، یقین، پائداری اور برکت ہی۔ انسانی روح اپنی ذات مین کافی اور مکمل ہی، اور کمالات کے سرچشمہ کو وہ ساتھ لیکر آئی ہی۔ یہ قدرت کا ایک مسئلہ ہی کہ جہان جس چیز کی جسقدر مانگ اور ضرورت ہوتی ہی وہان اُسی نسبت سے اُس کی بہم رسانی بھی ہوتی ہی۔ زہر ہلاہل مول بکتا ہی مگر پانی مفت ہاتھ آتا ہی۔ اے انسان! تیرے دائمی مسرور رہنے کا اصلی مقام تیرے اپنے ہی جہانِ جسم مین ہی۔ وہان دیکھ، پہنچ اور اپنی حویلی پر قبضہ کر۔ وہان اگر تونے قبضہ حاصل کرلیا تو تو ایک بادشاہ ہی ورنہ غلام۔ مت دیکھ اس بات کی فکر مت کر کہ دوسرے لوگ اپنے عالمِ وجود کی سلطنت کے فرائض اور انتظامات کو کسطرح انجام دیتے یا اُنھین غلط طریقے سے ادا کرتے ہین۔ اِس کاوش سے تجھے کوئی نفع نہین پہنچ سکتا۔ تجھے تو یہ دیکھنا ہی کہ تو اپنے ملکِ جسم و جان پر عقلمندی سے حکومت کر رہا ہی یا نہین؟ تیری حقیقی بہتری اور تمام مخلوقِ عالم کی بھلائی تیرے ہی دانشمندانہ اعمال و کردار کے ساتھ تیرے ہی عالمِ وجود مین رکھی ہوئی ہی۔

تجھے ایک ضمیر دیا گیا ہی، اُسکی عاقلانہ پیروی کر۔ تجھے ایک دماغ عطا ہوا ہی، اُسے گندے اور بُرے خیالات سے پاک رکھ۔ تجھے ایک قوتِ فیصلہ بخشی گئی ہی، اُسے کام مین لے اور بڑھا۔ تیرے پاس ایک حدِ معقول تک اختیار بھی ہی اور ارادہ بھی، اُسے کام مین لگا اور مضبوط کر۔ تو کسی نہ کسی درجہ تک علم بھی رکھتا ہی، اُسے ترقی دے۔ تیری اپنی ہی روح کے اندر ایک روشنی ہی، اُسے سنبھال، وسعت دے، زیادہ کر، اور بُرے جذبات، مذموم خیالات کی آندھیوں سے اُس شمعِ نور کو بچا، اور اُسے ہمیشہ اپنی پوری تیزی اور یکسانیت کے ساتھ روشن رہنے کے لیے عاقلانہ عمل و تخیل سے مدد دیتا رہ۔ دنیا بھر کو الگ چھوڑ۔ دوسرون کے جھگڑون اور بکھیڑون کو پھینک، اور اپنی حقیقت کو سمجھ، اور تو جس منزلِ صداقت سے کھویا گیا ہی وہان پہنچ۔ ایک انسان کی طرح سوچ! انسان کی طرح کام کر! اور انسان ہی کی طرح دنیا مین رہ اور جی! اپنی ذات مین غنی بن! اور اپنے ہی باطن کے کمالِ حق سے نیکی شرافت اور سعادت کی تکمیل کر! اپنے آپ مین مالامال اور کامل ہو! اپنے باطن مین سرورِ دوام کے ربانی مرکز کو سمجھ! اور حقیقت کی زبان[۱] ری کر! تیری زندگی کا بابرکت راستہ یہی ہی!

عظیم الشان کرۂ ارض اپنے فرمان بردارانہ تعلق سے جو اُسے آفتاب کے ساتھ ہی اپنی خادمانہ رفتار کو قائم رکھے ہوے ہی، ایسے ہی تو بھی اپنے جہانِ باطن کے نورانی مرکز کے ماتحت رہ۔ اگر دوسرے لوگ تیری اِس روش کو تاریکی اور نادانی سمجھین یا کہین تو اُنھین کہنے دے، اپنی ذات کے لیے تو خود ہی ذمہ دار ہی، اور تیرا ذاتی محاسبہ بھی تیری اپنی ہی ذات کے ساتھ ہی۔ اِس لیے تو اپنی حقیقتِ ذات پر اعتماد حاصل کر۔ اے شخص! اگر تو اپنے آپ مین خود ہی جھجکتا اور ڈرتا رہے گا تو تیرے اندر دوسرا کون یقین و اعتماد کو رکھے گا۔ اگر تو اپنے آپ کو آپ ہی جھٹلاتا اور اپنی ذات مین بے اعتماد و کاذب و متذبذب ہی تو تجھے سچائی اور یقین و ایمان کی نعمتِ تسکین کہان مل سکے گی؟

نیک اور بزرگ انسان خود اعتمادی سے بے تکلف اور آزادانہ شان انسانیت کی فطری سادگی کے ساتھ اپنے پاؤن پر کھڑا ہوتا ہی۔ وہ اپنے سچے راستہ پر بے خوف و خطر چلتا ہی اور کبھی راہِ حق پر چلنے سے عذر خواہ نہین ہوتا اور نہ اُسے چھوڑنا پسند کرتا ہی۔ اُسکے لیے لوگون کی خوردہ گیری اور تحسین مرحبا دونون یکسان ہوتی ہین، اور اُس کی نظر مین اُن دونون کی وقعت تنکے یا گرد و غبار کے ایک ذرہ سے زیادہ نہین ہوتی جسے وہ اپنے دامن سے جھاڑ کر الگ پھینک دیتا ہی۔ وہ لوگون کی متغیر الصوت آرا کے ماتحت دو کر قدم نہین اُٹھاتا بلکہ وہ اپنے ضمیر کی پوری روشنی مین چلتا ہی حالانکہ دوسرے لوگ

---

[۱] ایک ایشیائی بزرگ نے بالکل اسی خیال کو اپنے الفاظ مین یون لکھا ہی۔

مستلزمِ ممات بود زہر قیمت   سرچشمۂ حیات بود آب بے بہاست

اپنی انسانیت کو خوشامد اور ظاہرداری کے عوض معاوضہ میں گرو کر دیتے ہیں اور یہ گویا بے اعتمادی ہی کی علامت ہو۔

جب تک تم خود بالاعتماد اس طریقے سے کھڑے نہ ہو سکو کہ نہ دوسرون سے مدد مانگو نہ فانی دیوتاؤن اور انسانون سے التجائین کرو بلکہ اپنے آپ کو اپنے ہی باطن کے نور صداقت سے سنبھالو تو تم نہ نفسانی آسایش اپسند خوشامد سے آزاد ہو اور نہ تمھین حصول برکات مین کامیاب کہا جاسکے گا۔

لیکن یہان ایک بہت باریک سی بات بھی ہو جو تمھین بتا دینے کے قابل ہو۔ دوسرون مہاتماؤن اور بزرگون کی دستگیریون سے ہٹے رہنے کا خیال کہین تمھین مغرور اور سرکش نہ بنادے۔ ایسا نہ ہو کہ تم خود کو اس خیال کی وجہ سے بہت برتر سمجھنے لگ جاؤ۔ لہذا اغرور ونخوت کو ایسے خیال کے سمجھنے مین ہرگز غلطی نہ کرو۔ کیونکہ غرور و فخر کی برباد ہو جانے والی بنیاد پر قدم رکھنے کی کوشش کرنا کلیتہ ایک طرح کا گرنا ہو۔ دنیا مین کوئی شخص مغرور آدمی سے بڑھ کر دوسرون کا محتاج نہین ہوتا، اور وہ دوسرون کی پسندیدگی یا ناراضگی سے ایک طور پر الزام و ملامت ہی حاصل کرتا رہتا ہو اور وہ خوشامد کے سبب صحیح فیصلہ کو بھول جاتا ہو اور بڑی آسانی کے ساتھ دوسرون کی رائے سے خوش اور رنجیدہ ہو سکتا ہو۔ اُسکی مسرت گویا بالکل اورون کے ہاتھ مین ہو لیکن برخلاف اسکے ایک عاقل اور اعتماد علی النفس کو سمجھنے والا انسان ذاتی فخر وغرور پر کبھی دل نہین جماتا بلکہ وہ خدا کے ابدی قانون ایک اصول ایک نصب العین اور ایک حقیقت کو جسے وہ اپنے اندر دیکھتا ہو پیش نظر رکھتا ہو۔

اس طرز عمل سے وہ خود کو گویا ایسے توازن اور میزان مین کر لیتا ہو کہ نہ خارجاً اُسے لوگون کی مختلف آرا کے طوفان اور نہ باطناً جذبات و خیالات کی لہرین اپنی جگہ سے ہٹا سکتی ہین۔ اگر وہ کسی وقت اپنی جگہ سے ہٹ بھی جائے تو اس غلطی کو وہ فوراً محسوس کر کے بعجلت تمام اپنی جگہ پر آ کر پوری طرح سے پھر ویسا ہی قایم اور محکم ہو جاتا ہو۔ اُس کی راحتین اور مسرتین گویا کلیتہً اُسکے اپنے ہی ہاتھ مین ہین۔

اے شخص! تجھے بھی اپنے میزان کا صحیح مرکز معلوم کرنا چاہیئے اور تو باعتماد کامل کسی خارجی سہارے اور آسرے کے بغیر اپنے پانوں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر۔ اگر اس استقامت کو تو پا ئے گا تو زندگی مین جو کام کرے گا اُس مین کامیاب ہوگا اور جس امر کا تو عزم کرے گا اُسے تکمیل تک پہنچا کر رہے گا۔ کیونکہ خود اعتماد شخص ایک زبردست اور محکم بالارادہ انسان ہوتا ہو۔

ہان ایک بات ہو کہ اگر تو دوسرون پر سہارا لگانے اور بھروسہ کرنے کے غلط خیال سے ہٹ چکا ہو تو اورون سے معلومات حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑ، اُن سے کچھ سیکھ۔ اپنی معلومات کو ترقی دینے مین نہ رُک۔ نیک اور مفید باتون کو قبول کرنے اور سیکھ لینے کے واسطے ہمیشہ تیار رہ۔ کیونکہ علم کی کوئی حد نہین!!

تم حد سے زیادہ حلیمی تو رکھ نہین سکتے، اعتدال ہی اچھی چیز ہو مگر خود اعتماد بندے بہت منکسر المزاج ہوا کرتے ہین۔ نہ کوئی عالی خاندان شخص اور نہ کوئی شہزادہ ہی اپنی خودداری اور عزت کا مقابلہ کسی خدا شناس اور عارف انسان کی عزت سے کر سکتا ہو۔

تم سمجھتے ہو کہ خدا شناس اور حق پرست انسان منکسر المزاج ہونے پر بھی کیون عزت کا زیادہ مستحق ہوتا ہو؟ اس لیے کہ وہ اپنی حقیقی عزت کا صحیح علم رکھتا ہو اور اُس کا بھروسہ اور سہارا خدا کی اُس ربانی عظمت و وسعت اور اُسکے جلال پر ہوتا ہو جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ سمجھتا ہو اور وہ عزت در اصل اُس کی نہین ہوتی بلکہ اُس صداقت کی ہوتی ہو جسے اُس نے پالیا ہو۔

سب انسانون سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہو اور خاصکر اُن لوگون سے ضرور سیکھو جنھون نے راستی اور صداقت پر قبضہ کر لیا ہو۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اپنے مرکز صداقت کو کبھی اور کسی جگہ بھی مت چھوڑو، کیونکہ تمھاری انتہائی اور

حقیقی راہ نمائی کا انحصار اُسی سچائی کے سرچشمہ پر ہو جو تمھارے اندر ہو ایک باصداقت اور رہبر تمھیں صرف یہ کہہ سکتا ہو کہ دیکھو راستہ یہ ہو لیکن وہ تمھیں اُس پر چلنے کے لیے نہ مجبور کر سکتا ہو اور نہ تمھارے عوض خود اُس پر چل سکتا ہو۔ یہ تمھارا کام ہو کہ تم خود استقلال سے اُس پر چلنے کے واسطے قدم اُٹھاؤ، اور خود ہی اپنی ہمت و قوت سے یہ فہمندی حاصل کرو اور کسی کے سہارے کے بغیر اُس خدا شناس انسان کی سچائی کو اپنی عملی کوشش سے اپنا مال ثابت کر دکھاؤ، یقیناً بے کم و کاست تمھیں اپنی ذات پر پورا اعتماد اور بھروسہ کرنا چاہیئے۔

تمھیں اپنی ذات کا پورا اہل اور مالک بننا چاہیئے بلکہ اپنے اوپر ایک افسرانہ شانِ صدارت پیدا کر کے رہنا چاہیئے۔ نقالی نمائش اور خوشامدانہ طریقہ سے نہیں، بلکہ اپنے ہر کام کو کائنات کی شانِ حقیقت کا ایک زندہ اور ٹھوس حصّہ بنا کر چھوڑو۔ سب سے محبت کرو، مگر اسکے مبادلہ کا خیال مت رکھو! سب کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ مگر خود اُس کی تمنا نہ کرو! دوسروں کو مدد دو! مگر اپنی ذات کو دوسروں کی مدد پر مت چھوڑ دو۔

اگر دوسرے تمھیں تمھارے کسی کام پر الزام دیں تو اُن کی پروا نہ کرو، تمھارے لیے یہ کافی ہو کہ تمھارا کام سچا ہو، اِس اطمینان اور تسکین صداقت کی باطنی کیفیت میں تم امن کے ساتھ مگن رہو اور دیکھ تا بانہ کبھی کسی سے ایسا پوچھنے کی آرزو مت کرو کہ "کیوں جناب! میرا کام اچھا ہو!" بلکہ پوچھتے ہو تو یہ پوچھو کہ جناب! کیا میں نے جو کچھ کیا ہو یہ فی الحقیقت درست ہو کہ نہیں؟ تمھارا کام اگر درست ہو گا تو لوگوں کی نکتہ چینی کو وہاں تک دسترس نہ ہو گی، اور اگر تمھارا کام جھوٹا پُر فریب محض دکھاوا اور باطل ہو گا تو اس سے پہلے کہ لوگوں کی ناپسندیدگی اُسے کچھ نقصان پہنچائے وہ خود ہی مردہ اور بیجان ہو کر گر پڑے گا۔

یاد رکھو کہ سچے الفاظ اور سچے کام کبھی بے اثر ہو کر مٹ نہیں جاتے تاوقتیکہ وہ اپنا کام پوری طرح نہ کر دکھائیں، لیکن جھوٹ اور باطل کی باتیں اور ایسے تمام کاروبار کبھی باقی نہیں رہ سکتے، اس لیے کہ اُن کے رہنے کی ربانی طور پر دنیا میں کچھ ضرورت ہی نہیں، کیونکہ وہ کچھ کام نہیں کر سکتے اور کائنات بیکاروں کی جگہ نہیں اسطرح لوگوں کی نکتہ چینی ناخوشی اور تحسین تم پر باحقیقت کے سامنے یکساں طور پر بے فائدہ فضول اور غیر ضروری ہیں۔

پس اپنے آپ کو اِس خود ساختہ اور غلامانہ انقیادگی و بیچارگی کی جو دبقا سے آزاد کرو اور مردانہ وار اپنے پیروں پر کھڑے ہو، اپنے جسم و جان کے مجموعہ کو بکھر جانے والی جمعیت کی طرح لیکر مت اُٹھو، بلکہ کائنات کے ایک نہایت متحد اور پیوستہ حصّہ کی مانند اپنی جگہ پر رہو، اور اُس مسرت کا کھوج لگاؤ جو عاقلانہ طور پر حاصل کردہ آزادی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہو، اور اُس امن کو پا جاؤ جو دانشمندانہ اعتماد علی النفس کے چشمہ سے بہتا ہو اور اُس برکت کو بھی حاصل کر لو جو تمھارے جہانِ جسم کی حقیقی وراثت ہو۔

(جیمس ایلن)

ہر فعل کا ایک نتیجہ اور ہر نتیجہ کا ایک اثر ہو ہر کام کی ایک ابتدا اور ہر ابتدا کا ایک انجام ہو، مضمون ختم ہوا، اس کا خاتمہ ایک نتیجہ ہو جس کے اثر سے فائدہ حاصل کرنا بہت کچھ ناظرین کے ذاتی خیال اور عمل پر موقوف ہو لیکن ہم یہاں ایک وجدانی لذت سے متاثر ہو کر خواجہ حافظ علیہ الرحمہ کے اُس شعر کو پھر دُہرانا چاہتے ہیں تاکہ بزم ذوق کے اِس آخری پیمانہ کی گردشِ بزمِ جاناں کے رندانِ باصفا کو ایک جھولا اور دیجائے۔

ازرہ گذرِ خاک سرکوئے شما بود
ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

قاضی حمیدالدین احمد حمید

جہانگیری

"جہانگیری" ایک قسم کی چوڑی ہے جسکو ہندوستان میں اکثر مستورات پہنتی ہیں۔ اس کی اصلیت کی نسبت ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے۔

شہنشاہ جہانگیر اور نورجہان کے عشق و محبت کے کارناموں نے شعرا اور فسانہ نگارون کے لیے بہت سے مضمون فراہم کردیے ہیں۔ یہ قصہ بھی جہانگیر و نورجہان ہی سے متعلق ہے جسکو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اسمین عشق و محبت کی کوئی داستان نہیں ہے۔

مہرالنسا، یا نورجہان کا دباؤ سلیم پر جو تاریخ مین بطور جہانگیر کے مشہور ہے، نہایت پُرافسون تھا۔ یہ اقتدار صرف کاروبار خانگی اور محلسرا کی حکومت ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا اثر وسیع سلطنت کے دور دراز گوشون تک محسوس ہوتا تھا۔ حتی کہ اہم پولیٹیکل معاملات مثل جنگ اور صلح یا غیر ملک کے بادشاہون کے تعلقات مین بھی، یہ دباؤ کام کرتا تھا۔ نورجہان بطور ایک ایرانی شہزادی کے شیعہ مذہب رکھتی تھی اور جہانگیر خود سنی المذہب تھا۔ اسی طرح یہ شاہی زوجین، جو باہم نہایت محبت و الفت رکھتے تھے، کبھی کبھی مذہبی مباحثہ کرتے اور مذہب اور الٰہیات پر اپنے اپنے اختلافات ظاہر کیا کرتے تھے۔ نورجہان چاہتی تھی کہ اپنے باپ دادا کا مذہب اُس سے قبول کرالے لیکن شہنشاہ کو اس بات کے متعلق کوئی خیال نہ تھا۔

ایک دن جب شہنشاہ امور ملکداری سے فارغ اور دنیا و الدنیا کی عیش اور ہمنشینی کی مسرت مین مستغرق تھا، تو نورجہان نے کہا آپ کی وسیع سلطنت مین سرحد ایران سے جنگلات برہما تک، ہمالیہ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی سے کیپ کامرن کے دریا کے ٹھنکاتے ہوئے ساحل تک کوئی مولوی ایسا نہین ہے جو کامیابی کے ساتھ نوراللہ کو مات دے سکے، جو شوستر، واقع ملک ایران مین رہتا ہے۔

شہنشاہ نے دریافت کیا کہ کیا وہ کوئی بڑا ولی ہے؟

بیگم۔ کیون نہین ہندوستان کے مولوی اور مُلّا مثل جھلملاتے ہوے ستارون کے ہین اور نوراللہ کا علم و فضل ان لوگون مین کالبدر فی النجوم ہے۔

شہنشاہ۔ بیگم! آپ مبالغہ کرتی ہین!

بیگم۔ حضور میری سچائی کو آزما سکتے ہین۔ اگر آپ اُس کو دہلی مین بلائین تو میرا صدق و کذب کھل جائے گا۔ مجھکو یقین ہے کہ اگر ایک گھنٹہ بھی حضور اُس کی تقریر سماعت فرمائین گے، تو اگرچہ آپ کٹر سنی ہین لیکن ایران کا مذہب قبول کرنے مین حضور کو ہرگز تامل نہ ہوگا۔"

مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ جہانگیر پر ان باتون کا کوئی اثر ہوا یا نہین، لیکن یہ تحقیق ہے کہ اُس نے شوستر کو شاہانہ تحائف کے ساتھ نوراللہ کی طلب مین قاصد روانہ کیے۔ شاید شہنشاہ کو نورجہان کی خاطر منظور ہوگی، اور یہ گویا عشق کی قربانگاہ کی نذر و نیاز تھی۔

"ایرانی ولی ٹھیک وقت پر شہنشاہ ہندوستان کے دربار مین داخل ہوا اُس کے داخلہ پر نورجہان نے بہت بڑی مسرت ظاہر کی۔ نوراللہ کے آنے کے کئی روز بعد ایک مجلس مذاکرہ قرار دی گئی اور تمام علما جو اسوقت دربار شاہی مین تھے، نوراللہ سے بحث مباحثہ کرنے کو طلب کیے گئے۔ یہ مباحثہ بڑے شد و مد کے ساتھ وقوع مین آیا۔ طرفین سے خوب بحثین ہوئین۔ تمام مولوی اور مُلّا فرداً فرداً بحث کرتے تھے اور مناظرے مین شکست کھا کر پسپا ہوتے تھے۔ بالآخر اس دماغی جنگ مین اس دیرینہ سال نوراللہ کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔

اس نمایان فتح پر جہانگیر کے دربار کے مولویون کو نوراللہ سے حسد پیدا ہوا اور اُنھون نے اس عالم و فاضل کی شہرت کے مٹانے اور اُسکے تباہ کرنے کے لیے سازش شروع کی۔

قبل اسکے ہم بیان کرین کہ آگے چل کر کیا ہوا، ہمکو ایک بہت دور دراز



مسز اینی بیسنٹ

(اپنے اخبار "نیو انڈیا" کے مقدمے میں آپ خاص توجہ
فرما رہی ہیں، اور اگر اپنی کوششوں میں کامیاب
ہوگئیں تو کچھ شک نہیں کہ اخبار
ہند کو بہت مفاد حاصل ہوگا)

نقش پا کا سراغ لگانے کے لیے گذشتہ تاریخ ہند کے چہرے سے نقاب اُٹھانا چاہیئے۔

شہنشاہ اکبر جو مغل بادشاہوں میں سب سے عظیم الشان شہنشاہ گزرا ہے اور جو ایک ایسا شہنشاہ تھا جسکو ابتک دُنیا نے نہیں دیکھا جب اُسکے کوئی اولاد نہ ہوئی تو نااُمیدی کی حالت میں آخرکار اُس نے مستجاب الدعوات درویش سے جو فتحپور سیکری میں رہتا تھا دعائے خیر چاہی۔ اس متورع شخص کا نام شیخ سلیم تھا۔ اُسنے شہنشاہ سے کہا کہ اگر وہ ایک لڑکے کو اُسکے نام سے موسوم کرے تو اُسکے متعدد اولاد ہو سکتی ہیں۔ اکبر نے اقرار کیا، اور بیگم بہت جلد قریب الولادت حالت میں پائی گئی۔ اکبر ایسا مشکور ہوا کہ اُس نے شہنشاہ بیگم کو فتح پور سیکری میں بھیج دیا کہ ہاں وہ وضع حمل تک قیام کرے اور شیخ سلیم کی خدمت بجالائے۔ شہنشاہ بیگم غرور و گھمنڈ کو بالائے طاق رکھکر صاف دلی سے ولی موصوف کی آرام اور ریاضت کی خبرگیری کرتی رہی یہانتک کہ اُسکے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُسکا نام شیخ سلیم کے اعزاز میں سلیم رکھا گیا جسکی دُعا سے وہ پیدا ہوا تھا۔ اسکے بعد جب تک درویش مذکور زندہ رہا سلیم ہمیشہ اُنکی زیارت کو جایا کرتا تھا اور بالطبع اُسے نہایت ارادت تھا۔

اب جہانگیر کے دربار میں مولویوں نے جس سازش کا منصوبہ باندھا تھا ظاہر ہوئی۔ ایک دن بھرے دربار میں مولویوں نے خلفائے ثلثہ کی فضیلت کی کی نسبت سوال کیے۔

اُسکے بعد دریافت کیا کہ ”آپ درویش شیخ سلیم کی نسبت کیا کہتے ہیں؟“

”میں اُسکو کتّا کہتا ہوں“

نوراللہ نے یہ جواب غصّہ کی حالت میں دیا جو ہندوستان میں بالکل اجنبی تھا اور شیخ کی عظمت و کمال اور شہنشاہ کے تعلق سے بالکل ناواقف تھا۔ علاوہ بریں اُس نے ایک ایسے عظیم الشان شخص کے تذکرہ سے شہنشاہ کا دل دُکھایا جس کی نسبت اُس کا خیال تھا کہ اُس کا یہ تمام اعزاز اور احترام مقامی ہے۔

نوراللہ کے اِس ناگوار جاہلانہ رمز و کنایہ نے جو اسکے پیر و مرشد کی کی نسبت تھا، شہنشاہ کو بہت بڑا اشتعال طبع دلایا جو درحقیقت غیظ سے بیتاب ہو رہا تھا۔ مولویوں نے اب اُس کے آتش غضب کو یہ کہکر اور بھڑکایا کہ ”حضرت قبلہ عالم! ذرا اس شخص کی باتوں کو سنیئے، جو آپ کے ولی پیر و مرشد کی نسبت کہہ رہا ہے“

نورجہان جس کا دستور یہ تھا کہ وہ ایک پردہ میں تخت کے عقب میں بیٹھا کرتی تھی اور اپنا ہاتھ شہنشاہ کے شانے پر اُس وقت تک رکھے رہتی تھی جب تک وہ امور مملکت یا کسی فیصلہ انصاف میں مشغول رہتا تھا اور جب وہ چاہتی تھی کہ دربار برخاست ہو تو اپنا ہاتھ کھینچ لیتی تھی، یہ باتیں سُن اور دیکھ رہی تھی۔ اُس نے چاہا کہ قبل اسکے کہ جہانگیر کو اپنے غصّہ کے اظہار کا وقت ملے، اپنا ہاتھ اُٹھالے لیکن اُس کی اس حرکت سے پہلے ہی شہنشاہ نے حکم دیدیا کہ ”ملا کو قتل کرو“

یکایک گارد کے لوگوں نے معمر ایرانی عالم کو گرفتار کر لیا، اور مقتل کو لے گئے۔ یہ کارروائی ایسی آناً فاناً ہوئی کہ اُس سے نورجہان نے اپنا ہاتھ ہی نہیں اُٹھایا بلکہ ایک چیخ بھی اُسکے مُنھ سے بیساختہ نکل گئی۔ بیگم کی آواز کا اہل دربار کا سُننا ایک ایسا امر تھا جس سے سلطان یا شہنشاہ کی تحقیر ہوتی تھی، اور چونکہ شہنشاہ غصّہ میں بھرا ہوا تھا، اِس لیئے اُس نے یکبارگی سپہ سالار کو حکم دیا کہ ”بیگم کا بھی سر قلم کیا جائے“

کیا ہولناک تقدیر تھی۔ سپہ سالار دربار کی اندرونی اور بیرونی زندگی سے بخوبی آگاہ اور واقف تھا۔ اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں شاہی حکم کی نافرمانی کرتا ہوں تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھوتا ہوں، اور اگر شاہی حکم کی تعمیل میں نورجہان کو قتل کرتا ہوں، تو شہنشاہ کا عشق ضیاء الدنیا کے ساتھ جو اُسکی حرم سرا کی ایک بے بہا جواہر ہے ایسا زبردست ہے کہ پھر اُس کو ہرگز برداشت نہ ہوسکے گا۔ آخر اُس نے یہ قرار دیا کہ اس معاملہ میں بیباکانہ کوئی کارروائی نہ کرنا چاہیئے اُس نے کچھ سپاہیوں کے ساتھ بیگم کو

محل کا محاصرہ کر لیا اور خود پھاٹک کی محافظت پر رہا۔

دو تین روز کے بعد جہانگیر بھوت کی طرح اُس محلسرا کے قریب نظر آیا سپہ سالار اُس کے قریب گیا لیکن اُس نے سپہ سالار کی صورت سے اپنا مُنھ پھیر لیا۔

جنرل نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کی کہ "جہان پناہ کیون اپنے ایک خاکسار ملازم سے بیزار ہین"

"کیا یہ ممکن ہو کہ مین نورجہان کے قاتل کی صورت دیکھون" نہایت رنج بھری آواز مین شہنشاہ نے یہ جواب دیا جس کا دل ندامت و پشیمانی سے چھلنی ہو گیا تھا۔

سپہ سالار نے کہا کہ "اگر بیگم ابتک نہ مری ہون"

"تم کیا کہتے ہو کہ نورجہان ابتک نہ مرہ ہو الحمد للہ" اسکے بعد اُس کے دل مین ایک خیال گزرا اور شہنشاہ نے فرمایا "لیکن شاہی فرمان کی ضرور تعمیل ہونا چاہیئے بیگم کے اُس ہاتھ کو کاٹ ڈالو جس نے اکثر مجھے نورافشان شراب کے جام دیے ہین۔

جہانگیر چلا گیا اور سپہ سالار کو ایک بڑے تردد اور اضطراب مین چھوڑ گیا آخرالامر با اینہمہ اپنے مالک کی عدول حکمی نہین کر سکتا تھا اور نہ اُسکو بیگم کے ہمیشہ بد شکل کر دینے کی جرأت تھی جو اس حالت مین ایک ایسی دشمن بنجاتی جسکی انتقام گیری نہایت خوفناک ہوتی۔ اب اُس نے ایک معتدل کارروائی پسند کی۔ ہاتھ کے کاٹنے کے بجاے اُس نے کلائی کی کھال اُتار لی۔ اور خوبصورت ہاتھ کے گرداگرد زخم کا نشان باقی رہنے دیا۔

نورجہان کو ساری کیفیت معلوم تھی۔ اُسکو اس معاملہ مین شکایت کا کوئی حق نہ تھا لیکن اُس داغ کے چھپانے کے لیے اُس نے ایک تنی چوڑی ایجاد کی جو اُن نشان کو بالکل ڈھنک لے اور اُسکو کوئی نہ دیکھ سکے۔

اب یہ خاص چوڑی علی العموم عورتون کو مرغوب اور دلعزیز ہو اور ابتک "جہانگیری" کے نام سے تمام ہندوستان مین مشہور ہے۔

جالپا پرشاد

(بیوی)

خوش است عمر دریغا کہ جاودانی نیست
پس اعتماد برین پنج روز فانی نیست

کائنات عالم مین دنیا کی بہترین نعمتون اور زندگی کی اعلی سے اعلی اور اکمل سے اکمل مسرتون کا اگر کوئی شے روح پرور اور انبساط انگیز جوہر ہو سکتی ہو تو وہ اِس چھوٹے سے پیارے اور لطیف لفظ "بیوی" مین شامل ہو۔ یہی وہ لفظ ہو جسکو ماں باپ بڑے بوڑھے اعزا اور محبت کرنے والے بھائی بہن خالص اور سچے وفور محبت سے اپنے نونہالون کے کانون مین پہنچاتے ہین، اور اُس کو آئندہ زندگی کے فرائض کی تکمیل کے لیے اوائل عمر ہی سے تیار کرتے ہین۔ یہی وہ شے ہو جسکو ماں باپ اپنے ارمان بھرے دل مین شوق و محبت اور بڑھتے ہوے خالص جذبات کے ساتھ جگہ دیتے ہین، اور شبانہ روز ایک عجیب تمثیل اور سُرور انگیز شوق کے ساتھ اِس امر کے منتظر رہتے ہین کہ اللہ وہ دن لائے جب ہمارا لخت جگر، ہماری آنکھون کا تارا نام خدا جوان ہو اور اُس کے سر سہرا بندھے، ہماری آرزوئین پوری ہون، گھر سے ظلمت دور ہو، چراغ روشن ہو، دلھن آئے اور ہمارے سینے کی خانہ آبادی ہو، اپنا نام چلے کوئی ہمارے نام پر فاتحہ درود بھیجنے والا تو ہو!

ہاں اِسی دن کے لیئے ماں رات کو رات نہین سمجھتی۔ خود گیلے مین لیٹتی ہو اور اپنے آنکھون کے تارے اور اپنے ننھے سے پھول کو آرام کے

ساتھ اپنے سینہ مین جگہ دیتی ہی۔ نہین بچپن ہی سے کہتی ہین کہ بھیّا جوان ہوگا تو دولھن لائین گے، سہرا باندھین گے، خوشیان منائین گے شادی رچائین گے۔ ہاے! ایک موہوم امید پر اِن معصومون کو کیسی خوشی ہوتی ہی جو الفاظ مین نہین ادا ہو سکتی بلکہ وہ صرف مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہی۔ اگر فطرت نے اِس پاک لفظ اور اِس کے وسیع مفہوم کو خود وضع نہ کیا ہوتا تو اِن معصومون کو خود بخود یہ خوشی کیونکر محسوس ہوتی ننھی ننھی بچیان اپنے منّے سے بھائی پر کیون قربان ہوتین اور اُن کے دل مین ان خیالات کو کون پیدا کر دیتا اور وہ اِن سے کیونکر سچّی محبت کا حظ اُٹھاتین۔ آہ! کیا پیاری خوشی ہی! یہ اُن معصومون کی خوشی ہی جو دنیا کے نشیب و فراز اور معاملات سے بالکل ناآشنا ہین مگر اُن کے بے گناہ اور پاک و لطیف دل مین آرزو ہی تو یہ ہی کہ بھیّا کی دولھن بیاہ کر لائین گے، اُس کو گلے لگائین گے، پیار کرین گے، اُس پر واری جائین گے''

آہ ''بیوی! تو کیسا پیارا لفظ ہی۔ تو کِن کِن ارمانون سے بیاہ کر لائی جاتی ہی! تو واقعی خوش نصیبی کا ایک چمکتا ہوا تارا ہی! اگر تو واقعی بیوی ہی تو اگر وہ ملعا تیرے تلوؤن کی گرد بھی دھو کر پیئے تو وہ بھی کم ہی۔ واقعی تو آفرینش عالم مین وہ زبردست حوصلہ افزا قوت ہی جو حیوان کو انسان بنا سکتی ہی۔ نکمّون کو کار آمد بنا سکتی ہی۔ ہان تو ہی وہ چیز ہی کہ جس کے کارن انسان دنیا بھر کی مصیبتین اپنے سر مول لیتا ہی، سب کی باتین سہتا ہی، چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہاتا ہی، مگر جسوقت وہ تمام دن کی کلفت اور محنت و مشقت کے بعد تیرے سامنے آتا ہی اور اُس کی نگاہین تیری قابل پرستش نگاہون پر سرِ تسلیم خم کر کے پڑتی ہین تو وہ شاد و باغ باغ ہو جاتا ہی۔ اُس کو معلوم ہوتا ہی کہ گویا تیری خیر مقدم کرنے والی نگاہین اُس مقدس عمارت کے دروازے اور کھڑکیان ہین جو اپنے پرستش کرنے والے کے خیر مقدم کے لئے شوقِ انتظار مین کھلی رہتی ہین اور جو پاک اطاعت و شرافت انسانیت کے پاک جذبات کو خاموشی کے ساتھ پکار پکار کر سب رازِ دل زبان کی طرح کہہ دیتی ہی۔

بیوی! تو ہی وہ پاک ہمنشین ہی جس کی بدولت غم غلط ہو جاتا ہی۔ تو اعلیٰ اور شریفانہ حوصلون کا مخزن ہی۔ بڑا بدنصیب ہی وہ شخص جو تیری قدر نہین کرتا، اور بڑا بدنصیب ہی وہ شخص بھی جسکو بیوی تو ملی ہی مگر اُس بیوی پر بیوی کے لفظ کا واقعی طور پر اطلاق نہین ہوتا۔ لیکن اگر فی الواقع تو بیوی ہی تو تو اِس عالم ناپائدار اور اِس غمکدۂ ہستی مین بھی فردوس برین کا لطف دے سکتی ہی۔ دُکھ ہو، درد ہو، مصیبت ہو، سب تیرے پاک اثر سے کٹ جاتے ہین۔ تو وہ چمکتا ہوا ہیرا ہی جو غمزدون کے دلون کو زندان مین بھی اپنی نظر نہ آنے والی مگر پُرزور روشنی سے منوّر کر دیتا ہی۔ تو وہ برق شرربار ہی جسکا نور لاکھون کوس کے فاصلہ پر بھی اپنا گہرا اور موثر اثر دکھائے بغیر نہین رہتا۔ تیری یاد عالمِ غربت و فلاکت مین بھی بہترین سے بہترین تسلی بخش ذریعہ ثابت ہوتی ہی۔ تو خاطر ناشاد کی تسکین کا باعث ہوتی ہی۔ قصّہ مختصر تجھ مین وہ تمام خوبیان ہین جنکو بیان کرنا انسان کے دائرۂ قابلیت سے باہر ہی۔

بیوی! تو ہی وہ شے ہی جو نئی نئی اور قابلِ احترام اُمنگین پیدا کرتی ہی۔ تیری ہی بدولت انسان اپنے آپ کو معزز بنانے اور عادات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے بہرہ اندوز ہونے کے لیئے کوشان ہوتا ہی۔ تو اِس دنیاے دنی کے مخدوش اور جان لیوا سمندر مین وہ روشنی ہی جو منارات النور کا کام دیتی ہی۔ تو زندگی کے جہاز کو پُرخوف سرگردان اور تباہ کن جہازون سے محفوظ رکھتی ہی۔ تو ظلمت زندگانی کی ایک ہدایت کرنے والی روشنی ہی۔ تو وہ تارا ہی جسکو دیکھ کر زندگی کا جہاز راہ راست سے بھٹکنے نہین پاتا اور تباہی سے محفوظ رہتا ہی۔ تیری سانس مین وہ سچّائی پائی جاتی ہی جو زندگی کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو طوفان انگیز ہوا دن اور بحرِ مواج کے تلاطم سے محفوظ رکھتی ہی۔

بیوی! تو سچّی محبت کرنے والی ہمنشین ہی۔ تو ہر وقت کی ہمدم ہی، تو دولت ہی، تو رہبر ہی، تو مشیر ہی، تو مددگار ہی، تو ادب آموز ہی، تو ناصح مشفق ہی، تو ایک فلسفی ہی۔ تو آرام و مصیبت اور تکلیف و عسرت مین سچی ہمدرد اور ساتھ دینے

والی ہوتی ہو جس وقت حوادثِ عالم دل کو ڈبو دینے کے لیے تیار رہتے ہین تو یہی سچائی کرتی ہی، اور گویا ڈوبتے ہوے جہاز کو سنبھال لیتی ہو، سچ تو یہ ہو کہ تو خداوند تعالی کی وہ نعمت بیکران ہو جس کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہین ہو سکتا۔ تو ربِّ ذو الجلال کی وہ پاک رحمت ہو جس کا شکریہ کسی حالت مین بھی کوئی ادا نہین کر سکتا۔

لیکن افسوس! کیا بدنصیب اور کمبخت وہ شوہر ہو گا جو تجھ ایسی انمول نعمت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا ہو، یعنی جس کی بیوی کو حیات و ممات کے مالک نے اپنی آغوش رحمت مین لے لیا ہو تیرا جان نثار شوہر تیری یاد مین تڑپتا ہو۔ اُس کی زندگی کا عیش و آرام تیرے ساتھ خاک مین مل گیا ہو۔ جس کے دل مین ہر وقت تیری یاد آتی ہو، وہ تڑپ تڑپ کر رہجاتا ہو مگر اُس کے بنائے کچھ نہ بنتی ہو بلکہ اُس کی جان پر بنجاتی ہو۔ جس کو تیرے فراق کا صدمہ زندگی کا ایک جزو اعظم ہو لیا ہو۔ جو دنیا دکھانے کے لیے بولتا بھی ہو اور ہنستا بھی ہو، مگر جس کو خوشی کہتے ہین وہ اسکے دل سے کافور ہو گئی ہو۔ جسکو ذرا سا خیال تیری تصویر کو اُسکے پیش نظر کر دیتا ہو۔

بولنے ہنسنے کا کیا ہو کہ یہ دنیا ہے، مگر
جس کو کہتے ہین خوشی وہ تو رہی آنے سے

مسعود علی (وارثی)

تنقید کتب

تاریخ اودھ مولانا حکیم محمد نجم الغنی صاحب رامپوری کی قابلیت و وسعت نظر کا اندازہ اُن کی تصانیف و تالیفات متعددہ سے ہو سکتا ہو جو اسوقت تک مختلف علم و فن پر شائع ہو چکی ہین اور جن سے اہل ملک استفادہ کر رہے ہین۔ تاریخ مندرجہ عنوان جو چار حصّون مین منقسم ہو، آپ ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہو۔ اِس فن کے متعلق مستند کتابون کی جس قدر ضرورت ہمارے یہان ہو، اُتنی ہی اُردو زبان مین اُن کی کمی ہو اور کوئی خدا کا بندہ ہمّت کر کے اِس کام کو پورا کرنے پر آمادہ بھی نہین ہوتا۔ وجدان ذوق علمی کی جب یہ صورت ہو تو مولانا ایسے ہمدرد ملک کی کوششین یقیناً غیر معمولی قدر و منزلت کی مستحق قرار پا سکتی ہین۔ یہی انفرادی مساعی جمیلہ کیا عجب ہو، اُردو کے خزانۂ ادب کو ایک دن انواع و اقسام کے جواہر علمی سے اسطرح مالامال کر دین کہ موجودہ محتاجی جاتی رہے۔ تاریخ اودھ بتحقیقت ایک نہایت مفید سلسلہ ہو جس سے سلطنت اودھ کے متعلق معلومات کا ایک نایاب ذخیرہ ہاتھ آیا ہو۔ اودھ کی حکومت خود اختیاری کا زمانہ خواہ کسی قدر بھی ہو لیکن اُس سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ کہ اُس کا سیاسی اثر ہندوستان پر عرصہ تک رہ چکا ہو اور اُسکے اثرات و نتائج کا شرح و بسیط کے ساتھ قلمبند ہونا ازبس ضروری تھا۔ خوشی کی جگہ ہو کہ اِس اہم کام کو مولانا حکیم محمد نجم الغنی صاحب نے اپنے ذمہ لیا، جن کی قابلیت و استعداد علمی بجائے خود اس کام کے مکمل صورت مین انجام پذیر ہونے کی کفالت کر سکتی ہو۔

تاریخ اودھ کی پہلی جلد بغرض ریویو وصول ہوئی ہو، جو معمولی کتابی تقطیع کے تقریباً دو سو صفحے پر حاوی ہو، جس مین بُرہان الملک سے لیکر صفدر جنگ کے زمانہ تک کے واقعات تفصیل کے ساتھ دکھائے گئے ہین۔ قابل مولف تمہید مین ایک جگہ فرماتے ہین:۔

> مین نے اس تاریخ مین جسقدر جانکاہی اور مسلسل کوشش عرق ریزی کے ساتھ کی ہو اُسکے واقعی حالات کا اندازہ وہی علم دوست حضرات کر سکتے ہین جنکو تالیف و تصنیف کی دشوار گزار گھاٹیون مین سعی مردانہ کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔"

بلا ریب و شک مولانا کو اُس کی ترتیب و تدوین مین غیر معمولی محنت اُٹھانا پڑی ہو گی۔ سلطنت اودھ کی کوئی جامع تاریخ اس سے پیشتر نظر سے نہین گذری

اور ضروری بات ہی کہ مؤلف کو واقعات و حالات کے اجتماع میں اِدھر اُدھر کی کتابون کی ورق گردانی کرکے یہ دلفریب گلدستہ تیار کرنا پڑا ہوگا، اور بغیر اِس کے ناممکن تھا کہ وہ قریباً ایک صدی سے زیادہ کے پریشان واقعات کو اس خوبی سے یکجا کرکے کتابی شکل مین شائع کرسکتے۔ البتہ آپ کی مشقت و جانفشانی کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہی کہ اِس پہلی جلد کے مطالعہ سے جہان جنگ و جدل، خانہ جنگیون اور باہمی فتنہ و فساد کی صحیح تصویر پیش نظر ہو جاتی ہی وہان اُس عہد کی طرز معاشرت، طریق تمدن، خصایل و عادات، اخلاق و طبائع کا رنگ کافی طور پر نہین ظاہر ہوتا۔ حالانکہ موجودہ ذوق علمی کے لحاظ سے اُن معلومات کے بغیر کوئی تاریخ مطبوع و دلپسند نہین ٹھہر سکتی۔ گذشتہ مورخین کا رجحان ضرور یہی تھا کہ وہ اپنا زورِ قلم لڑائی اور خونریزی کی اصلی کیفیت دکھانے مین صرف کرتے تھے لیکن اب اصولاً کوئی تاریخ تاریخ نہین کہی جا سکتی تاوقتیکہ اُس مین اُس زمانے کی معاشرت و تمدن کا تذکرہ نہو، غالباً مؤلف صاحب تاریخ اودھ اس نکتہ سے بے خبر نہ ہونگے اُمید کرنا چاہیے کہ آئندہ جلدین مذاق جدید کے مطابق ہون گی نیز اُن مین سیاسی واقعات کے اسباب و علل پر نظر ڈالنے کے بعد استنباط نتائج سے بھی پہلوتہی نہ کی جائے گی۔

موجودہ حالت مین بھی یہ تاریخ قابل قدر ہی اور شائقین کو مؤلف کی حوصلہ افزائی کے لیے اُس کی قدردانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ زبان کے اعتبار سے کتاب سقم سے خالی ہی اگرچہ اسلوب بیان مین مورخانہ انداز مفقود ہی لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہی وہ عام فہم ہی اور پڑھنے سے طبیعت منغض نہین ہوتی۔

— اِس کی قیمت عہ ہی۔ ملنے کا پتہ :— دفتر اخبار نیر اعظم مطبع مطلع العلوم مُرادآباد و نیز منیرو اپبلشنگ کمپنی۔ لکھنؤ

اپنشدون کی تعلیم | پادری بی۔ کیول سنگھ صاحب ایم اے مصنف کے الفاظ مین کتاب مندرجہ عنوان کی شان نزول یہ ہی :—

ان مین مختصر طور پر اِس امر کی کوشش کی گئی ہی کہ اُپنشدون کی بڑی بڑی تعلیمات کا اِس نہج سے بیان کر دیا جائے کہ اُن کا پورا اور مسلسل و ضروری خاکہ بالترتیب ایک جا نظر آجائے اور ساتھ ہی اُن کے اندر بعض چھوٹی چھوٹی متعلقہ باتین بھی مذکور ہو جائین۔

پادری صاحب مشہور و معروف مسیحی اخبار "نور افشان" کے اڈیٹر ہین اس لیے مشکل سے کسی کو یقین آئے گا کہ آپ نے اِس کتاب کے اندر مذہبی حیثیت سے نکتہ چینی نہ کی ہو۔ اِس شک کے رفع کرنے کے لیے سب سے پہلے تو خود پادری صاحب کے الفاظ مین یون اطمینان دلایا جا سکتا ہی :—

> اس کام کے پورا کرنے مین بندہ نے ہر قسم کی مخالفانہ اور معاندانہ نیت اور ارادہ اور طرز تحریر سے قطعی نفرت اور پرہیز رکھا ہی تاکہ کسی کا دل نہ دکھے۔ اور نہ ہی حقیقت ہی مفقود ہو۔ . . . . . برعکس اس کے ہر بات کو متن کے منشا کے مطابق ادا اور روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہی اور ہر بات کو اپنے مذہبی نقطۂ خیال سے نہین بلکہ ہندو مذہبی نقطۂ خیال سے بیان کرنے مین حتی الوسع کوئی بات فروگذاشت نہین کی گئی۔

تائید مزید کے لیے کتاب کے اندر بہت سے مقامات ایسے نکلین گے کہ اگر چاہتے تو پادری صاحب بآسانی اپنے مذہبی خیال کے مطابق تعریض سے کام لے سکتے تھے لیکن اُنھون نے ایسا نہین کیا بلکہ اگر ضرورتاً کہین اعتراضی پہلو مجبوراً نکل آیا ہی تو حتی الوسع اُس کی تاویل کرکے اپنی وسیع المشربی کا ثبوت دیا ہی۔ مثلاً "اُپنشدون مین فحش بیانی" کے عنوان کے تحت مین وہ لکھتے ہین کہ بعض اُپنشدون مین گیان کی بڑی مفید اور خوشنما آمیز باتون کے ساتھ بے شرمی اور اخلاق سے گری ہوئی فحش باتین بھی بیان ہوئی ہین۔ اِس کا ثبوت دینے کے بعد کہ یہ قابل اعتراض حصّہ اُپنشدون مین ضرور ہی پادری صاحب نے اِس کی دو تاویلین کی ہین جو اُنھین کے الفاظ مین حسب ذیل ہین :—

> گمان غالب ہی کہ اُن دنون مین ایسی باتون کا ذکر کرنا ہندوؤن مین معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اُن کے مصنفون نے اِس طرز کو ایک عام بات سمجھا تھا!

دو وجہون سے، اول اس لیے کہ اس قسم کے بیانات مین ہر طرح کی بُری رغبت اور جوش شہوت کا خیال نہین پایا جاتا۔ وہ سب باتین صرف حقیقت کو بیان کرنے کے لیے درج ہوئی ہین اور مذہبی سمجھی جاتی ہین، دوم اس لیے کہ بُری بات کو بھلے طور پر کہنا یا اُس سے بالکل خاموشی اختیار کر لینا جدید تہذیب ہو...... ایسے محاورات سے کسی کسی بُری اور نفرت انگیز اور بے غیرتی کی حالت کا بیان ہوا ہو جس سے انسان کو شرمندگی اور افسوس اور توبہ کا احساس پیدا ہونا مقصود ہو۔

اصل مضامین کے عنوان یہ ہین، جن پر مفصل بیانات قلمبند ہوے ہین:۔ خدا، انسان، دنیا کی پیدائش، قایمی اور انتہا کا، انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت کا اور بندھ اور موکش کا بیان۔

کہین کہین پادری صاحب نے اپنی مذہبی معلومات سے مدد لیکر مضامین مین دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی ہو، خصوصاً جن مقامات پر اُپنشدون کی تعلیمات کو بائبل کے احکام کے ساتھ مطابق کیا گیا ہو۔ بہر حال پادری صاحب کی یہ کوشش کم از کم مذہبی حلقون مین تو ضرور دلچسپی کی چیز ثابت ہو سکتی ہو اُسکی خریداری کے واسطے بہ قیمت ۲؎ مصنف سے لودیانہ (پنجاب) کے پتہ پر خط و کتابت کرنا چاہیئے نیز منیجر دوا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی یہ کتاب مل سکتی ہو۔

فلسفۂ اُلوہیت | ہندو مذہب مین شریمد بھگوت گیتا کو جو تقدس اور عظمت حاصل ہو وہ تصریح و تشریح کی محتاج نہین ہو۔ راے بہادر پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی آنجہانی نے اُس کے فیوض و برکات کو عام کرنے کے لیے اُس کا اُردو ترجمہ کیا جو اسقدر مقبول ہوا کہ اسکے تین اڈیشن شائع ہوے اور شائقین کی قدر دانی سے ایک نسخہ نہ بچا۔ اب چوتھی مرتبہ یہ ترجمہ پھر شائع ہوا ہو۔

پنڈت جانکی ناتھ صاحب نے جس خلوص و عقیدت کے ساتھ یہ عظیم الشان خدمت انجام دی، شکر ہو، وہ قدر دانی سے محروم نہین رہی اور اُن کے اور اُن کے جانشینون کے لیے یہ امر خاصکر تسکین قلب و سرور دل کا باعث ہو سکتا ہو ورنہ ایک ایسی کتاب جس کے رموز و نکات سمجھنے مین بہت سے قابل چکرا جائین اس طرح عام افراد ملک مین ہر دلعزیزی نہین حاصل کر سکتی تا وقتیکہ ترجمہ مین ہر کہ و مہ کو فائدہ پہنچانے کی قابلیت نہو۔ یہ بات بجاے خود ترجمہ کی خوبی و نفاست کی دلیل ہو۔

اب یہ چوتھا اڈیشن مترجم کے فرزندان پنڈت امر ناتھ صاحب بی اے اور پنڈت دینا ناتھ صاحب کی نظر ثانی اور ترمیم و اصلاح کے ساتھ نکلا ہو اس مین کئی ضروری باتون کا اضافہ کر دیا گیا ہو، مثلاً ادھیاؤن کے باہمی ربط کا سلسلہ شروع سے آخر تک دکھایا گیا ہو اور اہل ہنود کی اصطلاحات کی تطبیق اصطلاحات صوفیاے کرام سے کر دی گئی ہو اور اُس کی تشریح کے لیے شروع کتاب مین ایک نقشہ شامل کر دیا گیا ہو جس کی امداد سے ضمیر کلام کے سمجھنے مین دقت نہین ہو سکتی۔

بھگوت گیتا، مضامین معرفت و توحید کا وہ دریا ہو جسکے تشنہ لبون مین سکیسو لیبھی تھا، اور وہ ایک پایدار بنیاد ہو جسکے اوپر ہند و علم تصوف کی عالیشان عمارت صدہا سال سے قایم و استوار چلی آتی ہو۔ پنڈت جانکی ناتھ صاحب نے اس کا ترجمہ جس خوبی اور نفاست سے کیا ہو اُس کی داد صرف اصحاب ذوق سلیم دے سکتے ہین۔ یہ کام ہر ایک کے بس کا نہ تھا اور اچھا ہوا کہ پنڈت جی کے ہاتھون اس مہتم بالشان خدمت کی تکمیل ہوئی۔ مضامین کے عام فہم بنانے مین کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہین کیا گیا، اگرچہ ناگزیر طور پر اکثر سنسکرت اصطلاحات فی الجملہ برقرار رکھی گئی ہین۔ جا بجا فارسی کے دلچسپ و موزون اشعار کا پیوند بھی مترجم کی خوش مذاقی کا ثبوت دیتا ہو۔ اور ہر ادھیاے کے خاتمہ پر اُس کا خلاصہ صاف و سلیس الفاظ مین درج کر کے تفہیم مطالب کا ایک نہایت آسان ذریعہ پیدا کر دیا گیا ہو۔

شریمد بھگوت گیتا کا ترجمہ مع شرح جو تین سو صفحون پر ختم ہوا ہو لکھائی چھپائی، کاغذ، وغیرہ کے اعتبار سے قابل تعریف ہو معمولی طور پر جلد بھی بندھی ہوئی ہو جو اگر کسی قدر زیادہ مضبوط اور باحیثیت ہوتی تو بہت اچھا تھا۔ اسکے

ایک نسخہ کی قیمت عہ۲ ہے اور خریداری کے لیے بابو رادھا رمن بھارگو منیجر متھرا پریس، محلہ سیتلا گھاٹی متھرا سے درخواست کرنا چاہیے نیز منروا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے بھی یہ کتاب دستیاب ہو سکتی ہے۔

مطبوعات تعلقدار پریس موجودہ خونریز و امن سوز جنگ کی بدولت لوگون مین قدرتاً جرمنی اور اس لڑائی کے ما لہٗ و ما علیہ دریافت کرنے کا شوق پیدا ہونا چاہیے اور ایسی طبائع کے لیے تعلقدار پریس فیض آباد کی تین جدید مطبوعات مین سامان دلچسپی بافراط مل سکتا ہے۔ یہ تینون کتابین حسب ذیل نامون کے ساتھ شائع کی گئی ہین:۔ (۱) بلجیم اور جرمنی (۲) جرمنی کے اصلی حالات (۳) جرمنی کا برتاؤ ماتحت ملکون کے ساتھ۔

اول الذکر رسالہ پہلے بلجیم کے مختصر جغرافیائی اور ملکی حالات پیش کرتا ہے اسکے بعد جرمنی سازش کی قلعی کھول کر جرمنی اور بلجیم کی لڑائی کے واقعات ظاہر کیے گئے ہین، اور قبضۂ برسلز، جنگ میلنس، محاصرۂ اینٹورپ وغیرہ کے مسلسل حادثات کا تفصیلی ذکر ہوا ہے۔ آخر مین جرمنی کے مظالم کا تذکرہ حسرت آمیز پیرایہ مین کیا گیا ہے، جن سے ناظرین کے دل مین جہان جرمنی کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہونے لابدی ہین وہان باشندگان بلجیم کے عزم و استقلال کا معترف ہونا بھی ضروری ہے۔

اس قسم کی کتابون کی آجکل ضرورت ہے اور ان کی اشاعت جسقدر بھی زیادہ ہو کم ہے۔ خوشی کی جگہ ہے کہ گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے ایک ہزار جلدین اس کتاب کے اردو اور ہندی ایڈیشن کے خریدنے اور ورنیکلر مدارس مین تقسیم کرنے کی منظوری صادر فرمائی ہے۔ اس کی ضخامت ۵۲ صفحہ اور قیمت ۴ر ہے۔

دوسرے رسالہ (جرمنی کے اصلی حالات) مین موجودہ جنگ کے واقعات قلمبند کیے گئے ہین، اور بتایا گیا ہے کہ اس لڑائی مین جرمنی کا حقیقی پوزیشن کیا ہے۔ اسکے پڑھنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی کے علما و فضلا بھی جنگ اور خونریزی کے کسقدر حامی ہین۔ جہان کا اہل علم طبقہ امن شکن ہو وہان کی سلطنت انسانی آبادی کے تباہ و برباد کرنے پر کس حد تک آمادہ نہو گی؟ اس رسالہ کی قیمت ۲ر اور ضخامت ۴۸ صفحہ ہے۔

تیسرے رسالہ کا نفس مضمون نام ہی سے ظاہر ہے۔ اس مین بتایا گیا ہے کہ جرمنی اپنے ماتحت ملکون کے ساتھ کیسا کچھ سلوک کر رہا ہے جس کی بدولت اُن کی ملکی، تعلیمی، اور اقتصادی حالت روز افزون خراب و خستہ ہو رہی ہے۔ اس کتاب مین امریکن اہل الرائے کی بیش قیمت رائین بھی درج کی گئی ہین، جو بے لوث ہونے کے سبب بہرصورت قابل اعتماد سمجھی جا سکتی ہین۔ وہ بھی جرمنی کے حق مین نہین ہین۔ بدسلوکیون اور استبداد پسندیون نے ماتحت ملکون مین جو خیالات جرمنی کے خلاف پیدا کیے ہون گے وہ قدرتی ہین، اور اُن کا اندازہ ایک مقتدر شخص کے اس فقرے سے ہوتا ہے:۔

جو لوگ کہ السیس لورین کے جذبات کی اصلی اندرونی کیفیت سے واقف ہین وہ سب اس بارے مین متفق ہین کہ گذشتہ جولائی کے قبل وہان کے ہر شخص کی علٰحدہ علٰحدہ رائے لیجاتی اور اگر وہان کے لوگون کو آزادانہ رائے دینے مین سزا ملنے کا خوف نہوتا تو وہان کے لوگون کی کثیر تعداد نے یہ رائے دی ہوتی کہ ہمارے صوبے فرانس کے شامل ہو جائین تو بہتر ہے۔

اس رسالہ کا حجم ۲۴ صفحہ اور قیمت ۲ر ہے۔

آخر الذکر ہر دو رسائل کی تالیف و ترجمے کا سہرا بابو شیو پرشاد صاحب بی اے کے سر ہے، اور نمبر اول بابو بینی پرشاد سنگھ صاحب ایڈیٹر "دائرۃ العلوم" فیض آباد کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ ان تینون مطبوعات کے حق مین کہنا پڑتا ہے کہ ان کی قیمتین ان کی حیثیت سے بہت زیادہ ہین۔ ہندستان ایک غریب ملک ہے اور یہان علمی ذوق و شوق کی کمی جو کچھ ہے ظاہر ہے۔ لہذا یہان جو لوگ اشاعت علوم کے مدعی ہون انھین ذاتی نفع کا خیال بہت کم کرنا چاہیے۔ منتظمان تعلقدار پریس اگر اسطرف متوجہ ہون تو انکی مساعی جمیلہ کی فائدہ رسانی کا دائرہ زیادہ وسیع ہو سکتا ہے۔

جدید رسالے اور پرچے

(۱) "العلم" ایک علمی پرچہ ہی جسمین ادبیات کے علاوہ اخلاق، معاشرت، فقہ، تصوف وغیرہ علوم پر مضامین شائع کرنے کا التزام کیا گیا ہی۔ ایک قابل ذکر خصوصیت "العلم" کی یہ ہی کہ حصہ نظم مین اردو کے پہلو بہ پہلو برج بھاشا کو بھی جگہ دیجاتی ہی۔ اس "ایجاد" پر بعض نکتہ چینون نے اعتراض کیا ہی لیکن انصافاً یہ اعتراض قابل تسلیم نہین ہی۔ مسلمانون کو ازمنہ سابقہ مین بھی "برج بھاشا" کے ساتھ خاص شغف رہا ہی، اور اس زمانہ مین اسکی تقلید کسی صورت سے قابل گرفت نہین ہوسکتی۔ "العلم" ایک علمی پرچہ ہی اور بظاہر خاص محنت و کوشش سے مرتب کیا جاتا ہی۔ یون تو اسمین زیادہ تر مضامین ایسے ہی نظر آتے ہین جو کسی نہ کسی اسلامی نقطۂ خیال سے لکھے جاتے ہین، تاہم دیگر شائقین کی دلچسپی کا سامان بھی اس مین موجود رہتا ہی۔ اس لیے پرچہ عام قدردانی کا مستحق ہی۔ سالانہ قیمت بیرونجات سے للعہ، اہل شہر سے للعہ، اور طلبا سے ایک روپیہ ہی۔ خریداری کے لئے منیجر صاحب رسالہ "العلم"، ابراہیمیہ پریس، اعظم گڈھ سے خط و کتابت کرنا چاہیئے۔

(۲) "افادہ" حیدرآباد (دکن) سے مرزا نظام شاہ لبیب کی ایڈیٹری مین شائع ہوتا ہی۔ ملک کے دیگر علمی رسائل کی طرح اسمین علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہین۔ ترتیب مضامین پر کسی قدر زیادہ توجہ کی ضرورت ہی، ورنہ عموماً پرچہ دلچسپ ہوتا ہی بعض گرانمایہ مضامین کے پہلو بہ پہلو ایک آدھ معمولی مضمون بھی ایسا جگہ پاجاتا ہی جس کا درج نہ ہوتا ہی بہتر ہوتا۔ عاشقانہ نظمون اور غزلیات کے لیے افادہ کے صفحات مین گنجائش نہین رکھی گئی، اور موجودہ ضروریات کے اعتبار سے یہ کوئی قابل گرفت بات نہین۔ پرچہ کی سالانہ قیمت سے ہی۔ محبوب پورہ، حیدرآباد دکن کے پتہ سے خریداری کی درخواست کرنا چاہیئے۔

(۳) "تاج الکلام"، منشی احسان اللہ خان تاجر نجیب آبادی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہی۔ اسمین غالب حصہ طرحی غزلیات کا ہوتا ہی تبرعاً مین نام کے لیے کچھ نثر بھی شامل ہوتی ہی، چنانچہ جلد ۱ نمبر ۱ مین "شعراء عرب کے جذبات فطرۃ" اور "حضرت یاس عظیم آبادی لکھنوی" کے عنوان سے دو نثر مضمون ہین اور دونون محدود اور معمولی کم از کم پہلا عنوان اس قدر وسیع اور دلچسپ تھا کہ اس پر جسقدر بھی لکھا جاتا کم تھا۔ اسی طرح حضرت عرشی لکھنوی نے جناب یاس کی خصوصیات شاعری دکھانے مین ضرورت سے زیادہ حسن ظن سے کام لیا ہی۔ اور کلام پر جو تنقید کی ہی وہ بھی تشنہ اور ناکمل ہی۔ اس قسم کے مضامین اگر باقاعدگی سے مکمل حیثیت مین شائع ہون تو زیادہ مفید ہوسکتے ہین امید کرنا چاہیئے کہ حضرت ایڈیٹر اس ناچیز مشورہ پر توجہ فرمائین گے، ورنہ موجودہ علمی ضروریات کی کفالت محض غزلون سے نہین ہوسکتی۔ اس پرچہ کی سالانہ قیمت عہ ہی، خریداری کے لئے نجیب آباد ضلع بجنور کے پتہ پر درخواست کرنا چاہیئے۔

(۴) پنجاب اپنے اشتہاری حکیمون کے لیے بہت بدنام ہی لیکن وہین سے علم طب کی کچھ خدمت بھی ہوتی رہتی ہی ورنہ دیگر اقطاع ہند سے غالباً ہی کوئی عمدہ طبی رسالہ یا اخبار نکلتا ہو۔ حال مین "مصباح الحکمت" کا وہین سے اور اضافہ ہوا ہی۔ یہ پرچہ مہینے مین دو بار حکیم خورشید حسن صاحب سہارنپوری کی ملکیت و ایڈیٹری مین نکلتا ہی۔ علم طب کے علاوہ اس مین بعض علمی مضامین کو بھی جگہ دی جاتی ہی جن کے مفید ہونے مین کلام نہین۔ قیمت سالانہ عما مناسب ہی۔ اس کی خریداری کے لیے حکیم صاحب سے لاہور کے پتہ پر درخواست کرنا چاہیئے۔

دستور حکمرانی مانک راؤ وٹھل صاحب حیدرآباد دکن کے ایک نامور علم دوست رئیس ہین جنکے ذوق علمی کی بدولت کئی نہایت مفید کتابون کا اردو مین اضافہ ہوچکا ہی۔ انہین تاریخ "بستان آصفیہ" جو ریاست دکن کے ہر قسم کے حالات و معلومات کا بہترین مجموعہ ہی، "سوانح عمری راجہ اشوک" اور "تفریح الحیات" (ترجمہ پلیزرس آف لائف) ترجمان لیک خصوصیت سے

ذکر کی مستحق ہین۔ اب آپنے مندرجہ عنوان نام سے ایک مجموعہ اُن سیاسی نکات" کا شائع کیا ہی" جنکی تلقین ہندوستان کے قدیم مشہور جرنیل وبہ بھیشم پتاما اور نارد جی مہاراج نے راجہ یودھسٹر کو کی تھی، شروع کتاب مین جرنیل مذکور کی شبیہ اور سوانحی حالات بھی دیئے گئے ہین جن سے دیدہ زیبی اور جامعیت ضرور پیدا ہوگئی ہی۔ اصل مضامین کا تعلق علم سیاست (پالٹیکس) سے ہی اور اُس مجموعہ کے مطالعہ سے قدیم طرز حکومت پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہی۔ پالٹیکس "العصر" کے دائرہ مقاصد سے باہر ہی ورنہ بعض مختلف فیہ مسائل پر قدیم و جدید نقطۂ خیال سے روشنی ڈالنا خالی از دلچسپی نہوتا۔ جو افراد معاملات سیاست مین دسترس حاصل کرنا چاہتے ہین وہ اُس کا ایک نسخہ محمد عبد الرحیم صاحب مہتمم دفتر تاریخ بستان صحیفہ (روبرو مسجد مومنان) محلہ حسینی علم حیدر آباد دکن، سے ضرور حاصل کرکے اسکا مطالعہ کرین قیمت کتاب پر کہین درج نہین ہی۔

امریکہ کے غریب طلبا اِس نام سے ایک مختصر رسالہ جو چھوٹی تقطیع کے ۴۵ صفحات کی ضخامت رکھتا ہی۔ بابو ہنمنت راؤ صاحب مددگار مہتمم خزانۂ عامرہ سرکار نظام نے حال مین شائع کیا ہی اصل مین یہ مہاشہ ستیہ دیوجی کے ہندی رسالے کا ترجمہ ہی جسمین اُنھون نے اپنے تجربہ مشاہدہ اور چشمدید واقعات کی بنا پر دکھایا ہی کہ امریکہ مین نادار اور کم استطاعت طلبا کس طریقے پر محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کرکے اپنے تعلیمی اخراجات کی کفالت کرتے ہین۔ رسالہ شروع سے آخر تک دلچسپ و سبق آموز ہی اور اِس کا مطالعہ کسی حالت مین بھی بیکار نہین کہا جاسکتا۔ محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کرنا، اور دیانت داری سے اپنی ضروریات کی تکمیل کا سامان جمع کرنا اُس سے بدرجہا بہتر ہی کہ آدمی کچھ نہ کرے اور لاعلمی اور ذلت مین تمام عمر گرفتار رہے۔ ہندوستان نے حقیقی "سلپ ریسپکٹ" اور صحیح "سلف ہلپ" کا سبق ابھی بہت کم سیکھا ہی اس لیے مترجم صاحب نے اِس رسالہ کی اشاعت سے ایک مفید کام کیا ہی۔ اُس کی قیمت کاغذ کے لحاظ سے ۴/ اور ۳/ ہی اور بابو ٹھاکر راؤ دیسکھ، شبلی گنج، حسینی علم حیدرآباد دکن، کے پتہ سے مل سکتا ہی۔

رسالہ زبان دانی خواجہ محمد عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی کا یہ جدید رسالہ حال مین بغرض ریویو موصول ہوا ہی۔ اس سے پیشتر آپکے ایک اور رسالہ پر العصر مین اظہار خیال کیا گیا ہی اور شکر کا مقام ہی کہ اس رسالۂ زبان دانی پر باوجود نظر غایر سے دیکھنے کے اِس قدر سختی کے ساتھ نکتہ چینی نہین کیجا سکتی۔ اِس قسم کی متین اور معتدل کوششین جو اُردو زبان کی اصلاح و ترقی کے لیے کی جائین، فی الحقیقت قابل امتیاز ہین اور اُن کے ذریعہ سے مستقل فائدہ کی امید کی جاسکتی ہی۔

اس رسالہ مین حضرت مؤلف نے، اُردو الفاظ کی شناخت اُردو کی فارسی عربی صرف و نحو سے مغایرت، تصرفات، حذف، ترخیم، تخفیف، فصیح و غیر فصیح، فصیح و افصح، کون کون حروف مالہ قبول کرتے ہین، جواز عطف و اضافت، نہی امر اور نفی، حروف فاعل، حروف مفعول، فعل وغیرہم عنوان کے ماتحت، جو قواعد و ضوابط مروجہ بتائے ہین وہ بہت بڑی حد تک سب درست ہین اور جو مفید مشورے کسی باب مین دیے ہین وہ بہ استثناء چند قابل عمل۔ بعض باتین ایسی ضرور ہین جن سے کلیۃً اتفاق نہین کیا جاسکتا۔ مثلاً "آگرہ کو آگرے" اور "کلکتہ کو کلکتے" لکھنا حضرت عشرت خلاف قاعدہ بتاتے ہین، یا "ایڈیٹر وطن" مین عطف و اضافت کو جایز تسلیم نہین کرتے لیکن خلاف قاعدہ ہونے کے بعض مواقع پر "آگرہ" کو "آگرے" ہی کہنا زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہی۔ اسیطرح "ایڈیٹر وطن" کی ترکیب بھی اب چل نکلی ہی۔ یہ ہوسکتا ہی کہ یہ صورتین قاعدہ کلیہ کی مستثنیات مین سمجھ لیجائین۔ اہل ملک سے خصوصًا جو لوگ اُردو زبان کی ترقی و اصلاح کے مسئلہ مین انہماک رکھتے ہین اس رسالہ کے مطالعہ کی سفارش کیجاتی ہی جس کی قیمت ۳/ ہی اور حضرت عشرت لکھنوی سے احاطہ خانساماں لکھنؤ کے پتہ پر مل سکتا ہی۔

حضرت رضا کا گرامی نامہ

العصر کی کسی گذشتہ اشاعت مین مولانا حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی کے دیوان پر اظہار رائے کیا گیا ہی اسکے متعلق حضرت رضا موصوف کا ایک نامۂ گرامی ایڈیٹر العصر کے نام موصول ہوا ہی جس کے مختصری حصے یہ ہیں :۔

آپ کے خیال مین جو نقائص طبع دیوان مین رہ گئے میرے خیال مین اُنکا رہجانا ہی ضروری تھا۔ ۔ ۔ ۔ دیوان کی رونق تو زمانہ دیباچے سے اور دیباچہ کی رونق تصویر سے ہوتی ہی مگر کیا کرون اس کمی کے پورا کرنے کی مذہب نے مجھکو اجازت نہین دی۔ ۔ ۔ جس طبقہ کے لوگون مین شامل ہونے کا مجھے فخر حاصل ہو سکتا ہی اُن فنون کی کتابون مین میرے حالات بھی بہ کثرت چھپے ہوے ہین ۔ ۔ ۔ ۔ مشاغل علمیہ سے اتنی فرصت ہی نہین ہوتی کہ شاعری مین معتد بہ وقت صرف کر سکون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہی وجہ ہی کہ آپ کی گہری نظر نے متفقد متروکات کا استعمال میرے دیوان مین پالیا۔ مین بہت ممنون ہون گا اگر ایسے محاورات و الفاظ کی فہرست کی طرف آپ مجھے ہدایت کرین گے۔ ۔ ۔ البتہ مین ضرور عرض کرونگا کہ آپ نے میرے دیوان کو بالاستیعاب نہین دیکھا ورنہ اسکے لکھنے کی نوبت نہ آتی کہ کسی اُستاد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ہی دیوان کا ایک مقطع صراحت سے اس حال کو ظاہر کر رہا ہی ؎

کیا آپ بھی امیر کے شاگرد ہین رضا
ذکر آپ کا جو مجمع اہلِ ہنر مین ہے

اور بالاستیعاب نہ دیکھنے کی ایک سند یہ بھی ہی کہ جو اشعار نقل کیے ہین اُن سے بدرجہا اچھے اشعار بھی اس دیوان مین موجود ہین۔

تنقید نگاری کی ذمہ داریون کا دائرہ نہایت وسیع ہو جاتا ہی اگر اِس قسم کے مطالبات کے جواب الجواب لکھنے کی خدمت بھی غریب تنقید نگار کے سر آپڑے۔ حضرت رضا متروکات مستعملہ کی ایک فہرست چاہتے ہین لیکن اتنی مہلت کس کو۔ ہان سرسری طور پر دو ایک باتین بتائی جا سکتی ہین۔ مثلاً ساقیا، واعظا، قاصدا، اب فصحا نے ترک کر دیا ہی اور رضا صاحب نے بسا اوقات اِنھین باندھا ہی؛ دلبرا، دوستو وغیرہ ایسے الفاظ کا استعمال بھی ایک طرح سے آجکل چھوڑ دیا گیا ہی۔ بعض الفاظ حضرت رضا نے اِس طریقہ پر باندھے ہین کہ تقطیع سے ان کا حرف آخر گر جاتا ہی اگر کہین گرہی منقطعہ طور پر اب غیر مستعمل ہی ہین تو معمولی فروگذاشتین لیکن کبھی کبھی ایک آدھ لفظ کی غیر موزونیت زبان کے اعتبار سے شعر کو خاک مین ملا دیتی ہی شاید حضرت رضا دیوان کے بالاستیعاب نہ دیکھنے کا پھر الزام دین اِس لیے اُن کے وہ اشعار جن مین مندرجۂ بالا خامیان سرسری نظر سے دریافت ہوئی ہین یہان نقل کئے جاتے ہین :۔

آگاہ میرے مرنے سے ہوگا وہ کسطرح
گر اُس گلی سے میرا جنازہ نہ جائے گا

مانگی دعا جوان ہوئی عصمت کرلیا
یوسف تھا قدردان زلیخا کی چاہ کا

کوثر کا ذکر مدِ نظر ہے جو واعظا
غوطے لگائے پہلے تو حوضِ شراب مین

لاش اُلجھی ہی کفن مین دوستو
عشق اُس کا یہ اثر دکھلا گیا

دیوانے ہم ہین ہوسکیگا مانی بھی بے حواس
نقشہ ہمارا اُس سے یہ کھینچا نہ جائے گا

دُکھاؤ نہ دل، دلبرِ من کسیکا
اثر کچھ دکھائے نہ شیون کسیکا

تلاش سے اور مثالین بھی مل سکتی ہین لیکن تنقید نگار کا فرض محض عیب بینی نہین۔ اپنی چھوٹی سمجھ کے مطابق وہ جو کچھ رائے ظاہر کرے، اُس کی نسبت صرف یا اطمینان ہونا چاہئیے کہ اِسمین بدنیتی اور تعصب کو

دخل نہین ہو ورنہ یہ ضرور نہین کہ تنقید نگار کے ایک ایک لفظ سے عام طور پر اتفاق کیا جائے امید ہو کہ مولانا رضا کو اِس نکتہ چینی سے جو اظہارِ محاسن کے پہلو بہ پہلو تھی، تنقید نگار کی نیک نیتی پر شک کرنے کا خیال نہ پیدا ہوا ہوگا۔

"سَید القلم"

طوافِ زمین

۵

فلیاس کی روانگی پر لندن مین چہ میگوئیان

جب مسٹر فلیاس اپنے غیر معمولی سفر پر روانہ ہو رہا تھا تو کسی کے ذہن مین بھی یہ بات آئی ہوگی کہ اُس کے جانے کے بعد لندن مین کیا کچھ چہ میگوئیان ہونگی۔

کثیر رقم کی شرط جو پہلے دو دوستون مین ہوئی اور بعد ازان دیگر ممبران کلب بھی اس مین شریک ہو گئے ایک دلچسپ واقعہ کی حیثیت رکھتی تھی جسے نامہ نگار لے اُڑے، اور بذریعہ اخبارات کے سارے لندن بلکہ تمام انگلستان اور اُسکے گرد و نواح مین یہ خبر شائع ہو گئی۔ اب کیا تھا ہر طرف یہی چرچا ہونے لگا، اور انگلستان کے لوگ جو خاص طور پر بازیان لگانے کے شائق ہوتے ہین مسٹر فلیاس کی سیاحتِ عالم کے امکان پر بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ نوبت بانیجا رسید کہ اس پر شرطا شرطی ہونے لگی۔ بعض لوگ فلیاس کے ہم خیال تھے، بعض اُسکے مخالف۔ چنانچہ اپنی اپنی رائے کی تائید مین بڑی بڑی رقمون کو فریقین پیش کر کے داؤ لگانے لگے۔

اخبارات اسٹینڈرڈ، ایوننگ اسٹار، مارننگ کرانیکل، بالکل فلیاس کی ناکامی کا ادعا کرتے تھے۔ صرف ڈیلی ٹیلی گراف نے البتہ اُسکی موافقت مین ایک زبردست آرٹیکل لکھا۔

بعض پرچون نے تو مسٹر فلیاس کو مجنون قرار دیکر ریفارم کلب کے ممبرون کی خوب تحقیر و توہین کی کہ اُنھون نے ایک پاگل شخص کے ساتھ کیون شرط لگائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ فلیاس کی کامیابی کا دعویٰ کرنے والے اشخاص کمزور ہو گئے لیکن اُسی دوران مین اخبار السٹرٹیڈ لندن نے مسٹر فلیاس کی تصویر شائع کر دی جو ایک پکر لطیف اور اندام دلکش کا ہو بہو نمونہ تھی۔ اکثر لیڈیان جنھین زیادہ تعداد اخبار ڈیلی ٹیلی گراف کی ناظرات کی تھی اب مسٹر فلیاس کی طرفدار ہو گئین۔

اسکے بعد ہی جغرافیائی انجمن کی طرف سے جو رسالہ شائع ہوا اُسمین ایک بسیط مضمون اس سفر کی ناکامی کے متعلق نہایت مدلل نکلا اور اُسے پڑھ کر ہر شخص کو اس زبردست سیاح کی طرف سے ایک خاص قسم کی مایوسی ہو گئی۔ کیونکہ مضمون مذکور مین تبلایا گیا تھا کہ ۸۰ روز مین دنیا کے چارون طرف گھومنے کے لیئے مسافر کی روانگی اور درمیانی مقامات کی رسید گی ریلون، کشتیون، اور جہازون پر سوار ہونے اور اُترنے کیلئے نہایت مسلسل اور شدید پابندی وقت کے ساتھ جس مین منٹ اور سیکنڈ کا وقفہ بھی نہونا چاہیئے لازمی ہی جو عملاً ناممکن ہو۔ مانا کہ یورپ کی ریلون مین پابندی وقت موجود ہو لیکن بحری سفر مین اس کا التزام نہین ہو سکتا۔ نیز ۳ روز ہندوستان کی ریل مین اور سات دن امریکہ کی ریل مین سفر طے کرنے کے لیئے حوادث سے دو چار ہونا لازمی ہو۔ ریلوے انجنون کے خراب ہو جانے کا ہر وقت اندیشہ، ہندوستانی برسات کے سیلاب سے ریلوے لائن کے بہ جانے یا کسی پل کے غرق ہو جانے کا احتمال ایسا نہین ہو جو بعید از قیاس ہو بلکہ معمولاً ایسا ہوتا رہتا ہو۔ امریکہ کا ہمیشہ اُٹھنے والا برفانی طوفان اکثر اوقات ریلوے لائن پر برف کے تودے بنا کر

یخ بستگی سے ہفتون کے لیئے ٹرین کی آمد و رفت کو روک دیتا ہے اور وہان کے وحشیون کے بلوہ کر دینے کا اندیشہ اسکے علاوہ ہو سمندری سفر مین کشتیون کی رفتار ہوا کے تابع ہوتی ہے اور ایک خفیف توقف بھی تمام سلسلۂ سفر کو درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر ایک گھنٹہ کیلئے فلیاس کی طبیعت خراب ہو جائے یا اور کسی مانع کے پیش آجانے کی وجہ سے وہ ٹھیک وقت پر بندرگاہ مین نہ پہنچ سکے اور جہاز روانہ ہو جائے تو پھر پورے ایک ہفتہ تک اُس کو ڈاک کے جہاز کا انتظار کرنا پڑے گا، اور یہی ایک ہرج ایسا ہوگا جسکی وجہ سے اسکی تمام کوشش غارت ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ —

اِس مضمون کی اشاعت سے لوگون پر بہت اثر ہوا اور وہ لوگ، جن کی تقریر کا موضوع ہر وقت مسٹر فلیاس کی کامیابی کی تائید مین تھا ایکدم سے خاموش ہو گئے اور رفتہ رفتہ اُس کی سعی کے مشکور ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ البتہ اب بھی صرف ایک معزز شخص لارڈ میٹر بڑے شد و مد سے مسٹر فلیاس کے فیور مین گفتگو کرتا رہتا تھا۔ یہ معمر لارڈ ایک عالی نسب امیر تھا اور بمقتضاے سن مفلوج ہو کر اِس قدر ضعیف و ناتوان ہو گیا تھا کہ اپنی آرام کرسی سے بھی خود نہین اُٹھ سکتا تھا۔ تاہم طواف زمین کا اِس درجہ آرزومند تھا کہ اپنی تمام دولت کو اُسکے لیے نچھاور کرنے پر ہر وقت آمادہ نظر آتا تھا۔ مسٹر فلیاس نے تو اسّی دن مین زمین کے گرد پھرنے کا عزم کیا تھا لیکن اگر کوئی دس برس مین بھی اِس سفر کی تکمیل کر سکے تو لارڈ موصوف کے نزدیک ایسا شخص اُسکی دولت کے صحیح مصرف کا مستحق ہو سکتا تھا۔ یہی وہ جوش تھا جسکے اقتضا نے اِس سن رسیدہ بزرگ سے یہ اعلان کرا دیا کہ وہ ہر شخص سے پانچ پانچ ہزار پونڈ کی شرط فلیاس کی واپسی کے متعلق کرنے کے لیے تیار ہے۔ وہ لوگ جو مسٹر فلیاس کی سیاحت کے عدم امکان کا یقین رکھتے تھے اگر کبھی اِس متمول لارڈ سے بحث کرتے اور اپنے قول کو بذریعۂ اعلیٰ قوت استدلال کے ثابت بھی کر دیتے تھے

تو یہ جواب پاتے کہ اگر فی الحقیقت فلیاس اپنے مقصد مین ناکام بھی رہا تو بھی ایک ایسا مصمم عزم اور بلند ارادہ بجاے خود ایک غیر معمولی اولوالعزمی کا ثبوت ہے اور شاکر ہون کہ ایسے کار اہم کا آغاز ایک انگریز کی طرف سے عمل مین آیا۔ کسی دوسری قوم کے ممبر نے اتنی بڑی ذمہ داری برداشت کرنے کی جسارت نہین کی ؎

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

غرضکہ رشے زمین کی ہشتاد روزہ سیاحت کا مسئلہ انگلینڈ بھر مین لوگون کی دلچسپی کا موجب بنا ہوا تھا اور کثرت سے لوگ اسی خیال پر قائم تھے کہ فلیاس کی یہ سعی ناتمام ہی رہیگی۔ اور جن لوگون نے ابتدا اُسکے امکان کو باور کر لیا تھا وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے جاتے تھے۔ مزید برآن اتفاق یہ ہوا کہ محکمۂ پولیس سے جو لوگ بنک کے نوٹون کی چوری کا پتہ لگانے کے لیئے مامور کیئے گئے تھے اُن مین سے ایک مسٹر فکس نے حسب ذیل مضمون کا ایک تار محکمۂ پولیس لندن کو روانہ کیا جس کی شہرت ہوتے ہی رہے سہے طرفداران فلیاس بھی اُس سے منحرف ہو گئے۔

تار کا مضمون

از سوئز ۔ بخدمت اعلیٰ افسر پولس لندن ۔ ۹۔ دسمبر ۱۸۷۲ء

مین بنک کے چور فلیاس کا تعاقب کر رہا ہون۔ وارنٹ گرفتاری بمبئی بھیجدیا جائے۔

(فکس مسٹر انسپکٹر)

ظاہر ہے کہ تار کی یہ خبر کسقدر جلد اشاعت پذیر ہوئی ہوگی۔ اور بیچارہ فلیاس جس نے اپنی تمام عمر ایک خاص وقار اور احترام کے ساتھ بسر کی تھی چور قرار پا کر لندن کی پبلک مین کیسے نفرت انگیز خیالات کا آماجگاہ بنا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ بنک سے روپیہ اُڑانے والے شخص کا فوٹو فلیاس کی تصویر سے بہت مشابہ تھا۔ اور مسٹر فلیاس جس قسم کی تنہائی اور بے ہمگی کی زندگی گذارتا تھا اُسپر خیال کرتے ہوے بجاے فلیاس کا ایک ایسے

غیر معمولی سفر پر روانہ ہو جانا خواہ مخواہ اس یقین کا باعث ہو گیا کہ
واقعی اِن حضرت نے اتنی بڑی رقم کی چوری کی ہے۔ اور پولیس کی
آنکھون مین خاک جھونکنے کے واسطے سیاحتِ عالم کا حیلہ کیا ہے اور
اس سے عمدہ طریقہ بھاگ نکلنے کے لیے کوئی ہو بھی نہ سکتا تھا۔

۶

سُراغرسان کی بیقراری

وہ واقعات جن کی بنیاد پر مسٹر فلیاس کے متعلق سوئز سے ایسا تار
پہنچا یہ تھے کہ جس وقت لندن بنک مین چوری ہونے کی اطلاع پولس
کو ہوئی اور بہت سے سراغرسان گرفتاری مال و ملزم پر مامور کیے گئے
اُسی وقت بندر سوئز کی طرف بھی ایک سُراغرسان "فِکس" نامی روانہ کیا گیا
جس نے سوئز پہنچتے ہی انگریزی سفیر سے ملاقات کر کے پہلے تو اُس بھاری
چوری اور اپنی ماموری و تعیناتی کا حال بیان کیا، اور پھر روزانہ بندرگاہ
پہنچکر اُن جہازات کو دیکھنے لگا جو انگلستان سے آتے تھے اور ہر مسافر
کی صورت سے ملزم کی تحریری حلیہ کی مطابقت کرتا رہا جو اُسکو صدر دفتر
پولیس سے دیا گیا تھا۔ مگر دو تین جہاز جو اب تک لندن سے یہان پہنچے تھے
اُن مین کوئی مشتبہ شخص معلوم نہین ہوا لیکن آج ۹ ؍ دسمبر ۱۸۷۲ء کو منگولیا
نامی ڈاک کا جہاز آنے والا تھا اور یہ اُسکی آمد کا مقررہ دن تھا، اس لیے
مسٹر فِکس نہایت بےصبری سے بندرگاہ کی تنگی سڑک پر مختلف ممالک
کے باشندون مین چہل قدمی کر رہا تھا اور بار بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سطح
سمندر پر جہاز کی آمد کے نشانات کو دیکھتا جاتا تھا۔ مجرم کو گرفتار کرنے اور
انعام مقررہ حاصل کرنے کے اشتیاق مین اُسکی آنکھیں چمک رہی تھین۔
اُسے زیادہ دیر تک انتظار مین مبتلا رہنا نہین پڑا ٹھیک ۱۱ بجے
دن کے وقت آہن پوش منگولیا کا اگلا حصّہ دور سے آتا ہوا نظر پڑا۔
یہ ایک بڑا جہاز تھا جسکے انجن مین پانچ سو گھوڑون کی قوت تھی اور
اسی زمانہ مین انگلستان کی ڈاک ہمیشہ اسی جہاز کے ذریعہ سے ہندوستان
آتی جاتی تھی۔ اس وقت اُس کے انجن کی چمنی سے زور شور کے ساتھ
دھوان نکل رہا تھا اور کل پُرزون کی حرکت ہوا مین پُرزور آواز مین
پھیلا رہی تھی، تھوڑی ہی دیر مین جہاز شائین شائین کرتا ہوا بندرگاہ
مین داخل ہو گیا اور لنگر ڈالدیا۔

مسافرون کی بہت کثرت تھی بعض لوگون نے جہاز کے ڈیک ہی سے
شہر کا منظر دیکھنے پر اکتفا کیا لیکن اکثر مسافر سیر کرنے کے لیے خشکی پر
اُتر آئے۔

سُراغرسان فِکس ایک ایک شخص کو غور کے ساتھ دیکھتا ہوا گذر رہا
تھا کہ ایک آدمی تعجیل تمام جہاز سے باہر آیا اور متجسسانہ طور پر چارون طرف
نظر ڈالتا لوگون کو ڈھکیل کر فِکس کے قریب پہنچا اور سفیر انگلستان کا
مکان پوچھنے لگا۔

یہ شخص مسٹر فلیاس کا خدمتگار پاسپارٹو تھا جو پروانہ راہداری فِکس کو
دکھا کر کہنے لگا "جنابِ والا تکلیف دہی کو معاف کیجیے مین اس پروانہ
راہداری پر دستخط حاصل کرنے لیے انگریزی سفیر کا مکان معلوم کرنا
چاہتا ہون"

فِکس نے کانسل کے مکان کا پتہ بتلاتے ہوئے پروانہ کو دیکھ لیا۔ مگر
جیسے ہی صاحب پروانہ کے اندراجات حلیہ پر نظر پڑی وہ بوکھلا گیا اور
قریب تھا کہ چلا اُٹھے لیکن بمشکل اُس نے ضبط کیا۔ کیونکہ جو حلیہ
اُس مین لکھا ہوا تھا اُسکی مطابقت بعینہ چور کے حلیہ سے ہوتی تھی لہذا
اُس نے پوچھا۔

کیا یہ پروانہ راہداری آپ کا ہے۔

پاسپارٹو۔ نہین۔ میرے آقا کا!

فِکس۔ آپ کا آقا کہان ہے!

پاسپارٹو۔ جہاز مین۔

فِکس۔ یہان کا قاعدہ ہے کہ پروانہ پر دستخط لینے کے لیے مسافر کو خود سفیر

کے سامنے جانا چاہیئے۔

پاسپارٹو۔ ایں۔۔۔۔ کیا خود؟

فیکس۔ جی ہان۔ خود۔ مین نے اِس لیے عرض کر دیا کہ فضول آپکو زحمت نہو ورنہ مجھے کوئی خاص غرض نہین ہے۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ سفارتخانہ مین بھی آپ کو یہی جواب ملے گا۔

پاسپارٹو۔ شکریہ۔ کیا سفارتخانہ کچھ دور ہے؟

فیکس۔ نہین قریب ہی ہے۔

پاسپارٹو۔ اچھا تو مین اپنے آقا کو لاتا ہون۔ تکلیف تو اُنھین ضرور ہوگی لیکن مجبوری ہے۔

پاسپارٹو نے یہ کہکر فیکس کو سلام کیا اور جہاز کی طرف پلٹ گیا۔ اِدھر فیکس نے فوراً سفارتخانہ کی راہ لی اور کمرہ مین داخل ہوتے ہی کونسل سے کہا "چور مِل گیا۔ منگو لیا جہاز مین ہے" اور پھر تمام واقعہ بالتفصیل بیان کیا۔

سفیر نے کہا "بہت خوب۔ مبارک ہو۔۔۔۔ مجھے بھی ایسے چور کے دیکھنے کی آرزو تھی۔ لیکن جیسا تم بیان کرتے ہو اگر وہ اصلی سارق ہے تو ہرگز یہان نہ آئے گا۔ کیونکہ مجرم لوگ اپنا کھوج حتی الامکان مٹا دیتے ہین۔ جبکہ مسافرون کے لیئے پروانہ راہداری پر سفرا کے دستخط حاصل کرنا لازمی نہین ہین تو فضول اُسے سفارتخانہ مین آنے اور راستہ پتہ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے"

فیکس۔ سفیر صاحب۔ اگر یہ شخص فی الواقع عیار اور چالاک ہے تو بالضرور آئے گا۔

سفیر۔ لیکن اِس سے فائدہ۔

فیکس۔ اِس مین بھی ایک مصلحت ہے۔ وہ اپنی نسبت شرافت و باقاعدگی کا خیال قائم کرانے کے واسطے تاکہ کوئی اُس کی طرف سے مشتبہ نہو آئے گا مگر امید ہے کہ آپ پروانہ پر دستخط و مُہر نکرین گے۔ دیکھیئے نا جنٹلمین اور معزز لوگون کو پروانۂ راہداری کی وجہ سے زحمت ہوتی ہے اور مجرم اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔

سفیر:۔ آپ سچ کہتے ہین۔ ہان اگر یہ پروانۂ راہداری کے اندراجات صحیح و مکمل ہون گے تو مین انکار نہین کر سکتا۔

فیکس:۔ مین چاہتا ہون کہ جب تک لندن سے وارنٹ گرفتاری میرے پاس پہنچے، کسی طریقہ سے اُسے سوئز مین روک لیا جائے۔

سفیر:۔ یہ آپ جانیئے مین اِس کا ذمہ دار نہین۔

فیکس کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کمرہ کا دروازہ کھُلا اور پاسپارٹو مع اپنے آقا کے سفارتخانہ مین تھا۔ مسٹر فلیاس نے آتے ہی اپنا پروانہ کونسل کے سامنے پیش کرکے دستخط و مہر ثبت کیے جانے کی خواہش کی۔ سفیر نے پروانہ ہاتھ مین لیکر غور کے ساتھ دیکھنا شروع کیا۔ گوشۂ کمرہ سے فیکس نے فلیاس پر اسطرح اپنی نظرین گڑو دین گویا آنکھون ہی آنکھون مین اُسے کھا جائے گا۔ بہرکیف سفیر نے پروانہ کو اچھی طرح پڑھ کر پوچھا۔

آپ کا نام مسٹر فلیاس ہے؟

فلیاس:۔ ہان جناب۔

سفیر:۔ اور یہ شخص آپ کا ملازم ہے۔

فلیاس:۔ ہان۔ پاسپارٹو نامی ایک فرانسیسی۔

سفیر:۔ آپ لندن سے آرہے ہین۔

فلیاس:۔ جی ہان۔

سفیر:۔ کہان جایئے گا؟

فلیاس:۔ بمبئی۔

سفیر:۔ بہت مناسب لیکن آپ کو میرے دستخط اور مُہر کا پروانہ پر حاصل کرنا ضروری نہین ہے۔

فلیاس:۔ مجھے یہ معلوم ہے لیکن آپ کے دستخطون سے مین اپنا سوئز سے گذرنا ثابت کرون گا۔

سفیر:۔ بہتر ہی۔

بعد ازان سفیر نے پروانۂ مذکور کا اندراج اپنے دفتر مین کراکر اُسکی پشت پر اپنے دستخط کردیئے اور اپنے محکمہ کی مُہر ثبت کرادی اور مسٹر فلیاس اُسکی فیس ادا کرنے کے بعد ترش روئی سے سلام کرکے باہر نکل آیا۔

فیکس نے سفیر سے پوچھا۔ آپ نے کیا محسوس فرمایا؟

سفیر:۔ مجھے تو آدمی شریف معلوم ہوتا ہے۔

فیکس:۔ ہان ظاہری حالت تو ایسی ہی ہی۔ مگر کیا معلوم حقیقت مین کیسا پاجی ہی۔ البتہ اس کا خدمتگار کسی قدر بیوقوف معلوم ہوتا ہے اور ہے بھی فرانسیسی۔ اُس کو باتون مین لگا لینا آسان ہی مین اُسکا پیچھا کرتا ہون۔ دیکھیئے کیا نتیجہ نکلتا ہی۔ اچھا خدا حافظ؟

مسٹر فلیاس جب سفارتخانہ سے باہر نکلا تو اُس نے اپنے آدمی کو بعض اشیا خرید لانے کا حکم دیا اور خود جہاز مین پہنچکر اپنی وہ کتاب دیکھنے لگا جسمین پروگرام سیاحت کا اندراج تھا۔

باسپارٹو کی فضول گوئی

روانگی از لندن۔ یوم چہار شنبہ	۲۔ دسمبر ۱۸۷۲ء	شام ۸ بجکر ۳۰ منٹ	
رسیدگی پیرس۔ یوم پنجشنبہ	۳۔ دسمبر	صبح ۷ بجکر ۲۰ منٹ	
روانگی از پیرس۔ یوم پنجشنبہ	۳ دسمبر	صبح ۸ بجکر ۴۰ منٹ	
رسیدگی ٹورن۔ یوم جمعہ	۴ دسمبر	صبح ۶ بجکر ۲۰ منٹ	
روانگی از ٹورن۔ یوم جمعہ	۴ دسمبر	صبح ۷ بجکر ۲۰ منٹ	
رسیدگی برنڈسی۔ یوم شنبہ	۵ دسمبر	شام ۴ بجکر ۳۰ منٹ	
روانگی بذریعہ جہاز منگولیا۔ یوم شنبہ	۵ دسمبر	شام ۵ بجکر ۲۰ منٹ	
رسیدگی سوئز۔ یوم چہار شنبہ	۹ دسمبر	دوپہر ۱۱ بجکر ۵ منٹ	

کُل وقت کی میزان جو ابتک صرف ہوچکا تھا ۱۵۸ گھنٹہ ۳۰ منٹ یعنی ساڑھے چھ دن تک پہنچی تھی۔ مسٹر فلیاس جس نے ۲ دسمبر سے سفر شروع کیا ہی اور ۲۱ فروری واپسی کی تاریخ قرار دی ہی مہینون دنون گھنٹون کو سلسلہ وار درج کرکے اُسکے حاصل جمع پر کام کررہا ہی۔ اب اُس نے دیکھا کہ ۸۰ روز مین دورہ عالم کا جو حساب اُس نے لکھا تھا اور جسپر اُسکی عظیم ترین شرط کا دارومدار تھا سوئز پہنچنے تک برابر اور مطابق اندراج کے ہی۔ دنون اور گھنٹون کے محسوب کرنے مین کوئی کمی بیشی نہین ہوئی۔ اُس نے تخمینی حساب کے مقابل ہی عملی حساب کا بھی اندراج رکھا تھا جس سے پورے طور پر معلوم ہوسکتا تھا کہ کس وقت اور کس مقام مین اُسکے وقت مین ضرر یا نفع ہوا ہی۔ مگر اس وقت تک کچھ سود و زیان نہین ہوا تھا۔ چنانچہ اسطرف سے مطمئن ہوکر اُس نے صبح کا کھانا اپنے کمرہ ہی مین طلب کرلیا۔ اور بعد از فراغت طعام پاسپارٹو کی واپسی اور روانگی جہاز کا انتظار کرنیلگا۔

کچھ دیر قبل سفارتخانہ سے مخفی پولس کا سرگرم ملازم فیکس جو سلسلہ راز ہوئی پاسپارٹو کی تلاش مین نکل چکا تھا۔ اُس نے بندرگاہ کی سڑک پر چارون طرف متحیرانہ اور احمقانہ نظرین ڈالتے ہوے پاسپارٹو کو جاتے دیکھا کہا "کہو دوست تیرے پروانہ پر دستخط حاصل کرلیئے"؟

پاسپارٹو:۔ اخاہ۔ جناب ہین۔ جی ہان، ابھی وہین سے فراغت کرکے آرہا ہون۔ شکریہ۔

فیکس:۔ کہیئے شہر کی سیر کیجیئے گا؟

پاسپارٹو:۔ ہان۔ مگر یہ سفر اس قدر تیز ہی کہ مین اپنے آپ کو عالم خیال مین سمجھ رہا ہون۔ کیا مین واقعی سوئز آگیا ہون۔ نہین بھئی۔

فیکس:۔ ہان جناب آپ سوئز ہی مین ہین۔

پاسپارٹو:۔ یعنی ساڑھے چھ روز مین ہم یورپ سے افریقہ پہنچ گئے۔ اوہو۔

فیکس:۔ بیشک۔ سوئز سرزمین افریقہ مین ہی۔

پاسپارٹو:۔ واللہ یقین نہین ہوتا۔ مین تو یہ سمجھتا تھا کہ ہم پیرس سے آگے نہ جاسکین گے۔ مین اپنے وطن عزیز کو بھی دل بھرکر نہ دیکھ سکا۔ اتنا بڑا شہر اور صرف ۷۰ منٹ کا وقفہ وہ بھی اس طرح کہ شمالی ریلوے اسٹیشن

سے اُتر کر فوراً گاڑی میں سوار ہونا اور اسٹیشن لیون کی طرف آتے ہوئے آنکھون میں سے شہر کی جھلکیان نظر آنا طرہ یہ کہ بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے اپنے پیارے ملک کا دیدار مجھے اور بھی مشکل تھا۔

فیکس:۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ کو کوئی بہت ضروری کام درپیش ہو۔

پاسپارٹو:۔ مجھے تو کچھ کام نہین۔ البتہ میرے آقا کو ہو۔ لو خوب یاد آیا بوٹ اور قمیص خریدنے کے لیئے مجھے حکم دیا گیا تھا۔ لندن مین اسباب جمع کرنے کی وجہ سے فرصت ہی نہ ملی۔

فیکس:۔ ارشاد ہو تو مین آپ کو بازار لیچلون تاکہ جو کچھ آپ کو مطلوب ہو وہ آپ خرید سکین۔

پاسپارٹو:۔ دلی شکریہ آپ تو نہایت ہی لطف شعار شخص ہین۔

دونون روانہ ہوگئے لیکن پاسپارٹو نے بجائے خاموش ہونے کے سلسلۂ سخن جاری رکھتے ہوے کہا "لیکن مجھے وقت کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ ایسا نہو کہ جہاز روانہ ہو جائے"

فیکس نے جواب دیا۔ بہت وقت ہو ابھی تو دوپہر بھی اچھی طرح نہین ہوئی۔

پاسپارٹو نے گھڑی جیب سے نکالکر کہا۔ ہان ابھی ۳ گھنٹہ وقت باقی ہو۔

فیکس:۔ آپکی گھڑی کسیقدر پیچھے ہو۔

پاسپارٹو:۔ کیا فرمایا۔ میری گھڑی پیچھے ہو جانا ناممکن۔ یہ گھڑی میرے دادا سے میرے والد کو ملی اور اُن سے مجھ تک پہنچی ہو۔ سال بھر مین ۵ منٹ کا بھی تو فرق نہین ہوتا۔ یہ گھڑی بالکل کرونوسٹیر ہو۔

فیکس:۔ مجھ سے سنئے۔ آپکی گھڑی ضرور پیچھے ہو اور وجہ یہ ہو کہ لندن کے وقت اور سوئز کے وقت مین ۲ منٹ کا فرق ہو لہذا آپ یہان کے وقت سے گھڑی کو ملا لیجئے۔

پاسپارٹو:۔ آپ کیا کہ رہے ہین مین اپنی گھڑی کا وقت بدل دون یہ قطعی ناممکن۔

فیکس:۔ نہ سہی۔ حرکت شمس کا آپ کی گھڑی ساتھ نہ دے سکے گی

پاسپارٹو:۔ اُس کی فکر سورج کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ غلطی اُس کی ہوگی نہ کہ گھڑی کی۔

اتنا کہ کر نہایت غرور و عظمت کے ساتھ پاسپارٹو نے گھڑی کو جیب مین رکھ لیا۔

فیکس کہنے لگا۔ خوب بھائی جان آپ بھی بڑی تیزی سے لندن سے نکلے۔

پاسپارٹو:۔ جی ہان۔ پرندہ بھی ایسا نہین کر سکتا۔

فیکس:۔ آپ کا آقا کہان جا رہا ہو۔

پاسپارٹو:۔ دورِ زمین کی گردش کے لیئے۔

فیکس:۔ کیا دورِ زمین کی سیاحت کے لیئے؟

پاسپارٹو:۔ جی ہان۔ مگر کس طرح۔ صرف ۸۰ روز مین۔ بیچارہ ایک شرط کی وجہ سے اس سرگردانی مین مبتلا ہو گیا۔

فیکس:۔ کیا وہ بہت متمول شخص ہو؟ ۔

پاسپارٹو:۔ بیشک۔ اب بھی اُسکے بکس مین کثیر التعداد بنک نوٹ موجود ہین۔ اور اثنائے سفر مین اُسے روپیہ صرف کرنے مین کچھ بھی دریغ نہین ہوتا۔ حتیٰ کہ جہاز منگولیا کے ڈرایور وکپتان سے اُس نے وعدہ کیا ہو کہ اگر جہاز کو وقت مقررہ سے پہلے بمبئی پہنچا دیا تو ایک ہزار اشرفیان وہ دے گا۔

فیکس:۔ کیا آپ بہت عرصے اُس شخص کے ملازم ہین۔

پاسپارٹو:۔ نہین بھائی۔ جس روز یہ سفر شروع ہوا ہو اُسی صبح کو مین نے ملازمت اختیار کی تھی۔

پاسپارٹو کی اِن باتون نے فیکس سُراغرسان کو اُلجھن مین ڈالدیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ بیشک فلیاس ہی بنک کا چور ہو۔ چنانچہ دل ہی دل مین وہ کہنے لگا کہ یہ تمام چالاکی اور عیاری ہو۔ دنیا کے گرد گھومنے کا مقصد حقیقتاً ایک حیلہ ہو تاکہ پولس اُس کی طرف سے غافل ہو جائے

اور پھر وہ اطمینان سے لندن واپس آکر اس کثیر رقم سے مزے اڑائے۔
چنانچہ سُراغرسان مذکور نے مصمم قصد کر لیا کہ جب تک لندن سے وارنٹ گرفتاری وصول نہ ہو فلیاس کا تعاقب کیا جائے اور یہی سوچ کر اُس نے صدر دفتر لندن کو تار دیدیا۔

کچھ دیر بعد یہ دونوں شخص بازار میں پہنچ گئے اور فکس ایک دوکان میں پاسپارٹو کو لیجا کر کہنے لگا کہ اس دوکان میں بوٹ قمیص وغیرہ جو کچھ آپ خریدنا چاہتے ہیں موجود ہے لہذا جو اشیا آپ لینا ہوں وہ آپ جلد خرید لیجئے۔ زیادہ دیر نہ کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاز روانہ ہو جائے۔ میں بھی اپنے لئے جہاز کا ٹکٹ خریدنے جاتا ہوں۔ کیونکہ بہت عرصہ سے بمبئی جانے کا مجھے خیال تھا۔ حسن اتفاق سے آپ ایک رفیق بھی مل گئے ہیں اور یہاں اب مجھے کوئی کام بھی نہیں ہے۔ جہاز تیار ہی ہے۔ اسی سے کیوں نہ چلا چلوں۔

پاسپارٹو۔ بہت خوب۔ اس امر سے تو بیحد ہی مسرت ہوئی۔ جلئیے جلد ٹکٹ لے لیجئے۔ میں بھی اسباب خرید کر فوراً جہاز پر آتا ہوں۔

اس گفتگو کے بعد ہر دو فریق ایک دوسرے سے جدا ہو گئے پاسپارٹو نے اشیاء ضروری خرید لیں اور جہاز پر واپس پہنچا تو دیکھا کہ اُس کا آقا اپنے روزنامچہ سیاحت کے ملاحظہ و ترتیب میں مصروف ہے تھوڑی دیر میں فکس بھی جہاز کے ایک گوشہ میں موجود ہو گیا۔

۸

پاسپارٹو کے بوٹ گم ہو گئے

منگولیا جہاز عصر کے وقت بندرگاہ سے روانہ ہو گیا۔ اور ساڑھے چھ روز میں بحر احمر کو طے کر کے بحر ہند میں داخل ہوا۔ اگرچہ اقرار نامہ کی رو سے جو کمپنی جہاز کی طرف سے مرتب ہوا تھا چاہیئے تو یہ تھا کہ جہاز منگولیا بحر محیط ہند کو ۱۰۸ گھنٹہ میں عبور کرتا مگر مسٹر فلیاس نے جہاز کے انجنیر و کپتان سے جو ایک رقم کثیر دینے کا وعدہ کیا تھا اُسکی وجہ سے کوشش ہو رہی تھی کہ وقت مقررہ سے پیشتر جہاز بمبئی پہنچ جائے اسٹیم بہت تیز کر دی گئی تھی اور بادبان کھول دیے گئے تھے۔

۲۰ دسمبر کو ہندوستان کا ساحل دکھلائی دینے لگا اور دو گھنٹہ بعد کھجوروں اور ناریل کے درخت بھی جو شہر بمبئی کے اطراف میں کثرت سے (۱) ہیں نظر آنے لگے۔ آخر چار بجکر ۳۰ منٹ پر بندرگاہ بمبئی میں جہاز جا کر کھڑا ہو گیا۔

جہاز کو از روئے حساب ۲۲ دسمبر کو بمبئی میں پہنچنا چاہیئے تھا جو دو روز پہلے آ گیا۔ اس لئے مسٹر فلیاس نے اپنی کتاب سیاحت میں ان دو دنوں کو اضافہ میں لکھ لیا۔

جزیرہ نمائے ہند شکل ایک مثلث کے ہے جسکا قاعدہ شمال کی طرف اور سر جنوب کی جانب ہے اور وسعت ایک ہزار چار سو میل ہے جس پر دو سو ملین انسان آباد ہیں۔

بعض مقامات پر مطلقاً انگریزی حکومت ہے کلکتہ میں ایک گورنر اور بمبئی مدراس بنگال میں ایک ایک کمشنر اور آگرہ میں ایک ڈپٹی کمشنر رہتا ہے۔ سات سو میل مربع زمین براہ راست قبضہ و تصرف میں ہے جسکی مردم شماری ایک سو ملین ہو گی۔ کل ہندوستان ابھی تک دولت برطانیہ کے سایہ میں نہیں آیا ہے۔ اندرون ہندوستان میں بعض بعض مقامات پر راجگان و نوابان کی حکومت ہے۔

۱۷۵۶ء سے جبکہ پہلے پہل انگریز ہندوستان میں داخل ہوئے ابتک اس وسیع ملک میں بہت کچھ تغیر ہو چکا ہے اور سلطنت برطانیہ کے اثرات ہر طرف پھیلتے جاتے ہیں۔

پہلے نقل و حرکت کے وسائل اور ذرائع سفر میں بہت فرق ہو گیا ہے بجائے بیل گاڑیوں اونٹوں کے قافلوں اور ہاتھیوں وغیرہ کے

---

(۱) یہ حالات ۱۸۷۲ء کے ہیں جب کہ اس فسانہ کا ہیرو مسٹر فلیاس ہندوستان میں وارد ہوا تھا۔

اب ہر طرف ریلوے لائن کے ذریعہ سے لوگ آتے جاتے ہین. مملکت ہند کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ریلوے کی مدد سے ملا دیا گیا ہو، اور اسطرح بمبئی سے کلکتہ تک بحر و زمین پہنچنا ممکن ہو گیا ہو بلکہ اگر بخط مستقیم یہ لائن بمبئی سے کلکتہ تک بچھائی جاتی تو اس سے بھی کم وقت مین یہ مسافت طے ہوا کرتی۔ مگر چونکہ الہ آباد کو ہو کر لائن گئی ہو اس لیے کسی قدر پھیر پڑجانے کی وجہ سے فاصلہ زیادہ ہو گیا ہو۔

منگولیا جہاز کے مسافر چار بجکر ۳۰ منٹ پر بمبئی مین داخل ہو گئے جبکہ کلکتہ جانے والی گاڑی کے چھوٹنے مین چار گھنٹہ کی دیر تھی مسٹر فلیاس نے جہاز سے اترتے ہی پاسپارٹو کو بازار سے بعض اشیا خرید لینے کا حکم دیا اور سخت تاکید کر دی کہ ۸ بجنے سے قبل ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جائے، اور خود نہایت تسلسل کے ساتھ اپنی گھڑی کی رفتار کے مطابق اسطرح قدم اٹھاتا ہوا کہ ہر آواز سیکنڈ (ٹک ٹک) پر پاؤن اٹھتا رہے دفتر خارجہ کی طرف اپنے پروانہ راہداری پر دستخط و مہر حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہو گیا۔

شہر کی بڑی بڑی عمارتین بندرگاہ میونسپلٹی آفس لائبریری قلعہ، جامع مسجد، منادر وغیرہ جو سیاحون کے لیے قابل دید چیزین ہین انکے دیکھنے کا فلیاس نے خیال بھی کیا اور سیدھا دفتر مین پہنچا۔ وہان پروانہ راہداری پر افسر متعلقہ کے دستخط اور مہر حاصل کی۔ پھر ریلوے اسٹیشن پر آ گیا اور ریفرشمنٹ روم مین جا کر کھانا کھانے لگا۔ اسی دوران مین کھانون کی فہرست پر مکرر نظر ڈال کر خرگوش ہنڈی کا سرخ کیا ہوا گوشت لانے کے لیئے ویٹر کو حکم دیا جسکی فوراً تعمیل کی گئی لیکن دو ایک لقمہ کھانے سے معلوم ہوا کہ خرگوش کا گوشت نہین ہو چنانچہ اس نے منیجر کو بلوا کر پوچھا:۔

"کیا یہ سرخ کیا ہوا گوشت خرگوش کا ہو"

منیجر:۔ جی ہان جناب ہندوستانی خرگوش کا۔

فلیاس:۔ کیا ذبح کے وقت اس خرگوش نے میاؤن نہین کیا تھا۔

منیجر:۔ نہین حضور والا۔ بھلا خرگوش کسطرح بلی کی آواز نکال سکتا ہو۔

فلیاس:۔ منیجر صاحب، زیادہ باتین نہ بنائیے پہلے زمانہ مین بلی کی عزت ہندوستان مین بہت کی جاتی تھی۔ کاش اب بھی ایسا ہی ہوتا تو سب کے لیے بہتر ہوتا۔ کیون جناب ٹھیک ہو نا؟

منیجر:۔ بلیون کے لیے البتہ اچھا تھا لیکن . . . . . . ـ

فلیاس:۔ نہ صرف بلیون کے لیے بلکہ مسافرون کے لیے بھی جو آپ کے یہان کھانا کھانے آتے بہتر تھا۔ کیونکہ اسوقت بجائے خرگوش کے بلی پکا کر آپ نہ کھلا سکتے۔

اتنا کہکر اپنے کھانے کی قیمت ادا کی اور باہر چلا آیا۔

سراغرسان فیکس جب جہاز سے اترا تھا اسی وقت بمبئی کی کوتوالی مین پہنچا اور اپنی ماموری و فلیاس مفرور کے تعاقب کا سبب بیان کر کے امداد چاہی لیکن وہان سے نفی مین جواب ملا۔ کیونکہ نہ تو ابھی تک لندن سے وارنٹ گرفتاری آیا تھا اور نہ بمبئی پولس نے محض ایک خفیہ پولس مین کے کہنے پر ایک معزز شخص کو مشتبہ قرار دیکر گرفتاری کی جسارت کرنا قرین قانون سمجھا۔ فی الواقع اس قسم کے افراط جو یا نہ قوانین (جن سے پبلک حقوق کی کافی حفاظت ہوتی ہو، اور کہین دیکھنے مین نہین آتے۔

فیکس بہت افسردہ ہو گیا اور اسکے لیے سوائے اسکے کوئی چارہ نہ رہا کہ وارنٹ گرفتاری کے آنے کا انتظار کرے اور اس وقت تک فلیاس کی نگرانی سے کسی وقت غافل نہو۔ مگر بمبئی مین فلیاس کے کیا تعلقات تھے، اس سے فیکس محض لاعلم تھا۔ پاسپارٹو نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ اسکا آقا بمبئی سے آگے ہرگز نہ جائے گا۔ کیونکہ خود پاسپارٹو کو یہ امید نہ تھی کہ درحقیقت مسٹر فلیاس زمین کے گرداگرد سیاحت کرے گا۔

جب پاسپارٹو اپنے آقا کے ساتھ جہاز سے اترا اور بعض اشیا خرید کر ریلوے اسٹیشن پر آجانے کا اسے حکم دیا گیا تب اس نے باور کیا کہ واقعی

مسٹر فلیاس بمبئی میں قیام نہیں کرے گا۔ اب اُسے بتدریج یقین ہونا شروع ہوا کہ سچ مچ ریفارم کلب میں جو شرط طوافِ زمین کے متعلق ہو چکی ہے اُسکی تعمیل ہو کر رہے گی۔ اور چونکہ وہ آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کے خیال سے فلیاس کے زمرۂ ملازمت میں داخل ہوا تھا اِسلیے خلافِ توقع گردش میں مبتلا ہو جانے سے ہزار ہا نفرین کرتا ہوا بازار میں پہنچا اور سامان مطلوبہ کی خریداری سے فارغ ہو کر شہر کی سیر کرنے لگا۔

اتفاق سے آج ہندوؤں کا ایک بہت بڑا تہوار تھا۔ جسکی وجہ سے بمبئی کے تمام ہندو زرق برق لباس پہنے بازاروں اور مندروں میں پھر رہے تھے۔ مسٹر پاسپارٹو نے کبھی ایسا منظر کاہیکو دیکھا تھا۔ وہ اِس دھوم دھڑکا اور لوگوں کے غول کے غول دیکھکر حیران رہ گیا۔ ہر بات اُسے عجیب و غریب معلوم ہوتی تھی۔ غرضکہ وہ یہ نیا تماشا دیکھتا ہوا ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ اثنا، راہ میں وہ ایک بہت بڑے مندر کے سامنے سے گذرا جسکی زیب و زینت اور شان و شوکت کو دیکھکر بیساختہ اندر کی سیر کرنے کو اس کا جی چاہا۔ لیکن بیچارہ ہندوستان کے رسم و رواج سے قطعی ناواقف تھا۔ اُسے ذرا بھی علم نہ تھا کہ اول تو بعض مندروں میں غیر مذاہب لوگوں کا داخل ہونا ہی سرے سے ممنوع ہے دوسرے جوتے پہنکر معابدین جانا تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ نیز حکومت کی طرف سے بھی حسیات مذہبی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ ایسے لوگوں کو جو اُس کی رعایا کے مذہبی رجحانات میں کوئی رکاوٹ پیدا کریں یا کسی قسم کا خفیف سا تعرض بھی عمل میں لائیں سخت سزا دیتی ہے۔

جس طرح یورپ کے عجائب خانوں میں لوگ داخل ہوتے ہیں پاسپارٹو مندر میں گھس گیا۔ اور ایک بہت بڑے بُت کے سامنے جاکر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ ابھی وہ اچھی طرح دیوی کی مورت پر نظر بھی نہ جما سکا تھا کہ دفعۃً چند برہمن اُسے آکر لپٹ گئے اور ایکدم سے زمین پر دے مارا اور قبل اِسکے کہ وہ سنبھلے نہایت تیزی کے ساتھ اُسکے بوٹ اُتار دیئے اور لات گھونسے سے درستی شروع کردی۔

پاسپارٹو بھی چونکہ تندرست و توانا شخص تھا کوشش کرکے کھڑا ہو گیا۔ پوجاریوں سے اپنے تئیں چھڑا کر دو ایک کو گھونسوں سے اور دو ایک کو ٹھوکر دن سے لڑھکا دیا اور بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ بجکر ۵ منٹ ہو چکے تھے اور ٹرین کے چھوٹنے میں صرف پانچ منٹ کی دیر تھی کہ پاسپارٹو ننگے سر ننگے پاؤں پھٹے کپڑے پہنے ریل پر پہنچا خرید شدہ سامان بھی گم کر دیا تھا۔

سراغرساں فیکس اسٹیشن پر فلیاس کے تعاقب میں موجود تھا جب اُس نے دیکھا کہ فلیاس روانہ ہو رہا ہے اُس نے بھی ٹکٹ خرید لیا اور ایک گوشہ میں ٹھہر کر گاڑی کی روانگی کا انتظار کرنے لگا۔ پاسپارٹو نے اُسے بالکل نہیں دیکھا۔ مگر فیکس نے اُس کی تمام سرگذشت جو وہ اپنے آقا سے مندر میں گذرنے کی بیان کر رہا تھا بخوبی سُن لی۔ مسٹر فلیاس نے فرسٹ کلاس میں کمپارٹمنٹ میں سوار ہوتے ہوئے سب کچھ سُن کر صرف اسقدر کہا: "امید ہے کہ آئندہ ایسی حالت میں مبتلا نہ ہو گے"

پاسپارٹو نے شرمندگی سے سر نیچے جھکا لیا اور ننگے سر ننگے پاؤں اپنے آقا کے پیچھے پیچھے گاڑی میں داخل ہو گیا۔ فیکس بھی سوار ہونا چاہتا تھا مگر معاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور سیکنڈ کلاس کے زینہ سے جس کا ٹکٹ اُس نے لیا تھا فوراً پاؤں ہٹا لیا۔ وہ قانون انگریزی سے ماہر تھا اور جانتا تھا کہ جو واقعہ پاسپارٹو کو پیش آیا ہے اسمیں کیا کچھ ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے اپنے دل میں کہا یہی مناسب ہے بمبئی میں ٹھہر جاؤں اور پاسپارٹو نے جو مذہبی تعرض کیا ہے اُسکے سلسلہ میں قانونی کارروائی کرکے آقا و ملازم دونوں کے ٹھہرانے اور گرفتار کرانیکی کوشش کروں بمبئی پولس کی طرف سے الہ آباد پولس کو تار دلادوں جسوقت ریل وہاں پہنچے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور کل کی گاڑی سے اُنکے پیچھے میں روانہ ہوں۔

اِس اثنا میں انجن نے سیٹی دی اور ٹرین روانہ ہو گئی۔ (باقی آیندہ)

ترجمہ رباعیات عمر خیام

گو گو ہر طاعتت نسفتم ہرگز گرد گنہ از چہرہ نرفتم ہرگز
نومید نیم ز بارگاہ کرمت زانرو کہ یکے را دو نگفتم ہرگز

موتی تری طاعت کا پرویا نہ کبھی چہرہ عرق شرم سے دھویا نہ کبھی
پھر بھی نہین مایوس کرم تجھسے کہ مین جز تیرے ہوا غیر کا جو یا نہ کبھی

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما کاے رند خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ ز مے زان پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

اک صبح صدا آئی یہ میخانے سے اے رند خرابات مرے دیوانے
اُٹھ جام بھر مے سے ابھی جانے آن پیمانۂ تن سے یہ جان چھلکے

این کوزہ چو من عاشق زارے بودست کاندر طلب روئے نگارے بودست
این دستہ کہ در گردن او مے بینی دستیست کہ در گردن یارے بودست

یہ کوزہ بھی مجھسا کوئی بسمل ہوگا یا اُس کا کوئی حور شمائل ہوگا
دستہ نہین کوزے کا یہ ہاتھ اسکا ہے جو گردنِ جانان مین حمائل ہوگا

چون عہد نمی کند کسے فردا را تو حالیا خوش کن دل شیدا را
می نوش بنور ماہ اے ماہ کہ ماہ بسیار بتابد و نیابد ما را

کل کا نہ بھروسہ جو تجھے اس دم کو تو آج ہی خوش کیجے دلِ پُر غم کو
مے پی لے شب ماہ مین اے ماہ کہ چاند ڈھونڈھیگا یہ پائیگا کہان پھر ہمکو

سید ابراہیم محب

کلام نادر

(منشی نادر علی خان صاحب نادر کاکوروی مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم)

دشمنی سے خوشی کا نہونا ہی اچھا یہان جان رو رو کے کھونا ہی اچھا
رُلانا ہی اچھا ہے رونا ہی اچھا

تماشے جہان کے کبھی کم نہون گے زمانہ رہے گا مگر ہم نہون گے
نہون ہم ہمارا نہونا ہی اچھا

ہے جب گریہ انجام یہ زندگانی حیاتِ دو روزہ پہ ہنستا ہے فانی
تو پھر ایسے ہنسنے سے رونا ہی اچھا

یہ فرشِ معطر ہے جب چار دن کا یہ مخمل کا بستر ہے جب چار دن کا
تو خاکِ لحد کا بچھونا ہی اچھا

بھری تلخیون سے ہے جب جان شیرین سم آلودہ ہے جب یہان نانِ شیرین
تو ہاتھ ایسے کھانے سے دھونا ہی اچھا

آفتاب

مظہرِ قدرت ہے تیری ذات اے مہرِ منیر مل نہین سکتی ہے عالم مین کہین تیری نظیر
ہے مدارِ کاروبارِ آدمی تیرا وجود تیرے باعث جملہ حیوانات کی بود و نمود
تیری ہی ریشہ دوانی سے شجر ہین گلفشان تو نہو تو پھر کہان کی یہ چمن آرائیان
تیرے عکسِ روئے روشن سے ہے سبزے کی لہک تیرے انفاسِ مسیحی سے ہے پھولونکی مہک
کوہ و صحرا و بیابان باغ و راغ و بحر و بر سب ہین تیری ہی طلعت کے تماشے جلوہ گر
تو نہین ہوتا تو پھر تاریک تھا سارا جہان نور سے تیرے منور ہین زمین و آسمان
ہے زمین کا دور قائم تیرے جذبِ زیر پر گھومتی رہتی ہے تیرے گرد یہ شام و سحر
ایک دم کے واسطے بھی ہو اگر تجھسے جدا ہے یقین ہو ویسے پلک جھپکاتے ہو جائے فنا
اک زمین ہی روئے روشن پر ترے قربان نہین
شش جہت مین کون ہے جو دیکھ کر حیران نہین
سبعہ سیارہ ترا دن رات کرتے ہین طواف کعبۂ مقصد ہے گویا اُنکا تو بے اختلاف
مرشدِ کامل ہے تو یا صوفیِ روشن ضمیر تجھسے کسبِ نورِ باطن کرتے ہین برنا و پیر
ایک حالت پہ ہے قائم اُس پہ ڈھلتا ہی نہین
ہم نے تجھسا تو کوئی مرتاض دیکھا ہی نہین
تاجِ زر سے تو ہے سلطانِ سریرِ آسمان ہے جلو مین تیرے سیارون کی فوجِ بیکران

بدر ہی تیری سپر تیغ ہلالی ماہ نو   کام برچھی کی انی کا دیتی ہی نونکی ضو

شعاعین ہوتے ہین جب تیرے سنان آہنین

لشکر تاریکئ شب کا پتہ ملتا نہین

شاہد وحدت نے تجھکو حسن لاثانی دیا   سارے عالم مین کہان ہی کوئی تجھسا دوسرا

وہ چمک وہ نور اور وہ چہرۂ روشن کی ضو   کیا کہوں شمع فلک ایسی کہان ہوتی ہی لو

آب گوہر مین نہ ایسی لعل مین تاب ہی   قدرت حق کی صنعت کا گوہر نایاب ہی

قرب ہو یا بُعد آتا ہی نظر یکسان جمال   یہ تو حسن دلربا یانہ کا تیرے ہی کمال

ہے یہ روشن تیرے پرتو سے فروغ ماہ ہی

گرچہ لاکھون میل کا دونون مین فرق راہ ہی

صبح کو تیرا نکلنا قابل نظارہ ہی   نور فشانی ہی تری یا نور کا فوارہ ہی

پھول سی نکہت سہانی اور شفق کی پھبن   کھلکے تازہ جیسے نکلا ہو کوئی گل پیرہن

ساتھ تارونکی تری کرنین دکھاتی ہین بہار   جسطرح اس حسن کی دیوی کے ساتھ ہون سنگار

تو بھی دلدادہ کسی کا ہی یا ہی حسن و جمال   بے سبب کیون شرم سے ہی ترا چہرہ لال

چاک جب تو نے کیا اپنا گریبان سحر   دم مین پھیلایا محبت نے تری برقی اثر

چہچہے کرنے لگے جنگل مین سب وحش و طیور   چھا گیا دشت و جبل مین بیسر و صدت کا نور

جسکی زنجیر محبت مین ہوا ہی تو اسیر

یہ ذبیح بینوا بھی ہی اُسی در کا فقیر

صبح

(سرور مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم)

اُٹھ! اے مری نازنین گلفام   گردون پہ لوا ہے زمزمہ ریز

اُٹھ! کہ سورج کے دیوتا نے   کی گھوڑون کو آسمان پہ مہمیز

کلیون نے سنہری آنکھین کھولین   پھولون پہ ہی نہرون کی روانی

خورشید سمند ناز لیکر   آیا لب جوئبار سے پانی

دلکش ہے ہر ایک شے کا اسلوب   اُٹھ! اے میری لعبت گل اندام

کھول آنکھ کہ نور کا ہی تڑکا   اُٹھ! اے مری نازنین گلفام

خواب مرگ

(بمعانئہ تصویر مندرجہ العصر اگست ۱۹۱۶ء)

مریض غم سر بستر ہی بیحس و بیہوش   لٹے ہوئے ہین زلف مسلسل کی نشتر بدوش

یہ جلوہ گاہ دو اسپین ہی آفت گوش   طبیب ہین سر بالین فسردہ و خاموش

مرقع ستم مرگ نوجوانی ہے

یہ داستان الم شرح بیزبانی ہے

ستم ہے جان پہ لے جان آفرین کیسا   کہ جان گداز ہی سوز دل حزین کیسا

یہ گرم گرم عرق ہی سر جبین کیسا   یہ سرد ہونے لگا جسم نازنین کیسا

وداع ہوش و خرد ہے کہ جان جاتی ہی

پیام خواب عدم ہی کہ نیند آتی ہی

وفور ضعف مین ہی اک خمار کا عالم   کہ ہاتھ پاؤن مین ہی انتشار کا عالم

بیان کیا ہو دل بیقرار کا عالم   دکھایا روح نے محمل سوار کا عالم

حباب آب کی صورت حیات انسان ہی

مقام عبرت و حسرت یہ بزم دوران ہی

گھڑی یہ بیکر خاکی سے ہی جدائی کی   کہ شان روح روان مین ہی کج ادائی کی

اُمید موج فنا سے ہی کب بھلائی کی   حباب وار نہین فرصت آشنائی کی

ہجوم یاس ہی سر مین غبار آنکھون مین

ہی رنگ گردش لیل و نہار آنکھون مین

حجاب چشم تماشا ہین اب نظر سے دور   فروغ دیدۂ بینا ہے جلوۂ مستور

جمال شاہد عصمت ہی رشک برق طور   علاج زخم جگر ہی یہ مرہم کافور

بوقت نزع سے تاثیر کیف مستی کی

اجل نے دی ہی یہ تعبیر خواب ہستی کی

قفس کو توڑ کے بلبل ہی مائل پرواز   چمن مین بادبہاری ہی گوش بر آواز

سنا رہی ہے خموشی مرگ پردہ ساز — دکھایا روح نے موج نسیم کا انداز
سمند عمر رواں ہے رفیق پیک اجل
خیال دوری منزل ہے آج طول امل

سواد شام الم اب نہیں ہے پیش نظر — کہ دیدہ ہے تجلائے صبح کا منظر
زمین سے تا بفلک نور ہے ضیا گستر — جہاں سے صورت شبنم ہے روح گرم سفر
سفیر گو کہ نہیں گل میں رنگ و بو باقی
فضا میں ہے صفت شبنم آبرو باقی
سفیر کاکوروی

تیز نگاہ

کیا اثر انگیز ہے دل سے حسرت تیر نگاہ — میں ازل ہی سے ترا محو و نور شوق ہوں
وہ خلش تیری دل پر آرزو میں آہ آہ — بیخود انہ چاشنی کا جسکی تھے ذوق ہوں

ہائے بیخود کر گئی کیا کیف مستانہ تری — دل کو بسمل کر گئے کیسے ترے ناز و ادا
دم محبت کا بھر کیوں نہ پیمانہ تری — تیرے ساغر سے چھلکتی کیا ہے صہبائے ولا

تیر سے وہ تیز نگ اور تیری وہ سحر انگیزیاں — وہ ترا اگہرا اثر اور وہ تری لوچ کشش
وہ تری شوخی شرارت اور وہ فتنہ خیزیاں — وہ تری دلکش لگاوٹ وہ تری چھبتی خلش

آہ اے تیر نگہ دل میں بٹھا لوں میں تجھے — حشر تک ہوتا رہوں تجھ سے حظ اندوز وفا
خاک ہو جاؤں نہ دل سے پر نکالوں میں تجھے — تیری لذت سے ہوں میں چاشنی گیر فنا

صید ہیں تیری محبت کے غزالان ختن — تیری ہر چٹکی جراحت کے لبوں پر ہنسی
تیری نوکیں دشنہ افگن کا و پیکان تن ہن — ہلکی ہلکی وہ خراشیں اور وہ چبھنے کی تیز تیز

فرد الفت سے ہے نرگس زوسب کیا مجید — ہر تری عشوہ گری میں ہے کیسا بانکپن
یہ جگر سے ربط ضبط اور دل کی یہ قطع و برید — ہائے بھاتا ہے مجھے سو جان سے یہ تیرا چلن

توہے حاکمی آرزو تو ہے تمنائے دلی — ذوق کاوش کا میں تیری ہائے آب ہوں
ہاں جراحت کی جگر کو بھی نہیں لذت ملی — شوق میں تیر نگہ ہاتھ سے بنا سیماب ہوں

جان شیریں قیس نے تیرے جنوں میں نذر کیا ہی — خسرو پرویز پیکان کا ترے بسمل نہ تھا
قلب میں لیلیٰ کے چھبتی تھی کیا تیری انی — بیستوں پر کوہکن کا کیا تو ہی قاتل نہ تھا

کس کمان ابرو کے چلے سے ترا تیر ناز نکلا — مردم فتان کی کس صف مژہ میں آ کے روش
سرمہ آگیں ہر نگہ غماز عین راز ہے — نشہ افزوں تر ہے ساقی جس قدر ہے نوش

نوک مژگان کی مجھے الماس پاشی دے مزا — رکھے صافی بشارت دن پھر چولہ
آنکھ وہ پیمانہ بدوش ادرچہرہ وہ خورشید سا — پھر وہ فردوس نگہ ہو دلربا اک شکل حور

پھر کسی کا طرز انداز نگہ گھائل کرے — پھر یہ سینہ ہو مرا آماجگاہ صد خدنگ
پھر کسی کی نیچی نظروں پر دل مائل رہے — پھر دل و جاں سے ہوں قربان نگاہ شوخ و شنگ

اک نگاہ سحر آگیں دز دیدہ پھر مجکو جلائے — پھر نظر کی وہ غلط اندازیاں ہوں نیشتر
لا اُبالی پھر نگاہ ناز جاناں مے پلائے — مستی پیمانۂ فتاں سے ہوں بیخود سر بسر

لا اُبالی (امروہوی)

چشم جاناں

اے فسونگر سحر آگیں نرگس جادو نظر — عربدہ جو جنگ آور شوخ و پرفن فتنہ گر
ہیں نشیلی انکھڑیوں میں تیری صہبا کا اثر — بچ نہیں سکتے ترے تیر نگہ سے دل جگر

ترچھی چتون سے جو دیکھا اک نئے انداز سے
دل ہوا بسمل تری تیغ نگاہ ناز سے

مائل جور و ستم بیداد گر بے دید آشنا — خوگر قہر و غضب اے دشمن مہر و فا
قاتل و سفاک ظالم شعبدہ گر پر دغا — ہر ادائے جانستاں تیری ہے پیغام قضا

کیا کہوں میں کیا ہے تاثیر فسوں سازی تری
عاشقوں کی جان لینے کو ہے غمازی تری

نرگس شہلا ہے یا چشم غزال دشت چین   شرمگین شوخ و پرفن ہے مگر سحر آفرین
عشوہ و انداز بھی ہیں دل نواز و دلنشین   بچ سکے تیغ نگہ سے دل یہ ممکن ہی نہیں

کوٹ کر تجھ میں بھری ہے حسن کی جلوہ گری
آشکارا ہے جہاں میں تیری شان دلبری

معدن شرم و حیا بھی مخزن عفت بھی ہے   موجب صبر و سکون بھی پردہ عصمت بھی ہے
باعث درد و الم بھی یا یہ راحت بھی ہے   یعنی تو لبریز جام بادہ الفت بھی ہے

آنکھیں گو پتھرا گئیں ہیں اشتیاق دید میں
ہے چراغ زندگی روشن اسی امید میں

تجھ سی عبرت کا سبق مجھکو پڑھائے چشم یار   منظر قدرت ہے تجھسے چار جانب آشکار
عارضی ہے گلشن ایجاد کی دلکش بہار   زندگی مثل حباب بحر ہے ناپائدار

دیکھنے کو قدرت حق چشم بینا چاہیے
اوج ہر دم شوق دید طور سینا چاہیے

اوج گیاوی

شب تنہائی

کس زبان سے شب تنہائی کا احوال کہوں   یہ تو کچھ حشر کے دن سے بھی بڑی ہوتی ہے
کسی کروٹ کسی پہلو نہیں آتا ہے قرار   دل میں اک پھانس سی کمبخت چبھی ہوتی ہے
تیرہ و تار نظر آتا ہے سارا عالم   دل سے اٹھتا ہے دھواں آگ لگی ہوتی ہے
دم گھٹا جاتا ہے اس تنگ مکان میں اے دل   ہاں تڑپ اور کہ تسکین ذری ہوتی ہے
یاس و امید کے جھگڑوں سے دم اکتا تا ہے   ہائے کیسی یہ مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے
جس طرف اپنی نظر جاتی ہے اس وحشت میں   سامنے چاند سی اک شکل کھڑی ہوتی ہے
نیند آتی ہے کسی طرح نہ ہوتی ہے سحر   چین آتا ہے نہ الجھن میں کمی ہوتی ہے

کان کھٹکے پہ لگے رہتے ہیں آنکھیں سوئے در
شاید آتا ہے وہی دل کو یہی ہوتی ہے

تعشق

تقریب آمد

(رشید احمد ارشد تھانوی)

خیر مقدم حضرت ارشد کا ہے   شکریہ اس الفت بیحد کا ہے
کھینچ لائی جو انھیں بھوپال سے   منتظر جس کا تھا میں دو سال سے
بارے آئے ماہ رمضان میں تشریف   یعنی لیکر آئے ہیں پیغام عید
مجھسے افسردہ طبیعت کے لئے   مبتلائے رنج فرقت کے لئے
باعث صد لطف آمد ان کی ہے   یہ عنایت مجھپہ بے حد ان کی ہے
گرچہ ہے مدت ٹھہرنے کی قلیل   "ڈیڑھ دن ٹھہریں گے" باصد قال و قیل
خیر ٹہر کے ملے ہیں وہ یہی مغتنم   جبکہ دو احباب مل بیٹھیں بہم
یہ بھی ہے اک اتفاق روزگار   مل گیا گھر بیٹھے یار غمگسار

ورنہ مظہر میں کہاں ارشد کہاں
بحر الفت میں یہ جذر و مد کہاں

مظہر تھانوی

لکھنؤ سے "ہمدم" نکلا۔ اور خوب نکلا۔ مہینے سوا مہینے ہی میں ایک خاص امتیازی حیثیت و خصوصیت اس کو حاصل ہوگئی ہے۔ نئی اور تازہ خبریں بہم پہنچانے میں بھی یہ مقامی انگریزی اخبار سے پیچھے نہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارے کرم دوست سید جالب صاحب دہلوی اسکو مفید و دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سید صاحب نہایت مشہور و ممتاز اخبار نویس ہیں۔ اور ملک میں کافی شہرت رکھتے ہیں بعض لیڈنگ آرٹیکل "ہمدم" میں بھی نہایت زوردار نکلے ہیں۔ جو آپ کی وسیع معلومات اور پختگی رائے کا بین ثبوت ہیں۔ تاہم ابھی بہت کچھ ترقی کی بھی گنجائش ہے۔ ہم اپنے ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ ضرور "ہمدم" کو ملاحظہ فرمائیں۔

قیمت سالانہ عہ ششماہی سہ سہ ماہی ۱۲ پتہ ۲۷ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ۔ (اڈیٹر)

جلد ۵ **العصر** اکتوبر — دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء نمبر ۴ — ۶

فہرست مضامین

تصاویر:— (۱) سلاطین شاہیہ بیجاپور (۲) فرمان اورنگ زیب بادشاہ (۳) فرمان عادلشاہی (۴) مولوی بشیرالدین احمد دہلوی (۵) پنڈت بشن نراین در مرحوم (۶) تاج محمد سرفراز حسین عزمی (۷) طغرا یا اللہ محمد علی (۸) طغرا سورہ قل اعوذ برب الناس (۹) کتبہ برج فتادریہ، رائچور (۱۰) کتبہ مقبرہ مرزا محمد امیر

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) اس کی سالانہ قیمت للعہ مع محصول عہ و ممالک غیر سے صہ مع محصول ہے۔ اس میں کمی ناممکن ہے۔

(۳) نمونہ کے لیے ۷ر آنا چاہیئے مفت نہیں ملے گا۔

(۴) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے مابعد کا حساب نہیں۔

(۵) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیے۔

(۶) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

(۷) ترسیل زر، درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔

(۸) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لئے کتابیں تبادلہ کے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کئے جائیں۔

(۹) العصر میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا۔ ناتمام مضامین بھی نہ لیے جائیں گے۔

(۱۰) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائیگا، مگر اسمین اونچی مضامین کی تخصیص ہے۔

آنریبل رائے بہادر منشی پراگ نرائن بھارگو کی بیوقت موت پر ہمیں بیحد افسوس ہے جو ۲۴ - دسمبر ۱۹۱۶ء کو کلکتہ میں واقع ہوئی۔ ہمیں اُنکے پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ مرحوم کے مفصل حالات و تصویر آیندہ نمبر میں درج کیے جائینگے۔

پیارے لال شاکر (ایڈیٹر)



سرزمین دکن سے مقبولیت کی آواز

جاپان کی نرالی ایجاد۔ بوڑھی دنیا کو جوانی کی یاد

جاپانی شباب کی طرف سے ہندوستانی بڑھاپے کو پیغامِ دعوت

بڑھاپے پر جوانی کی دہشت

صبح کا ستارہ

اقتباس چٹھی مورخہ غرہ مہر ۱۳۲۵ف ازجناب مولانا مولوی رکن الدین صاحب مدظلہ العالی
(۱۸۔ اگست ۱۹۱۶ء) رئیس سوکھا حوض۔ حیدرآباد دکن۔

مین نے آپ کی کمپنی کا خضاب؟ (صبح کا ستارہ) استعمال کیا سبحان اللہ خضاب مذکور بہت عمدہ اور آسان ہے۔ رنگ بھی بہت اچھا آتا ہے اور بال بھی نرم رہتے ہین اور اضافہ یہ کہ جلد پر دھبہ نہین پڑتا ہے جب سے آپکے خضاب کا استعمال کر رہا ہون دوسرے خضاب کا استعمال موقوف کر چکا ہون۔ (رکن الدین)



اب درد کی شکایت نہ کیجیے

فرمائیے آپ کو کیا تکلیف ہے؟

درد سر، وجع المفاصل، دردِ اعصاب، دردِ کمر، دانتون کا درد، حلق بیٹھ گئے ہین، درد، کھانسی، زکام وغیرہ شکایات

امرت انجن (رجسٹری شدہ)

کے استعمال سے بالکل رفع ہو جاتی ہین۔

آر ستار رنگا گولی اسکوئر، سب جج درجہ اول کرنول تحریر فرماتے ہین:۔ "مین نے بواسیر، درد سر، وجع المفاصل، کھانسی، زکام کے لیے امرت انجن کو بے حد مفید پایا۔" (مسٹر میکسول منیر تحریر فرماتے ہین:۔ "امرت انجن ہر قسم کے درد کے لیے بیحد نافع ہے۔")

ہر جگہ دوا فروشون کے یہان سے آٹھ آنہ مین ایک شیشی دستیاب ہو سکتی ہے۔

امرت انجن ڈپو

نمبر ۱۱۹ فریئر روڈ بمبئی ——— نمبر ۱۰ تھمبو چیٹی اسٹریٹ۔ مدراس



سلاطين عادل شاهيه بيجاپور

التماس

———:o:———

"العصر" کے اس نمبر کے ساتھ پانچویں جلد ختم ہوتی ہے' اور جن اصحاب کا حساب خریداری جنوری سے شروع ہوتا ہے اُن کا چندہ پورا ہو گیا—جنوری سنہ ۱۹۱۷ء سے نیا حساب شروع ہوگا—اسلئے التماس ہے کہ جملہ اصحاب ۱۵ جنوری تک اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں' ورنہ ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء کو نئے سال کا پہلا پرچہ بذریعہ قیمت طلب پیکٹ ارسال خدمت ہوگا—اگر کسی صاحب کو آئندہ خریداری جاری رکھنا منظور نہو تو براے مہربانی ۱۵ جنوری تک اپنے ارادہ سے مطلع فرمائیں تا کہ دفتر مزید نقصان اور وہ قیمت طلب پیکٹ کی واپسی کی زحمت سے بچیں—

آئندہ نمبر کے ساتھ جلد پنجم کی فہرست مضامین بھی روانہ ہوگی—

*　　　　*　　　　*

قدردانان "العصر" واقف ہوں کہ اس علمی و ادبی خدمت میں کسقدر مصارف' محنت اور دماغ سوزی سے کام لیا جاتاہے' مگر ہم اسپر قانع نہیں ہیں بلکہ مزید ترقی کیلئے سرگرم کوشش ہیں—نظر بریں ہمیں بار بار اپنے معزز معاونین سے توسیع اشاعت کی استدعا کرنی پڑتی ہے' جس کے متعلق ہمیں کسی قدر حق بھی حاصل ہے—ہم چاہتے ہیں کہ اس جانب کافی توجہ ہو اور ہماری دیرینہ خدمات کا صلہ صرف "العصر" کی بقاء و ترقی کی صورت میں عطا کیا جاے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب تمام حضرات اپنے علمدوست احباب سے خریداری کی سفارش فرمائیں—آپکی ادنیٰ کوشش سے اہم نتائج نکل سکتے ہیں—

*　　　　*　　　　*

"العصر" کو وقت پر لانے کے لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ موجودہ نمبر کے ساتھ یہ سال ختم کردیا جاے—اگرچہ اس نمبر کی ضخامت اس سے زیادہ ہونی چاہئے تھی مگر پھر وہی نقص رہا جاتا تھا—مجبوراً ڈیوڑھی ضخامت پر یہ نمبر شائع کیا جاتا ہے—آیندہ نمبرمیں لکھنؤ کی کانفرنسوں کا تذکرہ اور مختصر کوائف درج ہوں گے اور تصویریں بھی تعداد مقررہ سے کسی قدر زائد ہونگی—گویا اس نمبر کی تلافی جنوری کے پرچہ سے ہوجائیگی—ناظرین انتظار فرمائیں—آیندہ سال کے لئے رنگین

[illegible]

تصاویر کا بھی انتظام کیا گیا ہے' مگر "العصر" کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ التزاماً ہر ماہ رنگین تصویر شائع ہوسکے—اگر جملہ معاونین اس طرف توجہ فرمائیں تو یہ کمی جلد پوری ہوسکتی ہے—

* * *

ذیل کے علمدوست حضرات کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے گذشتہ ششماہی میں "العصر" کی توسیع اشاعت میں دلچسپی لی' اور اپنے احباب کو اسکی خریداری پر مائل کیا— آئندہ بھی ایسے علمدوست حضرات کا شکریہ ادا کیا جائیگا:—

۱—منشی محمد ذکیر صاحب "ذاکر" ۲—ڈاکٹر نورالحسن صاحب مقیم ھاپوڑ

۳—قاضی حمیدالدین صاحب "حمید" ۴—منشی عبدالخالق صاحب "خلیق"

۵—منشی سمت لال صاحب "عنبر" ۶—بابو بشمبھر داس صاحب' حیدر آباد (دکن)

* * *

ترسیل زر' درخواست خریداری' اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت منیجر صاحب رسالہ "العصر" نولکشور پریس' لکھنؤ' کے نام ہونا چاہیئے اور مضامین بغرض اندراج رسالہ' ریویو کے لئے کتابیں' تبادلہ کے اخبارات و رسائل میرے ذاتی نام پر ارسال کئے جائیں—

۲۷ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ع

الملتمس پیارے لال شاکر
مالک و ایڈیٹر رسالہ "العصر"—لکھنؤ

العصر

فلسفۂ تشکیکیہ

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ   عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

عالم میں ہزاروں چیزیں مرئی اور غیر مرئی، محسوس و غیر محسوس ہمارے سامنے ہیں لیکن اُن کی حقیقت و ماہیت ہم سے مخفی ہے۔ ہم تجربہ، اختبار، استقرا، اور دلائل سے اصلیت اور واقعیت کے چہرہ سے پردہ اُٹھانا چاہتے ہیں، اور آخر چند نتائج تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔

ہم میں بعض محتاط اِس بنا پر کہ اس سے پہلے بھی ہم سینکڑوں نتائج تک پہنچے، لیکن وہ واقعی نہ تھے، نیز ہمارے قوائے فکر و عمل اِس قدر کمزور ہیں کہ تحقیقِ واقعیت اور اثباتِ حقیقت کا بارِ گراں نہیں اُٹھا سکتے، اور حقائق و ماہیاتِ اشیائے عالم اس درجہ مخفی و تاریک ہیں کہ موجودہ آلاتِ فکر و نظر اُس کو روشن نہیں کر سکتے، ہمارے ہر نتیجہ کو حقیقت سے عاری اور واقعیت سے معطل قرار دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی وہ خود اِس کے انکار کی جرأت کرتے ہیں کہ عالم میں کوئی حقیقت ہے، اُن کی نظر میں ہر شے تخیل اور دماغ کا اختراع ہے۔

دوسرا گروہ اُس کے بالمقابل ہے جو مدعیانہ کہتا ہے کہ عالم حقائق سے مملو ہے، ہمارے تجارب و اختبارات و دلائل صحیح اور ہمارے نتائج و استنباطات قطعی ہیں۔ اشیا حقائقِ واقعیہ ہیں، اور برہان و تجربہ نے جن نتائج تک پہنچایا ہے، وہ اس وقت تک یقینی ہیں جب تک اُن کے خلاف کوئی دلیل صحیح نہ ہو۔

ایک معتدل گروہ آگے بڑھتا ہے اور فریقِ اول کو مخاطب کرتا ہے: دوستو! جب تم آلاتِ فکر کو ناکافی، دلائل کو غیر موصل الی المطلوب اور عالم کو حقائق سے عاری تعین کرتے ہو، تو تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم کسی شے میں کوئی حقیقت نہیں پاتے؟ کیا ابھی تم نے جن خیالات کو ظاہر کیا کہ: ہمارے آلاتِ عمل و فکر ناکافی ہیں، دلائل غیر موصل الی المطلوب ہیں، اور عالم حقائق سے عاری ہے، کیا تم خود اُن کی صحت کا یقین کر کے اِن اصول کی حقیقت کے قائل نہیں ہو گئے؟ اور اگر اُن کو بھی تم حقیقت نہیں کہتے تو یہ تو نہ کہو کہ ہمارے دلائل ناکافی ہیں، آلاتِ عمل ناقص ہیں، عالم سراسر نقشِ تخیل ہے

پھر یہ گروہ دوسرے فریق کی طرف مخاطب ہوتا ہو: دوستو! یاد ہوگا کہ تم نے اپنی گفتگو مین کہا ہو کہ ہمکو دلائل و تجارب نے جن نتائج و استنباطات تک پہنچایا ہو وہ اُس وقت تک یقینی ہین جب تک اُنکے خلاف کوئی دلیل صحیح قائم نہو۔ ان فقرون سے ظاہر ہو کہ تم اپنے موجودہ دلائل و نتائج کو یقینی اور غیر ممکن الخطا نہین سمجھتے ہو پھر کیا یہ ممکن نہین کہ جن معلومات و تخیلات کی صحت کی بنا پر ان دلائل و نتائج کو تم یقینی سمجھتے ہو وہ صحیح نہون اور تم قلت معلومات یا نقص آلات نظر یا خطاے طرق فکر کی بنا پر غلطی سے صحیح یقین کر بیٹھے ہو اور مسائل متعلقہ مین تم کو اپنی یہ غلطی روزانہ نظر آتی ہو پھر کوئی سبب معقول نہین ہو کہ تم اپنے موجودہ حقائق و نتائج کو اگر غلط نہ یقین کرو تو صحیح بھی یقین نہ کرو۔

یہ تین فرقے فلسفہ کے تین اسکول یا تین اصول ہین:-

اول توہمیہ - یا سوفسطائیہ:- جو عالم مین حقیقت کا قائل نہین۔ یعنی نفی حقیقت کرتا ہو۔

دوم - ایقانیہ:- جو عالم مین حقائق کا قائل اور اُن کے علم و معرفت کا مدعی ہو یعنی اثبات حقیقت کرتا ہو۔

سوم تشکیلیہ یا لا ادریہ: جو ان دونون کے وسط مین ہو نہ وہ توہمیہ کی طرح نفی حقیقت کرتا ہو اور نہ ایقانیہ کی طرح اثبات حقیقت بلکہ وہ نفی و اثبات دونون مین متردد ہے۔ واقعات دلائل اور نتائج سب اُسکے سامنے ہین لیکن اُن مین سے نہ وہ کسی کی صحت کا مدعی ہو اور نہ کسی کی خطا کا - وہ کہتا ہو کہ ممکن ہو کہ یہ صحیح ہو اور ممکن ہو کہ صحیح نہ بھی ہو۔

فرقہ تشکیلیہ جسکو عربی مین عموماً "لا ادریہ" کہتے ہین اور جو لفظی ترجمہ ہو Agnostic کا مسیح سے تقریباً چار سو برس قبل اس کی بنیاد یونان مین پڑی تھی۔ اس مذہب کا موسس اول یونانی فلاسفر "پیرون" ہو جو ۳۶۵ (قبل مسیح) مین پیدا ہوا تھا۔ سکندر کے حملۂ مشرق مین یہ شریک تھا اس لیے اکثر مورخین کا یہ بیان ہو کہ پیرون نے ایران و ہندوستان کے فلسفہ کو بھی ان ممالک کے علما سے حاصل کیا تھا۔

پیرون کے فلسفہ کا سنگ بنیاد جس کی طرف اوپر کی سطرون مین بھی اشارہ ہو چکا یہ ہو: کہ انسان جب عدم سے وجود مین آتا ہے اُسکے چارون طرف سینکڑون چیزون کا وجود ہوتا ہو۔ اب اسکے لیے دو راہین ہین۔ ایک تو یہ ہو کہ جو وہ سمجھتا ہو اُس کو وہ حقیقت غیر قابل نقض سمجھ لے یا ہر چیز کا انکار کر دے کہ وہ حقیقت سے معرّیٰ ہین اور یہ دونون افراط و تفریط سے خالی نہین اس لیے اب انسان کے سامنے صرف تیسری راہ ہو کہ کسی شے پر کوئی حکم نہ کیا جائے۔

حقیقی لا ادری اس سنگ بنیاد کو حقیقت نہین سمجھتا۔ کیونکہ یہ بھی حکم علی الشی ہو اور وہ نہین جانتا کہ یہ صحیح ہو یا نہین۔ اکثر اشخاص بظاہر حال اس نظریہ کو سُن کر ہنس دین گے لیکن حقیقت مین یہ کوئی ہنسنے کی شے نہین ہو بلکہ ایک دقیق امر ہو۔ بعض لوگ نافہمی سے اعتراض کرتے ہین کہ دنیا مین سینکڑون چیزین ہین جن کا علم ہم کو نہایت آسانی سے حاصل ہو سکتا ہو۔ مثلاً حرارت نار، برودت آب، صلابت سنگ نرمی حریر۔ ہاتھ سے چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر، زبان سے چکھ کر اور کان سے سن کر تم یہی شے پر قطعۃً اور بداہتہً مختلف حکم کرتے ہو اور کبھی تم کو شک نہین ہوتا، پھر کیونکر کہتے ہو کہ ہم کسی شے پر حکم نہین کرتے۔

لیکن اس قسم کے اعتراضات حواس و آلات فکر کے طرق علم و معرفت سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوتے ہین۔ اولاً یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے تمام دلائل و براہین کا مبنیٰ کیا ہو؟ صرف دو چیزین، استعمال حواس اور استقرا، لیکن ان مین سے کون سی چیز ہو جو خطا سے معصوم ہو؟

حواس علی الاکمل پانچ ہین:- باصرہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ، شامہ

باصرہ سے ہم صرف نور اور لون کا احساس کرتے ہین، سامعہ آواز

کو دریافت کرتی ہی، ذائقہ لذت کو، لامسہ سختی و نرمی کو، اور شامہ بُو کو۔ اب جو تم کسی چیز کو دیکھتے ہو تو کہتے ہو کہ یہ پتھر ہے لیکن تم نے کیونکر جانا کہ پتھر ہی؟ آنکھ تمکو صرف اُس کا سیاہ یا سپید رنگ بتاتی ہی، اور قوت لامسہ صرف اُس کی سختی کو محسوس کرتی ہی لیکن کیا پتھر ہونے کے ثبوت کیلئے صرف یہی مقدمات کافی ہین کہ یہ شے سیاہ اور سخت ہی اور جو شے سیاہ اور سخت ہو وہ پتھر ہی، اِس لئے یہ پتھر ہی؟ کیا یہ ممکن نہین کہ ایک لوہے کے ٹھوس جسم پر یا ایک منجمد مادہ پر سیاہ رنگ چڑھا دیا جائے؟ تمکو خود اِس قسم کی غلطیان ہمیشہ پیش آتی ہین۔

ثانیاً: تمکو حواس کی غلطی سے بھی انکار نہو گا، جب تم کسی سریع الحرکۃ شے پر سوار ہوتے ہو تو تمھاری سریع الحرکۃ سواری ساکن اور ساکن زمین متحرک نظر آتی ہی، کبھی کبھی تم کو چاند متحرک نظر آتا ہی حالانکہ اُس کے نیچے ابر حرکت کر رہا ہی، اور اِس قسم کی بیسیون مثالین تم خود پیش کرتے ہو، پھر کوئی وجہ نہین کہ اور دوسرے امور مین جن مشاہدات و تجارب پر تم اپنے اصول و نتائج کی بنیاد قائم کرتے ہو، وہ حواس کی غلطی سے محفوظ ہون۔

ثالثاً: حواس سے تم ایک شے کا مشاہدہ کرتے ہو، اُس پر ایک حکم قائم کرتے ہو، اور اِس کو تم مبنی علی المشاہدہ اور مبنی علی البداہتہ سمجھتے ہو، حالانکہ تمھین خبر نہین کہ جلدی مین غیر مشاہد راستون کو بھی طے کر گئے ہو۔ جب تم نے ایک سیاہ شے کو دیکھ کر کہا کہ پتھر ہی تو تم نے فرض کر لیا ہی کہ ہماری نظر ہم کو دھوکا نہین دے رہی ہی، معلومات سابقہ کی بنا پر نیز چھونے سے تم نے سختی بھی محسوس کی، اسکے بعد تم نے یہ فرض کیا ہی کہ یہ صفات جس مین ہون وہ پتھر ہی، لیکن ان مین سے ہر ایک محتاج دلیل ہی۔

فرقۂ تشکیکیہ، ایقانیہ کے مقابلہ مین حسب ذیل دس اصول قائم کرتا ہی:

(۱) مقدار عمر، ترکیب جسم، قوت حواس اور درجۂ احساس مین تمام انسان مختلف ہین، اور اِس لیے ایک ہی شے مین مختلف اشخاص کو جو مقدار عمر، ترکیب جسم، قوت احساس اور درجۂ احساس مین مختلف ہین، مختلف حیثیات اور خصائص نظر آتے ہین۔

(۲) اخلاقی اور تشریحی حیثیت سے افراد انسان مختلف ہین، اسلیے مختلف امور کے متعلق ان کے احساسات بھی مختلف ہونگے۔

(۳) ایک ہی انسان مین متعدد اعضائے حساسہ ہین، اس کا یہ نتیجہ ہی کہ ہر عضو ایک خاص کیفیت و مقدار وغیرہ کو محسوس کرتا ہی، اِس سبب سے یہ کیونکر کہا جا سکتا ہی کہ جو خصوصیت و خاصیت تم کو نظر آ رہی ہی وہ خود اُس شے مین موجود ہی یا محض اعضائے حساسہ مین ہی؟

(۴) ایک ہی انسان ایک ہی شے کو خواب، بیداری، صحت اور مرض، پیری اور ضعف کی مختلف حالتون مین مختلف طور سے محسوس کرتا ہی، پھر کس طرح یقین کیا جائے کہ تم جو ایک خاص حالت مین ایک شے محسوس کرتے ہو، اور پھر دوسری حالت مین اُس کو ایک اور شے محسوس کرتے ہو، کیونکر کہا جائے کہ ان مختلف حالات کے احساس مین کون سا احساس صحیح ہی؟

(۵) کسی شے پر کوئی حکم عموماً اسکے صفات و خصائص ظاہری پر موقوف ہوتا ہی، اور صفات و خصائص کا یہ حال ہی کہ قلت و کثرت اور زیادت و نقص کی حالت مین بالکل بدل جاتے ہین۔ اب جب تم ایک مقدار مخصوص کو مشاہدہ کر کے اُس پر کوئی خاص حکم قائم کرتے ہو تو کیا یہ غیر ممکن ہی کہ اُس کی کم و بیش مقدار مین وہ صفات و خصائص بدل جائین؟

(۶) کسی شے کے متعلق جب کوئی حکم کوئی انسان کرتا ہی تو یہ حکم صرف مشاہدہ پر مبنی نہین ہوتا، بلکہ اُس مین اُس کی تربیت خاص، عقائد خاص، پابندی بعض قوانین خاص اور سوسائٹی کے مخفی اثرات کا بہت کچھ حصہ شامل ہوتا ہی، یہی وجوہ ہین کہ مختلف التربیۃ، مختلف العقائد مختلف الاقالیم اشخاص مسائل کثیرہ مین ہمیشہ مختلف الآرا رہتے ہین۔

(۷) اشیائے عالم باہم اس قدر مختلط ہین کہ ایک دوسرے

علیحدہ نہیں ہو سکتیں، اس لیے یہ کیونکر ممکن ہو کہ جس شے پر تم کوئی حکم کرتے ہو وہ مستقلاً بھی اُس شے کے لیے صحیح ہو؟ تم اشیا کے خصائص بتاتے ہو لیکن کیا اُس میں مواد مختلطہ کے خصائص شامل نہیں؟ جب تم آنکھ سے ایک رنگ دیکھتے ہو تو کیا اُس میں اخلاطِ چشم کے خصائص داخل نہیں ہیں؟

(۸) ایک ہی شے بتفاوت قرب و بعد مختلف جوانب و سمت و دیت مختلف اسباب رویت کی بنا پر مختلف نتائج پیدا کرتی ہے پھر ایک خاص مقدارِ قرب و بعد ایک خاص سمت رویت بعض خاص اسباب رویت میں جو چیز نظر آتی ہے بالکل ممکن ہے کہ دوسری حالتوں میں وہی شے اور کیفیات میں نظر آئے پھر اُن میں سے کون حقیقی ہے؟

(۹) قلت و کثرت التفات و توجہ مختلف نتائج ظاہر کرتی ہے پھر جس مقدارِ توجہ و فکر سے تم ایک حالت کا اندازہ کر رہے ہو اُس سے کم یا زیادہ توجہ و فکر کی حالت میں دوسری حالتیں پیدا ہوتی ہیں، کون صحیح ہیں۔

(۹) ہم جب کسی چیز پر کسی قسم کا حکم کرتے ہیں تو عموماً ہمارے حواس نامعلوم قیود اور بندشوں میں گرفتار ہوتے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ جب ہم اُن سے آزاد ہوتے تو ہم کیا حکم کرتے؟

اِن اصول عشرہ کے علاوہ فرقۂ تشکیکیہ کے اور بعض اہم اصول بھی ہیں جن کی تفصیل دقت طلب ہے۔

فلسفۂ تشکیکیہ کا سنگِ بنیاد جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے مسیح سے ۳۰۰ برس قبل رکھا گیا تھا، اسکے بعد ہمیشہ اسکے اعوان و اتباع ہر عصر میں موجود رہتے ہیں فلاسفہ یورپ میں بھی اس خیال کی کمی نہیں مشہور فیلسوف ہکسلے و اسپنسر اسی فلسفہ کے مرید تھے، حقیقت یہ ہے کہ ایک فلسفی اسرار عالم کو جس حد تک کھولتا ہے اُسکے سامنے پھر گرہیں نظر آتی ہیں، اُن کو کھولتا ہے تو کچھ اور عقدے جا بجا پیدا ہو جاتے ہیں ۔ع

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود

گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

وَمَا اُوتِیتُم مِنَ العِلمِ اِلَّا قَلِیلاً، جب انسان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ محسوسات میں بھی اُسکو مشکل سے تیقن و عدم تیقن کے فیصلہ کرنے میں کامیابی ہوتی ہے تو جو امور ماورائے احساس و مافوق الطبیعۃ ہیں اُنکی نسبت کیونکر فیصلہ ہو گیا کہ باطل محض اور حدیث خرافہ ہیں، افی اللہ شک؟ فاطر الارض والسماء!

ابو الکلام آزاد (دہلوی)

قطعات

وائے غفلت! ہائے نادانی کہ سمجھے بعد مرگ　روح کی دولت ہماری کھو گئی پائی ہوئی
فائدہ کیا ہے کفِ افسوس اب ملنے سے مہر　اُڑ گئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں آئی ہوئی

شوق کا حکم ہے مشقِ بتِ گلفام کرو　آبرو کہتی ہے اندیشۂ انجام کرو
وقت کا مہر تقاضا ہے نہ سوؤ غافل　موت دھمکاتی ہے چلنے کا سر انجام کرو

مہر بھرتوی

فنِ تقریر

مدرسۂ علم آلٰہی بریلی کے کتب خانہ مین ایک رسالہ موسومہ "فنِ تقریر" کمترین کی نظر سے گزرا۔ اُردو مین اس فن کی کتابین بہت کم ہین بکار آمد سمجھکر راقم الحروف نے رسالۂ مذکورہ کے ہر باب سے خاص خاص مقالات اخذ کرلیے تھے جو باب فائدہ اور دلچسپی کی نظر سے ناظرین العصر کے پیش کش کیے جاتے ہین۔ عبارت مین زیادہ تصرف نہین کیا گیا البتہ کہین کہین تغیر بالارادت یا ایراد بالمتقارب سے کام لیا گیا ہے اور جو لغات انگریزی غیر مستعمل اُردو پائے گئے اُن کا بھی ترجمہ کردیا گیا ہے۔

۱

زمانۂ حال اور ماضی کی خوش بیانی کا مقابلہ

خوش بیانی آج وہ نہین جو کل تھی۔ یورپ کے ابتدائی زمانۂ تہذیب مین اسے بطور ایک فن کے تحصیل کرتے تھے۔ جمہوری ضروریات کے لحاظ سے متقدمین کی علمی استعداد حوالۂ زبان رہتی تھی۔ عام میلون ٹھیلون ہی دعوتون اور عبادت خانون مین شعراے شیرین مقال اپنے دلآویز قصیدون پُرجوش جنگنامون محرک مناجاتون سے غضب ڈھاتے تھے۔ مؤرخین تک قومی میلون کی تقریب مین جمع ہوکر وہ داد فصاحت دیتے تھے کہ یونانیون کے دقیقہ شناس گروہ وجد مین آکر بار بار تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس خوش بیانی نے تماشاگاہون کو زینت بخشی قصص منظومہ اور خشک شاعری نے دلچسپ کلام کے لیے پہلو خالی کیا۔ اس مجمع نے فصاحت خوش بیانی کے لباس مین اپنے فرائض کو اس طور پر انجام دیا کہ متاخرین آج تک دنگ ہین۔ زمانۂ سلف مین سادہ بیان فلاسفہ تک اپنے خیالات کو یون ترتیب دینے لگے کہ وہ تقریر عام کا مضمون بن سکین۔ یہی وجہ ہے کہ فصاحت خیالات کا معمولی لباس بن گئی۔ تحریک و ترغیب کے حوصلہ اور سچے جوش سے مقررین کی تقریر دمبدم تازہ اور موثر ہوتی ہوئی نظر آتی تھی۔ مجمع عام کے سامنے سراپا تقریر نظر آنا فصحاے سابقین کا طریقہ تھا۔ اُس زمانہ مین خوش بیانی کی منزلت یہانتک حدِ اعتدال سے متجاوز ہوئی کہ لوگ اُسے بجاے ایک ذریعے کے علت غائی سمجھنے لگے

رومیون کی فصاحت بھی اُسی وقت تک قابل قدر تھی جب تک اُس مین بناوٹ کو دخل نہ تھا۔ صداقت خیال کی جان ہے خیال باطل محض بیہودگی ہے۔ زمانۂ گذشتہ کی فصاحت اگر کامیاب ہوتی تھی تو زیادہ تر لفاظی اور لسانی ہی سے ہوتی تھی۔ زمانۂ حال کی خوش بیانی اس سے متفاوت ہے۔ مؤخرین نے جہان دیگر علوم کو مجلّی کردیا ہے وہان فصاحت کو بھی مُدلّل اور موزون بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ چھاپے کے ایجاد نے اس لاجواب طاقت کو کسی قدر پست کردیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے انسان ایک گوشہ مین دبکے دبکائے اپنے خیالات کی اشاعت کرسکتا ہے۔ تحریرین تو بہتیری پُرمغز دیکھنے مین آتی ہین مگر کسی مجمع مین اسی قسم کی جادوبیانی اور دُرفشانی کالے دارد۔ جو چیز سلف مین فصاحت کہلاتی تھی اب یا وہ کوئی سے موسوم ہوگئی۔ ہمین اپنی ضروریات کو خیال مین لاکر اپنی فصاحت کو میزان مین تولنا چاہیے۔ کجا وہ فصاحت جسے خیال پُرجوش کہین تو بجا ہے، کجا آج کل کی فصاحت جسے جوشِ پُرخیال کہنا بالکل روا۔ فصاحتِ قدیم کا مدعا ترغیب تھا، حال کی فصاحت کا مقصد ترغیب کے علاوہ یقین دلانا بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج کل کے مقررین کے لیے تعلقات کاروبار فنونِ مختلفہ اور آداب و قواعد مین بھی بہت کچھ درک ہونا ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ اس زمانہ مین فصاحت کے ساتھ قوتِ مدرکہ کی صفائی از بس ناگزیر ہے۔ زمانۂ سابق مین نیک مفید ملکی اور سچی باتون کی ترویج پر زور رہتا تھا۔ آجکل انصاف صداقت ترقی اور شرافت کا قائم رکھنا،

مدنظر ہو۔ لہٰذا مقرر کے لیے معاملہ فہمی اور دقیقہ رسی میں احتیاط رکھنا لازمات سے ہے۔

۳

مقرر کے اوصاف

تأثر: جس شخص کی طبیعت میں اثر پذیری کا مادہ موجود ہو یعنی جو خارجی واقعات یا اندرونی خیالات سے متاثر ہونے کی طرف مائل بالطبع ہو اُسے معاً گفتگو کرنا ایک آسان بات ہے۔ ہر شخص پر واقعات کا اثر یکسان نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ تقریر کرنے والون کی طرز جدا جدا ہوتی ہین۔ جو شخص مختلف خیالات کی مُشابہت اختلافات اور تعلقات کو خوب محسوس کر سکتا ہے وہ اُنھیں بآسانی و بسرعت بیان بھی کر سکتا ہے؛ اِس قسم کا آدمی عمدہ مدرس بنے گا۔ جو شخص امور متعلقہ خیالات و جذبات انسانی مین زیادہ دخیل ہے اُس کی تقریر اعصاب قلبی کو متحرک کر دے گی؛ یہ شخص بجاے مدرس کے عمدہ مُقرر بن سکتا ہے لیکن جس آدمی کو صرف ذہنی کا ملکہ حاصل ہے وہ ایک خاص قسم کا مقرر ہے۔ جو نثر بیانی مین نظم کی بندش تک پہنچ جاتا ہے اُسکے الفاظ اکثر سامعین کے تصوّرات سے مخاطب ہوتے ہین، اِسی لیے اُس کا کم اثر ہوتا ہے۔ قوتِ تأثر مثل دیگر طبعی طاقتون کے محنت اور کوشش سے مضبوط ہوتی ہے پس جس شخص کو مقرر بننے کا شوق ہو اُسے لازم ہے کہ اس طبعی آلہ کو نظرانداز نہ کرے۔ غور اور فکر سے اِس طاقت کی پرورش ہوتی ہے۔ ہمارے نوجوانون کو چاہیئے کہ دنیوی اشیاء اور اُن کے تعلقات پر بنظر تعمق غور کرنے کی خو ڈالین تاکہ جب سامعین کی کثرت سے اُنھیں بولتے بولتے رکاوٹ معلوم ہو تو یہ باطنی کیفیت خواہ مخواہ اُنھیں بولنے پر مجبور کرے۔ یہ طاقت ایک چابی ہے جو گھڑی کی طرح مقرر کو کچھ عرصے تک بولنے کے لیئے تیار کر دیتی ہے۔

ذکاوت: ضرور ہے کہ ظاہر ہونے کے قبل محسوسات خیالات اور تصوّرات کی صلوت اختیار کرین۔ جو باطنی قوت اندر ہی اندر اس اُدھیڑبن مین مصروف رہتی ہے اُسے ذکاوت کہتے ہین۔ اس سے فقط یہی مدد نہین ملتی کہ انسان اپنی تقریر پر ہر وقت غور کر سکے بلکہ عین جس وقت مقرر ہمہ تن وقف گویائی ہے نئے مضامین کا نقشہ باندھنے اور اپنے ذخیرہ مین اُسے مناسب موقع کے لیئے قائم رکھنے مین فقط یہی طاقت ہے جس سے کام نکلتا ہے۔ جس مضمون پر غور کرنے مین ذکاوت زیادہ تر صرف ہوگی اُسی کے بیان مین کامیابی حاصل ہونا زیادہ تر یقینی ہے۔ ہر چیز کی ماہیت پر بحث کرنے اور علم ریاضی کے مُسلّمہ اثبات کو ہمیشہ مدنظر رکھنے سے انسان بہت جلد ذکی الطبع ہو جاتا ہے۔

تمیز: جب پُرجوش تقریر کی گرم روی مین انسان اپنے آپے مین نہین رہتا تو یہ طاقت چُپکے چُپکے کان مین منتر پھونکا کرتی ہے کہ کِن خیالات کا اخفا یا افشا مناسبِ حال ہے۔ سامعین کو محظوظ یا برہم کرنا اُس رہنما کی طاقت پر موقوف ہے۔ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند"

شوقِ صادق: بعض اوقات اِس وصف کے اظہارِ محض سے وہ کامیابی حاصل ہوتی ہے کہ دلائل سے نہین ہوتی کیونکہ عموماً سامعین کا جوش اُن کے فہم و فراست پر غالب آ جاتا ہے لیکن جب تک مقرر خود اپنے خیالات کے اثر کو محسوس نہین کرے گا اُس وقت تک سامعین بالکل کورے رہین گے۔

محرک کو پہلے متحرک ہونا چاہیئے ؎

تقریر بنے جاتے ہو تم سر سے قدم تک   اب مین ہمہ تن گوش ہون یا ہمہ تن چشم

اگر انسان اپنے فرائض و واجبات کو خوب سمجھ لے تو خود بخود اُسمین یہ وصف نمودار ہو جاتا ہے۔

متخیلہ: اگر مقرر نے اِس قوت کی اصلاح کو ملحوظ نہ رکھا تو گویا اُس نے اپنے سرمایہ کو معرضِ خطر مین ڈال دیا ہے۔ اگر کوئی سلسلہ وار تقریر سُننے مین آئے تو جان لو کہ یہ طاقت اپنے کرتب دکھا رہی ہے۔ ایک انسان باختہ مقرر کی شان مین کسی نے کہا تھا کہ ع یہ کیا بے خبر مبتدا ہو گیا ++ اثنائے گفتگو مین بھی اگر کچھ سوجھ پڑے تو اُس قوت کے ذریعہ سے مناسب موقع پر ظاہر ہو سکتا ہے۔

صفراویت دموی یا بلغمی طبیعت کے لوگ بالعموم مقرر نہین ہوتے صفراوی مزاج والون کو اس طرف طبعی رجحان ہوتا ہے۔ علاوہ برین جو استقلال اور جرأت ان مین ہوتی ہے وہ لحیم و شحیم بندگانِ خدا کو حاصل نہین - ڈاکٹرون کی راے ہے کہ صفراوی مزاج آدمی اپنے برتے سے ٹھیکر کام کرنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اور سچ پوچھو تو اُس کے لیے
ع مشکلے نیست کہ آسان نشود۔

عزم بالجزم | ذرا تامل و بزدلی کی تواضع ہوئی جرأت غائب ارادہ رفو چکر۔ موازنہ و اظہار خیالات کے لیے دلیری درکار ہے خاصکر بے تامل تقریر کرنے مین تو ہمت ہی ایک سہارا ہے ممکن ہے کہ دقت پر الفاظ یاد نہ آئین، تجاویز خبط ہو جائین، تخیلہ کام نہ دے اور ہچک ہچک کر خاموش ہونا پڑے، لیکن جب ارادہ مضبوط ہے تو لرزش زبان اور لغزش تقریر یعنی چہ مقرر کی شائستگی اور صداقت (مع استقلال) کامیابی کی ضامن ہین۔ خود ستائی کی عادت سے ہمیشہ محترز رہنا چاہیے کیونکہ اس بیہودگی سے سامعین نفور ہو جاتے ہین۔

ہمدردی یا بہی خواہی | یعنی جب کسی شخص کے دل مین کوئی عمدہ بات یا صداقت ظہور پذیر ہو تو اُس کی نیک نیتی اُسے مجبور کرے کہ وہ اُسکے اظہار سے اپنے ابنائے جنس کو فائدہ پہنچائے۔ عالم شباب مین بلند نظری اور طلب شہرت کے اقتضا سے یہ طاقت کھل کھیلتی ہے۔ تنہائی پسند آدمی کیا تقریر کرے گا۔ اُسکے لیے زندہ دلی لازمات سے ہے مگر یہ طاقت بھی قاعدہ افراط و تفریط کی پابند ہے۔ اس کو تخیلہ کے زیر حفاظت رکھنا چاہیے۔

طلاقت | بولنے کا مادہ در اصل طبعی ہوتا ہے تعلیم و تربیت سے اُسکی تہذیب و تکمیل ہو جاتی ہے۔ صرف و نحو سے علم عروض کے شوق سے انسان کی زبان صاف و شستہ ہو جائے گی لیکن کتب بینی سے سحر گفتاری حاصل نہین ہو سکتی البتہ جس شخص کی طبیعت اس فن سے قدرتی طور پر مانوس ہو وہ ذرا سی محنت سے کمال حاصل کر سکتا ہے۔

اخلاق حمیدہ | بُرے چلن کے آدمی مین وہ توانائی اور سلامت روی نہین ہوتی جو خیالات کی پیدائش اور اُن کے اظہار کے لیے لازمی ہے۔ جس شخص کو اپنے عیوب کا علم ہر وقت دغدغے ڈالتا ہو اسکا دلی خوف ہمیشہ پا بجولان رہے گا۔ ہر دم کی پشیمانی فکر بلند کو پاس تک نہین آنے دیتی ایسا آدمی کوشش کرتا ہے کہ اخلاقی مضامین یا مذہبی فرائض پر گفتگو کرے مگر ہر لفظ پر چونک اُٹھتا ہے، بات بات پر دل مین خفیف ہوتا ہے خبثِ باطن کو کیا کرے انفعال سے مجبور ہے۔ من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید۔ جو آدمی بوجہ اپنے عیوب کے انگشت نما ہو وہ مقرر کی حیثیت سے کبھی اچھا اثر پیدا نہین کر سکتا۔ ادھر اُس نے زبان کھولی اُدھر سامعین کے دلون مین اُسکے ذاتی اطوار تازہ ہو گئے۔ مقرر کی نیکی سے سامعین کے دلون مین اُس کی تعظیم اُسکے خیالات کی قدر اور اُسکی باتون کی توقیر پیدا ہو جاتی ہے الغرض مقرر کے لیے نیک ہونا اور نیک کہلانا واجب ہے۔

۳

مقرر کے علمیات

یہان تک تو ہم نے مختصر طور پر اُن طبعی جوہرون کا ذکر کیا جن کی موجودگی پر مقرر کی کامیابی کا از بس انحصار ہے مگر ان اوصاف کو بنیادی سمجھنا چاہیے تحصیل و تکمیل بھی کچھ چیز ہے، یہ نہو تو اُس بنیاد پر شہرت کا مینار قائم ہی نہین ہو سکتا۔ لہذا اب ہم یہ بتائین گے کہ مقرر کے لیے کون کون سے علمیات شرط ہین۔

علم خوش بیانی اور علم سے قدرتی رشتہ ہے۔ فصاحت کو غذا چاہیے اور وہ علم ہے۔ سقراط کا قول ہے کسی شے پر بحث کرنے کے لیے اُس سے کما حقہٗ واقفیت رکھنا لازمی ہے۔ اگر اشیاے خارجی کو الف سے آگاہی نہو تو ممکن نہین کہ باطنی تغیرات صاف اس مین آئین۔ دنیا کی چیزون کو باریک بینی سے مطالعہ کرنے اور طبائع انسانی کے رجحان کو پہچاننے سے مقرر اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے شناخت قائم کر سکے۔ اگر ہمین کسی چیز کی اصلی حالت

ہی معلوم نہیں تو اس کی علت غائی کیا خاک سمجھیں گے۔ ایک نیلسون کا قول ہے کہ "مقرر کو انسانی زندگی کے عوارض اور لواحق سے ناواقف ہونا نہایت نامناسب ہے"

محنت| کوئی فن ہو پتہ لگائیے تو اُس کی بنیاد محنت پر ہی پائیے گا۔ تقریر کی طاقت بھی اسی کی محتاج ہے۔ لگاتار محنت شرط ہے جو تقریباً عادت میں داخل ہو گئی ہو۔ کاہل بھلا کیا حظ اُٹھائے گا۔ ہم اپنے نوجوان دوستوں کی خدمت میں چند مفید مشورے عرض کرتے ہیں: (۱) مطالعہ مقدم چیز ہے اگر ہم چندے اُس کی خو ڈالیں تو یہ ہمیشہ کے لیے خدمت میں حاضر رہے گا (۲) فطرت ہمیں مقرر بننے سے نہیں روکتی اگر ہم اس پر عمل نہ کرنا چاہیں تو ہماری حماقت ہے۔ (۳) کمال ہمیشہ مدِنظر رہے ع کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی۔ (۴) موجودہ لیاقت کو نظرِ تحقیر سے دیکھو اور "پیشتر بیاموز" کو دستور عمل بناؤ۔

زباندانی| جب تک الفاظ موزوں نہ ہوں تقریر پھیکی رہتی ہے لہٰذا ایسی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ پاکیزگی لطافت متانت وغیرہ کے لحاظ سے مقبول اور مستند ہوں۔ عمدہ عمدہ فقرے ہمیشہ از بر کر لینا چاہیے کثرت مطالعہ سے ہمارا سامعہ زبان کی لطافت کو شناخت کرنے لگتا ہے۔ مقرر کے لیے حکما مطالعۂ نظم کی ہدایت کرتے ہیں کیونکہ نظم کو فصاحت سے ایک قسم کا لگاؤ ہے۔ خود مقرر کے لیے شوقِ سخن تفریح کا باعث ہوتا ہے۔ الفاظ کے ذریعے سے بشرطیکہ ہم آہنگ ہوں سامعین پر بڑا اثر ڈالا جا سکتا ہے مگر شاعرانہ مبالغہ اور غلو سے اجتناب لازم ہے۔

منطق| چونکہ مقرر کا کام اظہار فکر ہے لہٰذا اس علم کی تحصیل بھی اُس کے لیے لازمات سے ہے۔ اخلاقی مذہبی اور علمی مناظروں کو بغور پڑھنے اور ثبوت کی کمزوری یا معقولیت کو سوچنے سے بھی مشق ہو جاتی ہے۔ کوئی بحث ختم نہ ہونی چاہیے تاوقتیکہ قضایا کی صورت اختیار کر کے طے نہ ہو جائے مگر بنارس کے پنڈتوں کی سی لفظی بحث سے پرہیز واجب ہے۔ اگر چند شائقین مل کر ایک جلسہ قائم کر کے آٹھویں دن کسی مضمون پر بحث کیا کریں تو تقریر اور مباحثہ کا مادہ جلد حاصل ہو جائے مشہور مقرر گلیڈسٹون صاحب کا ذاتی تجربہ "اول تعلیم عمدہ ہو اس سے دل کو ایک طرح کی قدرت حاصل ہو گی، دوسرے غور و دقیقہ رسی خود بخود الفاظ کا لباس پہن کر عمدہ تعلیم کی مدد سے تقریر کا مضمون بن جائے گی"

تحریری مضامین| انشا پردازی سے بھدے فقرے اور بھدے الفاظ بولنے کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ ہر قسم کی تحریرات مفید ہیں۔ اگر عروض کا شوق ہو تو اشعار موزوں کرنا بھی معیوب نہیں مگر باقاعدہ اور متواتر لکھنے سے مطلب نکلتا ہے۔ جب ہم کسی مضمون پر لکھنے بیٹھیں تو یہ تلاش کریں کہ اور لوگوں نے اُسی مضمون پر کس کس طرح طبع آزمائی کی ہے۔ ہمیں خود اپنے خیالات کو یکجا اور فراہم کرنا اور مضمون کا نقشہ باندھ کر لکھ ڈالنا چاہیے۔ اکثر حکما تحریر مضامین میں مشق بہم پہنچانے پر زور دیتے ہیں۔ واقع میں قلم ایک بڑا معلم اور ہادی ہے۔ گو مشق تحریر کے لیے تقریر کی حاجت نہیں لیکن تقریر کے لیے تحریر ازبس ضروری ہے۔

قدرت کلام| جب تک الفاظ کی مختلف بندشیں رنگارنگ فقرے ایک مضمون کو نئے نئے طور پر ادا کرنے کے طریقے خوب یاد نہ ہوں اُسوقت تک مقرر کو نہتا ہی سمجھنا چاہیے۔ جس قدر محنت کے ساتھ کوشش کی جائے گی اُسی قدر زبان پر قدرت حاصل ہو گی۔ ذیل میں چند قواعد تحریر کیے جاتے ہیں:- (۱) لغات کی سیر کرتے رہنا چاہیے۔ (۲) کوئی عمدہ مستند کتاب اُٹھا لو اور چند الفاظ یا فقرات انتخاب کر کے اُنھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھو: مثال جب تک ہم اس طرف مائل نہ ہوں گے، جب تک اُدھر رغبت نہ کریں گے، جب تک ہمارا میلانِ طبع اس جانب نہ ہو گا جب تک ہمارا رجحان اس سمت نہ ہو گا جب تک ہم اِدھر نہ جھکیں گے جب تک ہم کشیدہ رہیں گے، جب تک گریز رہے گا۔ وغیرہ (۳) کسی کتاب میں سے کچھ پڑھ کر کتاب بند کر کے مصنف کے نفسِ مضمون کو اپنے الفاظ میں ظاہر کرنے کی مشق

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چون [illegible]

کرین۔ جب اس مین کچھ ربط ہو جائے تو فصل کی فصل یا باب کے باب پڑھ جائین اور دُھرائین پھر یادداشت کے لیے چند اشارات لکھ کر تقریر کرنے کی کوشش کرین۔ (۴) کسی مسلم الثبوت شاعر کی نظم بلند آواز سے پڑھین اور اُس کا مطلب نثر مین بیان کرین گو ان حالتون مین سامعین موجود نہین ہوتے مگر اُس کا کچھ مضائقہ نہین۔ فرض کر لینا چاہیئے کہ ہم کسی جماعت کے سامنے تقریر کر رہے ہین۔ دقتون کی وجہ سے پست ہمت نہ ہو جانا چاہیے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد　　اگر خارے بود گلدستہ گردد

بعض اوقات نوجوان مقررون کو کسی فقرہ کے بیچ مین معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بیان مین قواعدِ صرف و نحو کی غلطی ہے۔ اِسکے دو علاج ہین اوّل تو یہ کہ اُس فقرہ کو بغرضِ اصلاح از سرِ نو شروع کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ بلا خطر صرف و نحو کو کچلتے ہوے بڑھتے چلے جائین۔ موخر الذکر طریق انسب ہے کیونکہ سامعین کی توجہ پُر جوش تقریر مین صرف و نحو پر نہین ہوتی اور ہچکنے سے اُلٹا اثر پیدا ہوتا ہے۔

دل ہی دل مین گفتگو کرنا | چُپ چاپ کسی معینہ مضمون کے متعلق اپنے آپ سے باتین کرنا مقرر کے لیئے کم مفید نہین۔ مذکورۂ بالا دقتون سے بچنے کا یہ ایک سہل نسخہ ہے۔

قوتِ حافظہ | گو بے تامل تقریر کرنا ایک خوبی ہے تاہم ایسی تقریر مین بھی اپنے مضمون کے لب لباب اور ڈھانچے کو یاد رکھنا ہوتا ہے۔ حافظہ کی ترقی کے لیئے خیالات کا فراہم ہونا، توجہ کا یکسو رہنا، اور دل کا وسادِس سے پاک ہونا ضروریات سے ہین۔ حافظہ کے لیے مولف نے وچ کی معجون کو بہت مفید پایا ہے۔ بتدریج حفظ کرنے کی خو ڈالین اور خیالات کو ہمیشہ قابو مین رکھین بہت لوگ کسی مضمون کو اونچی آواز مین بار بار دُہرانے سے یاد کرتے ہین۔ اسطرح جو کچھ اُن کی زبان سے نکلتا ہے سامعہ کی ذریعہ سے متواتر دماغ مین پہنچکر حافظہ مین نقش ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ عمدہ ہے لیکن ایسا کرنے سے ہمت کم ہو جاتی ہے۔ بعض طالب علم دل ہی دل مین سبق یاد کرتے ہین مگر اس مین یہ خرابی ہے کہ اگر آس پاس ذرا بھی شور ہو تو کچھ یاد نہین ہو سکتا۔ کسی تقریر کو زبانی یاد کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اُس کے کئی ایک حصے کر لیے جائین اور ہر ایک حصہ کو الگ یاد کیا جائے۔ یاد کرنے کا سب سے عمدہ وقت شب کو سونے سے قبل ہے بشرطیکہ شام کے کھانے سے معدہ زیر بار نہ ہو۔ صبح بیدار ہوتے ہی حافظہ سے اُسکی امانت کا حساب سمجھ لینا چاہیئے۔ مقرر کے حافظے نے طوطا چشمی کی، ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے۔ یار لوگون نے یہ سمجھا کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ مسٹر ویر کا قول ہے۔ منطقیون کی تیزی، فلسفیون کی دانائی، شاعرون کی زبان، مقننون کا حافظہ، عمدہ نقالون کی فصاحت اور اداکارے مقرر کی ذات مین کوٹ کوٹ کر بھرے ہونے چاہئین۔

(باقی دارد)

ایس۔ ڈبلیو۔ بٹلر

رباعیات نشتر

ہر نوک مژہ پہ لالہ زارِ غم ہے　　گر اشک نہین تو خار خارِ غم ہے
اک تیشہ ہے کوہکن سبکسار ہوا　　نشتر مرے سر پہ کوہسارِ غم ہے

گلشن مین عنادل کی قطار آئی ہے　　ہر سمت نسیم مشکبار آئی ہے
یہ سب ہے خزان کی لیپا پوتی نشتر　　ہے پھر بھی یہ غُل کہ نو بہار آئی ہے

جو مُرغ چمن کے ہے مزہ غُلغُل مین　　ہے زمزمہ مینا کے وہی قُلقُل مین
یہ رنگ سے مشتعل وہ جلنے سے سیہ　　ہے آگ وہی گل مین جو ہے بُلبُل مین

اندوہ و مصیبت نے لیا قلب کو گھیر　　تقدیر کا چکر ہے یہ قسمت کا ہیر پھیر
جس دن سے جدا ہوا وہ رشکِ خورشید　　آنکھون مین مری ہے ساری دنیا اندھیر

نیک ارادہ

نیک ارادہ صرف اس وجہ سے اچھا نہین کہ اُسکے ذریعہ سے کوئی اچھا اور مفید کام ہوتا یا ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہی یا وہ کوئی اچھا اثر ڈالتا ہی یا کسی اہم مدعا کے لیے کوئی مناسبت اور موزونیت رکھتا ہی بلکہ اُسے صرف اس وجہ سے اچھا کہا جاتا ہی کہ وہ فی نفسہ اچھا ہی اور اُسکے ذاتی تکمہ او موازنہ سے اُس کی قدر و منزلت اور اہمیت و قیمت اور بھی اعلیٰ اور بالاتر معلوم ہوتی ہی اور وہ اپنی ذاتی خوبی اور عمدگی کی وجہ سے اُن تمام میلانات ہیجانات اور جذبات پر غالب آتا ہی جو انسان کے دل و دماغ مین مختلف محرکات کی وجہ سے وقتاً فوقتاً موجزن ہوتے رہتے ہین۔

اگر کبھی ایسا اتفاق ہوجائے کہ بدبختی وقت یا کسی مسکانہ تحریک کی وجہ سے ارادہ نیک اپنی جبلی خوبی اور اصلی طاقت کھو بیٹھے اور باوجود لگاتار کوششون اور جد وجہد کے اُس سے کچھ بن نہ سکے اور صرف ایک نیک ارادہ ہی رہ جائے تو بھی وہ اُس موتی کی طرح جو کبھی قدردان کے ہاتھون مین جانے کا موقع حاصل نہین کرسکتا اپنی جبلی ضیا کی وجہ سے ہمیشہ تابان اور درخشان رہے گا۔ اور اُسکی ذاتی قیمت باوجود اسکے کہ وہ کسی اچھے صرف مین نہین لایا گیا وہی رہیگی۔

ہر شے کی تین طرح سے قیمت پڑتی ہی۔

(۱) باعتبار جبلی یا ذاتی امتیازات اور خوبیون کے۔

(۲) باعتبار ذاتی اور اضافی خوبیون کے۔

(۳) باعتبار محض اضافی یا نمائشی خوبیون کے۔

دنیا مین بہت سی ایسی اشیا بھی ہین جنکی قدر و قیمت محض اُنکی ذاتی خوبی اور ذاتی وجاہت کی وجہ سے ہوتی ہی یعنی خود ان کی ذات ہی اُن کی قیمت کا فیصلہ کرتی ہی۔ ایسی اشیا کا مفید اور مثمر ہونا نہ اُن کی قیمت بڑھا سکتا ہی اور نہ گھٹا سکتا ہی۔ ایسی اشیا خود اپنی ذات مین ہی ایک ایسا جوہر فرد رکھتی ہین جو بغیر توسل عرضیات کے اُن کی قیمت کا فیصلہ کرسکتا ہی۔ ایسی اشیا یا ایسے عنصر اور ایسی طاقت کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے ہمین نہ کسی صراف کی ضرورت ہی اور نہ کسی نقاد اور محک کی۔ وہ اپنے مُنھ سے ہی اپنی قیمت بتاتی اور اپنا فیصلہ کرتی ہی۔ دوسرے الفاظ مین یہ کہ وہ خود ایک قیمت بلکہ ایک فیصلہ شدہ قیمت ہی ہوتی ہی قیمت کی قیمت ڈالنا صحیح نہین۔ وہی شے نقاد اور صراف کی محتاج رہتی ہی جو مشکوک ہو یا اُسے کوئی مشکوک ظاہر کرے۔ جو چیز اپنے اندر کھوٹ نہین رکھتی وہ اپنی آپ نقاد ہی۔ دوسرے نقاد خود اُسکی نقد قیمت اور نقد خوبی کا احساس کرکے یہ فیصلہ کرسکتے ہین کہ اُسکی قیمت کا نرخ کہا تک پہنچ سکتا ہی ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔

ارادہ کی قیمت مطلق

محض ارادہ کی قیمت مطلق کی بحث مین جبکہ کسی قسم کے مفاد کو بھی مد نظر نہین رکھا جاتا بعض وقت یہ گمان پیدا ہوتا ہی کہ شاید یہ بلند دماغی تخیل کا نتیجہ ہو یا یہ کہ ہمین ارادہ پر عقل کو حاکم بنانے مین منشاے قدرت اور محرکات کے سمجھنے مین کوئی غلطی ہوئی ہو یا خود عقل کے فیصلہ مین ہی کوئی کمی اور کوئی لغزش ہو۔

اِس قسم کے شبہات اور شکوک پیدا ہونے کے وقت عام عقل انسانی مزاحم ہوتی ہی۔ لیکن ہم اکثر ایسی بحثون مین پڑکر اس نقطۂ نگاہ سے ارادہ کی قیمت لگانے یا معلوم کرنے کے عادی ہین یہ ایک غلطی اور پست خیالی ہی کہ ہم اکثر ارادہ کی قیمت اُس صورت مین اعلیٰ قرار دینے کی کوشش کرتے ہین جب کہ اُس کا نتیجہ ہمیشہ مفاد ہی ہو۔ اس صورت مین ہم ارادہ کی ذاتی خوبی اور جبلی قیمت کم کرتے ہین۔

ارادہ بھی دوسری قوتون کے ساتھ بطور ایک اہم قوت کے دیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت دوسری قوتون کے مقابلہ مین کم نہین ہے عقل و فراست کے مقابلہ مین ارادہ کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔ کچھ شک نہین کہ بعض دفعہ عقل و فراست کے ماتحت ہی ارادہ کو چلنا پڑتا ہے، یا ارادہ عقل ہی سے بعض دفعہ مشورت لیتا ہے اور یہ ضروری بھی ہے کیونکہ یہ دونون ایک ہی عنصر کے کنبے یا ایک ہی قوائی خاندان سے تعلق رکھتے ہین اور اُن کے کامون اور تصرفات مین ایک بڑی حد تک وابستگی اور نسبت بھی ہے لیکن پھر بھی ارادہ کی عظمت و جبروت سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ بے شک بعض دفعہ ارادہ کا طریق عمل جابرانہ اور قادرانہ بھی ہوتا ہے اور عقل کے مقابلہ مین اسکے عمل مین ایک قسم کا تحکم بھی پایا جاتا ہے مگر پھر بھی ان دونون مین ایک نسبت اور وابستگی ہے تم دیکھ سکتے ہو کہ جب کبھی ہم کوئی ارادہ کرتے ہین تو ہمارے اندر دون مین ہی سے ایک شے یا ایک طاقت کبھی اس کی مزاحم ہوتی ہے اور کبھی اُس کی تائید مین ہو کر اُسکا پہلو لیتی ہے۔ ایسی مزاحمت کے وقت ارادہ کبھی قابو مین آجاتا ہے اور کبھی قابو سے نکل جاتا ہے کبھی اُسکی تائید سے اپنے جنون مین لگا رہتا ہے اور کبھی تائید کی کچھ پروا نہین کرتا۔ اپنی ہی دُھن مقدم رکھتا ہے۔ اگرچہ عقل و فراست باعتبار اپنے اجتہادات اور دلائل کے ایک بڑی موثر اور زبردست قوت ہے لیکن ارادہ کی قوت اور جبروت سے اُسکی قوت اور اُسکی جبروت نہین مل سکتی۔ ارادہ بادہ ہے اور عقل ساکن ۔ عقل بتدریج اور بے تامل چلتی ہے اور ارادہ کی رفتار بسا اوقات اپنے اندر ایک خاص قسم کی تیزی رکھتی ہے عقل کبھی بھی فہم اور غور سے باہر قدم نہین رکھتی یا نہین رکھنا چاہتی لیکن ارادہ بہت دفعہ حد فہم اور غور سے باہر ہو جاتا ہے۔ ارادہ اپنے زور سے آگے بڑھتا اور ایک دُھن مین ایک فعل پورا کرنا چاہتا ہے۔ بخلاف اِسکے عقل و فراست حکمت اور تامل سے کام لیتی ہے عقل و فراست کبھی اندھی اور خود رو نہین ہوتی بلکہ واقعات متصلہ اسباب حاصلہ کیفیات موردہ اور نتائج یقینیہ کے تہیہ اور یقین کے مطابق چلتی ہے مگر ارادہ جوش مین اندھا بھی ہو جاتا ہے۔ ارادہ کی دو آنکھین ہین۔ کبھی کبھی دونون آنکھین جب کھلی ہوتی ہین تو وہ مزید غور سے کام لیتا ہے لیکن جب کبھی ایک آنکھ بند ہو جاتی ہے تو وہ ایک طرف کے واقعات چھوڑ کر اور اُن کی کچھ پروا نہ کر کے مصروف کار ہو جاتا ہے۔

ارادہ اور وقوت

ارادہ بھی ایک وقوت رکھتا ہے اور اُسے بھی ایک شعور حاصل ہے یہ کہنا کہ ارادہ کوئی وقوت یا کوئی شعور نہین رکھتا غلطی ہے ارادہ ایک قوت ہے اور ہر قوت امتیازی پہلو سے ایک وقوف یا ایک حس ضرور ہی رکھتی ہے۔ گو ہم اُسے وقوف اور شعور کے نام سے موسوم نہ کرین مگر وہ ایک وقوف ہی ہوتا ہے۔ وقوف مین ایک احساس ہوتا ہے اور ہر قوت ایک احساس رکھتی ہے ورنہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ہم ایک ارادہ کرتے یا کر سکتے ہین۔ ارادہ کرنے مین ایک شے خود ارادہ مین ایسی بھی ہونی چاہیئے یا ہوتی ہے جو ہمین دوسری طرف یا اپنی طرف توجہ دلاتی ہے۔ وہ کیا شے اور کون سی طاقت ہے جو ہمین اسطرف کشان کشان لیے جاتی ہے۔ وہ صرف کوئی اور محرک نہین ہوتا بلکہ اِسکے ساتھ خود ارادہ یا اس کا احساس یا قوت احساس ہے جو اُسے اُس طرف توجہ دلاتی اور تحریک کرتی ہے عقل و فراست کی ہدایات اور رہنمائی سے جب ارادہ نکل کر اپنی دُھن مین لگ جاتا ہے تو وہ کسی ایسے محرک کے قابو مین ہو کر جاتا ہے جو خود اس پر بھی غالب ہے۔ وہی شے ارادہ کا احساس یا قوت احساس اور وقوت ہے یا یون کہیئے کہ ارادہ بجائے خود ایک پُر زور احساس اور وقوت کا نام ہے۔

ہر ذی اعضاء کی ہستی کی بناوٹ مین یہی ایک ایسی ...

جو اغراض زندگی اور مقاصد حیات کی خاطر متناسب اور موزون بنائی گئی ہی ہم ہمیشہ بطور ایک بنیادی اصول کے فرض کر لیتے ہین کہ اس مین کوئی ایسا عضو اور ایسی قوت یا ایسا جذبہ نہین ملے گا جو اُس غرض اور اُس مطلب کے واسطے موزون اور مناسب نہو جو اُس خلقت سے مقصود اور مرغوب تھا اگرچہ ہم ایسا فرض کرنے مین کسی مہلک اور غیر متوقع غلطی کے مرتکب نہین ہوتے لیکن جب ہم عملی رنگ مین مشاہدہ کرتے ہین تو ہم پر اپنی غلطی اور اپنا سقم کھل جاتا ہی کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہین کہ ہمارے اعضا اور قوی مین بعض عضو اور بعض قوتین اور بعض جذبات ایسے کامون کے واسطے ہی خاص کر دیے جاتے ہین جو قدرتی اغراض اور قدرتی منشا کے ایک بڑی حد تک منافی ہوتے ہین۔ یہ صورت یا تو یون ظہور پذیر ہوتی ہی کہ ہم اکثر اوقات فطری مقاصد کے اندازہ سے گزر جاتے ہین یا اس لیے کہ ہم اُن امور اور اُن مصالح سے دور جا پڑتے ہین جو اس شعبہ مین لازمی ہین۔

ہم جو اکثر قوتون اور جذبات سے بجاے فوائد کے نقصان اُٹھاتے ہین، اُس کی وجہ یہی ہوا کرتی ہی کہ ہم قوتون اور جذبات کے اندازہ خواص اور افعال سے بے خبر رہتے ہین ہمین قدرت نے بالمقابل دو قوتین **عقل** اور **ارادہ** ودیعت کر رکھی ہین اور ان دونون سے کوئی فرد بشر بھی حد امکان تک معرا اور خالی نہین۔ یہ جدا بات ہی کہ پیمانہ اور مقدار مین کچھ فرق ہو۔

ہم یہ بات بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ قدرت کی جانب سے بغیر کسی معقول معاوضہ کے اِن دونون قوتون کا ہمین ودیعت کیا جانا فضول نہین ہی۔ ارادہ بجاے خود کارآمد اور ضروری ہی اور عقل بجاے خود۔ اگرچہ اِن دونون کے مقتضیات اور ان کے اغراض اور افعال مین بہت کچھ فرق ہی لیکن ان کی اہمیت ضرورت اور اُس کی قدر سے انکار بھی نہین کیا جا سکتا۔ جو ہماری زندگی کے بڑے بڑے اور اہم واقعات مین ظاہر ہوتا ہی۔

قدرت کا صحیح مدعا ان قوتون کے عطا کرنے سے ہماری حفاظت بہبود مسرت اور کامیابی کا تھا۔ اس مدعا کو پورا کرنے کے واسطے اُن دونون قوتون کے ودیعت اور انتخاب سے ہماری انسانی نگاہون مین قدرت نے ایک بڑا مسلک اور فریب دہ تجویز اختیار کی ہی۔ وہ تمام کام جو مخلوق انسانی اور حیوانی اس مدعا کے پورا کرنے کے لیے کرتی ہی اور جسکے طرز عمل کا تمام قاعدہ یقینی طور پر فطری تمیز کا تجویز کردہ ہوتا ہی عقل و فراست اور ارادہ کے مقابلہ مین بعض دفعہ ہمین ایک پیچیدگی مین ڈالے بغیر نہین رہتا۔ دوسری تمیز اگر اکثر دفعہ ہمین صحیح مسلک کا نشان دیتی ہی تو بعض دفعہ بیرونی اغلاط کی وجہ سے غلط نشان بھی دے جاتی ہی۔ ہم یہان پہنچکر یہ کہنے یا اس استدلال کے مجاز ہین کہ فطری تمیز عقل اور ارادہ سے بھی ایک جداگانہ شے یا جداگانہ طاقت ہی۔ اگرچہ عقل و فراست اور فطری تمیز مین تمیز کرنا ایک پیچیدہ اور مشکل کام ہی مگر ہمین اپنے افعال اور اپنے خیالات کی تنقید سے کسی حد تک یہ معلوم کرنے کا موقع مل سکتا ہی کہ ہمین ایک فطری تمیز بھی حاصل ہی چاہے اُسے ایک مستقل قدرت کہو چاہے عقل و فراست کا ایک دوسرا پہلو۔

فطری تمیز اور عقلی فراست مین کسی حد تک چونکہ امتیاز ایک مشکل امر ہی اس واسطے بالفاظ دیگر ہمین یہ کہنا چاہیے کہ اکثر حالات ہمارے واسطے صرف ایک عقل ہی رہبر ہوتی ہی اور ہم عموماً اسی پر بہت کچھ مدار رکھتے ہین اور اسکے ذریعہ سے ہم اُس مدعا اور اس بات کی تلاش مین سرگردان رہتے ہین جو ہماری زندگی کا اعلیٰ مقصد شمار ہوتی ہی۔ چونکہ عقل و فراست اور فطری تمیز کی حقیقت نیک واقعہ ہوتی ہی اس واسطے جب ہم کوئی نیک ارادہ کرتے ہین تو عقل و فراست اور فطری تمیز بھی خوشی سے اس پر صاد کرتی ہی۔ ارادہ کی صحت اور غلطی کی نقاد عقل و فراست ہی ہے۔ اور عقل و فراست مین ایسی تنقید کا مادہ اُس صورت مین پیدا ہو سکتا ہی جب وہ بعض خارجی عوارض اور بعض فریب دہ اسباب سے پاک صاف ہو۔

ذ ایسا تزکیہ سوائے اسکے نہین ہوسکتا کہ انسان مشاہداتی اور تجربی رنگ مین علمی اور عملی پہلو سے اُن کا عابر اور رشاہد ہو۔

یہ تمام باتین اُس وقت حاصل ہوتی ہین جب تربیت اور تربیت کا اسکول اچھا ہو اور سیرت و کرکٹر کی تربیت مقدم رکھی گئی ہو۔

حضرت سلیمان فرماتے ہین:۔

• خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہی لیکن احمق دانائی اور تربیت کی تحقیر جانتے ہین۔

• اے میرے بیٹے! اپنے باپ کی تربیت کا شنوا ہو۔ اور اپنی مان کی تاکید کو مت ترک کر۔

تربیت گھر ہی کی چار دیواریون سے شروع ہوتی ہی اور گھر ہی تربیت کا ایک ابتدائی اسکول ہی۔

انسان کی ساری مہمات کا مدار ارادہ پر ہی اور ارادہ وہی اچھا ہی جو صحیح اور نیک ہو۔ ارادہ کی صحت اور سعادت تربیت پر موقوف ہی۔ تربیت صحیح مشاہدہ اور کامل تجربہ کی محتاج ہی یہ دونون اُسوقت حاصل ہوسکتی ہین جب سلسلۂ تعلیم صحیح اصول پر مبنی ہو۔ کوئی قوم اُسوقت تک ترقی نہین کرسکتی جبتک اُسمین قلبی عصبیت پائی جائے اور اسکا انحصار صحیح تربیت پر ہی۔

صحیح تربیت قوتون اور جذبات کی مزکی ہی۔

تزکیہ قوی اور تزکیہ جذبات موجب ہی صحیح اور نیک ارادہ کا۔

نیک ارادہ شروع ہی تمام کامیابیون اور تمام سعادتون کا۔

سلطان احمد

الہ آباد یونیورسٹی اور اُردو زبان

مستند شہادتون سے اس کا ثبوت مل چکا ہی کہ الہ آباد یونیورسٹی کے تمام صیغون مین ہمارے ہندو بھائیون کا کتنا غلبہ ہی؟ اور کس طرح ہمارے برادران وطن کو ان صوبجات کے تعلیمی نظام مین عملی طور پر وہ فوائد بمقام پریاگ بڑی حد تک حاصل ہین جو کاشی جی مین ایک جداگانہ قومی یونیورسٹی کے اجرا کے محرک ہوئے ہین ایسی حالت مین الہ آباد یونیورسٹی کا اُردو کے ساتھ جس کو غلطی سے آنریبل پنڈت مدنموہن مالوی اور انکے دوسرے پیرؤون نے صرف مسلمانون کی زبان سمجھ لیا ہی، جو سلوک ہونا چاہیے وہ محتاج بیان نہین ہی مگر جب تک الہ آباد یونیورسٹی اپنے آپ کو ان صوبجات کی ساری آبادی کی تعلیم کا ذمہ دار بنائے ہوے ہی اور اُسکے ساتھ ہی وہ ایک غیر قومی جماعت کہلاتی ہی۔ اور اپنی اغراض و مقاصد کا تعلق ہندؤون اور مسلمانون کے ساتھ کاغذ پر یکسان ظاہر کرتی ہی اور سب سے آخری مگر اہم مقدم یہ ہی کہ جب تک صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کو اسکی عام نگرانی کا حق حاصل ہی۔ ہمارا فرض ہی کہ اسکی اصلاح مین کوشش کرین اور اُسکو صحیح معنی مین ہندو مسلمان عیسائی تمام فرقون کے لیے یکسان کارآمد بنوائین اور خصوصاً ہز آنر سر جیمس میسٹن کی چانسلری کے زمانہ مین جنھون نے اہل اسلام کی تعلیمی پستی پر توجہ فرمائی ہی۔ یونیورسٹی مین تمام جماعتون کے فوائد کی یکسان حفاظت ہونے پر زور دین ہمین یاد ہی کہ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے جن کا سا مخلص خادم قوم و ملک کو ملنا بظاہر نہایت دشوار معلوم ہوتا ہی الہ آباد یونیورسٹی کے متعلق ان صوبجات کی قانونی کونسل مین چند سوالات کیے تھے جن سے یونیورسٹی کے اندرونی معاملات پر مفید روشنی پڑسکتی تھی۔ اسپر ہمعصر لیڈر الہ آباد نے جو مسلمانون کے ابھرنے کی تمام جائز کوششون کو بدقسمتی سے ہندؤن کے اثر و اقتدار کو صدمہ پہنچانے والا سمجھتا ہی خواجہ صاحب کی اس طرز عمل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوے ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۱ء کے ایک پرچہ مین لکھا تھا کہ "سمجھ مین نہین آتا کہ بعض معزز ممبران کونسل ان معاملات مین گورنمنٹ سے کیون سوال کرتے ہین۔ یہ سوال کرنے والے ممبر عموماً آزادی اور ترقی کے حامیون مین سے ہین اور ہم خیال کرتے ہین کہ یہ قیاس بیجا نہوگا۔

کہ یہ حضرات اُس یونیورسٹی ایکٹ کے مخالف ہین جو یونیورسٹی کو سرکاری اقتدار کے ماتحت رکھنا چاہتا ہی باوجود اسکے جب ان کو یونیورسٹی کے کسی فعل یا فروگذاشت کے متعلق شکایت ہوتی ہی تو فوراً گورنمنٹ کو مداخلت کا مشورہ دینے کے لیئے جھپٹ پڑتے ہین۔ بہتر یہ ہی کہ یہ شکایتین یونیورسٹی کی سینٹ مین کی جائین۔ ان خیالات کی بنا پر ہم آنریبل خواجہ غلام الثقلین سے ہمدردی نہین کر سکتے جنھون نے گذشتہ جلسہ کونسل مین چند سوالات یونیورسٹی کے اندرونی معاملات کی نسبت کیے۔ یہ سچ ہی کہ یہ حضرات سینٹ کے ممبر نہین ہین مگر اُن مین منتخب ہونے کی صفات موجود ہین اور اگر وہ پبلک معاملون کا بار اپنے اوپر زیادہ نہین لینا چاہتے یا شکایات کے دور ہونے کا انتظار نہین کر سکتے۔ تو اپنے دوستون کے ذریعہ سے سینٹ مین سوال کرا سکتے ہین"۔ الہ آباد کی لیڈر کے اس طریق استدلال پر تعجب ہونا چاہیے کیونکہ وہ الہ آباد یونیورسٹی مین ہندو عنصر کا ناجائز غلبہ قائم رہنا ضروری سمجھتا ہی۔ اور اس لحاظ سے جو کچھ اُس نے لکھا ہی وہ ایک معنی مین اُن لوگون کی آواز ہی جو یونیورسٹی پر حاوی ہین اور سالہا سال کی حکومت کے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ مین رکھنا اُسی طرح اپنا حق سمجھنے لگے ہین جسطرح اینگلو انڈین اصحاب ہندوستان کے تمام انتظامی صیغون پر اپنا اجارہ قائم رہنا بالکل قدرتی سمجھتے ہین۔ اور ملکی باشندون کو ان مین حصہ ملنا اپنی حق تلفی سے تعبیر کرتے ہین۔

یہ جتانے کی چندان ضرورت نہین کہ الہ آباد یونیورسٹی کا اقتدار ملک کے جس حصہ پر قائم ہی اُس مین اس رقبہ کا بہت بڑا حصہ شامل ہی۔ جہان اُردو نہ صرف بطور مادری زبان کے بولی جاتی ہی بلکہ وہان کی اُردو ساری دنیا مین مستند سمجھی جاتی ہی۔ لہذا اِس علاقہ مین اُردو کی تعلیم کا سب سے زیادہ انتظام ہونا چاہیے لیکن حیرت ہی کہ جتنا الہ آباد یونیورسٹی مین اُردو کو حقیر سمجھا گیا ہی اتنا کسی دوسری یونیورسٹی مین نہین سمجھا گیا۔ مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیون مین اُردو ایف۔ اے اور بی۔ اے تک مثل فارسی عربی سنسکرت اور لاطینی وغیرہ کے ایک مستقل مضمون کی حیثیت رکھتی ہی۔ کلکتہ یونیورسٹی مین ایک دیسی زبان کا لینا لازمی ہی اور گو اُردو اپنی شان کے موافق اہمیت نہین رکھتی تاہم دوسری دیسی زبانون کے ساتھ امتحانات یونیورسٹی مین ضرور شامل ہو جاتی ہی۔ پنجاب یونیورسٹی مین ابھی تک اُردو ایف۔ اے اور بی۔ اے مین شامل نہین تھی لیکن اب لڑکیون کے لیئے ایف۔ اے مین اُردو کے رکھنے کا انتظام کیا گیا ہی اور اُردو مین پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی کے مستقل امتحانات بھی ہوتے ہین جن مین تمام اشخاص حصہ لے سکتے ہین۔ علاوہ ازین السنہ شرقیہ کے عام امتحانات سے بھی بالواسطہ اُردو کو کچھ نہ کچھ حصہ پہنچ جاتا ہی۔ الغرض پنجاب یونیورسٹی اگرچہ ان یونیورسٹیون کے مقابلہ مین تو ضرور قابل الزام ہی جن مین زبان اُردو بی۔ اے تک رائج ہی لیکن یہ شرف الہ آباد یونیورسٹی ہی کو حاصل ہی کہ اُس مین اُردو میٹرکیولیشن کے امتحان پر ختم ہو جاتی ہی اور میٹرک مین بھی انگریزی سے اُردو ترجمہ کا کوئی پرچہ نہین آتا۔ کیا ارکان یونیورسٹی کا یہ خیال ہی کہ میٹرکیولیشن کے امتحان تک اُردو مین ہر طالب علم انتہا کا عالم و فاضل ہو جاتا ہی کہ پھر یونیورسٹی کے اعلی درجون مین اُس کو اُردو سیکھنے کی کوئی ضرورت نہین رہتی؟ حالانکہ امر واقعہ اِس کے سراسر خلاف ہی۔ اور خود ہمدم کے لیے انگریزی سے ترجمے کرانے کے سلسلہ مین ہم کو یہ ناگوار تجربہ ہوا ہی کہ الہ آباد یونیورسٹی کے میٹرک پاس تو کیا ایف۔ اے اور بی۔ اے پاس بھی اُردو ترجمہ کی کافی لیاقت نہین رکھتے۔ اور گو انگریزی کا مطلب سمجھتے ہین مگر اِس کو اُردو مین ادا نہین کر سکتے۔ یا نہایت بھونڈے لفظون مین ادا کرتے ہین۔ برخلاف پنجاب یونیورسٹی کے جس کے انٹرنس پاس معمولی انگریزی ترجمہ سلیس اُردو مین بآسانی کر سکتے ہین اور خاصی اُردو لکھتے ہین۔ الہ آباد یونیورسٹی کی انتظامی مجالس مین نہایت اعلی تعلیم یافتہ اصحاب داخل ہین لیکن جب وہ دیسی زبان کی اعلی اہمیت کو کافی طور پر نہین سمجھ سکتے تو اُن کی مثال اُن لوگون کی ہی جو خود سوتے ہون اور دوسرے سونے والونکو

بجائے سا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ اس لیئے نئی نسل کے دماغون کی صحیح رہنمائی اور اُن کی علمی پرورش کسی طرح نہین کر سکتے۔ یونیورسٹی کی تعلیم ہمارے ملک مین نہایت ناقص ہے اور بے حد محنت کے بعد علم کا علمی فائدہ نسبتہً بہت کم ہوتا ہے۔ یہ حالت کافی طور پر ثابت کرتی ہے کہ ابھی تک ہم نے اس بات کو نہین سمجھا کہ ہمین کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور اس کے حصول کے بہترین طریقے کیا ہوسکتے ہین۔ جو طریقے اور اصول یونیورسٹیون کے قائم ہونے کے وقت پیش نظر رکھے گئے تھے وہ اسیطرح چلے آتے ہین اگر فرق ہوا ہے تو صرف یہ کہ طلبا کی مشکلات امتحانات مین پاس ہونے کے متعلق بڑھ گئی ہین اور مصارف مقابلۃً بہت زیادہ ہوگئے ہین۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ہم وقت کا ساتھ دیتے۔ اپنی ضرورتون کے لحاظ سے اپنے طریقون مین تغیر و تبدل کرتے جاتے اور طلبا کیلئے بجائے مشکلات کے آسانیان پیدا کرتے اور ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ تعلیم کا خرچ گھٹاتے جاتے۔ تاکہ طلبا زیادہ تعداد مین تعلیم سے مستفید ہوسکتے۔ ایک ضروری اصول یہ پیش نظر رہنا چاہیئے تھا کہ جون جون تعلیم ترقی کرتی جاتی۔ یونیورسٹی مین دیسی زبانون کی تعلیم بڑھتی جاتی۔ اگر یہ اصول سامنے رکھا جاتا تو اس وقت ہمارا لٹریچر اتنا مفلس نہوتا۔ اور ہم اکثر علوم و فنون اپنی دیسی زبان کے ذریعہ سے پڑھا سکتے۔ بہرکیف اب بھی اصلاح کے لیے کافی وقت ہے۔ اور ان یونیورسٹیون کو اُس مین قدم بڑھانا چاہیئے جو ہندوستان کی مشترکہ زبان اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان یعنی اردو کے حلقہ پر حاوی ہین۔ یہ فرض سب سے بڑھکر الہ آباد یونیورسٹی پر عائد ہوتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اس نے اسکی ادائگی مین بہت ہی سستی و غفلت کا ثبوت دیا ہے۔

کوئی معمولی عقل سے بہرہ ور انسان اس سے انکار نہین کر سکتا کہ دیسی زبان کی تعلیم ہر قوم کے لیے نہایت ضروری ہے اور وہ ملک کی تمدنی اور سیاسی زندگی پر بہت بڑا اثر رکھتی ہے۔ ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ قوم کی ترقی زبان کی ترقی کے بغیر نہین ہوسکتی جو لوگ یورپ مین ہندوستان کی یونیورسٹیون کے نظام اور نصاب تعلیم سے واقف ہین۔ وہ دیسی زبانون کی اہمیت پر ہمیشہ زور دیتے ہین۔ سر تھیوڈور مارسین نے جنکو ہندوستان کے طرز تعلیم کا طویل ذاتی تجربہ ہے کچھ عرصہ قبل انڈیا ہوس مین لکچر دیتے ہوئے اس مسئلہ کی تائید کی تھی۔ کہ ہندوستانی یونیورسٹیون مین تعلیم دیسی زبانون کے ذریعہ سے ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہمین ہندوستان مین ایسی یونیورسٹیان بنانی چاہیئن جو دیسی زبانون مین تعلیم دین۔ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ انگریزی تعلیم ہندوستانیون کے حق مین مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور مغربی خیالات نے ہندوستانیون کے دماغ کو ایک مفید راستہ پر لگا دیا ہے لیکن یہ اثر زیادہ مفید اور وسیع ہوتا اگر یہ خیالات مادری زبان کے ذریعہ سے شائع کئے جاتے۔ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے سے یہ نقصان ہوا ہے کہ ہندوستانیون کے علم اور خیالات سے اگرچہ تمام دنیا فائدہ حاصل کر رہی ہے لیکن خود ہندوستان کی زبانین استعمال کرنے والے لوگ اس سے بہرہ ور نہین ہوسکتے۔ طالبعلم کے لیے ایک بڑی مشکل ترجمہ کی ہے کیونکہ اکثر الفاظ کے ٹھیک معنی دوسری زبان مین ادا نہین ہوسکتے۔ ہمین یونیورسٹیون مین دیسی زبانون کی توسیع و ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ ہندوستانیون کے خیالات و جذبات کا صحیح ذریعہ بن سکین۔"

اگر ہندوستانی اس معاملہ مین پوری سرگرمی سے کوشش کرتے اور گورنمنٹ ان کو کافی مدد دیتی تو اس وقت تک انگریزی کی بیسیون کتابین ترجمہ ہو کر ہمارے لٹریچر کا جزو بن گئی ہوتین۔ اور اسی طرح صدہا مفید اور اعلی کتابین اور تخیل تیار ہوگئی ہوتین۔ پنجاب مین کرنل ہالرائڈ صاحب کی زیر سرپرستی مولانا محمد حسین آزاد مغفور اور مولانا حالی مرحوم نے لاہور کے بک ڈپو مین تھوڑے عرصہ مین کیسا عمدہ اور مفید لٹریچر جمع کردیا۔ اسی طرح ایک صدی قبل کلکتہ مین ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب نے ہندوستانی زبان کی تدوین کا کام بحیثیت پرنسپل فورٹ ولیم کالج شروع کیا

اور صرف اس زبان کی گریمر اور ڈکشنری ترتیب دی بلکہ اپنی زیر نگرانی دوسرے قابل مصنفون سے اُردو اور ہندی نثر مین کتابین لکھوائین میرامن صاحب مولف چار درویش میر حیدر بخش حیدری مصنف طوطا کہانی میر شیر علی افسوس مترجم باغ اُردو میرزا علی لطف مولف گلشن ہند منشی اکرام علی مترجم اخوان الصفا سری للو لال جی مصنف پریم ساگر اسی فورٹ ولیم کے حلقۂ ادب کے برگزیدہ اراکین تھے بمقابلہ اُس زمانہ کے آجکل اس قسم کی ادبی جماعتون کی بہت زیادہ ضرورت ہی۔ اور گورنمنٹ کی سرپرستی مین یہ کام بہت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام پا سکتا ہی۔ باشندگان ہندوستان کا فرض ہی کہ یہ ضرورت ہر طریقہ سے گورنمنٹ کے ذہن نشین کرین اور قوی امید ہی کہ گورنمنٹ نہایت فیاضی کے ساتھ مدد دینے کو تیار ہوگی۔ اگر ہندوستانی یونیورسٹیان ڈگریون کی ٹکسال بننے کے علاوہ کوئی ایسا کام بھی کرنا چاہین جو ہندوستان کی آئندہ نسلون کی تاریخ مین ایک قابل قدر ملا سکے تو وہ یہی کام ہی کہ وہ دیسی زبانون کی توسیع و ترقی کو اپنا اہم مقصد قرار دین۔ افسوس ہی کہ اس وقت تک اس نہایت اہم کام کی طرف سے سخت غفلت برتی گئی اور سب سے زیادہ غفلت اس معاملہ مین جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہی الہ آباد یونیورسٹی کی کی طرف سے ظاہر ہوئی جس نے بجاے سابق غفلت کی تلافی کے حال مین اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا ہی کہ وہ آیندہ بھی اُس غفلت کو جاری رکھنا چاہتی ہی اور اس کو دیسی زبانون کی اہمیت کا مطلق احساس نہین ہی۔

بجاے اس کے کہ الہ آباد یونیورسٹی کی طرف سے دیسی زبانون کی ترویج و توسیع کی تحریک ہوتی خود گورنمنٹ نے چند سال قبل یونیورسٹی سے اس کی تحریک کی کیونکہ گورنمنٹ نہ صرف اس اصول سے متفق ہی کہ صحیح تعلیم صرف مادری زبان مین ہو سکتی ہی بلکہ اپنی رعایا کی بہبودی اور ترقی کی ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے بھی وہ اچھی طرح سمجھتی ہی کہ کسی قوم اور ملک کی ترقی کا بڑی حد تک اس کی زبان اور لٹریچر کی توسیع پر انحصار ہی۔ اور گورنمنٹ کو اس مین مدد دینی چاہیے چنانچہ اُس نے الہ آباد یونیورسٹی کی توجہ اس معاملہ پر منعطف کرائی کہ وہ صوبجات متحدہ کی دیسی زبان کو ترقی دینے کے ذرائع پر غور کرے اور اپنی تجاویز سے گورنمنٹ کو اطلاع دے تاکہ جلد سے جلد عملی کام شروع کیا جا سکے۔ یونیورسٹی نے اس معاملہ مین کچھ عرصہ تک نیم دلچسپی سے چند ریزولیوشن پاس کئے اور آخر مین مسٹر گنگا ناتھ جھا فیلو الہ آباد یونیورسٹی کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ ایک اسکیم دیسی زبانون کی ترویج کے متعلق پیش کرین چنانچہ سینٹ کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کی کارروائی سے اس معاملہ پر روشنی پڑتی ہی۔ اس جلسہ مین نواب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب فیلو الہ آباد یونیورسٹی نے تجویز پیش کی کہ الہ آباد یونیورسٹی کے امتحانات ایف اے اور بی اے مین مثل مدراس یونیورسٹی کے ایک پرچہ اُردو کا بھی ہونا چاہیے۔" آپ نے یہ تجویز پیش کرتے ہوے فرمایا کہ "مین اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہون کہ اُردو سے میری مراد وہ عام زبان ہی جو ان صوبجات کے شہرون مین بولی جاتی ہی۔ مین اُردو اور ہندوستانی مین کوئی خط فاصل کھینچنا نہین چاہتا میرے ریزولیوشن کے لحاظ سے اُردو اور ہندوستانی ایک ہی چیز ہی۔ مین خیال کرتا ہون کہ کوئی ملک اخلاقی یا تمدنی ترقی نہین کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو ترقی نہ دے۔ علاوہ ازین اُردو نہ صرف اس صوبہ کی زبان ہی بلکہ تمام ہندوستان کی زبان ہی۔ ان حالات مین مین کوئی وجہ نہین دیکھتا کہ یہ یونیورسٹی اُردو کو ترقی دینے کی کیون نہ کوشش کرے۔ رہی یہ بات کہ یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے مین خیال کرتا ہون کہ جو قابل اراکین یہان جمع ہین وہ مجھ سے بہتر ذرائع سوچ سکتے ہین میرے خیال مین سب سے بہتر یہ ہوگا کہ ایف اے بی اے اور ایم اے کو جواب مضمون دیا جائے انہین بعض کتابین اُردو کی بھی مقرر کر دی جائین جن کو طالب علم پڑھین اور وہ ان کو جواب مضمون لکھنے مین

دیں۔ بہت سے اعلیٰ مصنف ہیں اور میں مندرجۂ ذیل کی سفارش کرتا ہوں۔ مولانا شبلی۔ آزاد۔ غالب۔ کرامت حسین۔ ابو محسن وغیرہ"

سوائے اس طریقہ کے جو معزز محرک نے اس مقصد کے حاصل کرنے کا بیان کیا ہے کہ صرف جواب مضمون کا ایک پرچہ رکھا جائے ہمیں اُن کے لفظ لفظ سے اتفاق ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ گورنمنٹ اس معاملہ میں سبقت کر چکی تھی۔ جیسا کہ وائس چانسلر کے جواب سے معلوم ہوتا ہے۔ وائس چانسلر نے جواب دیا کہ "یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں دیسی زبانوں کو داخل کرنے کے مسئلہ کی طرف کچھ عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ نے یونیورسٹی کو توجہ دلائی تھی۔ اور فیکلٹی آف آرٹ شعبہ فنون کے سامنے دو ایک سال ہوئے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تھا۔ اس بارہ میں بہت غور و خوض کے بعد سنڈیکیٹ نے اپنے پچھلے جلسہ میں چند تجاویز منظور کی تھیں اب تمام معاملہ ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا کے سپرد کر دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کی بابت مناسب تجاویز مرتب کریں۔ جب یہ تجاویز آ جائیں گی تو انہیں متعلقہ فیکلٹیاں غور کریں گی اور معمولی طریقہ پر اُن کو پیش کریں گی"

ہمارے خیال میں سارا معاملہ ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا صاحب پر چھوڑ دینے کے بجائے بہتر ہوتا کہ ایک سب کمیٹی کے سپرد کیا جاتا جس میں کم از کم ایک مسلمان ممبر بھی ہوتا۔ جو اُردو کے متعلق ضروری تجاویز مرتب کرتا کیونکہ دیسی زبانوں میں جو اہمیت اور مرتبہ اُردو کو حاصل ہے وہ کسی دوسری زبان کو نہیں ہے۔ اور اگر کوئی زبان "ہندوستانی" کہلانے کی مستحق ہے تو وہ صرف اُردو ہی ہے۔ جو صوبجات متحدہ اور پنجاب کی عام زبان ہے اور دوسرے صوبوں کے ہر شہر میں بولی اور سمجھی جا سکتی ہے

دسمبر ۱۹۱۵ء کے بعد کے جلسوں کی روئداد چونکہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسٹر گنگا ناتھ جھا نے کیا تجاویز مرتب کیں۔ اور اُن پر یونیورسٹی میں کیا بحث ہوئی لیکن نتیجہ اس بحث کا ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہو گیا ہے جو نہایت قابل افسوس ہے یعنی دیسی زبانوں کی تعلیم کی تحریک یونیورسٹی نے نامنظور کر دی اور اب گویا یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ اس صورت میں پبلک اور اخبارات کا فرض ہے کہ گورنمنٹ اور یونیورسٹی کو اس فروگذاشت کی طرف پھر زور سے متوجہ کریں۔ اور یہ بات پورے طور پر ظاہر کر دیں کہ ہم دیسی زبانوں کو یونیورسٹی کے کسی دوسرے مضمون سے کم اہم نہیں سمجھتے۔ اگرچہ الہ آباد یونیورسٹی پر اُردو کا سب سے زیادہ حق ہے لیکن فی الحال یونیورسٹی اس کو اتنا ہی حصہ عطا کرے جتنا کم و بیش اس کو دوسری یونیورسٹیوں میں حاصل ہے۔ ہم اس مبحث پر بار بار لکھیں گے اور الہ آباد یونیورسٹی کو اس کی ناگوار غفلت سے جگانے کے لیے برابر جھنجھوڑتے رہیں گے۔

سید جالب (دہلوی)

رباعیات محرم

دیکر افسوس یاد دہلو مجھ کو
کیوں چھوڑ چلا نگار خوشخو مجھ کو
ریحرز دے مجھے کہ ہو گیا میں برباد
دھو سکا لے ہمہ اندے تو مجھ کو

مقسوم میں تھا یہی ہمارے غم درد
ہوتا محروم کس طرح سے کم درد
یارب! نہ کسی سے یوں جدا ہو جائے
ہمدم ہمراز و ہمنشین و ہم درد

دل خون ہے وہ انقلاب دیکھے میں نے
دنیا میں بہت عذاب دیکھے میں نے
تسکین دیتا ہوں دل کو اب یہ کہہ کر
وحشت انگیز خواب دیکھے میں نے

اک دل میں ہزار پیچ و تاب لے ولے
یہ زندگی ہے کہ ہے عذاب لے ولے
مردوں کو لحد میں ہے سکون آرام
زندوں کے لیے ہے اضطراب لے واے

ہندوستان کے قدیم مذاہب

(پروفیسر رومیش چندر دت - سی - آئی - ای آنجہانی کے ایک مضمون کا ترجمہ)

ہندوؤن کے مذہبی اعمال و رسوم، اُن کا قدیم اور سخت نظام ذات، اُن کے عجیب و غریب تیوہار، اُن کے شاندار مندر و متبرک مقامات، اور اُن کے سالانہ تیرتھ جاترا، اُن کے متعلق اور اُن کی عورات کے ان خانوشانہ وصایا نہ مذہبی اشغال، اور اُن کے مردون کے اُن خود اختیار کردہ روزون اور کفارون کی نسبت وقتاً فوقتاً بہت کچھ لکھا گیا ہے جو یورپ کے قرونِ وسطیٰ کے رسوم و اعمال کی یاد دلاتے ہین۔ مگر ہندو مذہب کے اُن عام پسند و دلچسپ تذکرون مین ہم کو فلسفہ کی وہ تہ نہین ملتی ہے جو ہندوستان سے بڑے بر اعظم کے باشندون کو ایک دوسرے سے متعلق اور متحد کیے ہوئے ہے جسکی وجہ سے وہ لوگ ہزارہا سال تک یونانیون پارسیون مسلمانون اور مسیحیون کے خارجی اثر کا مقابلہ کر سکے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ صرف ہندوستان ہی مین ہم کو زمانۂ سلف کے عقائد و رسوم و اعمال کا سراغ ملتا ہے جنکا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور جن کی نسبت کہنا چاہیے کہ وہ ابھی تک زندہ ہین مصر اور بابل کے پُرانے عقائد تقویم پارینہ ہوگئے ہین، یونان اور روم (اطالیہ) کا قدیم مذہب اب صرف نظم و دستکاری مین رہ گیا۔ قدیم میڈیا اور فارس والون کے عقائد پارسیون کی ایک جماعت مین باقی ہین (جو آجکل ہندوستان مین رہتے ہین)، چین مین کنفیوشس کے مذہبی اصولون کو بودھ مذہب نے تبدیل کر دیا۔ ہندوؤن ہی مین صرف زمانۂ گزشتہ و زمانۂ حال کے مابین ایک سلسلہ قائم ہے اور گو مذہبی عبادات کے طرق و دستورات مین ایک تغیر عظیم ہوگیا ہے مگر ہندو مذہب کے اصول و اندرونی خیالات آج بھی وہی ہین جو کسی زمانہ مین اُپنشدون اور ویدون مین تھے وہ ہزارہا برس سے مثل ایک ایسے چشمہ کے رواں ہین جو قرب و جوار کی زمین کو تر و تازہ کر کے اُسکو لہلہاتے سبزہ زار سے ڈھانک دیتا ہے جس سے اُس مین ایک قسم کی جان پڑ جاتی ہے۔ نظر بر آن ایک طالب العلم کو لازم ہے کہ وہ زمانۂ حال کے ہندو مذہب پر نظر غائر ڈالے تا کہ اُسکو اُن اندرونی خیالات کی جھلک معلوم ہو جس سے وہ (ہندو مذہب) آریہ تہذیب کے زمانہ کے ابتدائی رسوم و اعمال سے وابستہ ہے۔ ہندوستان مین عبادت اور پرستش کا ابتدائی طریقہ قدرت کی پرستش کا تھا۔ قدرتی طاقتون (شکتیون) کو قربانیان چڑھائی جاتی تھین، اور انھین کی عبادت کی جاتی تھی۔ آریون کے زمانے کی سب سے قدیم مذہبی کتاب رگ وید ہے اُس مین ایک ہزار اٹھائیس زمزمے ہین جو چار ہزار سال اُدھر ہندو پُجاری اپنی عبادتون کے موقع پر گاتے تھے۔ اکاش یعنی خدا کئی نامون سے پکارا جاتا تھا۔ دیو (یعنی روشن آسمان) اندر (مینھ برسانے والا) ورن (آسمان یا اکاش) اندر جنگ کا دیوتا تھا اُس نے آریہ ہندوؤن کو اُن لڑائیون مین مدد دی تھی جو اُن کو سیاہ فام اصلی باشندون سے لڑنا پڑی تھین۔ اُس نے بنی آدم کو آبِ رحمت پہنچانے کے لیے رعد و برق کے ذریعہ سے بادلون (درن یا راہ) کو پھاڑا تھا۔

"ہم اُن بہادرانہ کارنامون کا راگ گاتے ہین جو اندر نے سر انجام کیے تھے۔ اُس نے راہ (ایک اکشش کا نام) کو مارا اور زمین پر بارانِ رحمت نازل کیا اور پہاڑی چشمون کے بہنے کے واسطے راستہ بنایا۔

"اندر نے راہ کو جو پہاڑون پر تھا قتل کیا تو شتری نے اُسکے واسطے رعد و برق بنائے تھے پانی سمندر کی جانب سطح بہا گا جیسے گائین اپنے بچھڑون کے پاس بھاگتی ہین" رگ وید ۱-۳۲-۱-۲

زیادہ تر موثر اور زیادہ عالی خیال مناجات وہ ہے جو ایک گنہگار ورن سے کرتا ہے جو ہر چیز کو دیکھتا ہے اور جو گنہگارون کو زنجیرون سے باندھتا ہے اور اُن پر رحم کر کے اُن کو چھوڑ سکتا ہے:-

"اے ورن! ہم کو اُن گناہون سے نجات دے جو ہمارے بزرگون نے کیے ہین۔ ہمارے وہ گناہ معاف کر جو ہم نے خود کیے ہین جیسے ایک بچھڑے کو رسی سے اور ایک چور کو قید سے چھوڑ دیا جاتا ہی اسی طرح مجھکو بھی گناہون سے نجات دے"

"اے ورن! ہم نے اپنی خوشی سے گناہ نہین کیے ہین بلکہ غلطی یا شراب یا قمار بازی یا غصے نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔ بڑے چھوٹون کو گمراہ کرتے ہین۔ اور نیند بھی گناہ کا راستہ بتاتی ہی" رگ وید ۷-۸۶-۵-۶-

اسی طرح آفتاب کے بھی کئی نام تھے۔ ساوتری یا سورج یا آدتیہ مختلف مہینون کے سورج کا نام آگ تھا۔ یہ کُل دیوتاؤن کا مُقتدا خیال کی جاتی تھی اور آگ پر جو سوم لتا چڑھایا جاتا تھا اُسکی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ ماروت طوفان باد کا نام تھا جو اندر کو بادلون مین سے پانی نکالنے مین مدد دیتا تھا اور اُشا طلوع آفتاب کی پیاری دیوی ہی جو عام مخلوق کو خواب سے بیدار کرتی ہی۔ اور اُن کی پرورش کرتی ہی اور اُن کو اپنے اپنے کامون مین بھیجتی ہی۔

اے آسمان کی خوبصورت لڑکی! اپنی شعاعِ زرتار کو بلندی پر رکھ ہمکو دولت و ثروت دے اور ہم کو روز روشن عطا کر ہمارے لیے کھانا اور صبح کی کرنین بھیج اے صبح کی سفید پوش دیوی! ہمارے واسطے روشنی لا اور شب کی گہری تاریکی کو دور کر۔ ہمارے بزرگون نے تیرے جلال کا خیر مقدم کیا ہی اور اے تابناک دیوی! ہم بھی تیرا خیر مقدم کرتے ہین کیونکہ تو اپنا رتھ آسمان پر اُسی طرح لیجاتی ہی جسطرح جہاز پانی مین تیرتا ہوا چلتا ہی۔ اے دیوی اپنے چمکتے ہوے رتھ مین آ اور اپنی فرح بخش روشنی کو دور سے لا اور مثل ایک رقیق القلب عورت کے ہماری پرورش کر کیونکہ اب رات چلی گئی ہی جانورون اور مویشیون کو ایک اور روز روشن بخش تاکہ وہ خوشی سے بسر کرین۔ عام مخلوقات کو اپنے اپنے کامون مین لگا اور طیور کو نغمہ سنجی کرنے دے" رگ وید ۱-۴۸-۱-۳-۲-۵-

زمانۂ سلف مین قدرت کی طاقتون کی مناجات کا یہ سادہ اور پُرتپش کا یہ عام پسند طریقہ تھا لیکن گو بیچاری مختلف دیوتاؤن کو مختلف نامون سے پُکارتے تھے مگر ساتھ ہی اسکے وہ اس امر کو نہین بھولے تھے کہ یہ سب دیوتا ایک وجود مطلق کے مظہر ہین جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہی اور جو سب کا خالق حقیقی ہی

"خالق مطلق سب سے بڑا ہی وہ سب کو پیدا کرتا ہی اور سب کو قائم رکھتا ہی وہ سب پر قادر ہی مبارک لوگون کی آرزوئین آسمان مین پوری ہوتی ہین جہان وحدہٗ لاشریک رہتا ہی اور جو ستارہ خرس اکبر کے پرے ہی"

"ہمارا باپ وہ ہی جس نے ہم کو پیدا کیا ہی جو کل مخلوق و اشیا کو جانتا ہی وہ ایک ہی گو اُسکے نام بہت ہین اور لوگ اُسکے جاننے کی خواہش کرتے ہین" رگ وید ۱۰-۸۲-۲-۳-

ہندوستان مین ویدمذہب کا اندرونی خیال اور اصلی فلسفہ یہ تھا اور گو ہم عام طور سے اس مذہب کی نسبت کہ سکتے ہین کہ وہ قدرت کی مختلف قوتون کے مختلف نامون سے پرستش اور عبادت کی تعلیم کرتا تھا مگر ساتھ ہی اسکے ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُس زمانہ مین بھی ہندو لوگ قدرت کے ظاہری مشاہدات اور مظاہر مین گھُس کر اس ایک طاقت (قادر مطلق) کے خیال کو پہنچ گئے تھے جس کی نسبت زمانہ حال کی سائنس بھی یہی کہتی ہی کہ وہی تمام عالم کو حرکت دینے والی اور اسکو قائم رکھنے والی ہی۔

اسی وحدانیت کے اصول کو جو تبدیل پذیر مشاہد قدرت مین مخفی ہی اُپنشدون مین جاکر پوری نشوونما حاصل ہوئی جو ویدکی تعلیم کا آخری نتیجہ ہین وہ ایک حاضر و ناظر روح مطلق ہی جو اپنے آپ کو تمام عالم مین ظاہر کرتی ہی جسمین تمام عالم شامل ہی اور جسمین انجام کار تمام عالم غرق ہوجائیگا۔

وہ عقل جس کا جسم روح ہی جس کی شکل روشنی ہی جس کی ماہیت

آکاش (یہ پانچوان عنصر ہی جو ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہی) کے مانند ہی جہان سے کل کام کل خواہشین کل خوشبوئین اور ذائقے پیدا ہوتے ہین وہ جس مین یہ سب شامل ہی اور جو نہ کبھی بولتا ہی اور نہ کبھی متحیر ہوتا ہی۔

"وہ دل کے اندر روح ہی جو چانول کے دانے سے بھی چھوٹی ہی۔ جو جَو کے دانے سے بھی چھوٹی ہی اور جو دانے کے مغز سے بھی چھوٹی ہی وہ میرے دل مین بھی ہی اور وہ زمین سے بڑی ہی آسمان سے بڑی ہے اور تمام دنیا سے بڑی ہی۔"

"وہ جس سے تمام کام، تمام خواہشین، تمام خوشبوئین اور ذائقے پیدا ہوتے ہین، وہ جس مین یہ سب شامل ہین وہ جو کبھی نہین بولتا ہی اور کبھی نہین متحیر ہوتا ہی وہ میری روح میرے دل مین ہی جسکا نام برہم ہی۔ جب مین یہان سے کوچ کرونگا تو مجھکو وہ حاصل ہوگا۔" چھندوگ اُپنشد ۳-۱۴-۱۴۔

اور جب پُرانے زمانون کے غیر معین تصورات و تخیلات سے نکل کر سن عیسوی سے کئی صدی قبل ہند و فلسفہ کو پوری نشو و نما حاصل ہوئی اُس وقت ویدانت کے فلاسفی نے اِس اصول اعظم کو اختیار کیا جو کئی صدی قبل سے چلا آتا تھا اور اس کو مابعد کے ہندو خیالات کا ایک دائمی اصول قائم کیا۔

سمندر ایک ہی وہ اپنے پانی سے مختلف نہین ہی مگر لہرین جھاگ قطرے اور اسکے دیگر حصص ایک دوسرے سے مختلف ہین۔ اسی طرح ہر کل مخلوق ایک دوسرے سے مختلف ہی مگر ان سب کی وجہ تخلیل علت العلل ہی۔ برہم سوتر ۲-۱ و ۵۔

"جو مثل آفتاب کے درحقیقت ایک ہی مگر عکس سے بظاہر معلوم ہوتا ہی کہ کئی ہین اور جو مثل سطح کے درحقیقت حصون مین تقسیم نہین ہی حالانکہ ظاہر مین ایسا ہی معلوم ہوتا ہی وہ مطلق ایک کامل نور ہی جو منتشر و منقسم نہین ہوسکتا۔ برہم سوتر ۳-۲-۱۸۔"

مگر اس سے یہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ اِس حکیمانہ اصول مین عوام کے عقائد شامل ہین بجائے اسکے قدرت کی طاقتون کو جسکے مختلف نامون سے بہ حیثیت مختلف دیوتاؤن کی پرستش کی جاتی تھی۔ قربانی چڑھانے کا پُرانا دستور وید کے زمانے سے (جو حضرت عیسیٰ کے زمانے سے دو ہزار برس قبل تھا) اُن صدیون تک جاری رہا جو سن عیسوی کے ماقبل گزری تھین۔ اسمین شک نہین کہ جو جو صدیان گزرتی گئین یہ قربانیان زیادہ مستحکم اور نمائشی ہوتی گئین اور چونکہ پجاریون نے اپنی ایک علحدہ اور موروثی قوم قائم کی لہذا اُنھون نے بہت سے رسوم اور قواعد بنلئے اور اُس زمانہ کی مذہبی کتابون مین زیادہ تر قربانی کے تفصیلی حالات لکھے ہوے ہین۔ ابتدائی وید کے زمانے کے سادہ عقائد کسی قدر ظاہری اور نمائشی رسوم مین تبدیل ہوگئے اور یہ کل متبرک رسوم آریہ ہندؤن پر محدود تھے۔ لاکھون غیر آریہ لوگ جنھون نے اپنے آریہ معلمون اور فرمانرواؤن کی تہذیب۔ زبان اور نیز مذہبی عقائد کو اختیار کر لیا تھا متعصبانہ خیال سے وید کے رسوم اور متبرک قواعد مین شریک نہین کئے جاتے تھے۔ اسیطرح قلیل التعداد آریہ ہندؤن اور کثیر التعداد غیر آریون مین جنھون نے اول الذکر کے طریق اختیار کئے تھے ایک عظیم اور قابل افسوس فرق پیدا ہوگیا اور امتداد زمانہ کے ساتھ وہ مستحکم ہوتا گیا۔ ایک طرف تو آریہ جماعتین اس غرور اور تفریق کی وجہ سے جو زمانۂ سلف اور زمانۂ حال کی مہذب فاتح نسلون مین ہوتا ہی اپنے استحقاق کو غیر آریون کے خلاف محفوظ کرتی تھین دوسری جانب غیر آریہ نسلون نے آریہ تہذیب اور رسم و رواج کا جامہ پہن لیا اور مگدھ اور دوسرے صوبجات مین ملکی طاقت حاصل کرکے چاہا کہ وہ بھی اُسی دائرۂ حلقہ (آریون کا حلقہ) مین شامل کئے جائین اِس مشکل کو حل کرنے کی ضرورت ہوئی۔ زمانے کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو حالت معاملات کو ہموار کردے اور اس کام کے واسطے ایک شخص پیدا ہوا جسکا

نام گوتم بودھ تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے چھ صدی قبل ہندوستان میں بودھ مذہب نے عروج حاصل کیا۔ گوتم بودھ اپنے آپکو کسی جدید مذہب کا بانی نہیں خیال کرتا تھا بلکہ اس کا قول تھا کہ وہ اصل ہندو مذہب تلقین کرتا ہی وہ ایک اینتارلیفارمر تھا جو اپنے اصلاح کردہ مذہب کے دائرہ میں ہر قوم اور ہر نسل کے لوگون کو بخوشی داخل کرلیتا تھا۔ اُس کا مذہب اسّی تزکیہ نفس اور صفاے باطن اور تقدس کی تعلیم کرتا ہی جو اگر اُس جنم مین نہ حاصل ہو تو آئندہ جنموں مین حاصل ہو جائے گا۔ دیوتا انسان۔ اور عام مخلوق تقدس کے درجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہین اور اسکے حاصل کرنے کے واسطے بار بار جنم لیتے ہین۔ اِس جنم کا ہر کرم یا فعل دوسرے جنم مین اپنے اصلی نتیجہ کو دکھاتا ہی اور جب بالآخر متواتر تزکیہ نفس سے وہ تعلق جو ہمکو زندگی کے ساتھ وابستہ کیے ہوے ہی منقطع ہو جاتا ہی تو ہم اس مبارک حالت تقدس یا اُس نروان کو جو بودھ کی جنت ہی حاصل کر لیتے ہین۔ یہ تمام اصول پُرانے ہندو اُپنشدون سے لیے گئے ہین مگر گوتم بودھ نے اپنے اصول کی تلقین ہر شخص اور ہر قوم کو کی اور اسطرح اُس نے ایک ایسے عالمگیر مذہب کی اشاعت کی جس نے بالآخر سیلون سے لیکر سیبریا تک اور کشمیر سے لیکر چین و جاپان تک ایشیا کی اقوام کو اپنی آغوش مین لے لیا۔

اِس تزکیہ نفس اور حصول نجات کے مذہب مین خاصکر اخلاقی مواعظ و نصائح بکثرت پائے جاتے ہین اور بلحاظ اخلاقی رفعت و عظمت بودھ سے کوئی فوق نہین لے گیا ہی ہم ذیل مین پند و نصائح کا اقتباس کرتے ہین۔

"۵۔ نفرت نفرت سے کبھی نہین دور ہو سکتی۔ نفرت محبت سے دور ہوتی ہی۔ اس کی یہی خاصیت ہی۔"

"۵۱۔ ایک شخص کی عمدہ نصیحت جسپر وہ عمل نہین کرتا ہی ویسی ہی ہی جیسے ایک خوشنما اور خوشرنگ پھول ہی مگر اُس مین خوشبو نہین ہی۔"

"۱۲۹۔ سب لوگ سزا کے نام سے کانپتے ہین سب لوگ موت کے نام سے ڈرتے ہین۔ یاد رکھو کہ تم بھی انھین کی طرح ہو پس نہ کسی کو قتل کرو اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دو۔"

"۱۳۰۔ سب لوگ سزا کے نام سے کانپتے ہین۔ سب لوگ جان کو عزیز رکھتے ہین۔ یاد رکھو تم بھی انھین کی طرح ہو نہ کسی کو ہلاک کرو اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دو۔"

"۱۸۳۔ رشیون اور منیون کی ہدایت ہی کہ گناہ نہ کرو نیکی کرو اور اپنے باطن کو صاف رکھو۔"

"۱۹۷۔ ہم لوگون کو خوشی سے زندگی بسر کرنا چاہیے جو لوگ ہم سے نفرت کرتے ہین اُن مین ہم کو اسطرح رہنا چاہیے کہ نفرت ہمارے پاس سے چھو نجائے۔"

"۲۲۳۔ غصہ کو نرمی سے فرو کرنا چاہیے طامع کو فیاضی سے اور جھوٹے کو سچائی سے فتح کرنا چاہیے۔"

"۲۵۲۔ دوسرون کی بُرائی تو بہت آسانی سے معلوم ہو جاتی ہی۔ مگر اپنی بُرائی معلوم کرنا بہت مشکل ہی۔ ہر شخص اپنے ہمسائے کی ذرا ذرا سی بُرائیون کو اُچھالتا ہی مگر اپنی بُرائیون کو اسطرح چھپاتا ہی جسطرح فریبی غلط پانسے کو قمار باز سے پوشیدہ کرتا ہی۔"

"۲۶۰۔ بال سفید ہونے سے انسان بزرگ نہین ہوتا ہی گو اسکی عمر پوری ہو گئی ہو مگر اُس کو کہن سال کہنا بیکار ہی۔"

"۲۶۱۔ بزرگ وہ شخص ہی جس مین عقل، راستی، محبت، ضبط اور اعتدال ہو اور جو بُرائیون سے پاک ہو۔"

"۳۹۳۔ کوئی شخص نسب یا خاندان کی وجہ سے برہمن نہین کہا جا سکتا۔ وہی شخص مبارک ہی اور وہی برہمن ہی جس مین سچائی اور راستبازی ہی۔"

"وہم ۹و۳ - لمبے ناداں چکنے بالوں یا بکری کی کھال کی پوشاک سے
کیا فائدہ؟ تیرا باطن تو خراب ہے اور ظاہری صورت کو صاف
بناتا ہے" دھمپدا

اس قسم کے مقولوں کی جانب بہت سی اقوام اور انسانوں کے خیالات رجوع ہوئے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے کئی صدی پہلے بودھ مذہب کے واعظ اور دعاۃ دور و دراز ممالک فلسطین مصر یونان تک گئے اور وہاں کے لوگوں نے اُن کی تعلیمات اور تلقینات کو بغور سُنا - اور مقدس مسیح نے پھر ایک مرتبہ اُسی تحمل سخاوت - عفو اور محبت کے مذہب کی اشاعت کی جسکی اشاعت پانچ سو سال قبل گوتم بودھ نے کی تھی ہندوستان میں آریہ ہنود کا قدیم اور علیحدہ مذہب گوتم کے اصلاح کردہ اور عام مذہب کے ساتھ ہزار سال تک قائم رہا - برہمن اور آریہ قومیں اپنے قدیم استحقاق پر قائم رہیں مگر بیچ اقوام کے لاکھوں اشخاص اُس دروازے میں داخل ہوئے جو اُس وسیع ضمیر ریفارمر نے کھولا تھا حضرت عیسیٰ کے قبل تیسری صدی سے لیکر اُنکے بعد ساتویں صدی تک ہندوستان کے ہر شہر میں ہندوؤں کے متبرک مقامات اور بودھوں کی خانقاہیں تھیں - ایک ہی گانوں میں ہندو اپنی قربانی کرتے تھے اور بودھ اپنے رسوم و اعمال ادا کرتے تھے - ہندو اور بودھ صدیوں تک ایک مقام میں امن و امان اور میل جول کے ساتھ رہے - ہندوؤں کی بے تعصبی کی ایک قابل غور مثال یہ ہے کہ ہزار سال کے اندر باستثناے اس امر کے کہ کسی جنگ زما یا حملہ آور نے اپنی فتوحات میں ظلم کے کام کیے ہوں ہمکو مذہبی ایذا رسانی کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے - فرقوں کے عقائد اور مذاہب علیحدہ علیحدہ تھے مگر وہ باہم بڑی امن و امان اور میل جول سے رہتے تھے -

عام طور سے یقین کیا جاتا ہے کہ اب بودھ مذہب ہندوستان سے مفقود ہوگیا ہے کیونکہ اُس کو ہندو مذہب کی مستحکم عمارت کے مسمار کرنے میں ناکامی ہوئی مگر قضیہ بالعکس ہے - ہاں بودھ مذہب ہندوستان سے مفقود ہوگیا کیونکہ وہ اپنا کام انجام دے چکا تھا ہندو متحد ہوگئے - ہندو مذہب نے رسوم و اعمال کو قبول اور اختیار کر لیا ہے - اب آریہ اور غیر آریہ کا کوئی فرق باقی نہیں رہا پنجاب سے لیکر تراونکور تک گو وہ بلحاظ پیشوں کے مختلف ذاتوں میں منقسم ہیں تمام ہندو ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں اور ایک ہی قسم کے رسوم و اعمال ادا کرتے ہیں ویدک زمانے کی قربانیاں جن سے غیر آریہ بوجہ تعصب خارج کیے گئے تھے اس علیحدگی کی وجہ سے یا تو بالکل معدوم ہوگئیں یا اب وہ صرف شادی یا غمی کے رسوم میں مستعمل ہیں جنکو ہر ہندو ادا کر سکتا ہے - بودھ مذہب کے رسوم و جاتروں کی تقلید کی گئی اور اُن سے زمانہ حال کے ہندو مذہب کے رسوم و اعمال سبقت لے گئے اور خود گوتم بودھ زمانہ حال کے ہندو اوتاروں کے طبقے میں داخل ہوے ہندوستان میں بودھ مذہب کی تاریخ کو سمجھنے کے واسطے اُمور کا یاد رکھنا ضروری ہے - بودھ مذہب ہندوستان سے چلا گیا کیونکہ وہ اپنا کام ختم کر چکا تھا زمانہ حال کے ہندو مذہب نے قدیم قربانیوں اور آریوں کے خاص اعمال و عبادات سے احتراز کیا ہے اور اُس نے آریوں اور غیر آریوں کو بھی متحد و متفق کر لیا ہے - ہندوستان میں گوتم بودھ کی کوشش کے یہ نتائج ہیں -

اس طرح حضرت عیسیٰ کے بعد چھٹی و ساتویں صدی میں ہندوستان میں ہندو مذہب اس جدید طریقے سے شروع ہوا اسکے خاص خاص اصول وہی ہیں جو اُپنشدوں میں بیان ہوئے ہیں - وہ ایک وجود مطلق کو مانتا ہے جو حاضر و ناظر ہے - اس کا عقیدہ ہے کہ کائنات وجود مطلق سے پیدا ہوئی ہے اور بالآخر اُسی میں فنا ہو جائے گی - اُس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس جنم کے افعال کی سزا و جزا آئندہ جنم میں ملیگی اور نیز یہ کل روحیں بالآخر وجود مطلق میں جذب ہو جائیں گی اس عقائد کے لحاظ سے آج کا مذہب ویسا ہی ہے جو دو تین ہزار سال قبل تھا لیکن بلحاظ رسوم و اعمال و عام عقائد کے زمانہ حال کا ہندو مذہب ویدک زمانے کے مذہب سے نہایت مختلف ہے - ویدک کے

زمانے کے مذہب مین قدرت کی طاقتون کی پرستش پر زور دیا گیا ہے زمانۂ حال کے ہندو مذہب مین قادر مطلق کی تین قدرتون کی تلقین کی گئی ہے جو تثلیث اہل ہنود کے نام سے مشہور ہین۔ اِن قدرتون کے نام برھما، بشن اور مہیش ہین۔ ویدکے بھجنون مین قدرت کے دیوتاؤن کے سامون کی تعریف ہے، زمانۂ حال کے ہندو مذہب مین ان دیوتاؤن کے متعلق کثیر التعداد افسانے و قصے گڑھے گئے ہین۔ وید مذہب کی پرستش کا طریقہ یہ تھا کہ آگ کو قربانی چڑھائی جائے۔ زمانۂ حال کا ہندو مذہب بُت پرستی کی تلقین کرتا ہے اور وہ فرحت بخش رسوم و اعمال اور زیارت گاہون مین جانے سے خوش ہوتا ہے۔

ہنود اور مختلف فرقون کے مذہبی رسوم و اعمال کے بارے مین بہت کچھ لکھا گیا ہے جو ہندوستان مین ایک ہزار برس سے جاری ہین۔ مگر ان عام پسند بیانات مین ہم کو پھر وہ اصل چیز نہین ملتی ہے جو دس کروڑ لوگون کو متحد کیے ہوے ہے یعنی ہم کو اس مذہب کا اصلی جزو نہین معلوم جو ابتک آجکل کے ہندوؤن کے دلون مین جاگزین ہے اور جو اُن کو ایک زندہ قوم بنائے ہوے ہے۔ یہ سچ ہے ہندوستان کے باشندے شیوی اور بشنوی فرقون مین منقسم ہو گئے، مگر ان مختلف فرقون مین محض نام کی بابت جھگڑا ہے جیسا کہ یورپ مین قرون وسطےٰ مین ہوتا تھا ہر فرقہ اپنے معبود کے نام سے وجود اعظم کی (شخصی خدا) پرستش کرتا ہے جو اپنے مخلوق کی ضروریات رفع کرتا ہے پیروان بشن کا اعتقاد ہے کہ خالق حقیقی نے انسان کی نجات اور راستی کے غالب کرنے کے واسطے اس زمین پر رام، کرشن یا بودھ کی شکل مین جنم لیا۔ اور اسطرح عبد اور معبود کے تعلقات مین قربت ہوئی اور وید کے زمانے کی طرح وہ معبود کو ایک ذاتی، فیاض اور معاون دوست کی طرح خطاب کرنے لگا۔ کیونکہ عام لوگون کو ایک ایسے معبود کی ضرورت تھی جو بہ نسبت اُپنشدون کی روح مطلق کے زیادہ تر نزدیک ہو جسکا تصور صاف ہو سکے اور اِس ضرورت کو کرشن نے رفع کیا جس کو بودھ نے صدیون تک منع کیا تھا کرشن کے افسانون نے بودھ کی پیدائش کے قصون اور کہانیون کو مٹا دیا اور بجاے بودھون کے متبرک مقامات کے متھرا، بندرابن، اور جگناتھ کی جاترائین قائم ہوئین اور بودھون کی خلوت گزین زندگی کے بجاے اِس قسم کی زندگی کا طریقہ شنو یا کرشن کے مقلدین مین قائم ہوا ہندوؤن کا مذہبی خیال کئی صدیون سے ایک سادہ اور عام پسند طریقہ وحدانیت کی جانب کوشش کر رہا ہے۔ اور تنازعات فرقی اور کثیر التعداد بتون کی پرستش کے باوجود لاکھون ہنود پوشیدہ وحدانیت کے طریقۂ پرستش پر قائم رہے ہین یہ ایک ذاتی فیاض اور معاون معبود کا عقیدہ ہے جسکو معمولی پجاری شیو یا بشن کے نام سے پکارتا ہے۔

زمانۂ حال کے ہندو ریفارمرون کے جلیل القدر طبقہ مین اول شخص رامانج تھا۔ وہ گیارھوین صدی مین جنوبی ہندوستان مین پیدا ہوا اُس نے تلقین کی کہ خدا ایک ہے اُس کا نام بشن ہے اُس نے یہ بھی تعلیم کی کہ نجات کا ذریعہ عشق الٰہی ہے فرقون کی مخالفت کی وجہ سے اس کو وطن سے بھاگنا پڑا اور مثل دیگر نبیون کے اُس کی بھی عزت وطن کے باہر ہوئی میسور مین اُس نے بادشاہ اور رعایا کو اپنا پیرو بنا لیا اور مرنے سے پہلے عقیدۂ بشن کے طریقے مین سات سو خانقاہین قائم کین۔

سلسلۂ ریفارمران مین رامانج کے بعد پانچوان نمبر رامانند کا ہے جس نے وحدانیت کے سادہ طریقہ کو شمالی ہند مین پھیلایا اُس نے بنارس کو اپنا صدر مقام قرار دیا تھا گر وہ اِس مذہب کی تلقین کے واسطے نزدیک و دور ہر مقام کو جاتا تھا۔ بخلاف اپنے پیشرو کے جس نے سنسکرت زبان مین کتابین لکھی تھین اُس نے اپنے زمانے کی زبان مین وعظ دیے اور اُسی زبان مین کتابین بھی لکھین۔ اور شمالی ہند کی ہندی زبان اُس برگزیدہ اور ہر دلعزیز ریفارمر کی آغاز کی ہوئی عظیم مذہبی تحریک

کی وجہ سے بہت دولتمند ہوگئی۔

ہندوستان کی مذہبی اصلاح کی تاریخ مین کبیر کی طرح کوئی شخص مشہور نہین ہی یہ رامانند کا مرید تھا اُس نے اپنے مرشد کے آغاز کیے ہوئے کام کو ہاتھ مین لیا اُس کے دل مین یہ دلیر خیال پیدا ہوا تھا کہ ایک خدا کی پرستش مین اہل ہنود اور اہل اسلام دونون کو متحد کردے۔ وہ کہتا ہی کہ ہندؤن کا خدا وہی ہی جو مسلمانون کا ہی خواہ اُس کو رام کہو خواہ اللہ کہو منھ دھونے مالا پھیرنے متبرک دریاؤن مین نہانے مندرون مین سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہی اگر مناجات پڑھتے وقت یا جاترا کو جاتے وقت تمھارے دل مین مکر و فریب بھرا ہی؟ اگر اللہ جل شانہ معبدون مین رہتا ہی تو تمام جہان کس کا مسکن ہی؟ ہندؤن کے خدا کا شہر بنارس ہی مسلمانون کے خدا کا شہر مکہ ہی لیکن اپنے دلون مین تلاش کرو اور وہان تم کو ہندو اور مسلمان دونون کا خدا ملے گا۔

کبیر نے جو کچھ وسط ہندوستان مین کرنا چاہا تھا اُسی کے کرنے کی کوشش نانک نے پنجاب مین کی تھی وہ ۱۴۶۹ء مین ہندوستان مین پیدا ہوا تھا یہ زمانہ مارٹین لوتھر کا ہمعصر تھا اُس نے تلقین کی کہ ہندو و مسلمان مل کر ایک خدا کی پرستش اور عبادت کرین سکھون کی بڑی جماعت جس کی بنا اُس نے ڈالی تھی عرصۂ دراز تک ایک صلح پسند اور مذہبی برادری رہی مگر بعد کے بعض واقعات نے اُن کو زمانہ حال کے ہندوستان کی سب سے جنگجو نسل بنا دیا۔

بنگال کا مذہبی ریفارمر چیتن تھا جو ۱۴۹۶ء مین ندیا مین پیدا ہوا تھا اُس نے بھی یہی تلقین کی کہ ہندو اور مسلمان باہم مل کر ایک خدا (کشن) کی پرستش کرین۔ آجکل بنگال کی کل آبادی باستثنائے اعلیٰ اقوام کے کشن کی پرستش کرتی ہی گجرات مین بھی ایک ریفارمر پیدا ہوا جسکا نام داؤد تھا۔ اُس نے بہت سی متبرک تصانیف چھوڑی ہین جن مین بیس ہزار اشعار ہین۔ ہندوستان کے مذہبی عقائد کا چشمہ ابھی تک خشک نہین ہوا ہی۔ گزشتہ صدی مین عظیم الشان رام موہن رائے اور دیانند سرستی نے ایک مرتبہ پھر اپنے ملک کے لوگون کو ذات واحد کی پرستش کی تلقین کی اور تمام ہندوستان مین اہل الرائے اور سرگرم لوگ زمانہ گزشتہ کی طرف توجہ مبذول کر رہے ہین اور اپنی قدیم مقدس کتابون اور قدیم فلسفہ کے مطابق اپنے مذہب و سوشل رسم و رواج مین اصلاح کرنے کی کوشش کر رہے ہین۔

ہندوستان کی قدامت پر جان دینا غیر لوگون کے واسطے ایک معما ہی تاریخ نسل انسان مین نہایت حیرت انگیز امر ہندوستان کے قدیم مذاہب و رسوم و اعمال کا وہ سلسلہ ہی جو آغاز زمانہ تاریخ سے لیکر زمانہ حال تک نہ حکومت کی تبدیلیون سے شکست ہوا اور نہ اُسمین یونانیون یا تورانیون مسلمانون یا عیسائیون کے خارجی اثر سے کوئی اثر پڑا۔ اور اگر ہم اُن پوشیدہ قوتون کے سمجھنے کی کوشش کرین جو قدیم ہندو خیالات مذہب اور فلسفہ کو قائم رکھے ہوئے ہین تو بھی ہمارے ذہن مین یہ امر صاف صاف نہین آئے گا۔

رباعی محروم

آہین وہی اور اشکباری ہے وہی
ابرِ آلام دل پہ طاری ہے وہی
مُردہ ہون کہ لطف زیست سے ہون محروم
زندہ ہون کہ دل کی بیقراری ہے وہی



پنڈت بشن نراین صاحب در مرحوم
سابق پریسیڈنٹ انڈین نیشنل کانگریس۔
سال ولادت سنہ ۱۸۶۴ء - تاریخ انتقال ۲۶ نومبر سنہ ۱۹۱۶ء

حضرت ابرہیمؑ اور اُن کے خاندان کے مزارات

مذہبی دنیا مین ملک شام کی حرمت قدیم الایام سے مسلم چلی آتی ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جسپر ہزارہا انبیا و رسل پیدا ہوے اور دنیا کو آلایش کفر و معصیت سے مجتنب اور غضب خداوندی کے ورطۂ ہلاکت سے محفوظ رہنے کی تلقین کرتے رہے ہین۔ اس مقدس سرزمین مین بیت المقدس یا یروشیلم سب سے زیادہ متبرک مقام ہے جو سترہ مہینہ اہل اسلام کا اور ہزارہا سال دوسرے انبیا علیہم السلام کا معبد رہا ہے۔

بیت المقدس دنیا کی جلیل القدر مذہبی قومون کا وہ معبد ہے جسپر مخالفین ہمیشہ حملے کرتے رہے ہین۔ شاہان بابل بخت نصر وغیرہ نے بیت المقدس پر اس غرض سے حملے کئے کہ اُس عصر کے انبیا علیہم السلام کے معبد اور اُن کی پاک تعلیم و تلقین کو (معاذ اللہ) دنیا سے مٹا کر اپنے اثر و خیال کو دنیا مین پھیلائے۔ مسلمانون کے قبضہ مین آنے کے بعد بھی عرصہ تک بیت المقدس مسیحی اور مسلمانون کا مرکز کارزار بنا رہا ہے۔ اور یہ سب اُس کی عظمت و حرمت برقرار رکھنے کے واسطے ہوا ہے۔

یون تو سرزمین شام کا چپہ چپہ انبیا و رسل اور مذہبی علما و صلحا کے معابد و مزارات اور یادگارون سے بھرا پڑا ہے لیکن بیت المقدس اور اُس کے اطراف مین اُن کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ تمام دنیا مین اسکی نظیر بجز حجاز مقدس مین نہین مل سکتی۔ بیت المقدس دنیا کا وہ مقدس حصہ ہے جسپر حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے خاندان کے انبیا حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ وغیرہم جیسے قدسی صفات بزرگان مذہب نے سجدے کیے اور اکثر نے مخلوق الٰہی کی تعلیم و تلقین فرمانے کے بعد اپنے اجسام مطہرہ کو اسی مقدس زمین کے سپرد کیا۔

یہی وہ مقدس زیارت گاہ ہے جسپر ہزارہا مسلم، مسیحی اور یہودی بزرگان مذہب اور مذہب پرست لوگون نے عبادات و طاعات مین زندگی بسر کردی اور اُجور و رحمت خداوندی کے مستحق ہوے۔

ہم اس وقت قدس شریف کے مزارات اور زیارت گاہون سے قطع نظر کر کے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان کے مزارات کا تذکرہ کرتے ہین جو ہمارے مضمون کا عنوان حقیقی ہے۔

قدس شریف سے مدینۃ الخلیل یا موضع خلیل الرحمن یا حبرون جہان انبیاء مذکور کے مزارات ہین تقریباً ۲۲½ میل ہے۔ قدس شریف سے مدینۃ الخلیل جاتے ہوے راستہ مین ۳½ میل پر بیت اللحم پڑتا ہے جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ولادت ہے۔ اسکی عمارات عالیشان اور نہایت آراستہ ہین۔ ۱۶ میل آگے سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کا مزار ہے اور یہان سے تین میل آگے مدینۃ الخلیل ہے۔

(۱) مدینۃ الخلیل

مدینۃ الخلیل جسکو موضع خلیل الرحمن اور حبرون بھی کہتے ہین ملک شام کا ایک بہت پرانا مختصر سا شہر ہے۔ سرزمین شام مین دمشق کے علاوہ اس سے زیادہ پرانا کوئی شہر نہین۔ اسکی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پرانے عہد نامہ کے سفر تکوین مین اس کا تذکرہ آیا ہے۔ سفر تکوین مین اس کا نام قریۂ اربع درج ہے۔ اُس زمانہ مین یہ قریۂ اربع بنی حث قبیلہ کے زیر اثر تھا۔ قریۂ اربع کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہو کہ اُس زمانہ مین اُس کے چار محلے ہون یا اسمین چار قبیلہ مختلف سمتون مین رہتے ہون جیسا کہ اسوقت بھی اُس کے چار محلے ہین یعنی (۱) حارۃ[1] الشیخ جس مین جامع شیخ واقع ہے۔ (۲) حارہ باب الزاویہ (۳)، حارۂ مشرق" جانب شرق (۴)، حارۂ حرم

---

[1] حارہ محلے کو کہتے ہین ۱۲ رفیق۔

جس میں حرم ابراہیمی واقع ہے۔

مدینۃ الخلیل ترکی حکومت میں داخل ہے یہاں ایک قائم مقام تحصیلدار ترکی حکومت کی طرف سے رہتا ہے۔ آبادی تقریباً ستره ہزار ہے ایک ہزار سے کچھ زیادہ یہودی اور باقی مسلمان۔

حرم ابراہیمی ایک عالیشان اور آراستہ مسجد ہے جو مدینۃ الخلیل کا بہترین و متبرک مقام ہے۔ اس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکے خاندان کے مزارات ہیں۔ انبیاء مذکور کی اصل قبریں مسجد کے نیچے ایک غار میں ہیں جس کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا ہے اور مسلم و غیر مسلم کوئی شخص اسمیں داخل نہیں ہو سکتا۔

حرم ابراہیمی میں غیر مسلموں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اور اس کی سخت نگرانی و احتیاط کی جاتی ہے کہ کوئی غیر مسلم حرم میں داخل نہ ہونے پائے۔ اسی احتیاط و نگرانی کا نتیجہ ہے کہ جب سے بیت المقدس اور مدینۃ الخلیل مسلمانوں کے قبضہ میں آیا ہے صرف دو غیر مسلم حرم خلیل میں داخل ہو سکے ہیں ایک اسپین کا سیاح جس نے انیسویں صدی کے آغاز میں اپنے کو مسلمان اور علی بک عباسی نام ظاہر کر کے حرم خلیل کی زیارت کی تھی دوسرے ستوفی شاہ ایڈورڈ ہفتم شاہ انگلستان جو ترکی حکومت کی اجازت سے زیارت سے مشرف ہوئے ہیں شاہ مذکور ۱۸۶۲ء میں بزمانہ ولی عہدی سلطان عبدالعزیز شاہ ترکی کے فرمان سے جس میں یہ شرط کی گئی تھی کہ حرم ابراہیمی اور مزارات وغیرہ کا فوٹو نہ لیا جائے حرم خلیل میں صرف دو پادریوں کے ساتھ داخل ہوئے ہیں جس کی تفصیل آگے معلوم ہوگی۔

(۲) حرم الخلیل

مدینۃ الخلیل میں یہی وہ متبرک مقام ہے جسکی وجہ سے اس شہر کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ حرم خلیل اس مسجد کو کہتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کے مزارات ہیں۔ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں اس مقام پر جہاں مسجد خلیل واقع ہے ایک کھیت تھا جو قبیلہ بنی حث کا مقبوضہ اور مکفیلہ کا کھیت کہلاتا تھا۔ اس کھیت کے کنارہ پر ایک غار تھا۔ یہی وہ غار ہے جو حرم خلیل کے نیچے واقع ہے اور جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں۔ اس غار میں سب سے پہلے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دفن کی گئیں۔

سفر تکوین میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور دفن کا تذکرہ اسطرح کیا گیا ہے:-

حضرت سارہ (زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے ایک سو ستائیس سال کی عمر میں قریۃ اربع میں وفات پائی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنی زوجہ کی وفات سے دل گرفتہ ہو کر رونے اور ماتم کرنے لگے (جب سکون ہوا تو) ابراہیم علیہ السلام مردے کے پاس سے اٹھکر بنی حث (قبیلہ) کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں پردیسی اور تم میں رہنے والا ہوں تم اپنی زمین میں سے مجھے ایک جگہ دو کہ میں وہاں اپنا قبرستان بناؤں اور اپنی بیوی کو دفن کروں، بنی حث نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اے خداوند ہماری سن تو ہمارے درمیان ایک (امیر اللہ) ہے ہمارے قبرستانوں میں جو سب سے بہتر ہو تو اسمیں اپنے مردے کو دفن کر ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو تجھسے قبرستان کے لئے دریغ رکھے گا۔ یہ سنکر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے سر جھکا کر بنی حث کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر تم اس پر راضی ہو کہ میں اپنے مردے کو دفن کروں تو تم عفرون بن صوحر سے میری سفارش کرو کہ وہ مکفیلہ کے غار کو جو اس کی ملکیت اور اسکے کھیت کے کنارہ پر ہے پوری قیمت لیکر مجھے دیدے کہ تمہارے درمیان ایک قبرستان میری ملکیت ہے (جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی) عفرون بن صوحر بنی حث کے درمیان موجود تھا اس نے کہا کہ اے میرے خداوند میں یہ کھیت تجھے دیتا ہوں اور وہ غار بھی جو اسمیں ہے تو اسمیں اپنے مردے کو دفن کر۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے شکریہ کے لیے سر جھکایا

اور کہا کہ اگر تو اُس کھیت کو دیتا ہے تو میں تجھے اُسکی قیمت دونگا، تو مجھ سے اُس کی قیمت لیلے تاکہ میں اپنے مردے کو دفن کردن عفرون نے کہا کہ میرے خداوند یہ زمین چار سو مثقال چاندی کی ہے۔ یہ قیمت ہی کیا ہے۔ تو اپنے مُردے کو دفن کر۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے چار سو مثقال چاندی تول کر عفرون کو دیدی اور وہ کھیت جو مکفیلہ میں تھا اور وہ غار جو کھیت میں تھا اور اُس کے درخت بنی حث کے سامنے سب ابراہیم (علیہ السلام) کی ملکیت قرار پائے اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی زوجہ کی نعش کو مکفیلہ کے کھیت کے غار میں دفن کیا (عہدنامہ قدیم سفر تکوین باب ۲۳)

سفر تکوین کے ایک دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی مکفیلہ کے کھیت میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اُن کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسحاق کی زوجہ حضرت رفقا اور حضرت اسحاقؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت یعقوبؑ اور اُن کی زوجہ حضرت لائقہ یا لیئہ علیہم السلام دفن کیے گئے اور بنی اسرائیل نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی خاک لاکر بھی اس مقام پر دفن کی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دفن کے بعد توریت میں اس کھیت کا دوبارہ ذکر نہیں آیا لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار کی ہمیشہ عزت و حرمت کرتے رہے ہیں۔

مدینۃ الخلیل ظہور اسلام سے پہلے ایک مقدس اسرائیلی شہر تھا لیکن جب مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو بعض مذہبی و ملکی مصالح کی بنا پر یہودیوں اور تمام غیر مسلم قوموں کو حرم خلیل میں داخلہ اور زیارت کی ممانعت کردی اور جبرون نام بدل کر مدینۃ الخلیل شہر کا نام اور مسجد خلیل کو حرم خلیل قرار دیا۔

جبرون، مدینۃ الخلیل، الشیخ خلیل الرحمٰن سنہ ۶۳۷ء میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

اُس وقت سے حروب صلیبیہ تک مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلم اقوام کو حرم ابراہیمی میں بالکل داخل نہیں ہونے دیا حروب صلیبیہ میں بیت المقدس کے ساتھ مسیحی حکمرانوں نے مدینۃ الخلیل پر بھی قبضہ کر لیا اور کچھ عرصہ تک یہ شہر مسیحی حکومتوں کے ہاتھ میں رہا۔ اُس زمانہ میں مسیحی اور یہودی قوموں نے جبرون یا حرم خلیل کی زیارت کی ہوگی لیکن اُس زمانہ کے بہت کم آثار علمیہ اس خصوص سے متعلق ملتے ہیں بعض عربی مورخین کے بیان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حروب صلیبیہ کے زمانہ میں جب اس شہر پر مسیحیوں کا قبضہ ہو گیا تو جبرون کو لاطینی بشپ کے حلقہ انتظام کا صدر قرار دیا گیا اور حرم ابراہیمی کی پوری نگہداشت و حفاظت کی گئی مدینۃ الخلیل کے جس قدر آثار قدیمہ تھے اُن کو بدستور باقی رکھا گیا اور بعض جگہ مرمت بھی کی گئی چنانچہ یاقوت حموی اپنے معجم میں ہروی کی روایت سے اس زمانہ کا ایک واقعہ اسطرح لکھتا ہے:-

> ہروی بیان کرتا ہے کہ سنہ ۵۶۶ھ میں میں چند متلاشیان مذہب کی خدمت میں قدس شریف اور مدینۃ الخلیل میں حاضر ہوا مشائخ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایام شاہ بردویل (سنہ ۵۱۳ھ) میں غار خلیل کا ایک حصہ خود بخود زمین میں دھنس گیا اور یہودیوں کی ایک جماعت بادشاہ کی اجازت سے غار میں داخل ہوئی غار میں داخل ہوکر یہ عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب علیہم السلام کی نعشیں بدستور ایک دیوار کے سہارے رکھی ہوئی ہیں نعشوں کا کفن گل گیا ہے۔ اور نعشوں کے سر کھلے ہوئے ہیں بادشاہ نے نعشوں کو جدید کفن پہنائے اور پھر غار کا سوراخ نہایت مضبوطی سے بند کر دیا گیا۔

سنہ ۱۱۸۷ء میں مسلمانوں نے دوبارہ بیت المقدس اور مدینۃ الخلیل پر قبضہ کر لیا اور اُس وقت سے اب تک برابر مسلمانوں کے قبضہ میں چلا آتا ہے مسلمانوں نے مدینۃ الخلیل پر قبضہ کرنے کے بعد پھر غیر مسلم قوموں کے لیے حرم ابراہیمی کا دروازہ بند کر دیا لیکن ایک اسپینی سیاح اپنے کو مسلمان ظاہر کرکے حرم ابراہیمی میں داخل ہوا سیاح مذکور حرم ابراہیمی کے حالات میں لکھتا ہے کہ:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان کے مزارات ایک مسجد مین ہین جو پہلے ایک یونانی کنیسہ تھی اور مسلمانون نے مدینۃ الخلیل پر قبضہ کرنے کے بعد اُسکو مسجد بنا لیا تھا۔ اس مسجد مین ایک خوبصورت زینہ پر چڑھ کر داخل ہوتے ہین۔ مسجد مین داخل ہوکر سب سے پہلے ایک بڑا استطیل کمرہ پڑتا ہی جسکے بائین جانب ایک کھڑکی لگی ہوئی ہی۔ مسجد کی دہلیز مین دونون جانب دو حجرے ہین۔ دائین جانب کے حجرہ مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہی اور بائین جانب کے حجرہ مین حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا مرقد ہی۔ مسجد کے درمیانی حصّہ کی عمارت مستدیر ہی جس کے دائین جانب دو ستونون کے درمیان ایک حجرہ ہی۔ اُس مین حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر ہی اور عین اُس کے مقابل بائین سمت مین ایک حُجرہ کے اندر حضرت رفقہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ کی قبر ہی۔ مسجد مین محراب و ممبر بھی ہین۔ دوسری جانب صحن کے آخر مین ایک اور دہلیز ہی جس کے دونون جانب دو حُجرون مین حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کی زوجہ حضرت لائقہ رضی اللہ عنہا کی قبرین ہین۔

سیّاح مذکور اسی مضمون مین لکھتا ہی کہ:۔

مسجد کے ایک اور حُجرے مین حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر ہی جس کو بنی اسرائیل نے بنایا ہی اور اسمین آپ کی اصل قبر کی خاک لا کر دفن کی ہی۔ ان قبرون مین سے مردون کی قبرون پر سبز حریر کے قیمتی زرین پردے پڑے ہوے ہین جن پر خالص سونے کا کام کیا ہوا ہی۔ اور عورتون کی قبرون پر سرخ مخمل کی چادرین جو منقش و زرین ہین چڑھی ہوئی ہین۔ یہ تمام قیمتی چادرین قسطنطنیہ سے ترکی حکومت وقتاً فوقتاً بھیجتی رہتی ہی۔ اس قسم کے زرین و منقش پردے ایک ایک قبر پر متعدد ہین۔ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر نو چادرین گنی گئین ——— قبرون کا تمام حصّہ ان چادرون سے ڈھکا ہوا ہی۔ مزارات کے دروازے لوہے کے کواڑون سے جن پر چاندی چڑھی ہوئی ہی بند رہتے ہین۔ قبرون کے چارون طرف برنجی جالیان ہین جو زرین غلافون سے ڈھکی رہتی ہین۔"

علی بک عباسی نے اگرچہ اپنے حالات سفر مین یہ بیان نہین کیا کہ یہ مزارات حقیقتاً کس جگہ ہین لیکن دوسرے ذرائع سے یہ امر متحقق ہی کہ اصل مزارات مسجد کے نیچے ایک غار مین ہین اور مسجد کے اندر جو مزارات ہین وہ اصل مزارات کے اوپر تعمیر کیے گئے ہین جیسا کہ عموماً بزرگان مذہب اور شاہانِ ملک کے مزارات ہوتے ہین۔ سنہ ۱۸۶۲ء مین ایڈورڈ ہفتم شاہ انگلستان حرم ابراہیمی کی زیارت کے لیے مدینۃ الخلیل گئے۔ آپ کو داخلہ کی اجازت ترکی حکومت کی طرف سے عطا ہوئی تھی لیکن فرمان اجازت چونکہ حاکم قدس کے نام تھا اس لیے حرم ابراہیمی کے دربانون نے آپ کو حرم ابراہیمی مین داخل ہونے سے روک دیا اور آپ کو بہت پریشانی اُٹھانا پڑی کیونکہ آپ نے حاکم قدس تک شاہی فرمان نہین پہنچایا تھا اور براہ راست فرمان لیکر مدینۃ الخلیل چلے گئے تھے۔ بڑی دقت کے بعد آپ کو اس شرط پر اجازت دی گئی کہ صرف دو آدمی آپ اپنے ساتھ حرم ابراہیمی مین لیجا سکتے ہین اور دو آدمیون کی اجازت بھی صرف آپکے مرتبہ کے لحاظ سے دیگئی البتہ سرکاری طور پر مسلمانون کا ایک گارد حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ کردیا گیا تھا۔ جس وقت شاہ مذکور مسجد مین داخل ہوے سرکاری حکم سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کے ہمراہ اسٹانلی (غالباً ایک پادری بھی تھا) اسٹانلی نے جو حالات اس زیارت کے لکھے ہین وہ قریب قریب علی بک عباسی کے حالات سے ملتے ہوے ہین البتہ ایک جگہ حسب ذیل واقعہ نیا بیان کیا ہی:۔

مسجد کے دربان نے ہمین ایک سوراخ دکھایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مین تھا۔ اس سوراخ کا قطر آٹھ انچ تھا۔ دربان نے اس سوراخ

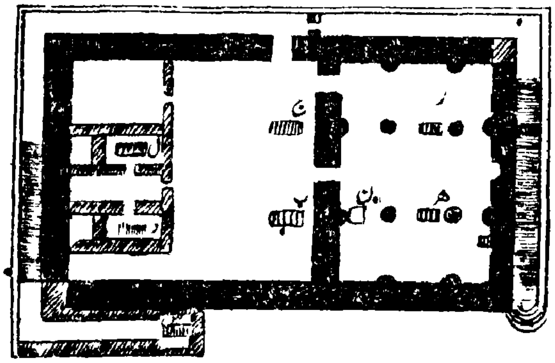
کے متعلق بیان کیا کہ یہ سوراخ اُس غار کے اندر تک چلا گیا ہے جہان انبیاء مذکور کی اصل قبرین ہین۔ یہ سوراخ اس لیے رکھا گیا ہے کہ انبیاء مذکور کے اجسام مطہرہ کی ہوا اس سوراخ سے نکلتی ہے اور اُسی سوراخ کے ذریعہ غار کے اندر روشنی بھی پہنچائی جاتی ہے۔

اسٹانلی لکھتا ہے کہ ہمین یہ معلوم نہو سکا کہ اس سوراخ کے علاوہ غار کے اندر کا اور بھی کوئی راستہ دربانون کو معلوم ہے۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی زیارت کے بعد مسجد خلیل کا داخلہ غیر مسلم کے لیے پھر بند کر دیا گیا اور اب بجز مسلمانون کے کوئی دوسری قوم مسجد خلیل مین داخل نہین ہو سکتی۔

(۳) مسجد خلیل کی موجودہ حالت

مسجد خلیل کی عمارت مربع مستطیل ہے جس کا طول شمال سے جنوب غرب مین ۱۹۷ قدم اور عرض ۱۱۱ قدم ہے مسجد کے چارون طرف ایک دیوار ہے جس مین ۴۲ ستون ہین جن کا معدل ارتفاع ۲۵ قدم ہے تعمیر کا طرز بیت المقدس کی پرانی تعمیر کا سا ہے جو غالباً یہود کی بنائی ہوئی ہے عمارت مین سخت اور بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہین جن مین سے بعض پتھرون کا طول ۲۴ قدم آٹھ انچ ہے۔ مسجد کی چہار دیواری کا عرض ۸½ قدم ہے۔ مغربی شمالی زاویہ کی طرف ایک مینار ہے اور ایک مینار جنوب شرق کی جانب ہے۔ یہ مسجد اسلام سے پہلے ایک کنیسہ تھی جس کو محراب و ممبر بنا کر مسلمانون نے مسجد بنا لیا ہے۔ مسجد کا ممبر مسجد اقصیٰ کے ممبر سے بہت مشابہ ہے۔ شمال شرقی زاویہ مین یونانی زبان کا ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے جس مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر تذکرہ اور عمارت بنانے والون کے لیے دعاء برکت ہے۔ مسجد کی باقی حالت بدستور مساجد ہے۔

مسجد کے نیچے کا غار جس پر مسجد تعمیر ہوئی ہے ایک پرانا غار ہے جس کی عمر کا اندازہ ۷۰۰ سو برس کیا جاتا ہے۔ مسجد کی عمارت کا اکثر حصہ نیا اور کچھ آثار قدیمہ مین ہے مسجد کی چہار دیواری غالباً ہیرڈیان شاہ روما کے عہد مین تعمیر ہوئی ہے۔ مقام یوسف کی موجودہ عمارت اور درجات مسجد یہ سب مسلمانون کی تعمیر ہے۔ جس غار مین انبیاء علیہم السلام کی اصلی قبرین ہین۔ اُس مین اندر جانے کے لیے پہلے ایک راستہ تھا جسکو غالباً مسلمانون نے بالکل بند کر دیا ہے اور اب کوئی راستہ غار مین داخل ہونے کا نہین اور نہ کوئی اندر جا سکتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اگر غار مین جانے کی اب کوئی صورت ہے تو وہ صرف یہ کہ صحن مسجد کو کھول کر غار کے اندر کا راستہ نکالا جائے اور یہ ناممکن قطعی ہے۔ غار کے اندر جو مزارات ہین انکی ترتیب ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی جو مسجد کا سطحی نقشہ ہے:-



نقشہ بالا مین حروف (ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہے اور (ج) حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام اور (ہ) حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور (د) حضرت رفقہ زوجہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اور (ل) حضرت یعقوب علیہ السلام کا مرقد ہے اور (ر) حضرت لائقہ یا لیئہ کا اور (س) حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار ہے۔ ان قبرون مین سے ہر ایک قبر مسجد کے اندر ایک حجرہ مین ہے جس کا دروازہ لوہے کا ہے اور لوہے پر چاندی چڑھی ہوئی ہے۔ وسط حجرہ مین قبہ کی شکل پر مزارات ہین جن پر دیبا و حریر اور مخمل کی زرین چادرین چڑھی ہوئی ہین۔ چادرون پر زرین حروف مین قرآن مجید کی آیات درج ہین اور صاحب قبر کا نام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مثمن شکل کے حجرہ مین ہے جس کی سطح سنگ رخام کی ہے۔ مزار پر چھت کے قریب صاحب مزار کا نام اور آیات قرآن مجید لکھی ہین حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی ایسی ہی ہے

مزارات کی چھت پتھروں کی ہے اور بعض بعض پتھروں پر کچھ لکھا بھی ہے چھت میں چاندی کے قمقمے ہانڈیاں وغیرہ لٹکی ہوئی ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے مزارات کا طول ۸ قدم عرض ۴ قدم اور بلندی ۸ قدم ہے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے مزار کے پردے کے درمیان میں زرین حروف سے لکھا ہے ہذا قبر ستینا سارہ رضی اللہ عنہا زوجۃ النبی خلیل الرحمن علیہ السلام (یہ قبر حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی ہے) زمین پر جو فرش بچھا ہوا ہے وہ سفید و سبز رنگ کے اطلس کا بنا ہوا ہے۔

حضرت یعقوب اور اُن کی زوجہ کی قبریں بھی دو علیحدہ علیحدہ حجروں میں ہیں۔ یہ دونوں حجرے مربع مستطیل ہیں۔ وسط میں قبریں ہیں جن پر زرین پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی قبر پر لکھا ہے ہذا قبر یعقوب النبی علیہ السلام (یہ قبر حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہے) چھت میں روشنی کی ہانڈیاں اور جھاڑ وغیرہ لٹکے ہوئے ہیں۔

حضرت لائقہ یا لیہ کی قبر کے پردے اور مزارات کے پردوں سے مختلف ہیں۔ یہ پردے مربع مستطیل ہیں جس میں یہ نقش کندہ ہے۔ ہذا قبر سیدتنا لائقہ رضی اللہ عنہا زوجۃ النبی یعقوب علیہ السلام (یہ قبر حضرت لائقہ زوجہ یعقوب علیہ السلام کی ہے) حضرت لائقہ کے پردے کے عرض میں کلام مجید کی سورۂ احزاب کی کچھ آیات نستعلیق حروف میں نہایت عمدہ لکھی گئی ہیں جن میں سے شروع کی یہ آیت یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی اور آخر کی یہ آیت فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما پڑھنے میں آتی ہیں۔ باقی آیات کے حروف نہیں پڑھے جاتے۔ ان آیات کے نیچے پردہ پر نہایت خوبصورت زرین نقش و نگار ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار بھی شل اور مزارات کے ہے۔ اس مزار کا پردہ حضرت سارہ کے مزار کے پردے سے بہت مشابہ ہے اس کے درمیان لکھا ہے ہذا قبر النبی یوسف علیہ السلام (یہ قبر حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے) مزار کے نیچے کے حصہ میں کچھ آیات کلام مجید بھی درج ہیں۔

آغا رفیق بلند شہری

اُردو ہندی

مولانا شبلی مغفور کی ایک غیر مطبوعہ تحریر

سنہ ۱۹۱۲ء میں الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اسکولوں اور کالجوں میں دیسی زبان کا کورس ایسی زبان میں مرتب کیا جائے جو اُردو ہندی دونوں زبانوں میں یکساں عبارت و الفاظ کے ساتھ پڑھا جا سکے نیز اردو کے کورس میں بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے۔

مسٹر برن چیف سکرٹری نے اس کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی مولانا مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انھوں نے جو خیالات ظاہر کیے تھے وہ حسب ذیل تحریر ہیں۔

یہ تحریر اس درجہ مؤثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبران کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا اور اس طرح اُردو ہندی بن جانے سے بال بال بچ گئی۔

مسٹر برن نے اپنی یادداشت میں جو تجویزیں پیش کی ہیں اُن میں اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ ہیں۔ ان دفعات کا ذیلی اثر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑ سکتا ہے اس لیے ہم کو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہیے۔

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہے:-

"اُردو زبان، اور ہندی زبان، درصل ایک ہی زبانیں ہیں کیونکہ

بھی گرامر متحد ہے، اور جن دو زبانوں کی گرامر متحد ہوتی ہے وہ زبانیں دراصل ایک ہی ہوتی ہیں، اس بنا پر ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان میں ہونا چاہیئے کہ صرف رسم خط (کیرکٹر) کے فرق سے وہ، اُردو اور ہندی دونوں بن جائے۔"

لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اسکی نظم و نثر کی گرامر مختلف ہے، اس لیے ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لیے، راماین تلسی داس کورس میں داخل ہونی چاہیئے، ہندوؤں کے لیے وہ لازمی کر دی جائے اور مسلمانوں کے لیے بھی اس کا پڑھنا مناسب ہوگا۔"

اس تجویز پر بحث کرنے کے لیے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ ہندی کے لفظ سے مسٹر برن کی کیا مراد ہے، ہندی دو قسم کی ہے، ایک جو دیہات میں بولی جاتی ہے اور گنوار بولتے ہیں، دوسری جو شہر میں تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہیں،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہیں رکھتی، جسکے دلائل حسب ذیل ہیں،

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہے، اور اُن میں باہم اسقدر اختلاف ہے کہ ایک ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہے اس لیے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس میں داخل کی جائے۔

(۲) دیہات اور گنواروں کی زبان کسی ملک میں داخل نصاب نہیں کی جاتی، اور نہ کبھی وہ علمی زبان، قرار پاتی ہے، انگلستان میں دیہات کی انگریزی کسی نصاب تعلیم میں داخل نہیں ہے، ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہے،

(۳) یہ زبان معمولی روزمرہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ کوئی علمی زبان نہیں بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہے کہ کالج کے کلاسوں میں اخیر تک اس کا سلسلہ قائم رہے"،

اب جو کچھ بحث ہو سکتی ہے وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہو سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ شہروں میں عموماً ہندو جو زبان بولتے ہیں وہ اور اُردو زبان، ایک ہی زبانیں ہیں، یعنی اُن کے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہیں، فرق یہ ہے کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہیں ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت میں زیادہ توغل رکھتے ہیں وہ فارسی عربی الفاظ کے بجائے، زیادہ تر برج بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، لیکن عام تعلیم یافتہ ہندو جو ہندوستانی زبان میں مضامین اور آرٹیکل اور رسالے لکھتے ہیں اُنکی اُردو اور مسلمانوں کی اُردو میں مطلق فرق نہیں ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک اور ایڈیٹر ہندو ہیں مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبان دہلی، ان میں ہندو انشا پرداز جو مضامین لکھتے ہیں اُن کی زبان اور اعلیٰ درجہ کے مسلمان انشا پردازوں کی زبان میں کچھ فرق نہیں ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں کیونکہ علمی خیالات کے لیے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہیں ہو سکتے، اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہیں کہ اگر استعمال کیے جائیں تو سمجھنے والوں کی تعداد تھوڑی رہجائے گی۔

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہوگی کہ اِن دونوں زبانوں کا ایک ہی نصاب بنا چاہیے۔ اس کی مثال بھی موجود ہے کیونکہ پرائمری اسکولوں میں پانچویں درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے اور جس میں سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہے دونوں زبانوں کے کورس میں داخل ہے۔

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہیں،

اِس قسم کی مشترک زبان صرف اُس حد تک کے لٹریچر کے لیے کافی ہو سکتی ہے جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے ادا کرنے کے لیے

کافی ہو جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہو لیکن جب کہ یہ مقصود ہو کہ ان کو لڑ
سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے
کی ضرورت ہوگی جس مین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات ادا کیے جائین
اس حالت مین اُن مضامین اور خیالات و اصطلاحات کے ادا کرنے
کے لیے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہون گے بلکہ کسی علمی زبان سے
مستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان عربی یا سنسکرت ہوگی اور یہان
سخت کشمکش پیدا ہوگی، مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہونگے
کہ بجائے اُن عربی الفاظ کے جن کو ہر تعلیم یافتہ مسلمان نہایت آسانی
سے فوراً سمجھ سکتا ہے سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو اُنکے لیے بالکل گوش
ناآشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ اِن الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین
ہون گے لیکن وہ بطور ایثار کے اس محنت کو برداشت کرین گے، بہر حال
جنرل ریڈر مروجہ حال سے آگے چلکر صاف فیصلہ کر دینا ہوگا کہ ہندی
اور اُردو کے کورس الگ الگ ہو جائین، ورنہ اِن دونون زبانون
کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہون گے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہے گی نصاب بنانے مین ہندو اور مسلمان
دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرینگے
اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا،

(۲) دونون سے مل کر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اُردو
ہوگی نہ ہندی، اُردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی
دینا چاہیے کہ وہ علمی زبانین بنجائین، اور اُن مین ہر قسم کے خیالات
اور مضامین ادا کیے جاسکین، اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب دونون کو
علیحدہ علیحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے اور ایک دوسرے
کی راہ مین حائل نہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہیے کہ زبان کو اُس
حد تک ترقی دینا چاہیے کہ اُسکی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہین،
بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پا سکین، یہ امر
بالکل بدیہی ہے کہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ مسلمانون کی زبان اُردو
ہے، پنجاب بنگال، مدراس، بمبئی، مین قابل اور لایق مسلمان، جو
تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین وہ اُردو مین ہوتی ہین،
اور یہ وہی اُردو ہے جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہے، اس لیے اگر اس
زبان کو سنسکرت الفاظ ملا کر ہندی اور اُردو کی ایک زبان بنائی جائے
گی تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی
لینگوا فرنکا ہے، گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہ جائے گی،"

اب مین مسٹر برن کی اُس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو اُنکی
تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہے یعنی یہ کہ ہندی اور اُردو کی گرامر
ایک ہے۔

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہونے سے صرف یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ
دونون ایک ہی خاندان کی زبان ہین، یا ایک دوسرے سے نکلی ہین،
آسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہے
اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے تاہم وہ زبانین مختلف
رہتی ہین، اور اُن سے مشترک کورس نہین تیار ہو سکتا، عبری
زبان کی جو گرامر آجکل بیروت مین شائع ہوئی ہے اور جو ایک قدیم مستند
تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے اور اُس اتحاد سے کسی طرح
کم نہین جس قدر کہ ہندی اور اُردو مین اتحاد ہے تاہم عبری اور عربی
زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو لیکن الفاظ بالکل
مختلف ہون تو اُن کو ایک زبان نہین کہہ سکتے، مشرقی ہندوستان
کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے، باوجود اس کے نہ وہ ایک
زبانین کہی جا سکتی ہین، نہ اُن کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہے۔

مسٹر برن کا یہ دعویٰ اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی

ایک یہ خصوصیت کہ اسکی گرامر، نثر کی گرامر سے مختلف ہی، نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہی کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کر دیے جاتے ہین لیکن اسکے لیے علحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہی کہ وزن کی ضرورت نے یہ تغیر کر دیا ہی ہندی زبان کی نظم کی گرامر، نثر سے مختلف ہوگی تو اسی قدر ہوگی اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہی اسمین سخت منطقی مغالطہ ہی۔

راماین کی گرامر مختلف ہی لیکن اسکی وجہ یہ ہی کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہی اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اسی قدر مختلف ہوگی جس قدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہی۔

راماین کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہی اس لیے اس کا کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہی کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لیے اُس کی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہی تو یہ راے بالکل بجا ہے لیکن اس غرض کے لیے دوامر کا لحاظ ضروری ہی۔

ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لیے موزون نہین بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہیئے جس طرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہی،

دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لیے ہونا چاہیئے، جو صرف اُن لوگون کے لیے بنایا جائے جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین، ایسا کورس عام ورنیکولر کے لیے بالکل موزون نہین ہو سکتا،

آخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے قریباً آزاد ہو اختیار کی جا سکتی ہی لیکن بالائی کلاسون کے لئے اُردو اور ہندی دو زبانون کو بالکل الگ الگ قایم کرنا چاہیئے اور اسی صورت مین دونون اعلیٰ درجہ تک ترقی کر سکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اُس کی بنا پر اخیر درجہ تک دونون کا ایک نصاب بنانا سخت غلطی ہی، جس سے دونون زبانین برباد ہو جائین گی،

(معارف)

رباعیات

تا چند فضاے باغ و صحرا بینی — تا چند بکوهسار و دریا بینی
تا زینهٔ وحدت الوجود ار برسی — در خود همه و در همه خود را بینی

ذره ذره مین ہے خدائی دیکھو — ہر بُت مین ہی شان کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہین - ہر چند — ہر ایک مین ہی مگر اکائی دیکھو

آندم که درین مانه ذی هوش شدیم — اندر طلب یار دنی و نوش شدیم
آواز درای رفتگان چون آید — بر تکیهٔ نرم پنبه در گوش شدیم

سید امجد حسین امجد

زبان

اے زبان! تیرا کیا کہنا اعضاے انسانی مین بس توہی الوان نعمت کی لذتین اُٹھاتی ہے طلاقت سے بڑے بڑے لسّان دانون کو نیچا دکھاتی ہے۔ عذوبت سے دلون پر سکّہ بٹھاتی ہے۔ سخن شیرین سے غیرون کو اپنا بناتی ہے۔ خاموشی سے اپنے وقار و اعتبار کا رنگ جماتی ہے۔

اے عزلت نشین، عفت مآب، مریم صفت زبان! تو گنجینہ علم و حکمت ہے مظہر حمد و ثنا ہے۔ اور مظہر شان خدا العظمۃ للہ اتنی سی زبان اور تیری یہ شان۔ خدا تجھے چشم زخم سے بچائے اور جہان مین تیرا بول بالا ہو۔

• مگر اے زبان! سن رکھ۔ کہین اپنی شان پر نہ اترانا فضول نہ کہنا۔ جھوٹ۔ بولنا۔ راستی سے پھر نہ جانا۔ کیونکہ دلون مین تیری عزت دلون پر تیری سطوت، راستی ہی سے ہے۔ جب تک تجھ مین راستی ہے، اور راستی کے قابو مین تو ہے، دہن تیرے لیے جنت ہے۔ تو گویا جنت مین حور ہے۔ آنکھون مین نور ہے۔ دل مین سرور ہے۔ صدف مین گوہر یکتا ہے کان مین لعل بے بہا ہے۔ باغ مین گل ہے۔ گل مین رنگ و بو ہے۔ بازار مین متاع نقد ہے۔ محفل مین سُرُود نشاط و ساز انبساط ہے اور مقبل کے قبضہ مین کلید گنج۔ اور اگر تو نے راستی کی مخالفت کی تو پھر سمجھ لے کہ تیرا وجود باعث رنج ہے، اور سامان جنگ۔ پھر دنیا بھر کے الزام تجھ پر عائد ہین کبھی تو فتنہ کی جڑ ہے۔ کبھی فساد کی بنیاد۔ کبھی کذب و افترا کی علت۔ کبھی یاوہ گوئی کی اصل۔ غرض ساری خرابیون کی مصدر ہے۔ اب دہن تیرا مسکن نہین رہا ایک محبس ہے جس مین تو اسیر ہے اور دانتون سے پابزنجیر

• سن اے زبان! راستی کی مخالفت کبھی نہ کر۔ گل بن کر عزیز رہ۔ خار ہو کر ذلیل و خوار نہ ہو۔ سختی و درشتی سے لوگون کو ایذا نہ دے۔

اے زبان! درشتی کی حالت مین تو وہ شمشیر ہے جس کا زخم کبھی اچھا نہین ہوتا۔ گریہ بھی جان لے کہ انتقام کا وار بھی خالی نہ جائے گا اور یہ وار بھی زخم کو ناسور ہی بنا کے چھوڑے گا۔

جراحات السنان لہا التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

اے زبان! غیظ و غضب کے وقت تو ایک خونخوار تلوار بنجاتی ہے اور غضب یہ ہے کہ میان ہی مین اپنا کام کر جاتی ہے۔ مگر یاد رکھ تو بھی غضب کی آگ سے نہ بچ سکے گی۔ غصے کے وقت تجھے راستی کے قابو اور حلم کی پناہ مین رہنا چاہیے۔

اے زبان! دو باتین سن پھر ایک بات کہ۔ کیونکہ تو ایک ہے اور کان دو ہین۔

اے زبان! ہر بات کو پہلے سوچ پھر بول۔ سوچے سمجھے بغیر کوئی بات تجھ سے نکل جائے گی تو وہ تیر از کمان جستہ ہے ہدف ملامت تجھی کو بننا پڑے گا۔

اے زبان! فضول گوئی سے خاموشی اچھی ہے۔ فضول گوئی وقار کھوتی ہے اعتبار کھوتی ہے۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید "من سکت سلم و من سلم نجا۔"

اے زبان! نہ کہنے کے وقت کہنا اور کہنے کے وقت نہ کہنا نادانی ہے، اور نادانی باعث پشیمانی ہے۔

اے زبان! تو کام کی جبھی ہے کہ تیرے مواعظ و نصائح سے لوگ مستفید ہون۔

اے زبان! تو اگر سچی ہے تو سچا موتی ہے۔ اور جھوٹی ہے تو جھوٹا موتی

دونون کی قدر قیمت عیان ہی عیان را چہ بیان ۔

اے زبان! ذکر خدا کیا کر، اس سے تو پاک بھی رہیگی اور صحیح وسالم بھی، ورنہ نجس دبیار ذلیل وخوار ۔

اے زبان! عیب وہنر تیری ہی بدولت ظاہر ہوتا ہے اگر مجھ مین کوئی

عیب ہو تو خاموشی تیرے لیے اظہار ہنر ہے

اے زبان! تو اگر شیرین ہی تو سب تجھ سے خوش اور تلخ ہو تو سب تجھ سے

ناخوش، سب کو ناخوش رکھ کر تو کیونکر خوش رہ سکتی ہی ؟

سید غلام مصطفےٰ ذہین

تنقید کتب

واقعات مملکت بیجاپور ہندوستان جنت نشان کی قدیم و جدید تاریخ کا معاینہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہی کہ سلف سے آجتک یہان سیکڑون سلطنتین اور حکومتین قائم ہوئین اور بیشمار خاندانہاے سلاطین نے باری باری سے یہان اپنا سکہ چلایا بعض سلطنتین اس قسم کی تھین جو شاہنشاہی کا درجہ رکھتی تھین اور اُن کا اثر اقتدار کسی خاص حصۂ ملک تک محدود نہ تھا لیکن بہت سی حکومتین ایسی بھی تھین جو کسی خاص حصۂ ہندوستان کی مالک تھین اور بجاے خود مہتم بالشان ہونے کے باوجود اُن کا دائرۂ حکمرانی محدود تھا اس نوع کی سلطنتون مین دکن کی حکومت بہمنیہ کا بھی شمار کیا جا سکتا ہی جسکی بنا سلطان علاء الدین حسن گنگوہ بہمنی کے ہاتھون پڑی اور جس کا دار الخلافتہ گلبرگہ شریف جو آج بھی مملکت نظام مین چوٹی کے شہرن مین شمار کیا جاتا ہی قرار پایا۔ اس کے متعلق تاریخی روایت یہ ہی کہ علاء الدین حسن کسی منجم (جس کا نام گنگوہ تھا) کا غلام تھا لیکن طالع کی یاوری سے ایک خاص حصۂ ملک کا مالک بن بیٹھا۔ اُسکی قایم کی ہوئی سلطنت مدت مدید تک کمال جاہ وجلال سے قایم رہی لیکن سلطان محمد کے عہد مین اُس کے اندر خانہ جنگی اور فتنہ وفساد کے جراثیم کچھ اسطرح پیدا ہوگئے کہ بالآخر اُس کا خاتمہ کرکے چھوڑا سلطان کی وفات پر ہر صوبہ کے گورنر خودمختار ہوگئے اور ایک جگہ کئی سلطنتین قائم ہوگئین، اور گولکنڈہ مین قطب شاہی، بیدر مین بریدشاہی، برار مین عماد شاہی، احمدنگر مین نظام شاہی اور بیجاپور مین عادل شاہی خاندان کے ہاتھ مین عنان فرمانروائی آگئی۔ ان مین سے ہر ایک بجاے خود زبردست حکومت تھی جس نے اپنے دائرۂ اقتدار کے اندر سالہا سال تک تہذیب و تمدن اور علم وفن پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ اُس کا دلفریب دیرپا نقش آجتک زمانہ کی مخالفت کے باوجود نہین مٹ سکا ضرورت تھی کہ ان خاندانون کی جداگانہ تاریخین مدون ہوتین تاکہ دنیا واقف ہوتی کہ ان حکمرانون نے نسل انسانی کی ترقی وبہبود کے لیے اپنے عہد مین کیا کچھ کیا ہی۔ اہل ملک کو مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلوی اول تعلقدار ریاست نظام کا تہ دل سے ممنون ہونا چاہیے کہ آپنے ازیادرفتہ سلطنت بیجانگر کے بعد ہی تاریخ بیجاپور کی تدوین کا بار اپنے سر اُٹھا لیا اور آج آپ کے مساعی جمیلہ کی بدولت خاندان عادل شاہی کے سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامون کا مبسوط بیان "واقعات مملکت بیجاپور" کی شکل مین اہل زمانہ کے روبرو موجود ہی۔

اوپر بیان ہوچکا ہی کہ بیجاپور بھی منجملہ پانچ سلطنتون کے جو انتزاع حکومت بہمنیہ پر قائم ہوئین ۔ خاندان عادل شاہی کا دار الخلافہ تھا اس کے بانی یوسف عادل شاہ کی نسبت منجملہ کئی روایتون کے ایک تاریخی بیان یہ بھی ہی کہ وہ فرمانروایان آل عثمان (ترکی) کا خون اپنی رگون مین رکھتا تھا۔ اُس کی مان نے جان بچانے کی خاطر اُسے ایک سوداگر کے حوالہ کردیا جس نے اُس کی پرورش کی اور ایک مرتبہ اپنے

ساتھ ہندوستان میں لایا، اور خواجہ محمود گاوان مشہور وزیر اعظم دولت بہمنیہ کی وساطت سے متوسلین شاہی کے زمرہ میں شامل کرا دیا۔ ذاتی قابلیت و لیاقت سے تدریجی ترقی کرتے کرتے یوسف بیجاپور کا گورنر ہوگیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ سلطنت بیجاپور کے خود مختار اور مستقل طور پر قائم کرنے کا سہرا اُس کے سر بندھا۔ اس خاندان میں ۹ بادشاہ گذرے ہیں آخری سلطان سکندر عادل شاہ تھا جس کے وقت میں ۱۰۹۶ھ میں سلطنت بیجاپور کی تسخیر اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ دہلی کے ہاتھوں ہوئی اور اس طرح یہ ملک سلطنت مغلیہ کا ایک جزو بن گیا۔ یوسف عادل شاہ حکمران اول کی تخت نشینی کا سن ۸۹۵ھ/۱۴۸۹ء ہے۔ اس حساب سے قریب دوسو برس کے سلطنت عادلشاہیہ کا دور دورہ رہا۔ اس عرصہ میں ملک کے داخلی و خارجی کاموں میں کیا کچھ اصلاحات و تغیرات رونما ہوے ہوں گے، ان سب کا مبسوط اور مدلل تذکرہ مولوی بشیر الدین صاحب نے اپنے انداز خاص میں "واقعات" کے صفحات کے اندر نہایت خوبی سے کیا ہے۔

اس تاریخ کو مولوی صاحب نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) جلد اول، ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحات۔ اس میں حکمرانان عادل شاہیہ کے حالات ہیں۔

(۲) جلد دوم، ضخامت تقریباً سوا سو صفحات۔ اس میں خاص شہر بیجاپور کی مشہور عمارات کے علاوہ، وہاں کے مشاہیر سلف و اولیاے کرام کا مشرح تذکرہ ہے۔

(۳) جلد سوم، ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات۔ اس میں اُن مشہور مقامات کے تاریخی حالات درج کیے گئے ہیں جو کسی زمانہ میں سلاطین عادلشاہیہ کے مقبوضات شمار کیے جاتے تھے۔

مولوی بشیر الدین صاحب نے یہ کام ایسا کیا ہے جس کے لیے شائقین علم و فن اُن کے ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ گذشتہ واقعات کو اِدھر اُدھر سے یک جا کرنے کے لیے انھیں بیسیوں تاریخوں اور تذکروں کی ورق گردانی کرنی پڑی، واقعات و حالات کی صحت و تصدیق کے لیے انھیں متعدد مقامات پر بذات خاص جانا پڑا، تاریخی روایات کی جانچ، فرامین اور کتبوں کی نقل حاصل کرنے کے لیے انھوں نے آپ جانفشانی سے کام لیا اور اپنے معتبر علم دوست احباب سے استمداد کی، غرض سب کچھ کیا، جو مشکل پیش آئی اس کو طے کیا اور آخر کار "واقعات مملکت بیجاپور" کو نہایت درجہ کی خوش اسلوبی و خوش سلیقگی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا۔

"واقعات" میں واقعات نہایت مربوط طریقے پر اور شگفتہ زبان میں بیان کیے گئے ہیں جنگ و جدل کے حالات، سیاسی تغیرات کا تذکرہ ہمسایہ سلطنتوں کے تعلقات کا بیان، عمارات اور مشہور مقامات کا ذکر، سب اپنی اپنی جگہ پر نفاست و خوبی کے ساتھ آئے ہیں مشاہیر وقت میں سے اکثر و بیشتر کے حالات زندگی بھی نظر انداز نہیں ہوے اور بہت سی ادبی معلومات بھی اس کتاب کے صفحوں میں اکٹھا کر دی گئی ہیں، بادشاہوں کی طرز معاشرت اور مشاغل پر بھی نگاہ ڈالی گئی ہے اور ہر عہد کی رفتار تمدن و تہذیب کا بھی خاکہ جا بجا قابلیت سے کھینچا گیا ہے۔ مقبوضات عادل شاہیہ کے تاریخی حالات عمارات و اماکن تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ہر جگہ کے مشہور لوگوں قابل تعظیم اولیاے کرام، اور اُن کے تصرفات روحانی کا ذکر بھی ندرت و لطافت کے ساتھ ہوا ہے۔ مختصراً کہہ سکتے ہیں کہ نام کے لیے "واقعات مملکت بیجاپور" سلطنت عادل شاہیہ کی تاریخ ہے۔ ورنہ اُسے ملک دکن کی ایک مبسوط تاریخ کہلانے کا حق حاصل ہے، جس میں معاصر سلطنتوں کے تشریحی حالات بھی موجود ہیں۔

سرسری اندازہ سے یہ رائے قائم ہو سکتی ہے کہ قابل مؤلف نے اس تاریخ کی ترتیب و تدوین میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دیکھنے والا حیرت کرسکتا ہے کہ معلومات کے اس ذخیرہ کی فراہمی کیسی



مولوی بشیرالدین احمد صاحب دهلوی

دماغ سوزی اور جانکاہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

محاسن ظاہری کے اعتبار سے بھی "واقعات" ایک دیدہ زیب اور نظر فریب چیز ہے۔ عمدہ سنہری لوح، نفیس کاغذ، صاف کتابت، متوسط روشن خط، موزون تقطیع، اور ان سب پر طرہ وہ ہاف ٹون عکسی تصاویر اور کتبون اور فرامین کے نقول ہین جنھون نے لوازم طبع کی تکمیل مین غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ حصۂ اول مین سات فوٹو شامل ہین، حصۂ دوم مین بائیس اور حصۂ سوم مین اکتیس۔ ان مین سے مندرجۂ ذیل چند تصاویر بغرض العصر کے اسی پرچہ مین شائع کی جاتی ہین:-

۱- سلاطین عادل شاہیۂ بیجاپور۔

۲- فرمان عادل شاہی بنام جاگیردار آناسور۔

۳- فرمان اورنگ زیب بادشاہ غازی۔

۴- طغرا یا اللہ، محمد، علی، گولکنڈہ۔

۵- طغرا سورۂ قل اعوذ برب الناس قلعۂ ایجور۔

۶- کتبۂ برج قادریہ رائچور۔

۷- کتبۂ مقبرہ مرزا محمد امیر (بخط کوفی و طغرا)

نمبر (۱) سلاطین عادل شاہیہ کا گروپ ہے جو تاریخی حیثیت سے دلچسپی رکھتا ہے، نمبر (۲ و ۳) قدیم احکام شاہی اور طرز تحریر کے بے مثل نمونے ہین۔ نمبر (۴ و ۵) سے بھی قدیم خطاطی و طغرا نویسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

طرز بیان اور تسلسل واقعات کے اعتبار سے کتاب بے عیب ہے لیکن زبان مین باوجود شیرینی و صفائی کے ایک خاص چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے جس کو مورخانہ انداز کہا جا سکتا ہے۔ درباری علما و فضلا و شعرا کے حالات بھی اس سے زیادہ مفصل ہونے چاہیئے تھے۔ حصۂ سوم کی غیر ضروری ضخامت کم کرنے کے لیے یہ تدبیر کارگر ہو سکتی تھی کہ بعض بیانات جو مکرر آگئے ہین وہ یکجا کر دیے جاتے مثلاً سلطنت بہمنیہ اور اسکے سلاطین کا تذکرہ کئی مقامات پر متفرق طور پر موجود ہے لیکن یہ فروگذاشتین (بشرطیکہ انھین فروگذاشت کہ سکین) خاص اہمیت کی چیز نہین کیونکہ ان کے مقابلے مین اور بہت سے محاسن اس کتاب مین موجود ہین، مثلاً ٹیپو سلطان کے تاریخی سوانحی حالات کسی اور جگہ اتنے مفصل نہ مل سکینگے جو مولوی بشیر الدین صاحب نے "واقعات" مین مجتمع کرکے دکھلائے ہین۔

ہر سہ حصص کی قیمت غیر مجلد کے لیے ... اور مجلد طلائی کے ... علاوہ محصول ڈاک مقرر ہین۔ درخواست خریداری بنام مولوی بشیر الدین احمد صاحب اول تعلقدار پنشنر کھاری باؤلی دہلی ارسال کی جائے۔ نیز سکریٹری، منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ سے بھی یہ کتاب دستیاب ہو سکتی ہے۔

نشاط عمر **عصائے پیری** یہ دونون کتابین بھی مولوی بشیر الدین صاحب دہلوی کے رشحات قلم کا نمونہ ہین اور امریکہ کے مشہور ڈاکٹر سلیونس اسٹال کے سلسلۂ "سلف اینڈ سکس" سے ماخوذ ہین۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتابین یورپ اور امریکہ مین بہت مقبولیت حاصل کر چکی ہین اور چونکہ ان مین بچون سے لیکر بوڑھون تک کے واسطے نہایت بیش قیمت معاشرتی تلقینات قلمبند کی گئی ہین اور ان پر عقلی و نقلی دلایل کی روشنی ڈالی گئی ہے اس وجہ سے آجکل ان کتابون کی قدر و قیمت یہان بہت زیادہ ہے۔ مولوی بشیر الدین صاحب نے ترجمہ کرنے کے ساتھ ہی ہندوستانی رسم و رواج کو مد نظر رکھ کر ضروری ترمیم کی گنجائش بھی نکال لی ہے۔ گویا جن باتون کو مصنف نے یورپین نقطۂ خیال سے لکھا تھا انھین آپ نے ہندوستانی معاشرت کے سانچے مین ڈھال دیا ہے۔ اسکے علاوہ آپ نے پیرایۂ تحریر اس قدر عالمانہ رکھا ہے اور جا بجا آیات قرآنی و احادیث نبوی کا جوڑ استناداً اس خوبصورتی سے لگایا ہے کہ کتاب کی شان دوبالا ہو گئی ہے۔ اسکے علاوہ قابل مترجم نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کا تذکرہ کرکے مطالب مین نہایت درجہ کی دلچسپی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر سلیونس اسٹال نے اس سلسلہ مین کئی کتابین لکھی ہین ...

کتاب نوعمر لڑکون سے متعلق ہو اس کا ترجمہ بھی مولوی بشیر الدین نے "سحر زطفلان" کے نام سے کیا ہو، دوسری نوجوانون کے لیے اور تیسری جس کو فلسفۂ ازدواج کہنا درست ہوگا معمر لوگون سے تعلق رکھتی ہو۔

موخر الذکر دونون کتابون کا ترجمہ "نشاط عمر" اور "عصاے پیری" کے نام سے کیا گیا ہو۔ مضامین کے لحاظ سے مختصراً سمجھ لینا چاہیئے کہ جن امور کا توالد و تناسل سے تعلق ہو اُن سب پر ان کتابون مین رائے زنی کی گئی ہو۔ بلاشبہ یہ مسائل جسقدر دقیق او نازک ہین اُسی قدر انسانی زندگی پر موثر بھی ہین بعض باتین شاید ظاہر بین نگاہون مین غیر مہذب یا اشتعال انگیز نظر آئین لیکن اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ ان باتون پر رائے زنی کرنے کا اس سے زیادہ مہذب و متین انداز ناممکن ہو۔ حقیقت یہ ہو کہ ان اہم مسائل کی طرف جن کا ذکر "نشاط عمر" "عصاے پیری" مین آیا ہو، یہان کسی نے کاہیکو توجہ کی ہوگی، حالانکہ انھین پر قومی زندگی کا انحصار ہو۔ بقاے نسل کا مسئلہ نہایت اہم ہو اس لیے جو لوگ اپنی مذموم عادات یا خلقی لاپرداہی سے اپنی نسل کو خراب کرتے ہین وہ اخلاقاً ملک اور قوم کے گناہگار ہین اور انھین گناہگارون کی ہدایت کے لیے "نشاط عمر" اور "عصاے پیری"، شمع ہدایت کا کام دیتی ہین۔ خدا کرے ان کتابون کی اشاعت کافی ہو تاکہ جس مقصد کو مدنظر رکھکر مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے یہ محنت شاقہ گوارا کی ہو وہ بوجہ احسن پورا ہو۔

نشاط عمر کی قیمت عمہ اور عصاے پیری کی عمہ (مع محصول ڈاک) ہو اور مصنف سے دہلی کھاری باؤلی کے پتہ پر، سکرٹری نامی پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ سے دستیاب ہوسکتی ہین۔

• مولوی صاحب ممدوح کے دو ناول یعنی اقبال دلہن اور حسن معاشرت بھی موصول ہوے ہین۔ آئندہ اشاعت مین ان کا ریویو درج ہوگا۔

مرقع کالج | مولوی محمد بدر الدین صاحب بی اے ایل بی (علیگ) وکیل ہائیکورٹ مراد آباد نے اس نام سے ایک مبسوط رسالہ شائع کیا ہو جسمین علیگڈھ کالج کے حالات و روایات نہایت خوبی سے یکجا کیے گئے ہین علیگڈھ کالج مسلمانون کی ایک سربرآوردہ درسگاہ علمی ہو اور اُس کے متعلق اس قسم کے دلچسپ معلومات کا فراہم ہونا یقیناً قابل قدر ہو۔ ڈوننگ ہال، یونین کلب، کھیل کود، اسپتال وغیرہ کے مناظر دلچسپی کے ساتھ دکھائے گئے ہین مشہور روایات کالج مثلاً مبوق کلب، تاڑ اکلب، سپاسن نامہ، گورکھپوری آم کی شرح کیفیت بیان کی گئی ہو طلباء کے خاص مشاغل تفریحی مثلاً فاختہ اُڑانا، ناشتہ پر حملہ، انگریزی مسہل وغیرہ کی تشریح بھی دلچسپی سے خالی نہین، شورش سنہ ۱۹ء کا ذکر بھی کسی قدر سختی آمیز لہجہ مین بیان کیا گیا ہو۔

شروع کتاب مین ایک مطول مقدمہ ہو جسکے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہو کہ مصنف کے خیال مین علیگڈھ کالج کے اندرونی انتظامات سر تا سر نقص سے معمور ہین اور آپکے خیال مین جو مقصد علیگڈھ کالج کے قیام سے مدنظر تھا وہ کسی پہلو سے بھی نہین پورا ہوسکا۔ غالباً اس رائے کے قائم کرنے مین ضرورت سے زیادہ سختی برتی گئی ہو۔ کیونکہ مسلمانون مین آجکل جو کچھ بھی علمی بیداری کے آثار پائے جاتے ہین وہ علیگڈھ کی تحریک کا نتیجہ ہین تاہم بہی خواہان کالج کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ اگر نقائص صحیح طور پر بتلائے گئے ہین تو انکی اصلاح کی صورت نکالنی چاہیے۔ قیمت ۱۲ر ہو اور دفتر نیر اعظم مراد آباد یا نامی پبلشنگ کمپنی، نامی پریس لکھنؤ سے طلب کرنا چاہیے۔

ہاجرہ کی کامیابی | اس نام سے ایک ناول مسٹر انیس احمد کاکوری نے شائع کیا ہو اور اپنے خیال کے مطابق ہندوستان کی موجودہ طرز معاشرت کی گوناگون خرابیون اور نقائص سے بحث کرکے انھین قومی ترقی کا سد راہ ثابت کیا ہو۔ مصنف اُس گروہ سے تعلق رکھتے ہین جو پردہ کو عورت کے حق مین قید بیجا تصور کرتے ہین اور آزادی نسوان کو قومی ترقی کے

حق مین فال نیک تصور کرتے ہین۔ "پردہ کی اصلاح" اور "آزادی نسوان" دو معرکتہ الآرا مسائل ہین جنکی وجہ سے ملک مین دو فریق قائم ہو گئے ہین اور اپنی اپنی جگہ دونون اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتے ہین۔ اس جگہ بہ حیثیت تنقید نگار کے کسی کے حق مین موافق یا مخالف کہنا جایز نہوگا لیکن اگر نیک نیتی کے ساتھ دونون اپنے دعاوی پیش کرین اور ذاتیات سے واسطہ نہ رکھا جائے تو اس قسم کے مباحث قومی ترقی کے لیے یقیناً سودمند ہین۔ ہر فریق اپنے خیال کے بموجب قوم کی توجہ کو اپنی جانب کھینچنے کا حق رکھتا ہے لیکن جو بات کہی جائے وہ قرینہ کی ہونا چاہیے اور جس اصلاح کی خواہش ہو اُس کی ضرورت اپنی معاشرت اور اپنے تمدن کی خصوصیات کو بہ نظر رکھ کر دکھانا چاہیئے ورنہ اپنے خصائص ملکی و قومی کو بالائے طاق رکھ کر اگر کوئی اصلاح عمل مین آئی بھی تو کس کام کی۔ کیونکہ اس صورت مین اصلاح کا فائدہ حقیقی طور پر معلوم نہین ہو سکتا۔ مسٹر انیس احمد نے جو مفید مشورے ایک فسانہ کی شکل مین اہل ملک کے سامنے پیش کیے ہین، وہ یقیناً اسی قبیل کے ہین کہ اگر اُن پر عمل کیا جائے تو اصلاح کے بعد "ہندوستانیت" کا برقرار رہنا معلوم۔ اسکے علاوہ جس انداز سے اُنھون نے اپنا قصہ شروع کیا ہے وہ خود حد درجہ قابل اعتراض و مستحق سرزنش ہے۔ ہاجرہ، جو ایک آزاد خیال عورت ہے، اکبر کی منکوحہ ہے لیکن میان بیوی مین بنتی نہین۔ ہاجرہ، کو شروع سے تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا اور اِس شوق کے پورا کرنے مین اُسے اپنے چچازاد بھائی نعیم سے بہت مدد ملتی تھی۔ اکبر کے لاابالی پن اور حماقت سے ہاجرہ کی طبیعت اُس سے اُچاٹ ہو گئی اور اُس کا فائدہ نعیم اُٹھانا گیا جو ہاجرہ کے مزاج مین اسقدر دخیل تھا کہ دونون تنہائی مین گھنٹون بیٹھے رہتے تھے۔ یہ وقت پہلے تو لکھنے پڑھنے مین صرف ہوتا تھا لیکن آخر کار اُس نے دوسرا رنگ اختیار کیا اور وہی بات پیش آئی کہ جس جگہ کوئی مرد عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے وہان تیسرا شخص شیطان ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہاجرہ چالاکی کے ساتھ اکبر سے طلاق حاصل کرتی ہے اور بالآخر نعیم کے پلے پڑتی ہے۔

قصہ کی پرداز اور واقعات سے جہان اکبر کے کیرکٹر پر ناگوار روشنی پڑتی ہے وہان ہاجرہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت گری ہوئی نظر آتی ہے۔ ایسی حالت مین کہ اکبر سے قطع تعلق نہوا تھا، ہاجرہ کے لیے کتنی شرم کی بات تھی کہ وہ نعیم سے بے حجابانہ ملے اور نہ صرف بے حجابانہ بلکہ ایسے عصمت سوز طریقہ پر جس کا سین مصنف صاحب کے الفاظ مین یون کھینچا گیا ہے:—

> "اس وقت ہاجرہ کے خیال مین صرف نعیم ہی تھا اور نعیم کے خیال مین ہاجرہ۔ اب ضبط کا موقع نہ تھا۔ نعیم نے بے اختیار ہاجرہ کو چپٹا لیا اور ہاجرہ نے بھی اپنی باہین نعیم کے گلے مین ڈال دین اور دائمی محبت کے اقرارنامہ پر خلوص و صداقت کے بوسون سے مہر کر دی گئی۔ نعیم کچھ اس سے زیادہ لطف صحبت کا طالب تھا لیکن ہاجرہ اس کیفیت کو تاڑ گئی اور چیخ کر اُس کی گرفت سے نکل گئی۔"

اگر یہی سبیل ہے جو حضرت مصنف آزادی نسوان کے نام سے جاری کرانے کے خواہشمند ہین تو غالباً تشنہ کامان الفت اپنی بوالہوسی کی تکمیل کا سامان ہوتے دیکھ کر اُنکو دعائین دیتے ہون لیکن صائب الرائے لوگ اُن کی ہان مین ہان نہین ملا سکتے۔ ہاجرہ کے ساتھ سازباز رکھنے اور بالآخر اُسے اپنے قبضہ مین لے آنے کے لیے خواہ نعیم مصنف کے خیال مین تحسین و آفرین کا مستحق ٹھہرتا ہو لیکن اس سے اُسکے ناپاک جذبات کا پردہ ضرور فاش ہوتا ہے۔ نیز ہاجرہ نے جن کی اسقدر تعریف کی جاتی ہے، اگر کوئی کوشش اکبر کو راہ راست پر لانے کی اپنی جانب سے کی ہوتی تب بھی وہ اپنی حرکتون کے لیے ایک حد تک قابل معافی

ٹھہرتی لیکن ایسا نہین ہوا بلکہ اکبر نے جھوٹون بھی طلاق کا نام لیا اور اُنھون نے اس لفظ کو پکڑ لیا۔ اُس کے زیورات واپس کر دیے کہ کسی قسم کا تعلق نہ رہنے پائے شادی کے بعد کبھی سسرال مین خوشی خوشی نہ گئین۔ مانا کہ ساس نند سے نہ بنتی لیکن ہاجرہ نے کبھی سعی کوشش اُن سے نباہ کی کی۔ غرضکہ اِس قصہ مین ہاجرہ اور نعیم جیس کی تعریف کے گیت گائے گئے ہین سب سے زیادہ لعنت و ملامت کے قابل نظر آتے ہین اور یہ مثالیں ہرگز ایسی نہین جن کی تقلید پر ہندوستان کی قومی ترقی کا انحصار سمجھا جا سکے۔ اگر کسی کا جی چاہے تو منروا ایپلشنگ کمپنی لکھنؤ سے اس ناول کے لیے درخواست خریداری کر سکتے ہین قیمت ۶ ر

رعنا اس ناول کا دوسرا نام "بگلا بھگت" اور اُسکی بچی ہی نوعیت مضمون کے اعتبار سے یہ "ہاجرہ کی کامیابی کا گویا جواب ہے۔ پلاٹ قصہ یہ ہے کہ ایک حضرت رسوا کا تعلق ایک نوعمر طوائف سے ہو گیا تھا۔ اُن کے یہان آنے کے بعد اُس نے خوشی سلیقگی اور تمیزداری کے ساتھ زندگی بسر کرنا شروع کی۔ یہان تک کہ باقاعدہ نکاح کے ذریعہ سے دونون کا سلسلہ مربوط ہو گیا سالہا سال تک دونون یکجا رہے اور آپس مین غیر معمولی محبت و اُلفت کا برتاؤ قائم رکھا۔ "رعنا" یعنی وہی طوائف ایسی عمر مین رسوا کے یہان آئی تھی کہ بظاہر اُسے اپنے ناپاک پیشے والیون کے ہتکھنڈون سے بہت کم واقفیت تھی لیکن اسکے باوجود رسوا کے ایک بھتیجے صاحب جن کا نام عرف عام مین "ٹینی" اور "بگلا بھگت" تھا اغوا کر کے اُسے نکال لے گئے اور مآل کار یہ ہوا کہ رسوا نے دونون کی ناک کاٹکر اس حرکت ناشایستہ کا انتقام لیا اور خود ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے۔

اس ناول کے مصنف قاضی محمد محمود انصاری ملازم کورٹ آف وارڈس سیتاپور ہین جو نتیجہ اس فسانہ سے اخذ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر رسوا "ٹینی" کو "دروانہ" کے ساتھ خلا ملا پیدا کرنے نہ دیتا تو یہ روزِ بد دیکھنا کیون نصیب ہوتا لیکن ایک اہم نتیجہ اور بھی مستنبط ہوتا ہے جسکی تشریح دوسرے الفاظ مین یون بھی ہو سکتی ہے

ہیچ صیقل نکو نداند کرد آہنے را کہ بدگہر باشد

قاضی صاحب جو سبق اس ناول کے ذریعہ سے ملک کو دینا چاہتے ہین اُسکے ما لہٗ و ما علیہ کے طے کرنے کے لیے سب سے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ وہ "ہاجرہ کی کامیابی" کے مصنف سے پہلے جھگڑا چکا لین، باقی باتین جن کا تعلق عام ملک سے ہے بعد مین طے ہوتی رہین گی۔

اس ناول کی زبان نہایت برجستہ ہے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے مصنف منشی قاضی سجاد حسین انجم کسمنڈوی کے بھتیجے ہین اور اپنی عبارت مین وہی رنگ پیدا کرنے مین کامیاب ہوے ہین جو اُنکے مرحوم چچا نے "نشتر" اور "رکاکات" مین دکھایا ہے۔ اس کی قیمت ۸ ر ہے اور منروا ایپلشنگ کمپنی لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

۱۔ شاہد رعنا	یہ تینون اخلاقی ناول قاری محمد سرفراز حسین صاحب
۲۔ سعادت	عزمی دہلوی کی تصنیف سے ہین اور آج سے بہت عرصہ
۳۔ سعید	پہلے زیور طبع سے آراستہ ہو کر ملک مین مقبولیت و ہر دلعزیزی

حاصل کر چکے ہین۔ اب نئے سر سے اُن کا جدید ایڈیشن نکالا گیا ہے۔ قاری صاحب کا نام علمی دنیا مین کافی طور پر شہرت پذیر ہے اور انھین کتابون نے آپ کو ملک مین بحیثیت مصنف کے روشناس کرایا ہے اگرچہ آپکی علمی اور قومی خدمات کا دائرہ کچھ اُس سے زیادہ وسیع ہے۔ قاری صاحب دہلی کے باشندے ہین اور سلیس و نفیس اردو لکھنے پر پورے طور سے قادر ہین طرز تحریر آپ کا نہایت سُلجھا ہوا ہوتا ہے اور پڑھنے والا اُسکو پڑھکر عبارت آرائی کے مزے اُٹھاتا ہے۔ آپ کا یہی انداز بیان اِن تینون کتابون سے بھی نمایان ہے اور اِس لیے اخلاقی طور پر سبق آموز ہونے کے لیے یہ کتابین



قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ)

سیاح جاپان و انگلستان

[مصنف شاہد رعنا - سعید - سعادت - درد دل - قطرات اشک - دل کا ساعت ساز - اسلام بانی قاری]

ادبی حیثیت سے بھی قدر دانی کا حق رکھتی ہین۔

نمبر اول ایک طوائف کی خود نوشت سوانح عمری ہی جو آخر کار اپنے ناپاک پیشے سے تائب ہوکر راہ راست پر آتی ہی۔ اِس کے پڑھنے سے اِس خبیث طبقہ کے بہت سے اندرونی رازون کا انکشاف ہوتا ہی اور اُس سے اندازہ ہوتا ہی کہ نوعمر اور نوجوان لڑکون کے پھانسنے کے لیے یہ کم بخت فرقہ کیسا کچھ دلفریب جال تیار کرتا ہی۔ قاری صاحب نے جس انداز سے قصّہ کو شروع کیا ہی اور درمیان مین جو تذکرے آئے ہین وہ غایت درجہ دلچسپ ہین اور اُن کا مطالعہ یقینی مفید ہوگا۔

سعادت و سعید دونون مین قاری صاحب نے یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہی کہ کس طریقے پر بعض نوجوان محفل رقص و سرود مین شریک ہوکر طوائفون پر ریجھ جاتے ہین۔ جیہ اُن کو ناجائز تعلقات قائم کرنے کے بعد جو ناگوار تجربے ہوتے ہین وہ کسقدر دلشکن اور عزت سوز ہوا کرتے ہین اور کس طریقے پر اُن کی جائز اور منکوحہ بیویان گھر مین کس بیکسی اور مصیبت انگیز زندگی بسر کرتی ہین۔ یہ تمام حالات نہایت سبق آموز اور عبرت خیز ہین اور ہمارے ملک مین جہان اِس ناپاک "ذوق و شوق" کی نہایت کثرت ہی اور جہان طوائفون کی شرکت معاشرتی تقریبات کے علاوہ مذہبی مراسم مین بہت بڑی حدتک جائز تسلیم کی جاتی ہی۔ اور اُس کا لازمی اور قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اکثر نوجوان شاہراہ اخلاق سے بھٹک جاتے ہین اس قسم کے لٹریچر کی اشاعت جس قدر بھی زیادہ ہو اچھا ہی۔

تینون کتابین منزو ایجنسنگ کمپنی لکھنؤ یا دفتر رسالہ تمدن لکھنؤ سے منگانا چاہیے قیمتین حسب ذیل ہین:- شاہد رعنا ۹ سعادت ۴ سعید ۴ تینون کتابین ایک ساتھ عصر مین دی جائین گی۔

ہدیۂ عثمانیہ یہ ایک خط ہی جو مولانا سیّد محمد علی صاحب مونگیری نے مولوی حافظ محمد انوار اللہ خان صاحب اُستاد حضور نظام دام اقبالہٗ کے نام تحریر فرمایا ہی۔ اس کے اندر خواجہ کمال الدین صاحب مشہور اسلامی مشنری کے "صحیفہ آصفیہ" کے بیانات کی تردید کی گئی ہی اور دکھایا گیا ہی کہ خواجہ صاحب قادیانی عقائد کے کس درجہ پابند ہین اور اُن عقاید اور خالص اسلامی عقائد مین کس قدر تباین و تخالف ہی۔ مذہبی مباحث پر کسی قسم کی راے زنی نہایت نازک کام ہی۔ لیکن اُس کی یہان چندان ضرورت بھی نہین۔ اس قسم کی کتابین بجاے خود موثر و مفید ہونے کے خاص مذاق اور خاص طبقے کی چیز ہوتی ہین۔ اور ہر شخص اُن سے اپنے مذاق و پسند کے مطابق فایدہ اُٹھاتا ہی لیکن ضروری ہی کہ مباحثہ ہو یا مناظرہ، طرفین کو تہذیب، متانت اور وقار کو ہاتھ سے نہین دینا چاہیئے۔ جب یہ سب کچھ محض تلاش حق کے لیے کیا جاتا ہی تو اس مین ذاتیات کا رنگ کیون غالب آنے پائے۔ افسوس ہی کہ "ہدیۂ عثمانیہ" مین بعض بعض مقامات پر ضرورت سے زیادہ سخت الفاظ مین نکتہ چینی کی گئی ہی قیمت وغیرہ اِس رسالہ پر کہین درج نہین اور ملنے کا پتہ غالباً یہ ہی: شاہ محمد کاظم صاحب بہاری سجادہ نشین خانقاہ مولی نگر ضلع مونگیر۔

پروربس اینڈ اِڈیمس (امثال و محاورات) مسٹر ایس۔ ایم طالب مسیح اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول جمنا الہ آباد نے اس کتاب مین جس کی ضخامت کم و بیش چار جزو کی ہی انگریزی ضرب الامثال و محاورات کو یکجا کرکے اس طرح شائع کیا ہی کہ ہر محاورہ اور ضرب المثل کا اُردو ہندی، فارسی یا عربی مترادف بھی بالمقابل درج کردیا ہی طلبہ کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ یقیناً کارآمد ہوگا۔ اِس قسم کی درسی کتابون کی ہمارے یہان بہت ضرورت ہی۔ تاکہ اُن کے ذریعہ سے وہ لوگ زبان انگریزی کے حاصل کرنے مین سہولت پائین جو زیادہ وقت اس کی تحصیل مین صرف نہین کرسکتے۔ مسٹر طالب مسیح اِس لحاظ سے شکریہ کے مستحق ہین اور امید کرنا چاہیئے کہ موصوف سے

بلا ایک مکمل مجموعہ اس قسم کے امثال و محاورات کا شائع کر سکیں گے
کیونکہ زیر نظر کتاب محض ابتدائی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکتی ہے
اور منتہیوں کے لیے اس میں شاید بہت کم باتیں مفید مطلب نکلیں گی۔

قیمت ۴ ر ہے۔ مؤلف سے یا منروا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے درخواست خریداری کرنا چاہیے۔

"رشید القلم"

نسیر

(۱)

تارا ایک مہینے کی تھی کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اُسوقت سے اُس کی پرورش اور دیکھ بھال کا بار تارا کی پھوپی کے سر آ پڑا۔ تارا کی پھوپھی "شیاما" بچپن ہی میں بیوہ ہو جانے کے باعث اپنے باپ ہی کے گھر میں رہتی تھی۔ اس کی قسمت میں شوہر کی اطاعت و خدمت نہ تھی۔ لیکن شیاما کو اس کا کچھ غم نہ تھا۔ جنم کے اندھوں کو آنکھیں نہ ہونے کا اتنا غم نہیں ہوتا جتنا کہ اُن کو ہوتا ہے جن کی آنکھیں بعد میں کسی باعث سے ضائع ہو جاتی ہیں۔ تارا کی ماں اپنی نند کی اس حالت پر بہت رنجیدہ رہتی اور آنسو بہایا کرتی تھی۔ شیاما کی ماں مر چکی تھی اس لیے گھر کا سارا کام دھندا اُسی کو دیکھنا پڑتا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہی گھر کی ملکہ تھی۔ تارا کی ماں اس کو اپنی بڑی بہن کی طرح مانتی تھی اُسے یقین تھا کہ شیاما سے بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ اور نہ ہو سکے گا۔

ایسی محبتی اور ملنسار بھاوج کے مرنے سے شیاما کو جو رنج ہوا وہ ناقابل اظہار ہے۔ پانچ برس قبل ماں کے مرنے سے جو زخم پہنچا تھا وہ گویا پھر ہرا ہو گیا۔ اس کا جی نڈھال ہو گیا۔ آخر اُس نے اپنی بھاوج کی زندہ نشانی، اُس مہینہ بھر کی بچی، تارا کو اپنی چھاتی سے لگایا۔

شیاما کا بھائی گوبند بائیس تیس سالہ جوان آدمی ہے۔ خاندانی وجاہت اور روپے پیسے کے لحاظ سے بھی وہ کچھ ایسا ویسا نہ تھا۔ ابھی بیوی کو گزرے مہینہ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ دوسری شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بعض بے تکلف دوستوں نے جب اس جلد بازی پر پھبتیاں اُڑائیں تو اُنھوں نے کہا کہ "بھائی! بیوی مر گئی ہے، تو میں سنیاسی بننے سے رہا۔ پھر دیر کرنے سے حاصل؟" بڑے بوڑھوں کے دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ "میری خواہش تو شادی کرنے کی نہ تھی، مگر تارا کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہے؟ صرف اس خیال سے میں بھی آمادہ ہو گیا ہوں۔"

جب شیاما کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُسے بہت رنج ہوا۔ اُس نے کہا "بھیا نے تارا کی پرورش اور دیکھ بھال میں کونسی کمی دیکھی جو یہ باتیں زبان پر لاتے ہیں۔ اگر یہی ہے تو میں آج سے تارا کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں گی۔ اتنا کچھ کرتی ہوں اس پر بھی نام نہیں!" لیکن یہ صرف کہنے کی باتیں تھیں، شیاما نے ایسا کیا نہیں۔ کام کرتے کرتے جب شیاما کو یاد آ جاتا کہ اب تارا کے کو دودھ پلانے کا وقت ہے تو سب کام چھوڑ کر پہلے اُسے دودھ پلاتی تھی۔ اُسوقت اسے گوبند کے الفاظ کا کچھ خیال نہیں رہتا تھا۔ صبح سویرے تارا کو تیل اُبٹن لگا کر، دودھ پلا کر، ایک چھوٹے سے کھٹولے پر سلا دیتی تھی اور تب خود رسوئی کے کام دھندے میں لگ جاتی تھی۔ گھر میں کئی کہاریاں اور دو ایک اور عورتیں ہونے پر بھی گھر کا کام کاج شیاما اپنے ہی ہاتھ سے کرتی تھی۔ دوپہر کو جب گھر کے سب لوگ کھا پی چکتے تھے، شیاما پہلے اشنان کرتی تھی۔ اور تب بھوجن کرتی تھی۔ ہمسایہ کی بڑی بوڑھی عورتیں جب شام کو لکشمی نرائن جی کے مندر میں پوجا پاٹھ کے لیے جاتی تھیں، تو آپس میں شیاما کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ شیاما کو سراہا کرتی تھیں، "شیاما جیسی گھر کے

کام دھندے میں ہوشیار لڑکی کم نظر آئے گی۔ اتنے بڑے گھر کو اکیلی نے سنبھال رکھا ہے!" گرینڈ تائی کو اس سے اختلاف تھا۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ "بہن! بات تو ٹھیک ہے۔ پر نہ تو وہ تیرتھ جاترا کو جاتی ہے اور نہ پوجا پاٹ کرتی ہے۔ دوسرے کی گرہستی میں اتنا پھنسنا بھی کوئی اچھی بات ہے۔ گھڑی دو گھڑی تو رام نام جپنا چاہیئے۔ کچھ تو پرلوک کا بھی خیال ہو۔" اسطرح مندر کے دالان میں ہری نام کے ساتھ کچھ ادھر اُدھر کی بھی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ شیاما کو کبھی اِن عورتوں میں اُٹھتے بیٹھتے نہیں دیکھا گیا۔

(۲)

چھ مہینے کے بعد گوبند کی دوسری بیوی "کشوری" پرمننٹ پوسٹ (مستقل جگہ) پر اپنے شوہر کے ہاں پہنچی۔ شادی سے پہلے بھی وہ ایک دفعہ آئی تھی، مگر وہ آنا ٹمپریری (عارضی) تھا۔ شیاما نے اپنی اِس دوسری بھاوج کی عزت و تعظیم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جسکو بھاوج کے بغیر دُنیا تاریک نظر آتی ہو بھاوج کے آجانے پر وہ کیوں خوش نہ ہوگی۔ کشوری نے دیکھا کہ شیاما نے سارے گھر کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ عروس نو ہونے پر بھی کشوری کی عمر سترہ سال کی تھی۔ شیاما کا گھر پر اتنا اختیار و اقتدار کشوری کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ وداع کے وقت کشوری کی ماں نے اُسے نصیحت کے طور پر کہا تھا کہ "بیٹی! ذرا سوچ سمجھ کو چلنا، دیکھو! میرے نام پر بٹہ نہ لگے۔ وہاں تو تیری نند سارے گھر کی مالک بنی ہوئی ہے۔ یہی مشکل ہے کہ کہیں رام اُڑا دیں۔ شیاما اِس کا خیال رکھیو!" ان کی اس نصیحت کا کشوری پر کیا اثر ہوا، یہ آئندہ معلوم ہوگا۔

دو چار دن تو اطمینان سے بسر ہوئے۔ بعد ازاں ایک زیور کے باعث مخالفت و نااتفاقی کی نیو پڑی۔ گوبند کی والدہ مرتے وقت ایک چندن ہار شیاما کو دے گئی تھی، اور وصیت کی تھی کہ "شیاما! اِس ہار کو تو اپنے پاس رکھنا۔ جب پہلی دفعہ میں اپنی سسرال گئی تھی تو میری ساس نے مُنہ دکھائی درونمائی میں یہی ہار دیا تھا۔ میری قسمت میں نہ تھا کہ میں پوتا پوتی کو دیکھتی۔ میرے بعد گوبند کے یہاں کوئی بیٹا بیٹی ہو تو میری طرف سے یہی ہار اُسے دیدینا!" گھر میں کوئی تقریب تھی، لہٰذا شیاما نے وہ ہار تار اکو پہنا دیا۔ اس ہار کے متعلق چاروں طرف مستورات میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ گوبند کے ماموں کے سالے کی لڑکی کا جب کوئی نہ رہا تو شیاما کی والدہ نے ترس کھا کر اُسے اپنے گھر میں رکھ لیا تھا۔ اس کی آنکھ میں شیاما کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ وہ پہلے ہی منصوبہ باندھے بیٹھی تھی کہ نئی بہو کو اپنے قابو میں کر کے شیاما کو نیچا دکھا دوں گی۔ اُس نے کشوری کو تنہا پاکر کہا "دیکھو بہو جی! میں یہ نہیں سہہ سکتی کہ وہ چندن ہار تارا پہنے پھرے۔ بڑی بہو کے مرتے ہی سب رشتہ ناتہ بھی ٹوٹ گیا! بھلا، دیکھو تو، وہ جڑاؤ ہار اُس چڑیل کے پہننے لائق ہے! رام تمھاری گود میں چاند سی بیٹی دے اور اِسی ہار سے اُسکے گلے کی شوبھا (خوبصورتی) بڑھے!"

شام کو چراغ جلے تبیا کہارن نے شیاما کے پاس پہنچ کر کہا "بی بی جی! تارا کے گلے کا وہ ہار بہو جی مانگتی ہیں"۔

شیاما یہ پیغام سُن کر حیران ہوگئی۔ اُس نے جواب دیا "اُس ہار سے اُنھیں کیا مطلب ہے؟" ہار کے متعلق جو کچھ بات چیت ہوئی تھی شیاما کو اُس کی خبر مل چکی تھی۔ آخر، رات کو اُس نے وہ ہار صندوق میں بند کر دیا۔

(۳)

بات زیادہ بڑھنے نہ پائی، کیونکہ گوبند ابھی تک اپنی نئی بیوی کا "مُرید" نہیں ہوا تھا جب کشوری کا پتہ نشان بھی نہ تھا، اُسی وقت سے شیاما گھر گرہستی کی مالک تھی۔ ایسی دُکھ سُکھ کی ساتھی بے زبان اور بال بدھوا چھوٹی بہن کو بیوی کے کہنے سننے سے وہ کیا کہتا۔ اب کشوری نے نیا منصوبہ باندھنا شروع کیا۔ اُس نے کہا۔ اگر کسی طرح

ار اباپ کی محبت سے محروم ہو سکے تو یہ شیاما کے لیے کافی سزا ہوگی۔

جب تارا تین برس کی ہوئی تو کشوری کے بیٹا پیدا ہوا۔ وہ خوشی کا دن تھا۔ گوبند نے خوب جشن منایا۔ اُدھر کشوری کی ماں بھی اپنی بہن کو ساتھ لیکر داماد کے گھر آ پہنچی۔ بیٹی کی اولاد کو دیکھا وہ اسقدر خوش ہوئی کہ گوبند کے گھر کے دوسرے رہنے والے اسکی نظر مین بالکل ناچیز ہو گئے۔ شیاما تو بالکل ہی گنتی مین نہ رہی۔ دونون بہنین ہر شخص پر حکم چلاتی تھین۔ شیاما کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ مجھے اور میری تارا کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے ہو رہا ہے۔ شیاما بڑے دل گردہ کی عورت تھی۔ وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی لیکن ایک بات ایسی تھی کہ اب اُسے بھی کھٹکنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ گوبند کی محبت دن بدن تارا سے کم ہوتی جاتی ہے۔ جب گوبند کھانا کھانے بیٹھتا تو کبھی کبھی تارا اُس کے پاس پہنچکر کہتی تھی کہ "بابا! مین تمھارے چھنگ کھاؤن گی" اِس پیاری آواز کو سنتے ہی کشوری آنکھین نکال کر بول اُٹھتی تھی "چل، بھاگ یہان سے۔ ساتھ کھانے آئی ہے۔ بیٹھے گی کہ چارون طرف چاول بکھیرنے لگے گی۔" تارا روکھی ہوکر دیوار سے جا لگتی اور کنکھیون سے اپنے باپ کو دیکھتی رہتی۔ بیٹی کی اِس درگت پر گوبند کو رنج تو ضرور ہوتا تھا، مگر کشوری کے خلاف مرضی کچھ کرنا اُس کے امکان و اختیار مین نہ تھا۔ پھر وہ کیسے تارا کو اپنے ساتھ کھلاتا! چُپ چاپ سر جھکا کر وہ اپنے کھانے مین مشغول ہو جاتا۔ کبھی کبھی دوپہر کے وقت باپ کو آرام سے پلنگ پر لیٹے دیکھ کر تارا چپکے سے پلنگ کے پاس جاکر پیار سے کہتی تھی "بابا! مین تمھارے پلنگ چھوؤن گی۔" تارا کی آواز سُنکر کشوری ہان لگانا بھول جاتی تھی، اور فوراً گرک کر ناک بھون چڑھا کر کہتی تھی "من بھر دھول بدن پر لگی ہوئی ہے۔ ساتھ سو کر کیا بستر میلا کرے گی؟ جا، وہین اپنی پھوپھی کے ساتھ سو۔ یہان سو کر کیا کرے گی۔"

یہ وقت شیاما کے کھانا کھا چکا ہوتا تھا۔ تارا روتی ہوئی اُس پر جا گرتی تھی، اور بسور بسور کر کہتی تھی کہ "نئی ماں غصہ ہوتی ہین،" شیاما اُسے گود مین بٹھا کر پیار کرتی اور اُس کے آنسو اپنے آنچل سے پونچھتی۔ شیاما کے اِس برتاؤ سے معصوم تارا کا چہرہ پھر بحال ہو جاتا تھا۔

(۴)

چار برس اور گذر گئے۔ تارا اب سات برس کی ہو گئی ہے۔ گوبند کا بیٹا موہن لال، چار برس کا ہے۔ موہن اپنے باپ کے گلے کا ہار بن رہا ہے۔ تارا کو گوبند کبھی پوچھتا تک نہین۔ کشوری کا تو ذکر ہی کیا؟ ہان اجانتی ہے کہ مین شیاما کی بیٹی ہون اور شیاما میری ماں ہے!

"تیر کیش" ہو چکا۔ نوراتری مین گوبند کے گھر "دس پُجی" دیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ اسکے لیے ضروری چیزین خریدنے گوبند کلکتہ گیا اور نومی کے روز واپس آیا۔ اشنان وغیرہ سے فارغ ہو کر ٹرنک سے چیزین نکالنی شروع کین۔ تارا اور موہن دونون پاس کھڑے ہو گئے۔ موہن نے دریافت کیا "بابا! ہمارے لیے کیا لائے ہو؟"

گوبند نے سُن کر جواب دیا "بہت بڑھیا پوشاک لایا ہون۔ یہ دیکھو بینگنی مخمل کا کوٹ، جس پر سلمے ستارے کا بیحد کام تھا اور ریشمی کنارے کی دھوتی نکال کر موہن کو دی۔ موہن اُسے لیکر کودتا اُچھلتا ہوا اپنی ماں کے پاس دوڑا گیا۔ خوشی مین ٹوپی اور جوتی کے لیے بھی نہین ٹھہر سکا۔

تارا نے ڈرتے ڈرتے سر جھکا کر پوچھا "بابا! میرے لیے کپڑے نہین لائے؟ مین بھی کپڑے لون گی!"

ایک معمولی ساری نکال کر گوبند نے تارا کو دی "یہ مین تیرے لیے لایا ہون!"

بے ماں کی بچیان بھی ذکی الحس ہوتی ہین۔ وہ اپنی قدر اور بیقدری کو خوب سمجھتی ہین۔ چنانچہ تارا نے ساری نہین لی۔ کچھ دیر اسکی طرف نظر جمائے کھڑی رہی۔ بعد ازان بہت ہی اُداس ہو کر کمرہ سے نکلی اور جاتے ہی شیاما پر گر گئی۔ شیاما اُس وقت مالا لیکر رام نام کا جاپ کر رہی

تھی۔ تارا کو اس حالت میں دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئی۔ اُس نے بڑے پیار سے پوچھا "کیوں - کیا ہوا؟ روتی کیوں ہو"

"بابا، موہن کے لیے بہت بڑھیا پوشاک لائے ہیں۔ میں بھی اچھی سی ساری لوں گی۔ مجھے بھی بابا سی ساری منگا دو"

"کیا تیرے لیے وہ کوئی کپڑا نہیں لائے"

اتنے میں کشوری آ دھمکی۔ بگڑ کر کہنے لگی "تم اس لڑکی کو بیجا دلار سر پر چڑھا رہی ہو۔ تمھارے بھائی اُس کے لیے ایسی اچھی ساری لائے ہیں، مگر وہ اُسے پسند نہیں۔ یہ تو ہر بات میں موہن کی حرص کرتی ہے۔ اب یہ میموں کی طرح گون پہنے گی۔ لڑکی کو اتنا سر چڑھانا اچھی بات نہیں ہے!"

شیاما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ خدا نے اسے اگرچہ اولاد نہیں دی ہے، مگر وہ اس بدقسمت بے ماں کی بچی کے دُکھ کو اچھی طرح محسوس کرتی تھی۔ شیاما کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

اُس نے تارا کو اپنی گود میں بٹھا لیا، اور کشوری سے کہنے لگی "بہو! کبھی تارا سے میٹھی بات کرتے تمھیں نہ سُنا۔ دن رات ہاتھ دھو کر اسکے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ یہ تمھاری کیسی بُری عادت ہے۔ یہ کیا کہیں سے پانی میں بہکر آ گئی ہے؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بھیا اُس کے لیے بھی ایک ریشمی ساری لے آتے۔ ارے! وہ اگر بدقسمت نہ ہوتی تو اُسکی ماں ہی کیوں مر جاتی!"

کشوری کے لیے یہ باتیں قابل برداشت نہ تھیں۔ اُس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسی تیسے بیتے کی سننی پڑیں گی۔ وہ گرج کر بولی "بہت کچھ دیکھ چکی ہوں، مگر تمھاری ایسی ایک آنکھ والی پھوپھی کہیں نہیں دیکھی۔ کیا موہن بھتیجا نہیں ہے؟ اُسکے لیے تو تمھیں کچھ کبھی کہتے نہیں سُنا۔ اِس نگوڑی لونڈیا پر تو ٹرا پیار ہے۔ ایسا ہی چاہتی ہو تو اپنے پاس سے ریشمی ساری بنوا دو۔ سب کچھ تو تھیا بیٹھی ہو۔ موہن کا وہ ہار ہضم کر ہی چکی ہو۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ یہ دنیا کا حال ہے کہ ہمارا ہی کھانا اور ہمیں پر آنکھیں نکالنا!"

شیاما میکے میں، بہت دن سے گھر کی مالک بنی ہوئی تھی۔ گھر کے سب لوگ اسکی عزت کرتے تھے۔ آج نوکروں چاکروں کے سامنے جو اسکی بیعزتی ہوئی، اُس کے لیے آنسو بہانے کے سوا وہ اور کیا کر سکتی تھی۔ تارا آنچل سے اپنی پھوپھی کے آنسو پونچھنے اور ہمدردی سے کہنے لگی "بوا! نہ روؤ۔ اب میں ساری نہیں مانگوں گی!"

(۵)

اُس دن رات کو جس شدت کے ساتھ کشوری نے گوبند کے سامنے آنسو بہائے، اُسکی مشابہت برسات کے بادلوں ہی سے ہو سکتی ہے۔ اُس نے رو رو کر کہا "مجھے میرے میکے بھیج دو۔ یہاں میرا کیا کام ہے۔ نئے دن کی بیعزتی اور بیقدری مجھسے برداشت نہیں ہو سکتی۔ بھیا مجھے اور موہن کو دو روٹی دینے سے مُنھ نہ موڑیں گے۔"

کشوری کا بھائی صرف دو کام جانتا ہے۔ ایک روپے پیسے والوں کی مصاحبت اور دوسرا گانجے کے دم لگانا۔

گوبند دن بھر کا تھکا تھکایا تھا، اور مزاج بھی تیسے نادرست تھا وہ آرام کا خواہشمند تھا۔ ایسی باتیں سُن کر وہ بہت ناخوش ہوا۔ اُس نے نرشی کی مہنال مُنھ سے الگ کر کے کہا "تمھارے بھائی صاحب کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اِن باتوں کا ذکر جانے دو۔ ہاں یہ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ جو تم اپنے بھائی کے یہاں جانے پر آمادہ ہو گئیں۔ کیا یہاں تمھارے کھانے اور پہننے میں کوئی کمی ہو رہی ہے؟"

کشوری نے مُنھ بگاڑ کر جواب دیا "ایسے کھانے پینے کو میں دور ہی سے سلام کرتی ہوں۔ جو دن میں دس دفعہ تمھاری بہن کی جوتیاں کھا کے وہ یہاں رہے۔ میں کیا کسی کی لونڈی ہوں۔" غصہ اور جوش کے مارے اِس سے زیادہ وہ کچھ اور نہ کہہ سکی۔

گوبند نے شیاما کو سادھوان اُڑا کر کہا "صاف صاف کہو کہ کیا بات ہے؟ یہ پالکھنڈ میری سمجھ میں نہیں آیا؟"

کشوری نے ایک کی چار، چار کی آٹھ، خوب نمک مرچ لگا کر سب باتیں گوبند سے کہیں۔ گوبند نے ساری باتیں سُنیں اور بستر سے اُٹھ کر کھڑاؤں پہنی۔ دھڑ دھڑ کرتے ہوئے شیاما کے کمرہ کے دروازے پر پہنچے۔ شیاما اُس وقت تارا کو کہانی سُنا رہی تھی۔ گوبند نے باہر ہی سے کھڑے کھڑے کہا "شیاما! معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں مجھے دیوانہ کردو گی۔ آئے دن کا لڑائی جھگڑا سُنتے سُنتے میں حیران ہو گیا۔ اگر تم لوگ مجھے زیادہ دق کرو گی تو میں سچ مچ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔"

شیاما نے اپنے بھائی کی زبان سے آج تک اس لب و لہجہ میں کوئی بات نہ سُنی تھی، اور نہ کبھی اس طرح غصہ میں بھرا ہوا اُسے دیکھا تھا۔ اُسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ بہت رنجیدہ اور دُکھی ہو کر آہستے سے کہنے لگی "بھیا! میرا کیا قصور ہے؟"

گوبند نے جواب دیا "قصور نہ تمہارا ہے اور نہ اُس کا۔ جو کچھ ہے میرا ہے۔ اُسکو میرا ہی قصور سمجھنا چاہیئے۔" ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، مگر کچھ یاد آ گیا، چپ چاپ جا کر اپنے بستر پر لیٹ رہا۔

اس واقعہ کے دو دن بعد، یعنی سنیچر کے روز، یہ خبر مشہور ہو گئی کہ شیاما اب کاشی جائے گی۔ شیاما کی ماسی بہت دن سے کاشی ہی میں رہتی ہے۔ اس کو بھی خبر دے دی گئی۔ شیاما کے گرو مہاراج ساتھ جائیں گے اور شیاما کو کاشی چھوڑ کر چلے آئیں گے۔ گوبند کو بہت رنج ہوا۔ ہندو گھرانوں میں بیوہ بہن کی طرح بے زبان خادمہ جلدی نہیں مل سکتی۔ پہلے تو گوبند نے بہت کچھ جانے سے روکنا چاہا، مگر جب دیکھا کہ شیاما بے طرح اپنی بات پر اڑی ہے اور اب بغیر جائے نہ مانے گی، تو کہنے لگا "اچھا اگر جاتی ہو تو دسہرا ہو جانے کے بعد چلی جانا۔"

کشوری فوراً بول اُٹھی "انھیں خوشامد کرنے کی کون ضرورت ہے؟ جاتی ہے تو جانے دو۔ کیا شیاما کے بغیر ہمارا کام ہی نہ چلے گا؟" یہ باتیں عمداً اتنی زور سے کہی گئی تھیں کہ شیاما بھی اچھی طرح سُن سکے۔

دنیا میں شیاما کا اور کون تھا! البتہ تارا کو اُس سے ایک خاص لگاؤ اور تعلق تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ پھوپھی کاشی جی جائیں گی۔ تو وہ بھی ضد کرنے لگی کہ "میں بھی ساتھ چلوں گی!"

تارا کو شیاما کے جانے کی خبر سے بہت رنج ہوا۔ اُسنے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ دن رات وہ یہی کہتی تھی کہ "میں بھی کاشی جاؤں گی۔" آخر کار وہ وقت آ گیا۔ شیاما روانگی کے لیے تیار ہوئی۔ تین چار کوس بیل گاڑی پر چل کر ریل کا اسٹیشن آتا تھا۔ گھر کا پرانا نوکر رام چرن آنکھوں میں آنسو بھر لا کر بی بی جی کا اسباب گاڑی پر رکھنے لگا۔ جس ہار کی بدولت جھگڑا ہوا تھا وہ شیاما نے چلتے وقت گوبند کے حوالے کر دیا۔

تارا اپنی پھوپھی کی گود میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی "چلو!" شیاما اُسے گود سے اُتارنے لگی۔ مگر وہ نہ اُتری۔ آخر رام چرن نے بزور اُسے شیاما کی گود سے کھینچا۔ اور بہلانے کے لیے گھر کی پشت کے باغیچہ میں لے گیا۔ تارا وہاں بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ عاجزی سے کہنے لگی، "رام چرن! میں تیرے ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے پھوپھی کے پاس لے چل!" تارا کے ساتھ رام چرن بھی رونے لگا۔

تارا کو چھوڑ کر شیاما چلی تو ہے، مگر بار بار اُس کے دل میں یہی سوال اُٹھتا تھا کہ کیا میں تارا کے بغیر کہیں رہ سکوں گی! اسکے کان میں بار بار یہی آواز آ رہی تھی "بوا! تم نہ جاؤ، میں کس کے پاس رہوں گی، مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو!"

افسوس! آج تارا فی الحقیقت یتیم ہو گئی!!

بلشم

طوافِ زمین

(۹)

فلیاس نے ایک قیمتی جانور خرید لیا

ٹرین صحیح وقت پر بمبئی سے روانہ ہوئی بعض گاڑیوں مین سوداگر تھے، بعض مین فوجی افسر اور بعض مین دوسرے مسافر لیکن جس ڈبہ مین فلیاس اور اُس کا ملازم سوار ہوا تھا اُسمین سوا ایک تیسرے شخص کے اور کوئی نہ تھا۔ یہ تیسرا آدمی سرمارٹین نامی ایک جنٹلمین تھا جو بنارس جارہا تھا اور وہان غالباً کسی عہدہ جلیلہ پر مامور تھا۔ چونکہ اُسے ابتدائے عمر ہی مین ہندوستان آنا پڑا تھا اسلئے یہان کے حالات سے اُسے کما حقہٗ واقفیت تھی۔

دو ایک باتین جو اُس سے اور مسٹر فلیاس سے ہوئین، تو فلیاس کو کسی قدر علم اس کے متعلق ہوگیا۔ اسی طرح مارٹین نے بھی فلیاس کی شخصیت، اُسکے مقصد سفر اور نیت کو ایک حد تک معلوم کرلیا؛ اور اب وہ متوقع بلکہ منتظر تھا کہ فلیاس اُس سے ملک ہند کے حالات اور رسم و رواج وغیرہ کے متعلق کچھ سوالات کریگا مگر فلیاس نے بالکل مطلق کوئی گفتگو نہین کی اور اپنے روزنامچہ کو سامنے رکھ کر صرف شدہ وقت کا حساب لگانے مین مشغول ہوگیا جس کی رو سے وہ اپنے تخمینہ مین اُسوقت تک دو یوم کا نفع حاصل کرچکا تھا۔

فلیاس کی حرکاتِ عجیبہ و سکناتِ غریبہ دیکھکر سر مارٹین متحیر رہ گیا۔ اور اُس کی تیزروی اور آندھی پانی کی طرح کی روانگی اور خاموشانہ حالت کا اندازہ کرکے خود بخود کہنے لگا۔ کہ کیا اِس قسم کے جسم قالب مین ایک متحرک دل بھی ہے جو کسی چیز کا احساس کرسکے؟"

سرمارٹین اب تک جس قدر لوگون سے ملا تھا اُنمین سے کوئی بھی ایسا سخت منضبط اور ٹھنڈے دل کا عجیب الخیال جنٹلمین نہ تھا جیسا کہ فلیاس تھا۔ بالخصوص اُس کے سفر کی نوعیت تو بالکل ہی مہمل معلوم ہوتی تھی جس سے سرمارٹین نے مسٹر فلیاس کو ایک مراقی انسان سمجھ لیا جو بیکار کی طرح کرۂ ارض کے گرد ایک دائرہ بنا رہا تھا۔

پاسپارٹو بمبئی کے برہمنون کی ضربات سے خستہ ہوکر اپنے سفری لحاف مین لپٹا ہوا غافل سو رہا تھا۔ اسی اثنا مین ریل میدانون کو طے کرتی ہوئی پہاڑ کے دامن مین پہنچ گئی اور سر مارٹین نے پہاڑ کا منظر دیکھ فلیاس سے کہا۔ "اگر اب سے دو سال قبل آپ یہان آتے تو ہرگز اپنی شرط مین آپ کو کامیابی نہوتی، مسٹر فلیاس:-

فلیاس:- کیون سر مارٹین!

مارٹین:- اس لیے کہ دو سال پہلے یہان ریل ٹھہر جاتی تھی مسافر گھوڑون اور اونٹون پر سوار ہوکر پہاڑ کے اُس طرف جاتے اور پھر ریل مین سوار ہوتے تھے۔

فلیاس:- اگر یہ صورت پیش آتی تو بھی میرے خط سفر مین کوئی برہمی پیدا نہوتی۔ کیونکہ اس قسم کے موانع کو داخل حساب کرکے مین نے یہ شرط لگائی ہے۔

مارٹین:- باوجود اسکے بھی۔ جو واقعہ آپکے ملازم کو بمبئی مین پیش آیا، یہ بھی آپ کے سفر مین توقف کا باعث ہوسکتا ہے کیونکہ انگریزی حکومت ہندوستان مین مذہبی تعرض کرنے پر انکو بہت ہی شدید سزائین دیتی ہے بس اگر آپکا ملازم گرفتار ہوجاتا.........

فلیاس:- گرفتار ہوجاتا تو کیا ہوتا۔ اُسے قید کردیتے۔ وہ میعاد سزا پوری کرکے نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ یورپ کو پلٹ جاتا۔ اُس کے آقا پر اُس سے کیا اثر پڑتا؟

اس جواب پر مکالمہ ختم ہوگیا۔ ریل شب بھر پہاڑون مین دندناتی

ہوئی گذر رہی تھی۔ اور رائگی صبح کو صاف وہموار زمین پر قطع مسافت کرنے لگی۔ پاسپارٹو بھی جاگا، اور اپنے ننگے پاؤں رہ جانے پر افسوس کرنے لگا۔ طے منازل کے بعد سہ پہر کو بُرہان پور ریلوے اسٹیشن پر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے ٹرین ٹھہری۔ مسافر اُترے اور ریفرشمنٹ روم میں کھانا کھانے کے لیے چلے گئے۔ پاسپارٹو نے یہاں ایک نہایت خوبصورت کامدار ہندوستانی جوتہ خریدا۔ آدھ گھنٹہ بعد ہر شخص ریل میں سوار ہو گیا اور گاڑی چل پڑی۔

پاسپارٹو اس وقت تک اپنے آقا کے قول پر کہ بیس ہزار پونڈ کی شرط اسی روز میں دنیا کے گرد گھومنے کے لیے لگی ہے اعتماد کلی نہ رکھتا تھا۔ مگر جب ایسی تیزی اور درمیانی مقامات کی بے توقفی کو دیکھا تو آخر یقین کرنے پر مجبور ہوا۔ جب یہ یقین اُس کے دل میں قائم ہو گیا تو ایسے موانع کے ظہور پذیر ہونے سے جو اس کے آقا کی سیاحت پر مؤثر ہوں وہ کانپنے لگا۔ اور بمبئی والا حادثہ اسکی آنکھوں میں پھر گیا۔ جس کی وجہ سے یہ اندیشہ اُسے پیدا ہو گیا کہ مبادا اس واقعہ سے کوئی توقف اس سفر میں پیدا ہو جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اپنے اوپر اُس نے لعنت ملامت کرنا شروع کی اور دل ہی دل میں ان تمام دنوں اور گھنٹوں کا حساب لگانے لگا۔ جو لندن سے یہاں تک پہنچنے میں گذرے تھے جس طرح منگولیا جہاز کے کپتان سے عطیہ کا وعدہ فلیاس نے کیا تھا اسی طرح ریل کے ڈرائیور اور گارڈ سے بھی کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس پر پاسپارٹو کو اپنے آقا پر غصہ آرہا تھا۔ اس بیچارہ کو کیا معلوم کہ ریل کی رفتار میں صرف ذرا سے کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، اور ہر اسٹیشن پر ٹرین وقت مقررہ کے مطابق پہنچتی اور روانہ ہوتی ہے۔ اِس لیے جب گاڑی کہیں ٹھہرتی اور وقت زیادہ گذرتا، پاسپارٹو ہزار ہا مغلظات کہنے لگتا کیونکہ اُس کی شرافت نفس کا تقاضا یہی تھا کہ جس طرح بھی ہو اپنے آقا کو شرط جیتنے میں کامیاب دیکھے۔

شام کے وقت گاڑی سلسلہ کوہ میں ہو کر چلتی رہی۔ دوسرے دن صبح کو سر مارٹین نے پاسپارٹو سے پوچھا تمھاری گھڑی میں کیا بجا ہے؟ چونکہ اُسکی گھڑی کی مطابقت لندن کے وقت سے تھی اور اب بہ اعتبار جہت شرق کی طرف یہ لوگ آچکے تھے اس لیے یہاں کے وقت سے چار گھنٹہ کا فرق آجانا لازمی ہوا۔ سر مارٹین نے ہر چند پاسپارٹو کو سمجھایا کہ نصف النہار کے ہر ایک دائرہ سے گذر جانے کے بعد گھڑی کو چار منٹ آگے کر لینا چاہیئے، لیکن پاسپارٹو نے وہی جواب جو سوئز میں فکس کو دیا تھا سر مارٹین کو بھی دیا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اگلے دن ایک بہت مختصر اسٹیشن پر جہاں صرف چند جھونپڑیاں ریل پر کام کرنے والے مزدوروں کی تھیں جنگل میں گاڑی ٹھہر گئی۔ اور گارڈ نے زور سے پکار کر کہا "تمام مسافروں کو یہاں اُتر پڑنا چاہیئے"

فلیاس نے یہ صدا سنکر سر مارٹین کے منھ کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔ مگر سر مارٹین کو خود گاڑی کے ٹھہرنے اور مسافروں کے اتارے جانے کا سبب معلوم نہ تھا لیکن دوسرے مسافر چونکہ واقف الحال تھے وہ ٹرین کے کھڑے ہوتے ہی فوراً اپنی اپنی گاڑی سے اُتر کر سواریوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

پاسپارٹو بھی اپنے کمپارٹمنٹ سے باہر آیا اور لائن کو دیکھ کر کہنے لگا "حضور والا۔ آگے ریل کی پٹری ہی نہیں ہے"

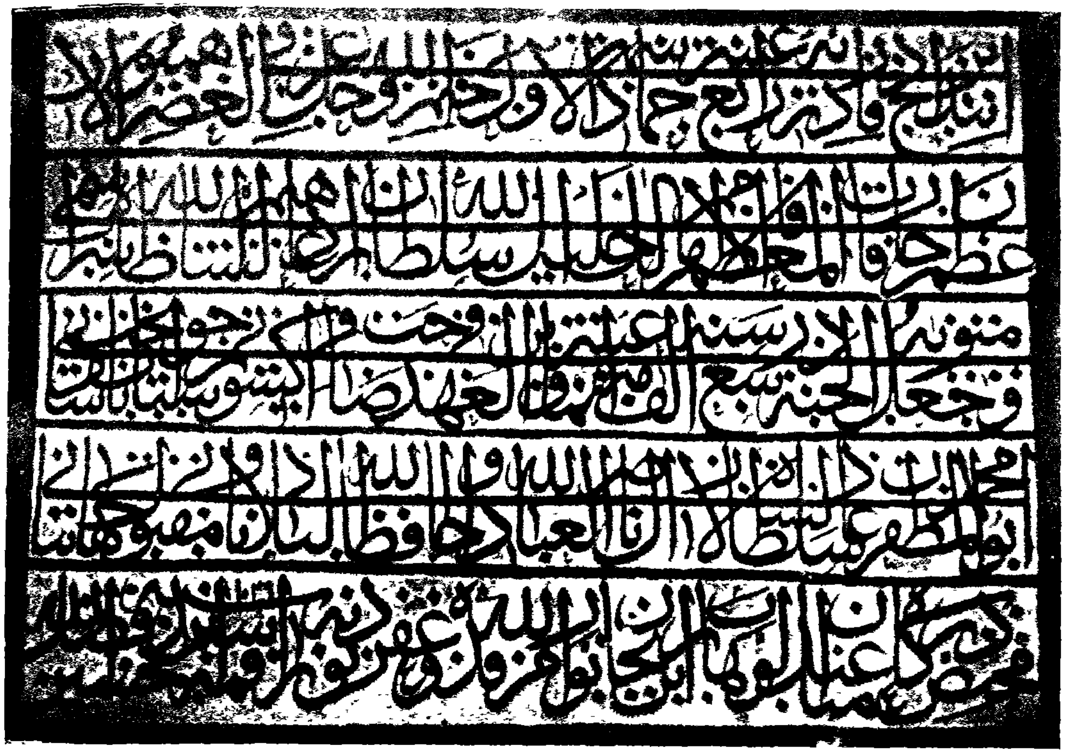
سر مارٹین گاڑی سے باہر نکلا اور ریلوے گارڈ سے پوچھنے لگا "کیا بات ہے"

گارڈ:۔ بات یہ ہے کہ یہاں سے آگے ریل نہیں جاتی۔

اب فلیاس بھی اُتر پڑا اور گارڈ سے دریافت کیا "ہم لوگ کہاں قیام کریں؟"

گارڈ:۔ سامنے والے گاؤں میں!

فلیاس:۔ کیا گاڑی نہیں جاتی ہے؟



کتبۂ برج ۲۲ ادرند، واقع رائچور (دکن)



کتبۂ مقبرۂ مرزا محمد امین
فرزند سلطان ابراہیم قلی قطب شاہ،
واقع گولکنڈہ
(بخط کوفی و طغرا)

گارڈ: - ہان - کیونکہ اس سے آگے ریل کی پٹری ابھی تک نہین بچھی ہو۔

مارٹین: - کہتے کیا ہو؟

گارڈ: - جی ہان - یہان سے الہ آباد تک پچاس میل کا فاصلہ باقی ہو، جو ہنوز وہان تک لائن نہین ڈالی جا سکی، البتہ الہ آباد سے کلکتہ تک برابر گاڑی جاتی ہو۔

فلیاس: - لیکن اخبارات مین تو شائع ہو چکا ہو کہ تمام لائن مکمل ہو گئی۔

گارڈ: - یہ اخبارات کی غلطی ہو۔ اگرچہ سڑک درست اور پختہ ہو گئی ہو مگر لوہا ہنوز نہین ڈالا گیا ہو، دو مہینہ مین یہ بھی ہو جائے گا۔

مارٹین: - تو پھر آپ لوگ بمبئی سے کلکتہ کا ٹکٹ کیون دیتے ہین۔

گارڈ: - اس کی صورت یہ ہو کہ پچاس میل کا کرایہ ٹکٹ کی قیمت سے وضع کر دیا جاتا ہو۔ تمام مسافرون کو یہ بات معلوم ہو اور اسی شرط کے ساتھ ٹکٹ فروخت ہوتا ہو۔

سر مارٹین کو یہ سن کر غصہ آیا۔ پاسپارٹو کی شدت غیظ سے عجیب حالت ہو گئی، وہ اس تاخیر سفر کی وجہ سے اس درجہ جوش مین بھر گیا کہ ریلوے گارڈ سے کشتم پچھاڑ پر آمادہ نظر آتا تھا، گر مسٹر فلیاس نے ایسا سکون و اطمینان ظاہر کیا کہ گویا کوئی بات ہی نہین تھی، اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ مارٹین کو مخاطب کیا "جناب من! مناسب یہ ہوگا کہ اس سفر کو طے کرنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی کرایہ کی گاڑی حاصل کرنا چاہیے۔"

مارٹین: - لیکن فکر تو یہ ہو کہ آپ کے سفر مین غیر معمولی تعویق ہو گئی۔

فلیاس: - کچھ ڈر نہین۔ ان باتون کو مین اول دن سے جانتا تھا۔

مارٹین: - کیا؟ ریلوے لائن کے ناتمام ہونے کی آپ کو خبر تھی؟

فلیاس: - نہین مگر یہ ضرور معلوم تھا کہ اول یا آخر مین کوئی رکاوٹ ضرور پیش آئے گی۔ اب اس وقت مین دو روز کے نفع مین ہون، پچیسوین کو کلکتہ سے ہانگ کانگ کی طرف جہاز روانہ ہوتا ہو اور آج ۲۲ تاریخ ہو، اس لیے جہاز کی روانگی سے قبل مین کلکتہ پہنچ جاؤن گا۔

اس متانت آمیز جواب پر جو فلیاس نے نہایت دلجمعی اور بے پروائی سے دیا، سر مارٹین کیا کہتا، منھ دیکھ کر رہ گیا۔

جس قدر مسافر ریل سے اترے تھے ایک ایک کر کے نہایت تیزی کے ساتھ چھکڑون اور بہیلون کو کرایہ کر کے روانہ ہو گئے۔ سر مارٹین اور فلیاس نے بہتیرا بیل گاڑی تلاش کی مگر ناکام رہے۔ آخر فلیاس پیدل چلنے پر تیار ہوا۔ پاسپارٹو اپنے آقا کے اس ارادہ پر اپنی ذات کے لیے نہین بلکہ اپنے کامدار جوتہ کی وجہ سے متذبذب ہوا کہ یکایک اس کی نظر جنگل کے گوشہ مین ایک ہاتھی پر پڑی جو ایک چھپر کے سامنے کھڑا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً کہا "میان - ذرا ٹھہریے - مین نے ایک ذریعہ پالیا ہو"

فلیاس: - کیا ذریعہ؟ -

پاسپارٹو: - اس طرف سو قدم جنگل مین کسی ہندوستانی آدمی کے گھر کے آگے ہاتھی کھڑا ہو۔

فلیاس: - چلو دیکھین۔

پانچ منٹ کے عرصہ مین ہر سہ اشخاص ہاتھی والے کے گھر پر پہنچ گئے۔ چھپر کے اندر ایک ہندوستانی اور باہر ایک موٹا تازہ ہاتھی موجود تھا۔ درخواست کرنے پر تینون مسافرون کو ہندوستانی شخص ہاتھی کے پاس لے گیا۔ ہاتھی نہایت ہی مانوس اور سدھا ہوا تھا اس کے دانت بڑے بڑے تھے، ہندی اسے جنگی ہاتھی بنانا چاہتا تھا تاکہ اس نواح کے راجہ کو پیش کر کے وافر روپیہ حاصل کرے۔ اس ہاتھی کا نام اس نے کیونی رکھا تھا۔

فلیاس نے ہاتھی کو پسند کیا اور اسے کرایہ کرنے کے لیے گفتگو شروع

کی لیکن ہاتھی والے نے کرایہ کرنے سے بالکل انکار کر دیا فلیاس ہر گھنٹہ
کے لیے دس پونڈ کرایہ پیش کرتا تھا اگر ہندی آمادہ نہوا پھر بیس پونڈ
کہا مگر انکار، چالیس پونڈ پھر بھی نہیں۔

یہ رقم کچھ کم نہ تھی یعنی اگر ہاتھی ۱۵ گھنٹہ میں الہ آباد پہنچے تو چھ سو پونڈ
زر کرایہ ہوتا ہے۔ فلیاس کی وضع و انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے
ہاتھی کی خریداری شروع کر دی اور ایک ہزار اشرفی قیمت کہی ہندی
نے فروخت سے بھی انکار کیا۔ فلیاس چاہتا تھا کہ قیمت کچھ اور بڑھائے کہ
سر فرانسس نے ایک گوشہ میں لیجا کر کہنے لگا "قیمت بڑھانے سے قبل کسی قدر
سوچ سمجھ لیجئے تو بہتر ہوگا۔

فلیاس :- غور کرنے کی ضرورت نہیں میں بیس ہزار پونڈ کی شرط میں اگر اس سے
دگنی قیمت بھی مانگی گئی تو میں دونگا اور اس میں بھی میرا نقصان نہوگا۔

یہ کہکر فلیاس پھر ہاتھی والے کے پاس آیا اور پہلے ۱۲ سو پھر ۱۴ سو پھر
۱۸ سو کہے۔ آخر دو ہزار اشرفیوں تک قیمت لگا دی۔

ہندی نے ایک منٹ تامل کیا پھر کہا "اچھا بیچا"

فلیاس :- میں نے خریدا۔

پاسپارٹو کا رنگ آقا کے اس نقصان سے زرد پڑ گیا سر فرانسس بھی
دل میں حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ دادو ستد تمام ہوئی فلیاس نے بکس سے
نوٹ نکالکر ہندی کا حساب کر دیا۔ اب ہاتھی کا مالک فلیاس تھا جسے
ایک رہبر کی ضرورت تھی جو راستہ بھی بتلائے اور فیلبانی بھی کرے کہ ایک
نوعمر ہندوستانی سامنے آیا اور اس ذمہ داری کو اس نے قبول کیا فلیاس
نے اس سے بھی ایک غیر معمولی عطیہ کا وعدہ کیا۔

اسی وقت ہاتھی میدان میں لایا گیا ہندوستانی جوان نے جو
بانی سے بہت اچھی طرح واقف تھا رسیوں اور لکڑیوں سے ہاتھی کے دونوں
نشستگاہ بنائی گاؤں سے دو دن کی خوراک خریدی گئی۔ ہاتھی
کی ایک طرف فلیاس دوسری جانب سر فرانسس سوار ہو گیا۔ پاسپارٹو
دونوں کے درمیان میں پشت پر بیٹھا ہندی جوان نے ہاتھی کی گردن
پر اپنی جگہ لی۔ اور ٹھیک ۹ بجے سفر شروع ہو گیا۔

(۱۰)

ہاتھی کی سواری کا کیا نتیجہ نکلا

نوعمر فیلبان نے ہاتھی کو ایک مختصر پٹیا پر ڈالدیا اور تیزی سے
چلانے لگا۔ فلیاس اور سر فرانسس کو ہاتھی پر سوار ہونے کی مطلق عادت
نہ تھی اس لیے اس کی جنبش رفتار سے تمام جسم کو حرکت ہوتی تھی اور دونوں
بہت ہی بے آرام ہو رہے تھے پاسپارٹو چونکہ بالکل ہی کمر پر بیٹھا ہوا
تھا اسکو اور بھی زیادہ ہچکولے لگتے تھے حتی کہ دو تین مرتبہ بات کرتے ہوئے
اسکی زبان دانتوں کے نیچے آکر زخمی ہو گئی۔ مگر با ایں ہمہ اس کی ہنسی
ضبط نہوتی تھی اور وہ برابر شعر پڑھتا اور مسخرہ پن کرتا جاتا تھا کبھی کبھی
گاؤں سے خریدی ہوئی مٹھائی میں سے ہاتھی کی سونڈ میں دیدیتا اور
کیونی کیونی کہکر اس کو پکارتا۔ دو گھنٹہ راہ پیمائی کرنے کے بعد ہندی
فیلبان نے ہاتھی کو ٹھہرا دیا۔ اور ایک گھنٹہ کے لیئے مسافروں نے آرام
کیا۔ ایک چشمہ سے جو قریب ہی تھا ہاتھی نے پانی پیا اور کسی قدر سوکھی
ہری گھانس بھی پیٹ میں ڈال لی۔

سر فرانسس اس وقفہ استراحت سے بہت ہی خوش ہوا کیونکہ
اُس کی ہڈی ہڈی ہاتھی کی سواری سے ہل گئی تھی لیکن مسٹر فلیاس بقدر
بشاش تھا گویا اپنی خوابگاہ سے ابھی آرام کر کے اٹھا ہے۔ سر فرانسس نے
اس کی طرف دیکھکر زیر لب کہا "کیا یہ آدمی لوہے کا بنا ہوا ہے؟"

پاسپارٹو نے یہ جملہ سن لیا۔ اور فوراً بولا "نہیں۔ بلکہ فولاد کا ٹٹو"
دیر بعد رہبر نے روانگی کا اشارہ کیا۔ مسافر سوار ہوئے اور ہاتھی چل پڑا۔

جن زمینوں پر اب گزر ہوا تھا وہ بہت ہی وحشتناک تھیں کھجوروں
کے پیڑوں کی جگہ کانٹوں کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اسکے بعد بنجر
زمین آگئی جو بالکل ہی سنسان تھی۔

یہ وہ مقامات ہیں جہاں ابھی انگریزی حکومت کا پورے طور پر تسلط نہیں ہوا ہی اور بعض وحشی قومیں جو مذہبیات میں بے حد متعصب ہیں یہاں رہتی ہیں۔ انمیں کا کوئی کوئی شخص دور سے نظر آجاتا تھا جو ہاتھی اور اُسکے سواروں کی طرف بہت ہی خشمگین نظروں سے دیکھتا تھا فیلبان چونکہ ان خطرناک آدمیوں کی سرشت سے واقف تھا اس لیے دور ہی دور نکل جاتا تھا۔

پاسپارٹو کے دماغ کو صرف یہ خیال مشغول کیے ہوے تھا کہ جب فلیاس الہ آباد پہنچ جائے گا تو اس ہاتھی کو کیا کرے گا؟ کیا اپنے ہمراہ لے چلے گا؟ یہ تو ممکن نہیں، کیونکہ اگر اُس کے لیجانے کے مصارف اور اُس کی قیمت جمع کر کے دیکھی جائے تو ایک نہایت خطیر رقم ہوتی ہی۔ ہاتھی سے پاسپارٹو کو محبت بھی ہو گئی۔ اچھا اگر فلیاس اپنے ملازم کو ہاتھی دیدے تو وہ کیا کرے گا؟ کچھ بھی نہیں!

شام کے وقت ایک ٹیکرے پر پہنچکر فیلبان نے توقف کیا آج تمام دن میں پچیس میل کی مسافت طے ہوئی۔ گویا آدھا راستہ قطع ہو گیا ٹھنڈی ہوا رات میں چل رہی تھی ٹیکرے پر ایک شکستہ مندر بھی تھا۔ نوعمر رہبر نے وہاں آگ جلائی اور مسافروں نے بڑے آرام سے بیٹھکر کھانا کھایا تھوڑی دیر تک باتیں ہوا کیں پھر سب سو رہے فیلبان نے ہاتھی کے آگے ایک درخت سے کر نکالی تاکہ صبح تک نگہبانی کر سکے۔ رات بھر کوئی وقوعہ پیش نہیں آیا کبھی کبھی شیروں کی ڈھار اور بندروں کی چیخیں دور سے سنائی دیکر شب کے سناٹے میں خلل انداز ہوتی تھیں۔

سر فرانسس ایک ایسے سپاہی کی طرح غافل سو رہا تھا جو بہت تھکا ماندہ ہوتا ہی فلیاس اسطرح نیند میں تھا جیسے وہ اپنے مکان واقع سا ویل روڈ لندن میں آرام کر رہا ہی۔ پاسپارٹو کو بُرے بُرے خواب دکھائی دے رہے تھے اور کئی مرتبہ سوتے سوتے اُس کے مُنھ سے چیخیں نکل نکل گئیں۔

صبح تڑکے تڑکے سب اُٹھکر روانہ ہو گئے۔ ہندوستانی رہبر کو آج شام تک الہ آباد پہنچ جانے کی امید تھی چلتے چلتے سلسلہ بندھیاچل کے آخری حصہ کوہ میں کچھ دیر کے لیے مسافر پھر سستائے اور ہاتھی کو آرام دیکر پھر چل پڑے سہ پہر کو ایک بہت بڑے جنگل میں جہاں عظیم الشان گھنے درخت کھڑے تھے جا پہنچے۔ یہاں کسی قدر توقف کر کے کھانے سے فراغت کی۔ اور سفر شروع کیا گیا۔ اب الہ آباد صرف بارہ میل باقی رہ گیا تھا۔ کوئی واقعہ اسوقت تک ایسا پیش نہیں آیا جس سے کچھ ہرج واقع ہوتا کہ یکایک ہاتھی چلتے چلتے رُک گیا۔ سر فرانسس نے پوچھا "کیا ہی"

فیلبان نے ایک طرف کو کان لگا دیے پھر کہا "کچھ آوازیں آرہی ہیں۔ معلوم نہیں کہ کیا ہی"

کچھ دیر میں آوازیں زیادہ ہونے لگیں جیسے ڈھول تاشے اور نفیریاں بج رہی ہوں۔ اسی کے ساتھ بھڑ بھڑ کا شور و غل بھی ملا ہوا تھا۔

پاسپارٹو ہمہ تن گوش بن گیا۔ اور فلیاس خاموشی کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ کہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہی۔ فیلبان ہاتھی کی گردن سے سونڈ پر کھسکتا ہوا نیچے اُترا۔ اور اصلیت معلوم کرنے کے لیے جنگل میں دوڑ گیا۔ چنانچہ چند منٹ بعد اُس نے واپس آکر بتایا کہ "برہمنوں کا ایک بہت بڑا گروہ ادھر آرہا ہی ہمیں فوراً اپنے تئیں چھپا لینا چاہیئے۔ مبادا دیکھ لیں کیونکہ یہ لوگ نہایت ہی وحشی ہوتے ہیں"

پھر فوراً ہی وہ ہاتھی کو گنجان درختوں میں ایک گوشۂ جنگل کی طرف تیزی سے بڑھا لے گیا۔ اور سب کو ہاتھی سے اُترنے کی ممانعت کر کے خود اس طرح تیار ہو کر بیٹھ گیا کہ اگر ضرورت ہو تو فوراً بھاگ جائے۔

آدمیوں کی ہاؤ ہو اور باجوں کا شور رفتہ رفتہ قریب آگیا۔ ہندوؤں کے منتر پڑھنے کی بے ہنگم آوازیں ساز کے ساتھ مل کر ایک عجیب ڈراؤنے سماں کا تلاطم پیدا کر رہی تھیں۔ ذرا ہی دیر میں فلیاس اور اُسکے ساتھیوں نے دیکھا کہ برہمنوں کا ایک کثیر مجمع نہایت تزک و احتشام سے آرہا ہی چنانچہ جملہ مسافروں نے درختوں کی آڑ لیکر اپنے تئیں ان میں بخوبی چھپا لیا اور برہمنوں کی جماعت کا تماشا

دیکھنے لگے جسکی صورت یہ تھی کہ آگے آگے سنیاسی لوگ لانبی لانبی ٹوپیان اوڑھے پیلے کرتے زرد رنگ کے پہنے ہوئے مختلف قسم کی رنگ برنگی آوازین نکالتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے بعد عورتین اور بچے تھے جو ڈھول تاشے اور ڈفلیان بجا رہے تھے عورتون کے پیچھے ایک بہت اونچا چھاؤن کا رتھ آرہا تھا جسمین اترنے کی سمت کا ایک خوفناک بُت رکھا ہوا تھا۔ یہ بُت کالی کا اور بیل مختلف رنگون سے رنگے ہوئے تھے اور بُت کی گردن پر انسانون کی خشک کھوپڑیون کا ہار اور تازہ کٹے ہوئے آدمیون کے ہاتھ پڑے ہوئے تھے۔ سر آرٹین نے اس بُت کو دیکھا کر کہا یہ "کالی دیوی" کا بُت ہے جس کو ہندو محبت اور موت کا دیوتا مانتے ہین۔

پاسپارٹو:۔ موت تو ٹھیک۔ لیکن محبت . . . . . .

فیلبان نے بہت تیزی سے خاموشی کا اشارہ کیا اور پاسپارٹو چُپ ہو گیا۔

اس عظیم الشان رتھ کے گرد بہت سے ہندو فقیر جو برہنہ تھے اپنے جسمون کو زنجیرون سے پیٹتے جاتے تھے اور اُن کے بدن سے خون ٹپکتا جاتا تھا۔

ایک نہایت حسین عورت جو اعلیٰ درجہ کا لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے تھی اس رتھ کے پیچھے پیچھے بے اختیارانہ طور پر لائی جا رہی تھی قیمتی جواہرات اسکے گلے مین پڑے تھے بعض سینہ پر آویزان تھے ایک زرکار سنہری چادر اسکے نازک و لطیف جسم پر تھی لیکن وہ خود بیہوش تھی اور چند برہمن اسکو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ یہ حسینہ ہندوؤن سے کوئی شباہت رکھتی تھی یوروپین لوگون کی طرح سفید چہرے والی تھی اسکے ساتھ سپاہیون کا ایک دستہ تھا جو زرہین پہنے اور ننگی تلوارین ہاتھون مین لیے تھے اسکے بعد خوبصورت اور شاندار تابوت چند معمر اور خوش لباس لوگ کاندھون پر اٹھائے آرہے تھے جسمین کسی معزز شخص کی نعش تھی تابوت کے چارون طرف کثیر التعداد عورتین بناؤ سنگار کئے ہوئے چل رہی تھین ان کے عقب مین باجے والے اور باجے والون کے بعد گروہ در گروہ عوام الناس مرد و عورت تھے۔

سر آرٹین نے لبریز غم ہو کر اس جلوس پر نظر جمائے ہوئے فیلبان سے پوچھا "کیا یہ "ستی" کا جلوس ہے؟"

فیلبان نے جواب مین اپنا سر "ہان" کے مفہوم مین ہلایا اور زبان بند رکھی۔

رفتہ رفتہ یہ سیلاب انسانی آگے بڑھتا ہوا چلا گیا اور بالآخر یوروپین سیاحون کی نظر سے بالکل غائب ہو گیا۔ اُن کی آوازین بعد فصل کی وجہ سے بہت کم سنائی دینے لگین۔

جب ہارٹین نے فیلبان سے پوچھا تھا تو فلیاس نے ستی کا لفظ سن لیا تھا چنانچہ اب اُس نے پوچھا "ستی کسے کہتے ہین؟"

ہارٹین:۔ ستی ہندوؤن کی اصطلاح مین انسانی قربانی کا نام ہے مثلاً اگر کسی کا شوہر مر جائے تو اس کی بیوی اپنے تئین اُسکی نعش کے ساتھ زندہ جلائے۔ اس وقت جس سفید رنگ والی عورت کو ہم نے دیکھا تھا کل صبح وہ تابوت والی نعش کے ساتھ جل جائے گی۔

پاسپارٹو:۔ افسوس اس بیہودگی پر لعنت ہے۔

فلیاس:۔ یہ نعش کس کی تھی؟

ہارٹین:۔ غالباً اس نواح کے کسی راجہ کی ہوگی۔

فیلبان:۔ جی ہان۔ بندھیل کھنڈ کے راجہ کی۔ یہ ملک ابھی انگریزون کے قبضہ مین نہین آیا۔

فلیاس:۔ یہ کیا وحشیانہ عادت ہے؟ کیا اپنی خوشی سے یہ عورت جلے گی۔

فیلبان:۔ دوسری عورتین اگرچہ اپنی خوشی سے ستی ہوتی ہین۔ لیکن جس عورت کو آپنے دیکھا وہ اپنی رضامندی سے نہین بلکہ زبردستی جلائی جائے گی۔

فلیاس :- یہ تمھین کیونکر معلوم ہوا۔

فیلبان :- اس لیے کہ یہ عورت ہندو نہین ہے۔ بلکہ پارسن ہے۔ اور مین خود بھی پارسی ہون مجھے اِس عورت کا پورا قصہ معلوم ہے اور نہ صرف مجھے بلکہ بندیلکھنڈ کے ہر شخص کو اس سے واقفیت ہے۔

مارٹین :- مگر ظاہر تو ایسا ہوتا تھا کہ عورت اپنی خوشی سے جا رہی ہے کوئی مزاحمت لیجانے مین نہین کرتی تھی۔

فیلبان :- اس کا سبب یہ ہے کہ افیون وغیرہ کھلا کر اُسے بیہوش کر دیا ہے آپنے دیکھا نہین کہ برہمن اُسکے بازو پکڑ کر کھینچتے ہوے لیجاتے تھے۔

فلیاس :- اب اُسے کہان لیجائین گے۔

فیلبان :- پیلاجی کے مندر مین جو یہان سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ صبح تک وہان رکھین گے اور پو پھٹتے ہی آگ دیدی جائے گی۔

پاسپارٹو :- اُف! وہ ملعون! وہ! اللہ اس عورت کے زندہ جلنے کا سخت افسوس ہے۔

مارٹین :- (فیلبان سے) اچھا۔ یہ بات تو پوری کرو عورت لیجانے جانے پر رضامند کیون نہین ہوئی۔

فیلبان :- اس عورت کا نام اینڈا ہے۔ اس کا باپ بمبئی کے پارسیون مین بہت متمول سوداگر تھا چنانچہ بمبئی کے یورپین اسکول مین اپنی بیٹی کو اُس نے تعلیم دلائی۔ اور وہ بالکل انگریزون کی طرح انگریزی بولتی ہے ابھی اس کی تعلیم ختم نہوئی تھی کہ اس کا باپ مر گیا۔ اُس کے دیگر اعزا نے بلا رضامندی بندیلکھنڈ کے راجہ کے ساتھ جو بہت بوڑھا اور بدصورت شخص تھا زبردستی اُسے بیاہ دیا۔ اینڈا ہندوؤن کے رسم و رواج کو اچھی طرح جانتی تھی۔ ایک سال قبل جب راجہ بیمار ہوا تو وہ ستی کیے جانے کے خوف سے بھاگ نکلی۔ مگر اُسکے اعزا و اقربا نے پکڑ کر پھر راجہ کے پاس بھیجدیا۔ کیونکہ اینڈا کے مرجانے کے بعد ایک بہت بڑی رقم اُن لوگون کو ترکہ مین مل سکے گی۔

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فیلبان نے ہاتھی کو جنگل سے نکال کر راستہ پر کیا اور آگے چلنے ہی کو تھے کہ مسٹر فلیاس نے اُس کو ٹھہرنے کا اشارہ کرکے سر مارٹین سے کہا "اگر ہم اس عورت کو چھڑا لین تو کیا بُرائی ہے؟"

مارٹین :- کیا؟ اس عورت کو چھڑا لین......؟!!!

فلیاس :- ہان۔ ابھی بارہ گھنٹے میرے پاس مدت مقررہ سے زائد ہین ان بارہ گھنٹون کو اس عورت کی رہائی کے لیے قربان کر دینا چاہئے۔

مارٹین :- فی الحقیقت آپ سینہ مین ایک نہایت دردمند دل رکھتے ہین۔ مسٹر فلیاس!

فلیاس :- ہان موقع ہی تو ہے!!!

(۱۱)

پاسپارٹو کی غیر معمولی جسارت

اسمین شک نہین کہ فلیاس کا یہ قصد اور عزم بہت بڑی جرأت و ہمت کا محتاج تھا کیونکہ سراسر غیر ممکن معلوم ہوتا تھا بلکہ اُس نے یہ ارادہ کرکے اپنی زندگی کو خطرہ مین ڈال دیا۔ ادھر شرط کے ہار جانے کا بھی اُسے بہت خیال تھا۔ تاہم اُس نے کچھ پروا نہ کی جبکہ سر مارٹین جیسا ایک رفیق بھی اس کا ہم خیال و ہم فکر تھا۔ اب پاسپارٹو کی سنیئے کہ وہ پہلے ہی سے اِسپر آمادہ و تیار تھا اور اپنے آقا کا یہ منشا اُسے اور بھی خوشگوار و پسندیدہ معلوم ہوا۔ بلکہ مسٹر فلیاس کی طرف سے اُس کے دل مین غیر معمولی محبت کا دریا لہرین لینے لگا۔

صرف فیلبان رہ گیا تھا کہ وہ کیا کہے؟ چنانچہ سر مارٹین نے اُس سے پوچھا "تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

فیلبان :- مین بھی پارسی جماعت کا ممبر ہون اور یہ عورت بھی پارسن ہے۔ لہذا ہر طرح مین آپ کے ارشاد کا منتظر ہون۔

فلیاس :- شاباش۔

فیلبان :- لیکن یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ اگر ہم اُن سے لڑے تو نہ صرف

ہم لوگ مار ہی ڈالے جائیں گے بلکہ بہت سے شکنجوں اور عذابوں میں مبتلا ہوکر تڑپ تڑپ کے جان دیں گے۔

فلپاس :- ہاں۔ یہ تو ظاہر ہے خیر تم ہاتھی اُسی طرف لیچلو۔

آدھ گھنٹہ بعد فیلبان نے مندر سے پانچ سو قدم کے فاصلہ پر جنگل میں ہاتھی لیجاکر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ یہاں سے کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن متعصب ہندوؤں کی ہاہو کی آوازیں برابر کان میں آرہی تھیں۔

یورپین مسافر ہاتھی سے نیچے اُترے اور بیچاری لیڈی کے بچانے کے متعلق گفتگو اور مشورہ کرنے لگے۔ فیلبان نے بیلاجی کے مندر کو اچھی طرح دیکھا تھا اسی میں لیڈی رکھی گئی تھی۔ کیا جب سب لوگ سوجائینگے اُس وقت مندر میں داخل ہونا ممکن ہے؟ یا اس کی دیوار میں نقب لگانے کی ضرورت ہوگی؟ یہ تصفیہ مندر کے پاس پہنچنے پر ہوسکے گا۔ لیکن لازمی اور ضروری یہ بات ہے کہ پو پھٹنے سے پہلے عورت کو چھڑا لیا جائے ورنہ قتل گاہ پر لیجانے کے بعد اس کو رہا کرانا انسانی طاقت سے بالکل باہر ہے۔

غرضکہ شام تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور جیسے ہی اندھیرا ہوا سب مندر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس اثنا میں وحشی گروہ کا شور و غل کم ہو چلا اور نیند کا وقت قریب آگیا۔ چونکہ ان لوگوں کو افیون کھانے کی عادت تھی اس لیے اُن کی نشہ بازی نے سیاحوں کو مندر تک پہنچنے میں آسانیاں پیدا کر دیں۔ پارسی جوان نے یہاں بھی رہبری کی اور آگے آگے ہولیا۔ تقریباً دس منٹ تک چلنے کے بعد یہ لوگ ایک تالاب پر پہنچے اور وہاں سے انھوں نے برہمنوں کی مشعلوں کی روشنی میں لکڑیوں کا ایک انبار دیکھا جو بیچاری عورت کے جلانے کے لیے میدان میں لگایا گیا تھا۔ اسی پر راجہ کی نعش رکھی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اس انبار سے سو قدم کے فاصلہ پر مندر نظر آتا تھا فیلبان نے نہایت پست آواز میں کہا "میرے پیچھے چلے آئیے"۔

یہ سب نہایت احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کھیتوں میں ہوکر مندر کی طرف چلے۔ ہر سمت ایک سکوت اور رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن درختوں کی شاخیں ہوا سے ہل ہل کر اس خموشی کو توڑ دیتی تھیں۔

فیلبان پارسی ایک ٹیلے کے اوپر پہنچکر جو مندر کی طرف جاتی تھی ٹھہر گیا۔ مندر کے آگے دور تک مرد عورتیں چھوٹے بڑے میدان جنگ کی لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے اور مندر کے ہر دروازہ پر پاسبان ایک ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے میں ننگی تلواریں لیے کھڑے پہرے دے رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دروازہ کی طرف سے مندر میں داخل ہونا قطعاً ممکن نہیں۔

پارسی رہبر آگے نہیں بڑھا بلکہ اپنے ساتھیوں کو واپس کرنے لگا۔ وہ بھی موقع کی نزاکت کا اندازہ کرکے پلٹ پڑے اور سر فرانسس نے کہا "ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھوڑی دیر اور صبر کرنا چاہیے جب تک پاسبان بھی سوجائیں گے۔"

پارسی رہبر :- ہاں۔

اس تجویز کے مطابق مسٹر فلپاس اور اُس کے ساتھی ایک بڑے درخت کے نیچے جا بیٹھے اور انتظار کرنے لگے۔ حالانکہ یہ انتظار نہایت ناگوار اور سخت تھا۔ پارسی جوان گھڑی گھڑی اُٹھ کر مندر کی طرف جاتا اور جب دیکھتا کہ نگہبان بیدار اور ہوشیار ہیں تو وہ واپس آجاتا۔ اسی طرح انتظار کرتے کرتے آدھی رات ہوگئی لیکن پاسبان مطلق غافل نہ ہوئے تب سمجھ لیا گیا کہ ان لوگوں کے سونے کی توقع کرنا فضول ہے۔ کوئی اور تدبیر کرنا چاہیے۔ آخر یہ قرار پایا کہ ایک طرف سے مندر کی دیوار میں نقب لگا کر داخل ہونا چاہیے لیکن پھر یہ امر مشتبہ تھا کہ مندر میں جو برہمن ہیں وہ تو نہ جاگتے ہونگے اس پر کچھ مشورہ رہا بعد ازاں بالاتفاق مندر کی اُس سمت چلے جدھر پاسبان نہ تھے۔ آدھی رات گذر کر آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا کہ یہ لوگ مندر کی دیوار تک پہنچ گئے اور کسی نے نہ دیکھا۔ اگرچہ مندر کے اُس طرف کوئی آدمی

نہ تھا، لیکن کوئی کوٹھری یا دروازہ یا کھڑکی یا موکھا بھی نہیں تھا۔

رات اندھیری تھی۔ آخری مہینہ کا چاند بھی جو اُفق کے قریب سے کبھی کبھی بادلوں کے اندر ماند ماند نظر آجاتا تھا۔ غروب ہوگیا۔ جنگل کے بڑے بڑے درختوں نے تاریکی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔

اب ضرورت تھی کہ مندر کی دیوار میں ایک سوراخ کیا جائے لیکن اس کام کے لیے مسافروں کے پاس سوائے ایک ایک چھرے کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن خوش قسمتی یہ ہے کہ مندر کی دیوار گارے اور اینٹ کی تھی چونے کی تعمیر نہ تھی، اور اِس لیے اُسمیں نقب لگانا بہت دشوار نہ تھا۔ جب ایک اینٹ نکال لی جاتی تو دوسری خودبخود گر پڑتی تھی۔ پاسپارٹو اور پارسی جوان کوشش کر رہے تھے کہ ایک آدمی کے گذرنے کے قابل سوراخ بنالیں۔

کام برابر ہو رہا تھا اور قریب تھا کہ موکھا دار پار ہو جائے مگر ناگہاں اندر سے ایک آواز آئی اور اُسی کے ساتھ بہت سی آوازیں ملکر گونجیں۔ پاسپارٹو اور پارسی رُک گئے۔ آیا اِس نقب لگانے کی خبر مندر والوں کو ہوگئی؟ یا کوئی دوسرا حادثہ پیش آیا؟ بہرحال احتیاط ضروری تھی اور اُس جگہ سے ہٹ جانا لازمی تھا۔ چنانچہ جان کو رہائی دینے والے چور وہاں سے الگ ہوگئے اور پھر درختوں کے اندر جاکر چھپ رہے۔ مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا ہوتا ہے تاکہ اگر یہ شور کسی اور سبب سے ہو تو پھر اپنا کام شروع کریں لیکن جب دیکھا کہ برہمن اور پاسبان مشعلیں لیے گرد دیوار کے ہر طرف تلاش و تجسس کرنے لگے تو انکے تاسف و حسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور جو حالت اُن کی ہوئی اُس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ مندر میں داخل ہونے سے سراسر نا اُمیدی ہوگئی تھی۔ مجبور عورت کو چھڑانا بالکل امکان سے باہر تھا۔ اب کیا ہوسکتا ہے۔ سرارٹین مارے غصے کے ناخن چبانے لگا۔ پاسپارٹو جوشِ غضب میں بیباک ہوکر تھر تھر کانپنے لگا۔ مگر پارسی نے اُس کو تسلی دی اور سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ مسٹر فلیاس نے اپنی اندرونی کیفیت مطلق ظاہر نہیں ہونے دی۔ اور نہایت ہی وقار کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔ سرارٹین نے کہا "ایک انسان کی جان بچانے کا فرض ادا کرنے کے لیے جسقدر سعی و کوشش ہوسکتی تھی وہ ہم کرچکے۔ ناکام ہوجانے سے ہمارے جذبات پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ اب بجز پلٹ جانے کے اور کیا کام باقی ہے۔"

فلیاس :۔ نہیں۔ ابھی ٹھہرنا چاہیئے۔ جو وقت اب تک ضائع ہوا ہے ممکن ہے اس کا نتیجہ آخری سکنڈ میں نکل آئے۔

مارٹین :۔ لیکن کیا امید ہوسکتی ہے؟ دو گھنٹہ بعد آفتاب نکل آئے گا۔

سرارٹین چاہتا تھا کہ فلیاس کے مطلب کو آنکھوں سے سمجھے آخر اس منجمد خون کے انگریز نے کیا تجویز سوچی ہے اور کیا توقع وہ اب تک کر رہا ہے؟ فلیاس کی آنکھوں میں جو خوفناک شعلے چمک رہے ہیں تو وہ کیا سوچ رہا ہے؟ اگر اُس کا یہ خیال ہے کہ جس وقت مظلوم عورت کو جلانے کے واسطے لیجائیں گے اُس وقت لوگوں پر حملہ کرکے اُسے چھڑا لیگا تو اس فکر و تصور کو سوائے جنون کے اور کیا کہا جاسکتا ہے!

بہرصورت پارسی جوان نے اپنے رفیقوں کو وہاں نہ ٹھہرنے دیا، پھر اُسی جگہ جہاں پہلے ٹھہرے تھے لے گیا، اور یہ ایسا محفوظ مقام تھا کہ ان کو کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ جلوس والوں کی تمام حرکات کا اچھی طرح معائنہ کرسکیں۔ پاسپارٹو جہاں کھڑا تھا وہاں کا ہیں ایک درخت کی شاخ کو لگ کر عجیب عجیب تجویزیں سوچنے لگا۔ وہ بالکل مبہوت ہوکر خیالات میں ڈوب رہا تھا۔ یکایک خودبخود کہنے لگا "یہ کیا پگلوں کی ایسی فکر ہے؟" پھر غور و خوض میں پڑ گیا اور چند منٹ بعد آپ ہی آپ کہنے لگا "کیوں نہیں ہوگا؟" اُسے یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ اور ساتھی وہاں سے پیچھے چلے گئے۔ ایک دم سے وہ درخت کو چھوڑ کر چل دیا اور جنگل کے درختوں اور بانسوں کے جھنڈ میں ہوتا ہوا غائب ہوگیا۔

گھنٹے گذر گئے۔ روشنی کی ایک باریک کرن نے ظاہر ہوکر خبر دی کہ

وقت آپہنچا۔ اُن لوگون مین جو بالکل مردون کی طرح پڑے ہوے تھے ایک حرکت پیدا ہوئی۔ نقارے ڈھول نفیریان بجنے لگین شعرخوانی شوروغل ہوا کی آوازین ہرطرف سے بلند ہوئین۔ اور بیچاری مظلوم عورت کی قربانی کا وقت قریب آگیا۔ مندر کا دروازہ کھلا۔ روشنی اندر موجود تھی دیکھا کہ دو برہمن مظلومہ عورت کے بازو پکڑے ہوے باہر لارہے ہین۔ وہ اگرچہ افیون کے اثر سے بیہوش تھی تاہم ان ظالمون کے پنجہ سے رہائی پانے کے واسطے ایک غیراختیاری قوت کے ساتھ وہ اپنے آپ کو چھڑا رہی تھی۔ سرفرانسس کا دل یہ دیکھ کر تڑپنے لگا اور اُس نے فلیاس کا ہاتھ پکڑ کر بیساختہ دبانا شروع کیا مگر دیکھا کہ فلیاس ننگا چھرا ہاتھ مین لیے ہوے ہے۔ اس دوران مین سب لوگ کھڑے ہوگئے اور نوجوان حسینہ کو برہمن

دس منٹ بعد لکڑیون کے انبار کے پاس جسمین صندل اور عود کی لکڑیان تھین پہنچا دیا۔ پھر وہ عورت کو لاکر ٹھہرا دیا۔ برہمنون نے ہرطرف سے منتر پڑھنا شروع کین۔ طبلے، ستار، دوتارے، نفیریان، ڈفلیان، تاشے، ڈھول، ٹمٹمے زور شور سے بجنے لگے۔ بیکس عورت کو جو اپنے آپے ہی مین نہ تھی ۳-۴ آدمی اُٹھا کر لکڑیون کے انبار پر لیگئے اور اسکے شوہر کی نعش کے پہلو مین سُلا دیا۔ اور اس انبار کے ایک کونہ مین جہان بہت سا بھڑک اُٹھنے والا تیل چھڑکدیا گیا تھا مشعل لگاکر آگ دیدی۔ لکڑیان جل اُٹھین۔ اور آتش سوزان کے شعلون نے دوڑنا شروع کیا۔

فلیاس جو چھرا ہاتھ مین لیے کھڑا تھا اُس انبار کی طرف بے تحاشا دوڑ پڑا لیکن قبل اسکے کہ وہانتک پہنچتا۔ ایک نہایت ہی عجیب و خلاف فطرت منظر کو دیکھ کر رک گیا۔ پُرخوف صدائین اور لجاجت آمیز آوازین جو مردمان سے بلند ہوئین۔ تمام برہمن اور دوسرے حاضرین سجدے مین گرپڑے۔

مردہ راجہ جو لکڑیون کے انبار پر پڑا تھا، کالی دیوی کے اعجاز سے زندہ ہوکر کھڑا ہوگیا اور اپنی بیوی کو دونون ہاتھون سے اُٹھا کرکے بلند کرلیا۔ اور زور سے ایک مہیب خوفناک چیخ ماری جس کی وجہ سے تمام گروہ "کالی کالی" کہکر سربسجود ہوگیا۔ اور راجہ کی نعش اپنی بیوی کو کندھے پر ڈال کر دھوئین اور آگ مین ہوتی ہوئی اس انبار ہیزم سے نیچے اُتر آئی۔ اور اس حالت مین جبکہ فقیر، سنیاسی برہمن لوگ سجدہ ہی مین تھے اُنھین مین سے گذر کر بھاگنا شروع کیا۔ یہانتک کہ جس جگہ سپاہان یورپ ٹھہرے ہوے تھے پہنچکر دم لیا۔

فلیاس اور رمائٹن حیرت کے ساتھ اس فوق العادۃ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ پارسی جوان مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ پاسپارٹو کی نسبت کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس حال مین ہے اور کیا کررہا ہے کہ دفعتاً یہ جملہ سُننے مین آیا "بھاگو تیز بھاگو"۔ یہ بات کہنے والا پاسپارٹو تھا۔

اب دیکھیے پاسپارٹو نے کیا سوچا تھا، اور کیسی غیرمعمولی جرأت کو کام مین لایا۔ وہ جس وقت درخت سے لگا ہوا لے زنی کررہا تھا اور پھر وہان سے چلدیا۔ تو وہ آہستہ آہستہ لکڑیون کے انبار تک جا پہنچا پھر اوپر چڑھکر باحتیاط تمام راجہ کی نعش کا لباس اُتار کر خود پہن لیا اور راجہ کی نعش کو لکڑیون مین چھپاکر خود مردہ راجہ بن کر لیٹ رہا اور بعدازان اپنی بیوی کو ہاتھون پر اُٹھاکر دکھلایا، اور اسطرح ایک ہستی کو موت کے مُنھ مین سے نکال کر بھاگتا ہوا اپنے ساتھیون کے پاس آپہنچا۔ اب ہاتھی تک پہنچنے اور جلد سے جلد فرار ہونے کے سوا کچھ کام باقی نہ تھا۔ اگرچہ ان لوگون کے بھاگنے کے بعد برہمنون پر یہ چالاکی کھل گئی اور اُنھون نے فرار ہونے والے اشخاص کا تعاقب بھی کیا لیکن برہمنون کے غلون سے جو وہ مارتے تھے بجز اُس کے اور کوئی نقصان نہین پہنچا کہ فلیاس کی ٹوپی مین سوراخ ہوگیا جس سے برہمنون کو کچھ فائدہ نہوا۔

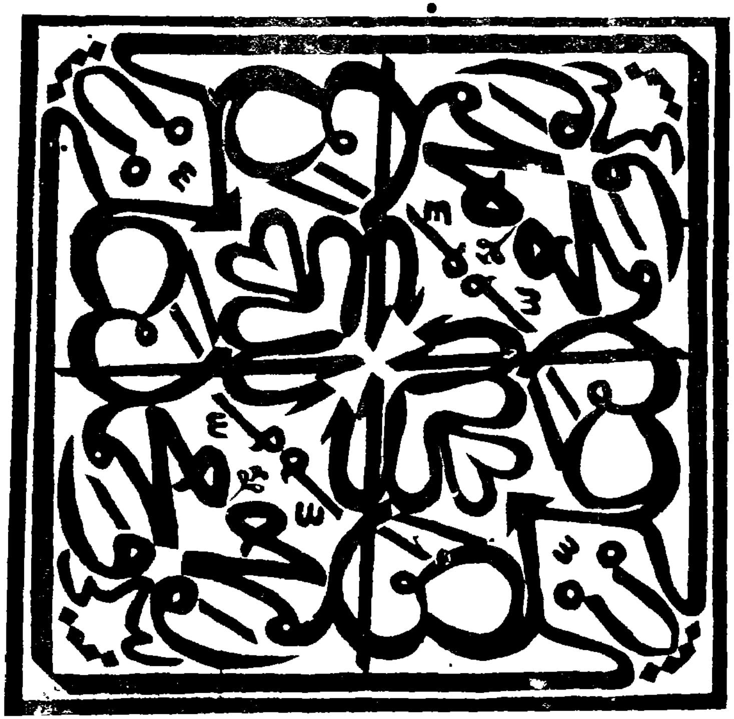
(۱۲)

فلیاس نہر گنگ کا ساحل سے قطع نظر کرتا ہے

دوسرے دن صبح کو الہ آباد کے قریب پہنچ گئے۔ ہاتھی بہت تیزی سے چلتا رہا۔ اور ظہر سے قبل الہ آباد پہنچا دیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچکر سب لوگ اُترے۔ آئدا ولسکا اثر سے ہنوز بیہوش تھی۔ اسکو ویٹنگ روم مین سُلا دیا گیا



نقل طغرا جامع مسجد ' بیرون قلعه' واقع رائچور (دکن)



طغرا " یا الله محمد علی ولی الله " بر قبر بیرون قلعه گولکنده (دکن)
(جانب غرب واقع اودها وازی اندرون رمضه)

اور اس کے لیئے دو تین جوڑے کپڑون کے دو جوڑی جوتیان اور دو ٹوپیان پاسپارٹو کو بازار بھیجکر فلیاس نے منگوائے - پارسی فیلبان جس پر شرعطیہ کا وعدہ فلیاس نے کیا تھا وہ دے کر کہا "عزیز من - یہ تمھاری اُجرت جو مین دے رہا ہون تمھاری خدمتون کا معاوضہ نہین ہو سکتی - مین چاہتا ہون کہ اُن کے صلے مین یہ ہاتھی تجھین دیدون - کیا تم اس کو قبول کروگے - کہو؟

نیلبان :- آپ کے اس احسان نے مجھکو زندہ کر دیا - مین تو اس کی بدولت مالا مال ہو جاؤن گا -

فلیاس :- تو یہ اب تمھارا ہی ہے تاہم مین تمھارا مقروض ہون -

پاسپارٹو نے بطور رخصت کے ہاتھی کی سونڈ مین تھوڑی سی مٹھائی دی، اور ہاتھی نے بھی بطور شکریہ کے اپنی سونڈ آہستہ سے اُٹھا کر ماتھے پر رکھی اور پھر اُسی آہستگی سے نیچی کر لی - یہ گویا اُس کا وداعی سلام تھا -

دس منٹ بعد جملہ رفیقان سفر کلکتہ جانیوالی ٹرین کے فرسٹ کلاس مین بیٹھے نظر آئے اور گاڑی چل پڑی - آڈا کو ابھی تک ہوش نہین آیا تھا - کچھ دیر مین آہستہ آہستہ اُس کے حواس درست ہونا شروع ہوئے اور جیسے کوئی سو کر اُٹھتا ہے - اُس نے انگڑائیان لینا شروع کین اور تھوڑی تھوڑی آنکھین کھولین لیکن جو کچھ اُس نے دیکھا اُس پر یقین نہ کرکے پھر آنکھین بند کر لین - اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خواب دیکھ رہی ہے لمحہ بھر بعد پھر اُس نے آنکھین کھولین اور ہر طرف تعجب و حیرت کے ساتھ دیکھنے لگی - اب اُس نے سمجھ لیا کہ وہ خواب نہین ہے بلکہ عالم بیداری ہے اور جو کچھ اُسے نظر آ رہا ہے خیال نہین بلکہ حقیقت ہے - سر فرانسس نے اُس کے قریب [illegible] نہایت ملائمت سے دریافت کیا "طبع مبارک اسوقت کیسی ہے؟"

اس سوال پر آڈا سنبھل کر بیٹھ گئی اور تردد و تحیر کے [illegible] پوچھنے لگی "مین کہان ہون اور آپ صاحبان کون ہین؟"

سر فرانسس نے اول سے آخر تک جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا سب اُسے کہہ سنایا جسے سنکر آڈا غرق حیرت ہو گئی اور پھر جوش [illegible] سے رونے لگی -

اگر ناظرین کتاب اس پُر رقت شکر گذاری اور نالہ آمیز ممنونیت کا ملاحظہ کرتے تو پاسپارٹو کی طرح زار زار رونے لگتے - لیکن مسٹر فلیاس نے اس تمام تر اظہار سپاس پر صرف اسی قدر کہا "اسکی ضرورت نہین" حتیٰ کہ پاسپارٹو جو وقت آڈا کو چھڑانے کے لیے آیا تو اس عظیم خدمت کے مقابلہ مین فلیاس نے اسی قدر کہنے پر اکتفا کیا تھا کہ "بہت خوب"-

ریل بنارس کے اسٹیشن پر پہنچی - سر فرانسس یہان سے رخصت ہو گیا - اب گاڑی دریائے گنگ کے کنارے چلنے لگی کھڑکیون مین سے جنگلی پر خوبصورت جنگل نظر آتے تھے - گویا زمردین فرش بچھا ہوا ہے سر سبز کھیت شاداب باغ بھرے پُرے مواضع اور قصبات عمدہ عمدہ سڑکین نظرون کو بہت بھلی معلوم ہوتی تھین -

بعض مقامات پر دریائے گنگا مین جو ہندوؤن کی نظر مین نہایت مقدس ہے اکثر عظیم الجثہ حیوانات ہاتھیون اور بھینسون کی مانند دکھلائی دیتے تھے کہین کہین گھاٹون پر ہندو عورتین اور مرد اشنان کر رہے تھے - یہ ہندو [illegible] ہوتے ہین جو "بودھ" مذہب کا مخالف ہے اور برہما شیو [illegible] کی پرستش اُس کا نصب العین ہے - معلوم نہین کہ ان کے یہ ہر سہ معبود ریلوے ٹرین کو جو آگ، دھوان، بھاپ اُڑا کر زمین کو لرزاتی ہوئی مقدس گنگا کے کنارے پر دوڑ رہی تھی کس نظر سے دیکھتے ہون گے ؟

جن پُر بہار مناظر کا بیان کیا گیا ہے وہ گاڑی کی رفتار کے ساتھ تبدیل ہوتے تھے اور کبھی کبھی انجن کا دھوان اس کثرت سے چھا جاتا تھا [illegible] کچھ نہین دیکھ سکتے تھے - آخر دن گذر کر رات ہو گئی گاڑی پوری تیزی سے اُن وحشی جانورون کی چیخون اور دھاڑون مین سے جو ریل سے رم کر رہے تھے گذر رہی تھی اور بڑے بڑے اسٹیشن پر ہوتی ہوئی ۲۵ بجے شب کو کلکتہ کے شاندار ریلوے اسٹیشن پر جا کھڑی ہوئی - کلکتہ سے جو جہاز ہانگ کانگ کو جاتا تھا اُسکی روانگی مین صرف پانچ گھنٹے باقی تھے -

فلپاس کے پروگرام کے مطابق اُس کو تیلیسوین جون لندن سے کلکتہ پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اسطرح اصلی حساب کے بموجب اسوقت نہ وہ نقصان مین تھا نہ نفع مین۔ البتہ جو ایام جہاز منگولیا مین اُس نے زائد حاصل کر لیے تھے وہ کشتی والے جنگل مین ضائع ہو گئے اگر یہ نقصان واقع نہوتا تو دو روز ہمیشہ کے لیے اُس کے پاس زائد نفع مین رہتے۔ لیکن گمان یہ کیا جاتا ہے کہ بندیلکھنڈ کے جنگل مین ہندو آئی کی رہائی دلانے سے جو فائدہ فلپاس نے حاصل کیا اُسکے مقابلہ مین ان دو دنون کے نقصان کی اُسکو مطلق پروا نہین۔ (باقی آئندہ)

کلام شبلی (مرحوم)

تیر قاتل کا یہ احسان رہ گیا
جائے دل سینہ مین پیکان رہ گیا

کی ذرا دست جنون نے کوتہی
چاک آکر تا بدامان رہ گیا

دو قدم چل کر ترے وحشی کے ساتھ
جادۂ راہ بیابان رہ گیا

قتل ہوکر بھی سبکدوشی کہان
تیغ کا گردن پہ احسان رہ گیا

ہم تو پہنچے بزم جانان تک مگر
شکوۂ بیداد دربان رہ گیا

کیا قیامت ہے کہ کوے یار سے
ہم تو نکلے اور ارمان رہ گیا

دوسرون پر کیا [illegible] زاہدین
جبکہ خود صانع سے پنہان رہ گیا

جذبۂ دل کا ذرا دیکھو اثر
تیر نکلا بھی تو پیکان رہ گیا

جامۂ ہستی بھی اب تن پر نہین
دیکھ، وحشی تیرا عریان رہ گیا

ضعف مرنے بھی نہین دیتا مجھے
مین اجل سے بھی تو پنہان رہ گیا

اے جنون! تجھ سے سمجھ لون گا اگر
ایک بھی تار گریبان رہ گیا

حسن چمکا یار کا، اب آفتاب
اک چراغ زیر دامان رہ گیا

لوگ پہنچے منزل مقصود تک
مین [illegible] کی طرح نالان رہ گیا

بزم مین ہر سادہ رو تیرے حضور
صورت آئینہ حیران رہ گیا

یاد رکھنا، دوستو اس بزم مین
آکے شبلی بھی غزلخوان رہ گیا

([illegible])

نالۂ یتیم

(منشی درگا سہاے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم کی غیر مطبوعہ نظم)

ازل سے خانہ ویرانی جو لکھی تھی مقدر مین ۔ بگڑ جاتے تھے بن بنکر گھروندے خاک کے گھر مین
وہ ناوک تھا غلش کا نشتر کی تھی پہلو کے بستر مین ۔ سُلا تا کیا تھپک کر آسمان آغوش مادر مین
وہ طفل اشک ہون میری جگہ ہے دیدۂ تر مین

بنا لیمیرا تُپلا آہ جب صناع بچپن نے ۔ الٹ کر رکھ دیا قسمت کا سکۂ تازہ دن لے
سپہ وزی عطا کی مجھ کو شفقت کی نعمت گلبدن نے ۔ دیے چھینٹے لہو کے سیل اشک چشم پُرخون نے
تمنا جلکے آئی نوک نشتر قلب مضطر مین

کیا خاموش رفتہ رفتہ ایسا ناتوان مجھکو ۔ نہ چلنے کی ہے طاقت نہ یارائے فغان مجھکو
سمجھکر میوہ دین آہ اب روٹیان مجھکو ۔ ملین منعم کے در سے دانے پہ کھون کیا مجھکو
لکھی چھین کے گالیان کھانے کو کیا میرے مقدر مین

دھکیلیں گی مرن تلاش رزق میں آوارہ ہو کر ۔ پھرا در در ٹھوکرون کو آہ سائل کو بہ کو ہو کر
جگر میں نمناک ہے چھپکے چھپکے خون آرزو ہو کر ۔ ٹپکتی ہے تمنا ہر بن مو سے لہو ہو کر
کھٹکتی ہے ہر اک رگ جیسے نشتر جسم لاغر مین

وہ بچپن کی اُمنگین آہ طفلی اب کہان دل مین ۔ دہ تُپلا ہون مین غم کا بیکسی ہے مہمان دلمین
نہ رکھی ہو باقی ضعف نے تاب و توان دلمین ۔ سنبھلکر چٹکیاں لیے آہ ہائے درد نہان دلمین
کہیا نسین مین ہزارون غم کی میرے قلب مضطر مین

مقدر لیکے آیا ہے کہان مجھکو ستانے کو ۔ کہان آیا ہون یا رب الفت مت آزمانے کو
کہون کیا حال دل محتاج ہو مین دانے دانے کو ۔ پڑا ہون ٹھوکرین منعم ۔ ۔ ۔ ہے کھانے کو
جگر کیا خانہ ویرانی۔ نہ تھی مجھکو میسر گھر مین

در منعم پہ ہو اپنی قضا کا نوحہ خوان کوئی ۔ تڑپ کر لوٹتا ہے مگر ناتوان کوئی
اُٹھا جاتا ہے دنیا سے نصیب دشمنان کوئی ۔ کلیجہ ٹل رہا ہے آہ ہائے درد نہان کوئی
جگر کے آئینے مین کٹ کٹ کے ٹکڑے دیدۂ تر مین

بلا مین لیے رہا ہے جا میرے سر سوزش کی ۔ ہوا باد صبا دیتی ہے مجھکو اپنے دامن کی
نہ دے در دیتی مجھکو رخصت آہ و شیون کی ۔ نہ لے پہلو مین میرے چٹکیان لیتی ہین بچپن کی
کہ سونے دے مجھے اے بیکسی آغوش مادر مین

نہ آیا ابر رحمت آہ لیکر کوئی بارانی ۔ نہ لائی دل یار نہ کوئی فصل زمستانی
بنون کے ہاتھ سے ہو پر نہ پرزے جان نادانی ۔ چھپے جاوُن میرے لئے بھر ہم آرزو ہے عریانی
چھپا لے مجھکو اے باد صبا پھولون کی چادر مین

تمنائین جگر مین برچھیان میرے چبھوتی ہین ۔ مرے بچپن پہ میری حسرتین حیرت میں ملتی ہین
مری ناکامیان دنیا سے مجھکو آہ کھوتی ہین ۔ محیط غم مین میری آرزو مین تہ نشین ہوتی ہین
الٰہی کشتی صبر و سکون ہے میری ہنگر مین

تڑپتا خاک پہ ہے کٹ کے وہ لخت جگر ہو نہین ۔ سپہ روز ازل ہون آہ وہ نور نظر ہو نہین
نہ آئے پھول اور پھل جسمین وہ شاخ بے ثمر ہو نہین ۔ غبار وادی غربت مین خاک رہگزر ہو نہین
جمی گردیتمی سیکڑون من ہے مرے سر مین

اسیر بند غم ہے میری طفلی ہون وہ زندانی ۔ بگولا دشت غربت کا ہو نہین عین وہ بیابانی
نہین دل مین اُمنگ آہ ایسی غم کی مہمانی ۔ یہ کیسی کوچہ گردی ہے یہ کیسی خانہ ویرانی
یہ کیسی گردشین ہین دور چرخ فتنہ پرور مین

مرے لکھی ہی ہے مجھکو جہاں جوشش گریہ ۔ تمناؤن کی کشتی ہے کہ ہے اک جوشش گریہ
کلیجہ ہوگیا پانی ٹھہرا ہے جوشش گریہ ۔ کہانتک روئے گی خون جگر اے جوشش گریہ
کہ روتے روتے حلقے پڑ گئے ہین دیدۂ تر مین

کلیجہ تھام کر کبتک مین لیے درد جگر تڑپون ۔ یہان تڑپون وہان تڑپون ادھر تڑپون ادھر تڑپون
زمین پر آہ کبتک بے کسی سے اے چارہ گر تڑپون ۔ لہو کے گھونٹ پی پیکر مین کبتک خاک پر تڑپون
سلا دے مجھکو اے دست قضا آغوش خنجر مین

ثواب دین و دنیا اور خود آرام چاہیے کچھ تو ۔ سفر کا آخرت مین ساتھ توشہ چاہیے کچھ تو
دم رحلت یہان سے ساتھ لینا چاہیے کچھ تو ۔ یتیمون کو بھی دے ظالمو عقبیٰ چاہیے کچھ تو
یہ مال و زر نہ لے جائے گا منعم ساتھ محشر مین

تخمیس غزل مرزا غالب

جسے نصیب ہوں وصل جان بستاں تو پسند احباب کیوں ہو — جو ہو وہ رد آشنا در جہاں کا نوحہ خوان کیوں ہو
جو ہو شریک بیدل نہ سوا ہے جان کیوں ہو — کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

ہماری جو رسائی دیں تجھے ظالم نہیں پروا — تو پھر دیر و حرم کی قید کیا ہم کیوں رکھیں جھگڑا
دکھائیں تجھے پہلے اپنا جان جاں میں تجھے پھر کیا — وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

بسیں گے جا کے صحرا ہی میں جب گھر چھوڑنا ٹھہرا — جو ٹوٹا تجھ سے رشتہ اور سے کیوں جوڑنا ٹھہرا
چلیں گے کوئے جاناں سے جب منہ موڑنا ٹھہرا — وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

اسیر مبتلائے خوگر جور و جفا ہیں ہم — اسیری میں بھی ہیں منت کش آزادی ہم
کسی کا گھر جلے آئے کہیں آفت تجھے کیا غم — قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

خدا جانے یہ سچی ہے کہ جھوٹی ہے خبر ہمدم — بلا کیا آ کے ہمارے ہی گھر پہ ٹوٹی یہ اور ہے ہمدم
نہ گھبرا دل لگی میں تو بھی نہ گھبرا اس قدر ہمدم — قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں تم کو ہم کس کس کی ہیں دم ذرا — نہ ہو پردے ہی پردے میں گردش نہ ترساؤ
کہاں ہو کچھ نہیں کچھ پتا ہے ملتے آؤ — یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

ستم بھی اک ہنسی ہے پھر رلانا اس کو کہتے ہیں — یہی جب دل ہی ہے دل کھانا اس کو کہتے ہیں
یہیں ہو جا پچھتانا تو ظلم ڈھانا اس کو کہتے ہیں — یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

بہت بگڑو کہیں کچھ طنز سے کہہ دیں جو شیدائی — مگر آتا بتا دو کس کو پھر کہتے ہیں ہرجائی
نہ تھی یہ بات کہنے کی تمہیں کہتے ذرا شرم آئی — کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

بڑھے گی شکوہ سنجی سے تیری آبرو غالب — سمجھتا ہے وہ جس مطلب سے ہے یہ گفتگو غالب
شفق کی طرح نکلا تو بھی اچھا حیلہ جو غالب — نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

غزل بہ تتبع مرزا غالب دہلوی

یہ مانا جس کو ناشاد رکھے شادماں کیوں ہو — مگر تو خوش ہے جس سے وہی آسماں کیوں ہو
جو میں کہتا ہوں دنیا ہی میں میرا امتحاں کیوں ہو — وہ کہتے ہیں یہاں لکھا ہے جو ہونا وہاں کیوں ہو
مکان کیا لامکاں تک ہے تمہیں تم پوچھنا کیا ہے — نشان اپنا بتا دیں جس کو ایسے نشاں کیوں ہو
اٹھا لیتے ہیں اپنا آشیاں ہم صحن گلشن سے — خفا کلچیں عدو صیاد دشمن باغباں کیوں ہو
نزاکت سے بل آیا ہے جو خنجر کی روانی میں — مجھی پر وہ بگڑتے ہیں کہ ایسے سخت جاں کیوں ہو
کبھی گلچیں کبھی صیاد جس کو ڈر ہے سے لگے — چمن میں ہم صفیر آشنا دشمن آشیاں کیوں ہو
نہ خنجر کا گلہ مجھ کو نہ شکوہ تجھ سے اے قاتل — تو دیکھ میرا دہان زخم محتاج بیاں کیوں ہو
نہ سے سجدوں کی پروا ہی نہیں جب اے صنم تجھ کو — جبیں قسمت میں نقش سنگ آستاں کیوں ہو
کمی ہے جب نہ صیاد کے بھلا دے کیا جانو — اثر ہی جب نہ فریاد میں لب پہ فغاں کیوں ہو
وہ بیکس ہوں کہ جس کا کوئی والی ہی نہیں ہوتا — وہی بتا پھر اے بیکسی تو نوحہ خواں کیوں ہو
شفق تو نے کی جب قدر اپنی بے نیازی سے
سوا اپنے بتا پھر کوئی تیرا قدر داں کیوں ہو

خوشی کی آرزو

اس خوشی کی آرزو ہے مجھ کو اے پروردگار — شادماں جس سے میرا یہ دل مایوس ہو
بلکہ جو عالم کی ... کی طرح ہو آشکار — یعنی جس کا لطف ہر جاندار کو محسوس ہو

اس خوشی کی آرزو ہے مجھ کو اے پروردگار — پھر جس کی بیکساں اس وقت دل میں آئے گی
جبکہ وہ پاکیزہ الفت جو ہے سچی غمگسار — دہر میں اپنا نشاں از سر نو پھیلائے گی

اس خوشی کی آرزو ہے مجھ کو اے پروردگار — جو عیاں ہے رحم اور تھا ت کی ہر آن میں

جب نہو جاندار کوئی ظلم بیجا کا شکار   یعنی جب انسانیت آجائے ہر انسان مین

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   ظاہری تو تیز مین اصلا نہین جسکا سراغ
اُس مسرت کا دل غمدیدہ ہے امیدوار   یعنی ہی عزت مین ہے جسکا اُسے ملتا سراغ

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   دولت دنیا نہ لائے جو فقط میرے لیے
بلکہ جسکی واقعی مفہوم مین ہو اشتہار   یعنی جس سے حق رسی ہو بنی دنیا کے لیے

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جس خوشی سے بعد مین رنج پشیمانی نہین
خوف اندیشہ سے جسکا کچھ نہین میں نے نہا   ہان ذرا بھی جسمین کسرِ شان انسانی نہین

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جسکو کچھ دکھلا سکے یہ تو نہین تاب ہوس
ہاں مگر لطف قناعت پر ہے جسکا انحصار   یعنی کیسر بند ہوجاتا ہے جب باب ہوس

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   تحفۂ ہوش کن ہے جو اس نکتہ رس ادراک کا
جس سے ایسا نیک بنجاتا ہے انسان کا شعار   جو موافق سازہوتا ہے ضمیر پاک کا

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جو کہ حاصل ہوتی ہے اُس شخص نیک انجام کو
زندگی جسکی نہین ہوتی کبھی دنیا پہ بار   یعنی جس سے ہے پہنچتا فیض خاص و عام کو

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   اک سبیل فیض جو بنجائے گی برکات کی
جسکو ایسی خوشی شہرت خلقت کر گئی اختیار   جس سے ہوگی سربسر اصلاح ... ذات کی

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جو ملا کرتی ہے مشق سعی و استقلال سے
جس سے ہٹ جاتی ہے ہر تحریک نفس شر کا   اور مسرت قلب کو ہوتی ہے نیک اعمال سے

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جسکو دکھلاتا ہے ہر مہتاب دم غم کا سکون
جبکہ دل تیری رضا پر سیکہ ہوتا ہے نثار   اور رہے محویت پاتا اک تسکین اندرون

اُس خوشی کی آرزو ہے مجھکو اے پروردگار   جسکو دے سکتا ہے دنیا مین انعام کن خیال
اور ہے اس وقت مبارک کا بھی دل کو انتظار   جب خوشی بخشے گا سچ پاکر تیرا وصال

اقبال ورما سحر

انتظار

اے ہمدم سناؤن کیا حال زار اپنا   پُر درد داستان ہے یہ غم بھرا فسانا
مجھ غمزدہ کی حالت ہے قابل ترحم   یہ دکھ بھری کہانی بالکل ہے عبرت افزا
مین گردشِ فلک سے پامال ہو رہا ہون   پیر فلک نے مجھکو ہے خاک مین ملایا
اللہ اچھا نہ پوچھو ہجران نصیب ہون مین   اندوہ و رنج و غم سے ہے غیر حال میرا
جس درد و غم مین کٹتی ہے صبح و شام میری   دشمن کو بھی نہ یارب یہ روز بد دکھانا
اک غیرتِ قمر کا ہے انتظار مجھکو   پھر دن سے تک رہا ہون پھیلا کے سبکا رستا
اب تاب صبر مجھ مین باقی نہین رہی ہے   ہو جلد جلوہ افگن اے شاہد خود آرا
تڑپا رہا ہے مجھکو تیرا غم جدائی   اے رشک مہر آکر جلوہ دکھا سا اپنا
اے ماہ تو کہان ہے پردے مین کیون نہان ہے   ہے چشم منتظر کو مشتاق انتظار تیرا
بے چین کر رہی ہے شام فراق مجھکو   کب تک نہان رہیگا اے ماہ عالم آرا
مین ہون ستم رسیدہ للہ اب کرم کر   جور و ستم بھی اتنا تجھکو نہین ہے زیبا
اس غم کی داستان کو میری زبان سے سن لے   پوری ہو کاش میری یہ آخری تمنا
اس گلشنِ جہان کے ہین بے ثبات منظر   مین مثل بوئے گل ہون کیا زیست کا بھروسا
جور غمِ خزان نے پامال کر دیا ہے   یہ نخل زندگانی اب بار ور نہوگا
گل کوئی دم مین ہوگی شمع حیات میری   آنکھون مین پھر رہا ہے نقشہ عدم کا
رو رو کے دے رہے ہین احباب کو تسلی   لیکن نہین ہے ممکن آئے وہ خوبرو سا
افسوس اپنی حرمان نصیبی پہ ہے ہر دل   قسمت سے ہو گیا ہے دشوار اُس کا آنا
اب اوج دل حزین کا کیا حال مین بتاؤن   شام و سحر ہے لب پر دل سوز یہ ترانا

پھرے گذشت تا کے در انتظار بودن
طاقت نماند مارا بے روئے یار بودن
اوج گیاوی

شام

سورج پردے میں اب نہان ہے ۔ کیا شام کا خوشنما سمان ہے
بکھرا ہوا رنگ آسمان ہے ۔ تارون سے بہار گلستان ہے
دامن بخش نسیم دلکشا ہے ۔ صحرا سب عطر میں بسا ہے
سبزہ ہے کہ فرش مخملین ہے ۔ یا سطح زمین زمردین ہے
چھپا کہین نسترن کھلا ہے ۔ ہر تخت بہشت بن گیا ہے
طاوس چمن کا سو نئے ساز ۔ قمری کی وہ دلنواز آواز
پھولون کی وہ عنبرین قبائین ۔ بلبل کی وہ دلنشین صدائین
غنچون کی وہ شوخی تبسم ۔ چڑیون کی وہ خوبی تکلم
نرگس کی وہ چشم مست مخمور ۔ کہتی ہے صبا کہ چشم بد دور
ہے آتش لالہ گرم و سوزان ۔ قطرے شبنم کے در غلطان
اک گوہر شب چراغ گل ہے ۔ یا شعلہ فشان ایاغ مل ہے
سنبل نہین مار یاسمین ہے ۔ بکھری ہوئی زلف عنبرین ہے
جگنو پتون مین ہین درخشان ۔ روشن ہین چراغ زیر دامان
پانی مین جو عکس مشتری ہے ۔ اتری ہوئی شیشے مین پری ہے
مہتاب کے گرد ہین ستارے ۔ یا بزم طرب مین ماہ پارے
چھٹکی جو فلک پہ چاندنی ہے ۔ ہلکی سی بدن پہ اوڑھنی ہے
ہر رنگ مین تاب حسن فطرت
ہر شے سے عیان ظہور قدرت

کلام جنون (منگروی)

جو جل جلے ہین آتش عشق مجاز کے ۔ کیا کیا مزے اٹھاتے ہین سوز و گداز کے
ہان بادہ نوش حضرت واعظ کا تو قدم ۔ فتوے دیے ہین آپنے مے کے جواز کے
انکار وصل غیر ہے نیچی نگہ کے ساتھ ۔ کس نے سکھائے ڈھنگ یہ چھالے انکے

کیا پئین ساقی کم ظرف بڑا ہے کنجوس ۔ ہاتھ سے اسکے کبھی جام چھلکتا ہی نہین
گھر کیے بیٹھی ہے سینے مین ادائے دلبر ۔ واہ کیا تیر ہے جو دل مین کھٹکتا ہی نہین
کیون مے ہے شر بادیۂ نہین ہے خوشبو ۔ پھول کیسا ہے یہ ساقی کہ مہکتا ہی نہین

دل جو دو گے کسی کو جانو گے ۔ تم کو کیا قدر ہو ابھی دل کی
ہو گیا غیر کا جو تھا اپنا ۔ چال دلبر نے سیکھ لی دل کی

بدلے نہ وصل یار کہین ہجر یار سے ۔ ڈرتا ہون گردش فلک کج مدار سے
رندو! چلو امنڈ آئین قدح کیکدے کی خبر ۔ کالی گھٹائین آتی ہین دوکہسار سے

نہین پرواہ اسکی دل کو کھو بیٹھین تو کھو بیٹھین ۔ کسی کی انجمن مین اب جو آ نکلے تو آ نکلے
لڑکپن مین نہ تھا کچھ بھی ایسا اٹھتا جوبن تھا ۔ جوانی آتے ہی نام خدا کیا سے کیا نکلے
ستاؤ جتنا جی چاہے مگر یہ ہے تو سن رکھو ۔ وہی طرز جفا بھی ہے جسمین بھی ارمان نکلے

پہلے خاک اڑتی تھی کچھ لطف تھا آتی تھی ۔ رند میخانے مین آئے تو گھٹا بھی آئی
مسکراہٹ نے تمھاری تو غضب ہی ڈھایا ۔ کچھ خبر ہے کہین بجلی وہ گرا بھی آئی
ہمتو سمجھے تھے وہ آئین گے اکیلے لیکن ۔ ساتھ ساتھ انکے شب وصل حیا بھی آئی

جلا لو اپنے کشتے کو خرام ناز سے اٹھو ۔ مسیحائی کا دعوی اور آنا ہو نہین سکتا
ذرا سینے پہ کرو دست نازک رکھ دیکھو ۔ غلط ہے آپ کا بیمار اچھا ہو نہین سکتا
وہ گل پہلو مین ہے فصل جوانی موسم گل ہے ۔ انھین لمحون سے ترک جام صہبا ہو نہین سکتا
جنون دیوانے ہو اس کے جو تم اپنا سمجھتے ہو
تمھاری اصل کیا ہے وہ کسی کا ہو نہین سکتا

تبسم نازنین

(سر رابندر ناتھ ٹیگور کی ایک نظم کا ترجمہ)

اے دلنواز سمجھا اتری یہ پاس اوائے … اتری ہوا تجھ پر تو نور صبح زا سے
ابر بلغم جو جلا نیا لہو کی … اک خواب سیمائی کوشش ہے یہ لہو کی
آئی ہے کیا ابھی تو جنت کی سیر کر کے … داماں و آستیں کو پھولوں سے تازہ کر کے
پیدا ترا تبسم اے شوخ غنچہ لب ہے … تیرے فضائے دل میں جو ماہ نیم شب ہے
دیکھو اطرب فزا کیا باغ جناں کا منظر … چھایا سرور دل میں گلہائے ارم کو چھو کر
نسبت ترے لبوں کو کیا غنچہ اسحر سے … چھن چھن کے گر رہی ہے یہ روشنی قمر سے
تیرے لب و دہن کی کیا کیا کھلی ہے رنگت … گویا مہک رہے ہیں گلہائے باغ جنت
ہے نغمہ سحر آگیں گویا ترا تبسم … ہر حرف میں ہے جسکے آہنگ صد ترنم
کیا آگہی سے مطلب شمع سحر ہے خاموش … ہستی سے بیخبر ہوں اور ہوں میں خود فراموش

حیرت زدہ ہوں لیکن ہے جانتا ہوں اتنا
فتنہ ہے یہ تبسم آشوب زندگی کا

شفیق کاکوروی

اگلا پچھلا پیار

اک جانفزا وقت سحر … خورشید حسین تھا جلوہ گر
دامن سے اپنے خوبتر … برسا رہا تھا سیم و زر
اسوقت اے رشک قمر … میری محبت کی نظر تجھ پہ پڑی

حدت بوقت دوپہر … جب بڑھ گئی تھی دہر کو
تیری محبت زود تر … دل میں مرے آٹھوں پہر
بڑھنے لگی تھی سر بسر … کھانے لگا خون جگر ہر گھڑی

یہ آفتاب سپہر … مغرب میں جب
۲ ہونے لگا آفاق پر … شام غریباں کا گذر
تیری محبت کا اثر … دل سے مرے اسوقت پر زائل ہوا
وہ شام کیسی سرو تر … تھی جبکہ میں آشفتہ سر
عہد وفا کو توڑ کر … تجھکو اکیلا چھوڑ کر
گریاں دل و بریاں جگر … تجھکو بلا کر اور پر ماتل ہوا

ایسا ہوا میں بے بصر … اچھے برے سے بیخبر
سچی محبت توڑ کر … معشوق سے منھ موڑ کر
دل میں کیا وحشت نے گھر … اک بیوفا عیار پر شیدا ہوا
تیری وفا کو یاد کر … روتا تھا میں شام و سحر
اب ہے مرے پیش نظر … تصویر تیری جلوہ گر
جبتک کہ ہیں شمس و قمر … ہرگز نہ تجھکو چھوڑ کر ہونگا جدا

اختر (جوناگڈھی)

قطعات

تاریخ وفات حسرت آیات محتشم وقت جناب سید علی محمد صاحب عارف مرحوم و مغفور

راہ چلتے چلتے کیسا درد سینہ میں اٹھا … موت نے تسلیم کی اور روح جنت کو چلی
سال رحلت عیسوی منقوط ماہر یہ کہو
لو ہوا خاموش اس دم بلبل باغ علی
۱۹۱۶ء

ہرگز قیام کی نہ جگہ تھی سرائے دہر … کیا کیا اٹھائیں سختیاں دنیائے خست میں
سال ورود خلد یہ رضوان نے ہے کہا … وہ آگئے ہیں دیکھئے عارف بہشت میں
۱۳۳۴ھ

عمر ساری میں کی سب اپنی صرف … دیکھئے اس خوبی تقدیر کو
راستہ میں موت نے آکر کہا … لیجیے اب خلد کی جاگیر لو
محفل جنت میں چلیئے مہرباں … کاٹ دوں میں زیست کی زنجیر کو
حرف منقوطہ میں سال مرگ ہے
لو گئے اب خدمت شبیر کو
۱۳۳۴ھ

ماہر (کفتوری)

تازہ غزلیں

۱۔ جناب حسرت موہانی (بی اے)

بجا ہے عاشقی پر ہم کو دعویٰ سرفرازی کا — کہ نکلا ہے یہیں سے کام تیری دلنوازی کا
رہیگا حشر تک افسانہ باقی عشقبازوں میں — ہماری جانفشانی کا تمہاری بے نیازی کا
ملا ہے سلسلۂ حسن حقیقی سے مجازی کا — ملا استھا سے ظاہر ہے میں غم ہو کر باطن میں
رہا ہے ان ربطوں میں نہ ہیں مٹا دیتے سب محبت کی — اور اس پہ زمانے کر دیا حق بازی کا
یہ آخر تک جفا کچھ بھی ہے ظالم — زمانہ ہو گیا پامال تیری ترکتازی کا
مصیبت اسکو راحت ہے مزہ اسکو زحمت ہے — مزا کچھ دل کو ایسا ہو گیا ہے عشقبازی کا

نظربازی کی حسرت خوبرویوں ہے لوگوں میں
بہت شہرا سنا تھا ہم نے تیری پاکبازی کا

۲۔ جناب حمید (میرٹھی) ایڈیٹر رسالہ نظارہ میرٹھ

نہ دوسروں کا نہ اپنا خیال ہوتا ہے — جنون عشق بھی خطا سے وبال ہوتا ہے
کسی کے دل میں جو شوق وصال ہوتا ہے — تو ایک ایک دن ایک ایک سال ہوتا ہے
خوشی نہیں مرا حصہ خوشی نہیں ہوتی — ملال میرے لیئے بے ملال ہوتا ہے
دم اخیر ہے اب چارہ ساز ہٹ جائیں — مریض دردِ محبت نڈھال ہوتا ہے
رہے فراق میں ہم اسکو کس طرح نامیں — وصال بھی ہے کوئی شے وصال ہوتا ہے
رقیب مجھکو کہیں بوالہوس تو کیا شکوہ — مثل ہے چھوٹوں کا اچھا خیال ہوتا ہے
وہ جب ستا کے ہمیں دل میں شاد ہوتے ہیں — میں خوشی سے زیادہ ملال ہوتا ہے
وہ کہہ رہے ہیں سرہانے مرے دم آخر — جو ہم پہ مرتے ہیں انکا یہ حال ہوتا ہے
کسی کے سامنے ہم درد دل کہیں کیونکر — ہمارے حال سے اظہار حال ہوتا ہے
وہ مجھکو چاہیں مجھے خوب اے دل شیدا — اب آئی تیری اجل بے سوال ہوتا ہے

حمید اُن سے تم اظہار آرزو نہ کرو
یہی وہ بات ہے جس سے ملال ہوتا ہے

۳۔ مولوی امانت رسول صاحب عشقی

قتل عشاق کی شہرت ہے جفا کاروں میں — عید قربان ہے محبت کے گنہگاروں میں
حوصلے جرم کے کچھ اور بڑھا دیتے ہیں — جب وہ انکار سے آتے ہیں خطا واروں میں
جلوۂ حسن چھپانے سے کہیں چھپتا ہے — تو ہے گھر میں تو ترا ذکر ہے بازاروں میں
اسکو بھی تیری جوانی نے دکھایا نیچا — کہنہ مشق ایک فلک ہے جو ستمگاروں میں

اور ہمدرد کہوں عشق میں کسکو عشقی
اک درد ہے باقی مرے غمخواروں میں

شہیدان محبت نے یہاں خون وفا دیکھا — اگر تیرے کوچے کو قاتل ہم نے دشت کربلا دیکھا
کہیں رنگ رخ دشمن کہیں درد دل عاشق — نمایاں تجھکو ہر پردے میں اے رنگیں ادا دیکھا
یہاں تو رشک سے ہم مرتے ہیں دشمن جلتے ہیں — مگر دیکھا تو اسکو ایک عالم آشنا دیکھا
شب کاکل کی ظلمت سے ادھر کفر گر ادھر تو گر — گیا دل جس طرف قسمت سے سامان بلا دیکھا

جناب شوق سے فیض سخن ہم نے لے عشقی
تمہیں شیریں سخن پایا تمہیں رنگیں نوا دیکھا

۴۔ حافظ محمد یعقوب صاحب اوج (گیاوی)

نہ دی مجنون کی بے چینی مری بیتابی دل سے — چھڑایا بخت برگشتہ نے کس لیلیٰ شمائل سے
شناسائی بہت پیدا ادھر مژگان قاتل سے — کھٹکتے ہیں کلیجے میں نکل جاتی نہیں دل سے
مجھے دردو الم اندوہ و غم سے وہ نہیں فرصت — غلط مشہور کر رکھا ہے دل کو راہ ہے دل سے
زمانہ میں کوئی بھلے سے ان ہر ہے بیتابی — یہی آواز پیہم آ رہی ہے ہر حباب دل سے
اثر سوز درد کا ہے یہ عشق شعلہ یہ باتیں — شرر اس آہ سوزان کے نکلتے ہیں مرے دل سے
عدو کے سوگ میں مسند پہ بیٹھی ستر چھپا پرسوں — مری میت پہ دو آنسو نکلے چشم قاتل سے
سناؤں کیسے درد و غم فرقت کا افسانہ — بہ رنگ برق تڑپوں تو نہ بیتابی دل سے
ہمیشہ منہ تیرا ہے میں ملوں کیسے دیکھے — کبھی ہٹتا نہیں ہے آئنہ منہ کے مقابل سے
مری بے چینیوں سے بجلیاں بیتاب رہتی ہیں — فلک سے بڑھ کر میں ہتا ہے مری بیتابی دل سے
ہمارے دل لیا ان کھوں آرزو نہیں گھٹ کر — وہ دو چار ارماں جو نکلے تم نے مشکل سے
نہیں بیجا یہ فخر زمانہ کو شرکا ہوں غلام — تلمذ اوج کو حاصل ہے اس استاد کامل سے

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک مختلف وقت میں آتی رہی ہیں مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے مضامین کی وضاحت کے لئے صدہا تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد ؏ مجلد عہ

عجیب و غریب صدی - دی ونڈرفل سنچری ریڈ مصنفہ الفرڈ رسل والس کا اردو ترجمہ ہے اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیئے خاص ہیں وہ تمام باتیں بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہیں جو انیسویں صدی میں حکمت نے ایجاد یا تحقیق سے ظاہر کی ہیں حرارت روشنی اور برق نے جو عجیب کام برّی اور بحری دنیا میں کئے ہیں وہ عالمانہ طور پر اس کتاب میں مندرج ہیں۔ علاوہ ازیں آتش فشاں پہاڑوں اجرام فلکی علم الارض آدمی اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں حجم ۷۰۰ صفحات قیمت ۶ مجلد ۱۲

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جس میں چاند سورج، ستاروں، سیاروں، دُمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، اُن کی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات، گردش کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ زمین و آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ مجلد ۱۲

حیات شمع - جس میں شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیاء پیدا ہوتی ہیں شمع کے جلنے اور تنفس کی مشابہت کوئلہ، کوئلہ کی گیس، کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہیں قیمت ۶

پھولوں کی کہانی - جس میں پھول کے جملہ افعال، خواص، بناوٹ، اصطلاحی نام، درجہ بندی، تولید، شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے، رہنے سہنے وغیرہ کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہیں قیمت ۸

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - کتاب کیا ہے ایک حیرت کا فقرہ ہے؟ یا یوں کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع جس میں پیش کی نہایت قدیم قوموں کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہے نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیکی، حتی، بابلی، خالدی، اسوری، عرب، ایرانی، مصری، یہودی وغیرہ کے وہ تمام عجیب اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہیں جو تہذیب و شائستگی کا سلسلہ معیار سمجھے جاتے ہیں قیمت ۶

اصول پالٹیکس - تعریف نام سے ظاہر ہے جو لوگ پالٹیکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں مناسب ہے کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھیں قیمت صرف ۱۲ مجلد عہ

فلسفۂ الٰہیات - یعنی سری بھاگوت گیتا مع ترجمہ و تشریح مولفہ رائے بہادر پنڈت بانکی ناتھ صاحب مدن دہلوی۔ حجم ۲۰۰ صفحات لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز۔ توضیح مطالب کے لیے متعدد رنگین نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ طبع چہارم مجلد قیمت عہ

اپنشدوں کی تعلیم - اس کتاب میں اپنشدوں کا مذہب یعنی خدا، انسان، دنیا کی پیدائش، قائمی اور انتہا، انسان کی موجودہ اور آئندہ حالت اور بندھ اور موکش کا بیان ہے قیمت عہ مجلد عہ

ویدوں کی تعلیم - انگریزی کی مشہور و معروف کتاب ٹیچنگ آف دی ویداز کا ترجمہ قیمت مجلد ۱۴

خدا کی ہستی - انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمان علم الٰہی کی نادر اور مستند تصنیف کا انتخاب۔ عبارت نہایت سلیس اور عام فہم قیمت مجلد ۱۲

مکالمات افلاطون - جس میں مشہور حکیم و فلسفی افلاطون کے تین مکالمے یعنی (۱) خانڈوں (۲) یوتھوفرون اور (۳) پروٹاگورس شامل ہیں۔ ان مکالمات میں افلاطون نے بہت سے عقلی، اخلاقی اور فلسفیانہ [illegible]

منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس لکھنؤ (اودھ)

دکھایا ہی نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہی اصل یونانی سے ترجمہ کی گئی ہی۔
حجم ۱۴۴ صفحات۔ قیمت مجلد عہ

حدیقۃ الاخلاق ۔ اکانومی آف ہیومن لائف کا اردو ترجمہ اس کتاب کی نصائح پتھرون مین لوٹنے کے قابل ہین۔ تقریباً تمام مہذب زبانون مین اسکا ترجمہ ہوچکا ہی۔ ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہی۔ نو عمر لڑکون اور لڑکیون کیلیے یہ ایک اچھا انعام ہی قیمت ۱۲ر

حیات بعد الموت ۔ یہ انگلستان کی نامور مصنفہ فلارنس میرٹ کی لاجواب تصنیف "دیر از نو ڈیتھ" (کوئی فانی نہین) کا فصیح ترجمہ ہی جس مین منشی اختر محمد خان صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر نے داد فصاحت و دقیقہ سنجی دی ہی۔ اور تعلیم یافتہ روشن خیالون کے لیے سرمدی زندگی بخشنے والی غذائے روح ہی حجم ۶۔ ۵ صفحہ قیمت للہ مجلد عہ

ہوائی کرہ کے عجائبات ۔ اس کتاب مین ہوائی دہ پر راز باتین نہایت دلچسپی کے ساتھ بیان کی گئی ہین جن کا جاننا نہایت ضروری ہی قیمت ۲ر

تاریخ مذہب اس مین مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہی قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

قدما کی حکمت ۔ لارڈ بیکن کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشنٹس" کا ترجمہ۔ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ ہی قیمت ۶ر

داستان مریخ ۔ سیارہ مریخ کی جس قدر اس وقت تک تحقیقات ہوچکی ہی اسکو اختصار کے ساتھ اس مین قلمبند کردیا ہی۔ قابل دید کتاب ہی قیمت ۱۰ر

مشاہیر عالم ۔ دنیا مین جو مشہور اشخاص گذرے ہین اس کتاب مین انھین کا تذکرہ درج ہی۔ یہ مجموعہ بہت ہی مفید و تعلیم بخش ہی۔ اس کے مطالعہ سے نوجوانون مین ہمت اور رفاہ عام کے کامون کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی۔ قیمت صرف ۸ر

حکمائے یونان حق ۔ اس کتاب مین روم کے تین مشہور و معروف فلاسفرون یعنی (۱) سینیکا (۲) اپکٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہین نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہی
قیمت مجلد ۱۴ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین اس کتاب مین ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہین کیونکر وہ ادنی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانون کے لیے نہایت مفید ہی۔
قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

مصر کی کایا پلٹ ۔ سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب "میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ" کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہی حجم ۴۲۲ صفحہ قیمت مجلد عہ

بچون کی پرورش ۔ مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و مد ظلہا۔ ۱۵۳ صفحہ کی کتاب ہی جسمین وہ تمام باتین نہایت خوبی سے درج کی گئی ہین جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہی۔ بچون کے رکھنے کے متعلق نہایت مفید کتاب ہی قیمت عہ

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم جسمین بعض یورپین علما کے ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہین جو انھون نے اسلام پر کیے تھے ضمناً صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کی گئی ہی قیمت ہر دو جلد ۲ر

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر ۔ یہ مشہور سیاح بعہد شاہجہان و اورنگ زیب ہندوستان آیا تھا۔ اسی کا یہ سفرنامہ ہی جسکو دو ضخیم جلدون مین خلیفہ محمد حسین خان نے ترجمہ کیا ہی۔ نہایت دلچسپ کتاب ہی۔ حجم ۷۰۰ صفحہ
قیمت صرف ۲ر

شباب لکھنؤ ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہین تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمایے۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ مین قلمبند کیے ہین مترجمہ محمد احمد علی صاحب بی اے، قیمت عہ مجلد عہ

دولت درانیہ ۔ احمد شاہ درانی کے مفصل حالات ہندوستان پر متواتر حملے سکھون اور مرہٹون کی مشہور معرکہ آرائیان بڑے بسط و توضیح سے درج کی گئی ہین قیمت عہ مجلد عہ

تاریخ ہسپانیہ ۔ مسلمانون کا اسپین پر حملہ اور پوری طرح تسلط ہونے تک جو واقعات پیش آئے ہین وہ سب نہایت عمدگی سے مختصر طور پر درج کردیے گئے ہین قیمت عہ مجلد عہ

علمی کہانیان ۔ اردو زبان مین اپنی طرز کی پہلی کتاب ہی کہانیون کے پیرایہ مین بہت سی ایجادون اور علوم و فنون کے اصول بیان کردیے ہین

یہ کتاب خورد و کلان سب کے مطالعہ کے قابل ہے دماغ کو روشن اور ایجاد و اختراع کی طرف مائل کرتی ہے قیمت ۸ر

سوانح عمری پیغمبر عالم۔ حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانوں میں، دن ہو چکے ہیں، اردو میں بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہے کہ اسمیں آنحضرت کے سوانح عمر نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کیے گئے ہیں اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہیں چھوڑا گیا کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ ضخامت ۴۰۰ صفحہ قیمت عہ

رسولِ عربی۔ پیغمبر اسلام کی جامع سوانح عمری اور سچے حالات حجم ۱۵۴ صفحہ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت ۸ر

بنت الرسول۔ سیدۃ النسا حضرت فاطمہ کی مکمل لائف۔ اس کتاب کو حضرت سیماب (اکبرآبادی) نے لڑکیوں اور مستورات کے لیئے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحہ۔ قیمت ۵ر

اکسیر سخن۔ مہاکوی کالیداس کی موتی نظموں (رتو سنگھار) کا اردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع میں ملک کے مشہور فسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہم کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہے اور آپ کی تصویر بھی شامل ہے نیز ان نظموں کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی تصویر بھی کتاب کے شروع میں لگائی گئی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہاتھوں ہاتھ خریدی جائے۔ بہت کم نسخے اب باقی ہیں۔ قیمت ۶ر

کفایت شعاری۔ سموائل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب تھرفٹ کا خلاصہ انتخاب۔ قیمت ۸ر قسم دوم ۴ر

آئینہ ہارمونیم۔ مصنفہ پروفیسر نندلال صاحب ہارمونیم ... نے والوں کے لیئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت ہر دو حصہ (۱۰ آنے) ۱۲ر

جذبات نادر۔ منشی نادر علی خان صاحب نادر کاکوروی ... دم کی دلکش نظموں کا مجموعہ حصہ اول قیمت ۸ر حصہ دوم ۸ر

اسیر حرص و ہوس۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ طرز ادا نہایت دلآویز

شوخی اور رنگین کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے۔ فقرے چست لطیفے بے ساختہ باینہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں معاشرت کے بیمیوں نقشے نظر سے دکھائے ہیں نیچرل کیفیات و جذبات میں ترا پایہ درامہ ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸ر

عالم خیال۔ حضرت شوق قدوائی کی ایک بے اضافہ ... مرثیہ اردو نظم جو پبلک سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہے۔ چار دوں رخصت کے ساتھ یار عالانہ ریویو بھی شامل ہیں نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے شروع میں ایک محو خیال عورت کی نادر تصویر چھپائی گئی ہے، جو اسی کے لیئے ایک چابکدست مصور سے بنائی ہے قیمت ۱۰ر

عطر سخن۔ قومی منظومات کا ایک دلکش مجموعہ۔ اس مجموعہ میں چھوٹی بڑی ۵۰ منظومات شامل ہیں۔ اور بعض ان میں سے آٹھ آٹھ صفحہ کی ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ۔ سرورق رنگین حجم ۱۵۰ صفحہ۔ الغرض یہ کتاب محاسن ظاہری و باطنی کا بے نظیر مرقع ہے۔ اس قسم کی کتاب آجتک شائع نہیں ہوئی قیمت صرف عہ

رباعیات انیس و دبیر۔ اس کتاب میں ہندوستان کے ان دونوں مشہور قادر الکلام و معجز بیان سخنوروں کی عزائیہ اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے حجم ۱۰۰ صفحہ۔ قیمت ۴ر

رباعیات دبیر۔ حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ۔ اسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں۔ دیکھنے کی چیز ہے قیمت ۸ر

ہاکی۔ ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہیں جابجا ہاف ٹون تصاویر چھپائی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے کھلاڑیوں کے لیئے عمدہ کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

برکات سلطانی یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرہ تصانیف شروع میں سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چھپائی گئی ہے۔ لڑکیوں اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہے قیمت ۶ر

درۂ دانیال۔ (ترجمہ از انگریزی) اس کتاب میں مشہور درۂ دانیال کی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

منروا پبلشنگ کمپنی، منروا پریس، لکھنؤ (اودھ)

چشمہ صحت لاہور کی شہرہ آفاق دوا

حیات جاوید رفیق بدن حیات جاوید

موٹا تازہ۔ قوی۔ بارعب۔ ذی وجاہت خوبصورت اور سرخ و سفید بنانیوالا ایک خاص مرکب

مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں مفید

مردوں اور عورتوں کی خاص پوشیدہ بیماریوں اور عام بدنی کمزوریوں کو دور کردینے والا نسخہ

اس مرکب میں یہ خاصیت ہے کہ سیروں دودھ اور کئی چھٹانک مکھن روزانہ ہضم کر لینا ہے سینکڑوں لاغر۔ کمزور۔ نحیف اور مردہ مریض اسے کھا کر موٹے تازہ۔ سرخ و سفید اور قوی الجسم بن چکے ہیں۔ اسے کھاؤ اور اس کے ساتھ دودھ اور مکھن خوب ہضم کرو۔

آج اپنا وزن کر لو۔ اور اسے ایک مہینہ کھانے کے بعد پھر تولو

دیکھو کہ کتنا وزن بڑھتا ہے۔ یہ دوا معدہ اور آنتوں کو خاص قوت دیتی ہے۔ اس لئے بھوک خوب لگاتی ہے اور قبض کی عادت کو بھی دور کرتی ہے۔ اس کے سوا یہ مقوی ہے۔ دل۔ جگر اور دماغ کو بھی طاقت دیتی ہے۔ اسلئے یہ ایک لاثانی شے ہے۔

مردوں اور عورتوں کے خاص اور پوشیدہ اعضاء اور مادہ تولید پر بھی اس کا خاص اثر ہوتا ہے نطفہ کو قابل اولاد بناتی ہے۔ جریان و احتلام کو دور کرتی ہے۔ بے قاعدہ ملوثوں کے اخراج کو

جوانی کی بے اعتدالیوں

سے جو خرابیاں اندرون بدن میں پیدا ہو چکی ہوں۔ ان کے دور کرنے میں یہ جادو کا اثر رکھتی ہے سینکڑوں اس قسم کے بگڑے ہوئے مریض اس کے استعمال سے صحت یاب ہو چکے ہیں جو لوگ آئے دن بیمار رہتے ہوں اور کوئی دوا انہیں ایسی صحت نہ بخش سکتی ہو۔ وہ اسے ضرور برتیں۔ اس سا سچا رفیق انہیں کہیں نہیں ملنے کا۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اسے احتلام یا کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی ہی حالت میں استعمال کریں۔ نہیں بلکہ اگر آپ کو اپنی حالت درست کرنی مطلوب ہو۔ اگر آپ تندرست۔ صحیح سالم۔ موٹا تازہ بننا چاہتے ہوں۔ اگر آپ قابل رشک صحت حاصل کرنے کے بعد آئندہ بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں۔ تو کم از کم ایک ڈبیہ ضرور استعمال کریں۔ ہر مہینہ کئی من تیار ہو کر فروخت ہو جاتی ہے قیمت فی ڈبیہ پانچ روپے (علاوہ محصول ڈاک) ... ۲ سے ۹ ماشہ تک حسب برداشت۔ اس کے بے شمار تصدیقی خطوط کا خلاصہ دیکھنا ہو تو رسالہ زیست بدن منگوا کر پڑھئے۔

ایجنٹوں کی سخت ضرورت ہے

زیست بدن کی بکری اب چونکہ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے نہ تو کارکنان کارخانہ آسانی سے ایسے کام کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ خریدار محصول ڈاک مفت میں برداشت کریں۔ لہذا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ کافی آبادی رکھنے والے شہروں میں اس کے فروخت عام ایجنٹ مقرر کئے جاویں۔ بدیں وجہ ان شہروں کی آبادی دو تین ہزار سے زیادہ ہو ایجنٹوں کی اشد ضرورت ہے۔ ایجنٹوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ اور بہت سی سہولتیں ہیں۔ پس جو شخص تھوڑی سی محنت سے ہر مہینہ ... جائے۔ تو وہ ہمارے قواعد ایجنسی منگوا کر دیکھے۔ گرچہ جلد۔